إنما شفاء العي السؤال

آپ کے مسائل اور اُن کا حل

اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن

جلد اوّل

مسلمانوں کے بنیادی عقائد
ایمانیات، تقدیر، محاسنِ اسلام
انبیائے کرام علیہم السلام، عقیدہ
حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اجماع
معراج، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی خواب میں زیارت، صحابہؓ و
صحابیاتؓ، ازواجِ مطہراتؓ
اور صاحبزادیاںؓ، اجتہاد و تقلید
سنت و بدعت
غلط عقائد رکھنے والے فرقے





حضرت مولانا
محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

ترتیب وتخریج
حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ لدھیانوی

www.shaheedeislam.com


بسم الله الرحمن الرحيم

آپ کے مسائل اور اُن کا حل

مصنف:

شہیدِ اسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

ترتیب و تخریج:

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

طبع اوّل: 1989ء

اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن: مئی 2011ء

باہتمام: محمد طلحہ طاہر

نبیرہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

0321-2115502-02134130020

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘

مقبول عام اور گراں قدر تصنیف

ہمارے دادا جان شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کو اللہ رب العزت نے اپنے فضل و احسان سے خوب نوازا تھا، آپ نے اپنے اکابرین کے مسلک و مشرب پر سختی سے کاربند رہتے ہوئے دین متین کی اشاعت و ترویج، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تقاریر و تحاریر، فقہی و اصلاحی خدمات، سلوک و احسان، ردِ فرق باطلہ، قادیانیت کا تعاقب، مدارسِ دینیہ کی سرپرستی، اندرون و بیرون ملک ختمِ نبوت کانفرنسوں میں شرکت، تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ملکی و عالمی سطح پر قیادت و رہنمائی اور اصلاحِ معاشرہ ایسے میدانوں میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

آپؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ بلاشبہ اردو ادب کا شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ علمی و صحافتی دنیا میں آپؒ کی تبحرِ علمی، قلم کی روانی و سلاست، تبلیغی و اصلاحی اندازِ تحریر جیسی خداداد صلاحیتوں اور محاسن و کمالات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت شہیدِ اسلام نور اللہ مرقدہ روزنامہ جنگ کراچی کے اسلامی صفحہ ’’اقرأ‘‘ میں ۲۲ سال تک دینی و فقہی مسائل پر مشتمل کالم ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کے ذریعے مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ آپؒ کی شہادت تک چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاص وللّٰہیت کی برکت سے عوام الناس میں اس کالم کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ بلا مبالغہ لاکھوں مسلمان اس چشمہ فیض سے مستفید ہوئے۔ دس ہزار سے زائد سوالات و جوابات کو فقہی ترتیب کے مطابق چار ہزار صفحات پر مشتمل دس جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

عرصہ دراز سے ہمارے دوست احباب، معزز قارئین اور ہمارے بعض کرم فرماؤں کا شدت سے تقاضا تھا کہ حضرت شہیدِ اسلامؒ کی تصانیف آن لائن پڑھنے اور استفادے کے لیے دستیاب ہوں۔ چنانچہ اکابرین کی توجہات، دعاؤں اور مخلص ماہرین و معاونین کی مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز تگ و دو کا ثمرہ ہے کہ ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ (مکمل دس جلدیں) کی پی ڈی ایف اور موبائل ایپلیکیشن ۲۰۱۵ء جدید انداز میں تیار کی گئی، جسے بے حد پسند کیا گیا۔ جس کے بعد مفتیانِ کرام کی طرف سے تقاضا تھا کہ ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کے تخریج شدہ ایڈیشن کو بھی اسی طرز پر تیار کیا جائے۔

حسنِ اتفاق کہ تخریج شدہ ایڈیشن کی پہلی جلد کی پی ڈی ایف پر کام ۲۰۱۲ء میں ہی مکمل کرلیا گیا تھا (جو آن لائن دستیاب ہے) مگر دیگر جلدوں پر کام مکمل نہ ہوسکا تھا، چاہت تھی کہ اس کام کی تکمیل بھی ساتھ ہی کی جاتی، مگر یہ کام خاصا عرصہ اِلتوا کا شکار رہا اور ساتھ ہی احباب کا تقاضا شدت اختیار کرتا گیا۔ چنانچہ اس زیرِ التوا کام کو اللہ کے فضل سے مکمل کیا گیا اور اپنی تئیں کوشش کی گئی کہ بہترین انداز

ابتدائیہ

میں ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کے تخریج شدہ ایڈیشن کی بھی پی ڈی ایف اور موبائل ایپلیکیشن تیار کی جائے۔

چنانچہ پی ڈی ایف اور موبائل ایپلیکیشن میں جہاں کئی فیچرز رکھے گئے ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ آپ مطالعہ کے لیے فہرست سے ہی اپنے مطلوبہ موضوع پر ’’کلک‘‘ کرنے سے اس تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور کسی بھی صفحہ سے فہرست پر باسہولت جایا جاسکتا ہے۔ کسی بھی حوالہ نمبر پر کلک کر کے حوالے تک رسائی اور حوالہ نمبر پر کلک کر کے متن تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

پی ڈی ایف کی تیاری میں اس بات کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے کہ صفحات کی ترتیب اصل کتاب سے مطابقت رکھتی ہو، تاکہ مراجعت اور حوالہ جات میں سہولت کے ساتھ ساتھ اگر احباب اسے پرنٹ کر کے اپنے پاس کتابی شکل میں محفوظ رکھنا چاہیں تو بغیر کسی دشواری کے کر سکیں گے۔ جبکہ موبائل ایپلیکیشن میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ موبائل کی اسکرین پر مطالعہ کرنے میں سہولت رہے اور فونٹ کے چھوٹا ہونے سے پڑھنے میں دشواری پیش نہ آئے، جس کی وجہ سے صفحات کی ترتیب اصل کتاب کے مطابق رکھنا ممکن نہ ہو سکا۔

’’شہیدِ اسلام پورٹل‘‘ کے پلیٹ فارم سے حضرت شہیدِ اسلام نور اللہ مرقدہ کی تصانیف کو انٹرنیٹ کی دنیا میں متعارف کرانے کی سعادت حاصل کرنے پر ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سر بہ سجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ہمارے اکابرین کے علوم و معارف کا فیضِ عام فرمائے اور ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

جن حضرات کی دعاؤں، توجہات اور سرپرستی سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی، میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں، خصوصاً میرے والد ماجد مولانا محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم، شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ، جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر (ناظم مکتبہ لدھیانوی) جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کہ جن کا کسی بھی طرح تعاون حاصل رہا، تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و رضوان سے نوازے۔ آمین

(مفتی) محمد الیاس لدھیانوی
بانی و منتظم ’’شہیدِ اسلام پورٹل‘‘
www.shaheedeislam.com
info@shaheedeislam.com
+92 321 9264592
۱۲/۱/۱۴۴۰ھ - ۲۲/۹/۲۰۱۸ء

نوٹ: Mobile اور iPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے Adobe Acrobat PDF Reader کو کے طور پر استعمال کریں۔

مشاہدات وتأثرات

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى! اَمَّا بَعۡدُ

قرآنِ کریم میں ہے: ”فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ“ (الانبیاء:۷)... ”سو پوچھ لو، یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔“ اور حدیث شریف میں ہے: ”إنما شفاء العیّ السؤال“ (ابوداوٗد ج:۱ ص:۴۹)... ”لاعلمی کی شفا سوال کرنے میں ہے۔“

بلاشبہ اہلِ علم کا منصب ہے کہ متلاشیانِ علم کی علمی ضرورت کو پورا کیا جائے اور ان کی علمی پیاس بجھائی جائے، لیکن اس کے ساتھ عوام کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی علمی تشنگی اہلِ علم کے پاس جاکر دُور کریں۔ سوال و جواب، اِستفتاء اور فتویٰ اسی قرآن و سنت کے حکم کی تعمیل اور اس علمی و دِینی ضرورت کی تکمیل کی ایک شکل ہے۔

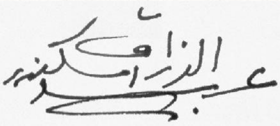
یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال سے مسلمان اپنے روزمرّہ زندگی کے دِینی مسائل اکابر اہلِ علم اور اَربابِ فتویٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا حل بتاتے چلے آرہے ہیں۔ زمانۂ قدیم کے ضخیم فتاویٰ ہوں یا دورِ حاضر کے اَربابِ فتاویٰ کی علمی کاوشیں، سب اسی ضرورت کو پورا کر رہی ہیں۔

ہمارے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جامعیت سے نوازا تھا، چنانچہ وہ علم و عمل، تقویٰ و طہارت، تصنیف و تالیف، تعلیم و تدریس، اِصلاح و تربیت وغیرہ ہر میدان میں اِمام نظر آتے ہیں۔ ہمارے ان بزرگوں میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ بھی ہیں جن کے علوم و فیوض کے چشمۂ صافی سے کثیر عوام سیراب ہوئی۔ درس و تدریس، رُشد و ہدایت، اِصلاح و تربیت، تصنیف و تالیف اور فِرَقِ باطلہ کی تردید، غرضیکہ آپؒ کی خدمات کا میدان وسیع بھی ہے اور ہمہ جہت بھی۔ آپ کی خدمات میں سے ایک عظیم خدمت آپ کے قلم سے نکلے ہوئے وہ فتاویٰ اور جواہر پارے ہیں جو روزنامہ ”جنگ“ میں ”آپ کے مسائل اور اُن کا حل“ کے نام سے تقریباً بیس سال سے زائد عرصہ تک شائع ہوتے رہے، جن میں اُمت کے بھٹکے ہوئے انسانوں کی ہدایت کا سامان اور شرعی حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سائل کو درپیش مسائل اور مشکلات سے نکلنے کی راہنمائی بھی کی گئی ہے۔ بلاشبہ روزنامہ ”جنگ“ کے اس کالم کے ذریعے لاکھوں انسانوں کی علمی ضرورت پوری ہوئی اور جو لوگ شرم کی بنا پر مسائل نہیں پوچھ سکتے تھے، یا ان کو معلوم نہیں تھا کہ پوچھیں تو

کس سے اور کس طرح؟ اس اخباری کالم کے ذریعے گھر بیٹھے ان کے مسائل حل ہونے لگے۔ یہ علمی ذخیرہ دس جلدوں میں مرتب ہوکر لوگوں کی نفع رسانی کا سامان کئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ اور خصوصیت کے ساتھ مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کو کہ انہوں نے اس علمی ذخیرے پر نظرِ ثانی کی اور فقہی مسائل کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن ہوکر تخریج کی اور اب یہ علمی ذخیرہ جدید ترتیب اور عربی حوالہ جات کے ساتھ اہلِ علم کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے اس کی افادیت میں مزید اِضافہ ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام شہداء اور ان کے رُفقاء کے لئے اسے صدقۂ جاریہ فرمائے اور لوگوں کے لئے اسے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔

فقط والسلام



(حضرت مولانا ڈاکٹر) **عبدالرزّاق اسکندر** (مدظلہٗ)
رئیس وشیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
نائب امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت
خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
۱۴۳۲/۵/۱۹ھ - ۲۰۱۱/۴/۲۴ء

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا دِین اور اس کے اَحکامات قرآنِ کریم اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں مسلمانوں کو عطا ہوئے، اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات خواہ انفرادی ہوں یا اِجتماعی، انہیں شریعتِ اسلامی کے مطابق اُستوار کرے، کیونکہ یہ شریعت آخری شریعت ہے اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے یہی شریعت راہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں اَحکامات سے متعلق واضح نصوص محدود تعداد میں ہیں جبکہ انسانی زندگی کے مسائل لامحدود ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ ان غیرمتناہی اور لامحدود مسائل کے اُصول اور اَساس قرآنِ کریم اور اَحادیثِ نبویہ ہی ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن وحدیث میں غور وفکر کرکے ان سے مسائل کا اِستنباط کیا جائے اور ان کے مطابق اپنی زندگی ڈھالی جائے۔

اب اس کی دو ہی صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں:

۱:... یا تو ہر مسلمان اتنی بصیرت، اتنا علم، اس قدر فہم واِدراک اور صلاحیت رکھتا ہو کہ وہ قرآنِ کریم اور اَحادیثِ نبویہ سے مسائل کا اِستنباط اور اِستخراج کرسکے اور اسی کا نام ”اِجتہاد“ ہے۔

۲:... دُوسری صورت یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ، بصیرت اور صلاحیت دی ہو، پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے ان پر اِعتماد کرکے ان کے بتائے ہوئے طریقوں اور ہدایات پر عمل کیا جائے، اسی کا نام ”تقلید“ ہے اور اس پورے عمل کا نام ”فقہ“ ہے۔

فقہِ اِسلامی جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے، صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک ہر دور میں اُمت کے بہترین صلاحیتوں کے افراد اور اعلیٰ دِماغ کے حامل اور گہری بصیرت رکھنے والوں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا، دُنیا کی کسی قوم، کسی مذہب اور کسی تہذیب وتمدن میں اس کی نظیر نہیں ملتی اور نہ ہی کسی قوم کے علمی ذخائر میں ایسی گہرائی وگیرائی اور ایسی وسعت کی مثال ملتی ہے۔ اگر اِسلامی علوم کو ایک گلدستے سے تشبیہ دی جائے تو اس گلدستے کا سب سے نمایاں پھول فقہِ اِسلامی ہوگا۔ اسی فقہ کا ایک حصہ ہے جسے ”فتویٰ“ یا ”فتاویٰ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

درحقیقت کسی سوال کے جواب میں بتائے گئے مسئلے کا نام ”فتویٰ“ ہے اور اس فتویٰ کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے چلا آرہا ہے، کیونکہ قرآنِ کریم نے خود فرمایا ہے:

”فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ“ (النحل:۴۳) ”پس اہلِ علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔“

پیش لفظ

اس زمانے میں فتویٰ کا منصب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سوالات کے جوابات عنایت فرماتے تھے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں موجود ہے کہ کئی مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھے گئے، مثلاً: ’’یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ‘‘ (البقرۃ:۱۸۹)...آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں...، ’’یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ‘‘ (البقرۃ:۲۱۹)...یہ آپ سے جوئے اور شراب کے بارے میں پوچھتے ہیں...، ’’یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ‘‘ (البقرۃ:۲۲۲)، ’’یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی‘‘ (البقرۃ:۲۲۰) وغیرہ۔

اسی طرح قرآنِ کریم میں فتویٰ اور اِستفتاء کا لفظ بھی اِستعمال ہوا ہے: جیسا کہ ارشاد ہے: ’’یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ‘‘ (النساء:۱۲۷)...یہ آپ سے عورتوں کے بارے میں اِستفتاء کرتے ہیں... ’’قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ‘‘...آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ اس طرح فتویٰ دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بہت سے صحابہ کرامؓ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ علامہ ابنِ حزم نے ’’اعلام الموقعین‘‘ میں ان صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک سو تیس سے زائد بتائی ہے، پھر ان میں بھی مراتب ہیں، بعض صحابہؓ بہت کم فتویٰ دیتے تھے، بعض مکثرین تھے یعنی جن کے فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے، لیکن ان میں بھی سات صحابہ کرامؓ: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام خصوصیت سے لئے جاتے ہیں۔ پھر تابعینؒ میں ایک بڑی جماعت فتویٰ دینے والوں کی تیار ہوئی، جن میں مدینہ کے سات فقہاء کے نام سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے بعد ہر دور میں علماء کی ایک بڑی تعداد فتویٰ دینے والوں کی موجود رہی ہے اور ان کے فتاویٰ جمع وترتیب کے مراحل سے بھی گزرے ہیں۔

ان فتاویٰ کے مجموعے دو طرح کے ہیں: ایک تو وہ فتاویٰ ہیں جو واقعتاً کسی سوال کے جواب میں دیئے گئے، جبکہ دُوسری قسم ان فتاویٰ کی ہے جنہیں فقہائے کرام اپنے طور پر سوچتے، ایک ایک مسئلے کی کئی کئی صورتیں اور جزئیات بناتے کہ اگر یہ صورتِ حال ہو تو کیا جواب ہوگا اور یہ مسئلہ ہوا تو کیا جواب ہوگا؟ ان تمام جزئیات کو سوچ سوچ کر فقہائے عظام نے ان کے جوابات تیار کئے جس کے نتیجے میں بڑے بڑے فتاویٰ مرتب ہوئے۔ فتاویٰ شامی، فتاویٰ عالمگیری اور اس طرح کے فتاویٰ اسی قبیل سے ہیں۔ انہی فتاویٰ کے مجموعے کی ایک کڑی ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ بھی ہے۔

اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ۵ مئی ۱۹۷۸ء میں ملک کے معروف اخبار روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی کے مالکان خصوصاً جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب نے ’’اقرأ‘‘ کے نام سے اپنے اخبار میں اسلامی صفحہ کا آغاز کیا، اس وقت اس صفحے کی نگرانی اور اس کو چلانے کے لئے اِدارہ ’’جنگ‘‘ نے عالمِ اسلام کی معروف دِینی وعلمی درسگاہ ’’جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن‘‘ سے رابطہ کیا کہ ہمیں کوئی عالمِ دِین دے دیا جائے جو اس صفحے کی نگرانی بھی کرے اور اسے چلائے بھی، تو جامعہ کے اکابر نے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کیا۔ اگرچہ یہ حضرت شہیدِ اسلامؒ کے مزاج کے خلاف تھا، لیکن اپنے بڑوں کا حکم سمجھ کر اسے قبول کرلیا۔ حضرت مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ کو آپ کا معاون اور اس صفحے کا اِنچارج مقرّر کیا گیا۔ اس صفحے میں دیگر سلسلوں کے ساتھ ’’آپ

کے مسائل اور اُن کا حل'' کے نام سے ایک کالم حضرت شہیدِ اسلامؒ نے شروع کیا، جس میں لوگوں کو ان کے دِینی مسائل کا آسان انداز میں جواب دیا جاتا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے یہ کالم ''جنگ'' اخبار کا مقبول ترین کالم بن گیا اور لوگ صرف اس کالم کی خاطر جمعہ کے اخبار اور اس میں ''اسلامی صفحہ'' کا ہفتہ بھر اِنتظار کرتے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں نے اس سے اِستفادہ کیا، لاکھوں لوگوں نے اپنے معاملات دُرست کئے اور اپنے مسائل کا حل پاکر اپنی زندگیوں کا صحیح رُخ متعین کیا۔ حلال وحرام سے آشنا ہوئے، اپنی عبادات، معاملات اور معاشرت کو دُرست کیا، بدعات ورُسومات سے توبہ کی۔

بہت سے حضرات جو کسی دِینی اِدارے اور مدرسے میں جانے سے ہچکچاتے ہیں وہ بلاتکلف خطوط کے ذریعے مسائل معلوم کرنے لگے، بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کے سامنے بیان کرتے ہوئے حیا اور شرم مانع ہوتی ہے، خصوصاً خواتین اس مسئلے سے زیادہ دوچار ہوتی ہیں، انہوں نے بھی اپنے مسائل کے لئے حضرتؒ کو خطوط لکھے اور اس طرح کسی رُکاوٹ کے بغیر گھر بیٹھے ان کے مسائل حل ہوئے۔

یہ سلسلہ حضرتؒ کی زندگی کے آخری لمحے تک بلکہ آپؒ کے بعد بھی جاری رہا اور اس طرح سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں مسائل کا حل پیش کیا گیا۔ اس مفید ومقبول سلسلے کو دیکھتے ہوئے اَحباب کا اِصرار ہوا کہ اسے جمع وترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ یہ عظیم علمی اور فقہی ذخیرہ محفوظ بھی ہوجائے اور رہتی دُنیا تک اس سے اِستفادہ بھی کیا جاسکے۔

چنانچہ اس پر کام شروع ہوا، سب سے اہم مرحلہ ان تمام اخبارات کے جمع کرنے کا تھا جن میں یہ مسائل شائع ہوئے تھے، کیونکہ شروع میں نہ یہ اِرادہ تھا اور نہ ہی کسی کے ذہن میں کوئی ایسا پروگرام تھا، جس کے لئے اخبارات محفوظ کئے جاتے۔ اس کے لئے مفتی محمد جمیل خان مرحوم نے بہت محنت کی اور ''جنگ'' اخبار کے دفتر سے، لائبریریوں سے اور مختلف حضرات سے رابطے کئے اور اَخبارات کی یہ فائلیں جمع کیں اور اس پر کام شروع ہوا، اور اس کی پہلی جلد جو عقائد وایمانیات پر مشتمل تھی رمضان ۱۴۰۹ھ میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی۔ اس کے دو سال بعد دُوسری جلد اور اس کے نو ماہ بعد تیسری جلد منصۂ شہود پر آئی اور پھر دیگر جلدوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، یہاں تک کہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی میں نو جلدیں چھپ چکی تھیں اور دسویں جلد حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت کے بعد مرتب ہوکر زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کالم کو مقبولیت سے نوازا تھا اسی طرح یہ مجموعہ بھی نہ صرف یہ کہ عوام الناس میں مقبول ہوا بلکہ علماء کے درمیان بھی اس نے اپنی نمایاں جگہ بنائی، عوام الناس کی ذاتی لائبریری، مدارس اور علمائے کرام کی لائبریریوں میں سے شاید ہی کوئی ایسی لائبریری ہو جو اس مجموعے سے خالی ہو۔ بلکہ بعض مساجد خصوصاً انگلینڈ میں باقاعدہ درساً اس کتاب کو پڑھاتے ہوئے ہم نے خود دیکھا ہے۔

''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی چند خصوصیات یہ ہیں:

ا:... بیشتر مسائل وہ ہیں جو روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے اسلامی صفحہ ''اقرأ'' میں شائع ہوئے، جبکہ ماہنامہ ''اقرأ ڈائجسٹ'' کراچی اور ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' میں شائع ہونے والے مسائل بھی اس میں شامل ہیں۔

۲:... حضرت شہیدؒ کے جوابات عام فہم عوامی انداز میں دیئے گئے ہیں، علمی انداز جو فتویٰ نویسی کا خاص انداز ہے، اس سے اِجتناب برتا گیا ہے۔

۳:... مسائل کے جوابات عام فہم اور سہل ہونے کے باوجود متانت وثقاہت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیا گیا۔

۴:... صرف سوال کے جواب پر ہی اِکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بہت سی جگہوں پر ضرورت کے تحت مشورہ بھی دیا گیا ہے، جس سے عام طور پر فتاویٰ کی کتابیں خالی ہیں۔

۵:... اِختلافی مسائل سے عموماً اِجتناب کیا گیا ہے۔

۶:... عام طور پر جواب میں اِختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے، کہیں کہیں تفصیل سے جواب بھی دیئے گئے اور بعض جواب تو اس قدر مفصل ہیں جو مستقل ایک مقالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۷:... عمومی انداز کی بنا پر عام طور پر مسئلہ بتادیا گیا ہے، حوالہ جات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

۸:... بہت سے جوابات تحقیقی بھی ہیں، خصوصاً وہ جوابات جو کسی اِعتراض یا کسی خاص تحقیق کے تناظر میں لکھے گئے ان میں حوالہ جات کا بھی اِہتمام کیا گیا ہے۔

۹:... حضرتؒ خود محقق تھے مگر اس کے باوجود آپؒ نے ہمیشہ اپنے اکابرؒ کی تحقیقات پر اِعتماد کیا ہے۔

جب یہ مجموعہ تیار اور مرتب کیا جارہا تھا اس وقت صرف یہ پیشِ نظر تھا کہ یہ علمی ذخیرہ جو اتنے اخبارات و رسائل میں بکھرا ہوا ہے، اسے جمع و مرتب کرکے محفوظ کردیا جائے، مزید تحقیق بعد میں ہوتی رہے گی، اس لئے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ ان مسائل کی تخریج ہوجائے تاکہ عوام الناس کے ساتھ ساتھ اہلِ علم خصوصاً مفتیانِ کرام بھی اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاسکیں۔ چنانچہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے اپنی زندگی میں تخریج کا کام شروع کرادیا تھا لیکن ابھی تخریج کا کام ابتدائی مرحلے میں تھا کہ آپؒ جامِ شہادت نوش کرکے اس دُنیا کو چھوڑ کر سوئے عقبیٰ روانہ ہوگئے۔ حضرتِ اقدسؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی مدظلہٗ نے اس کام میں دِلچسپی لی، ان کی بھی شدید خواہش تھی کہ اس مفیدِ عام کتاب کی تخریج ہوجائے، اس لئے انہوں نے حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ سے کہا کہ آپ حضرت شہیدؒ کے علمی جانشین ہیں، اس لئے یہ کام آپ ہی کریں۔ چنانچہ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ نے اس کام کا آغاز کیا۔ خود بھی تخریج کرتے تھے اور اس کے لئے آپ نے چار پانچ مفتیانِ کرام کی ایک ٹیم تیار کی، انہیں تخریج کا طریقۂ کار اور کام کی ترتیب سمجھائی اور ان کو اس کی تخریج پر لگایا۔ حضرت جلال پوری شہیدؒ زندگی بھر اس کی نگرانی فرماتے رہے۔ تخریج اور نظرِثانی کا خاصا کام حضرت مولانا جلال پوری شہیدؒ کی زندگی میں ہوچکا تھا، شہادت سے کچھ عرصہ قبل تو حضرت جلال پوری شہیدؒ پر اس کام کی تکمیل کا داعیہ بہت زیادہ تھا، چنانچہ نظرِ ثانی اور تصحیح کے کئی پروف آپ کی زندگی میں نکالے جاچکے تھے، تمام کام چھوڑ کر اسی کام میں لگے ہوئے تھے، بار بار فرماتے تھے کہ ''دُعا کرو! میری زندگی میں یہ کام مکمل ہوجائے'' مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ نے اپنی زندگی میں ہی مولانا محمد اِعجاز مصطفیٰ کو اس کام پر لگادیا تھا اور انہیں یہ کام اور اس کا طریقۂ کار سکھادیا تھا، بقیہ کام مولانا محمد اِعجاز مصطفیٰ صاحب نے ان مفتیانِ کرام کی ٹیم کے ساتھ مکمل کیا اور اس پر نظرِ ثانی کی۔ کام اگرچہ اس معنی میں تو

پیش لفظ

حضرت جلال پوریؒ کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکا کہ طبع ہوکر سامنے آجاتا، لیکن تخریج کا یہ تمام کام حضرت جلال پوری شہیدؒ نے ہی اپنی سرپرستی میں مکمل کرایا۔ اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ تمام کام حضرت جلال پوری شہیدؒ ہی کا ہے جو ان کے لئے صدقۂ جاریہ اور ان کی حسنات میں اِضافے کا ذریعہ ہوگا... اِن شاء اللہ۔ اس نئی ترتیب میں درج ذیل اُمور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

۱:... ہر ہر جزئیہ کی تخریج کی گئی ہے۔

۲:... بہت سی جگہ ایک ہی جواب میں کئی کئی جزئیات تھیں تو ہر ہر جزئیہ کی علیحدہ علیحدہ تخریج کی گئی ہے۔

۳:... کوشش کی گئی ہے کہ ہر ہر جزئیہ کی تخریج متعلقہ صفحے میں درج کی جائے۔

۴:... ہر حوالے میں باب، فصل اور مطلب وغیرہ کے اِلتزام کے ساتھ ساتھ طبع کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

۵:... تمام مسائل پر نظرِ ثانی کی گئی ہے۔

۶:... چند ایک مقام پر جواب کو مزید صراحت اور وضاحت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔

۷:... بہت سے وہ مسائل جو ان جلدوں کے چھپنے کے بعد اخبارات میں شائع ہوئے تھے، موضوع کے اِعتبار سے ان کا بھی اِضافہ کیا گیا ہے، جو ایک کثیر تعداد میں ہیں۔

۸:... مسائل میں بعض جگہ تکرار تھا، اس تکرار کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اگر کسی سوال یا جواب کو دوبارہ مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے تو اسے برقرار رکھا گیا ہے۔

۹:... قادیانیت سے متعلق بعض سوالات کے جوابات حضرت شہیدؒ نے قدرے تفصیل سے دیئے تھے اور وہ علیحدہ رسائل کی شکل میں شائع ہوئے تھے، انہیں بھی اس میں شامل کردیا گیا ہے۔

۱۰:... بعض جلدوں میں مسائل اپنے موضوع کے اِعتبار سے متعلقہ جگہ پر نہیں تھے، انہیں متعلقہ موضوع کے تحت کیا گیا، اس طرح کئی جلدوں، خصوصاً جلد دوم، ہفتم اور ہشتم کی ترتیب خاصی بدل چکی ہے۔

۱۱:... پہلے تمام جلدیں عام کتابی سائز ($\frac{۲۳\times۳۶}{۱۶}$) میں تھیں، اب تمام جلدوں کو فتاویٰ کے عام سائز پر ($\frac{۲۰\times۳۰}{۸}$) شائع کیا جارہا ہے۔

۱۲:... پہلے مسائل کی دس جلدیں تھیں، اب بڑے سائز کی وجہ سے یہ مجموعہ آٹھ جلدوں میں تیار ہوا ہے۔

اس جدید ترتیب، تخریج اور نظرِ ثانی میں حضرت شہید جلال پوریؒ کے علاوہ مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی مدظلہٗ، مولانا محمد طیب لدھیانوی، مولانا نعیم امجد سلیمیؒ، مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، مفتی عبدالقیوم دین پوری، مفتی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مفتی عبداللہ حسن زئی، مفتی محمد زکریا جالندھری، حاجی عبداللطیف طاہر، صاحبزادہ حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی اور محمد فیصل عرفان نے کام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

جب ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی پہلی جلد تیار ہوکر طباعت کے لئے پریس جارہی تھی تو مفتی محمد جمیل خان مرحوم نے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ''حضرت! اس کتاب کے شروع میں آپ کے

حالات آنے چاہئیں''، تو حضرتؒ نے زور سے لاحول پڑھا اور فرمایا: ''میں کیا اور میرے حالات کیا؟ کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' دُوسرے دن مفتی محمد جمیل خانؒ اپنے طور پر حضرتؒ کے حالات پر مشتمل چند صفحات لکھ کر لائے اور حضرتؒ کو دِکھائے۔ حضرتؒ نے پہلا جملہ پڑھتے ہی غصّے میں وہ کاغذات پھینک دیئے اور پھر فرمایا: ''کوئی ضرورت نہیں!'' پھر دو تین دن کے بعد خود ہی فرمایا: ''جب تک مصنف و مؤلف کے حالات معلوم نہ ہوں اور یہ کہ اس نے کس سے اِستفادہ کیا اور کن سے وابستگی رہی، لوگ کتاب پڑھتے بھی نہیں اور اس سے اِستفادہ بھی نہیں کرتے۔ اس لئے اپنے حالات میں خود ہی لکھ دیتا ہوں۔'' تو حضرتؒ نے اپنے حالات لکھے گویا کہ یہ آپؒ کی مختصر سی خودنوِشت سوانح ہے جو جلد اوّل میں ''تعارف'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ذیل میں بعینہٖ اسے نقل کیا جارہا ہے، البتہ کتب کی فہرست میں وہ کتابیں بھی شامل کردی گئی ہیں جو بعد میں شائع ہوئیں، اور بعض وہ رسائل جو ''تحفۂ قادیانیت'' وغیرہ کتب میں آگئے ہیں ان کا نام حذف کردیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ رقم طراز ہیں:

''مشرقی پنجاب کے ضلع لدھیانہ اور ضلع جالندھر کے درمیان دریائے ستلج حدِ فاصل کا کام دیتا تھا۔ ضلع لدھیانہ کے شمال مشرقی کونے میں دریائے ستلج کے درمیان ایک چھوٹی سی جزیرہ نما بستی ''عیسیٰ پور'' کے نام سے آباد تھی، جو ہر برسات میں گرنے اور بننے کی خوگر تھی، یہ مصنف کا آبائی وطن تھا۔ تاریخِ ولادت محفوظ نہیں، اندازہ یہ ہے کہ سن ولادت ۱۳۵۱ھ - ۱۹۳۲ء ہوگا۔ والدہ ماجدہ کا اِنتقال شیرخوارگی کے زمانے میں ہوگیا تھا۔ والد ماجد الحاج چوہدری اللہ بخش مرحوم و مغفور، حضرتِ اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت اور ذاکر و شاغل اور زیرک و عاقل بزرگ تھے۔ دیہات میں پنچائتی فیصلے نمٹانے میں ان کا شہرہ تھا، قریب کی بستی موضع جسووال میں والد صاحب کے پیر بھائی حضرت قاری ولی محمد صاحب ایک خضر صفت بزرگ تھے۔ قرآنِ کریم کی تعلیم انہی سے ہوئی، پرائمری کے بعد ۱۳ برس کی عمر ہوگی کہ لدھیانہ کے مدرسہ محمودیہ اللہ والا میں داخل ہوئے، یہاں حضرت مولانا اِمدادُاللہ صاحب حصاروی سے فارسی پڑھی، اگلے سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا، دو سال یہاں مولانا انیس الرحمٰنؒ، مولانا لطف اللہ شہیدؒ و دیگر اساتذہ سے اِبتدائی عربی کی کتابیں ہوئیں۔ ۲۷ر رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا، اور مشرقی پنجاب سے مسلم آبادی کے اِنخلاء کا ہنگامہ رستاخیز پیش آیا۔ مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد چک ۳۳۵ ڈبلیو بی ضلع ملتان میں قیام ہوا۔ وہاں سے قریب منڈی جہانیاں میں چوہدری اللہ داد خان مرحوم کی تعمیر کردہ جامع مسجد میں مدرسہ رحمانیہ تھا، وہاں حضرت مولانا غلام محمد لدھیانوی اور دیگر اساتذہ سے تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا، ایک سال مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاول نگر میں حضرت مولانا عبداللہ رائے پوریؒ، ان کے برادرِ خورد حضرت مولانا لطف اللہ شہید رائے پوریؒ اور حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدظلہ العالی سے متوسطات کی تعلیم ہوئی، اس کے بعد چار سال جامعہ خیرالمدارس ملتان میں تعلیم ہوئی۔ ۷۲-۱۳۷۳ھ میں مشکوٰۃ شریف ہوئی، ۷۳-۱۳۷۴ھ میں دورۂ حدیث، اور دورۂ حدیث کے بعد ۷۴-۱۳۷۵ھ میں تکمیل کی۔ خیرالمدارس میں

درج ذیل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے:

حضرتِ اقدس اُستاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ... بانی خیر المدارس وخلیفہ مجاز حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ... حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوری، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ڈیروی، حضرت مولانا محمد نور صاحب، حضرت مولانا غلام حسین صاحب، حضرت مولانا جمال الدین صاحب، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری۔

تعلیم سے فراغت کے سال حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے سلسلۂ اشرفیہ، امدادیہ، صابریہ میں بیعت کی اور علومِ ظاہری کے ساتھ تعمیرِ باطن میں ان کے انوار وخیرات سے اِستفادہ کیا۔

تعلیم سے فراغت پر حضرت مرشد کے حکم سے روشن والا ضلع لائل پور کے مدرسے میں تدریس کے لئے تقرّر ہوا، اور دو سال میں وہاں اِبتدائی عربی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔ دو سال بعد حضرت مرشد نے ماموں کانجن، ضلع لائل پور بھیج دیا، وہاں حضرت الاستاذ مولانا محمد شفیع ہوشیار پوری کی معیت میں قریباً دس سال قیام رہا۔

تعلیم وتدریس کے ساتھ لکھنے کا شوق شروع ہی سے تھا، مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں طبع زاد مشکوٰۃ **التقریر النجیح** کے نام سے تالیف کی تھی۔

سب سے پہلا مضمون مولانا عبدالماجد دریابادی کے رَدّ میں لکھا، موصوف نے ''صدقِ جدید'' میں ایک شذرہ قادیانیوں کی حمایت میں لکھا تھا، اس کے جواب میں ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، لیکن اس سے تشفی نہیں ہوئی، اس لئے برادرم مستری ذکراللہ کے اِیما پر مرحوم کی تردید میں مضمون لکھا جو ''دارالعلوم'' ہی کی دو قسطوں میں شائع ہوا۔ ماہنامہ ''دارالعلوم'' کے ایڈیٹر مولانا ازہر شاہ قیصر کی فرمائش پر ''فتنۂ انکارِ حدیث'' پر ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کے علاوہ ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' میں بھی شائع ہوا، جمعیت علمائے اسلام سرگودھا کے احباب نے اس کو کتاب کی شکل میں بھی شائع کیا۔

فیلڈ مارشل ایوب خان ۱۹۶۲ء میں بی ڈی نظام کے تحت ملک کے صدر بنے تو پاکستان کے ''اکبرِ اعظم'' بننے کے خواب دیکھنے لگے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس کے رُفقاء کو ابوالفضل اور فیضی کا کردار ادا کرنے کے لئے بلایا گیا، ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی اسلام پر تابڑتوڑ حملے شروع کردیئے، ان کے مضامین اخبارات کے علاوہ ''ادارہ تحقیقاتِ اسلامی'' کے ماہنامہ ''فکر ونظر'' میں شائع ہو رہے تھے۔ حضرتِ اقدس شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کی تمام تر توجہ ''فضل الرحمانی فتنہ'' کے کچلنے میں لگی ہوئی تھی، اور ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں اس فتنے کے خلاف جنگ کا بگل بجایا جاچکا تھا۔ ''بینات'' میں ڈاکٹر صاحب کے جو اِقتباسات شائع ہو رہے تھے ان کی روشنی میں ایک مفصل مضمون لکھا جس کا عنوان تھا: ''ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا

تحقیقاتی فلسفہ اور اس کے بنیادی اُصول''، یہ مضمون ''بینات'' کو تصحیح کے لئے بھیجا، تو حضرتِ اقدس بنوریؒ نے کراچی طلب فرمایا، اور حکم فرمایا کہ ماموں کانجن سے ایک سال کی رُخصت لے کر کراچی آجاؤ۔ یہ ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے، چنانچہ حکم کی تعمیل کی، سال ختم ہوا تو حکم فرمایا کہ یہاں مستقل قیام کرو۔ بعض وجوہ سے ان دنوں کراچی میں مستقل قیام مشکل تھا، جب معذرت پیش کی تو فرمایا کہ کم سے کم ہر مہینے دس دن ''بینات'' کے لئے دیا کرو۔ ہر مہینے دس دن کا ناغہ ماموں کانجن کے حضرات نے قبول نہ کیا، اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا حبیب اللہ رشیدی مرحوم و مغفور نے اس کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ تدریس کے لئے ماموں کانجن سے ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں تقرّر ہوگیا، یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء تک رہا، ۱۹۷۴ء میں حضرتِ اقدس بنوریؒ نے ''مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت'' کی امارت و صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی تو جامعہ رشیدیہ کے بزرگوں سے فرمایا کہ ان کو جامعہ رشیدیہ سے ختمِ نبوّت کے مرکزی دفتر ملتان آنے کی اجازت دی جائے۔ ان حضرات نے بادلِ نخواستہ اس کی اجازت دے دی، اس طرح جامعہ رشیدیہ سے تدریسی تعلق ختم ہوا۔ بیس دن مجلس کے مرکزی دفتر ملتان میں اور دس دن کراچی میں گزارنے کا سلسلہ حضرتؒ کی وفات... ۳؍ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ - ۱۷؍اکتوبر ۱۹۷۷ء... تک جاری رہا۔ حضرت بنوریؒ کا ہمیشہ اِصرار رہا کہ مستقل قیام کراچی میں رکھیں، ان کی وفات کے بعد ان کی خواہش کی تکمیل ہوئی۔ اس طرح ۱۹۶۶ء سے آج تک ''بینات'' کی خدمت جاری ہے اور ربِّ کریم کے فضل و اِحسان سے توقع ہے کہ مرتے دَم تک جاری رہے گی۔

مئی ۱۹۷۸ء میں جناب میر شکیل الرحمٰن صاحب نے ''جنگ'' کا اسلامی صفحہ ''اقرأ'' جاری فرمایا تو ان کے اِصرار اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کی تاکید و فرمائش پر اس سے منسلک ہوئے اور دیگر مضامین کے علاوہ ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کا مستقل سلسلہ شروع کیا۔ جس کے ذریعے بلامبالغہ لاکھوں مسائل کے جوابات، کچھ اخبارات کے ذریعے اور کچھ نجی طور پر لکھنے کی نوبت آئی، الحمدللہ! یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

بیعت کا تعلق حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد جالندھری نوّر اللہ مرقدہٗ سے تھا، ان کی وفات... ۲۱؍شعبان ۱۳۹۰ھ - ۲۲؍اکتوبر ۱۹۷۰ء... کے بعد حضرت قطب العالم ریحانۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندہلوی مہاجرِ مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ... المتوفیٰ ۲۴؍مئی ۱۹۸۲ء - ۲۹؍رجب ۱۴۰۲ھ... سے رُجوع کیا اور حضرتِ شیخ نے خلافت و اِجازت سے سرفراز فرمایا، اسی کے ساتھ عارف باللہ حضرتِ اقدس ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ... المتوفیٰ ۱۵؍رجب ۱۴۰۶ھ... نے بھی سندِ اِجازت و خلافت عطا فرمائی۔

ماہنامہ ''بینات''، ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' اور ماہنامہ ''اقرأ ڈائجسٹ'' کے علاوہ ملک کے مشہور علمی رسائل میں شائع شدہ سیکڑوں مضامین کے علاوہ چند کتابیں بھی تالیف کیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

۱:- اُردو ترجمہ خاتم النّبیین، از علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔

۲:- اُردو ترجمہ حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، از حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ۔

۳:- عہدِ نبوّت کے ماہ وسال (ترجمہ بذل القوۃ فی سنی النبوۃ، از مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ)۔

۴:- سیرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ (عربی سے ترجمہ)۔

۵:- قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیثؒ اور ان کے خلفاء کرام (۳ جلدیں)۔

۶:- اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم، دو جلدیں۔

۷:- عصرِ حاضر حدیثِ نبوی کے آئینہ میں۔

۸:- شہاب مبین لرجم الشیاطین (رجم کی شرعی حیثیت)۔

۹:- گمراہ کن عقائد اور صراطِ مستقیم۔

۱۰:- بولتے حقائق۔

۱۱:- شخصیات وتأثرات (۲ جلدیں)۔

۱۲:- ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

۱۳:- اسلام کا قانونِ زکوٰۃ وعشر۔

۱۴:- معاشرتی بگاڑ کا سدّباب۔

۱۵:- مقالات وشذرات۔

۱۶:- رسائلِ یوسفی۔

۱۷:- اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں (تین جلدیں)۔

۱۸:- دُنیا کی حقیقت (دو جلدیں)۔

۱۹:- اِصلاحی مواعظ (۸ جلدیں)۔

۲۰:- دورِ حاضر کے تجدّد پسندوں کے اَفکار۔

۲۱:- تحفۂ قادیانیت (۶ جلدیں)۔

۲۲:- منتخب احادیث (دعوت وتبلیغ کے چھ بنیادی اُصول)۔

۲۳:- اطیب النغم فی مدح سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۴:- آپ کے مسائل اور اُن کا حل (۱۰ جلدیں)۔''

''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی پہلی جلد کے علاوہ باقی نو جلدوں کا ''پیش لفظ'' مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ نے تحریر کیا تھا، ان کے کچھ اِقتباسات بھی پیش کئے جارہے ہیں تاکہ ریکارڈ محفوظ رہے۔

جلد دوم کا پیش لفظ

''الحمدللہ'' ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی جلدِ ثانی پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ جلدِ اوّل ماہِ مقدس رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ میں جب بفضلہٖ تعالیٰ منظرِ عام پر آئی تو علمائے کرام، مشائخِ عظام اور مخلص مسلمانوں کی طرف سے اس کی خوب پذیرائی ہوئی، اور پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگیا۔ اور ہر طرف سے مطالبہ ہونے لگا کہ اس کتاب کا دُوسرا ایڈیشن اور بقایا حصے بھی جلد از جلد تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کے لئے مکمل ہوجائیں۔ اندازہ بھی یہی تھا کہ پہلی جلد کے بعد دُوسری جلد جس کا ایک معتد بہ حصہ تیاری کے مراحل طے کرچکا تھا جلد طباعت کے مراحل سے گزر کر قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی، لیکن ''عرفت ربی بفسخ العزائم'' کے مصداق تقدیر تدبیر پر غالب رہی اور عجلت کی تمام کوششوں اور علمائے کرام و مشائخِ عظام اور مخلصین و محبین کے اِصرار کے باوجود جلدِ ثانی کی تکمیل میں دو سال کا عرصہ لگ گیا، یہ بھی خالص اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم و اِحسان ہے کہ اس کی توفیق و عنایت شاملِ حال رہی اور علم کا اتنا عظیم ذخیرہ تشنگانِ علم کے ہاتھوں تک پہنچ گیا، فالحمدللہ علیٰ منّہ وإحسانہ!

۱۹۷۸ء میں روزنامہ ''جنگ'' نے اِنقلابی میدان میں قدم رکھا جب میر شکیل الرحمٰن صاحبزادہ میر خلیل الرحمٰن نے صحافت کے میدان میں عملی حصہ لیا اور روزنامہ ''جنگ'' کراچی کی ذمہ داری سنبھالی، اس نوجوان نے صحافتی دُنیا میں نت نئے تجربات شروع کئے، ان تجربات میں ایک تجربہ اِسلامی صفحے کا آغاز تھا، مسئلہ ختمِ نبوّت سے دِلچسپی کی بنا پر قدوۃ الاتقیاء شیخ المشائخ رئیس المحدثین شیخنا حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ سے تعلق و محبت تھی، اس بنا پر اس صفحے کی ترتیب و تدوین کے لئے حضرت شیخ محترم کے متعلقین کی طرف نگاہ اُٹھی، اور اس عظیم خدمت کے لئے ہمارے شیخ و مربی و مولائی مولانا محمد یوسف لدھیانوی سے درخواست کی، تصنیف و تألیف، درس و تدریس، مجلس تحفظ ختمِ نبوّت، ماہنامہ ''بینات'' اور دیگر علمی مشاغل اور اخباری کام سے طبعی میلان نہ ہونے کی بنا پر حضرتِ شیخ نے اس ذمہ داری سے معذرت کی، لیکن جانشینِ حضرت شیخ بنوریؒ بقیۃ السّلف حضرتِ اقدس مولانا مفتی احمد الرحمٰن کے اِصرار پر آپ نے اس ذمہ داری کو قبول فرمایا اور مئی ۱۹۷۸ء سے آپ نے اسلامی صفحہ ''اقرأ'' میں تحریری کام کا آغاز فرمایا۔ ''نورِ بصیرت''، ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل''، ''اِفتتاحیہ'' کے عنوان سے مستقل سلسلے شروع کئے گئے، ''اِفتتاحیہ'' اِدارتی کالم پر مشتمل ایک قلمی جہاد تھا، جس میں آپ ہر ہفتے حکمرانوں کے افعال و اعمال کی گرفت اور مختلف لادِینی نظریات کے خلاف اپنا نقطۂ نظر مسلمانوں کے سامنے پیش کرکے حالات کا تجزیہ اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریوں کا اِحساس دِلاتے، یہ کالم بہت ہی مقبول و بے حد پسند کیا گیا۔ خاص طور پر آپ کا ایک اِداریہ ''کیا اسلام نافذ ہوچکا ہے؟'' بہت ہی پسند کیا گیا۔ لیکن کلمۂ حق، حکمرانوں نے کب پسند کیا کہ اس سلسلے کو پسند کیا جاتا؟ اخبار ''جنگ'' کے اس اِداریے پر سخت نوٹس لئے گئے، بارہا اِشتہار بند ہوئے، اخبار بند کرنے کی دھمکیاں دی گئیں، بالآخر

میر خلیل الرحمٰن صاحب ان دھمکیوں کی تاب نہ لا سکے اور یہ سلسلہ مجبوراً بند کر دیا گیا۔ ’’نورِ بصیرت‘‘ احادیثِ نبویہ اور الفاظِ قدسیہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح سے متعلق تھا، چونکہ حدیث شریف کے الفاظ کی طباعت اخبار میں مشکل اور بے حرمتی کا باعث ہوتی تھی اور صرف ترجمے پر اِکتفا گوارا نہ تھا، اس لئے یہ سلسلہ بھی بند ہوگیا۔ ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ اخبار ’’جنگ‘‘ کا سب سے پسندیدہ سنجیدہ کالم ہے، جو ہر جمعہ کو سب سے پہلے پڑھا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ لاکھوں افراد ہر جمعہ کو نہ صرف اس کے منتظر بلکہ اپنی اپنی زندگیوں کے لئے لازمی حصہ تصوّر کرتے ہیں اور بے شمار زندگیوں میں اس سلسلے نے اِنقلاب پیدا کیا۔ ہزاروں افراد نے اس کالم کی بنا پر اپنی صورتوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی صورت کے مطابق ڈھال لیا، سوال و جواب پر مشتمل یہ فقہی سلسلہ موجودہ دور کا وہ انقلابی سلسلہ ہے جس نے لاکھوں افراد کو ’’طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم‘‘ پر عمل پیرا کر دیا، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو اسی طرح قبولیتِ عامہ کے ساتھ تادیر جاری و ساری رکھے۔‘‘

جلد سوم کا پیش لفظ

’’اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ساتھیوں کی محنت و کاوش سے ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ جلد سوم آپ کے ہاتھوں میں ہے، حسبِ سابق تمام تر کوششوں کے باوجود اس جلد کی تدوین و ترتیب پر نو ماہ کی طویل گراں قدر مدّت صَرف ہوگئی، اِحتیاط عزائم پر اور تقدیر تدبیر پر غالب آتی رہی، ’’عرفت ربی بفسخ العزائم‘‘ کا مشاہدہ جا بجا ہوتا رہا۔ قارئین بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ عجیب بات ہے، مسائل طبع شدہ ہیں، پھر بھی تأخیر سمجھ سے بالاتر ہے۔ لیکن کیا کیا جائے حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کی محتاط طبیعت، ایک ایک مسئلے پر خود کئی مرتبہ نظرِ ثانی، تصحیح کا بھی خود ہی اِہتمام، دیگر علمائے کرام کے مشورے، دُوسری طرف ’’بینات‘‘، ’’ختمِ نبوّت‘‘، ’’اقرأ ڈائجسٹ‘‘ کی سرپرستی، ہزاروں قارئین کے براہِ راست خطوط کے تسلی بخش جوابات، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی مسندِ حدیث پر نورِ نبوّت کی ضیاپاشیاں، مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کی طرف سے منکرینِ ختمِ نبوّت اور کذّاب نبی کا مسلسل تحریری و تقریری تعاقب، روافض، مبتدعین، غیر مقلدین، منکرینِ حدیث اور دیگر باطل فرقوں کی جانب سے اسلام پر اِعتراضات کا دِفاع، قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث نوّر اللہ مرقدہٗ، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہ العزیز کے سلاسلِ تصوّف میں مریدین کی اِصلاح و تزکیہ، بے شمار عزیز ساتھیوں کی ذاتی ضروریات کی کفالت، یہ تمام ذمہ داریاں اتنا وقت ہی فارغ نہیں کرتیں کہ آپ کے مسائل کی جلدیں ساتھیوں کے عزم کے مطابق ہر تین ماہ میں منظرِ عام پر آتی رہیں۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم و اِحسان اور اکابرین حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کے نظرِ انتخاب کو داد دینے کو دِل چاہتا ہے کہ آپ نے حضرت مرشدی مولانا لدھیانوی کے ملکہ خاص اور عطائے ربانی کو بھانپ لیا اور اس ’’ہیرے‘‘ کی جوہری کی طرح قدر کی۔ اس قدر کا نتیجہ ہے کہ آج حضرت مولانا لدھیانوی کے قلم کی برکات کا اگر ایک طرف ’’جنگ‘‘ اخبار کے ذریعہ عالمِ دُنیا میں ظہور ہو

رہا ہے تو ختمِ نبوّت کے موضوع پر بے شمار رسائل و کتب، ''بینات'' اور ''اقرأ ڈائجسٹ'' کے صفحات، ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم''، ''سیرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ''، ''عہدِ نبوّت کے ماہ و سال'' اور دیگر بے شمار کتابوں کے ذریعے علماء و مشائخ کا طبقہ خصوصاً اور ایک عالم عموماً فیض یاب ہو رہا ہے۔

''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' اگرچہ اخبار میں فتاویٰ کی ترتیب کے مطابق شائع نہیں ہوتے، بلکہ قارئین کے خطوط اور سوالات کی اہمیت کے مطابق شائع کئے جاتے ہیں، لیکن کتاب کی تدوین و ترتیب کے موقع پر فتاویٰ کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، اس لحاظ سے پہلی جلد عقائد سے متعلق تھی، اس میں زیادہ تر ''جنگ'' اخبار میں شائع شدہ مسائل کو شامل کیا گیا، لیکن بعض ضروری عقائد کے مسائل پر مولانا کے جو کتابچے تھے، وہ بھی شامل کردیئے گئے تاکہ عقائد کے تمام ابواب پر پہلی جلد مشتمل ہو۔ دُوسری جلد میں طہارت اور نماز کے مسائل ہیں، جبکہ تیسری موجودہ جلد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور تلاوتِ کلامِ پاک کے مسائل پر مشتمل ہے۔''

جلد چہارم کا پیش لفظ

''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے سلسلے کو اللہ تعالیٰ نے جس قبولیت سے نوازا اس کے شاہد وہ ہزاروں خطوط ہیں جو ہر ماہ ہمارے شیخ و مربی سیّدی و مرشدی امام الاتقیاء فقیہِ ملت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہٗ کے نام اپنے دِینی مسائل کے تشفی بخش جواب کے حصول کے لئے آتے ہیں۔ اور یہ سب اللہ ربّ العزّت کا فضل و کرم اور اس کا اِحسان ہے کہ اس نے اس سلسلے کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ ہم سب اس عظیم نعمت پر اللہ ربّ العزّت کے شکرگزار ہیں اور یہ دُعا کرتے ہیں کہ اللہ ربّ العزّت اس سلسلے کو تادیر قائم رکھے اور ہمارے شیخ و مربی کا یہ فیض اس مقبولیت کے ساتھ پھلتا پھولتا رہے۔

موجودہ چوتھی جلد فقہی ترتیب کے لحاظ سے حج و عمرہ کی فرضیت و فضیلت، اَقسامِ حج، حجِ بدل، عورتوں کے لئے حج کرنے کی شرائط، اِحرام کے مسائل، اہلِ مکہ کے حج کے مسائل، طواف، اعمالِ حج، روضۂ اقدس کی زیارت اور مسجدِ نبوی ...علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام... کی حاضری، قربانی، عیدالاضحیٰ اور قربانی کے جانوروں کے مسائل، غیرمسلم کے ذبیحے کے اَحکام، عقیقے کے مسائل، حلال و حرام جانوروں کے مسائل، دریائی جانوروں کے اَحکام، پرندوں اور ان کے انڈوں کے اَحکام، آنکھوں کے عطیہ اور اس کی وصیت کے اَحکام، اعضاء کی پیوندکاری کے مسائل، قسم ...حلف... کے اَحکام اور ان کے کفاروں کی تفصیل، الفاظِ قسم وغیرہ کے اَحکام اور ان کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔''

جلد پنجم کا پیش لفظ

''بہت ہی شکر و اِحسان اس ربِّ جلیل اور علیم و خبیر کا کہ جس کی توفیق اور فضل و کرم سے حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے مقبول ترین سلسلے ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی پانچویں جلد تیاری کے مرحلے سے گزر کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماکر نافع بنائے، آمین!

پیش لفظ

حضرتِ اقدس زید مجدہم نے میر شکیل الرحمٰن ایڈیٹر انچیف ''جنگ گروپ آف پبلی کیشنز'' کی خواہش اور اِصرار پر مئی ۱۹۷۸ء میں ''جنگ'' کے اسلامی صفحہ ''اقرأ'' کی ذمہ داری قبول کی اور حضرت کی معاونت ورفاقت کے لئے ''ناکارۂ خلائق'' راقم السطور کا نام حضرت مفتی احمد الرحمٰن نوّر اللہ مرقدہٗ کے مشورے سے طے پایا، تو کسی کے وہم وگمان اور حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے اور اس خدمت کو اتنی عظیم شرفِ قبولیت سے نوازیں گے اور اس کے ذریعے فقہ ودِین کی اتنی عظیم خدمت ہوگی کہ لاکھوں افراد کی زندگیوں کا نقشہ تبدیل ہوجائے گا۔

علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ پُرفتن دور میں حضرتِ اقدس مولانا لدھیانوی زید مجدہم اسلام کے صحیح ترجمان اور علمائے حق کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں۔

اخبار ''جنگ'' کے ذریعے اگر ایک طرف وہ عام مسلمانوں کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، تو عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت کے پلیٹ فارم سے پوری دُنیا میں مرزا نجس... موجودہ سربراہ جماعتِ قادیانیہ... کا تعاقب کرتے نظر آتے ہیں، اور اس سلسلے میں آپ کا علمی شاہکار ''تحفۂ قادیانیت'' ۷۰۰ سے زائد صفحات پر اُردو اور انگلش میں علمائے کرام اور عوام الناس کی صحیح راہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' نے اس اِفتراق اور اِنتشار کے دور میں حق وباطل کو ایک روشن شکل میں دُنیا کے سامنے ممتاز اور علیحدہ کردیا ہے، اور اُمتِ مسلمہ کے ذہنوں میں پائے جانے والے اس سوال کا شافی جواب مہیا کردیا کہ علمائے کرام کے شدید اِختلاف کے اس دور میں ہم حق کی تمیز کیسے کریں؟ ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' کی تیسری جلد نے موجودہ پُرفتن دور کے سب سے بڑے ''رفض'' کے ''تقیہ'' کا غلاف پوری طرح اُتار دیا اور یہ فتنہ پورے طور پر واضح ہوگیا۔''

جلد ششم کا پیش لفظ

''مرشدی حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا مقبول ترین سلسلہ وار کالم ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' جو ۱۹۷۸ء سے ''جنگ'' کے اسلامی صفحہ ''اقرأ'' کی زینت بن رہا ہے اور لاکھوں افراد جمعہ کے دن اس سے اپنی علمی تشنگی دُور کرتے ہیں، اور دِینی مسائل کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالتے ہیں، اور ہزاروں افراد کی زندگیوں میں اس کالم نے اِنقلاب برپا کیا۔

الحمدللہ! حضرتِ اقدس کی نظرِ ثانی کے بعد ۱۹۸۶ء میں پہلی جلد منظرِ عام پر آئی اور آج الحمدللہ! ماہِ ربیع الاوّل ۱۴۱۶ھ کے مبارک موقع پر چھٹی جلد کی تکمیل کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ اس جلد میں خرید وفروخت اور وراثت کے مسائل کو یکجا کیا گیا ہے۔ عام طور پر تجارت کے بارے میں یہ تصوّر ہے کہ یہ دُنیاوی معاملہ ہے، دِین سے اس کا کیا تعلق؟ لیکن نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے دیانت دار اور سچے تاجر کو اَنبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء کی معیت کی خوشخبری سنا کر واضح کردیا کہ دِینی اَحکامات تجارت کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔''

جلد ہفتم کا پیش لفظ

''سیّدی ومرشدی حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے مشہور کالم ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل''

کی مقبولیت اور رُجوعِ عام میں جس طرح روز بروز اِضافہ ہوتا جارہا ہے، اور علمائے اُمت جس طرح اس سے اِستفادہ کر رہے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ربّ العالمین نے حضرتِ اقدس کے اِخلاص وللّٰہیت کی برکت سے اس کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمایا۔ ہر جمعہ لاکھوں افراد اس کالم سے مستفیض ہوتے ہیں اور اپنی دِینی مشکلات کے لئے رُجوع کرتے ہیں۔ آج سے چند سال قبل ۱۹۷۸ء میں اس صفحہ ''اقرأ'' کا آغاز کیا گیا تو کتنے لوگ تھے جنھوں نے ناک بھوں چڑھائی، کتنے اہلِ علم نے خدشات کا اِظہار کیا، کسی نے اس کو دِین کی توہین قرار دیا، کسی نے فتاویٰ کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کہا، لیکن قربان جاؤں حضرتِ اقدس محدث العصر حضرت العلامہ سیّدی مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کی نظرِ اِنتخاب پر کہ آپؒ نے میر شکیل الرحمٰن سے ایک ملاقات میں بھانپ لیا کہ اس نوجوان کے ذریعے دِین کا کام لیا جاسکتا ہے اور پھر اس کو اپنے ہم نام وہم کام علمی وقلمی جانشین مرشدی حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے حوالے کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرتِ اقدس کو تادیر عافیت ورحمت کے ساتھ رکھے۔ پاکستان کے اخبارات میں پہلی مرتبہ اسلامی صفحے کا آغاز ہوا، جو اس وقت سے لے کر اب تک حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، اِمامِ اہلِ سنت مولانا مفتی احمد الرحمٰن کے لئے صدقۂ جاریہ اور مرشدی حضرتِ اقدس زید مجدہم کے لئے فیض رسانی کا بہت اہم ذریعہ ہے۔ الحمدللہ! ثم الحمدللہ! بے شمار لوگ اس صفحے میں حضرتِ اقدس کے کالم کی وجہ سے دِینی راہ پر لگ گئے۔

اخبارات کی زندگی ایک دوروزہ ہوتی ہے، اِدھر پڑھا اُدھر ختم، لیکن بے شمار لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اَز اوّل تا آخر ''اقرأ'' کے صفحات کو خزانے کی طرح محفوظ رکھا ہوا ہے، ایسے ہی مخلصین کی خواہش پر ۱۹۸۹ء میں اس علمی خزانے کو پہلی دفعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، الحمدللہ! آج ہم اس خزانے کا ساتواں حصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ حضرتِ اقدس کی ہمیشہ سے خواہش رہتی ہے کہ جب بھی بیت اللہ اور روضۂ اقدس پر حاضری ہو تو کوئی نہ کوئی علمی ذخیرہ ضرور پیش کیا جائے، ربِّ کائنات کا ہزار بار شکر ہے کہ اِن شاء اللہ یہ ساتویں جلد ۱۴۱۷ھ کے حج کے موقع پر بارگاہِ خداوندی اور روضۂ اقدس پر قبولیت کے لئے پیش کی جارہی ہے، ربِّ کائنات سے دُعا ہے کہ حضرتِ اقدس کے اس فیض کو تمام دُنیا کے مسلمانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائیں اور شرفِ قبولیت سے نوازیں۔''

جلد ہشتم کا پیش لفظ

''مرشد العلماء حضرتِ اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے فقہی شاہکار ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی آٹھویں جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حسبِ سابق یہ ان مسائل کا مجموعہ ہے جو گزشتہ ۱۹ سال سے ''جنگ'' کراچی اور لندن کے اسلامی صفحے کے ذریعے لاکھوں قارئین، ہزاروں علمائے کرام کی نگاہوں سے گزرا، گویا ایک طرح سے نقادوں کی نگاہوں سے چھلنی ہوکر اس کے بعد حضرتِ اقدس کی نظرِ ثانی کے مراحل سے گزر کر کتابی شکل میں آپ کے سامنے آتا ہے۔ اس کے باوجود حضرتِ اقدس کی اِحتیاط کے پہلو کا اندازہ اس سے لگایئے کہ کتاب کی اِبتدا میں تحریر کردیا کہ:

''بندہ نے یہ مسائل قرآن وسنت اور اکابر علمائے کرام کی آراء کی روشنی میں تحریر کئے ہیں، اس میں اگر

میری تحقیق علماء کے خلاف پاویں یا مجھ سے کچھ فروگزاشت دیکھیں تو مطلع کریں، بندہ رُجوع کرنے میں کسی طرح بھی تأمل نہ کرے گا۔‘‘

الحمدللہ! حضرتِ اقدس کے اس تواضع اور اِحتیاط کی برکت ہے کہ اب تک لاکھوں مسائل آپ کے قرطاسِ ابیض میں منتقل ہوچکے ہیں، لیکن اِکادُکا مسئلے کے علاوہ کبھی رُجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔ یہ خالص اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور حضرتِ اقدس کے مشائخِ اربعہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نوّر اللہ مرقدہٗ، حضرتِ اقدس محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ، حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نوّر اللہ مرقدہٗ، حضرتِ اقدس عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ کے فیضِ صحبت اور مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، اِمامِ اہلِ سنت، جانشینِ حضرت بنوری مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، عاشقِ حرمین شریفین حضرتِ اقدس مولانا محمد اِدریس میرٹھیؒ کے اِعتماد کا مظہر اور ثمرہ ہے، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ!

مسائل کے سلسلے میں اِعتماد کی وجہ سے حضرتِ اقدس کی زبانی بارہا سنا، فرماتے ہیں:

’’میں اپنی تحریروں اور مسائل کے سلسلے میں کبھی اپنی رائے پر اِعتماد نہیں کرتا، بلکہ اکابر علمائے کرام کے فیوض وبرکات کو اپنے الفاظ کے قالب میں ڈھال لیتا ہوں۔ فلسفہ اور فکر میرے اکابر کی ہے، الفاظ میرے ہیں۔ اگر کبھی تحقیق کے زعم میں اپنی کوئی رائے قائم بھی ہوجائے اور دِماغ میں وسوسہ آجائے کہ میری رائے اَرفع ہے تو فوراً یہ کہہ کر جھٹک دیتا ہوں کہ ان اکابر کے سامنے تیری رائے کی کیا حقیقت ہے۔ میری تحریروں میں اکابر کے علم کے سوا کچھ نہیں ملے گا، یہی وجہ ہے کہ کبھی اپنے علم پر ناز نہیں بلکہ اپنے علم کو ان بزرگوں کی جوتیوں کا صدقہ گردانا۔‘‘

اس آٹھویں جلد میں بھی اسی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔ پردے کے مسائل سے کتاب کا آغاز ہے، پردے کے مختلف عنوانات کے لحاظ سے ایک سوتین سوال اس باب میں جمع کئے گئے ہیں، اخلاقیات کے باب میں ۳۲ مسائل، رُسومات کے باب میں ۲۹ مسائل، معاملات کے باب میں ۳۵، اس کے علاوہ سیاست، تعلیم، اوراد ووظائف، جہاد اور شہید کے اَحکام، مختلف جائز اور ناجائز اُمور اور بعض متفرق مسائل سے اگلے صفحات کو مزین کیا گیا ہے۔‘‘

جلد نہم کا پیش لفظ

’’مرشد العلماء حکیم العصر شیخ کامل مرشدی ومولائی مخدومی نائب امیرِ مرکزیہ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی زادہ اللہ شرفاً نے ’’اقرأ‘‘ اسلامی صفحے میں ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کے نام سے جو فقہی مسائل کا سلسلہ شروع فرمایا تھا، آج دُنیا بھر کے مسلمان حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے اس رُوحانی سلسلے سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اس سلسلے کی نویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس میں:

ڈارون کا نظریۂ اِرتقا اور اِسلام، سائنس دانوں کے اِلحاد کے اسباب، مذہب اور سائنس میں فرق، خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، ائمۂ اَربعہؒ کے حق پر ہونے کا مطلب، اکابرِ دیوبند کا مسلک، مسئلۂ حاضر وناظر، اعضاء کی پیوندکاری، مسئلۂ تقدیر کی

وضاحت، رافضی پروپیگنڈا، خودکشی سے بچانے کے لئے تین طلاق کا حکم، تجارتی کمپنیوں میں پھنسی ہوئی رُقوم پر زکوٰۃ کا حکم، پرائز بونڈ کی پرچیوں کا حکم، پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت، کنٹیکٹ لینسز کی صورت میں وضو کا حکم، القرآن ریسرچ سینٹر کا شرعی حکم، غیبت اور حقیقتِ واقعہ، ٹی وی ایک اِصلاحی ذریعہ، اسلامی شعائر کی توہین، خیالاتِ فاسدہ اور نظرِ بد کا علاج، حقوقِ والدین یا اِطاعتِ اُمیر، جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔''

جلد دہم کا پیش لفظ

''بظاہر مئی ۱۹۷۸ء سے شروع ہونے والے مشہورِ زمانہ کالم: ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کا سفر ۱۸ مئی ۲۰۰۰ء کے روز حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے سانحے کے موقع پر پورا ہوگیا تھا، لیکن چونکہ دُنیا بھر میں اس کی پھیلی ہوئی کرنیں تاحال ماند نہیں پڑیں، اور اس خزانۂ عامرہ کی باقیات اہلِ محبت کے سینوں اور ذہنوں میں محفوظ ہیں، بلکہ ۲۲ سال تک پوری آب و تاب سے بہنے والے اس بحرِ بیکراں کی موجوں سے چھلکنے والے آبِ زلال کا ذخیرہ اب بھی کاغذ و قرطاس کے تالابوں میں وافر مقدار میں موجود ہے، کچھ کی نشاندہی ہوگئی ہے، جبکہ کچھ ابھی تک پردۂ اِخفا میں ہیں، حضرت شہیدؒ کے متعلقین و منتسبین کی خواہش و اِصرار تھا کہ ان جواہر پاروں، علوم و معارف اور فقہ و تحقیق کے شہ پاروں کو بھی یکجا کرکے اُمتِ مسلمہ کے سامنے لایا جائے۔

چنانچہ یہ کام جس طرح حضرتؒ کی زندگی میں آب و تاب سے جاری تھا، حضرتؒ کی شہادت کے بعد بھی بغیر کسی تعطل کے جاری رہا، اور حضرتؒ کی ہدایت کے مطابق ''آپ کے مسائل'' کی دسویں جلد کا کام شروع کردیا گیا، بحمداللہ اب اس جلد کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے، جس کے اہم ترین موضوعات تو وہی ہیں جن کی حضرت شہیدؒ نے خود اپنی زندگی میں نشاندہی فرمائی تھی، جن میں سے مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علوی مالکی کے بارے میں حضرت شہیدؒ کی تحریرات قابلِ ذِکر ہیں، جبکہ اس کے علاوہ دُوسرے وہ مسائل جو حضرتؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے اور وہ براہِ راست سائلین کے پاس محفوظ تھے، یا جن کی نقول محفوظ کرلی گئی تھیں، اسی طرح چند وہ اہم مسائل بھی اس میں شامل کرلئے گئے ہیں، جو ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کی ترتیب کے بعد صفحۂ ''اقرأ'' میں شائع تو ہوگئے مگر کتابی شکل میں نہیں آئے تھے، یوں یہ جلد بھی نویں جلد کی طرح متفرق مسائل اور عنوانات پر مشتمل ہے۔

اِن شاء اللہ جب کتاب کی ترتیبِ جدید ہوگی تو اس جلد کے وہ مسائل جو عقائد و ایمانیات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور معاملات سے متعلق ہیں، وہ متعلقہ ابواب میں درج کردیئے جائیں گے۔ خدا کرے کہ وہ مبارک گھڑی بھی جلد آجائے کہ ہم کتاب کی تخریج اور تحقیق کے بعد اسے نئے سرے سے فقہی ابواب کی ترتیب پر لانے کی سعادت حاصل کرسکیں۔''

ان دس جلدوں کی تدوین و ترتیب، کمپوزنگ، طباعت وغیرہ میں درج ذیل حضرات نے حصہ لیا تھا، مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ نے مختلف جلدوں کے ''پیش لفظ'' میں جن حضرات کا شکریہ ادا کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، مولانا نعیم امجد سلیمی، عبداللطیف طاہر، مولانا فضل حق، مولانا محمد رفیق، محمد وسیم غزالی، قاری

ہلال احمد، محمد فیاض، جاوید ڈسکوی، عبدالستار چوہدری، سیّد اطہر عظیم، مولانا طیب لدھیانوی، حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی، میر خلیل الرحمٰن، میر جاوید الرحمٰن، میر شکیل الرحمٰن اوران کی والدہ کے لئے دُعا کی درخواست کی ہے۔

’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ کی ترتیبِ نو اور تخریج حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ نے کی ہے تو ان کے تذکرے کے بغیر بات ادھوری رہ جاتی ہے، اس لئے ان کا مختصر سا تعارف بھی اس اشاعت میں شامل کیا جارہا ہے:

نام وولدیت:...مولانا سعید احمد بن جام شوق محمد جلال پوری

پیدائش:...۱۹۵۶ء

تعلیم وتدریس:...اِبتدائی تعلیم گھر کے قریب مولانا عطاء الرحمٰن اور مولانا غلام فرید سے ہوئی۔ ۱۹۷۱ء میں مدرسہ انواریہ حبیب آباد طاہروالی، ۷۲-۱۹۷۴ء تک مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر خان پور میں، ۱۹۷۵ء دارالعلوم کبیروالا خانیوال۔ ۷۶-۱۹۷۷ء میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ، مولانا سیّد مصباح اللہ شاہؒ، مولانا بدیع الزماںؒ، مولانا محمد اِدریس میرٹھیؒ، مولانا فضل محمد سواتیؒ وغیرہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات سے کسبِ فیض کیا، اور ۱۹۷۷ء میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ کراچی بورڈ سے میٹرک کیا اور ایف اے کا اِمتحان دیا۔ کراچی ہی سے عربی فاضل کی سند حاصل کی۔

عملی زندگی:...اِمامت وخطابت: جامع مسجد شریفی، جوڑیا بازار کراچی، جامع مسجد رحمانی، پاپوش نگر کراچی، جامع مسجد راہ گزر، شاہ فیصل کالونی کراچی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شاخ ’’معارف العلوم‘‘ پاپوش نگر کے نگران اور مدرّس رہے اور اپنی مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں اُستاذ مقرّر ہوئے۔

صحافتی خدمات:...اِیڈیٹر ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی (جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا ترجمان)، کالم نگار روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی کے اسلامی صفحہ ’’اقرأ‘‘، ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘، رَدِّ قادیانیت اور تردیدِ فِرقِ باطلہ میں ملکی وقومی اخبارات وجرائد میں بے شمار مضامین ومقالات شائع ہوچکے ہیں۔ بیسیوں کتب ورسائل پر پُرمغز تبصرے اور تقریظات لکھیں۔

تصانیف:...معارفِ بہلوی (چار جلدیں)، بزمِ حسیں (دو جلدیں)، حدیثِ دِل (تین جلدیں، جلد چہارم زیرِ طبع)، پیکرِ اِخلاص، فتنۂ گوہرشاہی، تخریج ونظرِ ثانی ’’آپ کے مسائل اور اُن کا حل‘‘ (۸ جلدیں)، قادیانیت کا تعاقب۔

بیعت وخلافت:... اِبتدائی بیعت حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ، ان کی رحلت کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اِمامِ اہلِ سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے بھی خلافت سے نوازا۔

تجدیدِ بیعت:...خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

ذمہ داریاں:... مہتمم: مدرسہ اِمام ابویوسف، شادمان ٹاؤن کراچی۔

خطیب جامع مسجد بابِ رحمت، شادمان ٹاؤن کراچی۔
امیر عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوّت کراچی۔
رئیس دارالافتاء ختمِ نبوّت کراچی۔
تخریج ونظرِ ثانی ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل''۔
ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' کی مجلسِ اِدارت کے معزّز رُکن۔
رُکن مرکزی مجلسِ شوریٰ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان اکابرؒ کی محنتوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں اور اس مجموعے کو دُنیا میں اُمتِ مسلمہ کی ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ اور آخرت میں کامیابی وکامرانی کا سامان بنائیں، آمین!

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيرِ خَلُقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

مفتی خالد محمود

نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ، پاکستان
۱۴۳۲/۵/۲۱ھ - ۲۵/اپریل ۲۰۱۱ء

فہرست

ایمانیات

مسلمانوں کے بنیادی عقائد

ایمان کی حقیقت ۴۱
نجات کے لئے ایمان شرط ہے ۴۳
زبان سے اسلام کا اِقرار نہیں کیا اور مرگیا ۴۴
وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟ ۴۴
مسلمان کی تعریف ۴۵
مسلمان کی تعریف قرآن وسنت کی رُو سے ۴۶
پورے اسلامی قوانین نہ ماننے والوں کا شرعی حکم ۴۷
شریعت کسے کہتے ہیں؟ ۵۰
اسلام کے بنیادی عقائد ۵۰
اللہ کو اِنسان کی عبادت کی کیا ضرورت تھی؟ ۵۸
ابتدائی وحی کے تین سال بعد عمومی دعوت وتبلیغ کا حکم ہوا ۵۹
''وحی کی برکات'' سے کیا مراد ہے؟ ۶۰
اُمّ الکتاب اور لوحِ محفوظ کی حقیقت ۶۰
لوحِ محفوظ پر جس کے لئے گناہ لکھا جاچکا ہے، اُسے سزا کیوں ملے گی؟ ۶۰
اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا یا قلم؟ ۶۱

فہرست

موجبِ تخلیقِ کائنات ۶۲
تخلیقِ کائنات کتنے دِن میں ہوئی؟ ۶۲
رضا بالقضا سے کیا مراد ہے؟ اور کیا یہ سچا مؤمن ہونے کی علامت ہے؟ ۶۲
گونگے کا اظہارِ اسلام ۶۳
ہر مسلمان غیرمسلم کو مسلمان کرسکتا ہے؟ ۶۴
دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟ ۶۴
صراطِ مستقیم سے کیا مراد ہے؟ ۶۴
صراطِ مستقیم کی کیا حقیقت ہے؟ ۶۷
کیا اُمتِ محمدیہ میں غیرمسلم بھی شامل ہیں؟ ۶۸
زَبور، توراۃ، اِنجیل کا مطالعہ ۶۸
تحریف شدہ آسمانی کتب کے ماننے والے اہلِ کتاب کیوں؟ ۷۰
مسلمانوں کو ''اہلِ کتاب'' کہنا کیسا ہے؟ ۷۰
اللہ تعالیٰ کے لئے واحد وجمع کے صیغے کے اِطلاق کی حکمت؟ ۷۱
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ۷۱
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دُنیا کے لئے بعثت ۷۱
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے ایمان پر بحث کرنا جائز نہیں ۷۲
نسخِ قرآن کے بارے میں جمہور اہلِ سنت کا مسلک ۷۲
فیض الباری اور رافضی پروپیگنڈا ۷۴
قرآن میں درج دُوسروں کے اقوال قرآن ہیں؟ ۷۹
کلامِ اِلٰہی میں درج مخلوق کا کلام نفسی ہوگا؟ ۸۰
''کاد الفقر أن یکون کفرًا'' کی تشریح ۸۰
متعدی امراض اور اِسلام ۸۱
مجذوم سے تعلق رکھنے کا حکم ۸۲
مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں نہ کہ دوائی ۸۳
اللہ، رسول کی اطاعت سے انبیاء کی معیت نصیب ہوگی، ان کا درجہ نہیں! ۸۴
کیا قبرِ اَطہر کی مٹی عرش وکعبہ سے افضل ہے؟ ۸۵

ولی اور نبی میں کیا فرق ہے؟ ۸۷
کوئی ولی، غوث، قطب، مجدّد، کسی نبیؑ یا صحابیؓ کے برابر نہیں ۸۷
کیا ولایت پیدائشی ہوتی ہے یا محنت سے ملتی ہے؟ ۸۷
غوث، قطب، اَبدال کی شرعی حیثیت ۸۷
کیا گوتم بدھ کو پیغمبروں میں شمار کرسکتے ہیں؟ ۸۸
کسی نبی یا ولی کو وسیلہ بنانا کیسا ہے؟ ۸۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کا وسیلہ ۸۸
بزرگوں کے طفیل دُعا مانگنا ۸۹
کیا توسل کے بغیر دُعا نہ مانگی جائے؟ ۸۹
انبیاءؑ و اولیاءؒ وغیرہ کو دُعاؤں میں وسیلہ بنانا ۹۰
اکابرِ دیوبند کا مسلک ۹۰
بحقِ فلاں دُعا کرنے کا شرعی حکم ۹۲
توفیق کی دُعا مانگنے کی حقیقت ۹۳
توکل اور صبر کی حقیقت ۹۳
اسباب کا اِختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ۹۴
اسباب پر بھروسہ کرنے والوں کا شرعی حکم ۹۵
رزق کے اسبابِ عادیہ اختیار کرنا ضروری ہے ۹۵
شریعت نے اسباب کو مہمل نہیں چھوڑا ۹۵
کیا آخرت میں دُنیا کی باتیں بھول جائیں گی؟ ۹۶
کیا بغیر مشاہدے کے یقین معتبر نہیں؟ ۹۶
عقیدہ صحیح ہو اور عمل نہ ہو ۹۷
کشف و اِلہام اور بشارت کیا ہے؟ ۹۷
کشف یا اِلہام ہوسکتا ہے، لیکن وہ حجت نہیں ۹۸
کشف کی حقیقت، غیر نبی کا کشف شرعی حجت نہیں ۹۸
کراماتِ اولیاء برحق ہیں ۹۹

تقدیر

تقدیر کیا ہے؟ ۱۰۱
کیا تقدیر کا تعلق صرف چار چیزوں سے ہے؟ ۱۰۲
قسمت سے کیا مراد ہے؟ ۱۰۳
مسئلۂ تقدیر کی مزید وضاحت ۱۰۳
تقدیر برحق ہے، اس کو ماننا شرطِ ایمان ہے ۱۰۸
تقدیر و تدبیر میں کیا فرق ہے؟ ۱۰۹
کیا تقدیر پر اِیمان لانا ضروری ہے؟ ۱۱۰
کیا پیشانی پر تقدیر کی تحریر کا واقعہ دُرست ہے؟ ۱۱۱
انسان کتنا مختار ہے اور کتنا مجبور؟ ۱۱۱
تقدیر بنانا ۱۱۲
کیا ایک شخص کی زندگی دُوسرے کو لگ سکتی ہے؟ ۱۱۳
کیا محنت کئے بغیر بھی قسمت اچھی ہوسکتی ہے؟ ۱۱۳
کیا حلال اور حرام کمانا قسمت میں لکھا ہوتا ہے؟ ۱۱۳
کیا ظاہری اسباب تقدیر کے خلاف ہیں؟ ۱۱۴
انسان کے حالات کا سبب اس کے اعمال ہیں ۱۱۴
انسان کی زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے، کیا وہ سب کچھ پہلے لکھا ہوتا ہے؟ ۱۱۵
سب کچھ پہلے لکھا جاچکا ہے یا انسان کو بھی نیک اعمال کا اختیار ہے؟ ۱۱۶
جب ڈاکو بننا، ڈاکٹر بننا، چور بننا مقدّر ہے تو آدمی کا کیا قصور ہے؟ ۱۱۷
بُرا کام کرکے مقدر کو ذمہ دار ٹھہرانا صحیح نہیں ۱۱۸
گناہ کی سزا کیوں دی جاتی ہے جبکہ یہ اس کے مقدّر میں لکھا تھا؟ ۱۱۹
خیر اور شر سب خدا کی مخلوق ہے، لیکن شیطان شر کا سبب و ذریعہ ہے ۱۱۹
جب ہر کام کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں تو پھر شیطان کا کیا دخل ہے؟ ۱۲۰
ہر چیز خدا کے حکم سے ہوتی ہے ۱۲۰
کوئی آدمی امیر ہوتا ہے اور کوئی غریب حالانکہ محنت دونوں کرتے ہیں ۱۲۰

نظر لگنے کی کیا حیثیت ہے؟ ۱۲۲
قاتل کو سزا کیوں جبکہ قتل اس کا نوشتۂ تقدیر تھا ۱۲۲
جب مرنے کے اسباب مقرّر ہیں تو پھر مارنے والے کو سزا کیوں دی جاتی ہے؟ ۱۲۲
خودکشی کو حرام کیوں قرار دیا گیا جبکہ اس کی موت اسی طرح لکھی تھی؟ ۱۲۳
کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں موت کے سوا کچھ نہیں ہے؟ ۱۲۳
شوہر اور بیوی کی خوش بختی یا بدبختی آگے پیچھے مرنے میں نہیں ہے ۱۲۳
کیا دُعا سے تقدیر کی تبدیلی ہوتی ہے؟ ۱۲۳

محاسنِ اسلام

اسلام دِینِ فطرت ۱۲۵
اسلام دُوسرے مذاہب سے کن کن باتوں میں افضل ہے؟ ۱۲۶
کیا غیرمذہب لوگوں کو اِسلام کا حق ہونا معلوم ہے؟ ۱۲۶
''بنیاد پرستی'' کا مفہوم ۱۲۷
نظامِ اسلام کی مخالفت کرنے والوں کا شرعی حکم ۱۲۸
اسلامی ممالک میں غیرمذہب کی تبلیغ پر پابندی تنگ نظری نہیں ۱۲۸

انبیائے کرام علیہم السلام

بشریتِ انبیاء علیہم السلام ۱۳۰
شریعت کی معرفت میں اعتماد علی السلف ۱۴۳
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر؟ ۱۴۵
مسئلہ حاضر و ناظر اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۴۵
مسئلہ حاضر و ناظر کی ایک دلیل کا جواب ۱۵۳
قرآن مجید میں مذکور انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی ۱۵۴
کیا تمام انبیاء علیہم السلام غیب کا علم جانتے ہیں؟ ۱۵۴
حضرت آدم علیہ السلام کو سات ہزار سال کا زمانہ گزرا ۱۵۴
حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا ۱۵۵
اَرواح میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اَجسام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی ۱۵۵

فہرست

کیا انسان آدمؑ کی غلطی کی پیداوار ہے؟ ۱۵۵
حضرت آدم علیہ السلام سے نسل کس طرح چلی؟ کیا ان کی اولاد میں لڑکیاں بھی تھیں؟ ۱۵۶
حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کے متعلق سوالات ۱۵۶
حضرت داوٗد علیہ السلام کی قوم اور زَبور ۱۵۹
حضرت یحییٰ علیہ السلام شادی شدہ نہیں تھے ۱۵۹
حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے سے سبق ۱۵۹
حضرت ہارون علیہ السلام کے قول کی تشریح ۱۶۱
حضرت ابراہیمؑ نے ملائکہ کی مدد کی پیشکش کیوں ٹھکرادی؟ ۱۶۳
کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟ ۱۶۳
کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ ۱۶۴
حضرت خضر علیہ السلام کے جملے پر اِشکال ۱۶۵
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک ۱۶۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک ۱۶۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ رَدِّ شمس ۱۶۹
انبیائے کرامؑ کے فضلات کی پاکی کا مسئلہ ۱۷۱
معجزۂ شق القمر ۱۷۷
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح ۱۷۹
خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں پر شبہات کی وضاحت ۱۷۹
طائف سے مکۃ المکرّمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس کی پناہ میں تشریف لائے؟ ۱۸۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ رہتا نہیں تھا ۱۸۵
سینۂ نبوی کی آواز ۱۸۶
منہ پر تعریف کرنا ہر ایک کے لئے ممنوع نہیں ۱۸۶
”قریب تھا کہ انبیاء ہوجاتے“ کا مفہوم ۱۸۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس طرح پڑھی گئی؟ ۱۸۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟ ۱۸۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ اور تدفین کس طرح ہوئی اور خلافت کیسے طے ہوئی؟ ۱۹۰

حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کے اِرادے کی حکمت ۱۹۲
رحمۃ للعالمین اور بدُعا ۱۹۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''نبی پاک'' کیوں کہتے ہیں؟ ۱۹۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کس کے لئے؟ اور حصول کا طریقہ ۱۹۵
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی ۱۹۶
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کے ساتھ صرف ''ص'' لکھنا ۱۹۷
خطوط میں بسم اللہ نہ لکھنا بہتر ہے اور لفظ ''محمد'' کو مخفف کرنا جائز نہیں ۱۹۸
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ''ص'' یا ''صلعم'' لکھنا ۱۹۸
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام کے ناموں پر ''ص'' یا ''ع'' لکھنا ۱۹۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ کیا ''وآلہٖ وسلم'' لکھنا ضروری ہے؟ ۱۹۹
''علی احمد'' یا ''محمد علی'' نام لکھتے وقت اُوپر ''ص'' لکھنا ۱۹۹
دُرود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ ۱۹۹
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک آنے پر صرف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہنا ۲۰۰
کلمہ پڑھنے کے بعد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھنا ۲۰۰
کیا بیت الخلا میں اسمِ ''محمد'' سن کر دُرود پڑھنا چاہئے؟ ۲۰۰
صیغۂ خطاب کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۲۰۱
''حضور'' کا لفظ استعمال کرنا ۲۰۱
دُرود شریف میں ''آلِ محمد'' سے کون لوگ مراد ہیں؟ ۲۰۱
انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ کیا لکھا جائے؟ ۲۰۱
حدیث شریف میں ''رض'' کی علامت ۲۰۲

عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اِجماع

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۲۰۳
حیاتِ برزخی موضوعِ بحث ہے ۲۹۵
رُوح کا لوٹایا جانا ۲۹۶
مجلس مقنّنہ اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ ۲۹۶

عقیدۂ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ مسلمہ ۲۹۷
منکرینِ حیات النبی کی اِقتداء؟ ۲۹۸
حیاتِ انبیاء فی القبور کے منکرین کا حکم ۲۹۹
قبرِ اقدس پر سماع کی حدود ۳۰۸
قبر کی شرعی تعریف ۳۰۹
عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں حیات ہیں ۳۱۱
اُمتی کے اعمال کا حضور کے سامنے پیش ہونا، یہ عقیدہ قرآن کے خلاف نہیں؟ ۳۱۱
اگر اُمت کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں تو پھر بیعتِ رضوان میں حضرت عثمانؓ کا کیوں معلوم نہیں ہوا؟ ۳۱۲
ساری اُمت کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح پیش ہوسکتے ہیں؟ ۳۱۲
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل فرشتے اعمال کس پر پیش کرتے تھے؟ ۳۱۲
کیا قرآنِ کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اعمال لوٹنے کا ذکر ہے؟ ۳۱۳

معراج

معراج جسمانی کا ثبوت ۳۱۴
معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کتنی بار ہوئی؟ ۳۱۴
کیا معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ ۳۱۵
کیا شبِ معراج میں حضرت بلالؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟ ۳۱۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس کس چیز پر آئے تھے؟ ۳۱۵
حضرت جبرائیلؑ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش اور عرش پر عمامہ باندھتے دیکھنا ۳۱۵

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حقیقت ۳۱۷
خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے صحابیؓ کا درجہ ۳۱۷
کیا غیر مسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوسکتی ہے؟ ۳۱۸
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی حقیقت ۳۱۸
خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ضروری نہیں ۳۱۹

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا وظیفہ ۳۱۹
خواب میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی اصول ۳۱۹
خواب میں زیارتِ نبوی ۳۲۱

صحابہؓ وصحابیاتؓ، ازواجِ مطہراتؓ اور صاحبزادیاںؓ

حواری کسے کہتے ہیں؟ ۳۲۸
عشرہ مبشرہ کس کو کہتے ہیں؟ ۳۲۹
خلفائے راشدین میں چار خلفاءؓ کے علاوہ دُوسرے خلفاء کیوں شامل نہیں؟ ۳۲۹
خیر القرون کے تین ادوار کا حدیث سے ثبوت ۳۳۰
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت ووفات ۳۳۰
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت برحق تھی ۳۳۱
حدیثیں حضرت ابوبکرؓ ودیگر خلفائے راشدینؓ سے زیادہ حضرت ابوہریرہؓ سے کیوں مروی ہیں؟ ۳۳۲
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولادت وشہادت ۳۳۳
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تائید میں نزولِ قرآن ۳۳۳
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف بہتان تراشیاں ۳۳۴
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کشف ۳۳۴
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے خطبے میں حضرت عمرؓ روئے تھے یا حضرت ابوبکرؓ؟ ۳۳۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو فلاں ہوتا) کا مصداق کون ہے؟ ۳۳۶
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت وعمر شریف ۳۳۶
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے آسمانی وحی سے ہوا ۳۳۶
حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی عمر مبارک اور تاریخِ شہادت ۳۳۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام مبارک کے ساتھ ”کرّم اللہ وجہہ“ کیوں کہا جاتا ہے؟ ۳۳۷
کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح مؤقت تھے؟ ۳۳۷
متعہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا اُن پر تہمت ہے ۳۳۸
جنگِ جمل، صِفّین کے فریقین کو گالی گلوچ کرنا ۳۳۹
حضرت عباس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے بارے میں چند شبہات کا اِزالہ ۳۴۰

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شادی ۳۸۲
حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے بدگمانی کرنا ۳۸۲
حضرت ابوسفیانؓ کا نام کس طرح لکھا جائے ۳۸۳
عمر، بکر، زید فرضی ناموں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے ادبی نہیں ہوتی ۳۸۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ۳۸۳
سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت ووفات ۳۸۴
سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کتنے عرصے حیات رہیں؟ ۳۸۴
حضرت فاطمہؓ کی اولادِ گرامی کو ہی ''سیّد'' کیوں کہا جاتا ہے؟ ۳۸۵
آلِ رسول کا مصداق ۳۸۵
سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت ووفات ۳۸۵
سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت ووفات ۳۸۵
کیا سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا شوہر مسلمان تھا؟ ۳۸۶
حضرت اُمّ ہانی کون تھیں؟ ۳۸۶
حضرت خدیجہؓ کی تاریخ ولادت ووفات ۳۸۶
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۸۶
حضرت عائشہؓ کی وفات کیسے ہوئی؟ اور کہاں مدفون ہوئیں؟ ۳۸۷
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کب شادی کی؟ ۳۸۷
حضرت عائشہؓ کی عمر پر اِعتراض کا جواب ۳۸۷
رُخصتی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال تھی ۳۸۸
کیا نو سال کی عمر میں کوئی لڑکی بالغ ہوسکتی ہے؟ ۳۸۸
حضرت عائشہؓ کے ہار گم ہونے کے واقعے کا منکر، ملحد ہے ۳۹۰
''اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ'' کی تشریح ۳۹۱
صحابہ کرامؓ نجومِ ہدایت ہیں ۳۹۲
سوءِ ادب کی بو آتی ہے ۳۹۳
صحابہؓ کے بارے میں تاریخی رطب ویابس کو نقل کرنا سوءِ ادب ہے ۳۹۴
''تمام صحابہ عادل ہیں'' کا مطلب ۳۹۵

صحابہؓ کی غلطیوں کو بیان کرنا اور تحریر کرنا کیسا ہے؟ ۳۹۵
یہ حبِ صحابہؓ نہیں جہالت ہے! ۳۹۶
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کب اسلام لائے؟ ۳۹۸
حضرت معاویہؓ نے یزید کو اِقتدار کیوں دیا؟ ۳۹۹

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں مسلکِ اہلِ سنت

حضرت حسینؓ اور یزید کی حیثیت ۴۰۰
کیا یزید کو پلید کہنا جائز ہے؟ ۴۰۰
واقعۂ کربلا میں یزید کا کردار ۴۰۲
یزید کے متعلق اکابر کا مسلک ۴۰۲
یزید پر لعنت بھیجنے کا کیا حکم ہے؟ ۴۰۲
یزید اور مسلکِ اعتدال ۴۰۳
کیا صحابہؓ کو آج کی دُنیا کی رنگینیاں معلوم تھیں؟ ۴۰۸

اِجتہاد و تقلید

تقلید کی تعریف و اَحکام ۴۰۹
اَئمۂ اَربعہؒ کا مسلک برحق ہے ۴۱۱
اَئمۂ اَربعہؒ حق پر ہیں ۴۱۲
اَئمۂ اَربعہؒ کے حق پر ہونے کا مطلب ۴۱۴
اَئمۂ اِجتہاد واقعی شارع اور مقنن نہیں ۴۱۹
کیا اَئمۂ اَربعہؒ، پیغمبروں کے درجے کے برابر ہیں؟ ۴۲۰
کیا اِجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ ۴۲۰
کیا علماء نے اِجتہاد کا دروازہ بند کر کے اسلام کو زمانے کے ساتھ چلنے سے روکا ہے؟ ۴۲۱
کیا ہر وہ کام بدعت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دور کے بعد شروع ہوا؟ ۴۲۲
کیا تقلیدِ شخصی بھی بدعت ہے؟ ۴۲۲
کیا کسی ایک اِمام کی پیروی ضروری ہے؟ ۴۲۳

کسی ایک اِمام کی تقلید کیوں؟ ۴۲۳
ایک دُوسرے کے مسلک پر عمل کرنا ۴۲۴
کیا ایک اِمام کا مقلد دُوسرے اِمام کے مسئلے پر عمل کرسکتا ہے؟ ۴۲۴
چاروں اِماموں کی بیک وقت تقلید ۴۲۴
کیا چاروں ائمہ نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے؟ ۴۲۵
ائمۂ اربعہؒ میں اتنا اختلاف کیوں تھا؟ ۴۲۵
شرعاً جائز یا ناجائز کام میں ائمہ کا اختلاف کیوں؟ ۴۲۵
فہمِ قرآن وحدیث میں صحابہؓ کا اِختلاف ۴۲۷
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کا کس فقہ سے تعلق تھا؟ ۴۲۷
کسی ایک فقہ کی پابندی عام آدمی کے لئے ضروری ہے، مجتہد کے لئے نہیں ۴۲۸
کیا فقہ کے بغیر اسلام اَدھورا ہے؟ ۴۲۹
دِین مکمل ہے تو فقہ کیوں تحریر ہوئی؟ ۴۲۹
کیا کسی ایک فقہ کو ماننا ضروری ہے؟ ۴۳۰
قرآن اور حدیث کے ہوتے ہوئے چاروں فقہوں خصوصاً حنفی فقہ پر زور کیوں؟ ۴۳۰
جس فقہ کی بھی پیروی کریں، دُرست ہے ۴۳۱
فقہِ حنفی کی چند نصوص کی صحیح تعبیر ۴۳۱
کیا فقہِ حنفی کی رُو سے چار چیزوں کی شراب جائز ہے؟ ۴۳۶
اِمام ابوحنیفہؒ کے آنے کا اشارہ ۴۳۶
کیا فقہِ حنفی عورت کی طرف منسوب ہے؟ ۴۳۶
اِمام ابوحنیفہؒ اِمام جعفر کے باقاعدہ شاگرد نہیں ۴۳۷

سنت و بدعت

بدعت کی تعریف ۴۳۸
بدعت کی قسمیں ۴۳۸
یہ بدعت نہیں ۴۳۹
کیا اہلِ بدعت کو اہلِ کتاب کہنا جائز ہے؟ ۴۴۱

''عہد نامہ'' میّت کی قبر میں رکھنا بدعت ہے؟ ۴۴۲
پیری مریدی بذاتِ خود مقصود نہیں ۴۴۲
مروّجہ دُرود و سلام کی شرعی حیثیت ۴۴۴
میلاد کی شرعی حیثیت ۴۴۴
میلاد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قرار نہیں دیا ۴۴۵
مروّجہ میلاد ۴۴۵
جشنِ ولادت یا وفات؟ ۴۴۷
ماتمی جلوس کی بدعت ۴۵۲
مخصوص راتوں میں روشنی کرنا اور جھنڈیاں لگانا ۴۵۵
نعرۂ تکبیر کے علاوہ دُوسرے نعرے ۴۵۵
موت کی اطلاع دینا ۴۵۵
اعلانِ وفات کیسے سنت ہے؟ ۴۵۶
قبر پر اَذان دینا ۴۵۷
بزرگوں کے مزار پر عرس کرنا، چادریں چڑھانا ان سے منتیں مانگنا ۴۵۸
بزرگوں کے مزارات پر جاکر مراقبہ کر کے ولایت سیکھنا ۴۵۸
قبر پر پھول ڈالنا خلافِ سنت ہے ۴۵۹
قبروں پر پھول ڈالنے کے بارے میں شاہ تراب الحق کا مؤقف ۴۵۹
مسئلے کی تحقیق یعنی قبروں پر پھول ڈالنا بدعت ہے ۴۶۰
قبروں پر پھول ڈالنا بدعت ہے، ''مسئلہ کی تحقیق'' ۴۶۶
کچھ ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے بارے میں ۴۷۷
منّت ماننا کیوں منع ہے؟ ۵۴۳
کعبہ کی نیاز ۵۴۳
کیا نبی کی نیاز، اللہ کی نیاز کہلائے گی؟ ۵۴۳
اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر ۵۴۴
صرف دِل میں خیال آنے سے نذر نہیں ہوتی ۵۴۶

غلط عقائد رکھنے والے فرقے

اُمت کے تہتر فرقوں میں کون برحق ہے؟ ۵۴۸
جماعتِ حق سے کون سی جماعت مراد ہے؟ ۵۴۸
حق پر قائم رہنے والی جماعت ۵۴۸
گمراہ فرقوں کی نشاندہی ۵۴۹
۷۲ ناری فرقوں کے نیک اعمال کا انجام ۵۴۹
مسلمان اور کمیونسٹ ۵۵۰
ذکری فرقے کے کفریہ عقائد ۵۵۱
بہائی مذہب اور ان کے عقائد ۵۵۱
ذکری فرقہ غیر مسلم ہے ۵۵۲
ذکری مسلمان نہیں، ان کا جنازہ، ذبیحہ جائز نہیں ۵۵۳
ذکریوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرنا دُرست نہیں ۵۵۴
ذکری فرقہ مسلمان نہیں، بلکہ زِندیق و مرتد ہے ۵۵۴
ذکری فرقے کے عقائد ۵۵۵
''بھائی، بھائی'' کہلانے والے پانچ نمازوں کے منکرین کا شرعی حکم ۵۵۸
آغا خانی، بوہری شیعہ فرقوں کے عقائد ۵۵۸
آغا خانی، بوہری بھی قادیانیوں کی طرح ہیں ۵۵۹
خمینی انقلاب اور شیعوں کے ذبیحہ کا حکم ۵۵۹
کیا شیعہ اسلامی فرقہ ہے؟ ۵۶۱
شیعوں کے تقیہ کی تفصیل ۵۶۲
شیعوں کے بارہ اِماموں کے نام ۵۶۳
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''مشکل کُشا'' کہنا ۵۶۴
شیعہ اثنا عشری کے پیچھے نماز ۵۶۴
''جماعت المسلمین'' اور کلمہ طیبہ ۵۶۵
جماعت المسلمین والوں سے رشتہ ناتہ؟ ۵۶۵

فہرست

شیعہ کو حدودِ حرم میں داخلے سے منع کرنا سعودی حکومت کی ذمہ داری ہے ۵۶۶
پاکستان کے علماء مودودی کے مخالف کیوں ہیں؟ نیز مودودی کی کتب کے حوالے کیوں نہیں ملتے؟ ۵۶۷
مودودی کو گمراہ کہنے والے جی ایم سیّد کے بارے میں کیوں خاموش ہیں؟ ۵۶۸
عیسائی بیوی کے بچے مسلمان ہوں گے یا عیسائی؟ ۵۶۹
صابئین کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ ۵۶۹
فرقۂ مہدویہ کے عقائد ۵۷۰
فرقۂ مہدویہ کا شرعی حکم ۵۷۰
مہدیٔ آخرالزماں اور فرقۂ مہدویہ ۵۷۱
''ضربِ حق'' رسالے کی شرعی حیثیت ۵۸۴
اِمام کو خدا کا درجہ دینے والوں کا شرعی حکم ۵۸۴
ڈاکٹر عثمانی گمراہ ہے ۵۸۵
ڈاکٹر عثمانی نے دِین کی حقیقت کو نہیں سمجھا ۵۸۵
علامہ مشرقی اور خاکسار تحریک؟ ۵۸۶
ڈارون کا نظریۂ اِرتقا اور اِسلام ۵۸۶
ڈارون کا نظریہ نفیٔ خالق پر مبنی ہے ۶۰۳
انسان کس طرح وجود میں آیا؟ ۶۰۴
مذہب اور سائنس میں فرق ۶۰۴
سائنس دانوں کے اِلحاد کے اسباب ۶۱۴
القرآن ریسرچ سینٹر تنظیم اور اس کے بانی محمد شیخ کا شرعی حکم ۶۲۰
صحیح بخاری پر عدمِ اعتماد کی تحریک ۶۳۷
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ۶۴۱
قرآنِ کریم اور حدیثِ قدسی ۶۴۸
فکری تنظیم والوں کے خلاف آواز اُٹھانا ۶۴۹
تنقید اور حقِ تنقید ۶۵۰

ایمانیات

مسلمانوں کے بنیادی عقائد

ایمان کی حقیقت

سوال:...ایمان کیا ہے؟ حدیث کی روشنی میں وضاحت کریں۔

جواب:...حدیث جبرائیل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا پہلا سوال یہ تھا کہ اسلام کیا ہے؟ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے پانچ ارکان ذکر فرمائے۔[۱] حضرت جبرائیل علیہ السلام کا دوسرا سوال یہ تھا کہ: ایمان کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اچھی بری تقدیر پر۔''[۲]

ایمان ایک نور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے دل میں آجاتا ہے، اور جب یہ نور دل میں آتا ہے تو کفر وعناد اور رسومِ جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور آدمی ان تمام چیزوں کو جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، نورِ بصیرت سے قطعی سچی سمجھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا ہے یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں[۳]۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں سب سے اہم ترین چھ باتیں ہیں جن کا ذکر اس حدیث پاک...حدیثِ جبریل...میں فرمایا ہے،...دیکھا جائے تو... پورے دین کا خلاصہ انہی چھ باتوں میں آجاتا ہے:

---

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قال: بینما نحن عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم إذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لَا یُریٰ علیه أثر السفر، ولَا یعرفه مِنّا أحد، حتّٰی جلس إلی النبی صلی الله علیه وسلم فأسند رُکبتیه إلٰی رکبتیه ووضع کفیه علٰی فخذیه وقال: یا محمد! أخبرنی عن الْإسلام۔ قال: الْإسلام أن تشهد أن لَا إلٰه إلّا الله وأن محمدًا رسول الله، وتقیم الصلوٰة، وتؤتی الزکوٰة، وتصوم رمضان، وتحج البیت إن استطعت إلیه سبیلا۔ قال: صدقت! فعجبنا له یسأله ویصدّقه۔ قال: فأخبرنی عن الْإیمان ...إلخ. (مشکوٰة ص: ۱۱)۔

(۲) ''.... قال: ان تؤمن بالله وملائکته وکتبه ورسله والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیره وشره....'' (مشکوٰة، کتاب الْإیمان، الفصل الأوّل ص: ۱۱ طبع قدیمی کراچی)۔

(۳) ''.... لَا یؤمن أحدکم حتّٰی یکون هواه تبعًا لما جئت به'' (مشکوٰة، باب الْإعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی ص: ۳۰ طبع قدیمی کراچی)۔

۱:...اللہ تعالیٰ پر اِیمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں یکتا سمجھے، وہ اپنے وجود اور اپنی ذات وصفات میں ہر نقص اور عیب سے پاک اور تمام کمالات سے متصف ہے، کائنات کی ہر چیز اسی کے ارادہ ومشیت کی تابع ہے، سب اسی کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، کائنات کے سارے تصرفات اسی کے قبضے میں ہیں، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ (۱)

۲:...فرشتوں پر اِیمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ فرشتے، اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل نورانی مخلوق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم ہو، بجالاتے ہیں، اور جس کو جس کام پر اللہ تعالیٰ نے مقرّر کردیا ہے وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔ (۲)

۳:...رسولوں پر اِیمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور انہیں اپنی رضامندی اور ناراضی کے کاموں سے آگاہ کرنے کے لئے کچھ برگزیدہ انسانوں کو چن لیا، انہیں رسول اور نبی کہتے ہیں۔ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی خبریں رسولوں کے ذریعے ہی پہنچتی ہیں، سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے، اور سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کسی کو نبوّت نہیں ملے گی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا لایا ہوا دِین قیامت تک رہے گا۔ (۳)

۴:...کتابوں پر اِیمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی معرفت بندوں کی ہدایت کے لئے بہت سے آسمانی ہدایت نامے عطا کئے، ان میں چار زیادہ مشہور ہیں: تورات، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتاری گئی، زَبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی، اِنجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور قرآن مجید جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ یہ آخری ہدایت نامہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے پاس بھیجا گیا، اب اس کی پیروی سارے انسانوں پر لازم ہے اور اس میں ساری انسانیت کی نجات ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب سے رُوگردانی کرے گا وہ ناکام اور نامراد ہوگا۔ (۴)

---

(۱) قال: أن تؤمن بالله .... أی بتوحید ذاته وتفرید صفاته وبوجوب وجوده وبثبوت کرمه وجوده وسائر صفات کماله من مقتضیات جلاله وجماله ...إلخ۔ (مرقاة شرح مشکٰوة ج:۱ ص:۴۹ طبع بمبئی)۔

(۲) (وملائکته .... معناه أطلقت بالغلبة علی الجواهر العلویة النورانیة المبرأة عن الکدورات الجسمانیة وهی وسائط بین الله وبین أنبیائه وخاصة أصفیائه وقال بعضهم: هی أجسام لطیفة نورانیة مقتدرة علٰی تشکلات مختلفة .... وانهم عباد مکرمون یسبحون اللیل والنهار لَا یفترون ولَا یعصون الله ما أمرهم ویفعلون ما یؤمرون۔ (مرقاة شرح مشکٰوة، کتاب الْإیمان ج:۱ ص:۴۹، ۵۰)۔

(۳) (ورسله) بأن تعرف انهم بلغوا ما أنزل الله إلیهم وانهم معصومون، وتؤمن بوجودهم فیمن علم بنص أو تواتر تفصیلًا، وفی غیرهم إجمالًا۔ (مرقاة شرح المشکٰوة ج:۱ ص:۵۰)۔ أول الرسل آدم وآخرهم محمد۔ (کنز العمال ج:۱۱ ص:۴۸۰ حدیث نمبر:۳۲۲۶۹ طبع بیروت)۔ وعن أنس بن مالک رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان الرسالة والنبوة قد انقطعت، فلا رسول بعدی ولَا نبیّ۔ (ترمذی، ابواب الرؤیا ج:۲ ص:۵۱)۔

(۴) (وکتبه) أی ونعتقد بوجود کتبه المنزلة علٰی رسله تفصیلًا فیما علم یقینًا کالقرآن والتوراة والزّبور والْإنجیل، وإجمالًا فیما عداه، وأنها منسوخة بالقرآن وأنه لَا یجوز علیه نسخ ولَا تحریف إلٰی قیام الساعة۔ (مرقاة شرح مشکٰوة ج:۱ ص:۵۰)۔

۵:...قیامت پر اِیمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دُنیا ختم ہوجائے گی زمین و آسمان فنا ہوجائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سب کو زِندہ کرے گا اور اس دُنیا میں لوگوں نے جو نیک یا بُرے عمل کئے ہیں، سب کا حساب و کتاب ہوگا۔ میزانِ عدالت قائم ہوگی اور ہر شخص کی نیکیاں اور بدیاں اس میں تولی جائیں گی، جس شخص کے نیک عملوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا پروانہ ملے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے مقام میں رہے گا جس کو ''جنت'' کہتے ہیں، اور جس شخص کی بُرائیوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا پروانہ ملے گا اور وہ گرفتار ہوکر خدائی قید خانے میں، جس کا نام ''جہنم'' ہے، سزا پائے گا، اور کافر اور بے ایمان لوگ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ دُنیا میں جس شخص نے کسی دُوسرے پر ظلم کیا ہوگا، اس سے رِشوت لی ہوگی، اس کا مال ناحق کھایا ہوگا، اس کے ساتھ بدزبانی کی ہوگی یا اس کی بے آبروئی کی ہوگی، قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا، اور مظلوم کو ظالم سے پورا پورا بدلا دِلایا جائے گا۔ الغرض خدا تعالیٰ کے انصاف کے دن کا نام ''قیامت'' ہے، جس میں نیک و بد کو چھانٹ دیا جائے گا، ہر شخص کو اپنی پوری زندگی کا حساب چکانا ہوگا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔[1]

۶:...اچھی اور بُری تقدیر پر اِیمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کارخانۂ عالم آپ سے آپ نہیں چل رہا، بلکہ ایک علیم و حکیم ہستی اس کو چلارہی ہے۔ اس کائنات میں جو خوشگوار یا ناگوار واقعات پیش آتے ہیں وہ سب اس کے اِرادہ و مشیت اور قدرت و حکمت سے پیش آتے ہیں۔ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے تمام حالات اس علیم و خبیر کے علم میں ہیں اور کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان تمام حالات کو، جو پیش آنے والے تھے، ''لوحِ محفوظ'' میں لکھ لیا تھا۔ بس اس کائنات میں جو کچھ بھی وقوع میں آرہا ہے وہ اسی علمِ ازلی کے مطابق پیش آرہا ہے، نیز اسی کی قدرت اور اسی کی مشیت سے پیش آرہا ہے۔ الغرض کائنات کا جو نظام حق تعالیٰ شانہٗ نے ازل ہی سے تجویز کر رکھا تھا، یہ کائنات اس طے شدہ نظام کے مطابق چل رہی ہے۔[2]

نجات کے لئے ایمان شرط ہے

سوال:...ہم نے سن رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر میں دوزخ سے ہر اس آدمی کو نکال لے گا، جس کے دل میں رائی کے برابر اِیمان ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی موحد کو مشرک کے ساتھ رکھوں، تو کیا آج کل کے عیسائی اور یہودیوں کو بھی دوزخ سے نکال دے گا؟ کیونکہ وہ بھی اللہ کو مانتے ہیں، لیکن ہمارے رسول کو نہیں مانتے، اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا تصوّر کرتے ہیں، تو کیا عیسائی اور یہودی ''رائی برابر ایمان والوں'' میں ہوں گے یا نہیں؟

---

(۱) (والیوم الآخر) أی یوم القیامة لأنه آخر أیام الدنیا .... وذٰلک بأن تؤمن بوجوده وبما فیه من البعث الجسمانی والحساب والجنَّة والنَّار وغیر ذٰلک مما جاءت به النصوص۔ (مرقاة شرح مشکٰوة ج:۱ ص:۵۱)۔

(۲) (خیره وشره) أی نفعه وضره وزید فی روایة وحلوه ومره .... والمعنٰی تعتقد أن الله تعالٰی قدر الخیر والشر قبل خلق الخلائق وان جمیع الکائنات متعلق بقضاء الله مرتبط بقدره، قال الله تعالٰی: قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللهِ۔ وهو مرید لها .... ثم القضاء هو الحکم بنظام جمیع الموجودات علٰی ترتیب خاص فی اُمّ الکتاب أوّلًا ثم فی اللوح المحفوظ ثانیًا علٰی سبیل الْإجمال والقدر تعلق الْإرادة بالأشیاء فی أوقاتها وهو تفصیل قضائه السابق بإیجادها .... هٰذا تحقیق کلام القاضی۔ (مرقاة شرح مشکٰوة ج:۱ ص:۵۱، أیضًا شرح فقه أکبر ص:۱۳ تا ۱۵)۔

جواب:... دائمی نجات کے لئے ایمان شرط ہے، کیونکہ کفر اور شرک کا گناہ کبھی معاف نہیں ہوگا[۱] اور ایمان کے صحیح ہونے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا کافی نہیں، بلکہ اس کے تمام رسولوں کا ماننا بھی ضروری ہے۔[۲] اور جو لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا آخری نبی نہیں مانتے، وہ خدا تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں رکھتے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے رسول اور خاتم النبیّین ہونے کی شہادت دی ہے،[۳] پس جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت اور ختمِ نبوت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کو جھٹلاتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی بات کو جھوٹی کہے وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے والا نہیں، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرنا شرطِ نجات ہے، غیر مسلم کی نجات نہیں ہوگی۔[۴]

زبان سے اسلام کا اِقرار نہیں کیا اور مرگیا

سوال:... ایک شخص گھر سے نکلا اس خیال پر کہ کسی عالمِ دِین کے پاس جاکر اسلام قبول کرے، دِل نے تو اِسلام قبول کرلیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا، اور راستے میں اسے موت آگئی، اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ مسلمان ہے یا کافر؟

جواب:... دُنیوی اَحکام جاری ہونے کے لئے اِقرار شرط ہے، اگر کسی شخص کے سامنے اس نے اپنے اسلام لانے کا اقرار نہیں کیا تو دُنیوی اَحکام میں اس کو مسلمان نہیں سمجھا جائے گا، اور اگر کسی کے سامنے اسلام کا اقرار کرلیا تھا تو اس پر مسلمانوں کے اَحکام جاری ہوں گے۔[۵]

وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟

سوال:... زید کہتا ہے کہ حکماء اور فلسفیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ عالم کے اندر ہے، نہ عالم کے باہر، اور صوفیاء کے نزدیک خود عالم کے اندر اور باہر ہر جگہ ہے۔ زید کہتا ہے کہ صوفیوں اور فلسفیوں دونوں کا کہنا غلط ہے، فلسفیوں کا اس لئے غلط ہے کہ جو چیز عالم کے اندر ہو نہ باہر، وہ عدم ہوتی ہے، عالم سے مبرّا نہیں ہوتی، کیونکہ مبرّا ہونے کے لئے وجود چاہئے، نیز عالم چونکہ حادث ہے، اس

---

(۱) ”اِنَّ اللهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ، وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللهِ فَقَدِ افۡتَرٰى اِثۡمًا عَظِيۡمًا“ (النساء:۴۸)۔

(۲) ”اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ، لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ“ (البقرة:۲۸۵)۔ (لَا نفرّق) بل نؤمن بالكلّ بين أحد من رسله أحد فى معنى الجميع۔ (تفسير نسفى ج:۱ ص:۲۳۳، طبع دار ابن كثير بيروت)۔

(۳) قال الله تعالىٰ: ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ“ (الأحزاب:۴۰)۔

(۴) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”والّذى نفس محمدٍ بيده! لَا يسمع بى أحد من هٰذه الأُمَّة يهودى ولَا نصرانى ثم يموت ولم يؤمن بالذى أُرسلتُ بهٖ اِلّا كان من أصحاب النّار۔“ (رواه مسلم ج:۱ ص:۸۶، مشكوٰة ص:۱۲)۔ عن ابن عباس رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من أحد يسمع بى من هٰذه الأُمّة ولَا يهودى ولَا نصرانى ولَا يؤمن بى إلّا دخل النار، فجعلت أقول أين تصديقها فى كتاب الله؟ حتّٰى وجدت هٰذه الآية: وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ، قال: الأحزاب الملل كلها۔ (مستدرك حاكم، كتاب التفسير ج:۲ ص:۳۴۲)۔

(۵) وذهب جمهور المحققين الٰى أن الإيمان هو التصديق بالقلب وانما الإقرار شرط لِاجراء الأحكام فى الدُّنيا لما ان تصديق القلب أمر باطنى لَا بد له من علامة فمن صدق بقلبهٖ ولم يقر بلسانهٖ فهو مؤمن عند الله تعالىٰ ولم يكن مؤمنًا فى أحكام الدُّنيا۔ (شرح فقه اكبر ص:۱۰۴ طبع دهلى مجتبائى)۔

لئے عالم یا اس کے باہر کسی حادث کا اثبات یا نفی تو ممکن ہوسکتی ہے، مگر خود حادث نہیں، لہٰذا عالم یا اس سے باہر نہ خدا کا اثبات ہوسکتا ہے، نہ نفی، لہٰذا یہ دونوں باتیں غلط ہیں کہ خدا نہ عالم میں موجود ہے، نہ باہر۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ خدا عالم اور اس سے باہر ہر جگہ موجود ہے، بلکہ صرف یہ کہنا چاہئے کہ خدا حدوث اور عالم سے مبرّا ہے اور خدا کو ہر جگہ کہنا یا ہر جگہ سے نفی کرنا صحیح نہیں۔ بس خدا کو عالم سے مبرّا کہنا چاہئے۔ آپ سے گزارش یہ ہے کہ زید کے اس قول کے بارے میں یہ بتائیں کہ آیا یہ اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق ہے یا نہیں؟ نیز اہلِ سنت کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب:... خدا کے بارے میں بغیر نص کے محض عقلی ڈھکوسلے جائز نہیں۔[1] اہلِ سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ عوام ان لغو مباحث میں وقت ضائع نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کو کمیت و کیفیت، جہت و مکان سے پاک سمجھیں۔[2]

مسلمان کی تعریف

سوال:... مسلمان کی تعریف کیا ہے؟

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پورے دین کو ماننے والا مسلمان ہے،[3] دینِ اسلام کے وہ امور جن کا دین میں داخل ہونا قطعی تواتر سے ثابت اور عام و خاص کو معلوم ہو، ان کو ''ضروریاتِ دین'' کہتے ہیں۔[4] ان ''ضروریاتِ دین'' میں سے کسی ایک بات کا انکار یا تاویل کرنے والا کافر ہے۔[5]

---

(۱) ''وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ'' (بنی اسرائیل:۳۶) ''ان القول بالرأی والعقل المجرد فی الفقہ والشریعۃ بدعۃ وضلالۃ فأولٰی أن یکون ذٰلک فی علم التوحید والصفات بدعۃ وضلالۃ، فقد قال فخر الإسلام علی البزدوی فی أُصول الفقہ انہ لم یرد فی الشرع دلیل علٰی أن العقل موجب ....'' (شرح فقہ أکبر ص:۷،۸)۔

(۲) والمحدث للعالم ھو اللہ تعالٰی ..... ولَا محدود ولَا معدود ولَا متبعض ولَا متجزئ ولَا مترکب ولَا متناہ، ولَا یوصف بالماھیۃ ولَا بالکیفیۃ ولَا یتمکن فی مکان ولَا یجری علیہ زمان۔ (شرح العقائد النسفی ص:۳۱ تا ۴۰ طبع خیر کثیر کراچی)۔

(۳) الْإیمان وھو تصدیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی جمیع ما جاء بہ عن اللہ تعالٰی ممّا عُلم مجیئہ ضرورۃ۔ (در مختار ج:۴ ص:۲۲۱، باب المرتد، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۴) والمراد بالضروریات علی ما اشتھر فی الکتب: ما علم کونہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالضرورۃ، بأن تواتر عنہ واستفاض وعلمتہ العامۃ کالوحدانیۃ والنبوۃ وختمھا بخاتم الأنبیاء وانقطاعھا بعدہ ...... وکالبعث والجزاء ووجوب الصلاۃ والزکٰوۃ وحرمۃ الخمر ونحوھا، سمی ضروریا لأن کل أحد یعلم أن ھٰذا الأمر مثلًا من دین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولَابد فکونھا من الدین ضروری وتدخل فی الْإیمان۔ (إکفار الملحدین ص:۲، ۳)۔

(۵) وایضًا قلت والضابط فی التکفیر ان من رد ما یعلم ضرورۃ من الدِّین فھو کافر۔ (اکفار الملحدین ص:۸۸ وایضًا ص:۲،۳)۔ أیضًا: ثم أثبتنا فی الفصول الآتیۃ إجماع أھل الحل والعقد علٰی أن: تأویل الضروریات وإخراجھا عن صورۃ ما تواتر علیہ وکما جاء وکما فھمہ وجری علیہ أھل التواتر أنہ کفر۔ (إکفار الملحدین ص:۷)۔ فمنکر الضروریات الدینیۃ کالأرکان الأربعۃ التی بنی الْإسلام علیھا: الصلٰوۃ والزکٰوۃ والصوم والحج، وحجیۃ القرآن ونحوھا کافر آثم۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۶۱۱ طبع لکھنؤ)۔

مسلمان کی تعریف قرآن وسنت کی رُو سے

سوال :...قرآن اور حدیث کے حوالہ سے مختصراً بتائیں کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ یہ بات پھر عرض کروں گا کہ صرف قرآن شریف اور حدیث شریف کے حوالے سے بتائیں، دوسرا کوئی حوالہ نہ دیں، ورنہ لوگوں کو پھر موقع ملے گا کہ یہ ہمارے فرقے کے بزرگ کا حوالہ نہیں۔

جواب :...ایمان نام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پورے دین کو بغیر کسی تحریف وتبدیلی کے قبول کرنے کا اور اس کے مقابلہ میں کفر نام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کسی قطعی ویقینی بات کو نہ ماننے کا۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات میں ''ما انزل الی الرسول'' کے ماننے کو ''ایمان'' اور ''ما انزل الی الرسول'' میں سے کسی ایک کے نہ ماننے کو ''کفر'' فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث شریفہ میں بھی یہ مضمون کثرت سے آیا ہے، مثلاً: صحیح مسلم (ج:۱ ص:۳۷) کی حدیث میں ہے: ''اور وہ ایمان لائیں مجھ پر اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر۔''[۱] اس سے مسلمان اور کافر کی تعریف معلوم ہوجاتی ہے۔ یعنی جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تمام قطعی ویقینی باتوں کو من وعن مانتا ہو وہ مسلمان ہے، اور جو شخص قطعیاتِ دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو یا اس کے معنی ومفہوم کو بگاڑتا ہو، وہ مسلمان نہیں، بلکہ کافر ہے۔[۲]

مثال کے طور پر قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبییّن فرمایا ہے،[۳] اور بہت سی احادیث شریفہ میں اس کی یہ تفسیر فرمائی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔[۴] اور ملتِ اسلامیہ کے تمام فرقے (اپنے اختلافات کے باوجود) یہی عقیدہ رکھتے آئے ہیں، لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے اس عقیدے سے انکار کرکے نبوت کا دعویٰ کیا،[۵] اس وجہ سے قادیانی غیر مسلم اور کافر قرار پائے۔

اسی طرح قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے میں نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے،[۶]

---

(۱) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ''أُمرتُ أن أُقاتل الناس حتّٰی یشھدوا أن لَا اِلٰہ اِلّا اللہ ویؤمنوا بی وبما جئت بہٖ، فاذا فعلوا ذٰلک عصموا مِنّی دمائھم وأموالھم اِلّا بحقھا وحسابھم علی اللہ۔'' (مسلم ج:۱ ص:۳۷ طبع قدیمی کراچی)۔

(۲) لَا نزاع فی تکفیر من أنکر ضروریات الدِّین۔ (اکفار الملحدین ص:۱۲۱ طبع پشاور)۔

(۳) ''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ'' (الاحزاب:۴۰)۔

(۴) عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: وأنا خاتم النبیّین لَا نبیّ بعدی۔'' (ترمذی شریف ج:۲ ص:۴۵، کتاب الفتن)۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ختم نبوت کامل، تالیف مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

(۵) ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں .... ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مردہ ہے۔ (ملفوظات ج:۱۰ ص:۱۲۷)۔

(۶) ''وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ'' (النساء:۱۵۹)۔ ایضًا ''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلًا ... الخ۔'' (باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، مشکوٰۃ ص:۴۷۹)۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' لِامام العصر العلامۃ محمد أنور شاہ الکشمیری۔

مرزا قادیانی اور اس کے متبعین اس عقیدے سے منحرف ہیں، اور وہ مرزا کے ''عیسیٰ'' ہونے کے مدعی ہیں،[۱] اس وجہ سے بھی وہ مسلمان نہیں۔ اس طرح قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو قیامت تک مدارِ نجات ٹھہرایا گیا ہے، لیکن مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ: ''میری وحی نے شریعت کی تجدید کی ہے، اس لئے اب میری وحی اور میری تعلیم مدارِ نجات ہے۔'' (اربعین نمبر:۴ ص:۷، حاشیہ) غرض کہ مرزا قادیانی نے بے شمار قطعیاتِ اسلام کا انکار کیا ہے، اس لئے تمام اسلامی فرقے ان کے کفر پر متفق ہیں۔[۲]

پورے اسلامی قوانین نہ ماننے والوں کا شرعی حکم

سوال:... مولانا صاحب! ایک شخص بظاہر نماز روزے کا پابند ہو اور اُٹھتے بیٹھتے قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کرتا ہو، ہر وقت اور ہر آن ''اسلام، اسلام'' پکارتا ہو، لیکن یقین رکھتا ہو کہ اسلام خوبصورت نغمے سننے میں قطعاً مانع نہیں ہے، جس کو یقین ہو اور جس نے برملا کہا بھی ہو کہ: ''کون کہتا ہے کہ مجسمہ سازی اسلام کے خلاف ہے'' جو نہ صرف حرام کو حلال کہتا ہو بلکہ سودی بینکاری نظام کو اسلامی بینکنگ کے نام سے رائج کرنے اور کروانے والا ہو، جبکہ علمائے دِین مارک اَپ سسٹم کو سودی نظام کہتے رہے اور آج بھی کہتے ہیں۔ مولانا صاحب! ایسے شخص یا اَشخاص کا تعین کس زُمرے میں ہوگا؟ حرام کام کو حرام جان اور مان کر بکراہت کرنا کسی حد تک سنگین جرم کے زُمرے میں آتا ہے، قابلِ سزا جرم ہے، مگر حرام کو قصداً حلال کہنا بلکہ اسلامی کہنا، کہاں تک لے جاتا ہے؟ میں آپ کی توجہ مئی ۱۹۹۱ء میں ہماری قومی اسمبلی کے منظور شدہ شریعت بل کی شق ۳ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، اس میں کہا گیا ہے کہ شریعت یعنی اسلام کے اَحکامات جو قرآن اور سنت میں بیان کئے گئے ہیں، پاکستان کا بالادست قانون (سپریم لاء) ہوں گے، بشرطیکہ سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل متأثر نہ ہو۔ یعنی ملک کے سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل متأثر ہونے کی صورت میں قرآن اور حدیث شریف کو رَدّ کردیا جائے گا، نہیں مانا جائے گا، سیاسی نظام اور حکومتی شکل کے سلسلے میں سپریم لاء آئین ۱۹۷۳ء ہی ہوگا۔ مولانا صاحب! اس بل کا بنانے والا، اس کے منظور کرنے والے، اس کو ملک میں رائج کروانے والا اور ان تمام حضرات کی معاونت کرنے والے علمائے کرام بلکہ ان کے ساتھ کام کرنے والے علماء کس زُمرے میں آئیں گے؟ بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ جس ملک میں کسی ایک بات پر قصداً قرآن اور سنت کو نہ ماننے کا فیصلہ کیا گیا ہو وہ ملک، وہ قوم مسلمان کہلانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی یا قہر؟

جواب:... آپ کے سوال کے سلسلے میں چند اُمور لائقِ ذکر ہیں:

اوّل:... نماز و روزہ اور تلاوتِ آیات بڑی نیکی کی بات ہے، لیکن یہ تمام اعمال ایمان کی شاخیں ہیں، اگر دِل میں ایمان ہو تو

---

(۱) مرزا ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' میں قسم کھا کر کہتا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے مسیح موعود اور مسیح ابن مریم بنادیا تھا۔'' (آئینہ کمالات ص:۵۵۱، رُوحانی خزائن ج:۵ ص:۵۵۱)۔

(۲) تفصیل کے لئے فتاویٰ ختمِ نبوّت طبع ملتان ملاحظہ فرمائیں۔

اعمال مقبول ہیں، اور ایمان نہ ہو تو اعمال کی کوئی قیمت نہیں۔[۱]

دوم:... ایمان کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا جو نظام مقرّر فرمایا ہے، آدمی دِل و جان سے اس نظام کو تسلیم کرتا ہو، اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہو،[۲] اگر کوئی شخص شریعت کے قطعی حلال کو حرام جانے یا شریعت کے قطعی حرام کو حلال سمجھے، شریعت نے جس چیز کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا ہے، اس کو جائز سمجھے، تو ایسا شخص اللہ و رسول کی تکذیب کرتا ہے، اس لئے اس کا ایمان صحیح نہیں،[۳] بلکہ وہ قیامت کے دن بے ایمانوں کی صف میں کھڑا ہوگا۔

سوم:... راگ اور گانے کو (خصوصاً آلاتِ موسیقی کے ساتھ اور بالخصوص پیشہ ور نامحرَم عورتوں کی آواز میں) حرام قرار دیا گیا ہے، اور ایسے راگ گانے کے حرام اور قطعی حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔[۴] اس لئے جو شخص اس کو حلال کہتا ہے، وہ سراپا غلط فہمی اور جہلِ مرکب کا شکار ہے۔

چہارم:... بت تراشی اور مجسمہ سازی بھی شرعاً حرام ہے،[۵] مسلمان بت تراش اور بت فروش نہیں ہوتا، بلکہ بت شکن ہوتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویریں اور مورتیاں بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔[۶]

پنجم:... اسلام میں سود اور جوئے کا حرام ہونا اتنا واضح ہے کہ ہر مؤمن کو اس سے باخبر ہے،[۷] سود کا حرام ہونا نہ صرف قرآنِ

---

(۱) ”وَمَنْ عَمِلَ صٰلِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ“ (المؤمن:۴۰)۔

(۲) الْإيمان هو تصديق النبى صلى الله عليه وسلم بالقلب فى جميع ما علم بالضرورة مجيئه به من عند الله .... الخ. (شرح فقه اكبر ص:۱۰۴)۔ الْإيمان فى الشرع هو التصديق بما جاء به من عند الله تعالىٰ أى تصديق النبى عليه السلام بالقلب فى جميع ما علم بالضرورة مجيئه من عند الله تعالىٰ. (شرح عقائد ص:۱۱۹)۔

(۳) تنبيه: فى البحر والأصل ان من اعتقد الحرام حلالًا فان كان حرامًا لغيره كمال الغير لَا يكفر، وان كان لعينهٖ فان كان دليله قطعيًّا كفر. (فتاوىٰ شامى ج:۴ ص:۲۲۳، باب المرتد، مطلب فى منكر الْإجماع)۔

(۴) وفى البزازية: استماع صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهى معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر. (فتاوىٰ شامى ج:۶ ص:۳۴۹ طبع ايچ ايم سعيد)۔

(۵) وظاهر كلام النووى فى شرح مسلم الْإجماع علىٰ تحريم تصويره صورة الحيوان فانه قال قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فى الأحاديث يعنى مثل ما فى الصحيحين عنه صلى الله عليه وسلم أشد الناس عذابًا يوم القيامة المصورون يقال لهم احيوا ما خلقتم ثم قال وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره فصنعته حرام علىٰ كل حال، لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالىٰ ....الخ. (البحر الرائق ج:۲ ص:۲۹ باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، طبع دارالمعرفة بيروت، شامى ج:۱ ص:۶۴۷ مطلب إذا تردد الحكم بين السُّنَّة والبدعة)۔

(۶) ”ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والْاٰخرة وأعد لهم عذابًا مهينًا“ (الأحزاب:۵۷)۔ وقال عكرمة: معناه بالتصوير والتعرّض لفعل ما لَا يفعله إلّا الله ينحت الصور وغيرها وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لعن الله المصوّرين“ (قرطبى ج:۱۴ ص:۲۳۸) وأيضًا: عن عون بن أبى جحيفة عن أبيه أن النبى صلى الله عليه وسلم نهىٰ عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب البغىّ ولعن آكل الرّبٰى وموكله والواشمة والمستوشمة والمصوّر. (بخارى ج:۲ ص:۸۸۱ باب من لعن المصور)۔

(۷) ”يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ“ (المائدة:۹۰)۔

کریم میں صراحۃً مذکور ہے، بلکہ سود نہ چھوڑنے والوں کے خلاف قرآنِ کریم نے اللہ و رسول کی جانب سے اعلانِ جنگ کیا ہے(۱)! اس کو جائز کہنے والا قرآنِ کریم کا منکر ہے۔

ششم:... بعض لوگوں نے اپنی خواہشات و توہمات اور نفسانی خیالات سے ایک نیا دِین تصنیف کرلیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دِین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جن صاحب یا صاحبوں کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ راگ گانے کو، مجسمہ سازی اور سود و جوئے کو بھی اسلام کے منافی نہیں سمجھتے، ان کے ذہن میں ان کا اپنا تصنیف کردہ دِین ہے جس کو وہ جہلِ مرکب کی وجہ سے اسلام سمجھتے ہیں۔

ہفتم:... شیخ سعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''وزیر جتنا بادشاہ سے ڈرتا ہے، اگر اتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے''(۲) ہمارے اربابِ اقتدار جس قدر امریکا بہادر سے ڈرتے ہیں، اتنا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ پاکستان کے عوام چونکہ مسلمان ہیں، اس لئے ہمارے حکمران بھی اللہ و رسول کا اور کتاب و سنت کا نام لینے پر مجبور ہیں، لیکن یہ حضرات کتاب و سنت کا نام لینے میں بھی یہ احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں کہ امریکا بہادر ناراض نہ ہو، اور دانایانِ مغرب کی طرف سے ان کو ''بنیاد پرستی'' کا طعنہ نہ دیا جائے۔ ''شریعت بل'' میں جو یہ شرط رکھی گئی ہے کہ: ''قرآن و سنت پاکستان کا بالادست قانون ہوگا، بشرطیکہ ملک کا موجودہ سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل متأثر نہ ہو'' یہ بھی ''خدا سے زیادہ امریکا سے ڈرنے'' کا مظہر ہے۔

ہشتم:... ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ بغیر شرط اور بغیر اِستثناء کے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اَحکام کو دِل و جان سے تسلیم کرے۔ یہ کہنا کہ: ''میں قرآن و سنت کو بالادست قانون مانتا ہوں، بشرطیکہ میری فلاں دُنیوی غرض متأثر نہ ہو'' ایمان نہیں، بلکہ کٹر نفاق ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونے سے صریح انکار و اِنحراف ہے، غور فرمائیے کہ کیا حکومت کے کسی ملازم کو یہ حق ہے کہ حکومت کا قانون تسلیم کرنے میں اِستثنائی شرطیں لگائے؟ اور کیا ایسی شرطیں لگانے والے کو حکومت ملازم رکھ لے گی؟ اگر نہیں! تو خود سوچئے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اور ایک اُمتی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کیا اختیار باقی رہ جاتا ہے؟ اور ایسا شخص یا ایسے اَشخاص مسلمان کہلانے کا کیا حق رکھتے ہیں...!

نہم:... ہم سب گناہگار ہیں، اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں اَحکام کی روزانہ مخالفت کرتے ہیں۔ تاہم حکمِ اِلٰہی کی خلاف ورزی اور حکمِ اِلٰہی سے بغاوت کے درمیان بڑا فرق ہے، خلاف ورزی یہ ہے کہ: آدمی حکمِ اِلٰہی کو مانتا ہو اور اپنی غلطی و کوتاہی اور نفس و شیطان کے بہکانے سے حکمِ اِلٰہی کی تعمیل میں تقصیر کرے، ایسا شخص گناہگار ضرور ہے، مگر مسلمان ہے۔ اور بغاوت یہ ہے کہ: آدمی حکمِ اِلٰہی کو ماننے کے لئے ہی تیار نہ ہو، یا کسی حکمِ اِلٰہی کو ماننے سے انکار کردے، ایسا شخص (خواہ کتنا ہی عبادت گزار ہو) مسلمان نہیں،(۳) بلکہ شیطان کا

---

(۱) ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ'' (البقرة:۲۷۸، ۲۷۹)۔

(۲) گر وزیر از خدا بترسیدے — ہمچناں کز مَلِک ملک بودے (گلستان سعدی ص:۵۸، حکایت:۳۰ طبع قدیمی)۔

(۳) وكل من يكفر بما بلغه وصح عنده عن النبی صلی الله عليه وسلم أو جمع عليه المؤمنون مما جاء به النبی صلی الله عليه وسلم فهو كافر كما قال الله تعالٰی: ''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ''۔ (المحلّٰی لِابن حزم ج:۱ ص:۱۲، رقم المسئلة:۲۰، الأشياء الموجبة غسل الجسد كله)۔

چھوٹا بھائی ہے، کیونکہ شیطان بھی بڑا عبادت گزار تھا، اس نے ایک طویل عرصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کو خلافِ حکمت و مصلحت سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کردیا، جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کے لئے مردود اور راندۂ درگاہ ہوگیا، اور قرآنِ کریم نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا (وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ)۔[۱] پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کو خلافِ حکمت قرار دیتا ہے اور اس کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، وہ شیطان کا چھوٹا بھائی اور "كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ" کا مصداق ہے۔

دہم:... جس ملک کے عوام اور حکمران ایسے نام نہاد مسلمان ہوں، اس ملک پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کیا نازل ہوں گی؟ غضب اور قہر ہی نازل ہوگا! یہی وجہ ہے کہ ہر طرف سے جوتے کھا رہے ہیں، مگر دِلوں پر ایسی مہر لگی ہے کہ پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمانِ صحیح نصیب فرمائیں اور اعمالِ صالحہ کی توفیق سے سرفراز فرمائیں۔

شریعت کسے کہتے ہیں؟

سوال:... شریعتِ مطہرہ سے کیا مطلب ہے؟ کیا یہ کوئی کتاب ہے؟ اگر ہے تو کس کی تصنیف ہے؟

جواب:... اللہ تعالیٰ نے جو اَحکام بندوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نازل فرمائے، ان کو "شریعت" کہا جاتا ہے۔[۲]

اسلام کے بنیادی عقائد

سوال:... مذہبِ اسلام کے بنیادی عقائد کیا ہیں؟ قرآن و حدیث اور اَقوالِ فقہاء کے حوالہ جات متعلقہ تحریر فرمائیں؟

جواب:... اسلام اور کفر کے درمیان خطِ اِمتیاز کیا ہے؟ اور وہ کون سے اُمور ہیں جن کا ماننا شرطِ اسلام ہے؟ اس کے لئے چند نکات ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱:... یہ بات تو ہر عام و خاص جانتا ہے، بلکہ غیرمسلموں تک کو معلوم ہے کہ: "مسلمان ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق تسلیم کرتے ہوئے آپ کے لائے ہوئے دِین کو قبول کرنے کا عہد کریں، گویا یہ طے شدہ امر ہے (جس میں کسی کا اِختلاف نہیں) کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پورے دِین کو من و عن تسلیم کرنا اِسلام ہے اور دِینِ محمدی کی کسی بات کو قبول نہ کرنا کفر ہے، کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔"

۲:... اب صرف یہ بات تنقیح طلب باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ہم قطعی دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ دِینِ محمدی میں داخل ہیں، اور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان کی تعلیم فرمائی ہے؟ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ

---

(۱) قال تعالیٰ: "وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ" (البقرة:۳۴)۔

(۲) الشرع والشريعة: ما أظهره الله لعباده من الدِّين، وحاصله: الطريقة المعهودة الثابتة من النبي صلى الله عليه وسلم، فهو الشارع عليه الصلوٰة والسلام من الله تعالىٰ، والله تعالىٰ: هو الذي شرع لنا من الدِّين۔ (التعريفات الفقهية من رسائل قواعد الفقه لمفتي محمد عميم الإحسان، ص:۳۳۶ طبع صدف پبلشرز کراچی)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دِین ہم تک پہنچا ہے، اس کا ایک حصہ ان حقائق پر مشتمل ہے، جو ہمیں ایسے قطعی ویقینی اور غیر مشکوک تواتر کے ذریعے سے پہنچا ہے کہ ان کے ثبوت میں کسی قسم کے ادنیٰ اِشتباہ کی گنجائش نہیں۔ مثلاً جس درجے کے تواتر اور تسلسل سے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیٔ برحق کی حیثیت سے لوگوں کو ایک دِین کی دعوت دی تھی، ٹھیک اسی درجے کے تواتر وتسلسل سے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت میں لوگوں کو ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کی طرف بلایا، یعنی توحید کی دعوت دی، شرک وبت پرستی سے منع فرمایا، قرآنِ کریم کو کلامِ اِلٰہی کی حیثیت سے پیش کیا، قیامت کے حساب وکتاب، جزا وسزا اور جنت ودوزخ کو ذِکر فرمایا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی تعلیم دی، اس قسم کے وہ تمام حقائق جو ایسے قطعی ویقینی تواتر کے ذریعے ہمیں پہنچے ہیں، جن کو ہر دور میں مسلمان بالاتفاق مانتے چلے آئے ہیں، اور جن کا علم صرف خواص تک محدود نہیں رہا، بلکہ خواص کے حلقے سے نکل کر عوام تک میں مشہور ہوگیا۔ قرآنِ کریم میں بہت سی جگہ اس مضمون کو ذِکر کیا گیا ہے، ایک جگہ اِرشاد ہے:

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، کُلٌّ اٰمَنَ بِاللہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ''

(البقرۃ:۲۸۵)

ترجمہ:... ''اِعتقاد رکھتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز کا جو اُن کے پاس اُن کے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور مؤمنین بھی، سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ، اور اس کے فرشتوں کے ساتھ، اور اس کی کتابوں کے ساتھ، اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ، ہم اس کے سب پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے، اور ان سب نے یوں کہا: ہم نے (آپ کا اِرشاد) سنا اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔'' (ترجمہ: حضرت تھانویؒ)

دُوسری جگہ اِرشاد ہے:

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔'' (النساء:۶۵)

ترجمہ:... ''پھر قسم ہے آپ کے ربّ کی! یہ لوگ اِیمان دار نہ ہوں گے، جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کراویں، پھر اس آپ کے تصفیے سے اپنے دِلوں میں تنگی نہ پاویں، اور پورا پورا تسلیم کرلیں۔''

تیسری جگہ اِرشاد ہے:

''وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ، وَمَنْ یَّعْصِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔'' (الأحزاب:۳۶)

ترجمہ:... ''اور کسی اِیمان دار مرد اور کسی اِیمان دار عورت کو گنجائش نہیں ہے جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی

کام کا حکم دے دیں کہ پھر (ان مؤمنین) کو ان کے اس کام میں کوئی اِختیار (باقی) رہے، اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔“

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تبعًا لِّمَا جِئتُ بِہٖ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۰)

ترجمہ:... ”تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دِین کے تابع نہ ہوجائے۔“

انہیں خالص علمی اِصطلاح میں ”ضروریاتِ دِین“ کہا جاتا ہے، یعنی یہ ایسے اُمور ہیں کہ ان کا دِینِ محمدی میں داخل ہونا سو فیصد قطعی ویقینی اور ایسا بدیہی ہے کہ ان میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شک وشبہ اور تردّد کی گنجائش نہیں، کیونکہ خبرِ متواتر سے بھی اسی طرح کا یقین حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ خود اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے سے کسی چیز کا علمِ یقین حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً بے شمار لوگ ایسے ہیں جنھوں نے مکہ، مدینہ یا کراچی اور لاہور نہیں دیکھا، لیکن انہیں بھی ان شہروں کے وجود کا اسی طرح یقین ہے جس طرح کا یقین خود دیکھنے والوں کو ہے۔

دِینِ محمدی کی پوری عمارت اسی تواتر کی بنیاد پر قائم ہے، جو شخص دِین کے متواترات کا اِنکار کرتا ہے، وہ دِین کی پوری عمارت ہی کو منہدم کردینا چاہتا ہے، کیونکہ اگر تواتر کو حجتِ قطعیہ تسلیم نہ کیا جائے تو دِین کی کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہوسکتی، تمام فقہاء، متکلمین اور علمائے اُصول اس پر متفق ہیں کہ تواتر حجتِ قطعیہ ہے، اور متواتراتِ دینیہ کا منکر کافر ہے، (کتبِ اُصول میں تواتر کی بحث ملاحظہ کی جائے)۔ مناسب ہوگا کہ تواتر کے قطعی حجت ہونے پر ہم مرزا غلام احمد قادیانی کی شہادت پیش کردیں، اپنی کتاب ”شہادۃ القرآن“ میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

”دُوسرا حصہ جو تعامل کے سلسلے میں آگیا اور کروڑہا مخلوقات اِبتدا سے اس پر اپنے عملی طریق سے محافظ اور قائم چلی آئی ہے اس کو ظنی اور شکی کیونکر کہا جائے، ایک دُنیا کا مسلسل تعامل جو بیٹوں سے باپوں تک اور باپوں سے دادوں تک اور دادوں سے پردادوں تک بدیہی طور پر مشہور ہوگیا اور اپنے اصل مبدا تک اس کے آثار اور اَنوار نظر آگئے، اس میں تو ایک ذرّہ شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی، اور بغیر اس کے اِنسان کو کچھ بن نہیں پڑتا کہ ایسے مسلسل عمل درآمد کو اوّل درجہ کے یقینیات میں سے یقین کرے، پھر جبکہ اَئمہٴ حدیث نے اس سلسلے میں تعامل کے ساتھ ایک اور سلسلہ قائم کیا اور اُمورِ تعاملی کا اسناد راست گو اور متدین راویوں کے ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا، تو پھر بھی اس پر جرح کرنا، درحقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو بصیرتِ اِیمانی اور عقلِ اِنسانی کا کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔“ (شہادۃ القرآن ص:۸، رُوحانی خزائن ج:۶ ص:۳۰۴)

اور ”اِزالہ اوہام“ میں لکھتے ہیں:

”تواتر ایک ایسی چیز ہے کہ اگر غیر قوموں کی تواریخ کی رُو سے بھی پایا جائے تو تب بھی ہمیں قبول کرنا

ہی پڑتا ہے۔'' (ازالہ اوہام ص:۵۵۶، رُوحانی خزائن ج:۳ ص:۳۹۹)

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تین قسم کے اُمور ''ضروریاتِ دِین'' میں شامل ہیں:

۱:...جو قرآنِ کریم میں منصوص ہوں۔

۲:...جو اَحادیثِ متواترہ سے ثابت ہوں (خواہ تواتر لفظی ہو یا معنوی)۔

۳:...جو صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک اُمت کے اِجماع اور مسلسل تعامل و توارث سے ثابت ہوں۔

الغرض ''ضروریاتِ دِین'' ایسے بنیادی اُمور ہیں، جن کا تسلیم کرنا شرطِ اسلام ہے، اور ان میں سے کسی ایک کا اِنکار کرنا کفر وتکذیب ہے۔ خواہ کوئی دانستہ اِنکار کرے یا نادانستہ، اور خواہ واقف ہو کہ یہ مسئلہ ضروریاتِ دِین میں سے ہے، یا واقف نہ ہو، بہرصورت کافر ہوگا۔ ''شرح عقائد نسفی'' میں ہے:

''الْإیمان فی الشرع هو التصدیق بما جاء به من عند الله تعالٰی أی تصدیق النبی علیه السلام بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیئه به من عند الله تعالٰی۔''

(شرح عقائد ص:۱۱۹)

ترجمہ:...''شریعت میں اِیمان کے معنی ہیں ان تمام اُمور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے، یعنی ان تمام اُمور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دِل و جان سے تصدیق کرنا جن کے بارے میں بداہۃً معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے۔''

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو شخص ''ضروریاتِ دِین'' کا منکر ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان نہیں رکھتا۔ علامہ شامیؒ ''ردّالمحتار شرح درمختار'' میں لکھتے ہیں:

''لَا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الْإسلام وإن کان من أهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی شرح التحریر۔'' (ردّالمحتار من الْإمامة ج:۱ ص:۳۷۷)

ترجمہ:...''جو شخص ''ضروریاتِ دِین'' میں مسلمانوں کا مخالف ہو، اس کے کافر ہونے میں کوئی اِختلاف نہیں، اگرچہ وہ اہلِ قبلہ ہو اور مدۃ العمر طاعات اور عبادات کی پابندی کرنے والا ہو، جیسا کہ شرح تحریر میں اس کی تصریح ہے۔''

حافظ ابنِ حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں:

''وصح الْإجماع علٰی ان کل من جحد شیئًا صح عندنا بالْإجماع ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اتی به فقد کفر، وصح بالنص ان کل من استهزأ بالله تعالٰی، أو بملک من الملائکة أو بنبی من الأنبیاء علیهم السلام أو بآیة من القرآن أو بفریضة من فرائض

الدین فھی کلھا آیات اللہ تعالٰی، بعد بلوغ الحجة إلیه فھو کافر، ومن قال بنبی بعد النبی علیه الصلٰوة والسلام أو جحد شیئًا صح عنده بأن النبی صلی اللہ علیه وسلم قاله، فھو کافر۔“ (کتاب الفصل لابن حزم ج:۳ ص:۲۵۵،۲۵۶)

ترجمہ:... ”اور اس بات پر صحیح اِجماع ثابت ہے کہ جو شخص کسی ایسی بات کا اِنکار کرے جس کے بارے میں اِجماع سے ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لائے تھے، تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے، اور یہ بات بھی نص سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا، کسی فرشتے کا، کسی نبی کا، قرآنِ کریم کی کسی آیت کا، یا دِین کے فرائض میں سے کسی فریضے کا مذاق اُڑائے (واضح رہے کہ تمام فرائض آیاتُ اللہ ہیں) حالانکہ اس کے پاس حجت پہنچ گئی ہو، ایسا شخص کافر ہے، اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا قائل ہو، یا کسی ایسی چیز کا اِنکار کرے کہ اس کے نزدیک ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے، تو وہ بھی کافر ہے۔“

اور قاضی عیاض مالکیؒ ”الشفاء“ میں لکھتے ہیں:

”وکذالک وقع الْاِجماع علٰی تکفیر کل من دافع نص الکتاب أو خص حدیثًا مجمعًا علٰی نقله مقطوعًا به مجمعًا علٰی حمله علٰی ظاھره۔“ (ج:۲ ص:۲۴۷)

ترجمہ:... ”اسی طرح اس شخص کی تکفیر پر بھی اِجماع ہے جو کتابُ اللہ کی نص کا مقابلہ کرے، یا کسی ایسی حدیث میں تخصیص کرے، جس کی نقل پر اِجماع ہو، اور اس پر بھی اِجماع ہو کہ وہ اپنے ظاہر پر محمول ہے۔“

آگے لکھتے ہیں:

”وکذالک نقطع بتکفیر کل من کذب وأنکر قاعدة من قواعد الشرع وما عرف یقینًا بالنقل المتواتر من فعل الرسول صلی اللہ علیه وسلم ووقع الْاِجماع المتصل علیه ....الخ۔“ (ج:۲ ص:۲۴۸)

ترجمہ:... ”اسی طرح ہم اس شخص کو بھی قطعی کافر قرار دیتے ہیں جو شریعت کے قاعدوں میں سے کسی قاعدے کا اِنکار کرے، اور ایسی چیز کا اِنکار کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقلِ متواتر کے ساتھ منقول ہو اور اس پر مسلسل اِجماع چلا آتا ہو۔“

علمائے اُمت کی اس قسم کی تصریحات بے شمار ہیں، نمونے کے طور پر چند حوالے درج کردیئے گئے ہیں۔ آخر میں مرزا غلام احمد قادیانی کی دو عبارتیں بھی ملاحظہ فرمایئے، ”انجامِ آتھم“ ص:۱۴۴ میں لکھتے ہیں:

”ومن زاد علٰی ھٰذه الشریعة مثقال ذرة أو نقص منھا أو کفر بعقیدة إجماعیة فعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس أجمعین۔“ (رُوحانی خزائن ج:۱۱ ص:۱۴۴)

ترجمہ:... ”جو شخص اس شریعت میں ایک ذرّے کی کمی بیشی کرے، یا کسی اِجماعی عقیدے کا اِنکار کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی، اور تمام اِنسانوں کی لعنت۔“

اور ”ایام الصلح“ میں لکھتے ہیں:

”وہ تمام اُمور جن پر سلف صالحین کو اِعتقادی اور عملی طور پر اِجماع تھا، اور وہ اُمور جو اہلِ سنت کی اِجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں، ان سب کا ماننا فرض ہے۔“ (ص:۸۷، رُوحانی خزائن ج:۱۴ ص:۳۲۳)

خلاصہ یہ ہے کہ ”ضروریاتِ دِین“ کا اِقرار واِنکار اِسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل ہے، جو شخص ”ضروریاتِ دِین“ کو من وعن، بغیر تأویل کے قبول کرتا ہے، وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہے، اور جو شخص ”ضروریاتِ دِین“ کا اِنکار کرتا ہے، یا ان میں ایسی تأویل کرتا ہے کہ جس سے ان کا متواتر مفہوم بدل جائے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اور جو مسائل ایسے ہوں کہ ہیں تو قطعی واِجماعی، مگر ان کی شہرت عوام تک نہیں پہنچی، صرف اہلِ علم تک محدود ہے، ان کو ”قطعیات“ تو کہا جائے گا، مگر ”ضروریات“ نہیں کہا جاتا۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کا اِنکار کرے تو پہلے اس کو تبلیغ کی جائے، اور ان کا قطعی اور اِجماعی ہونا اس کو بتایا جائے، اس کے بعد بھی اگر اِنکار پر اِصرار کرے تو خارج اَز اِسلام ہوگا۔

”مسامرہ“ میں ہے:

”وأما ما ثبت قطعًا ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الْإبن السدس مع البنت الصلبية باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الْإكفار بجحده، لأنهم لم يشترطوا فى الْإكفار سوى القطع فى الثبوت (إلٰى قوله) ويجب حمله علٰى ما إذا علم المنكر ثبوته قطعًا۔“ (مسامرہ ص:۳۳۲)

ترجمہ:... ”اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو مگر ضرورت کی حد کو پہنچا ہو، جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور حقیقی بیٹی جمع ہوں تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اِجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔ سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے اِنکار کی وجہ سے کفر کا حکم لیا جاوے گا، کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی (الیٰ قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔“

۳:... ”ضروریاتِ دِین“ کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف ان کے الفاظ کو مان لیا جائے، بلکہ ان کے اس معنی ومفہوم کو ماننا بھی ضروری ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک تواتر وتسلسل کے ساتھ مُسلَّم چلے آتے ہیں۔ فرض کیجئے! ایک شخص کہتا ہے کہ: ”میں قرآنِ کریم پر ایمان رکھتا ہوں“، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ: ”قرآنِ کریم کے بارے میں میرا یہ عقیدہ نہیں کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا، جیسا کہ مسلمان سمجھتے ہیں، بلکہ میں قرآن مجید کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف کردہ کتاب سمجھتا ہوں۔“ کیا کوئی شخص تسلیم کرے گا کہ ایسا شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے؟ یا فرض

کیجئے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ: ”میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان رکھتا ہوں، لیکن ”محمد رسول اللہ“ سے مراد وہ شخصیت نہیں جس کو مسلمان مانتے ہیں، بلکہ ”محمد رسول اللہ“ سے خود میری ذات شریف مراد ہے۔“ کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص ”محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ پر اِیمان رکھتا ہے؟ یا فرض کیجئے کہ ایک شخص تسلیم کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تواتر کے ساتھ آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی تھی، لیکن ساتھ ہی کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے خود اس کی ذات مراد ہے، کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر اِیمان رکھتا ہے؟

الغرض ”ضروریاتِ دِین“ میں اِجماعی اور متواتر مفہوم کے خلاف کوئی تأویل کرنا بھی درحقیقت ”ضروریاتِ دِین“ کا اِنکار ہے، اور ضروریاتِ دِین میں ایسی تأویل کرنا اِلحاد و زَندقہ کہلاتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

”اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا، اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ، اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ، اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔“ (حٰمٓ السجدة: ۴۰)

ترجمہ:... ”جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں، وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں، بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں، وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن سے، دن قیامت کے، کئے جاؤ جو چاہو، بے شک جو تم کرتے ہو، وہ دیکھتا ہے۔“

جو لوگ ضروریاتِ دِین میں تأویلیں کرکے انہیں اپنے عقائد پر چسپاں کرتے ہیں، انہیں ”ملحد و زِندیق“ کہا جاتا ہے، اور ایسے لوگ نہ صرف کافر و مرتد ہیں، بلکہ اس سے بھی بدتر، کیونکہ کافر و مرتد کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن زِندیق کی توبہ بھی قبول نہیں کی جاتی۔ راقم الحروف نے اپنے رسالے ”قادیانی جنازہ“ میں زِندیق کے بارے میں ایک نوٹ لکھا تھا، جسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

اوّل:... جو شخص کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اِسلام کی طرف منسوب کرتا ہو، اور نصوصِ شرعیہ کی غلط سلط تأویلیں کرکے اپنے عقائدِ کفریہ کو اِسلام کے نام سے پیش کرتا ہو، اسے ”زِندیق“ کہا جاتا ہے، علامہ شامیؒ باب المرتد میں لکھتے ہیں:

”فإن الزنديق يموه كفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها فى الصورة الصحيحة هٰذا معنى إبطان الكفر۔“ (الشامی ج:۴ ص:۲۴۲ الطبع الجدید)

ترجمہ:... ”کیونکہ زِندیق اپنے کفر پر ملمع کیا کرتا ہے اور اپنے عقیدۂ فاسدہ کو رِواج دینا چاہتا ہے اور اسے بظاہر صحیح صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور یہی معنی ہیں کفر کو چھپانے کے۔“

اور اِمام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسویٰ شرح عربی مؤطا میں لکھتے ہیں:

”بيان ذٰلک أن المخالف للدِّين الحق إن لم يعترف به ولم يذعن له لَا ظاهرًا ولَا باطنًا فهو كافر، وإن اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهو المنافق، وإن اعترف به ظاهرًا، لٰكنه يفسر بعض ما ثبت من الدِّين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة رضى الله عنهم والتابعون واجتمعت عليه الأُمّة فهو الزِّنديق۔“

ترجمہ:... ’’شرح اس کی یہ ہے کہ جو شخص دِینِ حق کا مخالف ہے، اگر وہ دِینِ اسلام کا اِقرار ہی نہ کرتا ہو اور نہ دِینِ اسلام کو مانتا ہو، نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر، تو وہ ’’کافر‘‘ کہلاتا ہے، اور اگر زبان سے دِین کا اِقرار کرتا ہو لیکن دِین کے بعض قطعیات کی ایسی تأویل کرتا ہو جو صحابہؓ و تابعینؒ اور اِجماعِ اُمت کے خلاف ہو، تو ایسا شخص ’’زِندیق‘‘ کہلاتا ہے۔‘‘

آگے تأویلِ صحیح اور تأویلِ باطل کا فرق کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’ثم التأويل، تأويلان، تأويل لَا يخالف قاطعًا من الكتاب والسُّنَّة واتفاق الأُمّة، وتأويل يصادم ما ثبت بقاطع فذٰلک الزندقة۔‘‘

ترجمہ:... ’’پھر تأویل کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ تأویل جو کتاب و سنت اور اِجماعِ اُمت سے ثابت شدہ کسی قطعی مسئلے کے خلاف نہ ہو، اور دُوسری وہ تأویل جو ایسے مسئلے کے خلاف ہو جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہے پس ایسی تأویل ’’زَندقہ‘‘ ہے۔‘‘

آگے زِندیقانہ تأویلوں کی مثالیں بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’أو قال إن النبی صلى الله عليه وسلم خاتم النبوّة ولٰكن معنى هٰذا الكلام أنه لَا يجوز أن يسمّٰى بعده أحد بالنبی، وأما معنى النبوة وهو كون الْإنسان مبعوثًا من الله تعالٰى إلى الخلق مفترض الطاعة معصومًا من الذنوب ومن البقاء على الخطأ فيما يرى فهو موجود فی الأمّة بعده فهو الزِّنديق۔‘‘ (مسوی ج:۲ ص:۱۳۰ مطبوعہ رحیمیہ دہلی)

ترجمہ:... ’’یا کوئی شخص یوں کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ خاتم النبیین ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کا نام نبی نہیں رکھا جائے گا۔ لیکن نبوّت کا مفہوم یعنی کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف مبعوث ہونا، اس کی اطاعت کا فرض ہونا، اور اس کا گناہوں سے اور خطا پر قائم رہنے سے معصوم ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اُمت میں موجود ہے، تو یہ شخص ’’زِندیق‘‘ ہے۔‘‘

خلاصہ یہ کہ جو شخص اپنے کفریہ عقائد کو اِسلام کے رنگ میں پیش کرتا ہو، اِسلام کے قطعی و متواتر عقائد کے خلاف قرآن و سنت کی تأویلیں کرتا ہو، ایسا شخص ’’زِندیق‘‘ کہلاتا ہے۔

دوم:... یہ کہ زِندیق، مرتد کے حکم میں ہے، بلکہ ایک اعتبار سے زِندیق، مرتد سے بھی بدتر ہے، کیونکہ اگر مرتد توبہ کرکے دوبارہ اسلام میں داخل ہو تو اس کی توبہ بالاتفاق لائقِ قبول ہے، لیکن زِندیق کی توبہ کے قبول ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

’’وكذا الكافر بسبب (الزندقة) لَا توبة له وجعله فی الفتح ظاهر المذهب لٰكن فی حظر الخانية الفتوٰى علىٰ أنه (إذا أخذ) الساحر أو الزنديق المعروف الداعی (قبل

توبته) ثم تاب لم تقبل توبته ویقتل، ولو أخذ بعدها قبلت۔" (الشامی ج:۴ ص:۲۴۱ طبع جدید)

ترجمہ:... "اور اسی طرح جو شخص زَندقہ کی وجہ سے کافر ہوگیا، اس کی توبہ قابلِ قبول نہیں، اور فتح القدیر میں اس کو ظاہر مذہب بتایا ہے، لیکن فتاویٰ قاضی خان میں کتاب الحظر میں ہے کہ فتویٰ اس پر ہے جب جادوگر اور زِندیق جو معروف اور داعی ہو، توبہ سے پہلے گرفتار ہوجائیں، اور پھر گرفتار ہونے کے بعد توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہیں، بلکہ ان کو قتل کیا جائے گا، اور اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرلی تھی تو توبہ قبول کی جائے گی۔"

البحرالرائق میں ہے:

"لَا تقبل توبة الزندیق فی ظاهر المذهب وهو من لَا یتدین بدین ...... وفی الخانیة: قالوا إن جاء الزندیق قبل أن یؤخذ فأقر أنه زندیق فتاب من ذٰلک تقبل توبته، وإن أخذ ثم تاب لم تقبل توبته ویقتل۔" (ج:۵ ص:۱۲۶)

ترجمہ:... "ظاہر مذہب میں زِندیق کی توبہ قابلِ قبول نہیں، اور زِندیق وہ شخص ہے جو دِین کا قائل نہ ہو...... اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ: اگر زِندیق گرفتار ہونے سے پہلے خود آکر اِقرار کرے کہ وہ زِندیق ہے، پس اس سے توبہ کرے، تو اس کی توبہ قبول ہے، اور اگر گرفتار ہوا، پھر توبہ کی تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، بلکہ اسے قتل کیا جائے گا۔"

سوم:... قادیانیوں کا زِندیق ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ ان کے عقائد اِسلامی عقائد کے قطعاً خلاف ہیں، اور وہ قرآن و سنت کے نصوص میں غلط سلط تأویلیں کرکے جاہلوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ خود تو وہ پکے سچے مسلمان ہیں، ان کے سوا باقی پوری اُمت گمراہ اور کافر و بے اِیمان ہے، جیسا کہ قادیانیوں کے دُوسرے سربراہ آنجہانی مرزا محمود قادیانی لکھتے ہیں کہ:

"کل مسلمان جو حضرت مسیحِ موعود (مرزا قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیحِ موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔" (آئینۂ صداقت ص:۳۵)

اللہ کو اِنسان کی عبادت کی کیا ضرورت تھی؟

سوال:...

دردِ دِل کے واسطے پیدا کیا اِنسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عبادت کے لئے بنایا، جو کہ ہر وقت لاکھوں کی تعداد میں خدائے تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہیں، ایسی صورت میں انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص عبادات: نماز، روزہ، اور حج وغیرہ کو کیوں ضروری قرار دیا؟ اور اپنے بھائی بندوں وغیرہ کی خدمت ہی کو عبادت کیوں نہ قرار دیا گیا؟

جواب:... انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا،[۱] اور اس کے لئے اس دُنیا کو دارالامتحان قرار دیا،[۲] اور اس کو بعض اُمور کا مکلّف بنایا،[۳] اور اس کے لئے ایک طریقۂ زندگی پیغمبروں کے عمل کی صورت میں پیش کردیا[۴] کہ جو اس طریقے کے مطابق اپنی زندگی کو گزاریں گے تو کامیابی پائیں گے، ورنہ ناکام ہوں گے۔ دُوسری بات یہ کہ عبادت اللہ تعالیٰ اس لئے نہیں کراتے کہ اس کو بندے کی عبادت کی ضرورت ہے اور بندے کو عبادت میں دیکھ کر اس کا مقام کچھ بلند ہوتا ہے، بلکہ یہ عبادت بندے کے اپنے لئے ہی کارآمد ہے، اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔[۵] بس اس نے ایک نظام بنادیا ہے کہ اگر عبادت کرے گا تو کامیاب ہوگا اور آخرت میں سرخرو ہوگا، اور اگر عبادت نہیں کرے گا تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔[۶] پھر شاعر نے جو اُوپر کا شعر کہا ہے، اس کا مقصد یہ نہیں کہ انسان عبادت نہ کرے اور صرف ایک دُوسرے کے درد ہی کو محسوس کرے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے صرف عبادت کے لئے نہیں پیدا کیا، بلکہ اس کے دِل میں ہمدردی اور اِیثار و اُخوّت کا جذبہ پیدا ہو، اگر عبادت سے وہ ان چیزوں کو حاصل نہیں کرسکتا، بلکہ نرا ظالم کا ظالم رہتا ہے، تو اس کی عبادت کا اثر اس میں نہیں آرہا، اسی لئے تو اَحادیث میں جہاں عبادات پر زور دیا ہے وہاں مسلمانوں کے آپس کے حقوق ادا کرنے، اُخوّت کو قائم کرنے اور ایک دُوسرے کے ساتھ ہمدردی پر زور دیا ہے۔[۷]

ابتدائی وحی کے تین سال بعد عمومی دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا

سوال:... زمانۂ فترۃ وحی میں تبلیغ اسلام کی دعوت جاری رہی یا نہیں؟ جبکہ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ جناب............. صاحب کی رائے میں پہلی وحی کے بعد تین سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹریننگ دی جاتی رہی اور اس کے بعد تبلیغ کا حکم ہوا۔ امید ہے کہ آپ جواب سے نوازیں گے۔

جواب:... ابتدائی وحی کے نزول کے بعد تین سال تک وحی کا نزول بند رہا، یہ زمانہ ''فترۃ وحی'' کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس وقت تک دعوت و تبلیغ کا عمومی حکم نہیں ہوا تھا۔[۸] ''زمانۂ فترت'' کے بعد سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

(۱) قال تعالیٰ: ''وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً .... الآیة'' (البقرة:۳۰)۔

(۲) قال تعالیٰ: ''اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا'' (الملک:۲)۔

(۳) قال تعالیٰ: ''لَایُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' (البقرة:۲۸۶)۔

(۴) قال تعالیٰ: ''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' (الأحزاب:۲۱)۔

(۵) ''یا عبادی لو ان اوّلکم وآخرکم وانسکم وجنّکم کانوا علٰی اتقٰی قلب رجل واحد منکم ما زاد ذٰلک فی ملکی شیئًا، یا عبادی لو ان اوّلکم وآخرکم وانسکم وجنّکم کانوا علٰی افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذٰلک من ملکی شیئًا .....'' (مشکوٰة ص:۲۰۳، باب الإستغفار، الفصل الأوّل)۔

(۶) قال تعالیٰ: ''مَنْ عَمِلَ صٰلِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا وَمَا رَبُّکَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِیْدِ'' (السجدة:۴۶)۔

(۷) عن النعمان بن بشیر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ''لَا تحاسدوا ولَا تقاطعوا ولَا تدابروا وکونوا عباد الله اِخوانًا'' (مسند احمد ج:۳ ص:۱۶۵)۔

(۸) وقع فی تاریخ أحمد بن حنبل عن الشعبی أن مدة فترة الوحی کانت ثلاث سنین .... ولیس المراد بفترة الوحی المقدرة بثلاث سنین وهی ما بین نزول اِقْرَاْ ویٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ عدم مجیء جبریل إلیه بل تأخر نزول القرآن فقط۔ (فتح الباری ج:۱ ص:۲۷، باب بدء الوحی، طبع دار نشر الکتب الإسلامیة، لاهور)۔

دعوت وانذار کا حکم دیا گیا،[۱] اس ”فترة وحی“ میں بہت سی حکمتیں تھیں۔[۲] جناب............صاحب نے ”ٹریننگ“ کی جو بات کی، وہ ان کی اپنی فکری سطح کے مطابق ہے۔

”وحی کی برکات“ سے کیا مراد ہے؟

سوال:...حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: اور جب...میری اُمت...امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائے گی۔ سوال یہ کرنا ہے کہ ”وحی کی برکات“ سے کیا مراد ہے؟

جواب:...وحی کی برکات: یقین اور اعمالِ صالحہ کی توفیق اور وحی کے انوار کی وجہ سے دِل میں خاص قسم کی سکینت کا پیدا ہونا۔[۳]

اُمّ الکتاب اور لوحِ محفوظ کی حقیقت

سوال ۱:...اُم الکتاب اور لوحِ محفوظ دو الگ الگ کتابیں ہیں یا ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں؟ اگر الگ الگ ہیں تو دونوں میں فرق کیا ہے؟ یہ کس زبان میں لکھی گئیں اور کاتب کون تھا؟

جواب:...اُمّ الکتاب، لوحِ محفوظ ہی کو کہا جاتا ہے، زبان اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، اور کاتب باذنِ اِلٰہی قلم تھا۔[۴]

لوحِ محفوظ پر جس کے لئے گناہ لکھا جاچکا ہے، اُسے سزا کیوں ملے گی؟

سوال:...میں اور میرے جتنے نوجوان دوست ہیں اس مسئلے پر کچھ ذہنی اور دِلی طور پر پریشان اور غیرمطمئن ہیں کہ جیسا کہ ہر مسلمان کا بنیادی ایمانی عقیدہ ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اور جو کچھ لوحِ محفوظ پر اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، وہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوکر رہے گا، تو اللہ پاک نے جہنم اور جنت کو جزا وسزا کے لئے کیوں بنایا ہے؟ کیونکہ ہم اللہ کے حکم کے

---

(۱) ”ان المراد اولية مخصوصة بالأمر بالإنذار وعبر بعضهم عن هٰذا بقوله اوّل ما نزل للنبوة اقرأ باسم ربك، واوّل ما نزل بالرسالة يا ايها المدثر“ (الإتقان فى علوم القرآن ج:۱ ص:۲۴)۔ واعلم أنه اختلف يعنى أوّل ما نزل من القرآن فقيل وهو الصحيح أنه إقرا باسم ربك وهو الظاهر من هٰذا السياق وله أدلة أُخرىٰ مذكوره فى موضعها والقول الثانى: يٰأيها المدثر ويؤيده ما فى الصحيحين عن أبى سلمة عن جابر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يحدث عن فترة الوحى .... أن المراد منه نزولها بعد زمن الفترة كما يؤيده السياق. (فيض البارى ج:۱ ص:۲۵ الكلام فى أول السور نزولًا)۔

(۲) وفتور الوحى عبارة عن تأخره مدة من الزمان، وكان ذٰلك ليذهب ما كان صلى الله عليه وسلم وجده من الروع وليحصل له التشوف إلى العود فقد روى المؤلف فى التعبير من طريق معمر ما يدل علىٰ ذٰلك. (فتح البارى ج:۱ ص:۲۷، باب بدء الوحى)۔

(۳) ”وبيانه ان فى ترك الأمر بالمعروف ..... خذلانا للحق وجفوة للدين وفى خذلان الحق ذهاب البصيرة وفى جفاء الدين فقد النور فيحجب القلب فيحرم بركته وحرمان بركته ان يقرأه فلا يفهم اسراره ولا يذوق حلاوته .... “ (اتحاف السادة المتقين ج:۴ ص:۵۱۵، الباب الثالث فى أعمال الباطل فى تلاوة القرآن، طبع دار الفكر، بيروت)۔

(۴) وتوضيحهٗ ان وقت الكتابة لم تكن الأشياء معهودة فكتب فى اللوح المحفوظ على وجه الوصف أنه سيكون ..... وقال الإمام الأعظم فى كتابه الوصية: نقرّ بأنّ الله تعالىٰ أمر القلم بأن يكتب. (شرح فقه الأكبر ص:۴۹، مطبوعه دهلى)۔

بغیر نہ ہی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرسکتے ہیں، اور نہ ہی کوئی چھوٹے سے چھوٹا گناہ کرسکتے ہیں، کرنے والی سب کچھ اللہ کی ذات ہے، تو اگر ہم گناہ کرتے ہیں تو وہ بھی اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، تو ہمیں کیوں سزا دی جائے گی جبکہ ہماری قسمت میں اللہ نے لوحِ محفوظ میں گناہ لکھا ہے، تو ہم اس پر مجبور ہیں کہ ہم گناہ کرتے، کیونکہ گناہ بھی اللہ کے حکم سے ہوگا۔

جواب:... یہ تو صحیح ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اِرادہ و مشیت سے ہو رہا ہے، اور یہ بھی بالکل واضح ہے کہ ہمارے کچھ افعال تو ایسے ہیں کہ ہم اپنے اِرادہ و اختیار سے کرتے ہیں، اور کچھ چیزیں ہمارے اِرادہ و اختیار کے بغیر سرزد ہوتی ہیں۔ پہلی قسم کے اچھے افعال پر تمام عقلاء تعریف کرتے ہیں، اور بُرے افعال پر مذمت و بُرائی کرتے ہیں، گویا تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ نے اچھے بُرے کا ایک طرح کا اِختیار دیا ہے، اور اس کے اِختیار میں افعال اگر اچھے ہوں تو اِنعام کا مستحق ہے، اور اگر بُرے ہوں تو مذمت اور سزا کا مستحق ہے۔

مثلاً: ایک شخص مخلوق کی خدمت کرتا ہے، اس کو ہر شخص اچھا کہتا ہے، اور ایک شخص چوری کرتا ہے، ڈاکا ڈالتا ہے، بدکاری کرتا ہے، اس کو ہر شخص بُرا کہتا ہے اور اسے سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ کبھی کسی چور کا یہ عذر نہیں سنا جاتا کہ: ''جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت و اِرادے سے ہوتا ہے، میں نے جو چوری کی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے کی ہے، اس لئے میں کسی سزا کا مستحق نہیں'' معلوم ہوا کہ تقدیر کا عقیدہ برحق ہے، مگر اختیار میں اور اَفعال میں آدمی تقدیر کا حوالہ دے کر بَری نہیں ہوسکتا، ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے اپنے اِختیار و اِرادے سے یہ کام (مثلاً قتل) کیا ہے، لہٰذا یہ سزائے موت کا مستحق ہے، یہی صورتِ حال آخرت کے عذاب و ثواب کی ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا یا قلم؟

سوال:... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اس کو فرمایا: لکھ! سو جو کچھ آئندہ آخر تک ہونے والا تھا، وہ سب اس نے اللہ کے حکم سے لکھ دیا (ترمذی ج:۲ ص:۱۶۷)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔ آپ

---

(۱) وللعباد أفعال اِختيارية يثابون بها ان كانت طاعة، ويعاقبون عليها ان كانت معصية ..... والحسن منها برضاء الله تعالىٰ والقبيح منها ليس برضائه. (شرح عقائد ص: ۸۱ تا ۸۵). والمعاصى كلها أى صغيرها وكبيرها بعلمه وقضائه وتقديره ومشيّته إذ لو لم يردها لما وقعت لَا بمحبّته أى لقوله تعالىٰ: فإن الله لَا يحب الكٰفرين، والله لَا يحب الظّٰلمين، ولَا برضائه أى لقوله تعالىٰ: ولَا يرضىٰ لعباده الكفر، ولأن الكفر يوجب المقت الذى هو أشدّ الغضب وهو ينافى رضى الرَّبّ المتعلق بالْإيمان وحسن الأدب ولَا بأمره أى لقوله تعالىٰ: إن الله لَا يأمر بالفحشاء، وقوله تعالىٰ: إن الله يأمر بالعدل والْإحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهىٰ عن الفحشآء والمنكر والبغى، فالنّهى ضدّ الأمر فلا يتصوّر أن يكون الكفر بالأمر وهٰذا القول هو المعروف عن السلف. (شرح فقه أكبر ص:۶۴). وجميع أفعال العباد من الحركة والسكون أىْ علىٰ أىّ وجه يكون من الكفر والْإيمان والطّاعة والعصيان كسبهم على الحقيقة أى لَا علىٰ طريق المجاز فى النّسبة ولَا علىٰ سبيل الْإكراه والغلبة بل إختيارهم فى فعلهم بحسب إختلاف هوائهم وميل أنفسهم فلها ما كسبت وعليها ما اكتسبت. (شرح فقه أكبر ص: ۵۹).

بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قلم کو پیدا کیا، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو؟

جواب:... کتابیں دیکھنے کی تو فرصت نہیں، بظاہر ترمذی کی روایت راجح ہے، یعنی سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور پھر اس کو تمام کائنات کے فیصلوں کے لکھنے کا حکم فرمایا، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّل الخلق ہونا بھی ہے۔ (۱)

موجبِ تخلیقِ کائنات

سوال:... موجبِ تخلیقِ کائنات کیا ہے؟

جواب:... عنایتِ خداوندی ہی موجبِ تخلیق ہوسکتی ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ انسان تمام مخلوقات میں اَشرف ہے، باقی کائنات گویا اُس کی خادم ہے، اور اِنسانوں میں انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اَعلیٰ و اَشرف ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ ان اکابر کے کمالِ عبدیت کے اظہار کے لئے کائنات کی تخلیق ہوئی تو بجا ہے، مگر اصل علت وہی عنایتِ خداوندی ہے۔ (۲)

تخلیقِ کائنات کتنے دِن میں ہوئی؟

سوال:... بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ۶ دن میں دُنیا بنائی، ساتویں دن آرام کیا، لیکن میں نہیں مانتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو آرام کی ضرورت نہیں۔ آپ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کتنی مدّت میں بنائی؟

جواب:... ۶ دن میں دُنیا کی تخلیق کرنا، یہ تو صحیح ہے، اور ''ساتویں دن آرام کرنا'' یہودیوں کی گپ ہے۔ (۳)

رضا بالقضا سے کیا مراد ہے؟ اور کیا یہ سچا مؤمن ہونے کی علامت ہے؟

سوال:... رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حق تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بناتا ہے تو اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے، پس اگر وہ صابر بنا رہتا ہے تو اس کو منتخب کرتا ہے، اور اگر اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے تو اس کو برگزیدہ کرلیتا ہے۔ مصیبت پر

---

(۱) .... والحديث على الرواية الرّاجحة صريح فى ان القلم أوّل مخلوق ثم أمر بأن يكتب كل شيء يكون .... (شرح عقيدة الطحاوية ص:۲۹۵ طبع مكتبه سلفيه لَاهور).

(۲) اِنِّىٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. أى: أعلم بالمصلحة الراجعة فى خلق هٰذا الصنف على المفاسد التى ذكرتموها، مالَا تعلمون أنتم فانى سأجعل فيهم الأنبياء، وأرسل فيهم الرسل ويوجد فيهم الصديقون والشهداء والصالحون والعباد والزُّهاد والأولياء والأبرار والمقربون والعلماء العاملون والخاشعون والمحبون له تبارك وتعالىٰ المتبعون رسله صلوات الله وسلامه عليهم. (تفسير ابن كثير ج:۱ ص:۲۰۰، روح المعانى ج:۱ ص:۲۲۳).

(۳) "اِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" (الأعراف:۵۴). "وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ". (قٓ:۳۸) قال قتادة: قالت اليهود -عليهم لعائن الله-: خلق الله السموات والأرض فى ستة أيام ثم استراح فى يوم السابع. (ابن كثير ج:۵ ص:۶۸۲ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه). وفى تفسير النسفى تحت هٰذه الآية قيل: نزلت فى اليهود، لعنت تكذيبًا لقولهم: خلق الله السماوات والأرض فى ستة أيام، أولها الأحد، وآخرها الجمعة، واستراح يوم السبت ...إلخ. (تفسير النسفى ج:۳ ص:۳۶۹ سورة قٓ، طبع دار ابن كثير، بيروت).

صابر بنا رہتا ہے، پھر قضا پر راضی رہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:... یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے فیصلے سے دِل میں تنگی محسوس نہ کرے، زبان سے شکوہ و شکایت نہ کرے، بلکہ یوں سمجھے کہ مالک نے جو کیا، ٹھیک کیا۔(۱) طبعی تکلیف اس کے منافی نہیں۔ اسی طرح اس مصیبت کو دُور کرنے کے لئے جائز اَسباب کو اِختیار کرنا اور اس کے اِزالے کی دُعائیں کرنا، رضا بالقضا کے خلاف نہیں،(۲) واللہ اعلم!

سوال:... ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہؓ سے پوچھا: ”تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم مؤمنین مسلمین ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بخدا! تم سچے مؤمن ہو۔“ سوال ہے کہ اس حدیث مبارک میں ۱:... مصیبت پر صبر سے کیا مراد ہے؟ ۲:... راحت پر شکر سے کیا مراد ہے؟ ۳:... اور ”قضا پر راضی رہتے ہیں“ سے کیا مراد ہے؟

جواب:... نمبر:۱ اور نمبر۳ اُوپر لکھ دیا، راحت و نعمت پر شکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نعمت کو محض حق تعالیٰ شانہٗ کے لطف و احسان کا ثمرہ جانے، اپنا ذاتی ہنر اور کمال نہ سمجھے، زبان سے ”الحمدللہ“ کہے اور شکر بجالائے، اور اس نعمت کو حق تعالیٰ شانہٗ کی معصیت میں خرچ نہ کرے، اس نعمت پر اِترائے نہیں، واللہ اعلم!

گونگے کا اظہارِ اسلام

سوال:... ہمارے ہاں ایک گونگا ہے، جس کے ماں باپ مرچکے ہیں اور وہ پیدائش سے اب تک ہندو رہا ہے، اور اب وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے، اس کی عمر ۲۸ سال ہے، جبکہ وہ ان پڑھ ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اس کو کلمہ کس طرح پڑھایا جائے، جبکہ وہ سن بھی نہیں سکتا؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کلمہ طیبہ لکھ کر پانی میں گھول کر پلادیا جائے، مسلمان ہوجائے گا!

جواب:... کلمہ گھول کر پلانے سے تو مسلمان نہیں ہوگا، البتہ اگر وہ اشارے سے توحید و رسالت کا اقرار کرے تو مسلمان ہوجائے گا۔(۳)

---

(۱) قال الطیبی رحمہ اللہ أی الرضا بقضاء اللہ وھو ترک السخط علامة سعادته وإنما جعله علامة سعادة العبد لأمرین: أحدھما یتفرغ للعبادة، لأنه إذا لم یرض بالقضاء یکون مھومًا أبدًا مشغول القلب بحدوث الحوادث ویقول کان کذا ولم لَا یکون کذا، والثانی لئلا یتعرض لغضب اللہ تعالٰی بسخطه وسخط لعبد أن یذکر غیر ما قضی اللہ له وقال انه أصلح وأولٰی فیما لَا یستیقن فساده وصلاحه۔ (مرقاة شرح مشکٰوة، باب التوکل والصبر ج:۵ ص:۹۳)۔

(۲) وقد ذکرنا أن التمسک بالأسباب جریًا علٰی سنة اللہ تعالٰی لَا یناقض التوکل .... فھو أیضًا لَا یناقض الرضا۔ (إحیاء علوم الدین ج:۴ ص:۳۵۴، بیان أن الدعاء غیر مناقض للرضا، طبع دار المعرفة بیروت)۔

(۳) واعلم ان اشارة الأخرس تعتبر کالبیان فی وصیة واقرار .... الخ۔ (شرح المجلة ص:۴۹، مطبوعه مکتبه حبیبیه کوئٹه)۔ وأیضًا الْإجماع منعقد علٰی إیمان من صدق بقلبه وقصد الْإقرار باللسان ومنعه منه مانع من خرس ونحوه۔ (شرح عقائد ص:۱۲۳ طبع خیر کثیر)۔

ہر مسلمان غیر مسلم کو مسلمان کر سکتا ہے؟

سوال:...کیا کوئی عام مسلمان (جو روزے نماز کا پابند ہو) کسی غیر مسلم کو مسلمان بنا سکتا ہے؟ اور اگر بنا سکتا ہے تو اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟

جواب:...غیر مسلم کو کلمہ شہادت پڑھا دیا جائے، اور جس کفر میں وہ گرفتار تھا اس سے توبہ کرادی جائے،[۱] بس وہ مسلمان ہوجائے گا! اس کے بعد اسے اسلام کی ضروری باتوں کی تعلیم دے دی جائے۔ اور یہ کام ہر مسلمان کر سکتا ہے۔

دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟

سوال:...مذہب اور دین میں کیا فرق ہے؟ نیز یہ کہ اسلام مذہب ہے یا دین؟

جواب:...دین اور مذہب کا ایک ہی مفہوم ہے، آج کل بعض لوگ یہ خیال پیش کر رہے ہیں کہ دین اور مذہب الگ الگ چیزیں ہیں، مگر ان کا خیال غلط ہے۔[۲]

صراطِ مستقیم سے کیا مراد ہے؟

سوال:...اکثر بزرگوں نے صراطِ مستقیم کو صرف مسجد تک محدود رکھا، نیک کام صرف روزہ، زکوٰۃ اور نماز کو قرار دیا، جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کو کافر کہنا کیا درست ہے؟ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو کافر قرار دینا کیا صحیح ہے؟ نماز فرض ہے، فرض کریں اگر کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہے اور چیخ چیخ کر بچاؤ بچاؤ پکار رہا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو بچالیں اور ایک فرض نماز ہے، اگر دو منٹ ہم نے صرف کردیئے تو قضا ہوجائے گی، کیا ہم ایسے میں مصلیٰ بچھا کر دریا کے کنارے نماز ادا کریں گے؟ یا اس ڈوبتے ہوئے انسان کی زندگی بچائیں گے؟

خداوند کریم نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ، ترجمہ...دکھا ہم کو سیدھا راستہ، یہ سورۂ فاتحہ میں آیا ہے، جسے الحمد شریف کہا جاتا ہے، جو ہر ایک نماز میں پڑھی جاتی ہے، جس کے نہ پڑھنے سے نماز نامکمل ہوتی ہے جسے ہم ہر نماز میں پانچ وقت پڑھتے ہیں کہ دکھا ہم کو سیدھا راستہ، کیا ہم غلط راستے پر ہیں؟ اگر نہیں تو ہم کون سا صحیح راستہ مانگ رہے ہیں؟ اس کا مطلب ہے کہ صراطِ مستقیم کوئی اور ہے، سیدھی راہ کوئی اور ہے جو جنت کی طرف جاتی ہے؟ کیا ہم اس راہ پر چل رہے ہیں جو صرف مسجد تک جاتی ہے؟

---

(۱) وإسلامه أن يأتي بكلمة الشهادة ويتبرأ عن الأديان كلها سوى الإسلام وإن تبرأ عما انتقل إليه كفى كذا في المحيط. (عالمگیری ج:۲ ص:۲۵۳ طبع کوئٹہ)۔

(۲) الدين بالكسر وضع التي يدعوا اصحاب النقول إلى قبول ما هو عند الرسول عليه السلام والدين والملة متحدان بالذات، مختلفان بالإعتبار فإن الشريعة من حيث انها تطاع تسمّى دِينًا، ومن حيث انها تجمع تسمّى ملةً ومن حث انها يرجع إليها تسمّى مذهبًا۔ (قواعد الفقه ص:۲۹۵، ۲۹۶، طبع صدف پبلشرز کراچی)۔

براہ کرم آپ ہمیں وہ طور اور طریقے بتائیں جن پر عمل کرکے ہم سیدھے راستے یعنی صراطِ مستقیم پر چل سکتے ہیں۔

جواب:... قرآن کریم نے جہاں ہمیں یہ دعا سکھائی ہے: ”دکھا ہمیں سیدھا راستہ“، وہیں اس سیدھی راہ کی یہ کہہ کر وضاحت بھی کردی ہے: ”راہ ان لوگوں کی کہ انعام فرمایا آپ نے ان پر، نہ ان پر غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔“ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم نام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کے راستہ کا، اسی صراطِ مستقیم کا مختصر عنوان اسلام ہے، (۲) اور قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات اسی کی تشریح کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے پاکر جتنے اعمال امت کو بتائے ہیں اور جس جس وقت کے لئے جو جو عمل بتایا، اپنے اپنے درجہ کے مطابق ان سب کا بجالانا ضروری ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی معمولی اور حقیر سمجھنا درست نہیں، اگر ایک ہی وقت میں کئی عمل جمع ہوجائیں تو ہمیں یہ اصول بھی بتادیا گیا ہے کہ کس کو مقدم کیا جائے گا اور کس کو موٴخر؟ مثلاً: آپ نے جو مثال لکھی ہے ایک شخص ڈوب رہا ہے تو اس وقت اس کو بچانا پہلا فرض ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے کوئی نابینا آدمی کنویں یا کسی گڑھے میں گرنے لگے تو نماز توڑ کر اس کی جان بچانا فرض ہے۔ (۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم مسجد تک محدود نہیں اور وہ شخص احمق ہے جو اسلام کو مسجد تک محدود سمجھتا ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مسجد والے اعمال ایک زائد اور فالتو چیز ہیں، بلاشبہ اسلام صرف نماز، روزے اور حج و زکوٰة کا نام نہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ چیزیں غیرضروری ہیں، نہیں! بلکہ یہ اسلام کے اعلیٰ ترین شعائر اور اس کی سب سے نمایاں علامتیں ہیں، جو شخص دعویٔ مسلمانی کے ساتھ نماز اور روزے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا، اس کے قدم ”صراطِ مستقیم“ کی ابتدائی سیڑھیوں پر بھی نہیں، کجا کہ اسے صراطِ مستقیم پر قرار و ثبات نصیب ہوتا۔

رہی یہ بات کہ جب ہم صراطِ مستقیم پر قائم ہیں تو پھر اس کی دعا کیوں کی جاتی ہے کہ: ”دکھا ہم کو سیدھی راہ“، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے صراطِ مستقیم پر قائم ہوجانا اور دوسری چیز ہے صراطِ مستقیم پر قائم رہنا۔ یہ دونوں باتیں بالکل جدا جدا ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص آج صراطِ مستقیم پر ہے لیکن خدانخواستہ کل اس کا قدم صراطِ مستقیم سے پھسل جاتا ہے اور وہ گمراہی کے گڑھے میں گرجاتا ہے۔ قرآن کریم کی تلقین کردہ دعا ”**اھدنا الصراط المستقیم**“ حال اور مستقبل دونوں کو جامع ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ آئندہ کا کوئی بھروسہ نہیں، اس لئے آئندہ کے لئے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی دعا کی جاتی ہے کہ: ”اے اللہ! جس طرح آپ نے محض اپنے لطف و کرم سے ہمیں اپنے مقبول بندوں کے راستہ صراطِ مستقیم پر ڈال دیا ہے، آئندہ بھی ہمیں

---

(۱) ”اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ“ (الفاتحہ:۵ تا ۷)۔

(۲) ”والمستقیم المستویٰ والمراد به طریق الحق، وقیل: هو ملة الإسلام (قوله والمراد به) ای بالصراط المستقیم الطریق الحق المطلق سواء کان نفس ملة الإسلام أو ما ینطوی علیه مما هو حق فی باب الأفعال والأقوال والأخلاق والمعاملات بین الخلق والخالق .... الخ۔“ (حاشیه شیخ زاده علی البیضاوی ج:۱ ص:۹۵، طبع قدیمی کتب خانه)۔

(۳) ”یجب قطع الصلوٰة ولو فرضًا (باستغاثة) شخص (ملهوف) لملهم اصابته کما لو تعلق به ظالم او وقع فی ماء۔“ (مراقی الفلاح علیٰ هامش الطحطاوی ص:۲۰۳، فصل فیما یوجب قطع الصلاة وما یجیزه)۔

مرتے دم تک اسی پر قائم رکھئے۔‘‘(۱)

آپ نے دریافت کیا ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کو کافر کہنا کیا درست ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا لیکن وہ نماز کی فرضیت کا قائل ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں اس اعلیٰ ترین فریضہ خداوندی کو ترک کر کے بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں اور میں قصوروار اور مجرم ہوں، ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا اور نہ اسے کوئی کافر کہنے کی جرأت کرتا ہے۔(۲)

لیکن یہ شخص اگر نماز کو فرض ہی نہ سمجھتا ہو اور نہ نماز کے چھوڑنے کو وہ کوئی گناہ اور جرم سمجھتا ہو، تو آپ ہی فرمائیے کہ اس کو مسلمان کون کہے گا؟ کیونکہ اس کو مسلمان سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمانوں پر نماز فرض ہونا ذکر فرمایا ہے، وہ نعوذ باللہ! غلط ہے، کیا خدا اور رسول کی بات کو غلط کہہ کر بھی کوئی شخص مسلمان رہ سکتا ہے...؟(۳)

آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو کافر کہنا صحیح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز صحیح نہیں، بلکہ گناہِ کبیرہ ہے،(۴) مگر یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمان کون ہوتا ہے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے پاکر جو دین امت کو دیا ہے، اس پورے کے پورے دین کو اور اس کی ایک ایک بات کو ماننا اسلام ہے، اور ماننے والے کو مسلمان کہتے ہیں،(۵) اور دینِ اسلام کی جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں ان میں سے کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس میں شک و تردد کا اظہار کرنا کفر کہلاتا ہے۔(۶) پس جو شخص دینِ اسلام کی کسی قطعی اور یقینی بات کو جھٹلاتا ہے یا اس کا مذاق اُڑاتا ہے، وہ مسلمان نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پورے دین کو ماننے کا مختصر عنوان کلمہ طیبہ ’’لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ ہے۔ مسلمان یہ کلمہ پڑھ کر خدا تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا اقرار کرتا ہے، اور اس اقرار کے یہی معنی ہیں کہ وہ خدا کے ہر حکم کو مانے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان کو خدا کا فرمان سمجھے گا، اس کلمہ طیبہ کے پڑھ لینے کے باوجود جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو نعوذ باللہ! غلط کہتا ہے وہ اپنے اس اقرار میں قطعاً جھوٹا ہے، اس لئے ایسے شخص کو مسلمان کہنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ کسی مسلمان کو کافر کہنے کی

---

(۱) اھدنا الصراط المستقیم ...... فالمطلوب اِمَّا زیادۃ ما منحوہ من الھدیٰ أو الثبات علیہ أو حصول المراتب المترتبۃ علیہ ...الخ۔ (تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ ج: ۱ ص: ۹۲، ۹۴)۔ إن الحاصل أصل الإھتداء والمطلوب زیادتہ والثبات علیہ أو حصول مرتبتہ لم تحصل بعد۔ (حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی ج: ۱ ص: ۹۳ سورۃ الفاتحۃ آیت: ۶، مزید تفصیل حاشیہ شیخ زادہ میں دیکھیں)۔

(۲) والکبیرۃ لَا تخرج العبد المؤمن من الإیمان ولَا تدخلہ فی الکفر۔ (شرح عقائد ص: ۱۰۶ تا ۱۰۸)۔

(۳) فنقول الصلاۃ فریضۃ واعتقاد فرضیتھا فرض وتحصیل علمھا فرض وجحدھا کفر۔ (اکفار الملحدین ص: ۶)۔

(۴) ’’عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایما رجل مسلم اکفر رجلًا مسلمًا فان کان کافرًا والّا کان ھو الکافر۔‘‘ (ابوداؤد ج: ۲ ص: ۲۸۸، کتاب السنۃ، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۵) ’’الإیمان وھو تصدیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی جمیع ما جاء بہ عن اللہ تعالٰی مما علم مجیئہ ضرورۃً‘‘ (فتاویٰ شامی ج: ۴ ص: ۲۲۱، باب المرتد)۔

(۶) فمن أنکر شیئًا مِمّا جاء بہ الرسول کان من الکافرین۔ (شرح عقیدہ طحاویہ ص: ۲۹۲)۔

اجازت ہے اور نہ کسی بے ایمان کافر کو مسلمان کہنے کی گنجائش ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

ترجمہ:... ''اے نبی! کہہ دیجئے کہ حق تمہارے ربّ کی طرف سے آچکا، اب جس کا جی چاہے (اس حق کو مان کر) مؤمن بنے اور جس کا جی چاہے (اس کا انکار کر دے) کافر بنے۔ (مگر یہ یاد رکھے کہ) بے شک ہم نے (ایسے) ظالموں کے لئے (جو حق کا انکار کرتے ہیں) آگ تیار کر رکھی ہے۔''[۱] (الکہف:۲۹)

صراطِ مستقیم کی کیا حقیقت ہے؟

سوال:... آج کل مسلک کو بہت اہمیت دی جارہی ہے، مسلک کی حقیقت کیا ہے؟ کیا خدا اور رسول کا بھی کوئی مسلک ہے؟ مسجد کے دروازے پر اکثر مختلف مسلک لکھے ہوتے ہیں، کیا یہ لکھنا جائز ہے؟ کیونکہ مساجد خدا کے گھر ہیں، اور خدا کے گھر پر خدا کا مسلک ہی لکھنا چاہئے۔ کیا کسی ایک مسلک کو اِختیار کرنا ضروری ہے یا اُمتِ محمدیہ یا مسلمان کہلانا کافی ہے؟ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا مسلک کیا تھا؟ اور کیا وہی مسلک تمام اُمتی اِختیار نہیں کرسکتے؟

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دِین پیش کیا تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تو اس پر قائم رہے، بعد میں کچھ لوگوں نے کچھ نئی باتیں عقائد و اعمال میں نکالنی شروع کردیں، اور بہت سے حضرات صحیح دِین پر، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے چلا آتا تھا، قائم نہ رہے، اس سے فرقہ بندیوں کا آغاز ہوا۔ پس اس شناخت کے لئے کہ کون کس فرقے سے تعلق رکھتا ہے؟ اور کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ الگ الگ لیبل تجویز کئے گئے، اب اگر یہ شناختی نام نہ ہو تو حق و باطل کے درمیان امتیاز کیسے کیا جائے...؟

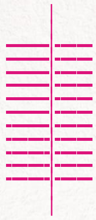
پس دِین تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آتا ہے، اور جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قائم تھے، اور جس کی تشریح اُمت کے مُسلّمہ ائمۂ دِین اور سلف صالحین نے کی ہے، اس کے لئے تو کسی نام اور عنوان کی ضرورت نہیں، لیکن باطل فرقوں کے درمیان امتیاز کے لئے نام اور عنوان کی ضرورت ہے، اور اگر تمام فرقے نئی نئی باتوں کو چھوڑ کر اس اصل دِین پر آجائیں تو شناختی ناموں کی بھی ضرورت نہ رہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے، کیونکہ: ''وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ!''... اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے... اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ تمام فرقوں میں سے ہر فرقہ اپنے کو حق پر اور دُوسروں کو باطل پر سمجھتا ہے، پس ایک عام آدمی کس طرح امتیاز کرے کہ فلاں حق پر ہے اور فلاں باطل پر؟ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کا معیار مقرّر کردیا ہے اور وہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ۔ پس جو لوگ اس معیار پر قائم ہیں وہ حق پر ہیں، اور جن لوگوں نے اس معیار کو چھوڑ کر نئے نئے طریقے اور نئے نئے نظریات ایجاد کرلئے ہیں وہ حق سے منحرف ہیں۔[۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبا خط کھینچا اور اس کے دائیں

(۱) ''قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ، اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا'' (الکہف: ۲۹)۔

(۲) عن عبدالله بن عمرو ..... وانّ بنی اسرائیل تفرّقت علٰی ثنتین وسبعین ملّة وتفترق أُمّتی علٰی ثلٰث وسبعین ملّة کلّهم فی النّار، الّا ملّة واحدة! قالوا: من هی یا رسول الله! قال: ما أنا علیه وأصحابی۔ (مشکوٰة ص:۳۰، باب الإعتصام بالکتاب والسُّنَّة)۔

بائیں کچھ خطوط کھینچے، جن کی شکل یہ تھی:



پھر فرمایا کہ: ''یہ لمبا خط تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے جو سیدھا جارہا ہے، اور یہ دائیں بائیں کے خطوط وہ پگڈنڈیاں ہیں جو اس میں سے نکل کر الگ ہوگئی ہیں، ان میں سے ہر ایک پر ایک شیطان کھڑا لوگوں کو بلا رہا ہے۔'' پس جو شخص اس راستے پر چلا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ، ائمہ دِین اور بزرگانِ دِین چلے، وہ ہدایت کے راستے پر ہے، اور جس نے اس راہ کو چھوڑ کر کوئی راستہ اپنالیا وہ راہِ راست سے ہٹا ہوا ہے۔[۱] اس مسئلے کی مزید تفصیل میری کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں دیکھ لی جائے۔[۲]

کیا اُمتِ محمدیہ میں غیرمسلم بھی شامل ہیں؟

سوال:... کیا اُمتِ محمدیہ میں غیرمسلم بھی شامل ہیں؟ ایک صاحب نے بتایا کہ اُمتِ محمدیہ کی مغفرت کی دُعا نہیں کرنی چاہئے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اُمتِ مسلمہ کی مغفرت کر، کیونکہ کافر بھی اُمتِ محمدیہ میں شامل ہیں۔

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اس اعتبار سے تو کافر بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ان کے لئے بھی ہے۔ مگر جب ''اُمتِ محمدیہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے تو مراد اس سے وہی لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی تصدیق کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اس لئے ''اُمتِ محمدیہ'' کے حق میں دُعائے خیر کرنا بالکل دُرست ہے اور ان صاحب کی بات صحیح نہیں۔[۳]

زَبور، توراۃ، اِنجیل کا مطالعہ

سوال:... میں عرصہ دراز سے ایک مسئلے میں اُلجھا ہوا ہوں اور وہ یہ کہ کیا اس نیت سے زَبور، تورات یا اِنجیل کا مطالعہ کرنا دُرست ہے کہ اس سے اسلام کی حقانیت معلوم ہوجائے۔ یا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ دُوسرے مذاہب اور اسلام میں کیا فرق ہے؟ ان کے پڑھنے سے یہ مقصود ہو کہ قرآن کسی قوم یا معاشرے کی کس طرح اور کن اُصولوں پر تشکیل کرنے کا حکم دیتا ہے اور دُوسری مقدس

---

(۱) عن عبدالله بن مسعود ...... قال: خطَّ لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطًّا ثم قال: هٰذا سبيل الله، ثم خطَّ خطوطًا عن يمينه وعن شماله وقال: هٰذه سبل علٰى كل سبيل منها شيطان يدعو اليه۔ (مشكوٰة ج: ۱ ص: ۳۰، باب الْإعتصام)۔

(۲) اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ص: ۱۷ تا ۲۰۔

(۳) ''أصل الأُمّة ...... فأُمّة نبيّنا صلى الله عليه وسلم هم الجماعة الموصوفون بالْإيمان به والْإقرار بنبوّته، وقد يقال لكل من جمعتهم دعوته أنهم أُمّته اِلّا أنَّ لفظ الأُمّة اذا أطلقت وحدها وقع على الأوّل ... الخ۔'' (تفسير كبير ج: ۸ ص: ۱۷۹، سورة آل عمران، آيت: ۱۱۱)۔

کتابیں کسی معاشرے کو تشکیل دینے میں کیا اُصول دیتی ہیں اور دونوں کے کیا فوائد ہیں؟

میرے ایک دوست نے کہا کہ: ''دیکھو بھائی! جب تک ہم زَبور، اِنجیل اور تورات وغیرہ کا مطالعہ نہیں کریں گے، ہم کس طرح یہ ثابت کرسکیں گے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے اور دُوسرے مذاہب میں فلاں فلاں کوتاہیاں ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ پہلے اسلام کا کچھ مطالعہ رکھتے ہوں، پھر ان کتابوں کا مطالعہ کریں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ واقعی ان کتابوں میں رَدّ و بدل ہوچکا ہے۔'' اگر میرے دوست کی بات صحیح مان لی جائے تو پھر وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب شاید تورات پڑھ رہے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصّے سے لال ہوگیا کا واقعہ کس طرف جائے گا؟

میں نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ تورات وغیرہ کا مطالعہ صرف علمائے کرام کو جائز ہے، کیونکہ ان کا اسلام کے بارے میں کافی مطالعہ ہوتا ہے، مگر آج کل کے علمائے کرام تو فرقہ پرستی کے اندھیرے گڑھے میں گرچکے ہیں، خدا سے دُعا ہے کہ تمام مسلمان علماء فرقہ پرستی سے باہر نکلیں اور آپس میں اتحاد و یگانگت پیدا کریں۔

جواب:... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ آپ نے ذکر کیا ہے، مشکوٰۃ ص:۳۰ پر مسند احمد اور شعب الایمان بیہقی کے حوالے سے، اور ص:۳۲ پر دارمی کے حوالے سے مذکور ہے۔ مجمع الزوائد (ج:۱ ص:۱۷۳) میں اس واقعے کی متعدّد روایات موجود ہیں:

''عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال: انا نسمع احادیث من یھود تعجبنا افتری ان نکتب بعضھا، فقال: امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ؟ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیة ولو کان موسیٰ حیًّا ما وسعه إلّا اتباعی۔ رواہ احمد والبیھقی فی شعب الْإیمان۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۰)

۲:... اس حدیث کے پیشِ نظر مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت (جو کامل و مکمل ہے) کے بعد یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مطالعے اور ان سے استفادے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عتاب اور ناراضی کی موجب ہے۔

۳:... خط کے شروع میں ان کتابوں کے مطالعے کے جو مقاصد بیان کئے گئے ہیں، وہ معتد بہ نہیں، اور پھر ہر شخص اس کا اہل بھی نہیں، چونکہ مسائل کی علمی استعداد کے بارے میں ہمیں علم نہیں، اس لئے اس کو ان مقاصد کے لئے ان کتابوں کے مطالعے کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا۔

۴:... اہلِ کتاب کو جواب و الزام کا جو مقصد ''دوست'' نے بیان کیا، وہ اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن یہ عوام کا کام نہیں، بلکہ اہلِ علم میں سے بھی صرف ان حضرات کا کام ہے جو فنِ مباحثہ و مناظرہ میں ماہر ہوں، دُوسرے لوگوں کو یہ چاہئے کہ ایسے موقع پر ایسے اہلِ علم سے رُجوع کریں۔

۵:... مولوی صاحب نے جو بات کہی وہ صحیح ہے، لیکن اس موقع پر فرقہ پرستی کا قصہ چھیڑنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عیسائیت کے موضوع پر ایسے ماہرین اہلِ علم موجود ہیں جو اس کام کو خوش اُسلوبی سے کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے فرضِ

کفایہ بجالا رہے ہیں۔

۶:...جو اہلِ علم بائبل کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ ان سے استفادے کے لئے نہیں کرتے، اس لئے حدیثِ مذکور کا اِطلاق ان پر نہیں ہوتا۔

۷:... پی ایچ ڈی کرنے والے حضرات بھی اگر اسلام کے اُصول و فروع سے بخوبی واقف ہوں اور ان کا مقصد کتبِ سابقہ سے استفادہ نہ ہو تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو جواب نمبر۶ میں لکھا گیا ہے۔

ان نکات میں آپ کے تمام خدشات کا جواب آگیا۔

۸:...آخر میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اگر آپ اس موضوع پر بصیرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ''اظہار الحق'' کا مطالعہ فرمائیں۔ اصل کتاب عربی میں ہے اس کا اُردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے دارالعلوم کراچی کی طرف سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

تحریف شدہ آسمانی کتب کے ماننے والے اہلِ کتاب کیوں؟

سوال:...خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ چاروں کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی تبدیلی یا اس میں اپنی مرضی سے کچھ گھٹا یا بڑھا کر، اگر اس کی پیروی کی جائے تو کیا اس صورت میں پیروی کرنے والے اہل کتاب کہے جائیں گے؟

جواب:...قرآنِ کریم تو تحریفِ لفظی سے محفوظ ہے،[۱] اس لئے قرآنِ کریم کے بارے میں تو یہ سوال غیر متعلق ہے، پہلی کتابوں میں تحریف ہوئی ہے،[۲] مگر چونکہ وہ لوگ اصل کتاب کو ماننے کے مدعی ہیں، اس لئے ان کو اہلِ کتاب تسلیم کیا گیا ہے۔[۳]

مسلمانوں کو ''اہلِ کتاب'' کہنا کیسا ہے؟

سوال:...حالانکہ مسلمان کتابِ سماوی کے حامل ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں، تو کیا اس وجہ سے ان کو اہلِ کتاب کہنا شرعاً یا لُغۃً کسی بھی نوع سے دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:...''اہلِ کتاب'' اصطلاحی لفظ ہے، جو قرآنِ کریم سے پہلے کی منسوخ شدہ کتابوں کے ماننے والوں پر بولا جاتا تھا، مسلمانوں پر نہیں۔[۴]

---

(۱) قال تعالٰی: ''اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ'' (الحجر:۹). وهو حافظه فی كل وقت من الزيادة والنقصان والتحريف والتبديل. (تفسير نسفی ج:۲ ص:۱۸۴، طبع دار ابن كثير، بيروت)

(۲) قال تعالٰی: ''يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوۡا حَظًّا'' (المائدة:۱۳). يفسرونه علٰى غير ما أنزل ..... وتغيير وحيه. (تفسير نسفی ج:۱ ص:۴۳۴، طبع دار ابن كثير، بيروت).

(۳) واعلم أن من اعتقد دينًا سماويًّا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب. (ردّ المحتار مطلب مهم فی وطی السراری ج:۳ ص:۴۵).

(۴) قال تعالٰی: ''قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ'' (آل عمران:۶۴) هذا الخطاب يعمّ أهل الكتاب من اليهود والنصارٰى. (تفسير ابن كثير ج:۲ ص:۵۰ طبع رشيديه كوئٹه).

اللہ تعالیٰ کے لئے واحد و جمع کے صیغے کے اِطلاق کی حکمت؟

سوال:… اللہ پاک نے اپنے کلام میں اپنے لئے کبھی تو "أَنَا" واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے، جیسے: "اِنِّیْ أَنَا اللهُ" اور کہیں "نَحْنُ" جمع کا صیغہ ہے، جیسے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ" وغیرہ، اس تفریق کی کیا وجہ ہے؟

جواب:… اصل تو صیغۂ واحد ہے، لیکن کبھی اِظہارِ عظمت کے لئے صیغۂ جمع استعمال کیا جاتا ہے، "اِنِّیْ أَنَا اللهُ" میں توحید ہے، اور توحید کے لئے واحد کا صیغہ موزوں تر ہے، اور "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ" میں اس عظیم الشان کتاب کی تنزیل اور وعدۂ حفاظت کا ذکر ہے، اور یہ دونوں مُنَزِّل اور محافظ کی عظمتِ قدرت کو مقتضی ہیں، اس لئے یہاں جمع کے صیغوں کا لانا بلیغ تر ہوا، واللہ اعلم باسرارہ![1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت

سوال:… آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے سچا پیغمبر ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

جواب:… آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مخلوق کی طرف سے کوئی بات نقل کرتے ہوئے بھی جھوٹ نہیں بولا، بلکہ ساری زندگی جو بات کہی، سچ کہی۔ بھلا ایسا شخص خدا کا نام لے کر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے...؟[2]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دُنیا کے لئے بعثت

سوال:… رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں صدی عیسوی میں ساری دُنیا کے لئے مبعوث ہوئے تھے، "ساری دُنیا میں" براعظم امریکا بھی شامل ہے مگر وہاں تک اسلام کی دعوت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ تابعینؒ، تبع تابعینؒ، اور اس کے بہت عرصہ بعد تک صوفیائے کرامؒ کے ذریعہ بھی نہیں پہنچی، تا آنکہ پندرہویں صدی میں امریکا دریافت ہوا، ساتویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی عیسوی تک - آٹھ سو سال - امریکا مکمل جہالت کی تاریکی میں ڈوبا رہا۔

امریکا کے قدیم باشندے، جنھیں ریڈ انڈین کا نام دیا گیا، وہ مظاہر پرست ہی رہے، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے کسی بیٹے کی اولاد ہیں؟ جیسا کہ ایشیائی اقوام کو سام کی، افریقی اقوام کو حام کی اور یورپی اقوام کو یافث کی اولاد تسلیم کیا گیا ہے۔

حضرت عقبہ بن نافعؒ نے جس وقت "بحرِ ظلمات" میں گھوڑا ڈال دیا اور زمین ختم ہوجانے پر حسرت کا اظہار کیا تھا، اس وقت بھی وہاں سے بہت دور امریکا کی سرزمین موجود تھی۔ سوال یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اور صحابہ کرامؓ اور صوفیائے عظامؒ کی

---

(۱) "(فاما قوله: انا نحن نزلنا الذكر) فهٰذه الصيغة واِن كانت للجمع اِلّا أن هٰذا من كلام الملوك عند اِظهار التعظيم فان الواحد منهم اذا فعل فعلًا أو قال قولًا، قال: اِنا فعلنا كذا وقلنا كذا، فكذا هٰهنا۔" (تفسير كبير ج:۱۹ ص:۱۶۰، سورة الحجر)۔

(۲) "وسألتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال، فزعمت ان لَا، فعرفت انه لم يكن ليدع الكذب على الناس ثم يذهبُ فيكذب على الله ....." (صحيح بخاری ج:۲ ص:۶۵۳، باب قل يا أهل الكتاب تعالوا ...اِلخ)، "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى" (النجم: ۱ تا ۴)۔

بصیرت سے امریکا کیسے بچا رہا؟

جواب:... جب معلوم دُنیا میں امریکا کا وجود ہی کسی کو معلوم نہ تھا تو وہاں دعوت پہنچانے کا بھی کوئی مکلّف نہیں تھا، اور جب امریکا دریافت ہوا تو وہاں دعوت بھی پہنچ گئی، جن اُمور کا آدمی مکلّف ہے اور جس پر اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی، آدمی کو ان اُمور میں غور کرنا چاہئے، اور جن اُمور کا وہ مکلّف ہی نہیں ان میں غور وفکر لایعنی اور بے مقصد ہے، جس کا کوئی نتیجہ نہیں، واللہ اعلم!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے ایمان پر بحث کرنا جائز نہیں

سوال:... مولانا صاحب! ایک بہت اہم مسئلہ ہے جو تین چار روز سے مجھے بے حد پریشان کئے ہوئے ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے محلے میں ایک صاحبہ ہیں تین چار روز پہلے وہ ہمارے گھر بیٹھی فرما رہی تھیں کہ رسولِ خدا کی والدہ (نعوذ باللہ!) کافر تھیں، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اسلام نہیں تھا۔

جواب:... یہ مسئلہ بہت نازک اور حساس ہے۔ محققین نے اس میں گفتگو کرنے سے منع کیا ہے۔[۱] امام سیوطیؒ نے تین رسائل اس مسئلہ پر لکھے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کا ایمان ثابت کیا ہے، اگر کسی کو ان کی تحقیق پر اطمینان نہ ہو تب بھی خاموشی بہتر ہے۔ ان محترمہ سے کہئے کہ ان سے قبر میں اور حشر میں یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا تھا؟ اس لئے وہ اس غلط بحث میں پڑ کر اپنا ایمان خراب نہ کریں اور نہ اہلِ ایمان کے جذبات کو بے ضرورت مجروح کریں۔[۲]

نسخِ قرآن کے بارے میں جمہور اہلِ سنت کا مسلک

سوال:... مسئلہ یہ ہے کہ مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہٗ "علوم القرآن" ص:۱۶۴ پر رقم طراز ہیں کہ: "جمہور اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں ایسی آیات موجود ہیں جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ لیکن معتزلہ میں سے ابومسلم اصفہانی کا کہنا یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ تمام آیات اب بھی واجب العمل ہیں۔ ابومسلم کی اتباع میں بعض دُوسرے حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔ اور ہمارے زمانے کے اکثر تجدّد پسند حضرات اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ جن آیتوں میں نسخ معلوم ہوتا ہے، یہ حضرات ان کی ایسی تشریح کرتے ہیں جن سے نسخ تسلیم نہ کرنا پڑے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موقف دلائل کے لحاظ سے کمزور ہے اور اسے اختیار کرنے کے بعد بعض قرآنی آیات کی تفسیر میں ایسی کھینچ تان کرنی پڑتی ہے، جو اُصولِ تفسیر کے بالکل خلاف ہے۔" یہ تو تھا تقی صاحب کا بیان۔ ادھر حضرت مولانا انورشاہ صاحب کشمیریؒ "فیض الباری" ج:۳ ص:۱۴۷ پر فرماتے ہیں:

---

(۱) "وبالجملة كما قال بعض المحققين: إنه لا ينبغي ذكر هٰذه المسئلة إلّا مع مزيد الأدب، وليست من المسائل التي يضرّ جهلها أو يسأل عنها في القبر أو في الموقف، فحفظ اللسان عن التكلم فيها إلّا بخير أولٰى وأسلم." (شامی ج:۳ ص:۱۸۵، باب نكاح الكافر، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ج:۴ ص:۲۳۱ (بحث في احياء ابوي النبي صلى الله عليه وسلم بعد موتهما، وايضاً شامی ج:۳ ص:۱۸۵، باب نكاح الكافر، والحاوي للفتاوىٰ ج:۲ ص:۲۰۲ تا ۲۳۴)۔

"انکرت النسخ راسًا وادعیت ان النسخ لم یرد فی القراٰن راسًا۔"

آگے اس کی تشریح فرماتے ہیں:

"اعنی بالنسخ کون الآیة منسوخة فی جمیع ماحوته بحیث لَا تبقی معمولة فی جزئیّ من جزئیاتها، فذالک عندی غیر واقع، وما من آیة منسوخة الّا وهی معمولة بوجه من الوجوه، وجهة من الجهات۔" (فیض الباری ج:۳ ص:۱۴۷)

برائے کرم یہ بتائیں کہ مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے بارے میں کیا تاویل کریں گے؟ کیا یہ صریح نسخ کا انکار نہیں ہے؟ واللہ! میرا ان کے بارے میں حسنِ ظن ہی ہے، صرف اپنے ناقص ذہن کی تشفی چاہتی ہوں۔ نیز ناچیز لڑکیوں کو پڑھاتی ہے تو اس قسم کے مسائل میں توجیہ بہت مشکل ہوتی ہے۔ برائے کرم یہ بتائیں کہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک مندرجہ ذیل آیت کی کون سی جزئی پر عمل باقی ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً، ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْهَرُ، فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔" (المجادلة:۱۲)

میرے کہنے کا مقصود یہ ہے کہ اِدھر مولانا محمد تقی صاحب کا فرمان ہے کہ بجز معتزلہ یا ان کے ہم مشرب کے کسی نے نسخ کا انکار نہیں کیا، اور اُدھر دیوبند کے جلیل القدر اور چوٹی کے بزرگ یہ فرمائیں:

"ان النسخ لم یرد فی القراٰن راسًا۔"

تو توجیہ مجھ جیسی ناقص العقل والدّین کے لئے بہت مشکل ہے، اس اُلجھن کو حل فرماکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جواب:... معتزلہ کے مذہب اور حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مسلک کے درمیان فرق یہ ہے کہ معتزلہ تو نسخ فی القرآن کے سرے سے منکر ہیں، جیسا کہ آج کل کے قادیانی اور نیچری بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآنِ کریم میں جو حکم ایک بار نازل کردیا گیا، اس کی جگہ پھر کبھی دُوسرا حکم نازل نہیں ہوا، حضرت شاہ صاحبؒ دیگر اہلِ حق کی طرح نسخ فی القرآن کے قائل ہیں، مگر وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیاتِ منسوخہ کو جو قرآنِ کریم میں باقی رکھا گیا اس میں حکمت یہ ہے کہ ان آیات کے مشمولات میں کسی نہ کسی وقت کوئی نہ کوئی جزئی معمول بہ ہوتی ہے، یہ نہیں ہوا کہ کسی آیت کو اس طرح منسوخ کردیا جائے کہ اس کے مشمولات و جزئیات میں سے کوئی فرد کسی حال میں بھی معمول بہ نہ رہے، مثلاً: آیتِ فدیۂ صوم کا حکم ان لوگوں کے حق میں تو منسوخ ہے جو روزے کی طاقت رکھتے ہوں، خواہ ان کو روزے میں تکلیف و مشقت ہی برداشت کرنا پڑتی ہو۔ مگر شیخ فانی وغیرہ کے حق میں روزے کا فدیہ اب بھی جائز ہے اور وہ اسی آیت کے تحت مندرج ہے۔ اس لئے یہ آیت اپنے بعض مشمولات کے اعتبار سے تو منسوخ ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح موجود ہے، لیکن اس کے بعض جزئیات اب بھی زیرِ عمل ہیں۔ اس لئے یہ بالکلیہ منسوخ نہیں، بلکہ بعض اعتبارات و جزئیات کے اعتبار سے منسوخ ہے۔ اس کی دوسری مثال آیاتِ مناجات ہے: "یٰٓـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ... الخ۔" جو آپ نے نقل کی ہے، آیت میں جو حکم دیا گیا ہے وہ پہلے واجب تھا، جسے منسوخ کردیا گیا اور اس کے نسخ کی

تصریح اس کے مابعد کی آیت میں موجود ہے۔ مگر اس کا استحباب بعد میں بھی باقی رہا، اس لئے اس آیت میں بھی ''نسخ بالکلیہ'' نہیں ہوا، بلکہ اپنے بعض مشمولات و جزئیات کے اعتبار سے یہ آیت بعد میں بھی معمول بہا رہی۔

الغرض حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد: ''ان النسخ لم یرد فی القراٰن رأسًا'' کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنِ کریم میں نازل ہونے کے بعد کبھی کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا، جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی جو آیات منسوخ ہوئیں ان میں ''نسخ من کل الوجوہ'' یا ''نسخ بالکلیہ'' نہیں ہوا کہ ان آیات کے مشمولات و جزئیات میں سے کوئی جزئیہ کسی حال اور کسی صورت میں بھی معمول بہا نہ رہے، بلکہ ایسی آیات میں ''نسخ فی الجملہ'' ہوا ہے، یعنی یہ آیات اپنے بعض محتویات و مشمولات کے اعتبار سے اگرچہ منسوخ ہیں، مگر ان کے بعض جزئیات و مشمولات بدستور معمول بہا ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد کی یہ تشریح خود ان کی اس عبارت سے واضح ہے جو آپ نے نقل کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''ان النسخ لم یرد فی القراٰن رأسًا، اعنی بالنسخ، کون الآیة منسوخة فی جمیع ماحوته بحیث لَا تبقیٰ معمولة فی جزئی من جزئیاتها، فذالک عندی غیر واقع، وما من آیة منسوخة الّا وھی معمولة بوجه من الوجوہ، وجهة من الجھات۔''

ترجمہ:... ''بے شک قرآن کریم میں نسخ بالکلیہ واقع نہیں ہوا اور اس نسخ بالکلیہ سے میری مراد یہ ہے کہ کوئی آیت اپنے تمام مشمولات کے اعتبار سے منسوخ ہوجائے کہ اس کی جزئیات میں سے کوئی جزئی بھی معمول بہٖ نہ رہے، ایسا نسخ میرے نزدیک واقع نہیں، بلکہ جو آیت بھی منسوخ ہے وہ کسی نہ کسی وجہ اور کسی نہ کسی جہت سے معمول بہا ہے۔''

اس ضمن میں آیتِ فدیہ کی مثال دینے کے بعد فرماتے ہیں:

''وبالجملة ان جنس الفدیة لم ینسخ بالکلیة، فھی باقیة الی الآن فی عدة مسائل، ولیس لھا مأخذ عندی غیر تلک الآیة، فدل علیٰ انھا لم تنسخ، بمعنی عدم بقاء حکمھا فی محل ونحوہٖ۔''

ترجمہ:... ''خلاصہ یہ ہے کہ جنس فدیہ بالکلیہ منسوخ نہیں ہوا بلکہ فدیہ متعدد مسائل میں اب تک باقی ہے اور ان مسائل میں فدیہ کا مأخذ میرے نزدیک اس آیت کے سوا نہیں، پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت بایں معنی منسوخ نہیں ہوئی کہ اس کا حکم کسی محل میں بھی باقی نہ رہا ہو۔''

فیض الباری اور رافضی پروپیگنڈا

سوال:... ازراہ کرم یہ بتائیں کہ حدیث کی مشہور کتاب بخاری شریف کی علمائے دیوبند نے اب تک کتنی شروح لکھی ہیں؟ اور ان میں سب سے مستند اور بہتر شرح کون سی ہے جسے اعتماد کے ساتھ پیش کیا جاسکے۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ

نے کوئی شرح لکھی ہے، کیا وہ اپنے صحیح اور مستند متن کے ساتھ مطبوعہ صورت میں مل سکتی ہے؟ اور کیا اس مطبوعہ شرح بخاری کو اعتماد و یقین کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے؟

جواب:… صحیح بخاری کی کوئی مستقل شرح تو اس وقت ذہن میں نہیں، جو اکابرِ دیوبند میں سے کسی نے لکھی ہو، البتہ اکابر مشائخ دیوبند کے درسی افادات ان کے تلامذہ نے اپنی عبارت میں قلم بند کرکے شائع کئے، ان میں ''لامع الدراری'' حضرت گنگوہیؒ کی تقریر ہے، جو ان کے تلمیذ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ نے جمع کی تھی، اور وہ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریاؒ ابن مولانا محمد یحییٰ کے حواشی کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اسی طرح امام العصر حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے درسی افادات ان کے تلمیذ حضرت مولانا سیّد بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے ''فیض الباری'' کے نام سے شائع کئے، حضرت شاہ صاحبؒ اردو میں تقریر فرماتے تھے، مولانا سیّد بدرِ عالمؒ نے ان کو عربی میں منتقل کرکے قلم بند کیا… اسی طرح حضرت گنگوہیؒ کی مندرجہ بالا تقریر کو بھی حضرت مولانا محمد یحییٰؒ نے عربی میں قلم بند کیا تھا…

اس کے بعد سے ہر سال دورۂ حدیث کے طلبہ اپنے اکابر کی تقریریں قلم بند کرتے ہیں، ان میں سے بعض شائع بھی ہوچکی ہیں۔ جن میں شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا فخر الدین (نوّر اللہ مراقدہم) کی تقریریں زیادہ معروف ہیں اور یہ سب اردو میں ہیں۔

سوال:… ایک شخص جو خود کو عالم دین کہلاتا ہو، اور خود کو اہل سنت و جماعت ثابت کرتا ہو، وہ قرآن شریف میں تحریفِ لفظی کا قائل ہو، اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ جبکہ یہی سنا گیا ہے کہ قرآن شریف میں کسی طرح کوئی تحریف ممکن نہیں کیونکہ اس کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، امید ہے کہ تحقیقی اور قطعی جواب سے نوازیں گے۔

جواب:… اہلِ سنت میں کوئی شخص قرآن کریم میں تحریفِ لفظی کا قائل نہیں، بلکہ اہل سنت کے نزدیک ایسا شخص اسلام سے خارج ہے۔ اس مسئلہ کو میری کتاب ''شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم'' میں دیکھ لیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو ان صاحب کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

سوال:… آپ کی خدمت میں ایک سوال قرآن مجید میں تحریفِ لفظی کے قائل کے بارے میں شرعی حکم کے جاننے کے لئے پیش کیا تھا۔ آپ نے جواب کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ: ''میرا خیال ہے کہ آپ کو ان صاحب کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہوگی'' اس جملے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ آپ سے مزید اطمینان کروں تاکہ تحریفِ لفظی کے قائل کے بارے میں مجھے یقین رہے کہ شریعت کا حکم کیا ہے؟ اس لئے آپ کی خدمت میں اس عالم دین کے اصل الفاظ پیش کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

> ''میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ قرآن میں محققانہ طور پر (معنوی ہی نہیں) تحریفِ لفظی بھی ہے، یا تو لوگوں نے جان بوجھ کر کی ہے یا کسی مغالطے کی وجہ سے کی ہے۔''

ان الفاظ میں وہ یہی فرما رہے ہیں کہ قرآن کریم میں تحریفِ لفظی ہے، جبکہ ہم نے یہی سنا ہے کہ قرآن کریم اپنے نزول سے آج تک ہر طرح کی تحریف سے محفوظ ہے۔ قرآن میں سامنے سے یا پیچھے سے باطل راہ نہیں پاسکتا اور قرآن کی حفاظت کا اللہ

تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے، اور یہی سنا ہے کہ قرآن میں کسی طرح تحریف کا قائل کوئی مسلمان نہیں، اگر کوئی مسلمان کہلانے والا ایسا کہے تو وہ مرتد ہوجاتا ہے۔ اب تک شیعہ فرقہ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں، لیکن ایک اہل سنت و جماعت کہلانے والے عالم نے تحقیقی طور پر ایسا کیا ہے، اس لئے مجھے بہت تشویش ہوئی کہ قرآن کی ہر طرح حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے، اس کے باوجود قرآن میں تحریف مانی جارہی ہے، اس لئے میں نے حقیقت جاننے کے لئے آپ سے رہنمائی چاہی ہے۔ یہ بھی بتائیے کہ ماضی میں بھی کبھی کوئی سنی عالم قرآن میں تحریفِ معنوی یا تحریفِ لفظی کا قائل رہا ہے؟ امید ہے کہ آپ قطعی شرعی احکام سے آگاہ فرمائیں گے، شکریہ!

جواب:... میں پہلے خط میں عرض کرچکا ہوں کہ اہل سنت میں کوئی شخص تحریف فی القرآن کا قائل نہیں، میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ: ''آپ کو ان صاحب کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہوگی'' میرا یہ خیال صحیح نکلا، چنانچہ آپ نے جو عبارت ان صاحب سے منسوب کی ہے، وہ ان کی عبارت نہیں۔ بلکہ غلط فہمی سے آپ نے منسوب کردی ہے۔

اس کی شرح یہ ہے کہ فیض الباری (ج:۳ ص:۳۹۵) میں حضرت ابن عباسؓ کے قول کی ... جو صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۶۹ میں منقول ہے ... کہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ... مسلمانوں کو ... بتادیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کے نوشتہ کو بدل ڈالا، اور کتاب میں اپنے ہاتھوں سے تبدیلی پیدا کردی ہے۔'' اس کی شرح میں حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

> ''جاننا چاہئے کہ تحریف (فی الکتب السابقہ) میں تین مذہب ہیں۔ ۱: ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ کتبِ سماویہ میں تحریف ہر طرح کی ہوئی ہے، لفظی بھی اور معنوی بھی۔ ابن حزمؒ اسی کی طرف مائل ہیں۔ ۲: ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تحریف قلیل ہے، شاید حافظ ابن تیمیہؒ کا رجحان اسی طرف ہے۔ ۳: اور ایک جماعت تحریفِ لفظی کی سرے سے منکر ہے، پس تحریف ان کے نزدیک سب کی سب معنوی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس (مؤخر الذکر) مذہب پر لازم آئے گا کہ (نعوذ باللہ) قرآن بھی محرف ہو، کیونکہ تحریفِ معنوی اس میں بھی کچھ کم نہیں کی گئی (واللازم باطل فالملزوم مثله)۔ اور جو چیز میرے نزدیک محقق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں (یعنی کتبِ سماویہ میں) تحریفِ لفظی بھی ہوئی ہے یا تو انہوں نے جان بوجھ کر کی یا غلطی کی وجہ سے؟ پس اللہ تعالیٰ ہی اس کو بہتر جانتے ہیں۔''

یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی پوری عبارت کا ترجمہ ہے، اب دو باتوں پر غور فرمائیے:

اوّل:... یہ کہ حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد میں اہل کتاب کا اپنی کتاب میں تحریف کردینا مذکور تھا، حضرت شاہ صاحبؒ نے اس سلسلے میں تین مذہب نقل کئے۔ ایک یہ کہ اہل کتاب کی کتاب میں تحریف بکثرت ہے۔ دوم یہ کہ تحریف ہے تو سہی مگر کم ہے۔ سوم یہ کہ تحریفِ لفظی سرے سے نہیں، صرف تحریفِ معنوی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان تین اقوال کو نقل کرکے اپنا محققانہ فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ: اہل کتاب کی کتاب میں تحریفِ لفظی موجود ہے، اب رہا یہ کہ یہ تحریف انہوں نے جان بوجھ کر کی ہے یا غلطی کی وجہ سے صادر ہوئی ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ الغرض گفتگو تمام تر اس میں ہے کہ اہل کتاب کی کتاب میں تحریفِ لفظی ہوئی ہے

یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو قلیل ہے یا کثیر؟ اسی کے بارے میں تین مذاہب ذکر فرمائے ہیں اور اسی تحریف فی الکتاب کے بارے میں اپنا محققانہ فیصلہ صادر فرمایا ہے، قرآن کریم کی تحریفِ لفظی کا دور و نزدیک کہیں تذکرہ ہی نہیں کہ اس کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ یہ فرمائیں کہ: ”جو چیز کہ میرے نزدیک محقق ہوئی ہے وہ یہ کہ اس میں تحریفِ لفظی موجود ہے۔“

دوم:... شاہ صاحبؒ نے تیسرا قول یہ نقل کیا تھا کہ کتبِ سابقہ میں صرف تحریفِ معنوی ہوئی ہے، تحریفِ لفظی نہیں ہوئی، حضرت شاہ صاحبؒ اس کو غلط قرار دیتے ہوئے ان قائلینِ تحریف کو الزام دیتے ہیں کہ اگر صرف تحریفِ معنوی کی وجہ سے ان کتب کو محرف قرار دیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ قرآن کریم کو بھی محرف کہا جائے -نعوذ باللہ- کیونکہ اس میں بھی لوگوں نے تحریفِ معنوی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس سے دو باتیں صاف طور پر واضح ہوتی ہیں، ایک یہ کہ قرآن کریم کی تحریفِ معنوی کے ساتھ اس مذہب والوں کو الزام دینا، اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن میں تحریفِ لفظی کا کوئی بھی قائل نہیں۔ دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ -نعوذ باللہ- قرآن کریم کی تحریفِ لفظی کے قائل ہوتے تو صرف تیسرے مذہب والوں کو الزام نہ دیتے، بلکہ پہلے اور دوسرے قول والوں پر بھی یہی الزام عائد کرتے۔

یہ میں نے صرف اس عبارت کی تشریح کی ہے جس سے آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کی بات سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، ورنہ قرآن کریم کا تحریفِ لفظی سے پاک ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بھی منکر نہیں ہوسکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب مشکلات القرآن کا مقدمہ ملاحظہ فرمالیا جائے۔

حسنِ اتفاق کہ اسی طرح کا ایک سوال امام اہل سنت حضرت مولانا ابوزاہد محمد سرفراز خان صفدر زید مجدہم سے بھی کیا گیا، انہوں نے فیض الباری کی اس عبارت کی وضاحت فرمائی ہے، جس سے شیعہ تحریفِ قرآن پر استدلال کرتے ہوئے اسے مناظروں میں پیش کرتے ہیں۔ شیعہ یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ... نعوذ باللہ... فیض الباری میں ہے کہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا بدر عالم میرٹھی قدس اللہ اسرارہما بھی تحریف کے قائل تھے۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان دامت برکاتہم العالیہ نے اس پروپیگنڈا کا جواب اور غلط فہمی کی وضاحت اپنے ایک مسترشد جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب کے نام ایک مکتوب میں فرمائی اور ہدایت فرمائی کہ اسے عام کیا جائے۔ جس پر موصوف نے اس کی فوٹو اسٹیٹ بھیج کر ہم پر احسان فرمایا ہے۔ چونکہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہٗ کے مکتوبِ سامی میں درج فیض الباری کی عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ نہ تھا، اس لئے افادۂ عام کی غرض سے اس کا اردو ترجمہ کردیا گیا۔

ذیل میں حضرت مولانا ابوزاہد سرفراز خان صفدر کی وضاحت انہیں کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہے:

”عزیز القدر جناب حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب دام مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاجِ گرامی!

عزیز القدر! فیض الباری ج:۳ ص:۳۹۵ میں ہے:

”واعلم! ان فی التحریف ثلاثۃ مذاہب، ذہب جماعۃ الیٰ ان التحریف فی الکتب

السماویة قد وقع بکل نحو فی اللفظ والمعنی جمیعا، وهو الذی مال الیه ابن حزم، وذهب جماعة الیٰ ان التحریف قلیل، ولعل الحافظ ابن تیمیة جنح الیه، وذهب جماعة الیٰ انکار التحریف اللفظی رأسًا، فالتحریف عندهم کله معنوی، قلت: یلزم علیٰ هذا المذهب ان یکون القرآن ایضًا محرفًا، فإن التحریف المعنوی غیر قلیل فیه أیضًا، والذی تحقق عندی: ان التحریف فیه لفظی ایضًا، اما انه عن عمد منهم او لمغالطة، فالله تعالیٰ اعلم به!“

ترجمہ:... ”معلوم ہونا چاہئے کہ تحریف کے بارے میں تین مذہب ہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ کتبِ سماویہ میں تحریفِ لفظی اور معنوی دونوں ہوئی ہیں، ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔ دوسری جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ کتبِ سماویہ میں تھوڑی سی تحریف ہوئی ہے، غالباً ابن تیمیہؒ کا جھکاؤ اسی طرف ہے۔ تیسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ تحریفِ لفظی تو نہیں ہوئی البتہ تحریفِ معنوی ہوئی ہے۔ اس جماعت کے نظریہ کے مطابق لازم آئے گا کہ قرآن مجید بھی تحریف سے خالی نہیں، کیونکہ اس میں بھی تحریفِ معنوی کچھ کم نہیں کی گئی۔ لیکن میرے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ اس میں تحریفِ لفظی بھی ہوئی ہے، یا تو انہوں نے عمداً ایسا کیا ہے، یا پھر مغالطہ کی بنا پر ایسا ہوا ہے، واللہ اعلم!“

عزیز القدر! اس عبارت میں ”فیھا“ کی جگہ ”فیه“ لکھا گیا ہے، اصل عبارت یوں ہے:

”ان التحریف فیها (ای الکتب السماویة کالتوراة والإنجیل وغیرهما) لفظی ایضًا۔“

ترجمہ:... ”فیھا کی ضمیر کا مرجع کتبِ سماویہ ہیں، یعنی کتبِ سماویہ تورات، زبور وانجیل وغیرہ میں تحریف ہوئی ہے نہ کہ قرآن میں۔ مگر فیه کی ضمیر مفرد مذکر کی وجہ سے یہ مغالطہ ہوا کہ شاید قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔“

اس کی دلیل فیض الباری ج:۴ ص:۵۳۷ کی یہ عبارت ہے:

”واعلم ان اقوال العلماء فی وقوع التحریف ودلائلهم کلها قد قضیٰ عنه الوطر المحشی فراجعه۔“

بخاری شریف کے پچیس پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے لکھا ہے، فالج کے حملے کے بعد بقیہ پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کیا ہے۔ سوانح قاسمی از مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور اس مقام پر حاشیہ میں محشی یعنی حاشیہ لکھنے والے حضرت نانوتویؒ نے حاجت پوری کردی ہے اور مقام کا حق ادا کردیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: بخاری ج:۲ ص:۱۱۲۷ کا حاشیہ نمبر:۱)۔

فیض الباری ہی میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرتؒ نے لکھا ہے:

”والذی ینبغی فیه النظر ههنا انه کیف ساغ لِابن عباس انکار التحریف اللفظی، مع ان شاهد الوجود یخالفه، کیف! وقد نعی علیهم القرآن انهم کانوا یکتبون بایدیهم، ثم یقولون هو من عند الله، وما هو من عند الله، وهل هذا الّا تحریف لفظی۔ ولعل مراده انهم ما کانوا یحرفونها قصدا، ولکن سلفهم کانوا یکتبون مرادها کما فهموه ثم کان خلفهم یدخلونه فی نفس التوراة، فکان التفسیر یختلط بالتوراة من هذا الطریق۔ انتهی۔“

(ج:۴ ص:۵۳۷)

ترجمہ:... ”یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے تحریفِ لفظی کے نہ ہونے کا قول کس بنا پر کیا ہے؟ حالانکہ شواہد اس کے خلاف ہیں۔ پھر تحریفِ لفظی نہ ہونے کا قول کیونکر ممکن ہے، جبکہ قرآن مجید نے ان کے اس فعل قبیح کو ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ: ”یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے!“ اور یہی تو تحریف ہے۔ غالباً تحریفِ لفظی نہ ہونے سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ قصداً ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کے اسلاف اپنی کتابوں میں اپنی سمجھ کے مطابق ایک مفہوم لکھ دیتے، لیکن ان کے بعد آنے والوں نے اس (تشریحی نوٹ) کو تورات کے متن میں شامل کرلیا، جس کی وجہ سے اصل اور شرح میں التباس ہوگیا اور یوں تحریفِ لفظی ہوگئی۔“

اس ساری عبارت سے واضح ہوا کہ تحریفِ لفظی توراۃ وغیرہ کتابوں میں ہوئی ہے نہ کہ قرآن کریم میں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تشریح بھی حضرت نے کردی کہ سلف اپنی یاد کے لئے کتابوں میں تفسیری الفاظ لکھتے تھے، خلف نے ان کو بھی متن میں شامل کردیا۔

اس تحریر کو غور سے پڑھیں اور اس کی کاپیاں بنا کر اپنی طرف سے علماء میں تقسیم کریں، بڑی دین کی خدمت ہوگی۔ اہل خانہ کو درجہ بدرجہ سلام اور دعائیں عرض کریں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں، یہ خاطی بھی داعی ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز۔ از گکھڑ۔“

قرآن میں درج دُوسروں کے اقوال قرآن ہیں؟

سوال:... قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دُوسروں کے اقوال بھی دُہرائے ہیں، جیسے عزیزِ مصر کا قول: ”اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ“ یا بلقیس کا قول: ”اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا“ کیا ان اقوال کی بھی وہی اہمیت اور حقیقت ہے جو کلام اللہ کی ہے؟ بعض واعظین اس طرح بیان کرتے ہیں: دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ“ حالانکہ یہ غیر اللہ کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف اس کو نقل کیا ہے۔

جواب:... اللہ تعالیٰ نے جب ان اقوال کو نقل فرمادیا تو یہ اقوال بھی کلامِ الٰہی کا حصہ بن گئے اور ان کی تلاوت پر بھی ثوابِ موعود ملے گا (یہ ناکارہ بطورِ لطیفہ کہا کرتا ہے کہ قرآنِ کریم میں فرعون، ہامان، قارون اور اِبلیس کے نام آتے ہیں اور ان کی تلاوت پر بھی پچاس، پچاس نیکیاں ملتی ہیں)۔ پھر قرآنِ کریم میں جو اَقوال نقل فرمائے گئے ہیں ان میں سے بعض پر رَدّ فرمایا ہے جیسے کفار کے بہت سے اقوال، اور بعض کو بلاتردید نقل فرمایا ہے۔ تو اقوالِ مردود تو ظاہر ہے کہ مردود ہیں، لیکن جن اقوال کو بلانکیر نقل فرمایا ہے وہ ہمارے لئے حجت ہیں، پس عزیزِ مصر کا قول اور بلقیس کا قول اسی دُوسری قسم میں شامل ہیں اور ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔[۱]

کلامِ اِلٰہی میں درج مخلوق کا کلام نفسی ہوگا؟

سوال:... آپ نے فرمایا ''جب غیراللہ کے اقوال اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نقل کئے ہیں تو وہ بھی کلام الٰہی کا حصہ بن گئے۔'' اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ اقوال کلام الٰہی کا حصہ بن گئے تب بھی یہ کلام نفسی تو نہ ہوئے، کیونکہ کلام نفسی تو قدیم ہے اور یہ قول کسی زمانے میں کسی انسان سے ادا ہوئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دُہرادیا، تو یہ اقوال تو مخلوق ہوئے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن سارا غیرمخلوق ہے۔

جواب:... مخلوق کے کلام کا کلامِ الٰہی میں آنا بظاہر محلِ اِشکال ہے، لیکن اس پر نظر کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ماضی و مستقبل یکساں ہیں تو یہ اِشکال نہیں رہتا، یعنی مخلوق پیدا ہوئی، اس سے کوئی کلام صادر ہوا، اللہ تعالیٰ نے بعد اَز صدور اس کو نقل فرمایا تو واقعی اِشکال ہوگا، لیکن مخلوق پیدا ہونے اور اس سے کلام صادر ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا، اور اس علمِ قدیم کو کلامِ قدیم میں نقل فرمادیا۔[۲]

''کاد الفقر أن یکون کفرًا'' کی تشریح

سوال:... ''کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا'' حدیث کے متعلق محدثین کا کیا فیصلہ ہے؟ کیونکہ ہمارے ایک اُستاد نے اس بنا پر اس کو موضوع یا بالفاظِ دیگر دُرست قرار نہیں دیا کہ یہ دُوسری احادیث سے متعارض ہے۔ مثلاً: نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَأَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا .... الخ'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ'' تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم غریبی کو کفر قرار دیتے ہیں۔ ایک اور مولوی صاحب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ:

---

(۱) وما ذکرہ اللہ تعالٰی فی القراٰن ای المنزل والفرقان المکتمل عن موسٰی وغیرہ من الأنبیاء علیھم السلام .... وعن فرعون وابلیس ای ونحوھما من الأعداء والأغنیاء .... فان ذٰلک ای ما ذکر من النوعین کلہ کلام اللہ تعالٰی ای القدیم اخبارًا عنھم۔ (شرح فقہ الأکبر لمُلّا علی القاری ص:۳۳)

(۲) والقراٰن کلام اللہ تعالٰی فھو قدیم ..... وقد کان اللہ تعالٰی متکلمًا ای فی الأزل ولم یکن کلم موسٰی ای والحال أنہ لم یکن کلم موسٰی بل ولَا خُلِقَ أصل موسٰی وعیسٰی وقد کان اللہ تعالٰی خالقا فی الأزل ولم یخلق الخلق۔ (شرح فقہ الاکبر ص:۳۵)۔

حدیث کو خواہ مخواہ دُرست قرار نہ دینا ٹھیک نہیں۔ اُن کے مطابق دونوں قسم کی احادیث میں یہ تطبیق ہونی چاہئے کہ کبھی کبھار غریبی کی وجہ سے انسان کفریہ طرزِ عمل کا ارتکاب کرگزرتا ہے، مثلاً: یوں کہتا ہے کہ: ''اللہ نے بس غربت کے لئے مجھے ہی چنا تھا'' وغیرہ وغیرہ کے الفاظ، یعنی غریبی کفر نہیں، احادیث کی رُو سے غریبی تو محمود ہی ہے، مذموم نہیں، جیسا کہ اُوپر مذکور ہے۔ آپ صرف اتنا فرمائیے کہ مولوی صاحب نے احادیث کا تعارض جو دُور کیا ہے وہ دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:... ''موسوعة الحدیث النبوی'' جلد:۶ صفحہ:۸ میں ''کاد الفقر أن یکون کفرًا'' کے لئے مندرجہ ذیل حوالے دیئے گئے ہیں: کنز العمال حدیث نمبر:۱۶۶۸۲، اتحاف السادة المتقین ج:۸ ص:۱۵۰، تاریخ اصفهان ج:۱ ص:۲۹۰، درمنثور ج:۶ ص:۴۲، الضعفاء للعقیلی ج:۴ ص:۲۰۶، مشکوٰة حدیث نمبر:۵۰۵۱، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی ج:۳ ص:۱۸۴و۲۲۹، حلیة الأولیاء ج:۳ ص:۵۳،ج:۸ ص:۲۵۳، تذکرة الموضوعات للمفتی ص:۱۷۴، الدرر المنتشرة فی الأحادیث المشتهرة، للسیوطی ص:۱۲۴، العلل المتناهیة لِابن الجوزی ج:۳ ص:۳۲۰۔ اگرچہ یہ حدیث کمزور ہے لیکن ان حوالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع نہیں۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بعض اوقات آدمی فقر کی وجہ سے کفر کا اِرتکاب کرلیتا ہے، جیسا کہ آج کل غریبوں کی غربت وافلاس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے قادیانی اور عیسائی مرتد بنالیتے ہیں، بہرحال مولوی صاحب نے جو تطبیق دی ہے کسی حد تک دُرست ہے۔

متعدی امراض اور اِسلام

سوال:... کیا جذام والے سے اسلام نے رشتہ ختم کردیا ہے؟ اگر نہیں تو اس کے مریض سے جینے کا حق کیوں چھینا جاتا ہے؟ اور یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ: ''اس سے شیر کی طرح بھاگو اور اس کو لمبے بانس سے کھانا دو''؟

جواب:... جو شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے لوگوں کو اَذیت ہوتی ہو، اگر لوگوں کو اس سے الگ رہنے کا مشورہ دیا جائے تو یہ تقاضائے عقل ہے، باقی بیماری کی وجہ سے اس کا رشتہ اسلام سے ختم نہیں ہوگا، اس بیماری پر اس کو اَجر ملے گا۔ اسلام تو مرض کے متعدی ہونے کا قائل نہیں، لیکن اگر جذامی سے اختلاط کے بعد خدانخواستہ کسی کو یہ مرض لاحق ہوگیا تو ضعیف الاعتقاد لوگوں کا عقیدہ بگڑے گا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ مرض اس کو جذامی سے لگا ہے، اس فسادِ عقیدہ سے بچانے کے لئے لوگوں سے کہا گیا ہے کہ: اس سے شیر کی طرح بھاگو،... باقی لمبے بانس سے کھانا دینے کا مسئلہ مجھے معلوم نہیں اور نہ کہیں یہ پڑھا ہے... الغرض جذام والے کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ لوگوں کو اِیذائے جسمانی اور خرابیٔ عقیدہ سے بچانا مقصود ہے۔[1] اگر کوئی شخص قوی الایمان اور قوی المزاج ہو وہ اگر جذامی کے ساتھ کھا، پی لے، تب بھی کوئی گناہ نہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھایا ہے۔[2]

---

(۱) وعنه (أبی هریرة رضی الله عنه) قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا عدوی ولَا طیرة ..... وفر من المجذوم کما تفر من الأسد۔ (وفی حاشیته) وانما أراد بذٰلک نفی ما اعتقدوا من ان العلل المعدّیة مؤثرة لَا محالة، فأعلمهم ان لیس کذٰلک، بل هو متعلق بالمشیة، إن شاء کان، وإن لم یشأ، لم یکن .... الخ۔ (مشکوٰة ص:۳۹۱، باب الفال والطیرة، الفصل الأوّل)۔

(۲) عن جابر: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم: أخذ بید مجزوم فأدخله معه فی القصعة ..... (ترمذی ج:۲ ص:۴، باب ما جاء فی الأکل معذ المجوم)۔

مجذوم سے تعلق رکھنے کا حکم

سوال:... صحیح بخاری شریف کی حدیث مبارکہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مجذوم سے بچو'' فقہ حنفی کا مسئلہ یہ ہے کہ: مجذوم کی بیوی کو اختیار رہے کہ وہ فسخِ نکاح کرے۔ اب عرض یہ ہے کہ: جذام جسے انگریزی میں ''لپروسی'' کہتے ہیں، پہلے ایک لاعلاج اور قابلِ نفرت بیماری تصوّر کی جاتی تھی، اب یہ مرض لاعلاج نہیں رہا، ایسے مریض میں نے دیکھے ہیں جو جذام سے صحت یابی کے بعد شادیاں کرچکے ہیں اور ان کے صحت مند بچے ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اب یہ بیماری عام بیماریوں کی طرح ایک عام مرض ہے، جس کا سو فیصد کامیاب علاج گارنٹی کے ساتھ ہوتا ہے۔ معاشرے میں مجذوم سے جو نفرت ہوتی تھی، اب وہ نہیں رہی۔ اس بیماری کے جو ڈاکٹرز ہوتے ہیں ان کے حسنِ اخلاق کا کیا کہنا، وہ کہتے ہیں کہ جذام کے مریض، لوگوں کی توجہ کے مستحق ہیں، ان سے نفرت نہیں کرنی چاہئے، تاکہ یہ لوگ احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں۔ بعض اوقات یہ ڈاکٹرز مجذومین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھاتے ہیں، ان کے ساتھ مصافحہ بھی کرتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں، صحت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ اب تک میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی مجذوم سے یہ مرض ڈاکٹر یا کسی عام آدمی کو لاحق ہوا ہو۔ اب آپ سے دو باتیں پوچھنی ہیں:

۱:... حدیثِ مذکور کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیماری قابلِ نفرت ہے، اور اس بیماری کے معالجین کہتے ہیں کہ یہ بیماری قابلِ نفرت نہیں ہے، حدیث شریف کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ یہ اِشکال محض میری جہالت و کم فہمی و کم علمی پر مبنی ہے۔

۲:... فقہِ حنفی کا جو مسئلہ میں نے تحریر کیا ہے، کیا آج کل کے حالاتِ مذکورہ کے موافق ایک ایسے آدمی کی بیوی کو بھی فسخِ نکاح کا اختیار رہوگا جو کہ جذام کی بیماری سے مکمل طور پر صحت یاب ہوچکا ہو؟

جواب:... نفیس سوال ہے، اس کا جواب سمجھنے کے لئے دو باتوں کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے:

ایک یہ کہ بعض لوگ قوی المزاج ہوتے ہیں، ایسے مریضوں کو دیکھ کر یا ان کے ساتھ مل کر ان کے مزاج میں کوئی تغیر نہیں آتا، اور بعض کمزور طبیعت کے ہوتے ہیں (اور اکثریت اسی مزاج کے لوگوں کی ہے)، ان کی طبیعت ایسے موذی امراض کے مریضوں کو دیکھنے اور ان سے میل جول رکھنے کی متحمل نہیں ہوتی۔

دوم:... یہ کہ شریعت کے اَحکام قوی وضعیف سب کے لئے ہیں، بلکہ ان میں کمزوروں کی رعایت زیادہ کی جاتی ہے۔ چنانچہ اِمام کو حکم ہے کہ وہ نماز پڑھاتے ہوئے کمزوروں کے حال کی رعایت رکھے۔[۱]

یہ دو باتیں معلوم ہوجانے کے بعد سمجھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفسِ نفیس مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے

---

(۱) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ''اذا صلّی أحدكم للناس فليخفف، فان فيهم السقيم والضعيف والكبير واذا صلّی أحدكم لنفسه فليطوّل ما شاء'' متفق عليه. (مشكوٰة ص: ۱۰۱، باب ما علی الإمام).

سالن کے برتن میں داخل کیا اور فرمایا: کھا! اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہوئے۔"[۱] (ترمذی ج:۲ ص:۴)

اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نوعیت کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی نقل کیا ہے،[۲] گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے واضح فرمایا کہ نہ مجذوم قابلِ نفرت ہے اور نہ وہ اَچھوت ہے، لیکن چونکہ ضعفاء کی ہمت وقوّت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی، اس لئے ان کے ضعفِ طبعی کی رعایت فرماتے ہوئے ان کو اس سے پرہیز کا حکم فرمایا۔

۲:...حضراتِ فقہاء کا یہ فتویٰ بھی عورت کے ضعفِ طبعی کی رعایت پر محمول ہے، پس اگر مجذوم کا صحیح علاج ہوجائے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کی ضرورت نہیں ہوگی اور نہ حضرات فقہاء کا یہ فتویٰ اس پر لاگو ہوگا۔[۳]

مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں نہ کہ دوائی

سوال:...میرے ایک سوال کا جواب آپ نے دیا ہے جس سے میری ذہنی پریشانی ابھی تک ختم نہیں ہوسکی، میں دوبارہ آپ کو تکلیف دے رہی ہوں، اُمید ہے آپ مجھے معاف کردیں گے۔ میرا سوال یہ تھا کہ:

"کیا دوائی کھانے سے بیٹا پیدا ہوسکتا ہے جس کے جواب میں آپ نے لکھا ہے کہ: "بیٹا، بیٹی خدا ہی کے حکم سے ہوتے ہیں، اور دوائی بھی اسی کے حکم سے مؤثر ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ عقیدہ صحیح ہے تو دوائی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔"

گستاخی معاف! مولانا صاحب میں چاہتی ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب ذرا وضاحت سے دیں، کیونکہ میرا دِل ابھی بھی مطمئن نہیں ہوا کہ اگر دوائی کھانے سے بھی بیٹا پیدا ہوسکتا ہے تو پھر ہر عورت ہی دوائی کھانی شروع کردے اور دُنیا میں بیٹے ہی بیٹے نظر آئیں، بیٹیاں تو ختم ہوجائیں، کیونکہ ہمارے ملک میں تو پہلے ہی بہت جہالت ہے، پہلے تو لوگ داتا صاحب کے مزار پر اور دُوسرے مزارات پر جاکر بیٹا مانگتے ہیں اور اب دوائی سے اگر بیٹا ملنے لگا تو عورتوں کا ہجوم ان کے گھر لگ جائے گا جو دوائی بیچ رہے ہیں اور دوائی بھی ہزاروں میں بیچ رہے ہیں، کیا یہ شرک نہیں ہوگا؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: میں جس کو چاہتا ہوں بیٹا دیتا ہوں، جس کو چاہتا ہوں بیٹی دیتا ہوں، جب اللہ نے دینا اپنی مرضی سے ہے تو دوائی کیا اثر کرسکتی ہے؟

جواب:...میری بہن! دواؤں کا تعلق تجربہ سے ہے، پس اگر تجربہ سے ثابت ہوجائے (محض فراڈ نہ ہو) کہ فلاں دوائی سے بیٹا ہوسکتا ہے تو اس کا جواب میں نے لکھا تھا کہ دوائی کا مؤثر ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ جیسے بیماری سے شفا دینے والا تو

---

(۱) عن جابر رضی اللہ عنہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أخذ بید مجزوم فأدخله معه فی القصعة، ثم قال: "کل بسم اللہ، ثقةً باللہ وتوکّلًا علیه." (ترمذی ج:۲ ص:۴، طبع رشیدیه دهلی).

(۲) عن ابن ابی بریدة ان عمر أخذ بید مجزوم. (ترمذی ج:۲ ص:۴۰).

(۳) وفی الدر المختار: ولَا یتخیر أحد الزوجین بعیب فی الآخر فاحشًا کمجنون وجذام وبرص .... الخ. وفی الشامیة: لیس لواحد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الآخر عند أبی حنیفة وأبی یوسف وهو قول عطاء والنخعی ...... وخالف الأئمة الثلاثة فی الخمسة مطلقًا ومحمد فی الثلاثة الأول لو فی الزوج کما یفهم من البحر وغیره ... الخ. (شامی ج:۳ ص:۵۰۱).

اللہ تعالیٰ ہے، لیکن دوادارو بھی کیا جاتا ہے، اور اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے، تو یوں کہا جائے گا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بغیر دواؤں کے شفا دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں، اسی طرح کبھی دوائی کے ذریعے شفا عطا فرماتے ہیں، دوائی شفا نہیں دیتی، بلکہ اس کا وسیلہ اور ذریعہ بن جاتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں دوائی کے باوجود بھی فائدہ نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر کوئی دوائی واقعی ایسی ہے جس سے بیٹا ہوجاتا ہے تو اس کی حیثیت بھی یہی ہوگی کہ کبھی اللہ تعالیٰ دوائی کے بغیر بیٹا دے دیتے ہیں، کبھی دوائی کو ذریعہ بنا کر دیتے ہیں، اور کبھی دوائی کے باوجود بھی نہیں دیتے، جب مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھا جائے اور دوائی کی تاثیر کو بھی اسی کے حکم و ارادہ کی پابند سمجھا جائے تو یہ شرک نہیں، اور ایسی دوائی کا استعمال گناہ نہیں۔ (۱)

نوٹ: مجھے اس سے بحث نہیں کہ کوئی دوائی ایسی ہے بھی یا نہیں۔

اللہ، رسول کی اطاعت سے انبیاء کی معیت نصیب ہوگی، ان کا درجہ نہیں!

سوال:... کیا آپ مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کی پوری تشریح بیان فرمائیں گے؟:

”وَمَنْ یُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔“ (النساء:۶۹)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ”جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء (علیہم السلام) اور صدیقین اور شہداء اور صالحین میں، اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔“ اور اس کی تشریح یہ بتلاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نبی، صدیق، شہید اور صالح کا درجہ مل سکتا ہے۔

جواب:... یہ تشریح دو وجہ سے غلط ہے: ایک تو یہ کہ نبوّت ایسی چیز نہیں جو انسان کو کسب و محنت اور اطاعت و عبادت سے مل جائے، دُوسرے اس لئے کہ اس سے لازم آئے گا کہ اسلام کی چودہ صدیوں میں کسی کو بھی اطاعتِ کاملہ کی توفیق نہ ہوئی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کوشاں رہیں گے، گو ان کے اعمال کم درجے کے ہوں، ان کو قیامت کے دن انبیاء کرامؑ، صدیقین، شہداء اور مقبولانِ الٰہی کی معیت نصیب ہوگی۔ (۲)

---

(۱) الإشتغال بالتداوی لَا بأس به إذا اعتقد ان الشافی هو الله تعالیٰ، وانه جعل الدواء سببًا، اما إذا اعتقد ان الشافی هو الدواء فلا۔ (هندية ج:۵ ص:۳۵۴ طبع کوئٹه)۔

(۲) أی من عمل بما أمره الله به ورسوله، وترک ما نهاه الله عنه ورسوله، فان الله عزّ وجلّ یسکنه دار کرامته ویجعله مرافقًا للأنبیاء ثم لمن بعدهم فی الرتبة وهم الصدیقون، ثم الشهداء ثم عموم المؤمنین وهم الصالحون .... الخ۔ (تفسیر ابنِ کثیر ج:۲ ص:۳۱۹)۔

کیا قبرِ اطہر کی مٹی عرش و کعبہ سے افضل ہے؟

سوال:... میرے پاس ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "تاریخ المدینة المنورة" جس کے مؤلف جناب محمد عبدالمعبود ہیں، اور اس پر تقریظ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی والوں کی ہے، تقریظ کی تاریخ یکم فروری ۱۹۷۸ء ہے، مولانا غلام اللہ خان صاحب نے بڑی تعریف فرمائی ہے، اور ایران سے آغا محمد حسین تسبیحی مدظلہم نے کتاب کو اس قدر پسند فرمایا کہ اس کا فارسی ترجمہ کرنے کی پیش کش فرمائی، مزید یہ کہ ولی زماں مفسرِ قرآن حضرت لاہوریؒ کے خلف الرشید حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت مجدہم کی تقریظات نے اس کی افادیت پر مہرِ تصدیق ثبت فرماکر اسے اور بھی چار چاند لگادیئے ہیں۔ اس کتاب کی فہرست مضامین میں یہ ہے: نمبر۱: مکہ معظّمہ افضل ہے یا مدینہ طیبہ؟ نمبر۲: مدینہ طیبہ کی مکہ معظّمہ پر فضیلت۔ نمبر۳: مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے افضل ہے، اب اس کے متعلق تفصیل بڑی طویل ہے، میں کوشش کروں گا کہ مختصر بیان کروں، لکھا ہے کہ:

"امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام رُوئے زمین پر افضل مقامات اور بزرگ ترین شہروں میں مکہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ ہے زادھما اللہ تشریفًا وتعظیمًا۔ اب ان دو شہروں میں سے کس کو دُوسرے پر فضیلت اور ترجیح دی جائے؟ تو اس میں علمائے کرام کے عقول و اذہان بھی متحیر ہیں، بایں ہمہ علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ زمین کا وہ خطہ اور متبرک حصہ جو رحمۃ للعالمین فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر اور اعضائے شریفہ سے مس کئے ہوئے ہے، وہ نہ صرف مکہ مکرّمہ بلکہ کعبۃ اللہ سے بھی افضل ہے، سمواتِ سبع تو کجا، عرشِ عظیم سے بھی اس کی شان، بالا، اعلیٰ، برتر، اَرفع اور انتہائی بلند ہے۔"

آگے ایک حوالہ یہ بھی تحریر ہے کہ:

"امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق اور سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام کی ایک جماعت اور حضرت مالک بن انسؒ اور اکثر علمائے مدینہ، مکہ مکرمہ پر مدینہ منوّرہ کو فضیلت دیتے ہیں، اسی طرح بعض علمائے کرام بھی مدینہ طیبہ کی فضیلت کے قائل ہیں، مگروہ شہر مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ کے شہر پر تو فضیلت دیتے ہیں، البتہ کعبۃ اللہ کو مستثنیٰ کرتے ہیں اور کعبہ معظّمہ کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بات طے شدہ ہے اور اسی پر علمائے متقدمین و متأخرین کا اتفاق ہے کہ قبرِ اَطہر سیّدِ کائنات رحمتِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً اور بالعموم افضل و اکرم، اَنصب و اَرفع ہے، خواہ شہر مکہ مکرمہ ہو یا کعبۃ اللہ ہو یا عرش مجید ہو، اس کتاب میں ہے کہ حضرت علامۃ العصر الشیخ محمد یوسف بنوری مدظلہ نے معارف السنن جلد:۳ ص:۳۲۳ میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبرِ اَطہر، سات آسمانوں، عرش مجید اور کعبۃ اللہ سے افضل ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔"

میرے محترم بزرگ! میں اس پر مکمل اتفاق کرتا ہوں اور یہ میرا اِیمان ہے کہ اوّل ذات اللہ کی ہے، اس کے بعد کوئی افضل

ذات ہے تو اللہ کے آخری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو افضل و اعلیٰ ہے، باقی ساری چیزیں افضلیت میں کم ہیں، یہ سچ ہے کہ کعبۃ اللہ شریف کی بڑی عظمت و افضلیت ہے اور عرش عظیم، لوح و قلم وغیرہ کی اپنی اپنی عظمت اور افضلیت ہے، اس کا کوئی بھی مسلمان انکار کر نہیں سکتا، اگر انکار کرے تو وہ مسلمان نہیں، لیکن پہلے اللہ اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

میرے محترم بزرگ! میرے دوستوں اور احبابوں میں سے بعض حضرات اس کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ اور عرش اعظم سے افضل ہو نہیں سکتا اور ایسی باتیں کہنا نہیں چاہئے، اور وہ قرآن کی ٹھوس دلیل چاہتے ہیں، تو لہٰذا میں بہت پریشان ہوں، کس کو سچ مانوں اور کس کو غلط، میں حضرتِ والا سے نہایت ادب و احترام سے گزارش کرتا ہوں کہ قرآن کی دلیل اور احادیث کی روشنی میں تحریری جواب سے نوازیں کہ درست کیا ہے؟

جواب:... جو مسئلہ اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے وہ قریب قریب اہلِ علم کا اجماعی مسئلہ ہے، وجہ اس کی بالکل ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں، کوئی مخلوق بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ: آدمی جس مٹی سے پیدا ہوتا ہے، اسی میں دفن کیا جاتا ہے،[۱] لہٰذا جس پاک مٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی تدفین ہوئی، اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہوئی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہوئے تو وہ پاک مٹی بھی تمام مخلوق سے افضل ہوئی۔

علاوہ ازیں زمین کے جن اجزاء کو افضل الرسل، افضل البشر، افضل الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ باقی تمام مخلوقات سے اس لئے بھی افضل ہیں کہ یہ شرفِ عظیم ان کے سوا کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔

آپ کا یہ ارشاد بالکل بجا اور برحق ہے کہ ''پہلے اللہ اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' مگر زیرِ بحث مسئلے میں خدانخواستہ! اللہ تعالیٰ کے درمیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقابل نہیں کیا جارہا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور دُوسری مخلوقات کے درمیان تقابل ہے، کعبہ ہو، عرش ہو، کرسی ہو، یہ سب مخلوق ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں، اور قبرِ مبارک کی جسدِ اطہر سے لگی ہوئی مٹی اس اعتبار سے اشرف و افضل ہے کہ جسدِ اطہر سے ہم آغوش ہونے کی جو سعادت اسے حاصل ہے وہ نہ کعبہ کو حاصل ہے، نہ عرش و کرسی کو۔

اور اگر یہ خیال ہو کہ ان چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور روضۂ مطہرہ کی مٹی کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، اس لئے یہ چیزیں اس مٹی سے افضل ہونی چاہئیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پاک مٹی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملابست (ملاپ) کی نسبت ہے، اور کعبہ اور عرش و کرسی کو حق تعالیٰ شانہ سے ملابست کا تعلق نہیں، کہ حق تعالیٰ شانہ اس سے پاک ہیں۔[۲]

---

(۱) ''عن أبی سعید الخدری قال: مر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجنازۃ عند قبرٍ فقال: قبر من ھٰذا؟ فقالوا: فلان الحبشی یا رسول اللہ! فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لَا إلٰہ إلّا اللہ سیق من ارضہ وسمائہ الٰی تربتہ التی منھا خلق'' (مستدرک حاکم ج:۱ ص:۳۶۷، وفاء الوفاء ج:۱ ص:۳۲ طبع بیروت)۔

(۲) فلا شک ان مکۃ لکونھا من الحرم المحترم اجماعًا افضل من نفس المدینۃ ما عدا التربۃ السکینۃ، فانھا افضل من الکعبۃ، بل من العرش علٰی ما قالہ جماعۃ۔ (شرح الشفاء ج:۲ ص:۱۶۲)۔ قال الراقم (المحدث البنوری) وان شئت ان تستأنس ذٰلک بدلیل من السنۃ فلاحظ الٰی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''ان کل نفس تدفن فی التربۃ التی خلقت منھا'' کما رواہ الحاکم فی مستدرکہ۔ (معارف السنن ج:۳ ص:۳۲۴)۔

ولی اور نبی میں کیا فرق ہے؟

سوال:... اولیاء اور انبیاء میں فرق کس طرح واضح کیا جائے؟

جواب:... نبی براہِ راست خدا تعالیٰ سے احکام لیتا ہے، اور ''ولی'' اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع ہوتا ہے۔[۱]

کوئی ولی، غوث، قطب، مجدّد، کسی نبیؑ یا صحابیؓ کے برابر نہیں

سوال:... ولی، قطب، غوث، کوئی بڑا صاحبِ تقویٰ، عالمِ دین، اِمام وغیرہ ان سب میں سے کس کے درجے کو پیغمبروں کے درجے کے برابر کہا جاسکتا ہے؟

جواب:... کوئی ولی، غوث، قطب، اِمام، مجدّد، کسی ادنیٰ صحابیؓ کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، نبیوں کی تو بڑی شان ہے، علیہم الصلوٰۃ والسلام۔[۲]

کیا ولایت پیدائشی ہوتی ہے یا محنت سے ملتی ہے؟

سوال:... کیا ولی اللہ پیدائشی ولی ہوتے ہیں یا ان کو یہ مرتبہ وقت کے ساتھ ساتھ ملتا ہے؟

جواب:... بعض ولی اللہ پیدائشی ولی ہوتے ہیں، اور بعض کو محنت و ریاضت سے یہ مرتبہ ملتا ہے۔

غوث، قطب، اَبدال کی شرعی حیثیت

سوال:... اسلامی لٹریچر میں غوث، قطب، اَبدال کے الفاظ پڑھنے کو ملتے ہیں، کیا اولیاء کے یہ مراتب احادیث کی رُو سے مقرّر ہیں؟ اگر نہیں، تو کس نے مقرّر کئے ہیں اور ان الفاظ کی حیثیت کیا ہے؟

جواب:... یہ اصطلاحات بزرگانِ دِین کے کلام سے منتقل ہوئی ہیں، حدیث میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔[۳] چونکہ یہ اصطلاحات عوام کے موضوع کی چیز نہیں، نہ ان اصطلاحات پر کسی عقیدے و عمل کا مدار ہے، اس لئے ان کی تشریح کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی'' (النجم:۳)، ''وعلامة صحة الولی متابعة النبی فی الظاهر، لأنهما یأخذان التصرف من مأخذ واحد، اذ الولی هو مظهر تصرف النبی .....''۔ (کشاف اصطلاحات الفنون ج:۲ ص:۱۵۲۹ طبع سهیل اکیڈمی)۔

(۲) والحاصل ان التابعین أفضل الاُمّة بعد الصحابة۔ (شرح فقه الأکبر ص:۱۴۶)، الولی لَا یبلغ درجة النبی۔ (شرح فقه الأکبر ص:۱۴۸)۔ ایضًا: وآنکه گفتیم که اصحاب کرام بهترین بنی آدم اند.......... چه هیچ ولی بمرتبۂ صحابی نرسد۔ (مکتوبات اِمامِ ربانی مکتوب:۹۶ دفتر دوم)۔

(۳) الباب الثانی فیما ورد فیهم من الآثار النبویة الدالة علٰی وجودهم وفضلهم .... فمنها ما روی عن الْإمام علی کرّم الله وجهه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لَا تسبوا أهل الشام فإن فیهم الأبدال، رواه الطبرانی وغیره۔ وفی روایة عنه مرفوعًا کما فی رسالة اجابة الغوث ببیان حال النقباء والنجباء والأبدال والأوتاد والغوث۔ (ملحق رسائل ابن عابدین ج:۲ ص:۲۷۰)۔

کیا گوتم بدھ کو پیغمبروں میں شمار کرسکتے ہیں؟

سوال:... تعلیم یافتہ جدید ذہن کے لوگ ''گوتم بدھ'' کو بھی پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں، یہ کہاں تک دُرست ہے؟

جواب:... قرآن و حدیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں آیا، اس لئے ہم قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جن انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی قرآنِ کریم میں ذکر کئے گئے ہیں، ان پر تو تفصیلاً قطعی ایمان رکھنا ضروری ہے، اور باقی حضرات پر اِجمالاً ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے بندوں کی ہدایت کے لئے جتنے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، خواہ ان کا تعلق کسی خطۂ اَرضی سے ہو، اور خواہ وہ کسی زمانے میں ہوئے ہوں، ہم سب پر اِیمان رکھتے ہیں۔[۱]

کسی نبی یا ولی کو وسیلہ بنانا کیسا ہے؟

سوال:... قرآن شریف میں صاف صاف آیا ہے کہ جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو، لیکن پھر بھی یہ وسیلہ بنانا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب:... وسیلہ کی پوری تفصیل اور اس کی صورتیں میری کتاب ''اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم'' حصہ اول میں ملاحظہ فرمالیں۔[۲] بزرگوں کو مخاطب کرکے ان سے مانگنا تو شرک ہے، مگر خدا سے مانگنا اور یہ کہنا کہ: ''یا اللہ! بطفیل اپنے نیک اور مقبول بندوں کے میری فلاں مراد پوری کردیجئے''، یہ شرک نہیں۔

صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۳۷ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا منقول ہے:

''اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا۔''

ترجمہ:... ''اے اللہ! ہم آپ کے دربار میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ توسل کیا کرتے تھے، پس آپ ہمیں بارانِ رحمت عطا فرماتے تھے۔ اور (اب) ہم اپنے نبی کے چچا (عباسؓ) کے ذریعہ توسل کرتے ہیں تو ہمیں بارانِ رحمت عطا فرما۔''

اس حدیث سے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور توسل باولیاء اللہ دونوں ثابت ہوئے، جس شخصیت سے توسل کیا جائے، اسے بطور شفیع پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کا وسیلہ

سوال:... دُعا کے وقت اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کا واسطہ دینا جائز ہے؟ بحوالہ حدیث جواب سے نوازیں۔

---

(۱) (ورسله) بأن تعرف انهم بلغوا ما انزل الله إليهم وانهم معصومون وتؤمن بوجودهم فيمن علم بنص أو تواتر تفصيلًا وفي غيرهم إجمالًا. (مرقاة شرح مشكوٰة ج:۱ ص:۵۰).

(۲) دیکھئے: اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ص:۶۳ تا ۷۶۔

جواب:...صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۳۷ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دُعا منقول ہے:

"اللّٰھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا۔"(۱)

ترجمہ:...''اے اللہ! ہم آپ کے دربار میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے توسل کیا کرتے تھے، پس آپ ہمیں بارانِ رحمت عطا فرماتے تھے، اور (اب) ہم اپنے نبی کے چچا (عباس) کے ذریعے توسل کرتے ہیں تو ہمیں بارانِ رحمت عطا فرما۔''

اس حدیث سے ''توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''توسل باولیاء اللہ'' دونوں ثابت ہوئے، جس شخصیت سے توسل کیا جائے اسے بطورِ شفیع پیش کرنا مقصود ہوتا ہے، اس مسئلے کی کچھ تفصیل میں اپنے مقالے ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں لکھ چکا ہوں، ملاحظہ فرمالیا جائے۔(۲)

بزرگوں کے طفیل دُعا مانگنا

سوال:...میں قرآن کے ذریعے سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ واحد اللہ سے دُعا طلب کرنی چاہئے یا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعا مانگنا جائز ہے؟ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے وسیلے سے بھی دُعا مانگ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور پھر جتنے بزرگ گزرے ہیں، جیسے داتا دربار اور خواجہ غریب نواز، اور بھی بہت ہیں، ان کے وسیلے سے دُعا مانگنا غلط ہے یا صحیح؟ میں اس طرح دُعا مانگتا ہوں: ''اے اللہ! تو میرے گناہ کو معاف کردے اپنے حبیب کے صدقے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو گزرے ہیں ان کے صدقے، اور بزرگانِ دِین کے صدقے میرے گناہ معاف کردے'' یہ دُعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ غلط ہے یا صحیح؟

جواب:...دُعا تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے طفیل دُعا کرنا صحیح ہے۔ جس طرح آپ نے دُعا لکھی ہے، یہ دُرست ہے۔(۳)

کیا توسل کے بغیر دُعا نہ مانگی جائے؟

سوال:...اگر کسی بزرگ کے توسل سے کوئی شخص دُعا نہ مانگے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ براہِ راست خود اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے۔ قرآن شریف کی کسی آیت سے ثابت ہے یا نہیں؟ کئی علمائے کرام اس کو جائز نہیں سمجھتے، آپ کے کراچی شہر میں ایک ڈاکٹر صاحب بنام کیپٹن مسعود الدین عثمانی نے تو شرک تک پہنچایا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری، أبواب الإستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الإستسقاء إذا قحطوا۔
(۲) اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ص:۶۳ تا ۷۶ (طبع مکتبہ لدھیانوی کراچی)۔
(۳) ومن أدب الدعاء: تقدیم الثناء علی الله، والتوسل بنبی الله لیستجاب۔ (حجة الله البالغه ج:۲ ص:۶، مطبوعه مصر)۔

جواب:...بغیر توسل کے بھی دُعا صحیح ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن توسل بھی صحیح ہے،[1] ڈاکٹر عثمانی کی باتیں قابلِ اعتبار نہیں۔

انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ وغیرہ کو دُعاؤں میں وسیلہ بنانا

سوال:...ایک صاحب نے اپنی کتاب ''وسیلے واسطے'' میں لکھا ہے کہ: جو لوگ مردہ بزرگوں، انبیائے کرامؑ، اولیاء یا شہداء کو اپنی دُعاؤں میں وسیلہ بناتے ہیں، یہ شرک ہے۔

جواب:...ان صاحب کا یہ کہنا کہ بزرگوں کے وسیلے سے دُعا کرنا شرک ہے، بالکل غلط ہے۔ بزرگوں سے مانگا تو نہیں جاتا، مانگا تو جاتا ہے اللہ تعالیٰ سے، پھر اللہ سے مانگنا شرک کیسے ہوا...؟

اکابرِ دیوبند کا مسلک

سوال:...کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ایسے شخص کے بارے میں جو ایک مسجد کا اِمام ہے اور درسِ قرآنِ کریم بھی دیتا ہے، مسجد علمائے دیوبند کے منتسبین کی تھی اور اس اِمام صاحب کو بھی ایک دیوبندی ہونے کی حیثیت سے رکھا گیا تھا، مگر ان کے خیالات یہ ہیں:

۱:...سورۂ یوسف کے درس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے نکاح کی بحث میں زلیخا کے متعلق کہا کہ: وہ زانیہ، بدکارہ اور کافرہ تھی۔ بعض شرکائے درس نے جب عرض کیا کہ فلاں فلاں تفسیر میں لکھا ہے کہ نکاح ہوا تھا، مثلاً: معارف القرآن میں۔ تو فرمانے لگے کہ: جنھوں نے لکھا ہے وہ بھی بے ایمان لعنتی ہیں!

۲:...تبلیغی جماعت کی سخت مخالفت کرتا ہے، جماعت کو مسجد میں ٹھہرنے نہیں دیتا ہے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے متعلق کہا کہ وہ مشرک مرگیا اور گالی دے کر کہا کہ: اس نے تبلیغی نصاب میں گند اور شرک بھر دیا ہے۔ تبلیغی نصاب کی توہین کرتے ہوئے اس کو ''کتا بڑی''، ''شتا بڑی'' کے نام سے یاد کرتا ہے۔

۳:...بعض اکابرین علمائے دیوبند مثلاً: حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے بارے میں کہا کہ یہ حضرات مشرک تھے اور حالتِ شرک ہی میں مرے ہیں۔

۴:...وسیلہ بالذوات الفاضلہ (مثلاً: انبیائے کرام علیہم السلام اور صلحائے اُمت) کو شرک اور کفر کہتا ہے اور جو کوئی کسی بزرگ کے وسیلہ سے دعا مانگے اس کو مشرک کہتا ہے۔

۵:...انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ برزخی فی القبور کا انکار کرتا ہے اور قائلینِ حیات علمائے دیوبند کو مشرک کہتا ہے۔

۶:...سماعِ موتیٰ کے قائلین کو بھی مشرک کہتا ہے۔

---

(۱) ومن أدب الدعاء: تقديم الثناء على الله، والتوسل بنبي الله ليستجاب. (حجة الله البالغه ج:۲ ص:۶، مطبوعه مصر).

۷:...اپنی رائے کے متعلق کہتا ہے کہ: وہ آخری اور حتمی ہے، میں کسی اور عالم حتیٰ کہ اپنے اساتذہ تک کو بھی نہیں مانتا ہوں۔

اب اہلِ محلّہ اِشتعال میں ہیں کہ ایسے آدمی کو ہم اِمام نہیں رکھیں گے، اب اس سلسلے میں آپ سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

۱:...کیا ایسا آدمی اہلِ سنت والجماعت میں سے ہے؟

۲:...کیا ایسا آدمی دیوبندی کہلائے گا؟

۳:...کیا ایسے آدمی کو مستقل امام رکھنا اور اس کے پیچھے نمازیں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۴:...آیا وہ آدمی عامی کفر کے حکم کا مستحق ہوگا اور اس کی بیوی مطلقہ ہوگی؟

جواب:...سوال میں جن صاحب کے نظریات درج کئے گئے ہیں، اگر وہ واقعی ان نظریات کا حامل ہے تو یہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے، کیونکہ کسی مسلمان کو (خصوصاً کسی مسلّم الثبوت عالم اور بزرگ کو) بے ایمان، لعنتی اور مشرک جیسے الفاظ کے ساتھ یاد کرنا، عقیدۂ اہلِ سنت کے خلاف ہے۔[۱] وسیلہ بالوجہ المشروع کے اہلِ سنت قائل ہیں[۲]، اسی طرح اہلِ سنت والجماعت حضراتِ انبیائے کرامؑ کی حیات فی القبور کو مانتے ہیں[۳]، اور سماعِ موتیٰ صحابہؓ کے دور سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، اس لئے سماعِ موتیٰ کے قائلین کو مشرک کہنا، گویا...نعوذ باللہ...صحابہؓ کو مشرک قرار دینا ہے،[۴] **نعوذ باللہ من الزیغ والضلال!**

الغرض اس شخص کے نظریات روافض وخوارج کا سرقہ ہیں، اس لئے اہلِ سنت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

۲:...حضراتِ اکابرِ دیوبند بھی اہلِ سنت ہی کا ایک مکتبِ فکر ہے، جو کتاب وسنت پر عامل، حنفیت کا شارح، سنت کا داعی، بدعت کا ماحی، ناموسِ صحابہؓ کا علم بردار، حضراتِ اولیاء اللہ کا کفش بردار ہے، لہٰذا جو شخص اہلِ سنت سے منحرف ہو، وہ دیوبندی نہیں ہوسکتا، اکابرِ دیوبند کے نظریات زیرِ بحث مسائل میں وہ ہیں جو "المهنّد على المفنّد" میں ہمارے شیخ المشائخ حضرتِ اقدس مولانا الحاج الحافظ الحجة الثقة الامین السیدی خلیل احمد سہارنپوری ثم مہاجر مدنی قدس سرہٗ نے قلم بند فرمائے ہیں، اور اس پر ہمارے تمام

---

(۱) عن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "سِبابُ المسلم فسوقٌ وقتالُه كُفرٌ". (بخاری ج:۲ ص:۸۹۳)۔

(۲) ان التوسل بالنبی صلى الله عليه وسلم جائز فی كل حال، قبل خلقه وبعد خلقه فی مدة حياته فی الدنيا وبعد موته فی مدة البرزخ وبعد البعث فی عرصات القيامة والجنّة. (شفاء السقام ص:۱۲۰)

(۳) .... فمحصل الجواب أن الأنبياء أحياء فی قبورهم فيمكن لهم سماع .... الخ۔ (مرقاة شرح مشكوٰة ج:۲ ص:۲۰۹)۔

(۴) جواب: یہ مسئلہ عہدِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف فیہا ہے، اس کا فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ ص:۱۰۸، (طبع ادارۂ اسلامیات لاہور)، فقال عمر: يا رسول الله! كيف تكلم أجسادًا لَا أرواح فيها؟ قال: ما أنتم بأسمع لما أقول منهم غير أنهم لَا يستطيعون أن يردوا علىّ شيئًا .... اعلم رحمك الله أن عائشة رضى الله عنها قد أنكرت هٰذا المعنى واستدلت بقوله تعالىٰ: فإنك لَا تسمع الموتىٰ. وقوله: وما أنت بمسمع من فی القبور. ولَا تعارض بينهما لأنه جائز أن يكونوا يسمعون فی وقت مّا أو فی حال مّا فإنّ تخصيص العموم ممكن وصحيح إذا وجد المخصّص. (التذكرة فی أحوال الموتىٰ وأُمور الآخرة، علامه قرطبیؒ ص:۱۶۴ طبع بيروت)۔

اکابر کے دستخط اور تصدیقات ہیں، جو شخص اس رسالے کے مندرجات سے متفق نہیں، وہ دیوبندی نہیں۔ ہمارے اکابرِ دیوبند واقعتاً اس شعر کا مصداق تھے:

در کف جامِ شریعت در کف سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن!

۳:... چونکہ یہ شخص طائفہ منصورہ اہلِ سنت سے منحرف ہے، اس لئے اس کی اِقتداء میں نماز جائز نہیں،[۱] اور یہ اس لائق نہیں کہ اس کو اِمام بنایا جائے، اہلِ محلّہ کا فرض ہے کہ اس کو اِمامت کے منصب سے معزول کردیں۔

۴:... تکفیر کے مسئلے میں یہ ناکارہ احتیاط کرتا ہے، اس لئے اس شخص کو توبہ و انابت کا اور اہلِ حق سے وابستگی کا مشورہ دیتا ہے، اس شخص کا اصل مرض خودرائی ہے، جس کی طرف سوال کے جزو نمبر:۷ میں ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

"اپنی رائے کے متعلق کہتے ہیں کہ: وہ آخری اور حتمی ہے، میں کسی اور عالم کو حتیٰ کہ اپنے اساتذہ تک کو نہیں مانتا۔"

یہی خودرائی اکثر اہلِ علم کے ضلال و اِنحراف کا سبب بنتی ہے، خوارج و روافض سے لے کر دورِ حاضر کے کجرو لوگوں کو اسی خودرائی نے ورطۂ حیرت میں ڈالا ہے، اس لئے جو شخص صراطِ مستقیم پر چلنے اور راہِ ہدایت پر مرنے کا متمنی ہو، اس کو لازم ہے کہ اپنی رائے پر اعتماد کرنے کے بجائے اکابر کے علم و تقویٰ پر اعتماد کرے کہ یہ حضرات علم و معرفت، فہم و بصیرت، صلاح و تقویٰ اور اتباعِ شریعت میں ہم سے بدرجہا فائق تھے، واللہ اعلم!

بحقِ فلاں دُعا کرنے کا شرعی حکم

سوال:... بحقِ فلاں اور بحرمتِ فلاں دُعا کرنا کیسا ہے؟ کیا قرآن و سنت سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب:... بحقِ فلاں اور بحرمتِ فلاں کے ساتھ دُعا کرنا بھی توسل ہی کی ایک صورت ہے، اس لئے ان الفاظ سے دُعا کرنا جائز اور حضرات مشائخ کا معمول ہے۔ "حصن حصین" اور "الحزب الاعظم" ماثورہ دعاؤں کے مجموعے ہیں، ان میں بعض روایات میں "بحق السائلین علیک، فان للسائل علیک حقا" وغیرہ الفاظ منقول ہیں، جن سے اس کے جواز و استحسان پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ہماری فقہی کتابوں میں اس کو مکروہ لکھا ہے، اس کی توجیہ بھی میں "اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم" میں کرچکا ہوں۔[۲]

---

(۱) ویکره تقدیم المبتدع أیضًا لأنه فاسق من حیث الْإعتقاد وهو أشد من الفسق من حیث العمل .... والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئًا علٰی خلاف ما یعتقده أهل السُّنَّة والجماعة۔ (حلبی کبیر ص:۵۱۴، فصل فی الْإمامة، طبع سهیل اکیڈمی)۔
أیضًا: ویکره .... إمامة مبتدع أی صاحب بدعة وهی إعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لَا بمعاندة بل بنوع شبهة۔ (الدر المختار ج:۱ ص:۵۵۹، ۵۶۰)۔ أیضًا: أن من أظهر بدعة وفجورًا لَا یرتب إمامًا للمسلمین فإنه یستحق التعزیر حتّٰی یتوب فإن أمکن هجره حتّٰی یتوب کان حسنًا .... إذا کان ترک الصلاة خلفه یفوت المأموم الجمعة والجماعة فهنا لَا یترک الصلاة خلفه إلّا مبتدع مخالف للصحابة رضی الله عنهم۔ (شرح العقیدة الطحاویة ص:۴۲۳ طبع مکتبه سلفیه لَاهور)۔

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب حصہ اوّل ص:۶۳ تا ۷۶۔

توفیق کی دُعا مانگنے کی حقیقت

سوال:... توفیق کی تشریح فرمادیجئے! دُعاؤں میں اکثر خدا سے دُعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ! فلاں کام کرنے کی توفیق دے۔ مثال کے طور پر ایک شخص یہ دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے نماز پڑھنے کی توفیق دے، مگر وہ صرف دُعا ہی پر اکتفا کرتا ہے اور دُوسروں سے یہ کہتا ہے کہ: ''جب توفیق ہوگی تب سے میں نماز شروع کروں گا'' اس سلسلے میں وضاحت فرمادیجئے، تاکہ ہمارے بھائیوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا توفیق کا پردہ اُتر جائے۔

جواب:... توفیق کے معنی ہیں: کسی کارِخیر کے اسباب من جانب اللہ مہیا ہوجانا[1]، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تندرستی عطا فرما رکھی ہے اور نماز پڑھنے سے کوئی مانع اس کے لئے موجود نہیں، اس کے باوجود وہ نماز نہیں پڑھتا بلکہ صرف توفیق کی دُعا کرتا ہے، وہ درحقیقت سچے دِل سے دُعا نہیں کرتا، بلکہ نعوذ باللہ! دُعا کا مذاق اُڑاتا ہے، ورنہ اگر وہ واقعی اِخلاص سے دُعا کرتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ نماز سے محروم رہتا۔

توکل اور صبر کی حقیقت

سوال:... توکل اور صبر کیا ہے؟ ان سوالات کے پوچھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ میں ایک یونیورسٹی (جامعہ کراچی) کا طالب علم ہوں، اللہ کے فضل و کرم سے میرے ہر امتحان میں اچھے نمبر آئے، لیکن اس دفعہ جب میں نے امتحان دینے کی تیاری کی تو ہر دفعہ کی طرح اس مرتبہ بھی بہت محنت کی، میری خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر یا انجینئر بنوں، محض اس لئے کہ آج کل یہ دستور قائم ہوچکا اور یہ خیال لوگوں کے ذہن میں زہر کی طرح رَچ بس گیا ہے کہ جو لڑکا دِین داری کی طرف مائل ہوتا ہے، اسے ''مولوی'' کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ: ''یہ اب کچھ نہیں کرسکتا'' لہٰذا میں اپنی انتہائی محنت کرکے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ لوگوں کو بتایا جاسکے کہ دِین داری کبھی بھی پڑھائی میں دخل اندازی نہیں کرتی، بلکہ ایک لڑکا اگر چاہے تو وہ محنت کرکے دونوں میں سرخرو ہوسکتا ہے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عزم کے بعد میری قسمت میرا ساتھ نہیں دیتی۔ میں نے اپنی ہر طرح کوشش کرلی، صرف نماز ادا کرنے کے لئے اُٹھتا تھا، باقی سارا وقت پڑھتا تھا، لیکن جب پیپر آیا تو دُوسرے سوالوں میں ذہن ایسا اُلجھا کہ ایک پیپر میں آئے ہوئے سوال وقت نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ کر آنا پڑا۔ دُوسرا پیپر جب ہاتھ میں آیا، وہ تمام سوالات جس کی میں اچھی طرح تیاری کرکے گیا تھا، نہیں آئے، اور جن سوالات کو میں سرسری طور پر پڑھ کر گیا تھا، وہی آئے، ایسا لگتا تھا جیسا میں ان سوالات کو کرتے وقت اندھا ہوگیا تھا کہ وہ گھر میں نظر ہی نہیں آئے۔ اس واقعے نے مجھے بہت زیادہ رنجیدہ کردیا، میرے سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے، میں نے کتنی محنت کی تھی، صلوٰۃ الحاجات پڑھ کر جاتا، دُعا بھی بہت کی تھی، مگر زندگی بھر میں میرا کبھی ایسا امتحان نہیں ہوا جیسا اس دفعہ ہوا، اور یہ امتحان میرے لئے بہت اہم تھا۔

---

(۱) قولہ: التوفيق، هو توجيه الأسباب نحو المطلوب الخير۔ (كشاف اصطلاح الفنون ج:۲ ص:۱۵۰۱)۔ التوفيق: جعل الله فعل عباده موافقاً بما يحبّه ويرضاه۔ (التعريفات للجرجاني ص:۵۲)۔

جواب:... ہر کام میں اعتدال ہونا چاہئے، پڑھائی میں اپنی ہمت کے مطابق محنت کرنی چاہئے، ہمت سے زیادہ نہیں۔ روزانہ کے کاموں کا نظام الاوقات بنایا جائے۔ توکل کے معنی: اللہ تعالیٰ پر اعتماد کے ہیں،[1] یعنی آدمی اپنی ہمت کے مطابق کام کرکے نتائج اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور پھر مالک کی طرف سے جو معاملہ ہو اس پر راضی رہے۔ اگر آدمی یہ چاہے کہ معاملات میری مرضی کے مطابق ظاہر ہوں، تو یہ توکل نہیں، بلکہ انانیت ہے۔

اسباب کا اِختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں

سوال:... کسی نفع ونقصان کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی آدمی کوئی قدم اُٹھائے اور بیماری کے حملہ آور ہونے سے پہلے احتیاطی تدابیر اِختیار کرنا کیا توکل کے خلاف تو نہیں؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا صحیح مفہوم سمجھادیجئے۔

جواب:... توکل کے معنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے ہیں،[2] اور بھروسہ کا مطلب یہ ہے کہ کام اسباب سے بنتا ہوا نہ دیکھے بلکہ یوں سمجھے کہ اسباب کے اندر مشیتِ الٰہی کی روح کارفرما ہے، اس کے بغیر تمام اسباب بیکار ہیں:

عقل در اسباب می دارد نظر
عشق می گوید مسبّب را نگر

مطلقاً ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں، بلکہ اس بارے میں تفصیل ہے کہ جو اَسباب ناجائز اور غیرمشروع ہوں ان کو توکلاً علی اللہ بالکل ترک کردے، خواہ فوراً یا تدریجاً، اور جو اَسباب مشروع اور جائز ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ ہے:

۱:... وہ اسباب جن پر مسبّب کا مرتب ہونا قطعی ویقینی ہے، جیسے کھانا کھانا، ان اسباب کا اختیار کرنا فرض ہے اور ان کا ترک کرنا حرام ہے۔

۲:... ظنی اسباب: جیسے بیماریوں کی دوادارو، اس کا حکم یہ ہے کہ ہم ایسے کمزوروں کو ان اسباب کا ترک کرنا بھی جائز نہیں، البتہ جو حضرات قوتِ ایمانی اور قوتِ توکل میں مضبوط ہوں، ان کے لئے اسبابِ ظنّیہ کا ترک جائز ہے۔

۳:... تیسرے وہمی اور مشکوک اسباب: (یعنی جن کے اختیار کرنے میں شک ہو کہ مفید ہوں گے یا نہیں) ان کا اختیار کرنا سب کے لئے خلافِ توکل ہے، گو بعض صورتوں میں جائز ہے، جیسے جھاڑ پھونک وغیرہ۔[3]

---

(۱) التوکل: هو الإعتماد علی الله وعدم الإلتفات الٰی ما عداه، قال السید: هو الثقة بما عند الله والیأس عما فی أیدی الناس. (قواعد الفقه ص: ۲۴۱، طبع صدف پبلشرز، کراچی).

(۲) التوکل: هو الإعتماد علی الله وعدم الإلتفات الٰی ما عداه، قال السید: هو الثقة بما عند الله والیأس عما فی أیدی الناس. (قواعد الفقه ص: ۲۴۱).

(۳) الأسباب المزیلة للضرر تنقسم إلٰی مقطوع به ...... وإلٰی مظنون .... وإلی موهوم .... اما المقطوع به فلیس ترکه من التوکل، بل ترک حرام عند خوف الموت واما الموهوم فشرط التوکل ترکه .... واما الدرجة المتوسطة وهی المظنونة .... ففعله لیس مناقضًا للتوکل ..... (فتاویٰ هندیة ج:۵ ص:۳۵۵ طبع کوئٹه، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بوادر النوادر ص:۲۶۷، ۲۶۸).

اسباب پر بھروسہ کرنے والوں کا شرعی حکم

سوال:...رزق کے بارے میں یہاں تک حکم ہے کہ جب تک یہ بندے کو مل نہیں جاتا، وہ مر نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نے اس کا مقدر کر دیا ہے۔ خدا کی اتنی مہربانیوں کے باوجود جو لوگ انسانوں کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں، ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ملازمت سے نہ نکال دیئے جائیں، تو اس وقت ڈر، خوف وغیرہ رکھنے والے کیا مسلمان ہیں؟ جن کا ایمان خدا پر کم اور انسانوں پر زیادہ کہ یہ خوش ہیں تو سب ٹھیک ہے، ورنہ زندگی اجیرن ہے۔

جواب:...ایسے لوگوں کی اسباب پر نظر ہوتی ہے، اور اسباب کا اختیار کرنا ایمان کے منافی نہیں، بشرطیکہ اسباب کے اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کی جائے، البتہ ناجائز اسباب کا اختیار کرنا کمالِ ایمان کے منافی ہے۔[۱]

رزق کے اسبابِ عادیہ اختیار کرنا ضروری ہے

سوال:... "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا" جب سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے تو ہر سال سیکڑوں لوگ بھوک سے کیوں مر جاتے ہیں؟ اور یہ اموات ساری غریب ملکوں ہی میں کیوں ہوتی ہیں؟ مثلاً ایتھوپیا، سوڈان اور دوسرے افریقہ کے غریب ممالک۔ برطانیہ، امریکا اور فرانس یا یورپ کے دوسرے مالدار ملکوں میں لوگ بھوک سے کیوں نہیں مرتے؟ قحط آسمانی بلا ہے مگر اس میں بھی غرباء کی جانیں جاتی ہیں، مالدار لوگ کسی نہ کسی صورت سے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں۔ ان مشاہدات سے معلوم ہوا کہ یہ آیت اسبابِ معیشت سے مشروط ہے کہ جس نے اپنے حصولِ رزق کے مروّجہ زمانہ اسباب اختیار کئے، اللہ اس کو رزق ضرور بھیجے گا۔

جواب:...آپ کی رائے صحیح ہے، رزق کے اسبابِ عادیہ کا اختیار کرنا بہرحال ضروری ہے، اِلَّا یہ کہ اعلیٰ درجہ کا توکل نصیب ہو۔ پرندے اور چرندے اسبابِ رزق اختیار کرتے ہیں، تاہم ان کو اختیارِ اسباب کے ساتھ فطری توکل بھی نصیب ہے۔

شریعت نے اسباب کو مہمل نہیں چھوڑا

سوال:... "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ" اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: "آپ کی رائے صحیح ہے۔" کیا سلف نے بھی اس رائے کے بارے میں کچھ کہا ہے، کیونکہ میں نے پڑھا ہے کہ جس نے قرآن پاک کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا، اس نے...... اس لئے جب کسی بزرگ سے اس رائے کی تصدیق ہو جائے گی تو پھر یہ اپنی رائے نہ رہے گی اور اس وعید کے دائرے سے باہر ہو جائیں گے۔

جواب:...صحیح بایں معنی ہے کہ شریعت نے اسباب کو مہمل نہیں چھوڑا ہے، اگرچہ اسباب، اسباب ہیں، ارباب نہیں۔ رزق تو سب کا اللہ نے اپنے ذمہ رکھا ہے، لیکن ہماری نظر چونکہ اسباب سے بالاتر نہیں جاتی، اس لئے ہمیں رزق بذریعہ اسباب طلب کرنے

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو، وبوادر النوادر ص:۲۶۷، ۲۶۸۔

کا حکم فرمایا ہے، اور رزق کو بظاہر مشروط بہ اسباب رکھا ہے، ورنہ اس کی مشیت کے بغیر نہ اسباب، اسباب ہیں اور نہ روزی کا حصول اسباب کا مرہونِ منّت ہے۔[۱]

کیا آخرت میں دُنیا کی باتیں بھول جائیں گی؟

سوال:... ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی چار دفعہ حالت بدلے گی۔ ۱:... دنیا میں آنے سے پہلے عالمِ اَرواح میں اللہ سے وعدہ۔ ۲:... عالمِ دُنیا میں قیام۔ ۳:... عالمِ قبر۔ ۴:... عالمِ آخرت جنت یا دوزخ۔ مولوی صاحب ہم کو عالمِ ارواح میں اپنی رُوح کی موجودگی کا علم اب ہوا ہے، اور جو رُوحوں نے اللہ سے بندگی کا وعدہ کیا، اس میں ہماری رُوح بھی شامل تھی، لیکن ہم کو تو پتا نہ چلا، ہمیں تو اس دُنیا میں بتایا گیا کہ تم نے اللہ سے وعدہ کیا تھا تو جس طرح عالمِ اَرواح کا ہمیں احساس نہیں ہوا تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جزا و سزا، قبر و آخرت کا ہمیں اسی طرح پتا نہ چلے، جس طرح عالمِ اَرواح میں ہمیں کچھ پتا نہ چلا؟

جواب:... عالمِ اَرواح کی بات تو آپ کو بھول گئی، لیکن دُنیا کی زندگی میں جو کچھ کیا وہ نہیں بھولے گا۔[۲]

کیا بغیر مشاہدے کے یقین معتبر نہیں؟

سوال:... "وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ... الٰى... مُوْقِنِيْنَ۔" اس سے معلوم ہوا کہ بغیر مشاہدے کے یقین معتبر نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، ان پر صحیفے بھی نازل ہوئے... صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى... اور بہت سے عجائباتِ قدرت انہوں نے دیکھے، ہر وقت ان کا اللہ تعالیٰ سے قلبی رابطہ تھا، ان کو ملکوت السمٰوات والارض کی سیر بھی کرائی گئی، اس کے باوجود ان کا قلب مطمئن نہیں ہوتا اور "كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى" کا سوال کرتے ہیں، تو پھر ایک عام سالک جو اللہ کے راستے پر چل رہا ہے اور اپنی لذات کی قربانی دے کر اپنی جان کھپا رہا ہے اور عالمِ قدس سے بشکل صوت و صورت اس پر کوئی فیضان نہیں ہو رہا پھر بھی اس کی طاعت میں کوئی کمی نہیں آتی، ایسی صورت میں وہ زیادہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کو ملکوت سے کچھ مشاہدہ کرا دیا جائے، تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو اور استقامت نصیب ہو۔ انبیاء تو ویسے بھی ہر وقت ملکوت کی سیر کرتے رہتے ہیں۔

جواب:... یقین کے درجات مختلف ہیں: یقین کا ایک درجہ عین الیقین کا ہے جو آنکھ سے دیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور ایک حق الیقین کا ہے جو تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح عامہ مؤمنین، اَبرار و صدیقین، انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ ایمان کا درجہ تو عامہ مؤمنین کو بھی حاصل ہے اور اَبرار و صدیقین کو ان کے درجات کے مطابق یقین کی دولت سے نوازا جاتا ہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے مراتب کے مطابق ان کو درجاتِ یقین عطا کئے جاتے ہیں، پس حضرت ابراہیم

---

(۱) وما من حیوان یدب علی الأرض إلّا علی الله تعالیٰ غذاؤه ومعاشه .... لما وعده سبحانه وهو جل شأنه لَا یخل بما وعد .... وحمل العباد علی التوکل فیه ولَا یمنع المتوکل مباشرة الأسباب مع العلم بأنه سبحانه المسبب لها۔ (رُوح المعانی ج:۱۲ ص:۲)۔

(۲) "یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی"۔ (النازعات:۳۵)۔ أی: إذا رأی أعماله مدوّنة فی کتابه یتذکرها وکان قد نسیها۔ (تفسیر نسفی ج:۳ ص:۵۹۹)۔

علیہ السلام کے سوال ”کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی“ میں اس درجہ یقین اور اطمینان، جو بلا رُویت ہو، سوال سے پہلے بھی حاصل تھا۔ سالکین اور اولیاء اللہ کو بھی مشاہدات کی دولت سے نوازا جاتا ہے اور بغیر مشاہدات کے بھی ان کو یقین و اطمینان ”ایمان بالغیب“ کے طور پر حاصل ہوتا ہے، لیکن ان کے ایمان اور اطمینان کو انبیائے کرام علیہم السلام کے ایمان و اطمینان سے کوئی نسبت نہیں اور وہ ان کے اطمینان اور یقین کا تحمل بھی نہیں کر سکتے، ورنہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ (۱)

عقیدہ صحیح ہو اور عمل نہ ہو

سوال:… عید الفطر کے دن نماز عید کے موقع پر مقامی مولوی صاحب نے کچھ الفاظ کہے کہ کسی کے علم کو مت دیکھو، اس کے عمل کو مت دیکھو، عقیدہ درست ہونا چاہئے۔ عقیدہ درست ہے تو عمل کے بغیر بھی جنت میں جائے گا۔ تو کیا ان کا کہنا درست ہے کہ عقیدہ درست ہونا چاہئے، علم پر عمل کی کوئی ضرورت نہیں؟

جواب:… مولوی صاحب کی یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر عقیدہ صحیح ہو اور عمل میں کوتاہی ہو تو کسی نہ کسی وقت نجات ہو جائے گی، (۲) اور اگر عقیدہ خراب ہو اور اس میں کفر و شرک کی ملاوٹ ہو تو بخشش نہیں ہوگی، (۳) لیکن علم اور عمل کو غیر ضروری کہنا خود عقیدے کی خرابی ہے اور یہ قطعاً غلط ہے، اس سے مولوی صاحب کو توبہ کرنی چاہئے۔ (۴)

کشف و اِلہام اور بشارت کیا ہے؟

سوال:… کشف، اِلہام اور بشارت میں کیا فرق ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو کشف، اِلہام یا بشارت ہونا ممکن ہے؟ قرآن و احادیث کے حوالے سے واضح کیجئے گا۔

جواب:… کشف کے معنی ہیں: کسی بات یا واقعہ کا کھل جانا۔ (۵) اِلہام کے معنی ہیں: دِل میں کسی بات کا اِلقا ہو جانا۔ (۶) اور

---

(۱) وعلم الیقین بما اعطاہ الدلیل من ادراک الشیٔ علٰی ما ھو علیہ، وعین الیقین بما اعطاہ المشاھدۃ والکشف وجعل وراء ذٰلک حق الیقین۔ (روح المعانی ج:۲۹/۳۰ ص:۲۲۵)۔

(۲) وأما من کانت لہ معصیۃ کبیرۃ ومات من غیر توبۃ فھو فی مشیۃ اللہ تعالٰی فإن شاء عفا عنہ وأدخلہ الجنۃ أوّلًا وجعلہ کالقسم الأوّل وإن شاء عذبہ بالقدر الذی یرید سبحانہ ثم یدخلہ الجنۃ فلا یخلد فی النار من مات أحد علی التوحید ولو عمل من المعاصی ما عمل۔ (شرح نووی علٰی مسلم ج:۱ ص:۴۱ طبع قدیمی کتب خانہ)۔

(۳) قال تعالٰی: اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَمَاۡوٰہُ النَّارُ“ (المائدۃ:۷۲)۔ ”اِنَّ اللہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ“ (النساء:۱۱۶)۔

(۴) ”باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ وھو لَا یشعر“ ھٰذا الباب معقود للرد علی المرجئۃ خاصۃ .... لأنھم أخروا الأعمال عن الْإیمان .... وقالوا لَا یضر مع الْإیمان ذنب أصلًا .... وقد ذم اللہ من أمر بالمعروف ونھٰی عن المنکر وقصر فی العمل فقال: کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ، فخشی أن یکون مکذبا أی مشابھًا للمکذبین۔ (فتح الباری، کتاب الْإیمان ج:۱ ص:۱۱۰)۔

(۵) الکشف فی اللغۃ: رفع الحجاب۔ (قواعد الفقہ ص:۴۴۳)۔

(۶) الْإلھام: ما یلقی فی الروح بطریق الفیض۔ (قواعد الفقہ ص:۱۸۹)۔

بشارت کے معنی: خوشخبری کے ہیں،[۱] جیسے کوئی اچھا خواب دیکھنا۔

۲:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کشف و الہام اور بشارت ممکن ہے، مگر وہ شرعاً حجت نہیں، اور نہ اس کے قطعی و یقینی ہونے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے، نہ کسی کو اس کے ماننے کی دعوت دی جاسکتی ہے۔[۲]

کشف یا اِلہام ہوسکتا ہے، لیکن وہ حجت نہیں

سوال:... اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھے کشف کے ذریعہ خدا نے حکم دیا ہے کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ اور فلاں بات کہو، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب:... غیرنبی کو کشف یا الہام ہوسکتا ہے، مگر وہ حجت نہیں، نہ اس کے ذریعہ کوئی حکم ثابت ہوسکتا ہے، بلکہ اس کو شریعت کی کسوٹی پر جانچ کر دیکھا جائے گا، اگر صحیح ہو تو قبول کیا جائے گا، ورنہ ردّ کردیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ وہ سنتِ نبوی کا متبع اور شریعت کا پابند ہو۔ اگر کوئی شخص سنتِ نبوی کے خلاف چلتا ہو تو اس کا کشف و الہام کا دعویٰ شیطانی مکر ہے۔[۳]

کشف کی حقیقت، غیرنبی کا کشف شرعی حجت نہیں

سوال:... کشف کسے کہتے ہیں؟ اگر ایک شخص کشف بتائے اور کرامات دِکھائے تو کیا ہم اس پر یقین کرلیں؟ اور یہ جو جادُو کرتے ہیں، یہ لوگ کس طرح یہ حرام کرتے ہیں؟ وضاحت فرمائیے۔ اس کے علاوہ غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں اور اکثر صحیح بھی ہوجاتی ہیں۔ اولیاء اللہ کو تو خدا کی طرف سے ہی ان باتوں کا اِلہام ہوتا ہے، کیا انہیں بھی نعوذ باللہ! خدا بتاتا ہے؟ وضاحت کردیجئے۔ لوگ اولیاؤں کے مزاروں پر جاکر ان سے مدد طلب کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ: ''وہ زندہ ہیں، اس لئے حاجت طلب کرتے ہیں'' اور اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ: ''حدیثوں سے ثابت ہے کہ اولیاء اللہ قبروں میں زندہ ہیں اور ہماری حاجت سنتے ہیں اور پوری کرتے ہیں'' اور کئی بار ان کے کام پورے بھی ہوجاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا عقیدہ مضبوط ہوجاتا ہے، کیا ایسے فعل کرنا شرک ہے؟ وضاحت مفصل طریقے سے کیجئے۔

---

(۱) البشارة: بالكسر، الخبر يؤثر فى البشرة تغيرًا .... الخ۔ (قواعد الفقه ص:۲۰۷)۔

(۲) فالْإلهام ليس بحجة عند الجمهور الّا عند المتصوفة بخلاف الْإلهام الصادر من الرسول عليه الصلٰوة والسلام فانه حجة عند الكل۔ (رمضان آفندى، شرح شرح عقائد ص:۶۵، ۶۶)۔ أيضًا حاشية شرح عقائد ص:۲۲ حاشيه نمبر:۴۔ ومجال خطا در كشف بيسار است فلا اعتداد به مع كونه مخالفًا لِاجماع المسلمين۔ مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم مکتوب:۲۶۶، غایت مافی الباب.... چہ الہام وکشف بر غیر حجت نیست مکتوبات دفتر اوّل حصہ اوّل مکتوب:۳۱۔ اعلم! ان الْإلهام: هو الْإلقاء فى القلب من علم يدعو الى العمل به من غير استدلَال بآية ولَا نظر فى حجة وهو ليس بحجة ولَا يجوز العمل به عند الجمهور، لأن ما يقع فى قلبه قد يكون من الله تعالٰى وقد يكون من الشيطان لقوله تعالٰى: ''وان الشيٰطين ليوحون الٰى اوليائهم'' وقد يكون من النفس .... فما يكون من الله تعالٰى يكون حجة، وما يكون من الشيطان او النفس لَا يكون حجة، فلا يكون الْإلهام حجة مع الْإحتمال ولَا يمكن التمييز بين هٰذه الأنواع اِلّا بعد النظر والْإستدلَال باُصول الدِّين۔'' (تيسير الاُصول الٰى علم الاُصول ص:۲۳۶ بحث فى الْإحتجاج بالْإلهام)۔

(۳) أيضًا۔

جواب:... بعض اوقات آدمی پر کسی چیز کی حقیقت کھول دی جاتی ہے اور پردے اُٹھادیئے جاتے ہیں، اس کو ''کشف'' کہتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا کشف و اِلہام تو یقینی ہے، دُوسروں کا یقینی نہیں۔ اس لئے غیرنبی کا کشف و اِلہام شرعی حجت نہیں۔[۱] اپنے کشف وکرامت کی ڈینگیں مارنا دُکان دارقسم کے لوگوں کا کام ہے، ایسے لوگوں کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔

جادُو کس طرح کرتے ہیں؟ یہ تو مجھے معلوم نہیں! مگر یہ حرام ہے۔[۲]

کسی کا غیب کی خبریں بتانا اور اس پر یقین کرنا گناہ ہے، ان کو شیاطین بتاتے ہیں، ان میں سے اَٹکل پچو باتیں بعض اوقات پوری بھی ہوجاتی ہیں۔[۳]

جس طرح اولیاء اللہ کو رحمٰن کی طرف سے اِلہام ہوتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کو شیطان کی طرف سے اِلہام ہوتا ہے۔[۴] اولیاء اللہ کو مدد کے لئے پکارنا شرک ہے،[۵] اگر وہ قبروں میں زندہ ہیں تو ان کی زندگی ہمارے جہان کی نہیں۔[۶]

کراماتِ اولیاء برحق ہیں

سوال:... اسی طرح ایک اور قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے، وہ فرماتے ہیں کہ: جب میرے والد کا انتقال ہوا، ان کو نہلانے کے لئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے، نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے، کسی کی ہمت ان کو نہلانے کی نہ پڑتی تھی، ایک اور بزرگ ان کے رفیق آئے انہوں نے غسل دیا۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط؟ جو بزرگ اپنے مریدوں کو ایسی باتیں بتاتا ہے، اس کے بارے میں آپ کا خیال کیا ہے؟ برائے مہربانی! مجھے راہنمائی کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کے ہاتھ چڑھ کر ہم اپنا ایمان خراب کرلیں، کیونکہ ہمارے دیوبند عقیدے میں تو یہ چیزیں آج تک نہیں سنیں، اس لئے مجھے یہ نئی معلوم ہوتی ہیں، کہلاتے تو یہ لوگ بھی اہلسنّت

---

(۱) والإُلهام .... ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق۔ (شرح عقائد ص:۲۲ طبع خير كثير)۔ فصل فى الوحى وهو ظاهر وباطن، أما الظاهر فثلاثة .... والثالث: ما تبدى لقلبه بلا شبهة بإلهام الله تعالٰى بأن أراه الله تعالٰى بنوره من عنده كما قال الله تعالٰى: لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ، وكل ذٰلک حجة مطلقًا بخلاف الإُلهام للأولياء فإنه لَا يكون حجة علٰى غيره۔ (التوضيح والتلويح ج:۲ ص:۴۹۱ طبع مير محمد كتب خانه)۔ ومجال خطا در کشف بسیار است فلا اعتداد بہ مع کونہ مخالفا لاجماع المسلمین۔ (مکتوبات دفتر اوّل، حصہ چہارم، مکتوب:۲۶۶)۔

(۲) والسحر هو علم يستفاد منه حصول ملكة نفسانية يقتدر بها علٰى أفعال غريبة لأسباب خفية، اهـ۔ وفى حاشية الإُيضاح لبيرى زاده: قال الشمنى: تعلّمه وتعليمه حرام۔ (شامى ج:۱ ص:۴۴، مقدمة، مطلب فى التنجيم والرمل)۔

(۳) ”من أتٰى عرّافًا أو كاهنًا أو ساحرًا فسأله فصدق بما يقول فقد كفر بما أُنزل علٰى محمد صلى الله عليه وسلم ...... الكاهن هو الذى يخبر عن بعض المضمرات فيصيب بعضها ويخطئ أكثرها، ويزعم أن الجِنَّ تخبره بذٰلک ... الخ۔“ (الزواجر عن اقتراف الكبائر ج:۲ ص:۱۰۹ طبع بيروت)۔

(۴) ”وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآئِهِمْ“ (الأنعام:۱۲۱)۔

(۵) ومثل هٰذا كثير فى القرآن ينهٰى ان يدعى غير الله لَا من الملائكة ولَا الأنبياء ولَا غيرهم فان هٰذا شرک أو ذريعة الشرک ...الخ۔“ (التوسل والوسيله لِابن تيميہؒ ص:۳۳)۔

(۶) وعلم ان أهل الحق اتفقوا علٰى ان الله تعالٰى يخلق فى الميّت نوع حيٰوة فى القبر قدر ما يتألم أو يتلذّذ۔ (شرح فقه اكبر ص:۱۲۲، أيضًا: المهند ص:۱۳، ۱۴، وتسكين الصدور ص:۲۵۸)۔

والجماعت ہیں، لیکن عقیدے بہت زیادہ ہمارے عقیدے کے خلاف ہیں۔

جواب:... بطورِ کرامت یہ واقعہ بھی صحیح ہوسکتا ہے، دیوبندی اہلِ سنت ہیں، اور اہلِ سنت کا عقیدہ تمام عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ''اولیاء کی کرامات برحق ہیں'' [۱] اس لئے ایسے واقعات کا انکار اہلِ سنت اور دیوبندی مسلک کے خلاف ہے، اور ان واقعات میں عقیدہ کی خرابی کی کوئی بات نہیں، ورنہ اہلِ سنت کراماتِ اولیاء کے برحق ہونے کے قائل نہ ہوتے۔

(۱) والکرامات للأولیاء حق، ای ثابت بالکتاب والسنة۔ (شرح فقه الأکبر ص:۹۵)

تقدیر

تقدیر کیا ہے؟

سوال:... میرے ذہن میں تقدیر یا قسمت کے متعلق بات اس وقت آئی جب ہمارے نویں یا دسویں کے استاد نے کلاس میں یہ ذکر چھیڑا، انہوں نے کہا کہ ہر اِنسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے۔ اگر خدا ہماری تقدیر بناتا تو پھر جنت و دوزخ چہ معنی دارد؟ مطلب یہ کہ ہم جو برے کام کرتے ہیں، اگر وہ خدا نے ہماری قسمت میں لکھ دیئے ہیں تو ہمارا ان سے بچنا محال ہے، پھر دوزخ اور جنت کا معاملہ کیوں اور کیسے؟ میرے خیال میں تو اِنسان خود اپنی تقدیر بناتا ہے۔

میں نے اپنے ایک قریبی دوست سے اس سلسلے میں بات کی تو اس نے بتایا کہ: خدا نے بعض اہم فیصلے انسان کی قسمت میں لکھ دیئے ہیں، باقی چھوٹے چھوٹے فیصلے انسان خود کرتا ہے، اہم فیصلوں سے مراد بندہ بڑا ہوکر کیا کرے گا؟ کہاں کہاں پانی پیئے گا وغیرہ، لیکن انسان اپنی صلاحیت اور قوتِ فیصلہ کی بنیاد پر ان فیصلوں کو تبدیل بھی کرسکتا ہے۔

آپ نے کچھ احادیث وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں، آپ نے اس کے ساتھ کوئی وضاحت نہیں دی، صرف یہ کہہ دینا کہ: ''قسمت کے متعلق بات نہ کریں۔'' میری رائے میں تو کوئی بھی اس بات سے مطمئن نہیں ہوگا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات کہی ہے تو انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ: ''سابقہ قومیں اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ وہ تقدیر کے مسئلے پر اُلجھے تھے۔'' اب ذرا آپ اس بات کی وضاحت کردیں تو شاید دِل کی تشفی ہوجائے۔

جواب:... جانِ برادر۔ السلام علیکم! اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی، اچھی بُری چیز صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ، قدرت، مشیت اور علم سے وجود میں آئی ہے،[۱] بس میں اتنی بات جانتا ہوں کہ ایمان بالقدر کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا،[۲] اس کے آگے یہ کیوں، وہ کیوں؟ اس سے میں معذور ہوں۔

تقدیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے،[۳] اس کو انسانی عقل کے ترازو سے تولنا ایسا ہے کہ کوئی عقل مند سونا تولنے کے کانٹے سے ''ہمالیہ'' کا

---

(۱) ولَا یکون فی الدنیا ولَا فی الآخرة شیء أی: موجود حادث فی الأحوال جمیعها الَّا بمشیته ای مقرونًا بارادته وعلمه وقضائه، أی: حکمه وامره وقدره، ای: بتقدیره ...الخ۔ (شرح فقه اکبر ص:۴۹)۔

(۲) عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا یؤمن عبد حتّٰی یؤمن بأربع ..... ویؤمن بالقدر۔ (مشکوٰة ص:۲۲، باب الإیمان بالقدر، طبع قدیمی کتب خانه)۔

(۳) والقدرة وهی صفة ازلیة تؤثر فی المقدورات عند تعلقها بها۔ (شرح عقائد ص:۱۱۳ طبع ایچ ایم سعید)۔

وزن کرنا شروع کردے، عمریں گزر جائیں گی، مگر یہ مدعا عنقا رہے گا۔

ہمیں کرنے کے کام کرنے چاہئیں، تقدیر کا معمانہ کسی سے حل ہوا، نہ ہوگا، بس سیدھا سا ایمان رکھئے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور ہر چیز اس کی تخلیق سے وجود میں آئی ہے، انسان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار و ارادہ عطا کیا ہے مگر یہ اختیار مطلق نہیں[۱]۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے کسی نے دریافت کیا کہ انسان مختار ہے یا مجبور؟ فرمایا: ایک پاؤں اُٹھاؤ! اس نے اُٹھالیا، فرمایا: دُوسرا بھی اُٹھاؤ! بولا: حضور! جب تک پہلا قدم زمین پر نہ رکھوں دُوسرا نہیں اُٹھاسکتا۔ فرمایا: بس انسان اتنا مختار ہے، اور اتنا مجبور![۲] بہرحال میں اس مسئلے میں زیادہ قیل و قال سے معذور ہوں اور اس کو بربادیٔ ایمان کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

کیا تقدیر کا تعلق صرف چار چیزوں سے ہے؟

سوال:... میں عرصہ دراز سے امریکا میں مقیم ہوں، بعض اوقات عیسائی دوستوں یا غیرمسلموں سے مذہبی نوعیت کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ دِینِ اسلام میں جن چیزوں کا ماننا ضروری ہے، ان میں ''تقدیر'' پر ایمان لانا بھی ازحد ضروری ہے۔ لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہمیں یہ ہی نہیں معلوم ہے کہ تقدیر کیا ہے؟ میں دِل سے مانتی ہوں کہ تقدیر کا مکمل طور پر نہ معلوم ہونا بھی ہمارے لئے بہتر ہے۔ لیکن چند موٹی موٹی باتیں تو معلوم ہوں، ہمیں تو یہ کچھ معلوم ہے کہ تقدیر معلق ہوتی ہے اور تقدیر مبرم ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص میرے ہاتھ پر مسلمان ہونا چاہے اور میں اسے کہوں کہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے تو وہ لازماً پوچھے گا کہ: آخر تقدیر کیا ہے؟ اور اس میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں؟ میرا خیال ہے کہ کم از کم موٹی موٹی باتیں ضرور معلوم ہونی چاہئیں۔ جیسے میں نے کچھ تحقیق کی تو مجھے معلوم ہوا کہ کم از کم یہ چیزیں ہماری تقدیر میں روزِ اوّل سے لکھی ہیں۔ ان میں پیدائش، یعنی جس ماں کے بطن سے پیدا ہونا ہے، جب ہونا ہے، یہ لکھا ہے۔ ''موت''، جس شخص کی جب، جہاں اور جس طرح موت واقع ہونی ہے، اس کا ایک وقت معین ہے۔ ''رزق''، جس کے بارے میں قرآنِ کریم میں ہے کہ یہ اللہ ہی ہے جو بڑھاتا ہے اور گھٹاتا ہے، یا کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو نپا تلا دیتا ہے، چنانچہ آدمی ذاتی سعی کرے یا اور کچھ، رزق ایک مقدار میں مقرّر ہے۔ چونکہ دورانِ سفر بھی انسان رزق پاتا ہے، سو یوں دِکھائی دیتا ہے کہ سفر میں ہمارے مقدّر کا حصہ ہے، لیکن بعض چیزیں مبہم ہیں۔ شادی، انسان کے دُکھ سکھ، شہرت، بیماریاں، غرض اور بہت سی چیزوں کے بارے میں، میں تحقیق نہ تو کرسکی۔ اور نہ کرنا چاہتی ہوں، مگر علمائے کرام سے گزارش ہے کہ چار چھ موٹی موٹی باتیں تو بتائیں کہ یہ چیزیں تقدیر کا حصہ ہیں۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟ بڑی ممنون رہوں گی۔ شادی کے متعلق پہلے سے لکھا ہوا ہے کہ فلاں لڑکے لڑکی کی آپس میں ہوگی، یا کچھ یوں ہے کہ کوشش کرکے کسی سے بھی کی جاسکتی ہے؟ میں نے اس طرح کی ایک حدیث پڑھی ہے کہ ایک صحابی نے کسی بیوہ سے شادی کی تو ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تم نے کسی کنواری سے شادی کیوں نہ کی کہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے'' اس حدیث سے اندازہ ہوا کہ گویا یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ آدمی کوشش کرے تو کسی سے بھی کرسکتا ہے، مگر شاید بعض

---

(۱) ومجمل الأمر أن القدر: وهو ما يقع من العبد المقدر فى الأزل من خيره وشره .... كائن عنه سبحانه وتعالىٰ بخلقه وارادته ماشاء كان وما لَا فلا۔ (شرح فقه اكبر ص: ۴۹)۔

(۲) علم الکلام ص:۸۰ از حضرت مولانا محمد اِدریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، طبع مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد لاہور۔

دُوسری احادیث بھی ہوں۔

جواب:… تقدیر کا تعلق صرف انہی چار چیزوں سے نہیں جو آپ نے ذکر کی ہیں۔ بلکہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی اور اچھی بُری چیز تقدیرِ اِلٰہی کے تابع ہے،[۱] چونکہ انسان کو یہ علم نہیں کہ فلاں چیز کے بارے میں علمِ اِلٰہی میں کیا مقدّر ہے؟ اس لئے اس کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار اور اپنے علم و فہم کے مطابق بہتر سے بہتر چیز کے حصول کی محنت و سعی کرے۔ مثلاً: رزق کو لیجئے! رزق مقدّر ہے اور مقدّر سے زیادہ ایک دانہ بھی کسی کو نہیں مل سکتا۔ مگر چونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ اس کے حق میں کتنا رزق مقرّر ہے؟ اس لئے وہ رزق حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ سعی و محنت کرتا ہے، لیکن ملتا اتنا ہی ہے جتنا مقدّر میں لکھا ہے۔ ٹھیک یہی صورت شادی کے مسئلے پر بھی پائی جاتی ہے۔ والدین اپنی اولاد کے لئے بہتر سے بہتر رشتے کے خواہش مند ہوتے ہیں، اور اپنے علم و اختیار کی حد تک اچھے سے اچھا رشتہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہوتا وہی ہے جو مقدّر میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو جو فرمایا تھا کہ: ''تم نے کنواری سے شادی کیوں نہ کی؟'' اس کا یہی مطلب ہے کہ تمہیں کنواری کا رشتہ ڈھونڈنا چاہئے تھا۔[۲]

قسمت سے کیا مراد ہے؟

سوال:… قرآن و سنت کی روشنی میں قسمت کیا ہے؟ کیا انسان کی محنت اور کوشش سے قسمت کے فیصلے بدلے جاسکتے ہیں؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ متعین کرتا ہے؟ کیا قسمت کو کسی وظیفے یا دُعا سے بدلا جاسکتا ہے؟ یا زندگی کو سنوارا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:… قسمت اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے، اور جو کچھ جس کی قسمت میں لکھ دیا ہے، وہ اس کو ملے گا۔ جو قسمت میں لکھا ہو، وہ آدمی کے سامنے پیش آجاتا ہے، لیکن آدمی کو بھی اپنی غلطی کا اقرار کرنا چاہئے۔[۳]

مسئلۂ تقدیر کی مزید وضاحت

سوال:… آپ نے اپنے جنگ کے کالم میں ایک خاتون کے سوال ''تقدیرِ اِلٰہی کیا ہے؟'' کا جواب تحریر فرمایا۔ آپ کے جواب نے ذہن میں پڑی ہوئی گرہ کو پھر سے اُجاگر کردیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ہر چیز تقدیرِ اِلٰہی کے تابع ہے، انسان کی زندگی سے متعلق تمام باتیں پہلے سے لکھ دی جاتی ہیں۔

کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے تابع ہے، یہ بات بالکل عیاں ہے، ذہن میں مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آپ نے یہ تحریر فرمایا کہ انسان کی زندگی کے تمام معاملات پہلے سے معین و مقرّر کردیئے گئے ہیں، مثلاً: رزق، شادی وغیرہ کے معاملات۔

---

(۱) ولَا یکون فی الدنیا ولَا فی الآخرة شیء أی موجود حادث فی الأحوال جمیعها اِلّا بمشیته أی مقرونًا بارادته وعلمه وقضائه أی حکمه وأمره وقدره أی بتقدیره. (شرح فقه اکبر ص:۴۹). أیضًا الإیمان بالقدر فرض لَازم، وهو ان یعتقد ان الله تعالٰی خالق أعمال العباد خیرها وشرها، وکتبها فی اللوح المحفوظ قبل ان خلقهم والکل بقضائه وقدره وارادته ومشیته …الخ. (مرقاة شرح مشکوٰة ج:۱ ص:۱۲۲، باب الإیمان بالقدر، طبع بمبئی).

(۲) عن جابر …… قال: أبکر أم ثیب؟ قلت: بل ثیب! قال: فهلا بکر …الخ. (مشکوٰة ص:۲۶۷، کتاب النکاح، طبع قدیمی).

(۳) "وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا" (اَحزاب:۳۸). أی وکان أمره الذی یقدره کائنًا لَا محالة وواقعًا لَا محید عنه ولَا معدل فما شاء کان، ومالم یشاء لم یکن. (تفسیر ابن کثیر ج:۵ ص:۱۸۴).

پھر انسان کی زندگی میں کرنے کے لئے رہ ہی کیا جاتا ہے! یہ ضرور ہے کہ انسان کے ہزاروں سال کے مشاہدے میں یہ ضرور آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ معاملات پہلے سے طے فرمادیتے ہیں، مثلاً: زندگی و موت، شادی جیسے معاملات (حقیقت تو یہ ہے کہ کچھ تعجب نہیں جو پروردگارِ عالم جوشِ رحمت میں ان معاملات میں بھی ردّ و بدل فرمادیتے ہوں) لیکن اگر تمام معاملات میں یہی صورتِ حال ہے تو انسان خفیف ترین کوشش بھی آخر کس لئے کرے؟

آپ نے زندگی کے تمام معاملات کے لئے جو جواب تحریر فرمایا ہے بلکہ آپ نے فیصلہ کن انداز میں تحریر فرمایا ہے، اس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ انسان کی ساری کوششیں لاحاصل ہیں، اس کی تمام کوششوں کا نتیجہ وہی نکلنا ہے جو اس کی کوشش شروع کرنے سے پہلے لکھا جاچکا ہے، پھر وہ کسی بھی کام کے لئے سعی و کوشش کیوں کرے؟ جبکہ اسے معلوم ہے کہ اس کی ہر ہر سعی کا نتیجہ محض صفر کی شکل میں آنا ہے، نہیں! مولانا صاحب نہیں...! پروردگار اتنے کٹھور نہیں ہوسکتے، یہ محض شاعری نہیں:

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں!

میں آپ کی توجہ ارشادِ باری تعالیٰ کے ان الفاظ کی طرف بھی مبذول کرانا چاہوں گی، جس کا ترجمہ ہے کہ:

"ہر شخص کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی۔"

اب محترم یوسف صاحب! یہ دلیل نہ دیجئے گا کہ انسان کی کوشش کا فیصلہ بھی پہلے کیا جاچکا ہے، یعنی یہ کہ وہ کوشش کتنی کرے گا، یہ دلیل بحث برائے بحث ہوگی، کیونکہ اس کا مطلب وہی ہوجائے گا کہ ہر بات کا فیصلہ پہلے سے کیا جاچکا ہے، جبکہ مندرجہ بالا آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں نکالا جاسکتا۔

خدشہ ہے کہ لاکھوں افراد جو یہ کالم پڑھتے ہیں، آپ کے جواب سے زندگی کی ساری دلچسپیاں کھوچکے ہوں گے یا فکر میں مبتلا ہوچکے ہوں گے۔

دُعا کا فلسفہ:

آپ کے جواب سے مذہبِ اسلام میں دُعا کا جو فلسفہ اور تصوّر ہے، اور جو اِسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، کی نفی ہوتی ہے، جب آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کی زندگی کے سارے معاملات پہلے فیصل اور طے کردیتے ہیں، انسان کچھ بھی کرے، ہونا وہی ہے جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے، اب اللہ کا کوئی بندہ اپنی کسی مشکل یا مصیبت سے نجات کے لئے پروردگارِ عالم سے اِلتجا اور دُعا کرتا ہے تو آپ کے جواب کے موجب وہ گویا دیوار سے سر پھوڑتا ہے، کیونکہ اس کی زندگی میں ہونا تو وہی ہے جو پہلے سے اس کی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے، پھر بھلا دُعا کے لئے کیا جگہ باقی رہ جاتی ہے، پھر اس کا مطلب کیا ہے؟:

"اللہ تعالیٰ دُعا سننے والے ہیں!"

اور خالقِ کائنات کے یہ پُرشفقت الفاظ کہ: "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو" کیا معنی رکھتے ہیں؟

یہ بھی یاد رکھئے Rigidity اور رحمت یکجا نہیں ہوسکتے، آپ نے اپنے جواب میں جو کچھ فرمایا ہے، اس کے مطابق تو اِنسان کو ہمدردی سے پُر ان الفاظ کے برخلاف بالکل مایوس ہوجانا چاہئے، کیونکہ بقول آپ کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی دُعائیں، اس کی

اِلتجائیں اور اس کی ساری زندگی کی کوششیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

تیسری بات جو آپ کے جواب کی تردید کرتی ہے وہ اقوامِ عالم کی تاریخ ہے، آج امریکا اور پورا یورپ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے، کم از کم مادّی ترقی کے لحاظ سے (ویسے اخلاقی لحاظ سے بھی وہ مسلمانوں سے کہیں بہتر ہیں)، ان کی یہ ترقی صرف اور صرف ان کی اَنتھک محنتوں اور مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اب اگر آپ یہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیر میں پہلے سے ایسا لکھ دیا ہے تو آپ کو وہ تمام باتیں تسلیم کرنا ہوں گی۔ اوّل یہ کہ: اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کی تقدیر میں جن کو ہم کافر اور گمراہ قوم کہتے ہیں، کامیابیاں اور آسائشیں لکھی ہیں اور یہ کہ ان کی کوششوں کا ان کو اَجر دیتے ہیں۔ دوئم یہ کہ: انہوں نے اپنے پیروؤں اور نام لیوا قوموں کی تقدیر میں ناکامیاں اور ذِلت لکھی ہے، اور ان کی کوششوں کو محض ضائع کرنا لکھا ہے، اور یہ کہ آج دُنیا بھر میں جو مسلمان ذِلت اور رُسوائی اُٹھا رہے ہیں اور کیڑوں مکوڑوں کی طرح مر رہے ہیں، تو ان سب تباہ کاریوں میں وہ بالکل بےقصور اور بری الذمہ ہیں، کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ محض تقدیر کا لکھا ہے۔ محترم یوسف صاحب! یہ قوم پہلے ہی اپنی نااہلی اور Corruption میں انتہا کو پہنچ چکی ہے، اب اسے اور بےعملی کا Tranqulizer نہ دیجئے، یہ پہلے ہی خوابِ خرگوش میں بےخود ہے، اسے یہ بتائیے کہ:

ستارہ کیا تری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خاک زبوں
عطا ہو، رومی ہو، رازی کہ غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے بے آہ سحرگاہی!

جواب:... آپ کے تینوں سوالوں کا جواب میری تحریر میں موجود تھا، مگر جناب نے غور نہیں فرمایا، بہرحال آپ کی رعایت کے لئے چند اُمور دوبارہ لکھتا ہوں۔

اوّل:... تقدیر کا عقیدہ قرآن مجید[۱] اور احادیثِ شریفہ میں مذکور ہے،[۲] اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تمام اہلِ حق کا متفق علیہ عقیدہ ہے،[۳] اس لئے اس عقیدے سے انکار کرنا یا اس کا مذاق اُڑانا اپنے دِین و اِیمان کا مذاق اُڑانا ہے۔

---

(۱) قال تعالیٰ: ”اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰـهُ بِقَدَرٍ“ (القمر: ۴۹)۔

(۲) عن علی قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا یؤمن عبد حتّٰی یؤمن بأربع ...... ویؤمن بالقدر۔ (مشکوٰۃ ج:۱ ص:۲۲ باب الْإیمان بالقدر، طبع قدیمی، ترمذی ج:۲ ص:۳۶ ابواب القدر، طبع سعید)۔

(۳) واعلم: أن مذهب أهل الحق اثبات القدر، ومعناه: ان اللہ تبارک وتعالیٰ قدر الأشیاء فی القدم وعلم سبحانه أنها ستقع فی أوقات معلومة عنده سبحانه وتعالیٰ وعلیٰ صفات مخصوصة فهی تقع علیٰ حسب ما قدرها سبحانه وتعالیٰ۔ (شرح مسلم للنووی ج:۱ ص:۲۷ کتاب الْإیمان)۔ قلت: وقد تظاهرت الأدلّة القطعیة من الکتاب والسُّنَّة واجماع الصحابة علیٰ اثبات التقدیر ...الخ۔ (تحریرات الحدیث مولَانا حسین علی ص:۴۹۲، طبع جامعه عربیه احسن العلوم)۔ أیضًا عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل أن یخلق السماوات والأرض بخمسین الف سنة۔“ ومعنی کتب اللہ أجری اللہ القلم علی اللوح المحفوظ بایجاد ما بینهما من التعلق وأثبت فیه مقادیر الخلق ما کان وما هو کائن الی الأبد علیٰ وفق ما تعلقت به ارادته أوّلًا۔ (مرقاة شرح مشکوٰۃ ج:۱ ص:۱۲۲ باب الْإیمان بالقدر)۔

دوم:... آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کو آئندہ ہونے والے تمام واقعات کا علم تھا، اس علم کو اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ پر لکھ دیا، دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسی علم اور اسی نوشتے کے مطابق ہو رہا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ بتائیے کہ اس عقیدے کے کس حصے سے آپ کو اِختلاف ہے؟ کیا آپ کا ایمان نہیں کہ ہر چیز جو وجود میں آنے والی ہے، اللہ تعالیٰ کو اَزل ہی سے اس کا علم تھا؟ اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خدا کو بے علم یا بے علم کو خدا مانتی ہیں؟ اور یہ کفر ہے! اور اگر آپ کہتی ہیں کہ خدا کو علم تو تھا مگر ضروری نہیں جس طرح اس کو علم تھا اسی طرح چیزیں وقوع میں بھی آئیں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا کا علم غلط نکلا۔ مثال کے طور پر میرے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کے حالات، افعال، اقوال، حرکات، سکنات وغیرہ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اللہ تعالیٰ کا - نعوذ باللہ - بے علم ہونا لازم آتا ہے، اور اگر معلوم تھیں تو کیا علمِ اِلٰہی کے خلاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر آپ کہیں کہ اس کے خلاف ہوسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے علم کا غلط ہونا لازم آیا - نعوذ باللہ - اور اگر اس کے خلاف نہیں ہوسکتا تو یہی عقیدۂ تقدیر ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر اِیمان رکھتا ہو، اس کا عقیدۂ تقدیر پر اِیمان لانا لازم ہے، ورنہ اس کا دعوئ اِیمان صرف باطل ہے۔

سوم:... آپ نے یہ دیکھ لیا کہ: ”ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس نے کوشش کی“ لیکن آپ نے یہ کیوں نہیں دیکھا کہ جس قرآن کا حوالہ آپ دے رہی ہیں، اسی قرآن میں یہ بھی تو لکھا ہے:

”اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ .... وَكُلُّ صَغِیْرٍ وَّكَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ۔“ (القمر:۴۹ اور ۵۳)

ترجمہ:... ”ہم نے ہر چیز کو ایک خاص انداز سے پیدا کیا ہے..... اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔“

یہی قدر جس کو قرآن ذکر کر رہا ہے ”تقدیر“ کہلاتی ہے، اور ہر چیز کے پہلے سے لکھے ہوئے ہونے کا قرآن اعلان کر رہا ہے، اب بتائیے کہ یہ تقدیر کا عقیدہ میرا اپنا تراشا ہوا ہے یا قرآنِ کریم ہی نے اس کو بیان فرمایا ہے؟

چہارم:... رہا اِنسان کے مجبور ہونے کا سوال! اس کا جواب میں پہلے ذکر کرچکا ہوں کہ تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ آدمی فلاں کام کو اِختیار و اِرادہ سے کرکے جزا و سزا کا مستحق ہوگا، پس تقدیر سے انسان کے اختیار و اِرادہ کی نفی نہیں ہوتی، اور اِنسان کا اِختیار تقدیر کے مقابل نہیں، بلکہ تقدیر کے ماتحت ہے۔[1] لیکن اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ تقدیر کے ماننے پر تو اِنسان کا بقول آپ کے مجبور ہونا لازم آتا ہے، اور تقدیر کی نفی کی صورت میں اس کا قادرِ مطلق اور خالق ہونا لازم آتا ہے، آپ کے خیال میں انسان کو قادرِ مطلق اور اپنی تقدیر کا خود خالق ماننا کیا اس کو خدائی کے منصب پر بٹھانا نہیں؟

پنجم:... آپ کا یہ سمجھنا کہ اگر تقدیر برحق ہے تو اِنسان کی کوشش لاحاصل ہے، یہ اس لئے غلط ہے کہ انسان کو اِرادہ و اِختیار کی دولت دے کر محنت و سعی کا حکم دیا گیا ہے، اور تقدیر (علمِ اِلٰہی) میں یہ کہلایا گیا کہ فلاں شخص اتنی محنت کرے گا اور اس پر یہ نتیجہ مرتب

---

(۱) وللعباد أفعال اختیاریة، یثابون بها ان کانت طاعة، ویعاقبون علیها ان کانت معصیة، لَا کما زعمت الجبریة .... الخ. (شرح عقائد ص: ۸۱، طبع خیر کثیر)۔

ہوگا۔ جب محنت وکوشش بھی تقدیر پر لکھی ہوتی ہے اور اس پر مرتب ہونے والا نتیجہ بھی نوشتۂ تقدیر ہے تو محنت لاحاصل کیسے ہوئی؟ اور ''نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں'' تو میرے عقیدے کی تفسیر ہے، تقدیر میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں مردِ مؤمن کی نگاہ سے فلاں کام ہوجائے گا، یہ بدلی ہوئی تقدیر بھی اصل تقدیر کے ماتحت ہے، اس سے باہر نہیں...!

ششم:... آپ نے تقدیر کا مسئلہ سمجھا ہی نہیں، اس لئے دُعا کو تقدیر کے خلاف سمجھ لیا، حالانکہ دُعا بھی اسباب میں سے ایک سبب ہے، اور تقدیر میں تمام اسباب بھی تحریر شدہ ہیں، پس تقدیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں بندہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے گا تو اس کا فلاں کام ہوجائے گا۔(۱)

ہفتم:... یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تقدیر کا عقیدہ نہ تو اَسباب کے اختیار کرنے سے روکتا ہے نہ مایوسی پیدا کرتا ہے، بلکہ اس کے برعکس زیادہ سے زیادہ محنت کی دعوت دیتا ہے، اور مایوسیوں کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ عقیدۂ تقدیر سے جاہل ہیں، وہ بسااوقات حالات سے تنگ آکر خودکشی جیسی حماقت کرلیتے ہیں، لیکن آپ نے ایک پکے سچے مؤمن کو، جو اللہ تعالیٰ پر پورا اِیمان اور بھروسہ رکھتا ہو، کبھی خودکشی کرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ عقیدۂ تقدیر پر اِیمان رکھنے والے جتنی دُعائیں اور اِلتجائیں اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں، دُوسرے لوگ نہیں کرتے اور عقیدۂ تقدیر پر ایمان رکھنے والے جتنی محنت کرتے ہیں، وہ دُوسروں کو نصیب نہیں۔ خود میری مثال آپ کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ضعف وکمزوری کے باوجود تین آدمیوں کے برابر کام کرتا ہوں، اس لئے آپ کا نظریہ معروضی طور پر غلط ہے۔

ہشتم:... آپ اَقوامِ مغرب کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی احساسِ کمتری کا شکار ہیں، ان کی مادّی ترقی سے مرعوب ہوکر آپ نے ان کو مسلمانوں کے مقابلے میں اخلاقی برتری کی بھی سند عطا کردی۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ انہیں کون سی اخلاقی برتری حاصل ہے؟ کیا ان ممالک میں زنا اور شراب نوشی کی شرح اسلامی ممالک کی نسبت کم ہے؟ آپ کو یاد ہوگا کہ نیویارک میں چند گھنٹوں کے لئے بجلی کی رو چلی گئی تھی تو وہاں چوری، ڈاکا زنی اور بدمعاشی کا کیسا بازار گرم ہوا تھا؟ کیا ان کی یہی اخلاقی برتری ہے، جس کے قصیدے آپ پڑھ رہی ہیں...؟ اور پھر آپ ان کا مقابلہ آج کے مسلمانوں سے کر رہی ہیں ''جن کو دیکھ کے شرمائیں یہود!'' کیا ان مسلمانوں کی بدعملی عقیدۂ تقدیر کی وجہ سے ہے؟ بلکہ عقیدۂ تقدیر اور دیگر صحیح عقائد کے دِل میں نہ رہنے کی وجہ سے ہے! اور اَقوامِ مغرب کی مادّی ترقی اوّل تو میری نظر میں اس لائق ہی نہیں کہ اس کی طرف اِلتفات کیا جائے، ان قوموں کو جو مادّی ترقی حاصل ہے، کیا ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی حاصل تھی؟ فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے پر غور کیجئے! یہ مادّیت فرعون کے پاس تھی یا موسیٰ علیہ السلام کے پاس؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مقابلے میں نمرود کو دیکھئے! جو مادّی ساز وسامان اور کرّوفرّ نمرود کو حاصل تھا، کیا ابراہیم علیہ السلام کو بھی حاصل تھا؟ ہمارے

---

(۱) واعلم: ان القدر لَا يزاحم سببية الأسباب لمسبباتها، لأنه انما يتعلق بالسلسلة المترتبة جملة مرة واحدة، وهو قوله صلى الله عليه وسلم فى الرقى والدواء والتقاة هل ترد شيئًا من قدر الله؟ قال: هى من قدر الله ...الخ۔ (حجة الله البالغة ج:۱ ص:۶۷، باب إيمان بالقدر، طبع إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر قیصر و کسریٰ کو لیجئے! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ مادّی ساز و سامان حاصل تھا جو قیصر و کسریٰ کو میسر تھا...؟ اگر بقول آپ کے اہلِ مغرب مسلمانوں سے محض مادّی ترقی کی بنا پر فائق ہیں تو ذرا ''اَقوامِ عالم کی تاریخ'' پر نظر ڈال کر دیکھئے! کیا دُنیا کی آسائشیں انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلے میں گمراہ اور بے خدا قوموں کو حاصل نہیں رہیں...؟

جہاں تک محنت و سعی کا تعلق ہے، میں اُوپر بتاچکا ہوں کہ یہ تقدیر کے منافی نہیں، اگر بقول آپ کے کافروں کو کامیابیاں اور آسائشیں حاصل ہیں، تو یہ ان کی محنت کے صلے میں نوشتۂ تقدیر ہے، اور اگر بقول آپ کے مسلمان ذِلت و رُسوائی اُٹھا رہے ہیں تو یہ ان کی بدعملی کے نتیجے میں نوشتۂ تقدیر ہے۔

نہم:... آپ کا یہ خیال سراسر غلط ہے کہ عقیدۂ تقدیر نااہلی، مایوسی اور بے عملی سکھاتا ہے، کوئی مؤمن جو تقدیرِ اِلٰہی پر صحیح عقیدہ رکھتا ہو، وہ کبھی نااہل، مایوس اور بے عمل نہیں ہوسکتا، اس نااہلی و بے عملی کا سبب اپنے دِین سے انحراف ہے، نہ کہ عقیدۂ تقدیر...!

دہم:... آخر میں گزارش کروں گا کہ عقیدۂ تقدیر کا انکار کرکے قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے فرمودات کی نفی نہ کی جائے، عقیدۂ تقدیر برحق ہے! اگر ہم اسے مانیں تب بھی برحق ہے، اور اگر انکار کردیں تب بھی برحق ہے، اس کا صحیح اور برحق ہونا ہمارے ماننے یا نہ ماننے پر موقوف نہیں، اور جب تک اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی نفی نہ کی جائے، عقیدۂ تقدیر کی نفی ممکن نہیں، آپ کو اِختیار ہے کہ عقیدۂ تقدیر پر اِیمان لاکر اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ کو مان لیں، یا عقیدۂ تقدیر کا انکار کرکے اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت سے بھی دستبردار ہوجائیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ نے دِین کے بنیادی عقائد کو باقاعدہ سیکھا نہیں، اس لئے ذہن اُلجھا ہوا ہے، اگر آپ دِین کو سمجھنا چاہتی ہیں تو اپنی ادھوری معلومات پر اکتفا نہ کریں، بلکہ دِین کی کتابوں کو صحیح طور پر پڑھیں، میرا خیال ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''بہشتی زیور'' بھی آپ کی نظر سے نہیں گزری، آپ اس کا مطالعہ کریں اور پھر کوئی اِشکال ہو تو اس کو رفع کرنے کے لئے حاضر ہوں!

تقدیر برحق ہے، اس کو ماننا شرطِ اِیمان ہے

سوال ۱:... آدمی کے دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے تقدیر لکھ دی جاتی ہے کہ یہ آدمی دُنیا میں یہ کام کرے گا، کیا تقدیر میں لکھا ہوتا ہے کہ جب دُنیائے فانی سے رخصت ہوگا تو اس کی اتنی نیکیاں اور اتنی بدیاں ہوں گی؟ تو پھر نامۂ اعمال اور تقدیر میں کیا فرق ہے؟

۲:... اگر کوئی آدمی مصائب و آلام میں مبتلا ہو تو کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر لکھی ہی اس طرح ہوگی، اور اگر کوئی عیش و عشرت سے زندگی گزار رہا ہو تو کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر اچھی ہے، جبکہ فرمانِ اِلٰہی ہے کہ: جتنی کسی نے کوشش کی اتنا ہی اس نے پایا۔ تو تقدیر کیا ہے؟

۳:... اور ایک جگہ پڑھا ہے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا جاتا ہے، وہ بدل نہیں سکتا۔ جبکہ اِمام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مظلوم کی دُعا رَدّ نہیں ہوتی، اس کی دُعا کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: قسم ہے اپنی عزّت کی! میں تیری مدد کروں گا۔'' تو کیا اس کا مطلب یہی ہے کہ دُعا سے تقدیر بدل جاتی ہے؟

۴:... نجومی یا عامل وغیرہ ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر بتاتے ہیں کہ آپ کی تقدیر ایسی ہے، اسی طرح کچھ فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں کہ طوطے کے ذریعے فال معلوم کریں اور عوام کو بیوقوف بناتے ہیں، کیا اللہ کے سوا کسی کو معلوم ہے کہ آنے والا وقت کیا ہوگا؟

۵:... المختصر یہ کہ کیا تقدیر آدمی پر منحصر ہے جیسی بنائے یا پہلے لکھ دی جاتی ہے، اگر پہلے لکھ دی جاتی ہے تو کیا بدل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں، کیونکہ ہوگا وہی جو تقدیر میں لکھا ہوگا۔

جواب:... تقدیر برحق ہے۔ اور اس کو ماننا شرطِ ایمان ہے۔(۱) لیکن تقدیر کا مسئلہ بے حد نازک اور باریک ہے، کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور آدمی صفاتِ اِلٰہیہ کا پورا اِحاطہ نہیں کرسکتا۔(۲) بس اتنا عقیدہ رکھا جائے کہ دُنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا تھا۔(۳) پھر دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ بعض میں انسان کے ارادہ واختیار کا بھی دخل ہے، اور بعض میں نہیں۔ جن کاموں میں انسان کے ارادہ واختیار کو دخل ہے، ان میں سے کرنے کے کاموں کو کرنے کا حکم ہے، اگر انہیں اپنے ارادہ واختیار سے ترک کرے گا تو اس پر مؤاخذہ ہوگا، اور جن کاموں کو چھوڑنے کا حکم ہے ان کو اپنے ارادہ واختیار سے چھوڑنا ضروری ہے، نہیں چھوڑے گا تو مؤاخذہ ہوگا۔(۴) الغرض جو کچھ ہوتا ہے تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے لیکن اختیاری اُمور پر چونکہ انسان کے ارادہ واختیار کو بھی دخل ہے، اس لئے نیک وبداعمال پر جزا وسزا ہوگی، ہمارے لئے اس سے زیادہ اس مسئلے پر کھود کرید جائز نہیں، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔

تقدیر وتدبیر میں کیا فرق ہے؟

سوال:... جناب سے گزارش ہے کہ میرے اور میرے دوست کے درمیان اسلامی نوعیت کا ایک سوال مسئلہ بنا ہوا ہے، اگر ہم لوگ اس مسئلے پر خود ہی بحث کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ غلط بھی نکال سکتے ہیں، میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس مسئلے کو حل کرکے ہم سب لوگوں کو مطمئن کریں۔

یہ حقیقت ہے کہ تقدیریں اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں، لیکن جب کوئی شخص کسی کام کو کئی بار کرنے کے باوجود نا کام رہتا ہے تو اسے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ: ''میاں! تمہاری تقدیر خراب ہے، اس میں تمہارا کیا قصور؟'' تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں، جب تک کہ اس کی تقدیر میں اس کام کا کرنا لکھا نہ گیا ہو، لیکن جب کوئی شخص اپنی تدبیر اور کوشش کے بل بوتے پر کام کرتا ہے تو خدا کی بنائی ہوئی تقدیر آڑے آتی ہے۔

---

(۱) عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا یؤمن عبد حتّٰی یؤمن بأربع .... ویؤمن بالقدر. (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۲). نیز: قال الْإمام الأعظم: یجب أی یفرض .... أن یقول اٰمنت بالله .... والقدر. (شرح فقه اکبر ص:۱۳ تا ۱۵).

(۲) والقدرة، وهی صفة ازلیة تؤثر فی المقدورات عند تعلقها بها. (شرح عقائد ص:۱۱۳ طبع ایچ ایم سعید).

(۳) ولَا یکون فی الدنیا ولَا فی الآخرة شیء .... اِلّا بمشیته وعلمه وقدره أی بتقدیره بقدر قدره وکتبه .... الخ. (شرح فقه اکبر ص:۴۹).

(۴) فللعباد أفعال اختیاریة یثابون بها ان کانت طاعة، ویعاقبون علیها ان کانت معصیة. (شرح فقه اکبر ص:۵۱).

جواب:...حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تقدیر کے مسئلے پر بحث کر رہے تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہمیں بحث میں اُلجھے ہوئے دیکھ کر بہت غصّے ہوئے، یہاں تک کہ چہرۂ انور ایسا سرخ ہوگیا، گویا رُخسارِ مبارک میں اَنار نچوڑ دیا گیا ہو، اور بہت ہی تیز لہجے میں فرمایا:

''کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں یہی چیز دے کر بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ اسی وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے اس مسئلے میں جھگڑا کیا، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اس میں ہرگز نہ جھگڑنا۔''[۱] (ترمذی، مشکوٰۃ ص:۲۲)

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''جو شخص تقدیر کے مسئلے میں ذرا بھی بحث کرے گا، قیامت کے دن اس کے بارے میں اس سے بازپُرس ہوگی۔ اور جس شخص نے اس مسئلے میں گفتگو نہ کی، اس سے سوال نہیں ہوگا۔''[۲]

(ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ ص:۲۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک ان چار باتوں پر ایمان نہ لائے:

۱:...اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲:...اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے۔

۳:...موت اور موت کے بعد والی زندگی پر اِیمان لائے۔

۴:...اور تقدیر پر ایمان لائے۔''[۳] (ترمذی، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ ص:۲۲)

ان ارشاداتِ نبوی سے چند چیزیں معلوم ہوئیں:

۱:...تقدیر حق ہے اور اس پر اِیمان لانا فرض ہے۔

۲:...تقدیر کا مسئلہ نازک ہے، اس میں بحث و گفتگو منع ہے اور اس پر قیامت کے دن بازپُرس کا اندیشہ ہے۔

۳:...تدبیر، تقدیر کے خلاف نہیں، بلکہ تقدیر ہی کا ایک حصہ ہے۔

کیا تقدیر پر اِیمان لانا ضروری ہے؟

سوال:...جن چیزوں پر اِیمان لائے بغیر بندہ مسلمان نہیں ہوسکتا، ان میں تقدیر بھی شامل ہے۔ لیکن ہمیں یہ تو معلوم ہی نہیں کہ تقدیر میں کیا کیا ہوتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر میں موت، رزق اور جس سے شادی ہونی ہوتی ہے وہ ہوتا ہے۔ آپ

---

(۱) عن أبی هریرة قال: خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم، ونحن نتنازع فی القدر، فغضب حتّٰی احمر وجهه حتّٰی كأنما فُقیء فی وجنتیه حب الرمان، فقال: أبهٰذا أمرتم، أم بهٰذا أرسلت الیكم؟ انما هلک من كان قبلكم حین تنازعوا فی هٰذا الأمر، عزمت علیكم، عزمت علیكم، أن لَا تنازعوا فیه. (مشكوٰة ص:۲۲، باب الْإیمان بالقدر).

(۲) عن عائشه قالت: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من تكلم فی شیء من القدر سئل منه یوم القیامة، ومن لم یتكلم فیه لم یسئل عنه. (مشكوٰة ص:۲۳، باب الْإیمان بالقدر).

(۳) عن علی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا یؤمن عبد حتّٰی یؤمن بأربع: یشهد أن لَا إلٰه إلّا الله وانی رسول الله بعثنی بالحق، ویؤمن بالموت، والبعث بعد الموت، ویؤمن بالقدر. (مشكوٰة ص:۲۲، باب الْإیمان بالقدر).

یہ بتائیں کہ آخر جس تقدیر پر ہمارا اِیمان ہے، اس میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں؟ اور کیا یہ سچ ہے کہ خدا نے ہر چیز پہلے سے معین کردی ہے؟

جواب:... تقدیر پر اِیمان لانا فرض ہے۔ اور تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اور کائنات کی ایک ایک چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، اور کائنات کی تخلیق سے پہلے ہر چیز کا علمِ الٰہی میں ایک اندازہ تھا، اسی کے مطابق تمام چیزیں وجود میں آتی ہیں، خواہ ان میں انسان کے اختیار و اِرادہ کا دخل ہو یا نہ ہو، اور خواہ اسباب کے ذریعہ وجود میں آئیں یا بغیر ظاہری اسباب کے۔[1]

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اسباب کے ماتحت رکھا ہے، ان کے جائز اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے، اور ناجائز اسباب سے پرہیز کرنا فرض ہے۔

کیا پیشانی پر تقدیر کی تحریر کا واقعہ دُرست ہے؟

سوال:... آپ سے ایک واقعے کی تصدیق کے لئے یہ خط ارسال کر رہا ہوں، اُمید ہے جلد جواب سے مستفیض فرمائیں گے۔ یہ واقعہ مجھے میرے ایک دوست محمد طیب صاحب نے بتایا کہ وہ کافی عرصہ پہلے درسِ حدیث یا درسِ قرآن کی مجلس میں شریک تھے اور آپ نے اپنا یہ واقعہ کہ انڈیا میں جب آپ زیرِ تعلیم تھے، سڑک پر ایک نوجوان سائیکل پر جا رہا تھا، کسی گاڑی کی ٹکر سے اس کا سر کھل گیا اور آپ نے اس نوجوان کی تقدیر لکھی ہوئی دیکھی۔ کیا یہ واقعہ دُرست ہے؟ اگر دُرست ہے تو تحریر کس زبان میں تھی؟ مختلف ہسپتالوں میں مسلمان ڈاکٹروں کے پاس حادثات کے بعد مردے لائے جاتے ہیں، جن کے سر بھی کھل چکے ہوتے ہیں اور کئی کے سر ڈاکٹر معائنے کے لئے کھولتے ہیں، کسی ڈاکٹر نے آج تک کوئی تحریر دِماغ پر لکھی ہوئی بیان نہیں کی۔

جواب:... یہ واقعہ میرا چشم دِید ہے، اس کی پیشانی پر تحریر میں نے خود دیکھی ہے، لیکن وہ کس زبان میں تھی؟ اس کا کسی کو علم نہیں۔ میری عمر اُس وقت قریباً پندرہ برس تھی، ممکن ہے، میرا وہم ہو، واللہ اعلم!

انسان کتنا مختار ہے اور کتنا مجبور؟

سوال:... میں نے پڑھا ہے کہ صوفیائے کرام کا ایک فلسفہ ہے: ''فلسفہ جبر و قدر'' جس کے مطابق انسان جو کچھ کرتا ہے، وہ وہی ہوتا ہے جو کاتبِ تقدیر لکھ چکا ہوتا ہے، انسان کے اپنے بس میں کچھ نہیں ہوتا:

ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

اس کے مطابق انسان آزاد ہوگیا کہ وہ غلط کام کرتا ہے اور یہ سمجھ لے کہ جو کر رہا ہے، وہ لکھا جاچکا ہے، اس کو کرنے میں کوئی

---

(۱) قال فی شرح السُّنّة: الْإیمان بالقدر فرض لَازم وهو أن یعتقد ان الله تعالٰی خالق أعمال العباد خیرها وشرّها وکتبها فی اللوح المحفوظ قبل ان خلقهم والکل بقضائه وقدره وارادته ومشیته. (مرقاة شرح مشکوٰة ج:۱ ص:۱۲۲). کتب الله مقادیر الخلائق ..... ومعنی کتب الله أجری الله بالقلم علی اللوح المحفوظ بایجاد ما بینهما من التعلق، وأثبت فیه مقادیر الخلق ما کان وما هو کائن الی الأبد علٰی وفق ما تعلقت به ارادته ...الخ. (مرقاة شرح مشکوٰة ج:۱ ص:۱۲۲، باب الْإیمان بالقدر).

مضائقہ نہیں۔ کسی کام کا کرنا اور کسی سے بچنا اس کے بس میں نہیں۔ اور وہ آزمائش جن سے انسان بندھا ہوا ہے، اس سے آزاد ہوجائے۔

جواب:... یہ تقدیر کا مسئلہ ہے، یہ صوفیاء کا مسلک وعقیدہ نہیں، بلکہ اہلِ اسلام کی اکثریت کا عقیدہ ہے کہ انسان ایک حد تک بااختیار ہے اور ایک حد تک مجبور، لہٰذا نہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرح مختارِ مطلق ہے اور نہ اینٹ پتھر کی طرح مجبورِ محض۔[(۱)]

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ: انسان مختار ہے یا مجبور؟ فرمایا: ایک پاؤں اُٹھاؤ! اس نے اُٹھایا، فرمایا: دُوسرا بھی اُٹھاؤ! اس نے کہا: حضرت! ایک پاؤں اُٹھا سکتا ہوں، بیک وقت دونوں تو نہیں اُٹھا سکتا۔ فرمایا: بس تم اتنے مختار ہو اور اتنے مجبور۔[(۲)]

بعض لوگوں نے دیکھا کہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے نیک وبد افعال کرتا ہے، انہوں نے اس کو قادرِ مطلق سمجھ لیا۔[(۳)] ایک دُوسری جماعت نے دیکھا کہ انسان بار بار اپنے ارادے وعزم پر شکست کھاتا ہے، انہوں نے سمجھا کہ انسان مجبورِ محض ہے۔[(۴)] مگر اہلِ سنت کے اکابر نے قرآن وسنت کی روشنی پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو فی الجملہ اختیار بھی دیا گیا اور ایک حد تک اس کو پابند بھی کیا گیا ہے۔ لہٰذا نہ یہ قادرِ مطلق ہے اور نہ مجبورِ محض۔ وہ اپنے ارادہ واختیار سے نیک وبد میں سے ایک کا انتخاب کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے، لہٰذا اس پر وہ مکلّف بھی ہے اور مدح وستائش اور عذاب وثواب کا مستحق بھی۔[(۵)]

تقدیر بنانا

سوال:... کیا انسان اپنا اچھا مستقبل خود بناتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا مستقبل شاندار بناتا ہے؟ میرا نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنی دِماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی قسمت خود بناتا ہے، جبکہ میرے ایک دوست کا نظریہ مجھ سے مختلف ہے، اس کا کہنا ہے کہ انسان اپنا اچھا مستقبل خود نہیں بنا سکتا، بلکہ ہر آدمی کی قسمت اللہ تعالیٰ بناتا ہے۔

جواب:... انسان کو اچھائی بُرائی کا اختیار ضرور دیا گیا ہے،[(۶)] لیکن وہ اپنی قسمت کا مالک نہیں، قسمت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، اس لئے یہ کہنا کہ انسان اپنی تقدیر کا خود خالق ہے یا یہ کہ اپنی تقدیر خود بناتا ہے، اسلامی عقیدے کے خلاف ہے۔[(۷)]

---

(۱) ومجمل الأمر أنّ القدر وهو ما يقع من العبد المقدر فی الأزل من خيره وشره وحلوه ومره كائن عنه سبحانه وتعالٰى بخلقهٖ وارادته ما شاء كان وما لَا فلا۔ (شرح فقه اكبر ص:۴۹)۔ والله تعالٰى خالق لأفعال العباد من الكفر والْإيمان والطاعة والعصيان ...... وللعباد أفعال اختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية۔ (شرح العقائد ص:۷۵ تا ۸۱ طبع خير كثير)۔

(۲) علم الكلام ص:۸۰ لمولَانا اِدريس كاندهلویؒ طبع مكتبه عثمانيه لَاهور۔

(۳) زعمت المعتزلة ان العبد خالق لأفعاله۔ (شرح العقائد ص:۷۵)۔

(۴) زعمت الجبرية أنه لَا فعل للعبد أصلًا۔ (شرح العقائد ص:۸۱)۔

(۵) والله تعالٰى خالق لأفعال العباد من الكفر والْإيمان والطاعة والعصيان ..... وللعباد أفعال اختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية .... الخ۔ (شرح العقائد ص:۷۵، ۸۱)۔

(۶) والله تعالٰى خالق لأفعال العباد ..... وللعباد أفعال اختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية ...الخ۔ (شرح العقائد ص:۸۱)۔

(۷) عن ابن عمر .... كل شیء بقدر حتى العجز والكيس۔ رواه مسلم۔ (مشكٰوة ص:۱۹، باب الْإيمان بالقدر)۔

کیا ایک شخص کی زندگی دُوسرے کو لگ سکتی ہے؟

سوال:... ایک شخص کی زندگی دُوسرے شخص کو لگ سکتی ہے؟

جواب:... نہیں![1]

کیا محنت کئے بغیر بھی قسمت اچھی ہوسکتی ہے؟

سوال:... میرا دوست کہتا ہے کہ آدمی کی قسمت اچھی ہو تو بغیر محنت کے بھی اچھا کمالیتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ یہ کمائی اس کے نصیب میں تھی اور اس کی قسمت اچھی تھی۔ میرا کہنا ہے کہ آدمی محنت کرے اور قسمت ساتھ دے، صرف محنت کئے بغیر قسمت اچھی نہیں ہوسکتی۔ میرے دوست کا کہنا ہے کہ ایک آدمی مزدور پورا دن محنت کرتا ہے اور دُوسرا آدمی ایک گھنٹے میں اتنے پیسے کمالیتا ہے، براہِ مہربانی اس کا جواب عنایت فرمائیں کہ دونوں میں سے کس کا نقطۂ نظر ٹھیک ہے؟

جواب:... یہ تو صحیح ہے کہ جو قسمت میں لکھا ہو، وہی ملتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں ملتا۔ لیکن حلال روزی کے لئے محنت ضرور کرنی چاہئے،[2] قسمت کا حال کسی کو معلوم نہیں،[3] اور حلال روزی کے لئے شرعی فرائض کی پابندی ضروری ہے۔[4]

کیا حلال اور حرام کمانا قسمت میں لکھا ہوتا ہے؟

سوال:... کئی دوستوں سے سنا ہے کہ دولت جتنی قسمت میں لکھی ہے، وہی ملے گی۔ چاہے بندہ جائز طریقے سے حاصل

---

(۱) (وضرب لهم آجالًا) ش: يعنى: ان الله سبحانه وتعالىٰ قدر آجال الخلائق بحيث اذا جاء أجلهم لَا يستأخرون ساعة ولَا يستقدمون، قال تعالىٰ: "اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" وقال تعالىٰ: "وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا" آل عمران:۱۴۵۔ وفى صحيح مسلم ..... فقال النبى صلى الله عليه وسلم: قد سألت الله لأجال مضروبة، وأيام معدودة، وأرزاق مقسومة لن يعجّل شيئًا قبل أجله ولن يؤخر شيئًا عن أجله ...... فان قيل: هل يلزم من تأثير صلة الرحم فى زيادة العمر ونقصانه تأثير الدعاء فى ذٰلک أم لَا؟ فالجواب: أن ذٰلک غير لَازم، لقوله صلى الله عليه وسلم لأُمّ حبيبة رضى الله عنها، قد سألت الله تعالىٰ لآجال مضروبة، الحديث .... وكان الْإمام أحمد يكره ان يدعىٰ له بطول العمر ويقول: هٰذا أمر قد فرغ منه۔ (شرح العقيدة الطحاوية ص:۱۴۹ تا ۱۵۱)۔

(۲) "قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا" (التوبة:۵۱)، "اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ" (القمر:۴۹) وعن ابن مسعود قال: حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق أن خلق أحدكم يجمع فى بطن أُمّه أربعين يومًا ...... ثم يبعث الله اليه مَلَكًا بأربع كلمات، فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقى أو سعيد ...الخ۔ (ورزقه) يعنى أنه قليل أو كثير، وغيرهما مما ينتفع به حلالًا كان أو حرامًا، مأكولًا أو غيره فيعين له وينقش فيه بعد أن كانت مكتوبة فى اللوح المحفوظ ...الخ۔ (مرقاة المفاتيح ج:۱ ص:۱۲۶ باب الْإيمان بالقدر، طبع بمبئى)۔

(۳) (قوله) وأصل القدر سر الله تعالىٰ فى خلقه لم يطلع علىٰ ذٰلک مَلَک مقرَّب ولَا نبىٌّ مرسَل ..... أصل القدر: سر الله فى خلقه وهو كونه أوجد وأفنىٰ، وأفقر وأغنىٰ وأمات وأحيا وأضلّ وأهدىٰ قال علىٌّ كرّم الله وجهه ورضى عنه: القدر: سر الله فلا تكشفه ...الخ۔ (شرح العقيدة الطحاوية ص:۲۷۶، ۲۷۷)۔

(۴) وعن عبدالله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لَا يكسب عبد مال حرام ... الخ۔ (مشكوٰة ص:۲۴۲ باب الكسب)۔

کرلے، چاہے ناجائز طریقے سے۔ میرے خیال میں ناجائز طریقے سے کمایا ہوا روپیہ قسمت میں نہیں لکھا ہوتا، بلکہ یہ ایک اضافی گناہ ہے۔ کون سا موقف دُرست ہے؟

جواب:... دوستوں کا کہنا صحیح ہے، کسی کی قسمت میں حلال لکھا ہے، کسی کی قسمت میں حرام۔[۱] اور حرام کمانے اور کھانے پر وہ گناہگار ہوگا، کیونکہ قسمت میں لکھا ہونے سے وہ مجبور نہیں ہوجاتا۔ یا یوں کہا جائے کہ قسمت میں لکھا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے حرام کمائے گا۔[۲]

کیا ظاہری اسباب تقدیر کے خلاف ہیں؟

سوال:... تقدیر پر اِیمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے، یعنی اچھی اور بُری تقدیر پر اِیمان لانا، لیکن جب اسے نقصان پہنچے یا مصیبت میں گرفتار ہو تو وہ ظاہری اسباب کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے، وہ کیوں ایسے کہتا ہے کہ: ''اگر ایسا نہیں، ایسا کیا جاتا تو ایسا ہوتا اور یہ نقصان نہ ہوتا اور یہ مصیبت نہ آتی'' تو کیا اس طرح کہنے سے گناہ تو نہیں ہوتا؟ اور تقدیر پر اِیمان رکھنے کے سلسلے میں اس طرح کہنے سے اس کی ایمانیت میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا؟ اور کیا اِنسان کو تقدیر کے بارے میں سوچنا نہیں چاہئے؟

جواب:... شرعی حکم یہ ہے کہ جو کام کرو خوب سوچ سمجھ کر بیدار مغزی کے ساتھ کرو، اس کے جتنے جائز اسباب مہیا کئے جاسکتے ہیں، ان میں بھی کوتاہی نہ کرو۔ جب اپنی ہمت وبساط اور قدرت واختیار کی حد تک جو کچھ تم کرسکتے ہو، کرلیا۔ اس کے بعد نتیجہ خدا کے حوالے کردو۔ اگر خدانخواستہ کوئی نقصان وغیرہ کی صورت پیش آجائے تو یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا، جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، وہ ہوا۔ اور اسی میں حکمت تھی۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ اگر یوں کرلیتے تو یوں ہوجاتا، اس سے طبیعت بلاوجہ بدمزہ اور پریشان ہوگی، جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوچکا، اسے تو کسی صورت میں واپس نہیں لایا جاسکتا، تو اب ''اگر، مگر'' کا چکر سوائے بدمزگی وپریشانی کے اور کیا ہے؟ اس لئے حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، اور اس کو ''عملِ شیطان'' کی کنجی فرمایا گیا ہے۔[۳] درحقیقت یہ ضعفِ اِیمان، ضعفِ ہمت، حق تعالیٰ شانہ سے صحیح تعلق نہ ہونے کی علامت ہے۔

انسان کے حالات کا سبب اس کے اعمال ہیں

سوال:... ایک انسان جس کو اپنی قسمت سے ہر موقع پر شکست ہو یعنی کوئی آدمی مفلس ونادار بھی ہو، غربت کی مار پڑی ہو، علم کا شوق ہو، لیکن علم اس کے نصیب میں نہ ہو، خوشی کم ہو، غم زیادہ، بیماریاں اس کا سایہ بن گئی ہوں، ماں باپ، بہن بھائی کی

(۱) ان الحرام رزق، لأنّ الرّزق اسم لما يسوقه الله تعالٰى الى الحيوان فيتناوله وينتفع به، وذٰلك قد يكون حلالًا وقد يكون حرامًا۔ (شرح فقه اكبر ص:۱۵۵)۔

(۲) وللعباد أفعال اختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية۔ (شرح فقه اكبر ص:۵۱)۔

(۳) عن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .... وفى كل خير أحرص علٰى ما ينفعك واستعن بالله ولَا تعجز وإن أصابك شىء فلا تقل لو أنى فعلت كان كذا وكذا، ولٰكن قل قدر الله وما شاء فعل، فإن "لو" تفتح عمل الشيطان۔ (صحيح مسلم ج:۲ ص:۳۳۸، باب الإيمان بالقدر والإذعان له، وأيضًا فى ابن ماجة ص:۳۰۷)، عن أبى هريرة رضى الله عنه .... فان عليك أمر فقل قدر الله وما شاء الله فعل، واياك واللَّوَ فان اللَّو تفتح عمل الشيطان۔ (ابنِ ماجه ص:۳۰۷)۔

موجودگی میں محبت سے محروم ہو، رشتے دار بھی ملنا پسند نہ کرتے ہوں، محنت زیادہ کرے، پھل برائے نام ملے، ایسا انسان یہ کہنے پر مجبور ہو کہ یا اللہ! جیسا میں بدنصیب ہوں، ایسا تو کسی کو نہ بنا۔ اس کے یہ الفاظ اس کے حق میں کیسے ہیں؟ اگر وہ اپنی تقدیر پر صبر کرتا ہو اور صبر نہ آئے تو کیا کرنا چاہئے؟

جواب:... انسان کو جو ناگوار حالات پیش آتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر اِنسان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے آتے ہیں،[1] ان میں اللہ تعالیٰ سے شکایت ظاہر ہے کہ بے جا ہے، آدمی کو اپنے اعمال کی دُرستی کرنی چاہئے۔ اور جو اُمورِ غیراختیاری طور پر پیش آتے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی تو ذاتی غرض ہوتی نہیں، بلکہ بندے ہی کی مصلحت ہوتی ہے، ان میں یہ سوچ کر صبر کرنا چاہئے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کو میری ہی کوئی بہتری اور بھلائی منظور ہے، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، ان کو بھی سوچنا چاہئے اور ''الحمدللہ علیٰ کل حال'' کہنا چاہئے۔[2]

انسان کی زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے، کیا وہ سب کچھ پہلے لکھا ہوتا ہے؟

سوال:... انسان کی زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے، کیا وہ پہلے سے لکھا ہوتا ہے؟ یا انسان کے اعمال کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے؟

جواب:... یہ تقدیر کا مسئلہ ہے۔ اس میں زیادہ کھود کرید تو جائز نہیں، بس اتنا ایمان ہے کہ دُنیا میں جو کچھ اب تک ہوا یا ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا، ان ساری چیزوں کا اللہ تعالیٰ کو دُنیا کے پیدا کرنے سے پہلے ہی علم تھا۔ دُنیا کی کوئی چیز نہ اس کے علم سے باہر ہے، نہ قدرت سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کے مطابق کائنات کی ہر چیز اور ہر اِنسان کا ایک چارٹ لکھ دیا ہے، دُنیا کا سارا نظام اسی خدائی نوشتے کے مطابق چل رہا ہے، اسی کو تقدیر کہتے ہیں اور اس پر اِیمان لانا واجب ہے، جو شخص اس کا منکر ہو، وہ مسلمان نہیں۔[3]

یہ بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اِرادہ و اختیار اور عقل و تمیز کی دولت بخشی ہے،[4] اور یہ طے کر دیا ہے کہ وہ اپنی

---

(۱) ''وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ''۔ (الشوریٰ: ۳۰)۔ وعن أبی موسی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لَا یصیب عبدًا نکبة فما فوقها أو دونها إلّا بذنب، وما یعفو الله تعالٰی عنه أکثر، وقرأ: ''وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ'' رواه الترمذی۔ (مشکوٰۃ ج:۱ ص:۱۳۶، باب عیادة المریض)۔

(۲) عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا أخذ مضجعه من اللیل قال: الحمد لله الذی کفانی وآوانی ...... فاجزل، الحمد لله علٰی کل حال ...الخ۔ (مشکوٰۃ ج:۱ ص:۲۱۲، باب الدعوات فی الأوقات، ابوداوٗد ج:۲ ص:۳۳۳ کتاب الأدب، باب ما یقال عند النوم)۔

(۳) خلق الله تعالٰی الأشیاء .... وکان الله عالمًا فی الأزل بالأشیاء قبل کونها .... ومن زعم أن التقدیر الخیر والشر من عند غیر الله کان کافرًا بالله۔ (شرح فقه اکبر ص:۴۷، ۴۸)۔

(۴) وهدایة الله تتنوع أنواعًا لَا یحصیها ...... الأوّل افاضة القویٰ التی بها یتمکن المرء من الْإهتداء الٰی مصالحة کالقوة العقلیة والحواس الباطنة والمشاعر الظاهر ...الخ۔ (تفسیر بیضاوی ص:۹) أن العقل آلة للمعرفة .... ووجوب الْإیمان بالعقل مروی عن أبی حنیفة۔ (شرح فقه اکبر ص:۱۶۸)۔

صوابدید کے مطابق اور اپنے ارادہ واختیار سے فلاں فلاں کام کرے گا۔[۱]

یہ بھی ایمان ہے کہ انسان کے اچھے یا بُرے اعمال کا نتیجہ اسے ثواب یا عذاب کی شکل میں آخرت میں ملے گا، اور کچھ نہ کچھ دُنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں[۲] بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، ان پر اِیمان رکھنا چاہئے۔ اس سے زیادہ اس مسئلے پر غور نہیں کرنا چاہئے۔ اس میں بحث ومباحثے سے منع کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا ہے۔[۳]

سب کچھ پہلے لکھا جاچکا ہے یا انسان کو بھی نیک اعمال کا اختیار ہے؟

سوال:... تقدیر کے بارے میں فرمائیں کہ کیا سب کچھ پہلے سے لکھا جاچکا ہے یا نیک کام کرنے کے لئے آدمی کو بھی کچھ اختیار ہے؟ اور آدمی کا اختیار کہاں تک ہے؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ اور میں نے قرآن پاک کی یہ آیت (ایف اے) کی تفسیر القرآن (مصنفہ غلام احمد فریدی) صفحہ نمبر:۳۰۹ میں پڑھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ جس کو چاہے مٹادے اور جس چیز کو چاہے ثابت رکھے اور اس کے پاس لوحِ محفوظ ہے'' (الرعد:۳۹)۔ آپ مجھے قرآن پاک، احادیث مبارکہ اور اِمامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے خیالات اور اپنی رائے سے مفصل طور پر آگاہ فرماویں، تاکہ میری پریشانی دُور ہوسکے۔

جواب:... ہر چیز پہلے سے لکھی جاچکی ہے، اور تمام اختیاری اُمور میں آدمی کو اِختیار بھی ہے۔ اختیار، تقدیر کے مقابل نہیں، بلکہ اس کے ماتحت ہے۔ یعنی تقدیر میں یوں لکھا ہے کہ آدمی اپنے قصد واِرادے اور اِختیار سے فلاں فلاں وقت فلاں کام کرے گا۔ جنت ودوزخ کا فیصلہ واقعی ہوچکا ہے، مگر اس کا ظاہری سبب افعالِ اختیاریہ ہی کو بنایا گیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا ''اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس چیز کو چاہے ثابت رکھتا ہے'' اس سے مراد تقدیرِ معلق ہے کہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، لیکن ''اصل کتاب'' میں

---

(۱) والله تعالٰى خالقها أى موجد أفعال العباد وفق ما أراد لقوله تعالٰى: ''اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ'' .... وفعل العبد شیء۔ (شرح فقه اكبر ص:۶۰)۔ فللعباد أفعال اختيارية ...الخ (شرح فقه اكبر ص:۵۱)۔

(۲) ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی، ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی'' (النجم: ۳۹ تا ۴۱)، ''لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ'' (البقرة:۲۸۶)، ''اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ، اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ'' (غافر:۱۷)، ''وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا'' (طٰه:۱۱۲)، ''وَمَآ اَصٰبَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ'' (الشورٰى:۳۰)، وعن انس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله لَا يظلم مؤمنًا حسنة يعطى بها فى الدنيا ويجزى بها فى الآخرة، وأما الكافر فيطعم بحسنات ما عمل بها لله فى الدنيا حتّٰى اذا افضٰى الى الآخرة لم يكن له حسنة يجزى بها۔ رواه مسلم (مشكوٰة ص:۴۳۹ كتاب الرقاق)، عن أبى موسى الأشعرى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لَا يصيب عبدًا نكبة فما فوقها أو دونها إلّا بذنب، وما يعفو الله تعالٰى عنه أكثر، وقرأ: ''وَمَآ أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ''۔ (مشكوٰة ج:۱ ص:۱۳۶، باب عيادة المريض)۔

(۳) عن أبى هريرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نتنازع فى القدر، فغضب حتّٰى احمر وجهه حتّٰى كأنما فُقِىءَ فى وجنتيه حب الرمان فقال: أبهٰذا أمرتم، أم بهٰذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا فى هٰذا الأمر، عزمت عليكم، عزمت عليكم، أن لَا تنازعوا فيه۔ (مشكوٰة ج:۱ ص:۲۲ باب الإيمان بالقدر)۔

تقدیرِ مبرم لکھی ہے، اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ تقدیرِ معلق ہوئی۔ تقدیرِ مبرم یہ ہے کہ فلاں بیمار، فلاں دوا وعلاج کرے گا تو بچ جائے گا، نہیں کرے گا تو مرجائے گا۔ لیکن وہ کرے گا یا نہیں؟ یہ بات ''اصل کتاب'' میں لکھی ہے، اور یہ تقدیرِ مبرم ہے۔(۱) ہمارے اکابر، اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کا یہی عقیدہ ہے جو میں نے لکھا اور یہی قرآن وسنت سے مأخوذ ہے۔

جب ڈاکو بننا، ڈاکٹر بننا، چور بننا مقدّر ہے تو آدمی کا کیا قصور ہے؟

سوال:... ایک مریض اگر بیمار ہے اور اس کی موت لکھی ہوتی ہے تو وہ مرجاتا ہے، تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم اس کی زندگی کی دُعا کرتے ہیں تو وہ کس طرح قبول ہوگی؟ کیونکہ اس کی موت تو اس کے وقت پر آنی ہے، تو دُعا سے کیا اس کی موت میں دیر ہوسکتی ہے؟ اسی طرح ہر چیز اللہ ہی کے حکم میں جکڑی ہوئی ہے تو پھر اِنسان خطاوار کس طرح ہوا؟ کیونکہ اس نے تو وہی کیا جو اس کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا اور جو اللہ کو منظور تھا۔ یا اِنسان کا ذہن آزاد ہے یا اگر ایک انسان دُوسرے انسان کو گولی ماردیتا ہے تو وہ کس طرح قصوروار ہے؟ کیونکہ مقتول کی تو موت اسی طرح لکھی تھی اور اس کے ہاتھوں قتل ہونا لکھا تھا۔ تو کیا قاتل کا دِماغ اللہ نے آزاد کیا ہوا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کچھ کرسکتا ہے؟ اور اگر نہیں کرسکتا تو وہ کس طرح خطاکار ہے؟ اسی طرح ایک عیسائی امریکا میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے سامنے چاروں طرف عیسائی ماحول ہوتا ہے، تو وہ کس طرح مسلمان ہوسکتا ہے جبکہ اس کے سامنے حق کی کوئی راہ ہی نہیں تو وہ کس طرح گناہگار ہوگا؟ اسی طرح کسی آدمی کے اُوپر مشکل لکھی ہوئی ہے تو وہ دُعا سے کس طرح ٹل سکتی ہے؟ یا کہ دُعا سے تقدیر بدل سکتی ہے اور مقدّر کا لکھا ٹل سکتا ہے؟ اسی طرح کہتے ہیں کہ انسان اپنی بُرائی کا خود ذمہ دار ہے، تو وہ کس طرح ذمہ دار ہے؟ کیونکہ اس نے وہی کیا جو اس کے مقدّر میں لکھا تھا۔ اسی طرح کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی ڈاکو، کوئی لٹیرا، کوئی چور، کوئی دہشت گرد، تو اس کا تو کوئی قصور نہیں، کیونکہ یہی کچھ بننا اس کے مقدّر میں لکھا تھا۔

جواب:... یہ تقدیر کا مسئلہ ہے، آپ نے جو سوال لکھے ہیں، ان کے بارے میں مختصراً لکھتا ہوں۔

۱:... مریض کے لئے ہم دُعا بھی کرتے ہیں، اور دوا بھی۔ دوا اور علاج معالجے کے بارے میں کبھی کسی کے ذہن میں تقدیر کا مسئلہ نہیں آتا، یہ کیوں؟ بیمار شفایاب ہوجائے گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں تقدیرِ اِلٰہی کیا ہے؟ اس کا ہمیں علم نہیں۔ اس لئے ہم دوا بھی کرتے ہیں اور دُعا بھی، تقدیر میں صحت ہوگی تو دوا اور دُعا مؤثر ہوگی، ورنہ نہیں۔(۲)

۲:... بلاشبہ ہر چیز تقدیرِ اِلٰہی کے مطابق ہوتی ہے، لیکن جو کام ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں، ان میں انسان کو مجبورِ محض نہیں سمجھتے، چنانچہ اگر کوئی طالبِ علم خوب محنت کرکے اچھے نمبروں میں کامیاب ہو، ہم اسے اِنعام اور شاباش دیتے ہیں، اور

---

(۱) وعين مقاديرهم تعيينا بما لَا يتأتى خلافه بالنسبة لما فى علمه القديم المعبر عنه بأم الكتاب أو معلقًا كان يكتب فى اللوح المحفوظ فلان يعيش عشرين سنة، ان حج وخمسة عشر ان لم يحج، وهٰذا هو الذى يقبل المحو والْإثبات المذكورين فى قوله تعالٰى: ''يَمْحُو اللهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ أُمُّ الْكِتٰبِ'' أى التى لَا محو فيها ولَا اثبات فلا يقع فيها إلّا ما يوافق ما أبرم فيها كذا ذكره ابن حجر۔ (مرقاة شرح مشكوٰة ج:۱ ص:۱۲۲)۔

(۲) ان الدّعاء يردّ البلاء اذا كان علٰى وفق القضاء، والحاصل انّ القضاء المعلّق يتغيّر بخلاف المبرم۔ (شرح فقه اكبر ص:۱۵۹)۔

بدمحنت طالبِ علم فیل ہوجائے تو اسے ملامت کرتے ہیں، کیونکہ اِس کا محنت کرنا، اور اُس کا بدمحنتی سے کام لینا دونوں اختیاری ہیں، حالانکہ پاس اور فیل ہونا بھی تقدیر کے ماتحت تھا۔ [۱]

۳:... ایک انسان دُوسرے کو قتل کردیتا ہے، یہاں ہم قاتل کو عدالت میں گھسیٹتے ہیں، کیونکہ اس نے اپنے اختیار سے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک شخص آپ کو گالی دیتا ہے، آپ اس کو کبھی تقدیر کے حوالے سے معذور نہیں جانتے، کیونکہ یہ اس کا اختیاری فعل ہے۔

۴:... اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی روشنی عطا فرمائی ہے، جس کے ذریعے وہ صحیح اور غلط میں امتیاز کرتا ہے، اس لئے جو عاقل و بالغ ہونے کے باوجود غلط دِین اختیار کئے ہوئے ہے، آپ اس کو معذور قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ اس کا فرض تھا کہ وہ عقل کی روشنی میں صحیح اور غلط مذہب میں فرق کرتا، اپنے غلط ماحول کے باوجود آدمی عقل سے کام لے تو دِینِ حق کو تلاش کرسکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال سب کے سامنے ہے۔ [۲]

۵:... جو مقدّر ہے، وہ تو ہوکر رہے گا۔ مگر ہمیں کیا معلوم ہے کہ ہمارے لئے کیا مقدّر ہے؟ اس لئے ہمیں حکم ہے کہ تم ظاہر حال کے مطابق جائز اسباب اختیار کرو، دُعا بھی من جملہ اسباب کے ایک سبب ہے۔ [۳]

۶:... کوئی ڈاکٹر بنے یا ڈاکو، سب کچھ تقدیر کے مطابق ہے، لیکن ڈاکٹر اور ڈاکو دونوں اپنے اختیار سے بنتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے، اسی اختیار پر وہ ثواب یا عذاب کا مستحق ہے۔ [۴] گو ساری چیزیں تقدیر کے ماتحت ہیں، مگر تقدیر کا ہمیں علم نہیں۔ اس سے زیادہ اس مسئلے میں کھود کرید کرنا جائز بھی نہیں اور مفید بھی نہیں۔ [۵]

بُرا کام کرکے مقدر کو ذمہ دار ٹھہرانا صحیح نہیں

سوال:... ایک آدمی جب بُرا کام کرتا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے تو کہتا ہے کہ یہ میرے مقدّر میں لکھا ہوا تھا۔ جب اللہ نے اس کے مقدّر میں لکھا تھا تو پھر اس کا کیا قصور؟

---

(۱) وهى أى أفعال العباد كلها أى جميعها من خيرها وشرها وان كانت مكاسبهم بمشيته أى بإرادته وعلمه وقضائه وقدره أى علٰى وفق حكمه وطبق قدر تقديره .... الخ. (شرح فقه اكبر ص:٦٧).

(۲) ان العقل آلة للمعرفة، والموجب هو الله تعالٰى فى الحقيقة، ووجوب الْإيمان بالعقل مروى عن أبى حنيفة رحمه الله .... الخ. (شرح فقه اكبر ص:١٦٨).

(۳) واعلم ان القدر لَا يزاحم سببية الأسباب لمسبباتها لأنه إنما تعلق بالسلسلة المترتبة جملة مرة واحدة وهو قوله صلى الله عليه وسلم فى الرقٰى والدواء والتقاة هل ترد شيئًا من قدر الله؟ قال: هى من قدر الله. (حجة الله البالغة ج:١ ص:٦٧ طبع إدارة الطباعة المنيرية). أيضًا عن أبى خزامة عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله! أرأيت رقًى نسترقيها ودواء نتداوىٰ به وتقاة نتقيها هل ترد من قدر الله شيئًا؟ قال: هى من قدر الله. رواه أحمد والترمذى وابن ماجة. (مشكوٰة ص:٢٢).

(۴) فللعباد أفعال إختيارية يثابون بها إن كانت طاعة، ويعاقبون عليها إن كانت معصية. (شرح فقه اكبر ص:٥١)، فقال أهل السُّنَّة للخلق أفعال بها صاروا مطيعين وعصاة ...إلخ. (المسامرة شرح المسايرة ص:٩٧).

(۵) عن أبى هريرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نتنازع فى القدر، فغضب حتّٰى احمرّ وجهه حتّٰى كأنما فُقىء فى وجنتيه حب الرمان فقال: أبهٰذا أمرتم، أم بهٰذا أرسلت إليكم؟ إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا فى هٰذا الأمر، عزمت عليكم، عزمت عليكم، أن لَا تنازعوا فيه. رواه الترمذى روى ابن ماجة (مشكوٰة ص:٢٢).

جواب:... بندے کا قصور تو ظاہر ہے کہ اس نے بُرا کام اپنے اختیار سے کیا تھا، اور مقدّر میں بھی یہی لکھا تھا کہ وہ اپنے اختیار سے بُرا کام کرکے قصوروار ہوگا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ [1]

تنبیہ:... بُرا کام کرکے مقدّر کا حوالہ دینا خلافِ ادب ہے، آدمی کو اپنی غلطی کا اعتراف کرلینا چاہئے۔

گناہ کی سزا کیوں دی جاتی ہے جبکہ یہ اس کے مقدّر میں لکھا تھا؟

سوال:... انسان جب دُنیا میں آتا ہے تو اس کی تقدیر میں لکھا جاتا ہے کہ یہ گناہ کرے گا، اور یہ ثواب کے کام۔ جب گناہ کرتا ہے تو اس کو سزا کیوں دی جاتی ہے؟

جواب:... انسان کو نیک اور بدعمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ اپنے اختیار سے گناہ کرتا ہے، اس لئے سزا دی جائے گی۔ [2]

خیر اور شر سب خدا کی مخلوق ہے، لیکن شیطان شر کا سبب وذریعہ ہے

سوال:... اخبار جنگ کے ایک مضمون بعنوان ''ایمان کی بنیادیں'' میں صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ سے (ایک طویل حدیث میں) روایت ہے کہ: آنے والے شخص نے جو درحقیقت جبرائیل علیہ السلام تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بتایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی بھیجی ہوئی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور آخرت کو حق جانو، حق مانو، اور اس بات کو بھی مانو کہ دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، خدا کی طرف سے ہوتا ہے، چاہے وہ خیر ہو، چاہے شر ہو۔ (صحیح مسلم)۔ ہم اب تک یہ سنتے آئے تھے کہ خیر خدا کی طرف سے اور شر شیطان کی طرف سے ہے۔ اب مذکورہ بالا حدیث پڑھ کر ایمان ڈانواڈول ہو رہا ہے اور نہ جانے مجھ جیسے کتنے کمزور ایمان والے بھی شش وپنج میں پڑ گئے ہوں گے، کیونکہ جب شر بھی خدا کی طرف سے ہے تو پھر اِنسان مجرم کیوں؟

جواب:... ہر چیز کی تخلیق خدا تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے، خواہ خیر ہو یا شر، شیطان شر کا خالق نہیں، بلکہ ذریعہ اور سبب ہے، اس لئے اگر شر کی نسبت شیطان کی طرف سبب کی حیثیت سے کی جائے تو غلط نہیں، لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ خیر کا خالق ہے، اسی طرح شیطان کو شر کا خالق سمجھا جائے تو یہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے، [3] مسلمانوں کے نزدیک ہر چیز کا ایک ہی خالق ہے۔ [4]

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حوالہ نمبر ا دیکھیں۔

(۲) واذا عرفت ذٰلک فللعباد أفعال اختیاریة یثابون بها ان کانت طاعة ویعاقبون علیها ان کانت معصیة۔ (شرح فقه اکبر ص:۵۱)۔ وللعباد أفعال اختیاریة یثابون بها ان کانت طاعة ویعاقبون علیها ان کانت معصیة، لَا کما زعمت الجبریة: أنه لَا فعل للعبد أصلًا۔ (شرح العقائد النسفی ص:۸۱ طبع خیر کثیر، روح المعانی ج:۱ ص:۱۳۳ سورة البقرة:۷)۔

(۳) القدریة مجوس هٰذه الاُمّة حیث ذهبوا الٰی ان للعالم فاعلین، أحدهما سبحانه وتعالٰی، وهو فاعل الخیر، والثانی شیطان وهو فاعل الشر۔ (شرح فقه اکبر ص:۶۱)۔ وعنه أی ابن عمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: القدریة مجوس هٰذه الاُمّة، أی اُمّة الْإجابة، لأن قولهم أفعال العباد مخلوقة بقدرهم یشبه قول المجوس القائلین بأن للعالم اِلٰهین: خالق الخیر وهو یزدان وخالق الشر وهو اهرمن أی الشیطان ...الخ۔ (مرقاة المفاتیح ج:۱ ص:۱۴۹، کتاب القدر، طبع بمبئی ودهلی)۔

(۴) ''اَللهُ خٰلِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ'' (الزمر:۶۲)۔ والله تعالٰی خالق لأفعال العباد من الکفر والْإیمان والطاعة والعصیان لَا کما زعمت المعتزلة: ان العبد خالق لأفعاله ...الخ۔ (شرح عقائد ص:۷۵ طبع خیر کثیر)۔

جب ہر کام کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں تو پھر شیطان کا کیا دخل ہے؟

سوال:... جب بھی انسان کوئی بُرا کرتا ہے یا اللہ کے اَحکام کی تحقیر وعدولی کرتا ہے، تو اِبلیس کو کوستے ہیں، ہماری مقدس کتاب قرآن شریف میں بھی اِبلیس کو کھلا دُشمن قرار دیا گیا ہے، بلکہ حدیث کی رُو سے اس کو اِنسان کا بھیڑیا کہا گیا ہے، لیکن جب کوئی انسان اچھا کام کرتا ہے، اسے اللہ کی توفیق قرار دیا جاتا ہے۔ ویسے بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے متعلق متفکر ہوئے تو یہ کہا کہ: کان میں ہی کلمہ پڑھ لیا جائے، تو اس پر حضور کے چچا نے کلمہ نہیں پڑھا۔ اس پر وحی نازل ہوئی کہ اور جس کو چاہے اللہ ہی ہدایت دیتے ہیں، آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ قرآن شریف میں اور بھی کئی بار نظر سے گزرا کہ جس کو چاہتے ہیں وہ ہدایت دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ فرمائیں کہ انسان کو گمراہ اللہ کرتے ہیں تو شیطان کو کیوں کھلا دُشمن قرار دیا گیا اور اسے کیوں کوستے ہیں؟

جواب:... اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خالق کی حیثیت سے ہے، اور شیطان اس کا سبب اور ذریعہ بنتا ہے۔[۱]

ہر چیز خدا کے حکم سے ہوتی ہے

سوال:... میری ایک عزیزہ ہر بات میں خواہ اچھی ہو یا بُری ''خدا کے حکم سے'' کہنے کی عادی ہیں، یعنی اگر کوئی خوشی ملی تو بھی اور اگر لڑکا آوارہ نکل گیا، یا اسی قسم کی کوئی اور بات ہوئی تب بھی وہ یہی کہتی ہیں۔ بتائیے کیا ان کا اس طرح کہنا دُرست ہے؟

جواب:... تو کیا کوئی چیز خدا کے حکم کے بغیر بھی ہوتی ہے؟ نہیں! ہر چیز خدا کے حکم سے ہوتی ہے، مگر خیر کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہوتی ہے اور شر اور بُرائی میں یہ نہیں ہوتا۔[۲]

کوئی آدمی امیر ہوتا ہے اور کوئی غریب حالانکہ محنت دونوں کرتے ہیں

سوال:... قسمت کیا ہے؟ کیا جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کا رزق لکھ دیا جاتا ہے؟ مثال کے طور پر دو اِنسانوں کو لے لیں، ان میں سے ایک تو بہت ہی امیر ہے اور دُوسرا بہت ہی غریب۔ امیر کے بچے تو سونے کے سکوں سے کھیلتے ہیں اور غریب کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں، محنت دونوں اپنی اپنی جگہ پر کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جس کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں، اس نے کیا قصور کیا ہے؟ اس کی روزی میں کم کیوں لکھا ہے؟

جواب:... روزی کم یا زیادہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ اور یہ ہر ایک کے لئے پیدائش سے پہلے مقدّر کردی گئی ہے، خواہ

---

(۱) واللہ تعالٰی یضل من یشاء ویھدی من یشاء بمعنیٰ: خلق الضلالة والإهتداء، لأنه الخالق وحده ...... نعم قد تضاف الهداية الى النبی صلی اللہ علیه وسلم مجازًا بطريق التسبيب كما يسند الى القرآن، وقد يسند الإضلال الى الشيطان مجازًا كما يسند الى الأصنام...الخ۔ (شرح العقائد ص:۹۵، ۹۶، طبع خیر کثیر)۔

(۲) وھی أی: أفعال العباد كلھا أی: جميعها من خيرها وشرها وان كانت مكاسبهم بمشيته أی: بإرادته وعلمه .... أی: علٰی وفق حكمه وطبق قدر تقديره فھو مريد لما يسميه شرًّا من كفر ومعصية كما ھو مريد للخير۔ (شرح فقه اكبر ص:۶۷)۔

کوئی کتنی ہی محنت کرے، ملتا وہی ہے جو مقدّر میں لکھا ہے،[۱] اور اس کی حکمتوں کو وہی بہتر جانتا ہے، مگر مسلمانوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرامؓ کا اُسوۂ حسنہ موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدّۃ العمر دو دن متواتر جو کی روٹی سے بھی سیر نہیں ہوئے،[۲] حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشکش کی گئی تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کا بنادیا جائے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ یہ عرض کیا کہ: یا اللہ! میں چاہتا ہوں کہ ایک وقت کھانے کو ملے تاکہ شکر کروں، اور دُوسرے وقت نہ ملے تاکہ صبر کروں۔[۳] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد و قناعت اور فقر و فاقہ کے بے شمار واقعات ہیں، اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بھی، مگر ان اکابر نے کبھی تنگی ترشی کی شکایت نہیں کی، بلکہ اس کو نعمت سمجھا، کیونکہ جتنا کم ہوگا، اتنا حساب بھی کم ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ مال دار لوگ اپنے مال کے حساب و کتاب میں پھنسے ہوں گے اور فقراء ان سے پانچ سو سال پہلے جنت میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہوں گے۔[۴]

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے: ایک حصہ دُنیا کی بہت ہی کم اور محدود سی زندگی ہے، اور ایک حصہ مرنے کے بعد برزخ کی طویل ترین زندگی ہے، اور ایک حصہ قیامت اور جنت و دوزخ کی لامحدود زندگی کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اکابرِ اُمت کے سامنے زندگی کے یہ تینوں حصے تھے اور وہ ان تینوں حصوں کو سامنے رکھ کر نفع و نقصان اور فقر و غنیٰ کا میزانیہ کرتے تھے۔ اس لئے دُنیا کی زندگی کے حقیر و قلیل سے وقفے کا فقر و فاقہ ان کی نظر میں برزخ کی طویل اور آخرت کی لامحدود زندگی کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ روزے دار کے روزے کی طرح اس کو ایک معمولی مجاہدہ سمجھ کر برداشت کرتے تھے۔ اس کے برعکس ہمارے سامنے دُنیا ہی دُنیا کی زندگی ہے، برزخ اور آخرت کا یقین اس قدر مضمحل اور کمزور ہوچکا ہے کہ گویا سرے سے یقین ہی نہیں، اس لئے ہم صرف اور صرف دُنیا کی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنی کامیابی و ناکامی اور فقر و غنیٰ کا میزانیہ مرتب کرتے ہیں، اور جب اس میں کچھ کمی نظر آتی ہے تو شکایتوں کا دفتر کھول بیٹھتے ہیں۔ اے کاش! ہماری یقین کی آنکھیں روشن ہوجائیں تو ہمیں دُنیا کی زندگی سرابِ محض نظر آنے لگے۔[۵]

---

(۱) عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ عزّ وجلّ فرغ الٰی کل عبد من خلقہ من خمس: من أجلہ، وعملہ، ومضجعہ، وأثرہ، ورزقہ۔ رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ ص:۲۳، باب الْإیمان بالقدر، الفصل الثالث)۔

(۲) عن عائشۃ قالت: ما شبع آل محمدٍ من خبز الشعیر یومین متتابعین حتّٰی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص:۴۴۶)۔

(۳) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: عرض علَیَّ ربّی لیعجل لی بطحاء مکۃ ذھبا، قلت: لَا یا رَبِّ! ولٰکن أشبع یومًا وأجوع یومًا۔ أو قال ثلاثًا، أو نحو ھٰذا، فإذا جعت تضرّعت إلیک وذکرتک، فإذا شبعت شکرتک وحمدتک۔ (ترمذی ج:۲ ص:۵۸، باب ما جاء فی الکفاف الصبر علیہ)۔

(۴) عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یدخل الفقراء الجنّۃ قبل الأغنیاء بخمس مأۃ عام نصف یوم۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص:۴۴۷ طبع قدیمی)۔

(۵) فالحاصل أن الدور ثلاث: دار الدنیا، ودار البرزخ، ودار القرار۔ وقد جعل اللہ لکل دار أحکامًا تخصھا ورکّب ھٰذا الْإنسان من بدن ونفس وجعل أحکام الدنیا علی الأبدان والأرواح تبع لھا، وجعل أحکام البرزخ علی الأرواح والأبدان تبع لھا، فإذا جاء یوم حشر الأجساد وقیام الناس من قبورھم صار الحکم والنعیم والعذاب علی الأرواح والأجساد جمیعًا۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص:۴۵۲)۔

نظر لگنے کی کیا حیثیت ہے؟

سوال:... ہمارے معاشرے میں یا یوں کہئے کہ ہمارے بڑے بوڑھے ''نظر ہونے یا نظر لگنے'' کے بہت قائل ہیں، خاص طور سے چھوٹے بچوں کے لئے بہت کہا جاتا ہے (اگر وہ دُودھ نہ پیئے یا کچھ طبیعت خراب ہو، وغیرہ) کہ: ''بچے کو نظر لگ گئی ہے'' پھر باقاعدہ نظر اُتاری جاتی ہے۔ برائے مہربانی اس کی وضاحت کردیں کہ اسلامی معاشرے میں اس کی توجیہ کیا ہے؟

جواب:... نظر لگنا برحق ہے، اور اس کا اُتارنا جائز ہے، بشرطیکہ اُتارنے کا طریقہ خلافِ شریعت نہ ہو۔[۱]

قاتل کو سزا کیوں جبکہ قتل اس کا نوشتۂ تقدیر تھا

سوال:... ایک شخص نے ہم سے یہ سوال کیا ہے کہ ایک آدمی کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ اس کے ہاتھوں فلاں شخص قتل ہوجائے گا، تو پھر اللہ پاک کیوں اس کو سزا دے گا؟ جبکہ اس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا، اس کے بغیر کوئی چارہ ہو ہی نہیں سکتا، جبکہ ہمارا تقدیر پر ایمان ہے کہ جو تقدیر میں ہے وہی ہوگا تو پھر اللہ پاک نے سزا کیوں مقرّر کی ہوئی ہے؟

جواب:... تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ و اختیار سے فلاں کو قتل کرکے سزا کا مستحق ہوگا، چونکہ اس نے اپنے ارادہ و اختیار کو غلط استعمال کیا، اس لئے سزا کا مستحق ہوا۔[۲]

جب مرنے کے اسباب مقرّر ہیں تو پھر مارنے والے کو سزا کیوں دی جاتی ہے؟

سوال:... کیا ہر بشر کی موت کا دن مقرّر ہے؟ اس میں تقدیر کا کہاں تک دخل ہے؟ سوال واضح کرنے کے لئے جب آدمی مرجاتا ہے تو سب کہتے ہیں کہ جو لکھا تھا وہ تو ہونا ہی تھا۔ مثال کے طور پر ایک آدمی سڑک پر جارہا تھا، اس کو ایک کار والے آدمی نے ٹکر ماردی اور وہ مرگیا، اب بتائیں کہ اگر اس مرنے والے کی موت کار والے کے ہاتھ سے لکھی تھی تو اس میں کار والے کا کیا قصور ہے؟ اور وہ گناہگار کیسے ہوا؟ جو لکھا تھا وہ تو ہونا ہی تھا، اسے کون روک سکتا ہے؟

جواب:... موت کا وقت مقرّر ہے، اور جو حادثے سے موت ہو تو اس کی اسی طرح لکھی تھی، لیکن کار والے پر گرفت اس کی بے احتیاطی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔[۳]

---

(۱) عن یحییٰ بن أبی کثیر قال: حدثنی حیة بن حابس التمیمی حدثنی أبی أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: لَا شیء فی الھام، والعینُ حق۔ وعن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: لو کان شیء سابق القدر لسبقته العین .... الخ۔ (ترمذی ج:۲ ص:۲۶، أبواب الطب، طبع قدیمی)۔

(۲) والمقتول میّت بأجله أی: الوقت المقدر لموته ...... ان وجوب العقاب والضمان علی القاتل تعبدی، لِارتکابه المنھی وکسبه الفعل الذی یخلق اللہ تعالیٰ عقبیه الموت بطریق جری العادة، فإن القتل فعل القاتل کسبًا۔ (شرح عقائد ص:۱۲۶ طبع ایچ ایم سعید کراچی)۔

(۳) ان المقتول میّت بأجله ووقته المقدر بموته فقد قال اللہ تعالیٰ: ''فَإِذَا جَآءَ أَجَلُھُمْ لَا یَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ'' ..... ان وجود العقاب والضمان علی القاتل تعبدی لِارتکابه المنھی عنه .... الخ۔ (شرح فقه اکبر ص:۱۵۲، ۱۵۳)۔

خودکشی کو حرام کیوں قرار دیا گیا جبکہ اس کی موت اسی طرح لکھی تھی؟

سوال:... جب کسی کی موت خودکشی سے واقع ہونی ہے تو خودکشی کو حرام کیوں قرار دیا گیا، جبکہ اس کی موت ہی اس طرح لکھی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ رہنمائی فرمائیں اور تفصیل کے ساتھ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب:... موت تو اسی طرح لکھی تھی،[۱] مگر اس نے اپنے اختیار سے خودکشی کی، اس لئے اس کے فعل کو حرام قرار دیا گیا۔[۲]

اور عقیدۂ تقدیر رکھنے کے باوجود آدمی کو دُوسرے کے بُرے افعالِ اختیاریہ پر غصہ آتا ہے، مثلاً: کوئی شخص کسی کو ماں بہن کی گالی دے تو اس پر ضرور غصہ آئے گا، حالانکہ یہ عقیدہ ہے کہ حکمِ الٰہی کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا!

کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں موت کے سوا کچھ نہیں ہے؟

سوال:... ایک صاحب تقدیر پر کوئی یقین نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ: قدرت نے موت کے سوا اپنے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رکھا۔

جواب:... کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، مذکورہ بالا خیال تو قرآنِ کریم کے صریح ارشاد کے خلاف ہے،[۳] ان صاحب کو اپنے خیالات سے توبہ کرنی چاہئے اور کسی عالمِ حقانی کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

شوہر اور بیوی کی خوش بختی یا بدبختی آگے پیچھے مرنے میں نہیں ہے

سوال:... بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی عورتیں جو اپنے خاوند کے انتقال کے بعد زندہ رہتی ہیں وہ بدبخت ہیں، اور جو عورتیں خاوند سے پہلے انتقال کر جاتی ہیں، وہ بہت خوش نصیب ہیں۔

جواب:... خوش بختی اور بدبختی تو آدمی کے اچھے اور بُرے اعمال پر منحصر ہوتی ہے،[۴] پہلے یا بعد میں مرنے پر نہیں۔

کیا دُعا سے تقدیر کی تبدیلی ہوتی ہے؟

سوال:... آپ نے تقدیر اور اختیار کے بارے میں جواب اچھا دیا، اگر وہ سمجھ گیا۔ ان صاحب کی طرح بہت سے لوگوں کو

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔

(۲) عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من تردّٰی من جبل فقتل نفسه فهو فی نار جهنم یتردّٰی فیها خالدًا مخلّدًا فیها أبدًا، ومن تحسّٰی سمّا فقتل نفسه فسمه فی یده یتحسّاه فی نار جهنم خالدًا مخلّدًا فیها أبدًا۔ متفق علیه۔ (مشکوٰة ص: ۲۹۹ کتاب القصاص)۔

(۳) "تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" أی هو المتصرف فی جمیع المخلوقات بما یشاء، لَا معقّب لحکمه، ولَا یُسأل عما یَفعل، لقهره وحکمته وعدله، ولهٰذا قال تعالٰی: وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۶ ص:۲٦۷)۔

(۴) عن أبی بکرة أن رجلًا قال: یا رسول الله! أی الناس خیر؟ قال: من طال عمره وحسن عمله۔ قال: فأی الناس شر؟ قال: من طال عمره وقصر عمله۔ (مشکوٰة ص:۴۵۰) وقال الطیبی رحمه الله: وقد سبق ان الأوقات والساعات کرأس المال للتاجر فینبغی ان یتجر فیما یربح فیه وکلما کان رأس ماله کثیرًا کان الربح أکثر فمن مضی لطیبه فاز وأفلح، ومن أضاع رأس ماله لم یربح وخسر خُسرانًا مبینًا۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج:۵ ص:۷۸)۔

وہم ہے کہ دُعا کا کوئی اثر نہیں ہے، اور ایسے سوال و جواب سے بہت سے لوگوں کا عقیدہ ختم ہوجاتا ہے، نماز اور نیکی کا کام چھوڑ کر تقدیر پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک بات لکھنا چاہتی ہوں، قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ہر اِنسان کے لئے موت کا ایک وقت مقرّر کیا ہے، اس دن انسان کو مرنا ہے، ہاں! اگر میں چاہوں تو زندگی بخش دیتا ہوں، یعنی انسان کی عمر بڑھا دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہر سوال کا جواب دیا ہے، اللہ دُعا سے تقدیر بدل سکتا ہے، اس لئے دُعا کو اتنی اہمیت دی ہے، خدا سب کچھ کرسکتا ہے۔ اللہ کی ایک بات کے ہزار مطلب ہیں، اگر کوئی سمجھے اور سمجھنے کی کوشش کرے۔ میرا تو اِیمان ہے کہ اللہ دُعا سے تقدیر بدل دیتا ہے، اللہ رحیم ہے۔

جواب:...آپ کا مضمون بڑی حد تک صحیح ہے۔ دُعا کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ سے مانگنا، اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا اور اِلتجائیں کرنا۔ بندے کو بحیثیت بندہ ہونے کے اس وظیفۂ عبدیت سے غافل نہیں ہونا چاہئے، خصوصاً جبکہ اس رحیم و کریم آقا کی جانب سے قبولیت کا وعدہ بھی ہے۔[1]

---

(۱) ”وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ“ (المؤمن:۶۰)۔ ”وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ، اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ، فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ“ (البقرة:۱۸۶)۔

محاسنِ اسلام

اسلام دِینِ فطرت

سوال:... میرے ایک مسیحی دوست کے سوال کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں عنایت کریں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام بڑا خشک مذہب ہے اور فطری دِین ہونے کا دعویدار بھی ہے۔ اسلام میں تفریح کا کوئی تصوّر ہی نہیں، ہر طرف بوریت ہی بوریت ہے، دِل بہلانے والی سب چیزیں ناجائز ہیں۔ موسیقی کی طرف ہر انسان کا رُجحان ہوتا ہے، اور ہر رُوح وجد میں آجاتی ہے، اسلام فطرتِ انسان کو اس تقاضے سے کیوں باز رکھتا ہے؟ محظوظ ہونے کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟ موجودہ زمانے میں مشینی دور کی وجہ سے ہر آدمی مصروف ہے اور دِن بھر کام کرنے کے بعد ہر آدمی کا دِل تفریح کرنے کو چاہتا ہے، یہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، سینما، ڈانس کلب اور کھیل کے میدان ہیں۔ جوان لڑکوں کا فٹ بال اور ہاکی کھیلنا بہت حد تک بوریت ختم کرنے کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ضرور جواب دیں گے، آپ کا بہت بہت شکریہ۔

جواب:... آپ کے مسیحی دوست کو غلط فہمی ہے۔ اسلام دِینِ فطرت ہے، اور فطرت رُوح کی بالیدگی کا تقاضا کرتی ہے، اور اسلام رُوح کی بالیدگی اور اس کی تفریح کا پورا سامان مہیا کرتا ہے، اور اس کا کامل و مکمل نظام عطا کرتا ہے۔ جبکہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں رُوح کی صحیح تفریح اور بالیدگی کا فطری نظام موجود نہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، نغمے، موسیقی اور دیگر خرافات جن کو سامانِ تفریح سمجھا جاتا ہے، یہ نفس کی تفریح کا سامان ہے، رُوح کی تفریح کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر مقبولانِ اِلٰہی کی زندگی ان کھیل تماشوں کی تفریح سے بالکل خالی ملتی ہے، اور آج بھی ان تفریحات کی طرف فساق و فجار کا رُجحان ہے، جو حضرات رُوحانیت سے آشنا اور معرفتِ اِلٰہی کے جام سے سرشار ہیں وہ ان چیزوں کو لہو ولعب سمجھتے ہیں۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ تفریح نفس کو موٹا اور فربہ کرکے انسان کو یادِ خدا سے غافل کردیتی ہے، اس لئے اسلام عین تقاضائے فطرت کے مطابق ان کو غلط اور لائقِ احتراز بتلاتا ہے۔[۱]

---

(۱) "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ .... لهو الحديث على ما روى عن الحسن كل ما شغلك عن عبادة الله تعالٰى وذكره من السمر والأضاحيك والخرافات والغنا ونحوها. (تفسير رُوحِ المعانى ج:۲۱ ص:۶۷ سورة لقمان آيت:۶). وفى التاتارخانية: إعلم أن التغنى حرام فى جميع الأديان ...إلخ. (أيضًا رُوح المعانى ج:۲۱ ص:۶۸).

اسلام دُوسرے مذاہب سے کن کن باتوں میں افضل ہے؟

سوال:... قریب قریب دُنیا کے سارے مذاہب انسانی فلاح وابدی سکون (بہتر آخرت) کی ہدایات دیتے رہے ہیں، بے شک اسلام دُنیا کا آخری اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا سچا مذہب ہے، جس کی گواہی دُنیا کے بڑے بڑے مذاہب، توریت، اِنجیل اور زَبور سے ملتی ہے۔ ذرا تفصیل سے بتائیں کہ اسلام کی کون سی چیز اور کون سے حقائق اسے دُوسرے مذاہب سے افضل تر بتاتے ہیں؟

جواب:... ایک تابعیؒ نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا تھا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بہت ہی عجیب سی بات بتایئے، جواب میں انہوں نے فرمایا: بیٹا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی بات ایسی ہے جو عجیب نہیں تھی! [1]

اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہی ارشاد آپ کے سوال کا جواب ہے، آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اسلام کس بات میں دُوسرے مذاہب سے افضل ہے؟

ہماری گزارش یہ ہے کہ اسلام کی کون سی چیز دُوسرے مذاہب سے افضل و برتر نہیں؟ عقائد وعبادات کی جو تفصیل اسلام نے پیش کی ہے، کیا دُنیا کا کوئی مذہب یہ تفصیل پیش کرتا ہے؟ اخلاق، معاملات، معاشرت اور سیاست کے بارے میں اسلام نے جو تفصیلی ہدایات عطا کی ہیں، کیا یہ ہدایات کسی دُوسرے مذہب کی کتابوں میں ڈھونڈنے سے بھی ملتی ہیں؟

پھر اسلام اپنے ہر حکم میں جو کامل اعتدال ملحوظ رکھتا ہے، کیا دُنیا کے کسی مذہب میں اس اعتدال کی نظیر ملتی ہے؟ اور ساری باتوں کو چھوڑ کر آپ صرف ایک نکتے پر غور فرمایئے کہ وہ تمام بڑے بڑے مذاہب جو آج دُنیا میں موجود ہیں، انہوں نے کسی نہ کسی شکل میں انسان کا سر مخلوق کے آگے جھکایا، کسی نے آگ اور پانی کے سامنے، کسی نے حیوانات کے سامنے، کسی نے سورج چاند اور اَجرامِ فلکی کے سامنے، اور کسی نے خود اِنسانی ہستیوں کے آگے، اسلام دُنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے انسان کو ''اشرف المخلوقات'' کا بلند ترین منصب عطا کیا، اس کے صحیح مقام سے آگاہ کیا، اور اسے اپنے جیسی مخلوق کی بندگی سے نجات دِلا کر خالقِ کائنات کی بندگی کی راہ دِکھائی۔ اسلام ہی نے دُنیا کو بتایا کہ انسان کائنات کی پرستش کے لئے نہیں بلکہ خود کائنات اس کی خدمت کے لئے ہے، یہ اسلام کا انسانیت پر وہ احسان ہے جس کے شکر سے وہ کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی، اور یہ اسلام کا وہ طرۂ امتیاز ہے جس میں دُنیا کا کوئی مذہب اس کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

یہ آپ کے سوال کا بہت ہی مختصر سا جواب ہے، جس کی تفصیل کے لئے ایک ضخیم تصنیف کی ضرورت ہے۔

کیا غیر مذہب لوگوں کو اِسلام کا حق ہونا معلوم ہے؟

سوال:... یہ جتنے غیر مذاہب کے لوگ ہیں، کیا انہیں یہ پتا ہوتا ہے کہ اسلام دِینِ برحق ہے؟ یا انہیں اس کا پتا نہیں چلتا؟ یا یہ

---

(۱) عن عطاء قال: دخلت أنا وعبدالله بن عمر وعبيد بن عمير علٰى أمّ المؤمنين عائشة رضى الله عنها .... أخبرينا بأعجب ما رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فبكت وقالت: كل أمره كان عجبًا ...إلخ. (تفسير ابن كثير ج:۲ ص:۱۶۹).

لوگ محض اپنی خواہشِ نفس اور غرور و تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے؟

جواب:…حق تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح سیاہ و سفید کو پہچاننے کے لئے آنکھیں دی ہیں، اور جیسے میٹھا اور کڑوا پہچاننے کے لئے قوّتِ ذائقہ دی ہے، اسی طرح صحیح اور غلط مذہب کو پہچاننے کے لئے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہے۔ اگر ایک عاقل بالغ، مذہب کو نہیں سمجھتا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس میں شعور نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس شعور سے کام نہیں لینا چاہتا۔ بہرحال قیامت کے دن صحیح عقیدے پر نجات ہوگی، واللہ اعلم! (۱)

”بنیاد پرستی“ کا مفہوم

سوال:…آج کل تمام مغربی اقوام اور سپر طاقتیں (نام نہاد) ان تمام تحریکوں سے یا ان تمام اسلامی ممالک سے اس قدر خائف ہیں جو اپنے اپنے ملکی نظام کو خالص اسلامی نظام میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔ اسی بنا پر ایسے نظام اپنانے والوں کو اَقوامِ مغرب ”بنیاد پرست، مذہب پرست“ وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ خود ہی اقرار کرلیتے ہیں کہ ان کے پاس بنیاد موجود ہے۔ الحمدللہ! تمام مسلمانوں کو آج بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے پاس بنیاد ”قرآنِ پاک“ کی صورت میں موجود ہے۔ جس تنظیم یا تحریک یا ملک نے خالص اسلامی نظامِ قرآن رائج کرنے کی کوشش کی اسے ”بنیاد پرست“ کہا گیا ہے۔ براہِ کرم یہ بتائیں کہ:

۱:…اگر قرآنِ پاک کا خالص اسلامی نظام رائج کردیا جائے تو ”بنیاد پرستی“ کا لفظ قابلِ قبول ہے مسلمانوں کے لئے؟ (کیونکہ ”بنیاد پرستی“ کے معنی یورپی اقوام کی نظر میں ”رجعت پسندی“ کے لئے جاتے ہیں) جبکہ مغربی اقوام کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے۔

۲:…کیا مسلمان قرآنِ پاک کا حامل ہونے کی بنا پر ”بنیاد پرست“ ہی تسلیم کیا جاتا ہے؟

جواب:…”بنیاد پرستی“ اور ”رجعت پسندی“ کے اگر یہی معنی ہیں کہ آدمی، اللہ تعالیٰ کے اَحکام کے مطابق زندگی بسر کرے تو اس سے بڑھ کر کسی مسلمان کے لئے اور کیا اِعزاز ہوسکتا ہے…؟ اصل بات یہ ہے کہ اقوامِ مغرب کے پاس کوئی آسمانی نظام موجود نہیں، جس کے مطابق وہ زندگی گزاریں، اس لئے انہوں نے مذہب کو ہر شخص کا نجی اور ذاتی معاملہ قرار دے رکھا ہے، ان کے دِین کو، ان کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، جبکہ مسلمانوں کے پاس کامل و مکمل آسمانی ہدایت نامہ موجود ہے، جو زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی، سماجی و سیاسی، معاشی و معاشرتی شعبوں میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے۔ اقوامِ مغرب، مسلمانوں کی اس قوّت سے آگاہ ہیں، اور انہیں ہر لحظہ یہ خطرہ رہتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے اس آسمانی و رُوحانی نظام کو اَپنالیا تو مسلمان پھر دُنیا پر اسی طرح چھا جائیں گے جس طرح قرونِ اُولیٰ میں ایک قلیل عرصے میں دُنیا بھر کے باطل نظاموں پر غلبہ و تفوّق حاصل کرلیا تھا۔ اس لئے وہ مسلمانوں کو اس نظام سے بدظن کرنے کے لئے طرح طرح کے شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں۔ ”بنیاد پرستی“ اور ”رجعت پسندی“ کا طعنہ بھی انہیں اوچھے ہتھیاروں میں سے ایک ہے۔

---

(۱) ومنها ان العقل آلة للمعرفة ..... فقد ذكر الحاكم الشهيد فى المنتقىٰ أنّ أبا حنيفة قال: لَا عذر لأحد فى الجهل بخالقه ..... الخ۔ (شرح فقه الأكبر ص:۱۶۸ طبع دهلى)۔

نظامِ اسلام کی مخالفت کرنے والوں کا شرعی حکم

سوال:... پاکستان اور بنگلہ دیش میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور حکمراں بھی مسلمان ہیں، لیکن ان ملکوں کا نظامِ زندگی دِینِ انگریز پر چل رہا ہے، اور دِینِ اسلام، دِینِ انگریز (لادِینی نظام) کے تابع بنا کر رکھا گیا ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کی غیرمسلم اقلیتیں اور حکمراں طبقہ ان مسلم ملکوں میں دِینِ انگریز جو لادِینی نظامِ زندگی ہے، ختم کرنے پر سخت ناراض ہیں، اور سخت مخالف ہیں، اس بارے میں مسلمانوں کے لئے اور غیرمسلم اقلیتوں کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب:... اسلامی شریعت تو لادِینی نظام کی دُشمن ہے، قرآنِ کریم میں جگہ جگہ: "مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ" کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ بھی اعلان فرمایا گیا کہ: "اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ" (الزمر:۳)۔ غیرمسلم اقلیتیں اگر یہ چاہتی ہیں کہ مسلمان نظامِ شریعت کو نہ اپنائیں بلکہ انگریز کے دِینِ لادِینیت کے تابع رہیں، تو مسلمان حکمرانوں کو ان کی یہ خواہش پوری نہیں کرنی چاہئے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ: "یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی کرلو......اور اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کرلی بعد اس کے تمہارے پاس علم آچکا ہے، تو تمہارے لئے اللہ سے کوئی دوست اور حمایتی نہیں رہے گا۔"[۱]

الغرض مسلمانوں کا فرض ہے کہ انسانی خواہشات کے بجائے اَحکامِ ربانی اور شریعتِ محمدی کی تعمیل میں سرگرم ہوں اور دُشمنانِ دِین کے منصوبوں کو خاک میں ملادیں۔

اسلامی ممالک میں غیرمذہب کی تبلیغ پر پابندی تنگ نظری نہیں

سوال:... پہلے آپ میرے اس سوال کا جواب دیں کہ ہمارا اسلام تنگ نظر مذہب ہے؟ اگر آپ کا جواب نہیں میں ہے جو یقیناً نہیں میں ہوگا تو پھر اس "نہیں" کی روشنی میں میرے ذہن میں موجود اصل مسئلے کا جواب دیں کہ جب اسلام اپنی تبلیغ کا حکم دیتا ہے تو پھر دُوسرے مذاہب پر کیوں پابندی لگادیتا ہے؟ کیا اسلام کے پیروکاروں کو اِستقلال اور ثابت قدمی پر شک ہے جو ان کے اوّلین اُصولوں میں ایک ہے۔ پھر یہ کہ جب اسلامی مملکتوں میں دُوسرے مذاہب کی تبلیغ قانوناً ممنوع ہے تو کیا یہ خطرہ تو نہیں کہ غیرمسلم مملکتیں اسلام کی تبلیغ کے بارے میں ایسے ہی قوانین بناڈالیں۔ اگر کہیں ایسا ہوگیا تو اسلام کی تبلیغ کہاں اور کیونکر ہوگی؟ اور کیا موجودہ طریقۂ کار سے دُوسرے مذاہب کی سرگرمیوں کو خفیہ فروغ تو حاصل نہیں ہو رہا؟ اُمید ہے میرے ان سوالات کا تفصیلی جواب دے کر آپ میرے اور میرے حوالے سے کئی نوجوانوں کے ذہن میں موجود اس اُلجھن اور تشویش کو دُور کریں گے؟

جواب:... اپنے حریم میں کسی کو گھسنے نہ دینا تنگ نظری نہیں کہلاتی، حمیت و غیرت کہلاتی ہے! اسلام اگر تنگ نظر نہیں ہے تو بےغیرت بھی نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کی بیوی کو اپنی طرف علانیہ دعوت دینے لگے تو کیا شوہر اس کو برداشت کرے گا؟ اور کیا کوئی عقل منداس کو تنگ نظری کا طعنہ دے گا؟ اور کیا یہ کہا جائے گا کہ اس کو اپنی بیوی پر اِعتماد نہیں، اس لئے بُرا مناتا ہے...؟ آپ کو معلوم ہونا

---

(۱) "وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ...... وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ"۔ (البقرۃ:۱۲۰)۔

چاہئے کہ خدا تعالیٰ ہم سے زیادہ باغیرت ہے اور اس کا دِین انسانی ناموس سے زیادہ مقدس ہے۔ [۱]

رہا آپ کا یہ اِشکال کہ اگر اسلامی مملکت میں غیر مذاہب کو اپنی تبلیغ کرنے پر پابندی ہوگی تو غیر مسلم مملکتیں اپنے یہاں بھی مسلمانوں پر پابندی عائد کردیں گی کہ وہ تبلیغ نہ کریں۔ تو جناب! حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی عیسائی مملکتیں جنھیں عام طور پر فراخ دِل ''لبرل'' تصوّر کیا جاتا ہے مسلمانوں کی تبلیغ کے معاملے میں انتہائی متعصب ہوتی ہیں۔ ان کے ملکوں میں عیسائیوں کو اِسلام کی دعوت دینا تو درکنار ذرا آپ مسلمانوں کو ہی اسلام کی تعلیم دینے کے لئے کوئی مسجد یا مدرسہ تعمیر کرلیں تو دیکھیں۔ یہ جو آپ سنتے ہیں کہ انگلینڈ میں اتنی سو مساجد ہیں، یہ زیادہ تر خفیہ طور پر گھروں میں ہوتی ہیں، جن کے اندر دروازے بند کرکے اَذان دی جاتی ہے، وہ بھی بغیر مائک کے اور ہلکی آواز سے۔ اور جو آپ لندن یا دُوسرے شہروں میں کوئی اعلانیہ مسجد دیکھتے ہیں تو اس کے پیچھے کئی سالوں پر محیط صبر آزما جدوجہد کارفرما ہوتی ہے۔ آپ کو دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔ لندن دُنیا کا بڑا مرکز ہے، مسلمانوں کی بڑی آبادی کے علاوہ وہاں چالیس پچاس مسلم ممالک کے سفیر اور ان کے متعلقین رہتے ہیں، سالوں کی جدوجہد اور عرب سربراہان کے زور ڈالنے پر ریجنٹ پارک میں مسجد بنانے کی اجازت ملی، اس کا مینار کہیں لندن کے سینٹ پال چرچ کے مینار سے زیادہ بلند ہورہا تھا فوراً شرط عائد ہوئی کہ مسجد کا مینار اس چرچ سے اُونچا نہ ہو، جبکہ وہ چرچ ریجنٹ پارک سے دُور واقع ہے، اور اَذانوں کی آواز پر بھی ایک نوع کی پابندی ہے۔ اب سنئے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کے قیام کے لئے مانچسٹر بولٹن کے نزدیک پانچ سال کی تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد اِجازت ملی کہ آپ مسلمان بچوں کے لئے اسلامی دِینی مدرسہ بناسکتے ہیں۔ یہ کراچی یا پاکستان کی فراخ دِل، لبرل، مشنری مشنوں کے رُموز سے بے نیاز حکومت تھوڑی ہی ہے کہ کہیں تو عیسائیوں کی ''سیلویشن آرمی'' (نجات کی فوج) ہے اور کہیں بہترین علاقوں جیسے کہ صدر میں بلند سے بلند ترین گرجا گھر ہیں، جو سونے جیسی زمین میں وسیع و عریض رقبوں پر محیط ہیں۔ یہ سب اس کے علاوہ ہے کہ مشنری اسکول کالج روز افزوں ہیں، جو اگر مرتد نہیں بناسکتے تو راسخ العقیدہ مسلمان بھی نہیں رہنے دیتے۔ امریکا کی ''وسعتِ نظری'' کی مثال ایک پاکستانی دردمند مسلمان نے بیان کی۔ وہ شکاگو میں رہتے ہیں، جب انہوں نے یہاں عیسائیوں کی یہ ہمہ گیری، مشنری اسکول، مشنری اسپتال، گرجا گھروں اور عیسائی نمائندوں کی دیکھی جو قومی و صوبائی اسمبلی میں براجمان ہوتے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ امریکا میں تو ایک مسلمان ''سنڈے اسکول'' کھولنے کے لئے بھی برسوں لگ جاتے ہیں، پہلے تو جس محلّہ میں ''سنڈے اسکول'' کھولنا ہوتا ہے وہاں کی آبادی کی ''پبلک ہیرنگ'' کرائی جاتی ہے، باقاعدہ ووٹنگ ہوتی ہے کہ کتنے باشندے اسکول یا مسجد کی تعمیر کے حق میں ہیں، تو ظاہر ہے کہ عیسائی آبادی اپنی اکثریت کی بنا پر اس کو رَدّ کردیتی ہے، پھر ضلعی کورٹ، ہائی کورٹ میں مقدمہ پیش ہوتا ہے۔ ہر جگہ سے ہار ہار کر انجام کار سپریم کورٹ سے مسلمان اسکول کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے، اس میں دس سال گزر جاتے ہیں۔ امریکی کورٹ کے زبردست اِخراجات میں مسلمانوں کا فنڈ کنگال ہوجاتا ہے اور مسلمان ''سنڈے اسکول'' کا خواب اس ''لبرل'' ملک میں شرمندہ تعبیر نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ کوئی مسلمان محض اقلیت کی بنا پر پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی کا ممبر بن جائے، یہ ناممکنات میں سے ہے، اُن ''لبرل، فراخ دِل، وسیع النظر'' حکومتوں نے اقلیتوں کے نمائندوں کو پارلیمنٹ اور اسمبلی میں پہنچانے کا ٹنٹا نہیں پالا۔

---

(۱) عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا حد أغیر من الله فلذلک حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن .... (صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۲۸ طبع نور محمد کراچی).

انبیائے کرام علیہم السلام

بشریتِ انبیاء علیہم السلام

سوال:... جناب مکرمی مولانا صاحب! السلام علیکم، بعدہٗ عرض ہے کہ آپ کا رسالہ ''بینات'' شاید پچھلے سال یعنی ۱۹۸۰ء کا ہے، اس کا مطالعہ کیا، جس میں چند جگہ کچھ اس قسم کی باتیں دیکھنے میں آئیں کہ جن کی وضاحت ضروری ہے، کیونکہ میں نے دیگر حضرات کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا ہے، جس سے آپ کی بات اور ان حضرات کی بات میں بڑا فرق ہے، یا تو آپ ان کے خلاف ہیں؟ یا ان کی تحریروں کو نظرانداز کر رہے ہیں۔

مثلاً: نمبر: ۱ صفحہ: ۳۷-آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لحاظ سے نہ صرف نوعِ بشر میں داخل ہیں، بلکہ افضل البشر ہیں، نوعِ انسان کے سردار ہیں، آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، ''بشر اور انسان دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔''

لیکن جب میں دُوسرے حضرات کی تصانیف کو سامنے رکھتا ہوں تو زمین و آسمان کا فرق محسوس ہوتا ہے، آخر اس کی کیا وجہ؟ حالانکہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''تحقیق اُمت نے اِجماع کیا اس پر کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے، پس تابعین نے اعتماد کیا صحابہ کرامؓ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر، اس طرح ہر طبقے میں علماء نے اپنے پہلوں پر اِعتماد کیا۔'' (عقد الجید ص:۳۶ مطبع دہلی)

اُمید ہے کہ اگر دِین کا سمجھدار طبقہ یا کم از کم وہ حضرات جو تبلیغِ دِین میں قدم رکھتے ہیں وہ تو اس طریقے کو اِختیار کریں، تاکہ دِین میں تواتر قائم رہے۔ اب مندرجہ بالا مسئلے میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف بشر ہیں مگر افضل ہیں، انسانوں کے سردار اور آدم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بشر ہے۔ مگر...!

حکیم الامت جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی تصنیف ''نشر الطیب'' میں پہلا باب ہی نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھا ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے نور سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ساری کائنات کی پیدائش کا اظہار کیا ہے، اور اس ضمن میں چند احادیث بھی روایت کی ہیں، جن میں یہ ذکر بھی ہے کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے ربّ کے پاس نور تھے۔''

اور یہ بھی ہے کہ: میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

اور جناب رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: امداد السلوک میں اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے (دفتر سوم مکتوب نمبر:۱۰۰ میں) فرمایا، جس سے چند باتوں کا اظہار ہوتا ہے:

۱:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خلقت من نور اللہ“ میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔

۲:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور آپ کا سایہ نہ تھا۔

۳:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و مصلحت کے پیشِ نظر بصورت انسان ظہور فرمایا۔

مطلب یہ کہ مجدد صاحبؒ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو نور ہی مانتے ہیں، لیکن قدرتِ خداوندی نے مصلحت کے تحت شکل انسانی میں ظہور کیا۔

رسالہ ”التوسل“ جو مولوی مشتاق احمد صاحب دیوبندی کی تصنیف ہے اور مولوی محمود الحسن صاحب، مفتی کفایت اللہ صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب علمائے دیوبند کی تصدیقات سے مؤید ہے، اس میں لکھا ہے کہ: ”قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین“ میں نور سے مراد حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ نور اور سراج منیر کا اطلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اسی وجہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم اور روشن چراغ ہیں۔

نور اور چراغ ہمیشہ ذریعہ وسیلہ صراطِ مستقیم کے دیکھنے اور خوفناک طریق سے حالتِ حیات میں بھی وسیلہ ہے اور بعد وفات بھی وسیلہ ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب کو قریش مصیبت کے وقت اسی نور کے سبب حل مشکلات کا وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ (التوسل صفحہ:۲۲۔ تفسیر کبیر ج:۳ ص:۵۶۶)۔

”قد جآءکم من اللہ نور و کتٰب مبین۔ ان المراد بالنور: محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وبالکتٰب: القرآن۔“ (تفسیر کبیر ج:۱۱ ص:۱۸۹)۔

آپ سے عرض ہے کہ آپ بتائیں کہ یہ عقائد درست ہیں؟

نوٹ:... ان حضرات کے عقائد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور ثابت ہے جو آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوا۔

جواب:... حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کے حوالے سے آپ نے جو اُصول نقل کیا ہے کہ: ”شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے“ یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن آنجناب کا یہ خیال صحیح نہیں کہ راقم الحروف نے نور و بشر کی بحث میں اس اُصول سے اِنحراف کیا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں کہ ایک کا اثبات کرکے دُوسرے کی نفی کی جائے، بلکہ آپ صفتِ ہدایت اور نورانیتِ باطن کے اعتبار سے نورِ مجسم ہیں اور اپنی نوع کے اعتبار سے خالص اور کامل بشر ہیں۔

بشر اور انسان ہونا کوئی عار اور عیب کی چیز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کا اِنتساب خدانخواستہ معیوب سمجھا

جائے، اِنسانیت و بشریت کو خدا تعالیٰ نے چونکہ ''احسن تقویم'' فرمایا ہے،(۱) اس لئے بشریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کمالِ شرف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسان ہونا انسانیت کے لئے موجبِ صد عزّت و اِفتخار ہے۔

میرے علم میں نہیں کہ حضراتِ سلف صالحین میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائرۂ اِنسانیت سے خارج کیا ہو۔ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریت میں بھی منفرد ہیں، اور شرف و منزلت کے اعتبار سے تمام کائنات سے بالاتر اور: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے مصداق ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکمل البشر، افضل البشر اور سیّد البشر ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، کیوں نہ ہو جبکہ خود فرماتے ہیں:

''أنا سیّد ولد آدم یوم القیامة ولَا فخر!'' (مشکوٰۃ ص:۵۱۱، ۵۱۳)

ترجمہ:... ''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن، اور یہ بات بطورِ فخر نہیں کہتا!''

قرآنِ کریم میں اگر ایک جگہ:

''قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ'' (المائدۃ:۱۵)

فرمایا ہے، (اگر نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد لی جائے) تو دُوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے:

''قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔'' (بنی اسرائیل:۹۳)

ترجمہ:... ''آپ فرمادیجئے کہ: سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں، پیغمبر ہوں اور کیا ہوں؟''

''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُکُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ۔'' (الکہف:۱۱۰)

ترجمہ:... ''آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں، میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔''

''وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ، اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔'' (الانبیاء:۳۴)

ترجمہ:... ''اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے کسی بھی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا، پھر اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوجائے، تو کیا یہ لوگ دُنیا میں ہمیشہ کو رہیں گے؟''

قرآنِ کریم یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ نوعِ بشر ہی سے بھیجے گئے:

''مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللهِ۔'' (آل عمران:۷۹)

ترجمہ:... ''کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوّت عطا فرمادے، پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔''

''وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ

---

(۱) ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' (التین:۵)۔

بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ۔“ (الشوریٰ:۵۱)

ترجمہ:...”اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریق سے) یا تو اِلہام سے، یا حجاب کے باہر سے، یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے، پیغام پہنچا دیتا ہے۔“

اور انبیائے کرام علیہم السلام سے یہ اعلان بھی کرایا گیا ہے:

”قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ۔“ (ابراہیم:۱۱)

ترجمہ:...”ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرمادے۔“

قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا کہ بشر کی تحقیر سب سے پہلے اِبلیس نے کی، اور بشرِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا:

”قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَہٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔“ (الحجر:۳۳)

ترجمہ:...”کہنے لگا: میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے، جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے، پیدا کیا ہے۔“

قرآنِ کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ کفار نے ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ یہ تو بشر ہیں، کیا ہم بشر کو رسول مان لیں؟

”فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُہٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔“ (القمر:۲۴)

ترجمہ:...”پس کہنے لگے: کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا آدمی ہے اور اکیلا ہے، تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور جنون میں پڑ جائیں گے۔“

”وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ قُلْ لَّوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا“

(بنی اسرائیل:۹۴،۹۵)

ترجمہ:...”اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے بجز اس کے اور کوئی بات مانع نہ ہوئی کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ فرمادیجئے: اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے کہ اس میں چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔“

ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں، گویا کسی نبی کی نبوّت پر ایمان

لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان کو بشر اور رسول تسلیم کیا جائے، اسی لئے تمام اہلِ سنت کے ہاں ''رسول'' کی تعریف یہ کی گئی ہے:

''انسان، بعثه الله لتبليغ الرسالة والأحكام۔'' (شرح عقائد نسفی ص:۱۶ طبع خیر کثیر)

ترجمہ:... ''رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے پیغامات اور اَحکام بندوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث فرماتے ہیں۔''

جس طرح قرآنِ کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی بشریت کا اعلان فرمایا ہے، اسی طرح احادیثِ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بغیر کسی دغدغہ کے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں یہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میرا نور تخلیق کیا گیا (اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے) وہاں یہ بھی فرماتے ہیں:

۱:... ''اللّٰھم انما انا بشرٌ فایّ المسلمین لعنته أو سببته فاجعله له زکٰوة وأجرًا۔''

(مسلم ج:۲ ص:۳۲۳ عن عائشہؓ)

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں بھی ایک انسان ہی ہوں، پس جس مسلمان پر میں نے لعنت کی ہو، یا اسے برا بھلا کہا ہو، آپ اس کو اس شخص کے لئے پاکیزگی اور اجر کا ذریعہ بنادے۔''

۲:... ''اللّٰھم انی اتخذ عندک عھدًا لن تخلفنیه فانما انا بشر فای المؤمنین اٰذیته، شتمته، لعنته، جلدته فاجعلها له صلٰوة وزکٰوة وقربة تقربه بها الیک یوم القیامة۔''

(مسلم ج:۲ ص:۳۲۴ عن ابی ہریرہؓ)

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں آپ کے یہاں سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں، آپ اس کے خلاف نہ کیجئے! کیونکہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں، پس جس مؤمن کو میں نے ایذا دی ہو، گالی دی ہو، لعنت کی ہو، اس کو مارا ہو، آپ اس کے لئے اس کو رحمت و پاکیزگی بنادیجئے کہ آپ اس کی وجہ سے اس کو قیامت کے دن اپنا قرب عطا فرمائیں۔''

۳:... ''اللّٰھم انّما محمد (صلی الله علیه وسلم) بشر یغضب کما یغضب البشر۔ الحدیث۔'' (عن ابی ہریرہؓ مسلم ج:۲ ص:۳۲۴)

ترجمہ:... ''اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایک انسان ہی ہیں، ان کو بھی غصہ آتا ہے جس طرح اور اِنسانوں کو غصہ آتا ہے۔''

۴:... ''انی اشترطت علی ربی فقلت: انما انا بشر ارضی کما یرضی البشر واغضب کما یغضب البشر۔'' (مسلم ج:۲ ص:۳۲۴ عن انسؓ)

ترجمہ:... ''میں نے اپنے ربّ سے ایک شرط کرلی ہے، میں نے کہا کہ: میں بھی ایک انسان ہی

ہوں، میں بھی خوش ہوتا ہوں، جس طرح انسان خوش ہوتے ہیں اور غصہ ہوتا ہوں جس طرح دوسرے انسان غصہ ہوتے ہیں۔“

۵:...”انما انا بشر وانه یأتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض، فاحسب انه صادق، واقضی له بذٰلک، فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیأخذها أو لیترکها۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۳۲، مسلم ج:۲ ص:۷۴ عن اُمِّ سلمہؓ)

ترجمہ:...”میں بھی ایک آدمی ہوں اور میرے پاس مقدمہ کے فریق آتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض زیادہ زبان آور ہوں، پس میں اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں، پس جس کے لئے میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں، وہ محض آگ کا ٹکڑا ہے، اب چاہے وہ اسے اٹھالے جائے، اور چاہے چھوڑ جائے۔“

۶:...”انما انا بشر مثلکم انسٰی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی۔“

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۸، صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۱۲ عن ابن مسعودؓ)

ترجمہ:...”میں بھی تم جیسا انسان ہی ہوں، میں بھی بھول جاتا ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاددلادیا کرو۔“

۷:...”انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من دینکم فخذوا به، واذا امرتکم بشیٔ من رائی فانما انا بشر۔“ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۶۴ عن رافع بن خدیجؓ)

ترجمہ:...”میں بھی ایک انسان ہی ہوں، جب تم کو دِین کی کسی بات کا حکم کروں تو اسے لے لو اور جب تم کو (کسی دُنیوی معاملے میں) اپنی رائے سے بطور مشورہ کوئی حکم دُوں تو میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔“

۸:...”الَا ایها الناس! فانما انا بشر یوشک ان یأتی رسول ربی فأجیب ..... الخ۔“ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷۹ عن زید بن ارقمؓ)

ترجمہ:...”سنو! اے لوگو! پس میں بھی ایک انسان ہی ہوں، قریب ہے کہ میرے رَبّ کا قاصد (یہاں سے کوچ کا پیغام لے کر) آئے تو میں اس کو لبیک کہوں۔“

قرآنِ کریم اور ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفتِ نور کے ساتھ موصوف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی نفی کردی جائے، نہ ان نصوصِ قطعیہ کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار ممکن ہے۔

میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ بشریت کوئی عار اور عیب کی چیز نہیں، جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنا سوءِ ادب کا موجب ہو، بشر اور انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اس لئے بشریت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے، نقص نہیں، اور

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشرف المخلوقات میں سب سے اشرف و افضل ہونا خود انسانیت کے لئے مایۂ اِفتخار ہے۔

”اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طرۂ اِفتخار ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے سے اِنسانیت و بشریت رشکِ ملائکہ ہے۔“

(اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ج:۱ ص:۳۵)

یہی عقیدہ اکابر اور سلف صالحین کا تھا، چنانچہ قاضی عیاض رحمہ اللہ ”الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)“، القسم الثانی ص:۱۵۷، مطبوعہ ملتان میں لکھتے ہیں:

”قد قدمنا انه صلى الله عليه وسلم وسائر الأنبياء والرسل من البشر. وان جسمه وظاهره خالص للبشر، يجوز عليه من الآفات والتغيرات والآلام والأسقام وتجرع كأس الحمام ما يجوز على البشر، وهذا كله ليس بنقيصة، لأن الشئ انما يسمى ناقصًا بالإضافة الىٰ ما هو اتم منه واكمل من نوعه، وقد كتب الله تعالى علىٰ اهل هذه الدار: فيها يحيون وفيها يموتون ومنها يخرجون وخلق جميع البشر بمدرجة الغير.“

ترجمہ:... ”ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و رُسل نوعِ بشر میں سے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک اور ظاہر خالص بشر کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر پر وہ تمام آفات و تغیرات اور تکالیف و امراض اور موت کے احوال طاری ہوسکتے تھے۔ جو انسان پر طاری ہوتے ہیں اور یہ تمام اُمور کوئی نقص اور عیب نہیں، کیونکہ کوئی چیز ناقص اس وقت کہلاتی ہے جبکہ اس کی نوع میں سے کوئی دُوسری چیز اَتم و اَکمل ہو، دارِ دُنیا کے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات مقدّر فرمادی کہ وہ زمین میں جئیں گے، یہیں مریں گے اور یہیں سے نکالے جائیں گے، اور تمام اِنسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تغیر کا محل بنایا ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کی چند مثالیں پیش کرنے کے بعد ص:۱۵۸، ۱۵۹ پر لکھتے ہیں:

”وهٰكذا سائر انبيائه مبتلى ومعافى وذٰلك من تمام حكمته ليظهر شرفهم فى هٰذه المقامات، ويبين امرهم، ويتم كلمته فيهم، وليحقق بشريتهم، ويرتفع الإلتباس من اهل الضعف فيهم، لئلا يضلوا بما يظهر من العجائب علىٰ ايديهم، ضلال النصارىٰ بعيسىٰ بن مريم. قال بعض المحققين: وهذه الطوارى والتغيرات المذكورة انما تختص بأجسامهم البشرية المقصودة بها مقاومة البشر ومعانات بنى آدم لمشاكلة الجنس واما بواطنهم فمنزهة غالبًا عن ذٰلك معصومة منه متعلقة بالملأ الأعلىٰ والملٰئكة لأخذها عنهم وتلقيها الوحى منهم.“ (الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ ج:۲ ص:۱۵۷، ۱۵۹)

ترجمہ:... ”اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کہ وہ تکالیف میں بھی مبتلا ہوئے اور ان کو عافیت

سے بھی نوازا گیا، اور یہ حق تعالیٰ کی کمالِ حکمت تھی، تاکہ ان مقامات میں ان حضرات کا شرف ظاہر ہو، اور ان کا معاملہ واضح ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی بات ان کے حق میں پوری ہوجائے، اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی بشریت کو ثابت کردے اور اُمت کے اہلِ ضعف کو ان کے بارے جو اِلتباس ہوسکتا تھا وہ اُٹھ جائے، تاکہ ان عجائبات کی وجہ سے جو ان حضرات کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں، گمراہ نہ ہوجائیں۔ جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گمراہ ہوئے۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ: یہ عوارض اور تغیراتِ مذکورہ ان بشری اجسام کے ساتھ مخصوص ہیں جن سے مقصود بشریت کی مقاومت اور بنی آدم کی مشقتوں کا برداشت کرنا ہے، تاکہ ہم جنسوں کے ساتھ مشاکلت ہو، لیکن ان کی اَرواحِ طیبہ ان اُمور سے متأثر نہیں ہوتیں، بلکہ وہ معصوم ومنزہ اور ملأ اعلیٰ اور فرشتوں سے تعلق رکھتی ہیں، کیونکہ وہ فرشتوں سے علوم اَخذ کرتی ہیں، اور ان سے وحی اَخذ کرتی ہیں۔‘‘

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوعِ انسان میں داخل نہیں۔ آپ نے جو حوالے نقل کئے ہیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نور کی صفت کا اثبات کیا گیا ہے، مگر اس سے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار لازم نہیں آتا، اس لئے وہ میرے مدعا کے خلاف نہیں، اور نہ میرا عقیدہ ان بزرگوں سے الگ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ’’نشر الطیب‘‘[۱] میں سب سے پہلے نورِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات) کی تخلیق کا بیان فرمایا ہے، اور اس کے ذیل میں وہ احادیث نقل کی ہیں جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔ لیکن حضرتؒ نے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح بھی فرمادی ہے، چنانچہ پہلی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مسندِ عبدالرزّاق کے حوالے سے یہ نقل کی ہے:

’’آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نورِ الٰہی اس کا مادّہ تھا، بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا..... پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے، ایک حصے سے قلم پیدا کیا، دُوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش، آگے حدیث طویل ہے۔‘‘

اس کے فائدہ میں لکھتے ہیں:

’’اس حدیث سے نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اوّل الخلق ہونا باَوّلیتِ حقیقیہ ثابت ہوا، کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اَوّلیت کا حکم آیا ہے، ان اشیاء کا نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متأخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔‘‘

اور اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ظاہراً نورِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رُوحِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عبارت ہے، اور حقیقت

---

(۱) نشر الطیب ص:۵، ۶ پہلی فصل نورِ محمدی کے بیان میں۔ طبع کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور۔

رُوح کی اکثر محققین کے قول پر مادّہ سے مجرّد ہے، اور مجرّد کا مادّیات کے لئے مادّہ ہونا ممکن نہیں۔ پس ظاہراً اس نور کے فیض سے کوئی مادّہ بنایا گیا اور اس مادّہ سے چار حصے کئے گئے.... الخ۔ اور اس مادّہ سے پھر کسی مجرّد کا بننا اس طرح ممکن ہوا کہ وہ مادّہ اس کا جز و نہ ہو، بلکہ کسی طریق سے محض اس کا سبب خارج عن الذات ہو۔''

دُوسری روایت جس میں فرمایا گیا ہے کہ: بے شک میں حق تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیّین ہو چکا تھا، اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر ہی میں پڑے تھے.... اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اور اس وقت ظاہر ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدن تو بنا ہی نہ تھا، تو پھر نبوّت کی صفت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رُوح کو عطا ہوئی تھی، اور نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی رُوحِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام ہے، جیسا اُوپر مذکور ہوا۔''

اس سے واضح ہے کہ حضرت تھانویؒ کے نزدیک نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس رُوح ہے، اور اس فصل میں جتنے اَحکام ثابت کئے گئے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مقدسہ کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک رُوح کے اوّل الخلق ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار لازم نہیں آتا۔

اور حضرت تھانویؒ کی تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے خدا تعالیٰ کے نور سے پیدا کئے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نعوذ باللہ! نورِ خداوندی کا کوئی حصہ ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ نورِ خداوندی کا فیضان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مقدسہ کی تخلیق کا باعث ہوا۔

آپ نے قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ''امداد السلوک'' کا حوالہ دیا ہے کہ:

''احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے، اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔''

''امداد السلوک'' کا فارسی نسخہ تو میرے سامنے نہیں، البتہ اس کا اُردو ترجمہ جو حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے ''ارشاد الملوک'' کے نام سے کیا ہے، اس کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو اولادِ آدم ہی میں ہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو اتنا مطہر بنا لیا تھا کہ نورِ خالص بن گئے، اور حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا۔ اور شہرت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، اور ظاہر ہے کہ نور کے علاوہ ہر جسم کے سایہ ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو اس قدر تزکیہ اور تصفیہ بخشا کہ وہ بھی نور بن گئے، چنانچہ ان کی کرامات وغیرہ کی حکایتوں سے کتابیں پُر اور اتنی مشہور ہیں کہ نقل کی حاجت نہیں۔ نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ''جو لوگ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لائے، ان کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا۔'' اور دُوسری جگہ فرمایا ہے کہ: ''یاد کرو اس دن کو جبکہ موٴمنین کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا، اور منافقین کہیں

گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ اَخذ کریں' ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہوتے ہیں۔''

(ارشادالملوک مطبوعہ سہارنپور ص:۱۱۴، ۱۱۵)

اس اقتباس سے چند اُمور بالکل واضح ہیں:

اوّل:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اولادِ آدم علیہ السلام میں سے ہونا تسلیم کیا گیا ہے، اور آدم علیہ السلام کا بشر ہونا قرآنِ کریم میں منصوص ہے۔

دوم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس نورانیت کا اثبات کیا گیا ہے، وہ وہ ہے جو تزکیہ وتصفیہ سے حاصل ہوتی ہے، اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اس قدر اَکمل واعلیٰ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''نورِ خالص'' بن گئے تھے۔

سوم:... جسمِ اطہر کا سایہ نہ ہونے کو متواتر نہیں کہا گیا، بلکہ ''شہرت سے ثابت'' کہا گیا ہے۔ بہت سی روایات ایسی ہیں کہ زبان زدِ عام وخاص ہوتی ہیں، مگر ان کو تواتر یا اصطلاحی شہرت کا مرتبہ تو کیا حاصل ہوتا، خبرِ آحاد کے درجے میں ان کو حدیثِ صحیح یا قابلِ قبول ضعیف کا درجہ بھی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ وہ خالصتاً بے اصل اور موضوع ہوتی ہیں، سایہ نہ ہونے کی روایت بھی حد درجہ کمزور ہے، یہ روایت مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی، اس درجے کی کہ اس کے بعض راویوں پر وضعِ حدیث کی تہمت ہے۔

(اس کی تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مضمون میں ہے جو آخر میں بطورِ تکملہ نقل کر رہا ہوں۔)

چہارم:... احادیث کی تصحیح وتنقیح حضراتِ محدثینؒ کا وظیفہ ہے، حضراتِ صوفیاءِ کرامؒ کا اکثر وبیشتر معمول یہ ہے کہ وہ بعض ایسی روایات جو عام طور سے مشہور ہوں، ان کی تنقیح کے درپے نہیں ہوتے، بلکہ برتقدیرِ صحت اس کی توجیہ کردیتے ہیں۔ یہاں بھی شیخ قطب الدین مکی قدس سرہٗ نے (جن کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ حضرت گنگوہیؒ نے کیا ہے) اس مشہور روایت کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی پر نورانیت اور تصفیہ کا اس قدر غلبہ تھا کہ بطورِ معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا..... بہرحال اگر سایہ نہ ہونے کی روایت کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ بطورِ معجزہ ہی ہوسکتا ہے۔ گویا غلبہ نورانیت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر پر رُوح کے اَحکام جاری ہوگئے تھے، اور جس طرح رُوح کا سایہ نہیں ہوتا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کا بھی سایہ نہیں تھا، لیکن اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی نفی لازم نہیں آتی۔ ایک تو اس لئے کہ شیخ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی تصریح فرما رہے ہیں۔ دُوسرے نور کی یہ صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین اہلِ ایمان کے لئے ثابت فرما رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس نور کی بشریت سے منافات ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین کی بشریت کا انکار لازم آئے گا۔ تیسرے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو سب سے زیادہ جانتی ہیں، وہ فرماتی ہیں:

''کان بشرًا من البشر۔ رواہ الترمذی۔'' (مشکوٰۃ ص:۵۲۰)

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔''

سایہ نہ ہونے کی روایت کے بارے میں فتاویٰ رشیدیہ سے ایک سوال وجواب یہاں نقل کرتا ہوں۔

''**سوال:**... سایہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑتا تھا یا نہیں؟ اور جو ترمذی نے نوادر الاصول میں عبدالملک بن عبداللہ بن وحید سے انہوں نے ذکوان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا، سند اس حدیث کی صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع؟ ارقام فرماویں۔

جواب:... یہ روایت کتبِ صحاح میں نہیں، اور ''نوادر'' کی روایت کا بندہ کو حال معلوم نہیں کہ کیسی ہے؟ ''نوادر الاصول'' حکیم ترمذی کی ہے، نہ ابوعیسیٰ ترمذی کی، فقط واللہ اعلم! رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔''

اس اقتباس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت حدیث کی متداوَل کتابوں میں نہیں۔

اِمامِ ربانی مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے حوالے سے آپ نے تین باتیں نقل کی ہیں:

''۱:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''**خلقت من نور اللہ**'' میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔

۲:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

۳:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و مصلحت کے پیشِ نظر بصورتِ انسان ظاہر فرمایا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہونے اور سایہ نہ ہونے کی تحقیق اُوپر عرض کرچکا ہوں، البتہ یہاں اتنی بات مزید عرض کردینا مناسب ہے کہ: ''**خلقت من نور اللہ**'' کے الفاظ سے کوئی حدیث مروی نہیں، مکتوبات شریفہ کے حاشیہ میں اس کی تخریج کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی ''مدارج النبوۃ'' کے حوالے سے یہ روایت نقل کی گئی ہے:

''**انا من نور اللہ والمؤمنون من نوری۔**''

ترجمہ:... ''میں اللہ کے نور سے ہوں، اور موٴمن میرے نور سے ہیں۔''

مگر ان الفاظ سے بھی کوئی حدیث ذخیرۂ احادیث میں نظر سے نہیں گزری، ممکن ہے کہ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث (جو ''نشر الطیب'' کے حوالے سے گزرچکی ہے) کی روایت بالمعنی ہو، بہرحال اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کی شرح وہی ہے جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ''نشر الطیب'' سے نقل کرچکا ہوں۔

سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اجزاء و حصص سے پاک ہے، اس لئے کسی عاقل کو یہ تو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، نورِ خداوندی کا جز اور حصہ ہے، پھر اس روایت میں اہلِ ایمان کی تخلیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ذکر کی گئی، اگر جزئیت کا مفہوم لیا جائے تو لازم آئے گا کہ تمام اہلِ ایمان نورِ خداوندی کا جز ہوں، اس قسم کی روایات کی عارفانہ تشریح کی جاسکتی ہے، جیسا کہ اِمامِ ربانیؒ نے کی ہے، مگر ان پر عقائد کی بنیاد رکھنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو... نصوصِ قطعیہ کے علی الرغم... نوعِ انسان سے خارج کردینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

تیسری بات جو آپ نے حضرت مجدد رحمہ اللہ سے نقل کی ہے، اوّل تو وہ ان دقیق علوم و معارف میں سے ہے کہ جو عقولِ متوسطہ سے بالاتر ہیں، اور جن کا تعلق علومِ مکاشفہ سے ہے۔ جو حضرات تصفیہ و تزکیہ اور نورِ باطن کے اعلیٰ ترین مقامات پر فائز ہوں وہی

ان کے افہام و تفہیم کی صلاحیت رکھتے ہیں، عام لوگ ان دقیق علوم کو سمجھنے سے قاصر ہیں، ان لوگوں کو اگر ظاہرِ شریعت سے کچھ مس ہوگا تو ان اکابر کی شان میں گستاخی کریں گے (جس کا مشاہدہ اس زمانے میں خوب خوب ہو رہا ہے)، اور جن لوگوں کو ان اکابر سے عقیدت ہوگی وہ ظاہرِ شریعت اور نصوصِ قطعیہ کو پس پشت ڈال کر اِلحاد و زَندقہ کی وادیوں میں بھٹکا کریں گے: ''فان الجاھل إما مفرط و إما مفرِّط''، اس لئے اکابر کی وصیت یہ ہے کہ:

نکتہ ہا چوں تیغ پولاد است تیز
چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا
کز بریدن تیغ را نبود حیا
چہ شبہا نشستم دریں سیر گم
کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم
محیط است علم ملک بر بسیط
قیاس تو بروے نہ گردد محیط
نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد
نہ فکرت بغور صفاتش رسد

دُوسرے، آپ نے حضرت مجددؒ کا حوالہ نقل کرنے میں خاصے اِختصار سے کام لیا ہے، جس سے فہمِ مراد میں التباس پیدا ہوتا ہے، حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حق تعالیٰ کے علمِ اضافی سے ہوئی ہے:

''و مشہود می گردد کہ علم جملی کہ از صفات اضافیہ گشتہ است نوریست کہ در نشاۃ عنصری بعد از انصباب از اصلاب بارحام متکثرہ بمقتضائے حکم و مصالح بصورت انسانی کہ احسن تقویم است ظہور نمودہ و مسمّٰی بمحمد و احمد شدہ۔''

ترجمہ:... ''اور ایسا نظر آتا ہے کہ علمِ اجمالی جو کہ صفاتِ اضافیہ میں سے ہوگیا ہے، ایک نور ہے جو کہ نشاۃ عنصری میں بہت سی پشتوں اور رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حکم و مصالح کے تقاضے سے انسانی صورت میں جلوہ گر ہوا، اور محمد و احمد کے پاک ناموں سے موسوم ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔''

حضرت اِمامِ ربانیؒ کے اقتباس سے مندرجہ ذیل اُمور واضح ہوئے:

۱:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حق تعالیٰ کے علمِ اجمالی سے... صفتِ اضافیہ کے مرتبہ میں... ہوئی۔

۲:... یہ صفتِ اضافیہ ایک نور تھا، جس کو اِنسانی قالب عطا کیا گیا۔

۳:... چونکہ انسانی صورت سب سے خوبصورت سانچہ ہے، اس لئے حکمتِ خداوندی کا تقاضا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِنسان اور بشر کی حیثیت سے پیدا کیا جائے۔ اگر بشری ڈھانچے سے بہتر کوئی اور قالب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی انسانی

شکل میں پیدا نہ کیا جاتا۔ اس سے واضح ہے کہ حضرت اِمامِ ربانیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر نہیں، اور نہ وہ نور، بشریت کے منافی ہے جس کا وہ اثبات فرمارہے ہیں۔

آپ نے رسالہ ''التوسل'' اور ''تفسیرِ کبیر'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ آیتِ کریمہ: ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' میں ''نور'' سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے۔

اس آیت میں ''نور'' کی تفسیر میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ دوم یہ کہ اسلام مراد ہے۔ اور سوم یہ کہ قرآنِ کریم مراد ہے۔ اس قول کو اِمام رازیؒ نے اس بنا پر کمزور کہا ہے کہ معطوفین میں تغایر ضروری ہے، لیکن یہ دلیل بہت کمزور ہے۔ بعض اوقات ایک چیز کی متعدّد صفات کو بطورِ عطف ذکر کردیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ''بیان القرآن'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

بہرحال ''نور'' سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، یا اسلام ہو، یا قرآنِ کریم، بہرصورت یہاں ''نور'' سے ''نورِ ہدایت'' مراد ہے جس کا واضح قرینہ آیت کا سباق ہے:

''يَهْدِىْ بِهِ اللهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔'' (المائدہ:۱۶)

ترجمہ:... ''اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو، جو رضائے حق کے طالب ہوں، سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں (یعنی جنت میں جانے کے طریقے کہ عقائد واعمال خاصہ ہیں، تعلیم فرماتے ہیں، کیونکہ پوری سلامتی بدنی و رُوحانی جنت ہی میں نصیب ہوگی) اور ان کو اپنی توفیق (اور فضل) سے (کفر و معصیت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان وطاعت کے) نور کی طرف لے آتے ہیں، اور ان کو (ہمیشہ) راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔'' (بیان القرآن)

اِمام رازیؒ فرماتے ہیں:

''وتسمية محمد والإسلام والقرآن بالنور ظاهرة، لأن النور الظاهر هو الذى يتقوى به البصر علىٰ ادراك الأشياء الظاهرة۔ والنور الباطن أيضًا هو الذى تتقوى به البصيرة علىٰ ادراك الحقائق والمعقولَات۔'' (تفسیرِ کبیر ج:۱۱ ص:۱۸۹)

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اِسلام اور قرآن کو نور فرمانے کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ ظاہری روشنی کے ذریعہ آنکھیں ظاہری اشیاء کو دیکھ پاتی ہیں، اسی طرح نورِ باطن کے ذریعہ بصیرت حقائق ومعقولات کا ادراک کرتی ہے۔''

علامہ نسفیؒ ''تفسیرِ مدارک'' میں لکھتے ہیں:

''او النور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، لأنه یهتدی به کما سمی سراجًا''

(ج:۱ ص:۳۱۶)

ترجمہ:...'' یا نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت ملتی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چراغ کہا گیا ہے۔''

قریب قریب یہی مضمون تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر صاوی، روح البیان اور دیگر تفاسیر میں ہے۔

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

''جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوع کے اعتبار سے بشر ہیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفتِ ہدایت کے لحاظ سے ساری انسانیت کے لئے مینارۂ نور ہیں۔ یہی نور ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا راستہ مل سکتا ہے، اور جس کی روشنی ابد تک درخشندہ و تابندہ رہے گی، لہٰذا میرے عقیدے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی۔''

میری ان تمام معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نور کی صفت ثابت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِنسانیت اور بشریت کے دائرے سے خارج کردینا ہرگز صحیح نہیں۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوّت کا اعتقاد لازم ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت و بشریت کا عقیدہ بھی لازم ہے، چنانچہ میں فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے یہ نقل کرچکا ہوں:

''ومن قال لَا ادری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان انسیًّا أو جنیًّا یکفر، کذا فی الفصول العمادیة (ج:۲ ص:۳۶)، وکذا فی البحر الرائق (ج:۵ ص:۱۳۰)۔''

(فتاویٰ عالمگیری ج:۲ ص:۲۶۳)

ترجمہ:...'' اور جو شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن، وہ کافر ہے۔''

شریعت کی معرفت میں اعتماد علی السلف

سوال:...شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: '' شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے'' لیکن آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے اثبات میں اس اُصول کو ترک کردیا ہے۔ نیز قرآنِ کریم میں ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ'' میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو نہیں، نور کو ثابت کیا گیا ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام ابھی تک گارے مٹی میں تھے کہ میرا نور پیدا ہوا تھا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر بشر تھے تو آپ کا سایہ کیوں نہیں تھا؟ تفصیل سے جواب دیں۔

جواب:... آنجناب نے حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے جو اُصول نقل کیا ہے کہ ''شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے... الخ'' یہ اُصول بالکل صحیح اور دُرست ہے، اور یہ ناکارہ خود بھی اس اُصول کا شدّت سے پابند ہے، اور اس زمانے میں اسی کو ایمان کی حفاظت کا ذریعہ اور سلامتی کا راستہ سمجھتا ہے۔[۱] یہی وجہ ہے کہ اس ناکارہ نے اپنی تالیف ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں جگہ جگہ اکابر اہلِ سنت کے حوالے درج کئے ہیں۔

''نور اور بشر'' کی بحث میں آپ کا یہ خیال کہ میں نے اکابر کی رائے سے الگ راستہ اختیار کیا ہے، صحیح نہیں۔ بلکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی، یہی قرآنِ کریم کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، صحابہؓ و تابعینؒ اور اکابر اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔ قرآنِ کریم نے جہاں ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ'' فرمایا ہے، وہیں ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ... الخ'' بھی فرمایا ہے، اور جن اکابر کے آپ نے حوالے دیئے ہیں وہ بھی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے قائل ہیں، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے بھی قائل ہیں۔

میں نے تو یہ لکھا تھا کہ نور اور بشر کے درمیان تضاد سمجھ کر ایک کی نفی اور دُوسرے کا اثبات کرنا غلط ہے، تعجب ہے کہ جس غلطی پر میں نے متنبہ کیا تھا، آپ اسی کو بنیاد بنا کر سوال کر رہے ہیں۔ اکابرِ اُمت میں سے ایک کا نام تو لیجئے جو کہتے ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں، صرف نور ہیں۔

اور پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (نور ہونے کے ساتھ ساتھ) بشر ہونے پر جو عقلی و نقلی دلائل دیئے تھے تو آنجناب نے ان کی طرف اِلتفات نہیں فرمایا، کم سے کم شرح عقائد نسفی، جو تمام اہلِ سنت کی متفق علیہا ہے، اور فتاویٰ عالمگیری کے جو حوالے دیئے تھے، انہی پر غور فرمالیا جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مقدسہ و مطہرہ اگر حضرت آدم علیہ السلام سے قبل تخلیق کی گئی ہو، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی نفی کیسے لازم آئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کا سایہ نہ ہونے کی روایت اوّل تو حضراتِ محدثین کے نزدیک زیادہ قوی نہیں، علاوہ ازیں سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کا ٹکڑا سایہ فگن رہتا ہو، یا جس طرح رُوح کا سایہ نہیں ہوتا، اسی طرح غلبۂ نورانیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر پر رُوح کے اَحکام جاری ہوں۔ حضراتِ عارفین تجسّدِ اَرواح اور تروّحِ اَجساد کی اصطلاحات سے واقف ہیں۔ بہرحال محض سایہ نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں تھے، چنانچہ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جانتی ہیں، فرماتی ہیں: ''كان بشرًا من البشر'' (مشکوٰۃ شریف ص:۵۲۰)۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا نور ہونے سے کسی کو اِنکار نہیں، نہ اس ناکارہ نے اس کا اِنکار کیا ہے۔ بحث اس میں ہے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منافی ہے؟ میں نے یہ لکھا ہے کہ منافی نہیں، بلکہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نور ہیں، ٹھیک

---

(۱) ان الأمّة اجتمعت علٰى أن يعتمدوا على السلف فى معرفة الشريعة، فالتابعون اعتمدوا فى ذٰلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين، وهٰكذا كل طبقة اعتمد العلماء علٰى من قبلهم .... الخ۔ (عقد الجيد، لشاه ولى الله ص:۳۶)

اسی طرح سراپا بشر بھی ہیں۔(۱) اگر قرآنِ کریم، حدیثِ نبوی اور اکابرِ اُمت کے ارشادات میں آنجناب کو کوئی دلیل میرے اس معروضے کے خلاف ملے تو مجھے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

''نشر الطیب'' میں جہاں حضرت حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہٗ نے نورِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کے پیدا ہونے کا لکھا ہے، وہاں حاشیہ میں اس کی تشریح بھی فرمادی ہے، اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے (نشر الطیب ص:۵)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر؟

سوال:... کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیان اس بارے میں کہ زید کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام انسانوں کی طرح لفظ ''بشریت'' سے پکارا جائے۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ غلط ہے، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں درجہ بشریت میں بھی اور نورانیت میں بھی ہیں۔ آیا ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوع کے لحاظ سے بشر ہیں، اور قرآنِ کریم کے الفاظ میں ''بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' ہیں۔ ہادیٔ راہ ہونے کی حیثیت سے نور اور سراپا نور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں اور بشر انسان ہی کو کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان ماننا فرض ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت کا انکار کفر ہے۔(۲) اس سے معلوم ہوا کہ اگر زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا بھی قائل ہے تو اس کا موقف بھی صحیح ہے اور اگر بشریت اور نورانیت میں تضاد سمجھتا ہے تو اس کا موقف غلط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشرِ کامل ہیں اور صفتِ ہدایت کے اعتبار سے نورِ کامل ہیں۔

مسئلہ حاضر وناظر اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

سوال:... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف! خلاصۃ المرام اینکہ: بندۂ ناچیز ماہنامہ ''بینات'' میں آپ کے مضامین پوری دِلچسپی سے پڑھتا ہے جو عقائد واعمال واخلاق میں کافی مفید ثابت ہوتے ہیں، اور بندہ کو آپ کی علمی قابلیت پر کافی اعتماد ہے، اس لئے پیش آمدہ اِشکالات کے اِزالہ کے لئے آپ کی ذات ہی کو منتخب کیا ہے، اُمید ہے کہ آنجنابِ عالی اپنے قیمتی لمحات میں سے کچھ وقت جوابات کے لئے نکال کر محقق بات لکھ کر بندہ کی تسلی وتشفی فرمائیں گے۔

اِشکال نمبر۱:... آپ نے اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ص:۴۰ پر حاضر وناظر کے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں اور کائنات کی ایک ایک چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ہے، بداہتِ عقل کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں، چہ جائیکہ

---

(۱) والرسول إنسان بعثه الله تعالىٰ إلى الخلق لتبليغ الأحكام. (شرح عقائد نسفی ص:۱۶، عالمگیری ج:۲ ص:۲۶۳، الباب التاسع فی أحكام المرتدين). تفصیل سایہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کفایت المفتی ج:۱ ص:۸۶، ۸۷ طبع دارالاشاعت۔

(۲) من قال: لَا أدری ان النبی صلی الله عليه وسلم إنسيًّا أو جنيًّا يكفر. (بحر الرائق ج:۵ ص:۱۳۰)، ''فَقَالُوْا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا'' (التغابن:۶). أنكروا الرسالة للبشر ولم ينكروا العبادة للحجر. (تفسير نسفی ج:۳ ص:۴۹۱، طبع بيروت)۔

یہ شرعاً دُرست ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کو کسی دُوسری شخصیت کے لئے ثابت کرنا غلط ہے۔''

اِدھر آپ کا نظریہ پڑھا، اُدھر شیخِ اجل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ''اقرب التوسل بالتوجہ الی سیّد الرسل برحاشیہ اخبار الاخیار'' ص:۱۷۰ میں فرماتے ہیں:

''وبا چندیں اختلافات و کثرتِ مذاہب کہ در علمائے اُمت است یک کس را اختلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با حقیقت بے شائبہ مجاز تو ہم تاویل باقی است و بر اعمالِ اُمت حاضر و ناظر است۔''

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت محدث دہلویؒ کے زمانے تک حاضر و ناظر کے مسئلے میں اُمتِ محمدیہ کے کسی ایک فرد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ شاہ صاحبؒ کے زمانے کے بعد کسی کا اختلاف شاہ صاحب کے قول کو باطل نہیں کرسکتا۔ نیز اس میں ''بر اعمالِ اُمت'' کا لفظ ہے، اگر اُمت کو اُمتِ اجابت و دعوت دونوں کے لئے عام رکھا جائے اور ابتدا سے انتہا تک تمام کائنات کے احوال کو نگاہِ رسالت پر منکشف مانا جائے، اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے؟ جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ خود تصریح فرمارہے ہیں:

''ہرچہ در دنیا است از زمان آدم تا نفخۂ اُولیٰ بروے صلی اللہ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال اور از اول تا آخر معلوم گردید۔'' (مدارج النبوۃ ج:۱)

اور اس بارے میں طبرانی کی حدیث بھی موجود ہے:

''ان الله قد رفع لی الدنیا وانی انظر الیها والی ما هو کائن فیها۔''

نیز یہی شیخ رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ ج:۲ ص:۷۸۷ مطبوعہ نولشکور میں فرماتے ہیں:

''بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم مے بیند و مے شنود کلام ترا زیرا کہ وے متصف است بہ صفات اللہ تعالیٰ و یکے از صفات الٰہی آنست کہ ''انا جلیس من ذکرنی''، و پیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم نصیب وافر است ازیں صفت۔''

نیز مدارج النبوۃ ج:۲ ص:۷۸۹ (مطبوعہ نولشکور) میں فرماتے ہیں:

''وصیت میکنم ترا اے برادر! بدوام ملاحظہ صورت و معنی او اگرچہ باشی تو بتکلف و مستحقر پس نزدیک است کہ الفت گیرد روح تو بوے، پس حاضر آید ترا وے صلی اللہ علیہ وسلم عیاناً ویابی اورا، وحدیث کنی باوے وجواب دہد ترا اوی وحدیث گوید باو وخطاب کند ترا، پس فائز شوی بدرجہ صحابہ عظام ولاحق شوی بایشاں اِن شاء اللہ تعالیٰ۔''

موجودہ علماء کی فہم و فراست بھی مسلّم، لیکن متقدمین علماء کی فہم و فراست یقیناً بدرجہا فائق ہے۔ جن دلائل کی بنا پر مسئلہ حاضر و ناظر کی تردید کی جاتی ہے، کیا وہ دلائل حضرت محدث مرحوم کے سامنے نہ تھے؟ اگر حاضر و ناظر کا عقیدہ شرک ہوتا تو ایسے عظیم المرتبت شیخ اس عقیدہ کو متفق علیہ علمائے اُمت کیسے فرماتے ہیں؟ کیا تمام اکابر شرک میں مبتلا تھے؟ نعوذ باللہ من ذٰلک! اگر آپ کا نظریہ صحیح ہے تو ان عباراتِ بالا کا کیا جواب ہے؟

اُمید ہے کہ آپ میری اس بات کی پوری تحقیق سے کامل تشفی فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب:... مسئلہ حاضر و ناظر کے سلسلے میں اس ناکارہ نے یہ لکھا تھا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر میں اِستراحت فرما ہیں، اور دُنیا بھر کے مشتاقانِ زیارت وہاں حاضری دیتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں اور کائنات کی ایک ایک چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ہے، بداہتِ عقل کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں، چہ جائیکہ یہ شرعاً دُرست ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کو کسی دُوسری شخصیت کے لئے ثابت کرنا غلط ہے۔''

حضرتِ اقدس شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کا عقیدہ بھی یہی ہے، چنانچہ وہ اپنے رسالہ ''تحصیل البرکات بہ بیان معنی التحیات'' میں (جو کتاب المکاتیب والرسائل میں اڑتیسواں رسالہ ہے) **''السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ''** کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''اگر گویند کہ خطاب مر حاضر را بود، و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں مقام نہ حاضر است، بس توجیہ ایں خطاب چہ باشد؟

جوابش آنست کہ چوں ورود ایں کلمہ در اصل یعنی در شبِ معراج بصیغہ خطاب بود، دیگر تغیرش ندادند و برہماں اصلی گزاشتند۔

و در شرح صحیح بخاری میگوید کہ صحابہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بصیغہ خطاب میگفتند و بعد از زمانِ حیاتش ایں چنیں میگفتند السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نہ بلفظ خطاب۔''

(تحصیل البرکات بہ بیان معنی التحیات ص:۱۸۹)

ترجمہ:... ''اگر کہا جائے کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام میں حاضر نہیں، پس اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ اصل میں یعنی شبِ معراج میں یہ کلمہ صیغۂ خطاب کے ساتھ وارِد ہوا تھا، اس لئے اس کو اپنی اصل حالت پر رکھا گیا، اور اس میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔

اور صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صیغۂ خطاب کے ساتھ سلام کہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد **''السلام علی النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ''** کہتے تھے، خطاب کا صیغہ استعمال نہیں کرتے تھے۔''

اور مدارج النبوۃ باب پنجم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''و ازاں جملہ خصائص ایں را نیز ذکر کردہ اند کہ مصلّی خطاب میکند آنحضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بقول خود السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وخطاب نمی کند غیر اورا۔

اگر مراد بایں اختصاص آں داشتہ اند کہ سلام بر غیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخصوص واقع نہ شدہ است پس ایں معنی موافق است بحدیثے کہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ آمدہ است۔

......واگر مراد ایں دارند کہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود غیبت از خصائص است، نیز وجہے دارد۔

ووجہ ایں میگویند کہ چوں دراصل شبِ معراج درود بصیغۂ خطاب بود کہ از جانب رب العزت سلام آمد برحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ازاں ہم بریں صیغہ گزاشتند۔

ودر کرمانی شرح صحیح البخاری گفتہ است کہ صحابہ بعد از فوت حضرت السلام علی النبی میگفتند، نہ بصیغۂ خطاب، واللہ اعلم!''

ترجمہ:...''اور علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں ایک یہ بات ذکر کی ہے کہ نمازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر خطاب کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دُوسرے کو خطاب نہیں کرتا۔

اگر خصوصیت سے علماء کی مراد یہ ہے کہ نماز میں سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا خصوصیت کے ساتھ کسی دُوسرے کے لئے واقع نہیں ہوا تو یہ مضمون اس حدیث کے موافق ہے جو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اور اگر علماء کی مراد یہ ہو کہ غائب ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے تو یہ بات بھی ایک معقول وجہ رکھتی ہے، اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ چونکہ دراصل شبِ معراج میں دُرود صیغۂ خطاب کے ساتھ تھا کہ حضرت رَبّ العزّت کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا گیا، اس لئے بعد میں اسی صیغہ کو برقرار رکھا گیا۔

اور کرمانی شرح صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ کرامؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ''السلام علی النبی'' کہتے تھے، صیغۂ خطاب کے ساتھ نہیں کہتے تھے، واللہ اعلم!'' (ج:۱ ص:۱۶۵)

حضرت شیخ محدث دہلوی قدس سرہٗ کی ان عبارتوں سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غائب تسلیم کرتے ہوئے سلام بصیغۂ خطاب کی توجیہ فرماتے ہیں۔ دُوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شیخ رحمہ اللہ سے پہلے کے علماء بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر و ناظر کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ شریفہ کے بعد التحیات میں ''السلام علیک ایھا النبی'' کے بجائے غائب کا صیغہ استعمال کرتے اور ''السلام

علی النبی" کہا کرتے تھے۔

واضح رہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے جو بات کرمانی شرح بخاری کے حوالے سے نقل کی ہے، وہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے، ہم التحیات میں "السلام علیک ایہا النبی" پڑھا کرتے تھے، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو ہم اس کے بجائے "السلام علی النبی" کہنے لگے۔" (صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۲۶)[۱]

اس ناکارہ نے "اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم" میں اس حدیث کو نقل کرکے لکھا تھا:

"صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقصد اس سے یہ بتانا تھا کہ التحیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے صیغے سے جو سلام کہا جاتا ہے، وہ اس عقیدے پر مبنی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و موجود ہیں اور ہر شخص کے سلام کو خود سماعت فرماتے ہیں، نہیں! بلکہ خطاب کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں فرمایا گیا تھا۔" (ص:۴۷)

اس تمہید کے بعد شیخ رحمہ اللہ کی ان عبارتوں کی وضاحت کرتا ہوں جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔

۱:... "اقرب الی التوسل" کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے، اس میں آپ کے نسخے میں شاید طباعت کی غلطی سے ایک لفظ رہ گیا ہے، جس سے مطلب سمجھنے میں اُلجھن پیدا ہوگئی ہے، میرے سامنے "المکاتیب والرسائل" مجتبائی نسخہ ہے جو ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا تھا، اس میں یہ عبارت صحیح نقل کی ہوئی ہے، اور وہ اس طرح ہے:

"وباچندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس را خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تأویل دائم وباقی ہست، وبر اعمال امت حاضر وناظر، ومرطالبان حقیقت راو متوجہان آنحضرت را مفیض ومربی است۔" (ص:۹۵)

ترجمہ:... "اور باوجود اس قدر اختلافات اور کثرتِ مذاہب کے جو علمائے اُمت میں موجود ہیں ایک شخص کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیاتِ حقیقی کے ساتھ، جس میں مجاز اور تأویل کے وہم کا کوئی شائبہ نہیں، دائم و باقی ہیں۔ اور اُمت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں، اور طالبانِ حقیقت اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں کو فیض پہنچاتے ہیں اور ان کی تربیت فرماتے ہیں۔"

اس عبارت میں زیرِ بحث مسئلہ حاضر و ناظر سے تعرض نہیں بلکہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روضۂ اطہر میں حیاتِ حقیقیہ حاصل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) ...... سمعت ابن مسعود یقول: علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... التشھد ..... التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ...... وھو بین ظھرانینا فلما قبض قلنا: السلام علٰی یعنی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

طالبانِ حقیقت کو بدستور افاضۂ باطنی فرماتے ہیں۔

پس ''بر اعمالِ اُمت حاضر و ناظر'' کا وہی مطلب ہے جو عرضِ اعمال کی احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ خصائصِ نبوی کے بیان میں لکھتے ہیں:

''وازاں جملہ آنست کہ عرض کردہ می شود بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعمالِ اُمت واستغفار می کند مر ایشاں را و روایت کردہ است ابن المبارک از سعید بن المسیب کہ ہیچ روزے نیست مگر آنکہ عرض کردہ میشود بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعمالِ اُمت صبح وشام وی شناسد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایشاں را بسیمائے ایشاں واعمال ایشاں۔''

ترجمہ:... ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے اِستغفار فرماتے ہیں۔ ابنِ مبارکؒ، سعید بن مسیّبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی دن نہیں گزرتا مگر یہ کہ اُمت کے اعمال صبح و شام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کی علامتوں سے اور ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں۔''

الغرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ مقدسہ میں اِستراحت فرما ہیں اور وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، اور انہیں ملاحظہ فرماتے ہیں، یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں اور ہر شخص کے ہر عمل کو بچشمِ خود ملاحظہ فرماتے ہیں، کیونکہ جیسا کہ اُوپر معلوم ہوچکا ہے، اس بات کے نہ حضرت شیخ دہلویؒ خود قائل ہیں، نہ ان سے پہلے کے اہلِ علم قائل تھے، اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی یہ عقیدہ رکھتے تھے، ورنہ نماز میں ''السلام علیک ایها النبی'' کہنے پر ان کو اِشکال نہ ہوتا، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے بجائے ''السلام علی النبی'' بصیغۂ غائب کہنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے، واللہ الموفق!

۲:... مدارج النبوۃ جلد اوّل کے حوالے سے جو ذکر فرمایا ہے کہ: ''دُنیا اوّل سے آخر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّل سے آخر تک اس کے تمام حالات معلوم ہوگئے'' اور طبرانی کی جو حدیث نقل کی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دُنیا کو پیش کیا، درآں حالیکہ میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے، اس کی طرف دیکھ رہا تھا'' اس سے یہ مراد نہیں کہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لمحہ رہتا ہے، یا یہ کہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، بلکہ مراد اس سے کشف اور رُؤیت ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ آپ کسی معزّز مہمان کو اپنے کارخانے کی سیر کراتے ہیں، پورا کارخانہ اس کی نظر کے سامنے ہے اور اس کے سارے حالات اسے معلوم ہوگئے، اس کے باوجود یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس معزّز مہمان کو کارخانے کی ایک ایک چیز کا تفصیلی علم ہوگیا اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ اس کارخانے کی ادنیٰ ادنیٰ جزئیات اس کے ذہن میں ہر لمحہ محفوظ رہا کریں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''واز جملہ معجزاتِ باہرہ وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بودن اوست مطلع بر غیوب، وخبر دادن بآنچہ حادث

خواہد شد از کائنات، علمِ غیب اصالۃً مخصوص است بہ پروردگار تعالیٰ وتقدس کہ علام الغیوب است وہرچہ بر زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبعضے از تابعان وے ظاہر شدہ بوحی یا بالہام۔ ودر حدیث آمدہ است: واللہ! انی لَا اعلم اِلّا ما علمنی ربی۔" (مدارج النبوۃ ج:۱ ص:۲۴۶)

ترجمہ:... "اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ باہرہ میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلع ہونا ہے غیب کی چیزوں پر، اور خبر دینا ہے کائنات کے ان حوادث کی جو آئندہ واقع ہوں گے۔ علمِ غیب دراصل مخصوص ہے پروردگار تعالیٰ وتقدس کے ساتھ جو کہ علام الغیوب ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض پیرووٴں کی زبان پر جو کچھ ظاہر ہوا وہ وحی و اِلہام کے ذریعہ ہے، اور حدیث میں آیا ہے کہ: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا مگر جو کچھ میرے رَبّ نے مجھے سکھایا ہے۔"

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس مقام پر جو کچھ فرمایا ہے اس ناکارہ نے یہی کچھ "اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم" میں رقم کیا تھا۔ شیخ رحمہ اللہ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علمِ غیب اور چیز ہے اور غیب کی باتوں پر بذریعہ وحی یا اِلہام کے مطلع ہوجانا دُوسری چیز ہے۔ علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے جس میں کوئی دُوسرا شریک نہیں۔ اور اِطلاع علی الغیب بذریعہ وحی اور اِلہام کی دولت حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کو حسبِ مراتب حاصل ہے۔

۳:... تیسری عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصوّر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ کے اِستحضار سے متعلق ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے اس اَمر کو بیان فرما رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پیدا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے فیض حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دُوسری معنوی۔ اور تعلقِ معنوی کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ کا دائمی اِستحضار رکھا جائے (قسم اوّل: دوام استحضار آں صورت بدیع مثال)۔

اور اس اِستحضار کے مختلف طریقے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: تمہیں کبھی خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے تو اسی صورتِ مبارکہ کا اِستحضار کرو جو خواب میں نظر آئی تھی، اور اگر کبھی خواب میں زیارت نصیب نہیں ہوئی تو:

"ذکر کن او را و درود بفرست بروے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وباش درحال ذکر گویا حاضر است در پیش در حالتِ حیات، ومی بینی تو او را متادب با جلال وتعظیم وہمت وحیا۔"

ترجمہ:... "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیج، اور یاد کرنے کی حالت میں ایسا ہو کہ گویا تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سامنے حاضر ہو، اور تم اجلال وتعظیم اور ہمت وحیا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہو۔"

آگے وہی عبارت ہے جو آپ نے نقل کی ہے، پس یہ ساری گفتگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معنوی تعلق پیدا کرنے اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ کا ذہن میں اِستحضار رکھنے سے متعلق ہے، خود سوچئے کہ ہمارے زیرِ بحث مسئلہ حاضر و ناظر سے اسے کیا تعلق ہے؟

۴:...اسی طرح آپ کی نقل کردہ آخری عبارت بھی زیرِ بحث مسئلے سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ جیسا کہ خود اسی عبارت میں موجود ہے: ''دوام ملاحظہ صورت و معنی'' کے ذریعہ رُوحِ نبوی سے تعلق پیدا کرنے کی تدبیر بتائی گئی ہے، جس کا حاصل وہی مراقبہ و اِستحضار ہے۔ اور اس دوام و اِستحضار کا نتیجہ یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ: ''پس حاضر آید ترا وے صلی اللہ علیہ وسلم عیاناً'' یعنی بذریعہ کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوجانا۔

جس طرح خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے، اسی طرح بعض اکابر کو بیداری میں زیارت ہوتی ہے، (اور شیخ رحمہ اللہ اسی دولت کے حصول کی تدبیر بتارہے ہیں) مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانا جائے، یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ مقدسہ سے باہر تشریف لے آئیں، بلکہ خواب کی طرح بیداری میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت متمثل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ شیخ رحمہ اللہ نے ''مدارج النبوۃ'' (قسم اوّل، بابِ پنجم) میں اس مسئلے پر طویل گفتگو کی ہے، اس کے آخر میں فرماتے ہیں:

''وہمچنا کہ جائز است کہ در منام جوہر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متصور و متمثل گردد بے شوب شیطان، در یقظہ نیز حاصل گردد و آنچہ نائم در نوم می بیند مستیقظ در یقظہ بہ بیند...... وتمثیل ملکوتی بصورت ناسوتی امرے مقرر است، وایں مستلزم نیست کہ آنحضرت علیہ السلام از قبر برآمدہ باشد۔

بالجملہ دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از موت مثال است، چنانچہ در نوم مرئی شود در یقظہ نیز می نماید۔ وآں شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہماں متمثل میگردد و در یک آن متصور بصور متعددہ، عوام را در منام می نماید و خواص را در یقظہ۔''

ترجمہ:...''جس طرح یہ جائز ہے کہ خواب میں شیطانی تمثل کی آمیزش کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر شریف متصوّر اور متمثل ہوجائے، اسی طرح بیداری میں بھی یہ چیز حاصل ہوجائے، اور جس چیز کو سونے والا خواب میں دیکھتا ہے، بیدار اسے بیداری میں دیکھ لے...... اور ملکوتی چیز کا ناسوتی شکل میں متمثل ہوجانا ایک طے شدہ اَمر ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس روضۂ اطہر سے باہر تشریف لے آئیں۔

خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیکھنا بصورتِ مثال ہوتا ہے، وہ مثال جیسا کہ خواب میں نظر آتی ہے، بیداری میں بھی نظر آتی ہے اور وہ ذاتِ اقدس جو مدینہ طیبہ میں روضۂ مقدسہ میں اِستراحت فرما ہے اور زندہ ہے، وہی بصورتِ مثال متمثل ہوتی ہے، اور ایک آن میں متعدّد صورتوں میں متمثل ہوتی ہے، عوام کو خواب میں نظر آتی ہے اور خواص کو بیداری میں۔''

شیخ رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہوجاتا ہے کہ خواب یا بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بصورتِ مثال ہوتی ہے، یہ نہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف سے نکل کر دیکھنے والے کے پاس آجاتے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ حاضر و ناظر کے مسئلے میں شیخ رحمہ اللہ کا عقیدہ وہی ہے جو اس ناکارہ نے لکھا تھا۔ شیخ رحمہ اللہ کی ان عبارتوں میں جو آپ نے نقل کی ہیں، اس مسئلے سے کوئی تعرض نہیں۔

۵:... شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی متعدّد کتابوں میں بعض عارفین کے حوالے سے لکھا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ تمام کائنات میں ساری ہے، چنانچہ ''السلام علیک ایہا النبی'' کی بحث میں مدارج النبوۃ کی جو عبارت اُوپر گزر چکی ہے، اس کے متصل فرماتے ہیں:

''و در بعضے کلام بعضے عرفا واقع شدہ کہ خطاب از مصلّی بملاحظہ شہود روحِ مقدس آنحضرت و سریان وے در زواری موجودات خصوصاً در ارواحِ مصلیین است و بالجملہ دریں حالت از شہود و جود حضور از آنحضرت غافل وذاہل نباید بود، بامید ورود فیوض از روح پرفتوح وے صلی اللہ علیہ وسلم۔'' (مدارج النبوۃ ج:۱ ص:۱۶۵)

یہی مضمون ''تحصیل البرکات''، ''لمعات'' اور ''اشعۃ اللمعات'' میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

اس سے بعض حضرات کو یہ وہم ہوا کہ شیخ رحمہ اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، حالانکہ ''حقیقتِ محمدیہ''، ''حقیقتِ کعبہ'' اور ''حقیقتِ قرآن'' حضراتِ عارفین کی خاص اصطلاحات ہیں، جن کا سمجھنا عقولِ عامہ سے بالاتر چیز ہے۔ حضراتِ عارفین کے حقائق و معارف اپنی جگہ برحق ہیں، مگر انہیں اپنی فہم کے پیمانے میں ڈھال کر ان پر عقائد کی بنیاد رکھنا بڑی بے انصافی ہے۔

مسئلہ حاضر و ناظر کی ایک دلیل کا جواب

سوال:... آج کل ایک فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بہت شدّت سے کر رہا ہے، اگرچہ میں نے آپ کی کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں نور اور بشر اور حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں مضامین پڑھے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کافی حد تک بات سمجھ میں آگئی ہے، لیکن ابھی کچھ دن پہلے میرے ایک دوست نے مجھے سورۂ فیل کی پہلی آیت (ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟) کا حوالہ دیا۔ جواب طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے؟ نیز اس میں مخاطب کون ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا مؤمنین یا کوئی اور؟ اور سوا گر یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا نہیں ہے تو اس سے کیا مراد ہے کہ: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا''؟

جواب:... جو واقعہ مشہور ہو اس کا حوالہ دیا کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ: ''دیکھا! فلاں آدمی کا کیا حال ہوا تھا؟'' گویا کسی واقعے کا مشہور ہونا ایسا ہے گویا اس کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور ہر زبان میں ایسے محاورے موجود ہیں، اس سے مخاطب کا حاضر و ناظر ہونا لازم نہیں آتا، واللہ اعلم!

قرآن مجید میں مذکور انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی

سوال:... ہمیں آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن مجید میں کتنے انبیائے کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی آئے ہیں؟ اور وہ کون کون سے نام ہیں؟ ہماری معلومات کے مطابق ۲۶ یا ۲۷ کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے ایک مولانا صاحب سے معلومات حاصل کیں تو انہوں نے ہمیں ۳۰ پیغمبروں کے نام لکھ کر دے دیئے، جن میں کچھ نام ایسے ہیں جن کو ذہن قبول نہیں کر رہا ہے۔ بہرحال فہرست پیشِ خدمت ہے، اُمید ہے کہ آپ اس مسئلے کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں دے کر میری رہنمائی فرمائیں گے۔ اسمائے گرامی انبیائے کرام علیہم السلام: حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت داوٗد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت یوشع علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت ذُوالکفل علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام، حضرت حزقیل علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

جواب:... آپ نے تیس ناموں کی جو فہرست ذکر کی، اس میں سے پانچ نام قرآنِ کریم میں نہیں آئے، شیث، یوشع، خضر، حزقیل، دانیال، باقی ۲۵ نام قرآنِ کریم میں آئے ہیں۔

کیا تمام انبیاء علیہم السلام غیب کا علم جانتے ہیں؟

سوال:... تمام انبیاء علیہم السلام غیب کا علم جانتے ہیں؟

جواب:... اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب داں نہیں۔ (۱)

حضرت آدم علیہ السلام کو سات ہزار سال کا زمانہ گزرا

سوال:... پچھلے دنوں اخبار میں ایک انسانی کھوپڑی کی تصویر چھپی تھی اور لکھا تھا کہ یہ کھوپڑی تقریباً سولہ لاکھ سال پُرانی ہے، یہ پڑھ کر تعجب ہوا، کیونکہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے، ان کو زیادہ سے زیادہ اس زمین پر آئے ہوئے دس ہزار سال گزرے ہوں گے، اس سے پہلے انسان کا اس زمین پر وجود نہ تھا، تو سائنس دانوں کا اس انسانی کھوپڑی کے بارے میں یہ خیال کہ یہ سولہ لاکھ سال پُرانی ہے، کہاں تک دُرست ہے؟ نیز یہ بھی فرمائیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس زمین پر آئے ہوئے اندازاً کتنے

---

(۱) "قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللهُ" (النمل:۶۵)۔ "لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ" (الحشر:۲۲)۔

سال ہوگئے ہیں؟

جواب:... مؤرّخین کے اندازے کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کو سات ہزار سال کے قریب زمانہ گزرا ہے،[۱] سائنس دانوں کے یہ دعوے کہ اتنے لاکھ سال پُرانی کھوپڑی ملی ہے، محض اَٹکل پچو ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا

سوال:... حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے کون سا سجدہ کیا تھا؟

جواب:... اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ سجدہ آدم علیہ السلام کو بطورِ تعظیم تھا۔

دوم:... یہ کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم علیہ السلام کی حیثیت ان کے لئے ایسی تھی جیسی ہمارے لئے قبلہ شریف کی۔[۲]

اَرواح میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اَجسام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی

سوال:... اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس کو تخلیق کیا تھا، انسانوں میں سے؟

جواب:... تخلیق دو طرح کی ہے: ایک اَرواح کی، اور دُوسری اَجسام کی۔ اَرواح میں سب سے پہلے رُوحِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی تخلیق ہوئی، جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے،[۳] اور اَجسام میں سب سے پہلے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔[۴]

کیا انسان آدم علیہ السلام کی غلطی کی پیداوار ہے؟

سوال:... آدم علیہ السلام کو غلطی کی سزا کے طور پر جنت سے نکالا گیا اور اِنسانیت کی ابتدا ہوئی، تو کیا اس دُنیا کو غلطی کی

---

(۱) عن عكرمة قال: كان بين آدم ونوح عشرة قرون كلهم على الإسلام. قال: أخبرنا محمد بن عمر بن واقد الأسلمي عن غير واحد من أهل العلم قالوا: كان بين آدم ونوح عشرة قرون، والقرن مائة سنة، وبين نوح وإبراهيم عشرة قرون، والقرن مائة سنة، وبين إبراهيم وموسىٰ بن عمران عشرة قرون، والقرن مائة سنة. قال .... عن ابن عباس قال: كان بين موسىٰ بن عمران وعيسىٰ بن مريم ألف سنة وتسعمائة سنة ولم تكن بينهما فترة، وإنه أرسل بينهما ألف نبي من بني إسرائيل سوى من أرسل من غيرهم، وكان بين ميلاد عيسىٰ والنبي عليه الصلاة والسلام خمسمائة سنة وتسع وستون سنة. (الطبقات الكبرىٰ لِابن سعد: ذكر القرون والسنين التي بين آدم ومحمد، عليهما الصلوٰة والسلام. ج:۱ ص:۵۳ طبع بيروت).

(۲) "وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا .... الخ" فكانت الطاعة لله والسجدة لآدم ..... وقال بعضهم: بل كانت السجدة لله وآدم قبلة فيها. (تفسير ابن كثير ج:۱ ص:۳۱۲، طبع رشيديه).

(۳) تفصیل کے لئے دیکھیں: نشر الطیب ص:۵ از حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ۔

(۴) أخبر تعالىٰ بامتنانه علىٰ بني آدم بتنويهه بذكرهم في الملأ الأعلىٰ قبل ايجادهم فقال تعالىٰ: "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً..الخ" (تفسير ابن كثير ج:۱ ص:۱۹۹) نیز سورۂ صٓ آیت نمبر:۷۱ تا ۸۸ دیکھیں۔

پیدا اور سمجھا جائے گا؟ یا پھر آدمؑ کی اس غلطی کو مصلحتِ خداوندی سمجھا جائے؟ اگر آدمؑ کی اس غلطی میں مصلحتِ خداوندی تھی تو کیا انسان کے اعمال میں بھی مصلحتِ خداوندی شامل ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اَعمال واَفعال کی سزا کا ذمہ دار کیوں؟

جواب:... حضرت آدم علیہ السلام سے جو خطا ہوئی تھی وہ معاف کردی گئی،[۱] دُنیا میں بھیجا جانا بطور سزا کے نہیں تھا، بلکہ خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے تھا۔[۲]

حضرت آدم علیہ السلام سے نسل کس طرح چلی؟ کیا ان کی اولاد میں لڑکیاں بھی تھیں؟

سوال:... حضرت آدم علیہ السلام سے نسل کس طرح چلی؟ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کی اولادوں میں تین نام قابلِ ذکر ہیں، اور یہ تینوں نام لڑکوں کے ہیں۔ ۱: ہابیل۔ ۲: قابیل۔ ۳: شیث۔ آخرکار ان تینوں کی شادیاں بھی ہوئی ہوں گی، آخر کس کے ساتھ؟ جبکہ کسی بھی تاریخ میں آدم علیہ السلام کی لڑکیوں کا ذکر نہیں آیا۔ آپ مجھے یہ بتادیجئے کہ ہابیل، قابیل اور شیث سے نسل کیسے چلی؟ میں نے متعدّد علماء سے معلوم کیا، مگر مجھے ان کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی، اور بہت سے علماء نے غیرشرعی جواب دیا۔

جواب:... حضرت آدم علیہ السلام کے یہاں ایک بطن سے دو بچے جڑواں پیدا ہوتے تھے، اور وہ دونوں آپس میں بھائی بہن شمار ہوتے تھے، اور دُوسرے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کے لئے ان کا حکم چچا کی اولاد کا حکم رکھتا تھا، اس لئے ایک پیٹ سے پیدا ہونے والے لڑکے لڑکیوں کے نکاح دُوسرے بطن کے بچوں سے کردیا جاتا تھا۔ ہابیل، قابیل کا قصہ اسی سلسلے پر پیش آیا تھا، قابیل اپنی جڑواں بہن سے نکاح کرنا چاہتا تھا جو دراصل ہابیل کی بیوی بننے والی تھی۔[۳]

لڑکیوں کا ذکر عام طور سے نہیں آیا کرتا، قابیل و ہابیل کا ذکر بھی اس واقعے کی وجہ سے آگیا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق سوالات

سوال:... کہا جاتا ہے کہ ہم سب آدمؑ و حواؑ کی اولاد ہیں، اس حوالے سے حسبِ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

سوال:... حضرت آدمؑ و حواؑ کی کیا کوئی بیٹی تھی؟

---

(۱) قال تعالٰی: ”وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۔ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰی“ (طٰہٰ: ۱۲۱، ۱۲۲)۔

(۲) ”وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً“ (البقرہ: ۳۰)۔ ظاهر الآية يدل علٰى أنه تعالٰى إنما أخرج آدم وحواء من الجنّة عقوبة لهما علٰى تلك الزلة، وظاهر قوله إنّي جاعل في الأرض خليفة يدل علٰى أنه تعالٰى خلقهما لخلافة الأرض وأنزلهما من الجنّة إلى الأرض لهٰذا المقصود، فكيف الجمع بين الوجهين؟ وجوابه: أنه ربما قيل حصل لمَجموع الأمرين، والله أعلم۔ (التفسير الكبير ج:۱۴ ص:۵۳ طبع دار إحياء التراث العربی، بيروت)۔

(۳) ان الله تعالٰی كان قد شرع لآدم عليه السلام أن يزوّج بناته من بنيه لضرورة الحال، ولٰكن قالوا: كان يولد لهٗ فی كل بطن ذكر وأُنثٰی، فكان يزوّج أُنثٰی هٰذا البطن لذكر البطن الآخر، وكانت أُخت هابيل دميمةً، وأُخت قابيل وضيئة، فأراد أن يستأثر بها علٰى أخيه .... فكان من أمرهما ما قص الله فی كتابه۔ (تفسير ابن كثير ج:۲ ص:۵۱۷، سورة المائدة آيت:۲۷ تا ۳۱ طبع رشيديه)۔

جواب:...بیٹیاں بھی تھیں۔[۱]

سوال:...اگر ان کی کوئی بیٹی تھی؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کے بیٹوں سے ہی اس کی شادی ہوئی ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب یعنی پوری نوعِ انسانی حرامی ہے؟

جواب:...حضرت آدم علیہ السلام کے یہاں ایک پیٹ سے دو اولادیں ہوتی تھیں: ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ایک پیٹ کے دو بچے آپس میں سگے بھائی بہن کا حکم رکھتے تھے، اور دُوسرے پیٹ کے بچے ان کے لئے چچازاد کا حکم رکھتے تھے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت تھی، ایک پیٹ کے لڑکے، لڑکی کا عقد دُوسرے پیٹ کے لڑکے، لڑکی سے کردیا جاتا تھا۔[۲]

سوال:...قصۂ بنی آدم کی روایتی تشریح کے حوالے سے حسبِ ذیل قرآنی آیات کی کیا تشریح ہوگی؟

الف:...''ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا'' (المؤمنون:۱۲) یاد رہے کہ مٹی کا پتلا نہیں کہا گیا ہے۔

جواب:...''مٹی کے خلاصہ'' کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین کی مٹی کے مختلف انواع کا خلاصہ اور جوہر، اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا گیا، پھر اس میں رُوح ڈالی گئی۔[۳]

ب:...تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ سے وقار کے آرزومند نہیں ہوتے اور یقیناً اس نے تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا کیا ہے...اور تمہیں زمین سے اُگایا ہے ایک طرح کا اُگانا (نوح:۱۳،۱۷)۔

یہاں مختلف ''مراحل سے گزار کر پیدا کرنے'' اور ''زمین سے اُگانے'' کا کیا مطلب ہے؟

جواب:... یہاں عام انسانوں کی تخلیق کا ذکر ہے کہ غذا مختلف مراحل سے گزر کر مادۂ منویہ بنی، پھر ماں کے رحم میں کئی مراحل گزرنے کے بعد آدمی پیدا ہوتا ہے۔[۴]

سوال:...سورۂ اعراف کی آیات ۱۱ تا ۲۵ کا مطالعہ کیجئے، ابتداء میں نوعِ انسانی کی تخلیق کا تذکرہ ہے، پھر آدمؑ کیلئے سجدہ، پھر اس کے بعد ابلیس کا انکار اور چیلنج۔ لیکن چیلنج کے مخاطب صرف آدمؑ اور اس کی بیوی نہیں، تثنیہ کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا، اس کا مطلب ہے تعداد زیادہ تھی، ایسا کیسے ہوگیا؟ جبکہ وہاں صرف آدمؑ وحواؑ ہی تھے، اس کے بعد آدمؑ وحواؑ کا تذکرہ ہے جن کے لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، لیکن آخر میں جہاں ہبوط کا ذکر ہے، وہاں پھر جمع کا صیغہ ہے، ایسا کیوں ہے؟

جواب:...حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے قصے سے مقصود اولادِ آدم کو عبرت ونصیحت دلانا ہے، اس لئے اس قصے کو اس عنوان سے شروع کیا کہ ہم نے ''تم کو پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں۔''[۵] یہ بات چونکہ آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں تھی،

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حوالہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔

(۲) گزشتہ صفحے کا حوالہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔

(۳) ولقد خلقنا الْإنسان أی آدم من سلٰلة من للإبتداء والسلالة الخلاصة، لأنها تسلّ من بين الكدر وقيل إنّما سمّی التراب الذی خلق آدم منه سلالة لأنه سلّ من كل تربة من طين. (تفسير نسفی ج:۲ ص:۴۶۱، تفسير ابن كثير ج:۴ ص:۴۶۹).

(۴) "وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا" (نوح:۱۴) قيل معناه من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة قاله ابن عباس. (تفسير ابن كثير ج:۶ ص:۳۱۵).

(۵) قال تعالٰی: "وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (الأعراف:۱۱).

بلکہ ان کی اولاد کو بھی شامل تھی، اس لئے اس کو خطاب جمع کے صیغہ سے ذکر کیا۔ پھر سجدے کے حکم، اور ابلیس کے انکار اور اس کے مردود ہونے کو ذکر کر کے ابلیس کا یہ انتقامی فقرہ ذکر کیا کہ میں ''ان کو گمراہ کروں گا۔''(۱) چونکہ شیطان کا مقصود صرف آدم علیہ السلام کو گمراہ کرنا نہیں تھا، بلکہ اولادِ آدم سے انتقام لینا مقصود تھا، اس لئے اس نے جمع غائب کی ضمیریں ذکر کیں، چنانچہ آگے آیت:۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تشریح فرمائی ہے کہ ''اے اولادِ آدم شیطان تم کو نہ بہکا دے، جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا۔'' اس سے صاف واضح ہے کہ شیطان کی انتقامی کاروائی اولادِ آدم کے ساتھ ہے۔(۲)

اور ہبوط میں جمع کا صیغہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے علاوہ شیطان بھی خطاب میں شامل ہے۔(۳) نیز تثنیہ کے لئے جمع کا خطاب بھی عام طور سے شائع و ذائع ہے،(۴) اور بایں نظر بھی خطاب جمع ہوسکتا ہے کہ آدم و حواء علیہما السلام کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی خطاب میں ملحوظ رکھا گیا ہو۔(۵)

سوال:... ابتدا میں بشر کا ذکر ہے اور ضمیر واحد غائب کی ہے لیکن جب ابلیس چیلنج دیتا ہے تو ضمائر جمع غائب شروع ہوجاتی ہیں، کیوں؟

جواب:... اُوپر عرض کرچکا ہوں کہ شیطان کے انتقام کا اصل نشانہ اولادِ آدم ہے، اور شیطان کے اس چیلنج سے اولادِ آدم ہی کو عبرت دلانا مقصود ہے۔

سوال:... اگر حضرت آدم نبی تھے تو نبی سے خطا کیسے ہوگئی اور خطا بھی کیسی؟

جواب:... حضرت آدم علیہ السلام بلاشبہ نبی تھے، خلیفۃ اللہ فی الارض تھے، ان کے زمانہ میں انہی کے ذریعے اَحکاماتِ الٰہیہ نازل ہوتے تھے۔ رہی ان کی خطا! سو اس کے بارے میں خود قرآنِ کریم میں آچکا ہے کہ: ''آدم بھول گئے''(۶) اور بھول چوک خاصۂ بشریت ہے، یہ نبوت و عصمت کے منافی نہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اگر روزہ دار بھول کر کھالے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

---

(۱) ''قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِىْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ'' (الأعراف:۱۶)، ''قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ'' (صٓ:۸۲)۔

(۲) أن المقصود من ذكر قصص الأنبياء عليهم السلام حصول العبرة لمن يسمعها فكأنه تعالٰى لما ذكر قصة آدم وبيّن فيها شدة عداوة الشيطان لآدم وأولَاده أتبعها بأن حذو أولَاد آدم من قبول وسوسة الشيطان وقال يا بنى آدم لَا يفتننكم الشيطٰن كما أخرج أبويكم من الجنّة ...إلخ۔ (التفسير الكبير ج:۱۴ ص:۵۳)۔

(۳) اعلم أن هٰذا الذى تقدم ذكره هو آدم وحواء وإبليس وإذا كان كذالك فقوله اهبطوا يجب أن يتناول هٰؤلَاء الثلاثة۔ (التفسير الكبير ج:۱۴ ص:۵۰)۔

(۴) وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدوّ .... وإلى من انصرف هٰذا الخطاب؟ فيه ستّة أقوال .... والخامس إلٰى آدم وحواء وذريتهما، قاله الفراء، والسادس إلٰى آدم وحواء فحسب، ويكون لفظ الجمع واقعًا على التثنية كقوله وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ (الأنبياء:۷۸) ذكره ابن الأنبارى۔ (زاد المسير فى علم التفسير ج:۱ ص:۶۸)۔

(۵) وقلنا اهبطوا .... والخطاب لآدم وحواء والحية والشيطان فى قول ابن عباس وقال الحسن: آدم وحواء والوسوسة، وقال مجاهد والحسن أيضًا بنو آدم وبنو إبليس۔ (تفسير القرطبى ج:۱ ص:۳۱۹)۔

(۶) ''وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا'' (طٰه:۱۱۵) فنسى العهد أى النهى والأنبياء عليهم السلام يؤخذون بالنسيان الذى لو تكلّفوا لحفظوه۔ (تفسير نسفى ج:۲ ص:۳۸۶)۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم اور زَبور

سوال:... یہودی، عیسائی اور مسلمان قوم تو دُنیا میں موجود ہے، آیا حضرت داؤد علیہ السلام کی قوم بھی دُنیا میں کہیں موجود ہے؟ اگر ہے تو کہاں؟ اور زَبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، وہ کسی بھی حالت میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟

جواب:... حضرت داؤد علیہ السلام کا شمار انبیائے بنی اسرائیل میں ہوتا ہے، اور وہ شریعتِ تورات کے متبع تھے، اس لئے ان کے وقت کے بنو اِسرائیل ہی آپ کی قوم تھے۔[1] موجودہ بائبل کے عہد نامۂ قدیم میں ایک کتاب ''زَبور'' ہے جسے یہودی، داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ مانتے ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام شادی شدہ نہیں تھے

سوال:... میں نے ایف۔اے اسلامیات کی کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت یحییٰؑ شادی شدہ ہیں، جبکہ ''جنگ'' بچوں کے صفحہ میں لکھا ہے کہ حضرت یحییٰؑ شادی شدہ نہیں ہیں۔ کیا یہ سچ ہے کہ حضرت یحییٰؑ شادی شدہ نہیں ہیں؟

جواب:... جی ہاں! حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں پیغمبروں نے نکاح نہیں کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو جب قربِ قیامت میں نازل ہوں گے تو نکاح بھی کریں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی، جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔[2] اس لئے صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی ایسے ہیں جنھوں نے شادی نہیں کی، اس لئے قرآنِ کریم میں ان کو ''حصور'' فرمایا گیا ہے۔[3] اس لئے اگر آپ کی اسلامیات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا شادی شدہ ہونا لکھا ہے تو غلط ہے۔

سوال:... اگر شادی شدہ نہیں ہیں تو ان کا ذکر قرآن مجید میں کیوں آیا؟

جواب:... قرآنِ کریم میں تو ان کے شادی نہ کرنے کا ذکر آیا ہے، شادی کرنے کا نہیں![4]

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے سے سبق

سوال:... روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے جمعہ ایڈیشن اشاعت ۱۰؍جون ۱۹۹۵ء میں آپ نے ''کراچی کا المیہ اور اس کا حل'' کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے، اس سے آپ کی دردمندی اور دِل سوزی کا بدرجہ اتم اظہار ہوتا ہے، آپ نے سقوطِ ڈھاکہ کے جانکاہ

---

(۱) قال تعالیٰ: "لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ .... الخ" (المائدة:۷۸).

(۲) عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ينزل عيسىٰ بن مريم الى الأرض فيتزوج ويولد له ...الخ. (مشكوٰة ص:۴۸۰، باب نزول عيسىٰ عليه السلام).

(۳) "فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ .... أَنَّ اللهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا" الآية. (آل عمران:۳۹). وفي تفسير روح المعاني: (وحصورًا) عطف علىٰ ما قبله ومعناه الذي لَا يأتي النساء مع القدرة علىٰ ذٰلك ..... والإشارة الىٰ عدم انتفاعه عليه السلام بما عنده لعدم ميله للنكاح لما أنه في شغل شاغل عن ذٰلك. (رُوح المعاني ج:۳ ص:۱۴۸، تفسير ابن كثير ج:۲ ص:۳۵).

(۴) ایضاً حوالہ بالا۔

سانحے کا بھی ذکر کیا ہے اور کراچی کی حالتِ زار میں بھی بیرونی قوّتوں کی سازشوں سے عوام کو آگاہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے کراچی کے قتل و خوں اور غارت گری کو ختم کرنے کے لئے سات نکات پر مشتمل اپنی تجاویز بھی پیش کی ہیں اور امن و عافیت اور اُلفت و محبت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع و خضوع کے ساتھ دُعا بھی کی ہے۔ آپ کی اس دُعا کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ کو جزائے خیر دے، آمین! آپ نے اس مضمون میں حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا بھی حوالہ دیا ہے، قومِ یونس نے جس طرح اللہ سے گڑگڑا کر دُعا مانگی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر اس سے اپنا عذاب اُٹھالیا تھا، اسی طرح ہم اہلِ کراچی بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں تاکہ وہ عفو و درگزر سے کام لے کر اپنا عذاب ہم پر سے اُٹھالے اور امن و سکون کی فضا پیدا کردے، آمین! آپ نے حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق معارف القرآن ج:۴ ص:۵۷۵ کا اقتباس بھی پیش کیا ہے، اس میں ایک جگہ لکھا ہے: ''حضرت یونس علیہ السلام بہ ارشادِ خداوندی اس بستی سے نکل گئے۔'' قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر چھ مقامات پر ہے۔ ۱-سورۃ النساء، ۲-سورۂ اَنعام، ۳-سورۂ یونس، ۴-سورۂ انبیاء، ۵-سورۃ الصافات اور ۶-سورۃ القلم میں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تراجم پیش کررہا ہوں۔

سورۂ انبیاء کی آیات: ۸۷، ۸۸ میں ہے:

''مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام) کا تذکرہ کیجئے جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہوکر چل دیئے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم ان پر (اس چلے جانے میں) کوئی دارو گیر نہ کریں گے۔ پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں، میں بے شک قصوروار ہوں۔ سو ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان داروں کو بھی (کرب و بلا سے) نجات دیا کرتے ہیں۔''

سورۃ الصافات کی آیت: ۱۳۹-۱۴۳ میں ہے:

''بے شک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے، جبکہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے، سو یونس (علیہ السلام) بھی شریکِ قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے اور ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کررہے تھے، سو اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔''

سورۃ القلم آیت: ۴۸-۵۰

''اپنے رَبّ کی (اس) تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے اور (تنگ دِلی میں) مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے پیغمبر یونس (علیہ السلام) کی طرح نہ ہوجائیے۔''

میرا مقصد حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق تمام واقعات بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ کہنا ہے کہ مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یونس علیہ السلام ''بہ ارشادِ خداوندی رات کو اس بستی سے نکل گئے تھے'' بلکہ اس کے

برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بغیر اذنِ خداوندی چلے گئے تھے اور ان کی اس لغزش پر اللہ نے ان کی گرفت کی تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور انہوں نے جو دُعا کی تھی اس کی تأثیر مسلّم ہے، مصیبت کے وقت ہم اس دُعا کا وِرد کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔ حیرت ہے کہ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا محمد شفیعؒ نے کیسے لکھ دیا کہ: ''حضرت یونس علیہ السلام بہ ارشادِ خداوندی رات کو اس بستی سے نکل گئے تھے''؟

جواب:... حضرت مفتی صاحبؒ نے صفحہ:۴۷۳ پر اس بحث کو مدلل لکھا ہے، اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں دو مقام ہیں، ایک حضرت یونس علیہ السلام کا اپنے شہر نینویٰ سے نکل جانا، یہ تو بامرِ خداوندی ہوا تھا، کیونکہ ایک طے شدہ اُصول ہے کہ جب کسی قوم کی ہلاکت یا اس پر نزولِ عذاب کی پیش گوئی کی جاتی ہے تو نبی کو اور اس کے رُفقاء کو وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ پس جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو تین دن میں عذاب نازل ہونے کی باطلاعِ الٰہی خبر دی تو لامحالہ ان کو اس جگہ کے چھوڑ دینے کا بھی حکم ہوا ہوگا۔

دُوسرا مقام یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے بستی سے باہر تشریف لے جانے کے بعد جب بستی والوں پر عذاب کے آثار شروع ہوئے تو وہ سب کے سب ایمان لائے اور ان کی توبہ و اِنابت اور ایمان لانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹالیا۔ اِدھر حضرت یونس علیہ السلام کو یہ تو علم ہوا کہ تین دن گزر جانے کے باوجود ان کی قوم پر عذاب نازل نہیں ہوا، مگر ان کو اس کا سبب معلوم نہ ہوسکا۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کو پریشانی لاحق ہوگئی ہوگی، اور یہ سمجھے ہوں گے کہ اگر وہ دوبارہ بستی میں واپس جائیں گے تو قوم ان کی تکذیب کرے گی، اس تنگ دِلی میں ان کو یہ خیال نہیں رہا کہ اب ان کو وحیٔ الٰہی اور حکمِ خداوندی کا انتظار کرنا چاہئے، اس کے بجائے انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہیں آگے جانے کا ارادہ فرمالیا۔ شاید یہ بھی خیال ہوا ہوگا کہ جس جگہ وہ اس وقت موجود تھے قوم کو ان کا سراغ مل گیا تو کہیں یہاں آکر درپے تکذیب و ایذا نہ ہو۔ ذرا تصوّر کیجئے کہ ایک نبی جس نے تین دن میں نزولِ عذاب کی پیش گوئی کی ہو اور یہ پیش گوئی بھی بامرِ الٰہی ہو، اور پھر اس کے علم کے مطابق یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی اور اصل حقیقتِ حال کا اس کو علم نہ ہو، اس پر کیا گزری ہوگی...؟ ایسی سراسیمگی و پریشانی کے عالم میں کسی اور جگہ کا عزمِ سفر کرلینا کچھ بھی مستبعد نہیں تھا۔ پس یہ تھی وہ اجتہادی لغزش، جس پر عتاب ہوا کہ انہوں نے بغیر حکمِ الٰہی کے آئندہ سفر کا قصد کیوں کیا؟ بعد میں جب کشتی کا واقعہ پیش آیا، تب ان کو اِحساس ہوا اور اس پر بارگاہِ الٰہی میں معذرت خواہ ہوئے۔ جن آیاتِ شریفہ کا آپ نے حوالہ دیا ہے، وہ اسی دُوسرے مقام سے متعلق ہیں، اس لئے حضرت مفتی صاحبؒ نے مقامِ اوّل کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے خلاف نہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے قول کی تشریح

سوال:... ایک مولوی صاحب مسجد میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ جس میں حضرت موسیٰؑ کی دُعا قبول ہوئی اور حضرت ہارونؑ پیغمبر بنادیئے گئے، اس کے بعد حضرت موسیٰؑ خدا سے ہم کلام ہونے کے لئے تشریف لے گئے تو ان کے بعد سامری نے ایک بچھڑا بنایا اور اسے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیا کہ یہی خدا ہے۔ اب بنی اسرائیل میں دو گروہ پیدا ہوگئے،

ایک جو بچھڑے کو خدا مانتا تھا اور دُوسرا وہ جو اس کی پوجا نہیں کرتا تھا۔ حضرت ہارونؑ انہیں اس سے باز نہ رکھ سکے اور جب حضرت موسیٰؑ واپس تشریف لائے تو وہ حضرت ہارونؑ پر ناراض ہوئے کہ تو نے منع کیوں نہ کیا؟ تو حضرت ہارونؑ نے فرمایا:

ترجمہ:... ''اے میری ماں کے بیٹے! نہ پکڑ میری داڑھی اور نہ سر، میں ڈرا کہ تو کہے گا کہ پھوٹ ڈال دی تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھا میری بات کو۔''

مولوی صاحب نے اس کے بعد لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! دیکھا تم نے تفرقہ کتنی بُری چیز ہے کہ ایک پیغمبر نے وقتی طور پر شرک کو قبول کرلیا، لیکن تفرقے کو قبول نہ کیا۔'' کیا مولوی کی یہ تشریح صحیح ہے؟

جواب:... مولوی صاحب نے حضرت ہارون علیہ السلام کے ارشاد کا صحیح مدعا نہیں سمجھا، اس لئے نتیجہ بھی صحیح اخذ نہیں کیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا توقف کرنا اور گوسالہ پرستوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انتظار میں تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جاتے وقت ان کو نصیحت کر گئے تھے کہ قوم کو متفق اور متحد رکھنا اور کسی ایسی بات سے اِحتراز کرنا جو قوم میں تفرقے کا موجب ہو۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو توقع تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر قوم کی اصلاح ہوجائے گی اور اگر ان کی غیرحاضری میں ان لوگوں سے قتل وقتال یا مقاطعہ کی کارروائی کی گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی اصلاح ناممکن ہوجائے، کیونکہ وہ لوگ بھی کہہ چکے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک ہم اس سے باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ سمجھا، بلکہ صرف زبانی فہمائش پر اکتفا کیا۔[۱] حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے از رُوئے اِجتہاد یہ تھی کہ اس حالت میں حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے تھا، ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آجاتے، جس سے ان کے عمل میں مکمل بیزاری کا اظہار ہوجاتا۔
>
> حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے از رُوئے اِجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہوجائیں گے اور تفرقہ قائم ہوجائے گا اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ان کے اثر سے یہ سب پھر ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں، اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مساہلت اور مساکنت کو ان کی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے، دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی تعمیل، ایمان و توحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا، مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کو اس کی تدبیر سمجھا، دُوسرے نے اصلاحِ حال کی اُمید تک ان کے ساتھ مساہلت اور نرمی کے معاملے کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا۔'' (ج:۶ ص:۱۴۲)

---

(۱) سورۂ طٰہٰ آیات: ۸۹ تا ۹۴۔

حضرت ابراہیمؑ نے ملائکہ کی مدد کی پیشکش کیوں ٹھکرادی؟

سوال:... ایک حدیث ہے کہ:

۱:... ”حدثنا معتمر بن سلیمان التیمی عن بعض اصحابه قال: جاء جبریل إلٰی إبراهیم علیهما السلام وهو یوثق او یقمط لیلقی فی النار قال: یا ابراهیم! ألک حاجة؟ قال: اما إلیک فلا!“

(جامع البیان فی تفسیر القرآن ج:۱۷ ص:۴۵)

۲:... ”وروی ابی بن کعب .... فاستقبله جبریل، فقال: یا إبراهیم! ألک حاجة؟ قال: اما إلیک فلا! فقال جبرائیل: فاسئل ربک! فقال: حسبی من سؤالی علمه بحالی!“ (تفسیر قرطبی ج:۱۱ ص:۲۰۳)

۳:... ”فأتاه خازن للریاح وخازن المیاه یستأذنه فی اعدام النار، فقال علیه السلام: لَا حاجة لی إلیکم! حسبی الله ونعم الوکیل۔“

۴:... ”وروی ابن کعب الخ وفیه فقال: یا إبراهیم! ألک حاجة؟ قال: اما إلیک فلا!“

(روح المعانی ج:۹ ص:۶۸)

۵:... اسی طرح تفسیر مظہری اُردو ج:۸ ص:۵۴ میں حضرت اُبی بن کعبؓ کی روایت بھی ہے۔

۶:... ”وذکر بعض السلف ان جبریل عرض له فی الهواء فقال: ألک حاجة؟ فقال: اما إلیک فلا!“

(البدایة والنهایة ج:۱ ص:۱۴۹)

۷:... ”وذکر بعض السلف انه عرض له جبریل وهو فی الهواء فقال: ألک حاجة؟ فقال: اما إلیک فلا! واما من الله فبلٰی۔“ (تفسیر ابن کثیر ج:۴ ص:۳۷۳)

ان مندرجہ بالا روایات کے پیشِ نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو اس انداز سے بیان کرنا کہ: فرشتے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر حاضر ہوئے اور ابراہیمؑ کو مدد کی پیشکش کی، لیکن ابراہیمؑ نے ان کی پیشکش کو قبول نہ کیا، درست ہے یا نہیں؟

جواب:... یہ تو ظاہر ہے کہ ملائکہ علیہم السلام بغیر اَمر و اِذنِ الٰہی دَم نہیں مارتے، اس لئے سیّدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کو ان حضرات کی طرف سے مدد کی پیشکش بدوں اِذنِ الٰہی نہیں ہوسکتی، لیکن حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰات والتسلیمات اس وقت مقامِ توحید میں تھے، اور غیراللہ سے نظر یکسر اُٹھ گئی تھی، اس لئے تمام اسباب سے (کہ من جملہ ان کے ایک دُعا بھی ہے) دست کش ہوگئے، کاملین میں یہ حالت ہمیشہ نہیں ہوا کرتی: ”گاہے باشد وگاہے نہ، ولٰکن یا حنظلة ساعة!“ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب!

کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟

سوال:... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جو دُوسرے آدمی شریکِ سفر تھے وہ غالباً حضرت خضرؑ تھے، عام خیال یہی ہے۔

حضرت خضرؑ کا پیغمبر ہونا قرآن سے ثابت نہیں، پیغمبر کے بغیر کسی پر وحی بھی نازل نہیں ہوتی، غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، تو پھر حضرت خضرؑ کو ظالم بادشاہ، نافرمان بچے اور دیوار والے خزانے کے متعلق کس طرح علم ہوا، جبکہ حضرت موسیٰؑ کو ان کی خبر تک نہ تھی؟

جواب:... قرآنِ کریم کی ان آیات سے جن میں حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے، اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔[۱] اور جو حضرات اس کے قائل ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے، شاید ان کی مراد یہ ہو کہ دعوت و تبلیغ کی خدمت ان کے سپرد نہیں تھی، بلکہ بعض تکوینی خدمات ان سے لی گئیں۔ بہرحال حق تعالیٰ شانہٗ سے براہِ راست ان کو علم عطا کیا جانا قرآنِ کریم سے ثابت ہے، لہٰذا ان کو ظالم بادشاہ، نافرمان بچے اور دیوار والے خزانے کا علم ہوجانا بذریعۂ وحی تھا، اور جو علم بذریعۂ وحی حاصل ہو، اسے ''علمِ غیب'' نہیں کہا جاتا۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

سوال:... حضرت خضر علیہ السلام کیا زندہ ہیں؟

جواب:... حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں؟ اس میں قدیم زمانے سے شدید اختلاف چلا آتا ہے، مگر چونکہ کوئی عقیدہ یا عمل اس بحث پر موقوف نہیں، اس لئے اس میں بحث کرنا غیرضروری ہے۔

سوال:... آج کل لوگ نئے طریقے سے مصافحہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص خضر ہو، کیونکہ ان کے ہاتھ میں انگوٹھے کی ہڈی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ نیز اس نئے طریقے سے مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

جواب:... حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے میں اختلاف ہے، محدثین اس کا انکار کرتے ہیں، اور صوفیہ شد و مد سے اس کے قائل ہیں۔[۲] مصافحہ کا نیا طریقہ مجھے معلوم نہیں۔

---

(۱) قال الأكثرون إن ذٰلك العبد كان نبيًّا واحتجوا عليه بوجوه (الأوّل) أنه تعالٰى قال: اٰتيناه رحمة من عندنا، والرحمة هى النبوة بدليل قوله تعالٰى: أهم يقسمون رحمة ربك، وقوله: وما كنت ترجو أن يلقى إليك الكتاب إلّا رحمة من ربك، والمراد من هٰذه الرحمة النبوة۔ (التفسير الكبير ج: ۲۱ ص: ۱۴۸)۔ فوجدا عبدًا من عبادنا، العبد هو الخضر عليه السلام فى قول الجمهور .... والخضر نبى عند الجمهور وقيل هو عبد صالح غير نبى والآية تشهد بنبوته لأن بواطن أفعاله لَا تكون إلّا بوحى۔ (تفسير القرطبى ج: ۱۱ ص: ۱۶)۔ أن الخضر نبى وإن لم يكن كما زعم البعض۔ (تفسير نسفى ج: ۲ ص: ۳۱۵)، وما فعلته عن أمرى، لٰكنى أُمرت به ووقفت عليه وفيه دلَالة لمن قال بنبوة الخضر عليه السلام۔ (تفسير ابن كثير ج: ۴ ص: ۲۳۸)، قال البغوى لم يكن الخضر نبيًّا عند أكثر أهل العلم قلت وهٰذا عندى محل نظر لأن العلم الحاصل للأولياء بالإلهام وغيره ذٰلك علم ظنى يحتمل الخطاء ولذٰلك ترى تعارض علومهم الملهمة فلو لم يكن الخضر نبيًّا لما جاز له قتل نفس ذكية بإلهام انه لو عاش لأرهق أبويه طغيانًا وكفرًا۔ (تفسير مظهرى ج: ۶ ص: ۱۳۹)، والجمهور علٰى أن الخضر نبى وكان علمه معرفته بواطن قد اوحيت إليه ...إلخ۔ (تفسير البحر المحيط ج: ۶ ص: ۱۴۷)۔

(۲) قال البغوى: اختلف الناس فى أن الخضر عليه السلام حىٌّ أم ميّت .... ولَا يمكن حل هٰذه الإشكال اِلّا بكلام المجدد للألف الثانى رضى الله عنه، فانه حين سئل عن حيوٰة الخضر عليه السلام ووفاته، توجه الى الله سبحانهٗ مستعلمًا من جنابه عن هٰذا الأمر، فرأى الخضر عليه السلام حاضرًا عنده، فسألهٗ عن حالهٖ، فقال: أنا وإلياس لسنا من الأحياء، لٰكن الله سبحانه أعطى لأرواحنا قوّة فنتجسد بها ونفعل بها أفعال الأحياء .... الخ۔ (تفسير مظهرى ج: ۶ ص: ۱۵۰، ۱۵۱، طبع لَاهور)۔

................(باقی اگلے صفحے پر)

حضرت خضر علیہ السلام کے جملے پر اِشکال

سوال:... "فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا" خضر علیہ السلام نے بظاہر یہاں شرکیہ جملہ بولا کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ اپنا ارادہ بھی شامل کردیا، حالانکہ بظاہر: "فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا" زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جواب:...اس قصے میں تین واقعات ذکر کئے گئے ہیں: ۱: کشتی کا توڑنا۔ ۲: لڑکے کو قتل کرنا۔ ۳: دیوار بنانا۔ ان تینوں کی تاویل بتاتے ہوئے حضرت خضر علیہ السلام نے "اَرَدْتُّ"، "اَرَدْنَا" اور "اَرَادَ رَبُّکَ" تین مختلف صیغے استعمال فرمائے ہیں، اس کو تفننِ عبارت بھی کہہ سکتے ہیں اور ہر صیغے کا خاص نکتہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے:

۱:...مسکینوں کی کشتی توڑ دینا خصوصاً جبکہ انہوں نے کرایہ بھی نہیں لیا تھا، اگرچہ اپنے انجام کے اعتبار سے ان کا نقصان تھا جس کا بظاہر کوئی بدل بھی نہیں ادا کیا گیا، اور ظاہر نظر میں بھلائی کا بدلہ بُرائی تھا اور شر بلا بدل بلکہ بعد الاحسان تھا، اس لئے ادباً مع اللہ، اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور "اَرَدْتُّ" کہا۔

۲:...بچے کا قتل کرنا بھی بظاہر شر تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا بدل والدین کو عطا فرمایا جو ان کے حق میں خیر تھا، پس یہاں دو پہلو جمع ہوگئے: ایک بظاہر شر، اس کو اپنی طرف منسوب کرنا تھا، اور دُوسرا خیر یعنی بدل کا عطا کئے جانا، اس کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف منسوب کرنا تھا، اس لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا، تاکہ شر کو اپنی طرف اور اس کے بدل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاسکے۔

۳:...اور یتیموں کی دیوار کا بنادینا خیرِ محض تھا، جس میں شر کا ظاہری پہلو بھی نہیں تھا، نیز ان یتیموں کا سنِ بلوغ کو پہنچنا اِرادۂ الٰہی کے تابع تھا، اس لئے یہاں خود بیچ میں سے نکل گئے اور اس کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف منسوب فرمایا: "فَاَرَادَ رَبُّکَ" اس سے معلوم ہوا کہ دُوسرے نمبر پر شرکیہ جملہ نہیں بولا، بلکہ شرکت کا جملہ بولا تاکہ شر اور خیر کو اَز خود تقسیم کرکے بظاہر شر کو اپنی طرف اور اس کے بدل کو جو خیر تھا، حق تعالیٰ کی طرف منسوب کریں، **والله أعلم بأسرار كلامه!**[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک

سوال:...نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟ اور آپ کے لباس اور بالوں کے متعلق تفصیل سے بیان فرمائیں۔

جواب:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کی تفصیل شمائل ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)...... وذهب جمهور العلماء إلٰى أنه حيٌّ موجود بين أظهرنا وذٰلك متفق عليه عند الصوفية. قال النووى: وقال ابن صلاح: هو حيٌّ اليوم عند جماهر العلماء والعامة معهم فى ذٰلك وإنما ذهب إلٰى إنكاره بعض المحدثين ...إلخ. (رُوح المعانى ج:۱۵ ص:۲۹۵ سورة الكهف:۶۵).

(۱) والجواب انه لما ذكر العيب أضافه الٰى ارادة نفسه فقال: وأردت أن أعيبها، ولما ذكر القتل عبر عن نفسه بلفظ الجمع تنبيهًا علٰى أنه من العظماء فى علوم الحكمة فلم يقدم علٰى هٰذا القتل الّا لحكمة عالية، ولما ذكر رعاية مصالح اليتيمين لأجل صلاح أبيهما أضافه الى الله تعالٰى، لأن المتكفل بمصالح الأبناء لرعاية حق الآباء ليس الّا الله سبحانه وتعالٰى. (التفسير الكبير ج:۲۱ ص:۱۶۲، تفسير القرطبى ج:۱۱ ص:۳۹).

اس کو ’’خصائل نبوی‘‘ سے نقل کیا جاتا ہے۔

’’ابراہیم بن محمد، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں)، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لانبے تھے، نہ زیادہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے تھے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موٹے بدن کے تھے، نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں تھی، یعنی (چہرۂ انور بالکل گول نہ تھا، نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً: کہنیاں اور گھٹنے)، اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُرگوشت تھی۔ آپ کے بدنِ مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہوجاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ مبارک پر خاص خاص جگہوں کے علاوہ جیسے بازو، پنڈلیاں، وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور قدم مبارک پُرگوشت تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوّت سے اُٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدنِ مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی یہ کہ گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ اس طرح دُوسرے کے ساتھ لاپروائی ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہوجاتی ہے، بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف توجہ فرماتے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ فرماتے تو تمام چہرہ مبارک سے فرماتے، کن انکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے، مگر یہ مطلب اچھا نہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ختم کرنے والے تھے نبیوں کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی دِل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے، سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے (غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم دِل وزبان، طبیعت، خاندان، اوصافِ ذاتی اور نسبی ہر چیز میں سب سے افضل تھے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شخص یکایک دیکھتا مرعوب ہوجاتا تھا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اوّلِ وہلہ میں دیکھنے والا رُعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا، اوّل تو جمال وخوبصورتی کے لئے بھی رُعب ہوتا ہے:

شوق افزوں مانع عرض تمنا داب حسن
بارہا دِل نے اُٹھائے ایسی لذّت کے مزے

اس کے ساتھ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رُعب کا کیا پوچھنا! اس کے علاوہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رُعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا)۔ البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ واوصاف کا گھائل ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب بنالیتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ

سکتا ہے کہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا باجمال و باکمال نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا، نہ بعد میں دیکھا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔"(۱)

*:...اور لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول مبارک کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ لباس میں اکثر سوتی کُرتا زیبِ تن فرماتے تھے،(۲) جس کی آستینیں عموماً گٹوں تک(۳) اور لمبائی آدھی پنڈلی تک ہوتی تھی۔(۴) ایک بار رُومی ساخت کا جبہ بھی، جس کی آستینیں آگے سے تنگ تھیں، استعمال فرمایا۔(۵) سفید لباس کو پسند فرماتے تھے اور اس کی ترغیب دیتے تھے،(۶) اکثر لنگی استعمال فرماتے تھے،(۷) یمانی چادروں کو پسند فرماتے تھے،(۸) شلوار کا خریدنا اور پسند فرمانا ثابت ہے، مگر پہننا ثابت نہیں۔(۹) سبز چادریں بھی استعمال فرمائیں،(۱۰) گاہے سرخ دھاریوں والی دو چادریں بھی استعمال فرمائیں،(۱۱) بالوں کی بنی ہوئی سیاہ چادر (کالی کملی) بھی استعمال فرمائی،(۱۲) سر مبارک پر کپڑے کی کلاہ اور اس کے اُوپر دستار پہننے کا معمول تھا۔(۱۳)

*:...سر مبارک پر پٹے رکھنے کا معمول تھا، جو اکثر و بیشتر نرمۂ گوش (کانوں کی لو) تک ہوتے اور کبھی کم و بیش بھی ہوتے

---

(۱) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ص:۱۲ تا ۱۴ طبع میر محمد۔ شمائل ترمذی ص:۱،۲، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب جامع فی صفۃ خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الخصائص الکبریٰ لسیوطی ص:۷۱)۔

(۲) عن اُمّ سلمۃ قالت: کان أحب الثیاب إلٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القمیص۔ (شمائل ترمذی ص:۵، خصائل نبوی ص:۴۸)۔

(۳) کان کم قمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الرسغ۔ (شمائل ص:۵)۔

(۴) دیکھئے: خصائل نبوی ص:۴۹۔

(۵) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس جبۃ رومیۃ ضیقۃ الکمین۔ (شمائل ص:۶)۔

(۶) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بالبیاض من الثیاب لیلبسھا أحیائکم و کفنوا فیھا موتاکم، فانھا من خیار ثیابکم۔ (شمائل ص:۶)۔

(۷) عن أبی بردۃ قال: أخرجت الینا عائشۃ رضی اللہ عنھا کساءً ملبدًا وازارًا غلیظًا فقالت: قبض رُوح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھٰذین۔ (شمائل ص:۹، باب ما جاء فی صفۃ ازار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

(۸) عن انس بن مالک قال: کان أحبّ الثیاب الٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہ الحبرۃ۔ (شمائل ترمذی ص:۶)۔

(۹) عن ابی ھریرۃ قال: دخلت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوماً السوق، فجلس الی البزار، فاشتریٰ سراویل بأربعۃ دراھم ...الخ۔ (مجمع الزوائد ج:۵ ص:۱۴۹ طبع دار الکتب بیروت، أیضًا: خصائل نبوی ص:۹۵)۔

(۱۰) عن رمثۃ قال: رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ بردان أخضران۔ (شمائل ص:۶، باب ما جاء فی لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

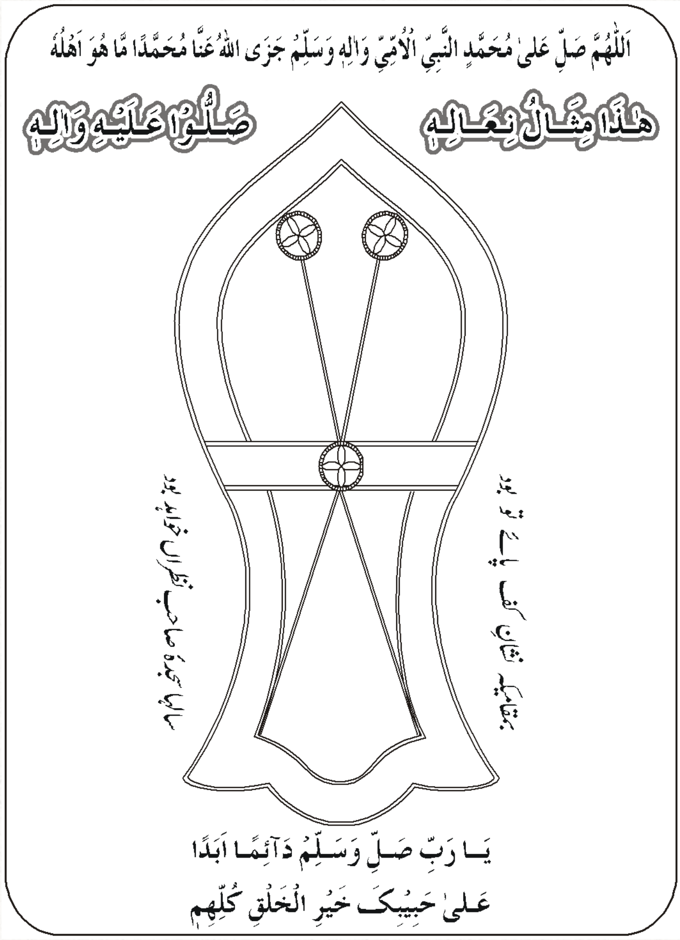
(۱۱) عن عون بن ابی جحیفۃ عن أبیہ قال: رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ حلۃ حمراء کأنی أنظر الٰی بریق ساقیہ، قال سفیان أراھا حبرۃ۔ (شمائل ترمذی ص:۶)۔

(۱۲) عن عائشۃ قالت: خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات غداۃ وعلیہ مرط من شعر اسود۔ (شمائل ترمذی ص:۶)۔

(۱۳) عن ابن عمر: قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبس قلنسوۃ بیضاء۔ (مجمع الزوائد ج:۵ ص:۱۴۹، حدیث:۸۵۰۵ باب فی القلنسوۃ، طبع بیروت) وکان یلبس القلانس تحت العمائم (احیاء العلوم ص:۳۵۷ طبع بیروت، بیان اخلاقہ وآدابہ فی اللباس)۔

تھے۔[۱] حج وعمرہ کا اِحرام کھولنے کے موقع پر سر کے بال اُسترے سے صاف کرادیئے جاتے اور موئے مبارک رُفقاء واحباب میں تقسیم فرمادیئے جاتے،[۲] صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین!

نعلین شریفین رنگے ہوئے چمڑے کے ہوتے تھے، جن میں دو تسمے ہوا کرتے تھے، ان کا نقشہ یہ ہے:[۳]



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک

سوال:... کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک کتنا ہوگا؟ اندازاً بتادیں۔

---

(۱) كان شعره يضرب منكبيه وأكثر الرواية أنه كان الى شحمة أذنيه ..... وربما جعل شعره علٰى أذنيه ....الخ. (إحياء علوم الدين للغزالى ج:۲ ص:۳۸۲ بيان صورته وخلقه صلى الله عليه وسلم).

(۲) وسئل مالک رضى الله عنه عن دفن الشعر .... وقد كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قسمه بين الناس يتبركون به ...الخ. (البحر العميق فى مناسک المعتمر والحاج الٰى بيت الله العتيق ج:۳ ص:۱۸۲۲، الحلق).

(۳) عن قتادة قلت لأنس بن مالک كيف كان نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لهما قبالَان. باب ما جاء فى نعل رسول الله صلى الله عليه وسلم (شمائل ترمذى ص:۶، ۷ طبع رشيديه ساهيوال، خصائل نبوى ص:۶۱).

جواب:... یہ تو معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں چلتے تھے تو سب سے اُونچے نظر آتے تھے۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ رَدِّ شمس

سوال:... گزشتہ دنوں ایک مولانا صاحب نے مقامی مسجد میں اتباعِ رسول کے موضوع پر وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر رکھ کر لیٹے کہ اتنے میں انہیں نیند آگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، اِدھر عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا، انہوں نے سوچا کہ نماز تو پھر مل جائے گی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی قربت نہ جانے پھر نصیب ہوگی یا نہیں؟ اتنے میں سورج غروب ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو چکا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: نماز پڑھنا چاہتے ہو یا قضا پڑھو گے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: قضا نہیں پڑھنا چاہتا! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا، سورج دوبارہ نکل آیا اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھی۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز تو قضا کرلی مگر زانو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جگایا۔

اس میں تفصیل طلب بات یہ ہے کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھ لی یا نماز پڑھنے سے پہلے سو گئے یا دونوں نے نماز نہیں پڑھی؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں بیٹھے رہے اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی؟ اور پھر نبی جب سوتا ہے تو غافل نہیں ہوتا، نبی کا دل جاگ رہا ہوتا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی سو جائے، اس کی اپنی نماز قضا ہو جائے یا اس کے رفیق کی؟

مولانا کی گفتگو سے مندرجہ بالا اِشکالات میرے ذہن میں آئے، اُمید ہے کہ ان کا جواب دے کر ممنون فرمائیں گے اور بتلائیں گے کہ آیا یہ واقعہ صحیح احادیث سے ثابت ہے یا واقعہ کی حد تک ہے؟

جواب:... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ردِّ شمس کی حدیث امام طحاوی رحمہ اللہ نے مشکل الآثار (ج:۲ ص:۹) میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، بہت سے حفاظِ حدیث نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ امام طحاویؒ نے اس کے رجال کی توثیق کرنے کے بعد حافظ احمد بن صالح مصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''لَا ینبغی لمن کان سبیله العلم التخلف عن حفظ حدیث اسماء الذی روی لنا عنه، لأنه من اجل علامات النبوة۔'' (مشکل الآثار ج:۲ ص:۱۱)

ترجمہ:...''جو شخص علمِ حدیث کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہو، اسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی

---

(۱) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک درمیانہ تھا، لیکن میانہ پن کے ساتھ کسی قدر طول کی طرف کو مائل۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے، ان دونوں روایتوں پر اس حدیث سے اشکال ہوتا ہے جس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جماعت میں کھڑے ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے، لیکن یہ درازی قد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزے کے طور پر تھا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسے کمالاتِ معنویہ میں کوئی بلند مرتبہ نہیں ہے، اسی طرح صورتِ ظاہری میں بھی کوئی بلند محسوس نہ ہو۔ (خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ص:۸، طبع میر محمد کتب خانہ کراچی)۔

حدیث کے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یاد کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ یہ جلیل القدر معجزاتِ نبوت میں سے ہے۔“

حافظ سیوطی رحمہ اللہ ”اللآلی المصنوعة“ میں لکھتے ہیں:

”ومما یشھد بصحة ذالک قول الإمام الشافعی وغیرہ ما اوتی نبی معجزة الّا اوتی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم نظیرھا، او ابلغ منھا، وقد صح ان الشمس حسبت علیٰ یوشع (علیہ السلام) لیالی قاتل الجبارین، فلا بد ان یکون لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم نظیر ذالک، فکانت ھذہ القصة نظیر تلک۔“ (مشکل الآثار ج:۱ ص:۳۴۱)

ترجمہ:... ”اور من جملہ ان اُمور کے جو اس واقعہ کے صحیح ہونے کی شہادت دیتے ہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کا یہ ارشاد ہے کہ کسی نبی کو جو معجزہ بھی دیا گیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی نظیر عطا کی گئی، یا اس سے بھی بڑھ کر، اور صحیح احادیث میں آچکا ہے کہ سورج، حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے روکا گیا تھا، جبکہ انہوں نے جبارین سے جہاد کیا، پس ضروری تھا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اس کی نظیر واقع ہوتی، چنانچہ یہ واقعہ حضرت یوشع علیہ السلام کے واقعہ کی نظیر ہے۔“

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس قصہ کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ”منہاج السنة“ میں بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”فتح الباری“ میں لکھتے ہیں:

”وھذا ابلغ المعجزات، وقد اخطأ ابن الجوزی فی ایرادہ فی الموضوعات، وکذا ابن تیمیة فی کتاب الرد علی الروافض فی زعم وضعہ، واللہ اعلم!“ (ج:۶ ص:۲۲۲)

ترجمہ:... ”ردّ شمس کا یہ واقعہ حضرت یوشع علیہ السلام کے واقعہ سے بلیغ تر ہے، ابن جوزیؒ نے اس واقعہ کو موضوعات میں درج کرکے غلطی کی ہے، اسی طرح ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں جو ردّ روافض پر لکھی گئی ہے، اس کو موضوع قرار دے کر غلطی کی ہے۔“

حافظ سیّد مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ ”شرح احیاء“ میں لکھتے ہیں:

”وھذا تحامل من ابن الجوزی، وقد ردّ علیہ الحافظان السخاوی والسیوطی، وحالہ فی ادراج الأحادیث الصحیحة فی حیز الموضوعات معلوم عند الأئمة، وقد ردّ علیہ وعابہ کثیرون من اھل عصرہ ومن بعدھم، کما نقلہ الحافظ العراقی فی اوائل نکتہ علی ابن الصلاح، فلا نطیل بذکرہ، وھذا الحدیث صححہ غیر واحد من الحفاظ، حتّٰی قال السیوطی ان تعدد طرقہ شاھد علیٰ صحتہ، فلا عبرة بقول ابن الجوزی۔“

(اتحاف شرح احیاء ج:۷ ص:۱۹۲)

ترجمہ:... ''اس واقعہ کو موضوعات میں شمار کرنا ابن جوزیؒ کی زیادتی ہے، حافظ سخاویؒ اور حافظ سیوطیؒ نے ان پر ردّ کیا ہے، اور ابن جوزیؒ جس طرح صحیح احادیث کو موضوعات میں ذکر کرجاتے ہیں وہ ائمہ کو معلوم ہے، ان کی اس رَوِش پر ان کے معاصرین نے بھی اور بعد کے حضرات نے بھی ان کی عیب چینی کی ہے، جیسا کہ حافظ عراقیؒ نے اپنی کتاب ''نکت ابن صلاح'' کے اوائل میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو بہت سے حفاظِ حدیث نے صحیح کہا ہے۔ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ: اس کے طرق کا متعدد ہونا اس کی صحت پر شاہد ہے، اس لئے ابن جوزیؒ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔''

بہرکیف! یہ واقعہ صحیح ہے اور اس کا شمار معجزاتِ نبوی میں ہوتا ہے، رہا آپ کا یہ کہنا کہ: ''یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ پڑھی ہو؟'' اس کا جواب خود اسی حدیث میں موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیجا تھا، جب وہ اس کام سے واپس آئے تو نماز ہوچکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ یہ نماز پڑھ چکے ہوں گے۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ: ''نبی سوتا ہے تو اس کا دِل جاگتا ہے، پھر نماز کیسے قضا ہوسکتی ہے؟'' اس کا جواب یہ ہے کہ نماز کے اوقات کا مشاہدہ کرنا دِل کا کام نہیں، بلکہ آنکھوں کا کام ہے، اور نیند کی حالت میں نبی کی آنکھ سوتی ہے، دِل جاگتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ''لیلۃ التعریس'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُفقا کی نمازِ فجر قضا ہوئی،[۱] واللہ اعلم!

انبیائے کرامؑ کے فضلات کی پاکی کا مسئلہ

سوال:... ہماری مسجد میں گزشتہ جمعہ میں ایک خطیب صاحب نے اپنے وعظ میں یہ فرمایا تھا کہ: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں پیشاب کرکے ایک صحابی کو دیا کہ اس کو باہر پھینک آؤ، ان صحابی نے باہر جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کے جذبے میں وہ پیشاب پی لیا، اس کے بعد تمام زندگی ان کے جسم سے خوشبو آتی رہی۔ اس کے بعد خطیب صاحب نے فرمایا: چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز پاک تھا، اس میں عام انسانوں کی طرح ناپاکی یا بدبو نہ تھی، لہٰذا صحابی کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

خطیب صاحب کے اس بیان پر مسجد میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، اکثر لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ واقعہ سند سے خالی

---

(۱) ''عن ابی هريرة قال: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قفل من غزوة خيبر سار ليلة حتّٰى اذا ادركه الكرىٰ عرس، وقال لبلال: اكلأ لنا الليل، فصلى بلال ما قدر له ونام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، فلما تقارب الفجر استند بلال الٰى راحلته موجه الفجر فغلبت بلالًا عيناه وهو مستند الٰى راحلته فلم يستيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ولَا بلال ولَا أحد من أصحابه حتّٰى ضربتهم الشمس، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اوّلهم استيقاظًا ففزع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اى بلال! فقال بلال: أخذ بنفسى الذى أخذ بنفسک، قال: اقتادوا، فاقتادوا رواحلهم شيئًا ثم توضأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمر بلالًا فأقام الصلٰوة فصلى بهم الصبح، فلما قضى الصلٰوة قال: من نسى الصلٰوة فليصلها اذا ذكرها فان الله تعالٰى قال: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ'' رواه مسلم (مشكوٰة ص:٦٦).

ہے، ایسے خطیب کی امامت جائز نہیں جو خلافِ سند واقعات بیان کرکے غیر مسلموں کو اسلام پر تنقید کا موقع دے۔ لوگوں کے اعتراضات مندرجہ ذیل تھے:

۱:... ایسا کوئی واقعہ مستند کتب میں نہیں ملتا۔

۲:... اگر ایسا ہوا بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت کی کوئی خصوصیت نہ تھی اور وہ مکمل نوری تھے۔

۳:... اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو پیشاب پھینکنے کا حکم دیا تھا تو صحابی کے لئے حکم زیادہ اہمیت رکھتا تھا یا محبت کے جذبات؟

۴:... دوسرے مذاہب کے لوگوں پر پیشاب پینے کا اعتراض کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ وہ بھی عقیدہ رکھتے ہوں کہ ان کے اوتاروں میں بھی ایسے ہی کچھ صفات تھے، وغیرہ وغیرہ۔

مولانا صاحب! آپ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالنا گوارا کریں گے، تاکہ لوگوں کو تسلی ہوسکے۔ کیونکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام فطرت کے مطابق ہے، اور پیشاب والا معاملہ انسان کی نظر میں خلافِ فطرت ہے۔ ہم اپنے مذہب کی اشاعت میں غیر مسلموں کو کیسے قائل کرسکتے ہیں؟

جواب:... لوگوں کے چار اعتراض جو آپ نے نقل کئے ہیں، ان میں پہلا اعتراض اصل ہے، یعنی یہ کہ یہ واقعہ مستند ہے یا نہیں؟ دوسرے سوالات سب اس کی فرع ہیں، کیونکہ اگر کوئی واقعہ ہی ایسا نہ ہو تو پھر یہ سوالات متوجہ نہیں ہوتے۔

اس واقعے کو تسلیم کرنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں سوالات کا پیدا ہونا ضعفِ ایمان، ضعفِ محبت اور ضعفِ علم کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ محبت میں سوالات پیدا نہیں ہوا کرتے، اور اگر صحیح علم ہوتا تو یہ توجیہ کرسکتے تھے کہ ممکن ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو کہ آپ کے فضلات کا نجس نہ ہونا عام انسانوں سے آپ کی امتیازی خصوصیت کی دلیل ہے۔ یہ دوسرے سوال کی توجیہ ہوسکتی تھی۔

تیسرے سوال کی توجیہ یہ ہوسکتی تھی کہ کبھی کبھی جذبۂ محبت غالب آجاتا ہے، اور آدمی اس میں معذور سمجھا جاتا ہے، جیسے صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا کہ: ''محمد رسول اللہ'' کے لفظ کو مٹادو! انہوں نے عرض کردیا کہ: میں آپ کے نامِ پاک کو نہیں مٹاسکتا! یہ بات انہوں نے حکمِ صریح کے مقابلے میں غلبۂ محبت کی وجہ سے فرمائی تھی، اس لئے اس پر ان کو کوئی عتاب نہیں فرمایا گیا۔

چوتھے سوال کی یہ توجیہ ہوسکتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پیشاب نوشی کا حکم فرمایا، نہ اس کا قانون بنایا، البتہ ایک مغلوب المحبت کو معذور سمجھا، اب عام لوگوں کے پیشاب پینے کا جواز اس سے کیسے نکل آیا؟

الغرض ضرورت اس بات کی تھی کہ پہلے یہ معلوم کیا جاتا کہ یہ واقعہ ہے بھی یا نہیں؟ پھر یہ معلوم کیا جاتا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کا بھی وہی حکم ہے جو ہم ایسے ناپاک لوگوں کے بول و براز کا ہے؟ یا اس سلسلے میں آپ کی کچھ خصوصیات بھی ہیں؟ اس بارے میں علمائے ربانی کی تحقیق کیا ہے؟ اور امام ابوحنیفہؒ و شافعیؒ اور ان کے اکابر متبعین کیا فرماتے ہیں؟ پھر یہ معلوم کیا جاتا

کہ ایک حکم سب کے لئے یکساں ہوتا ہے؟ یا بعض اوقات موقع ومحل کی خصوصیت سے حکم مختلف بھی ہوسکتا ہے؟

جن مولانا صاحب نے ناواقف اور بے سمجھ عوام کے سامنے بغیر تشریح کے یہ واقعہ بیان کردیا، انہوں نے بھی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا، اور جنہوں نے یہ واقعہ سنتے ہی اعتراضات کی بوچھاڑ کردی اور مسئلے کی نوعیت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، انہوں نے بھی کچھ فہم و دانش کا ثبوت نہیں دیا، واللہ اعلم!

سائل کا دُوسرا خط:

محترم! میرے مکتوب کا جواب تو موصول ہوگیا لیکن نامکمل سا ظاہر ہو رہا ہے۔ اصل سوال کا جواب اپنی جگہ قائم ہے۔ یعنی جو واقعہ محترم خطیب صاحب نے بیان کیا تھا، اس کا حوالہ کسی مستند راوی یا کتاب کا درکار تھا۔ میں نے چند معترضین کو آپ کا جواب دکھایا تو وہی سوال کیا گیا کہ اس کتاب اور مصنف کا نام بتایا جائے جس میں اس کا ذکر کیا گیا ہے، بلکہ ایک صاحب نے تو یہ بھی فرمایا کہ: ایک مرتبہ کسی جلسے میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے بھی اس واقعے کا ذکر کیا تھا، لیکن جب ان سے اس کی سند مانگی گئی تو وہ بھی نہ دے سکے، بلکہ سند مانگنے والے پر ایمان کی کمزوری کا فتویٰ صادر کرکے لعنت و ملامت کرنے لگے، جیسا کہ آپ نے اپنے جواب میں فرمایا، یعنی:

''اس واقعے کو تسلیم کرنے کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں سوالات کا پیدا ہونا ضعفِ ایمان، ضعفِ محبت اور ضعفِ علم کی وجہ سے ہے۔''

اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ جو عالم یا خطیب کوئی بھی واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرکے بغیر کسی حوالے کے بیان کردے، اس کو صدقِ دل سے تسلیم کرلیا جائے، ورنہ ضعفِ ایمان کا فتویٰ لگ جائے گا۔ اس طرح تو کچھ علماء... جن کو ہم علماءِ سوء ہی کہہ سکتے ہیں... بہت سے اپنے مطلب کے واقعات بیان کرکے لوگوں کو گمراہ کرسکتے ہیں اور آپ اس کو بھی تسلیم کریں گے کہ علماءِ سوء... جو بظاہر عالم ہی ہوتے ہیں... کو عام آدمی شناخت نہیں کرسکتا، اس کی پکڑ تو اسی وقت ہوسکتی ہے جب وہ واقعات کے ساتھ مستند حوالہ بھی دے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور بشر میں افضل ترہیں، ان کے ساتھ خصوصیات بھی تسلیم کرنا ایمان کا تقاضا ہے، لیکن اس کا کیا جائے کہ آج کا دور مادّیت اور سائنس کا دور ہے، عوام کی اکثریت خاص طور پر مغربی افکار سے متأثر ہے، ان کو مطمئن کرنے کے لئے جہاں تک ممکن ہوسکے کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے، لہٰذا اگر مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دے سکیں تو لوگوں کی تسلی ہوسکتی ہے:

۱:... اس واقعے کا ذکر جس کتاب میں ہے اس کا اور اس کے مصنف کا نام۔

۲:... صحابی مذکور کے عمل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔

۳:... دوسرے صحابہ کرامؓ پر واقعے کے اثرات... جبکہ یہ معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز نہ صرف پاک ہیں بلکہ خوشبو کے حامل ہیں... اور یہ بھی معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز سے اپنی جانوں سے زیادہ محبت کرتے تھے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن اور وضو کے پانی کو بھی اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے۔''

جواب:... میری گزشتہ تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اوّل تو معلوم کیا جائے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟ دوم

یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے بارے میں اہلِ علم واکابرائمہ دین کی تحقیق کیا ہے؟ ان دو باتوں کی تحقیق کے بعد جو شبہات پیش آسکتے ہیں، ان کی توجیہ ہوسکتی ہے۔ اب ان دونوں نکتوں کی وضاحت کرتا ہوں۔

امرِ اوّل:... یہ ہے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں ہے یا نہیں؟ حافظ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ''خصائص کبریٰ'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ اس کی دوسری جلد کے صفحہ:۲۵۲ کا فوٹو آپ کو بھیج رہا ہوں، جس کا عنوان ہے: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز پاک تھا''، اس عنوان کے تحت انہوں نے احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے دو احادیث... جن کو میں نے نشان زد کردیا ہے... کو مع ترجمہ نقل کرتا ہوں:

۱:...''وَأَخْرَجَ أَبُوْ یَعْلٰی وَالْحَاکِمُ وَالدَّارَقُطْنِیُ وَالطَّبْرَانِیُ وَأَبُوْ نُعَیْمٍ عَنْ اُمِّ أَیْمَنَ قَالَتْ: قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ إِلٰی فَخَارَةٍ فَبَالَ فِیْهَا، فَقُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ وَأَنَا عَطْشَانَةٌ فَشَرِبْتُ مَا فِیْهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَخْبَرْتُهُ، فَضَحِکَ وَقَالَ: أَمَا إِنَّکَ لَا یَتَجَعَّنَّ بَطْنُکَ أَبَدًا! وَلَفْظُ أَبِیْ یَعْلٰی: إِنَّکَ لَنْ تَشْتَکِیَ بَطْنُکَ بَعْدَ یَوْمِکَ هٰذَا أَبَدًا!''

ترجمہ:...''ابویعلیٰ، حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم رحمہم اللہ نے سند کے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت مٹی کے پکے ہوئے ایک برتن میں پیشاب کیا، پس میں رات کو اُٹھی، مجھے پیاس تھی، میں نے وہ پیالہ پی لیا۔ صبح ہوئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: تجھے پیٹ کی تکلیف کبھی نہ ہوگی! اور ابویعلیٰ کی روایت میں ہے کہ: آج کے بعد تم پیٹ کی تکلیف کی شکایت نہ کروگی!''

۲:...''وَأَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُ وَالْبَیْهَقِیُ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنْ حُکَیْمَةَ بِنْتِ اُمَیْمَةَ عَنْ اُمِّهَا قَالَتْ: کَانَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِّنْ عِیْدَانَ، یَبُوْلُ فِیْهِ، وَیَضَعُهٗ تَحْتَ سَرِیْرِهٖ، فَقَامَ فَطَلَبَهٗ فَلَمْ یَجِدْهُ، فَسَأَلَ عَنْهُ، فَقَالَ: أَیْنَ الْقَدَحُ؟ قَالُوْا: شَرِبَتْهُ بَرَّةُ خَادِمَةُ اُمِّ سَلَمَةَ الَّتِیْ قَدِمَتْ مَعَهَا مِنْ أَرْضِ الْحَبْشَةِ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدِ احْتَظَرَتْ مِنَ النَّارِ بِحِظَارًا!''

ترجمہ:...''طبرانی اور بیہقی نے بہ سندِ صحیح حکیمہ بنت امیمہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں لکڑی کا ایک پیالہ رکھا رہتا تھا، جس میں شب کو گاہ و بے گاہ پیشاب کرلیا کرتے تھے، اور اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھ دیتے تھے، آپ ایک مرتبہ (صبح) اُٹھے، اس کو تلاش کیا تو وہاں نہیں ملا، اس کے بارے میں دریافت فرمایا، تو بتایا گیا کہ اس کو برہ نامی حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ نے نوش کرلیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس نے آگ سے بچاؤ کے لئے حصار بنالیا۔''

یہ دونوں روایتیں مستند ہیں، اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی تخریج کی ہے، اور اکابرِ امت نے ان واقعات کو

بلانکیر نقل کیا ہے، اور انہیں خصائصِ نبوی میں شمار کیا ہے۔

امرِ دوم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے بارے میں اکابر امت کی تحقیق:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''فتح الباری'' باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان (ج:۱ ص:۲۷۲ مطبوعہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

''وقد تکاثرت الأدلة علیٰ طهارة فضلاته، وعد الأئمة ذالک من خصائصه، فلا یلتفت الیٰ ما وقع فی کتب کثیر من الشافعیة مما یخالف ذالک، فقد استقر الأمر بین ائمتهم علی القول بالطهارة۔''

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے پاک ہونے کے دلائل حدِ کثرت کو پہنچے ہوئے ہیں، اور ائمہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ پس بہت سے شافعیہ کی کتابوں میں جو اس کے خلاف پایا جاتا ہے، وہ لائقِ التفات نہیں، کیونکہ ان کے ائمہ کے درمیان طہارت کے قول ہی پر معاملہ آن ٹھہرا ہے۔''

۱:... حافظ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری (ج:۲ ص:۳۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت کو دلائل سے ثابت کیا ہے، اور شافعیہ میں سے جو لوگ اس کے خلاف کے قائل ہیں ان پر بلیغ ردّ کیا ہے،[1] اور ج:۲ صفحہ:۷۹ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔[2]

۲:... امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب (ج:۱ ص:۲۳۳) میں بول اور دیگر فضلات کے بارے میں شافعیہ کے دونوں قول نقل کرکے طہارت کے قول کو مرجح قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''حدیث شرب المرأة البول صحیح، رواه الدارقطنی، وقال: هو حدیث صحیح، وهو کان فی الإحتجاج لکل الفضلات قیاسًا۔''

ترجمہ:... ''عورت کے پیشاب پینے کا واقعہ صحیح ہے، امام دارقطنی نے اس کو روایت کرکے صحیح کہا ہے، اور یہ حدیث تمام فضلات کی طہارت کے استدلال کے لئے کافی ہے۔''

---

(۱) وقال بعض شراح البخاری فی بوله ودمه وجهان، والألیق الطهارة وذکر القاضی حسین فی العذرة وجهین وأنکر بعضهم علی الغزالی حکایتهما فیها وزعم نجاستها بالإتفاق قلت یا للغزالی من هفوات حتّٰی فی تعلقات النبی علیه الصلاة والسلام وقد وردت أحادیث کثیرة ان جماعة شربوا دم النبی علیه الصلاة والسلام منهم ابوطیبة الحجام وغلام من قریش حجم النبی علیه الصلاة والسلام وعبدالله بن الزبیر شرب دم النبی علیه الصلاة والسلام، رواه البزار والطبرانی والحاکم والبیهقی وأبونعیم فی الحلیة ویروی عن علی رضی الله تعالیٰ عنه انه شرب دم النبی علیه الصلاة والسلام وروی أیضًا ان أُمّ أیمن شربت بول النبی صلی الله علیه وسلم رواه الحاکم والدارقطنی والطبرانی وأبونعیم۔ (عمدة القاری ج:۲ ص:۳۵)۔

(۲) ولئن سلمنا ان المراد هو الماء الذی یتقاطر من أعضائه الشریفة فأبوحنیفة ینکر هٰذا ویقول بنجاسة ذاک حاشاه منه وکیف یقول ذٰلک وهو یقول بطهارة بوله وسائر فضلاته۔ (عمدة القاری ج:۲ ص:۷۹)۔

۳:...علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

"صحح بعض ائمة الشافعية طهارة بوله صلى الله عليه وسلم وسائر فضلاته، وبه قال ابوحنيفة كما نقله فى المواهب اللدنية عن شرح البخارى للعينى۔"

(رد المحتار ج:۱ ص:۳۱۸ مطبوعه كراچى)

ترجمہ:..."بعض ائمہ شافعیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، جیسا کہ مواہب لدنیہ میں علامہ عینیؒ کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے۔"

۴:...مُلاَّ علی قاریؒ جمع الوسائل شرح الشمائل (ج:۲ ص:۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ) میں اس پر طویل کلام کے بعد لکھتے ہیں:

"قال ابن حجر: وبهذا استدل جمع من ائمتنا المتقدمين وغيرهم علىٰ طهارة فضلاته صلى الله عليه وسلم، وهو المختار، وفاقًا لجمع من المتأخرين، فقد تكاثرت الأدلة عليه، وعده الأئمة من خصائصه صلى الله عليه وسلم۔"

ترجمہ:..."ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہمارے ائمہ متقدمین کی ایک جماعت اور دیگر حضرات نے احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے، متأخرین کی جماعت کی موافقت میں بھی یہی مختار ہے، کیونکہ اس پر دلائل بکثرت ہیں اور ائمہ نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے۔"

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

"ثم مسألة طهارة فضلات الأنبياء توجد فى كتب المذاهب الأربعة۔"

(فيض البارى ج:۱ ص:۲۵۰)

ترجمہ:..."فضلاتِ انبیاء کی طہارت کا مسئلہ مذاہبِ اربعہ کی کتابوں میں موجود ہے۔"

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:

"وقد صرح اهل المذاهب الأربعة بطهارة فضلات الأنبياء .... الخ۔"

(معارف السنن ج:۱ ص:۹۸)

ترجمہ:..."مذاہبِ اربعہ کے حضرات نے فضلاتِ انبیاء کے پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔"

الحمدللہ! ان دونوں نکتوں کی وضاحت تو بقدرِ ضرورت ہوچکی۔ یہ واقعہ مستند ہے اور مذاہبِ اربعہ کے ائمہ فقہاء نے ان احادیث کو تسلیم کرتے ہوئے فضلاتِ انبیاء علیہم السلام کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر اعتراض کیا جائے تو اس کو ضعفِ ایمان ہی کہا جاسکتا ہے!

اب ایک نکتہ محض تبرعاً لکھتا ہوں، جس سے یہ مسئلہ قریب الفہم ہوجائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ کے اپنی مخلوق میں عجائبات ہیں، جن کا ادراک بھی ہم لوگوں کے لئے مشکل ہے، اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے بعض اجسام میں ایسی محیر العقول خصوصیات رکھی ہیں جو دوسرے اجسام میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ ایک کیڑے کے لعاب سے ریشم پیدا کرتا ہے، شہد کی مکھی کے فضلات سے شہد جیسی نعمت ایجاد کرتا ہے، اور پہاڑی بکرے کے خون کو نافہ میں جمع کرکے مشک بنادیتا ہے۔ اگر اس نے اپنی قدرت سے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسامِ مقدسہ میں بھی ایسی خصوصیات رکھی ہوں کہ غذا ان کے ابدانِ طیبہ میں تحلیل ہونے کے بعد بھی نجس نہ ہو، بلکہ اس سے جو فضلات ان کے ابدان میں پیدا ہوں وہ پاک ہوں تو کچھ جائے تعجب نہیں۔ اہل جنت کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ کھانے پینے کے بعد ان کو بول و براز کی ضرورت نہ ہوگی، خوشبودار ڈکار سے سب کا کھایا پیا ہضم ہوجائے گا،[۱] اور بدن کے فضلات خوشبودار پسینے میں تحلیل ہوجائیں گے۔ جو خصوصیت کہ اہل جنت کے اجسام کو وہاں حاصل ہوگی، اگر حق تعالیٰ شانہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے پاک اجسام کو وہ خاصیت دنیا ہی میں عطا کردیں تو بجا ہے، پھر جبکہ احادیث میں اس کے دلائل بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ اوپر حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں گزر چکا ہے، تو انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو اپنے اوپر قیاس کرکے ان کا انکار کردینا، یا ان کے تسلیم کرنے میں تأمل کرنا صحیح نہیں، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

این خورد گردد پلیدی زو جدا
وان خورد گردد ہمہ نور خدا

آخر میں حضراتِ علمائے کرام اور خطبائے عظام سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ عوام کے سامنے ایسے امور نہ بیان کریں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں، وللہ الحمد أولًا وآخرًا!

معجزۂ شق القمر

سوال:... ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب جو مسجد کے امام بھی ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شق قمر والا جو معجزہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوا تھا، وہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ثبوت ہے۔ براہِ کرم اس کے متعلق صحیح احادیث لکھ دیں، تاکہ ان کی تسلی ہو۔

جواب:... شق قمر کا معجزہ صحیح احادیث میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت حذیفہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"إِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِشْهَدُوْا۔"

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۲۱ واللفظ لہٗ، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۷۳، ترمذی ج:۲ ص:۱۶۱)

---

(۱) "عن جابر (رضی الله عنه) قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان أهل الجنّة يأكلون فيها ويشربون ولَا يتفلون ولَا يبولون ولَا يتغوطون ولَا يمتخطون، قالوا: فما بال الطعام؟ قال: جشاء ورشح كرشح المسک ....." رواه مسلم. (مشکوٰة ص:۴۹۶، باب صفة الجنة وأهلها، الفصل الأوّل).

ترجمہ:... ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا، ایک ٹکڑا پہاڑ سے اُوپر تھا اور ایک پہاڑ سے نیچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ رہو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

''إِنْشَقَّ الْقَمَرُ فِیْ زَمَانِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔''

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۲۱ واللفظ لہٗ، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۷۳، ترمذی ج:۲ ص:۱۶۱)

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

''إِنَّ اَھْلَ مَکَّۃَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّرِیَھُمْ آیَۃً، فَأَرَاھُمْ إِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ مَرَّتَیْنِ۔''

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۲۲، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۷۳ واللفظ لہٗ، ترمذی ج:۲ ص:۱۶۱)

ترجمہ:... ''اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کوئی معجزہ دکھائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

''إِنْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِشْھَدُوْا۔'' (صحیح مسلم ص:۳۷۳ ج:۲ ترمذی ص:۱۶۱ ج:۲ واللفظ لہٗ)

ترجمہ:... ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ رہو۔''

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

''إِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی صَارَ فِرْقَتَیْنِ عَلٰی ھٰذَا الْجَبَلِ وَعَلٰی ھٰذَا الْجَبَلِ، فَقَالُوْا: سَحَرَنَا مُحَمَّدٌ، فَقَالَ بَعْضُھُمْ: لَئِنْ کَانَ سَحَرَنَا فَمَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّسْحَرَ النَّاسَ کُلَّھُمْ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۱۶۴، سورۃ القمر، طبع قدیمی)

ترجمہ:... ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا، یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا، اور ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر۔ مشرکین نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم پر جادو کر دیا، اس پر ان میں سے بعض نے کہا کہ: اگر اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتا (اس لئے باہر کے لوگوں سے معلوم کیا جائے، چنانچہ انہوں نے باہر سے آنے والوں سے تحقیق کی تو انہوں نے بھی تصدیق کی)۔''

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ (ج:۳ ص:۱۱۹) میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے،[۱] اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (ج:۶ ص:۶۳۲) میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے۔[۲]

امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

''قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ چاند کا دوٹکڑے ہوجانا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ترین معجزات میں سے ہے، اور اس کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، علاوہ ازیں آیت کریمہ: ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ'' کا ظاہر وسیاق بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ بعض اہل بدعت نے، جو مخالفین ملت کے مشابہ ہیں، اس کا انکار کیا ہے، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو اندھا کردیا ہے، ورنہ عقل کو اس میں مجال انکار نہیں۔''[۳] (نووی: شرح مسلم ج:۲ ص:۳۷۳)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح

سوال:... یکم فروری ۱۹۸۹ء کو ''تفہیمِ دین'' پروگرام میں ٹی وی پر جناب ریاض الحسن گیلانی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۱ نکاح کئے، جن میں ۱۳ ازواج کو قائم رکھا، جبکہ ۸ کو طلاق دی۔ جہاں تک میرے ناقص علم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کو ایک بُرا فعل ظاہر کیا ہے، جو مجبوراً دینے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ ہمارے علم میں کوئی طلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کو نہیں دی۔ برائے مہربانی! اس کی حقیقتِ حال بیان کی جائے۔

جواب:... ۲۱ عقد میرے علم میں نہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے دوعورتوں کو نکاح کے بعد آبادی سے پہلے ان کی خواہش پر طلاق دی تھی۔ میری کتاب ''عہدِ نبوّت کے ماہ وسال'' میں اس کی تفصیل ہے۔[۴]

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں پر شبہات کی وضاحت

سوال:... ہمارے ایک دوست جو بڑے فنکار ہیں، وہ اکثر دین کی باتوں پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اکثر و بیشتر وہ نبی

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ج:۳ ص:۱۱۹ کی عبارت یہ ہے: .... قال: خطبنا حذیفة بن الیمان بالمدائن فحمد الله وأثنٰی علیه ثم قال: (اقتربت الساعة وانشق القمر) ألَا وإن الساعة قد اقتربت! ألَا وإن القمر قد انشق. (البدایة ج:۳ ص:۱۱۹ فصل إنشقاق القمر فی زمان النبی صلی الله علیه وسلم، طبع دار الفکر، بیروت).

(۲) قوله (باب سؤال المشرکین أن یریهم النبی صلی الله علیه وسلم آیة، فأراهم إنشقاق القمر) فذکر فیه حدیث ابن مسعود وأنس وابن عباس فی ذٰلک، وقد ورد إنشقاق القمر أیضًا من حدیث علی وحذیفة وجبیر بن مطعم وابن عمر وغیرهم ...إلخ. (فتح الباری ج:۶ ص:۶۳۲).

(۳) قال القاضی: إنشقاق القمر من امهات معجزات نبینا صلی الله علیه وسلم وقد رواها عدة من الصحابة رضی الله عنهم مع ظاهر الآیة الکریمة وسیاقها، قال الزجاج: وقد أنکرها بعض المبتدعة المضاهین لمخالفی الملة وذٰلک لما اعمی الله قلبه ولَا إنکار للعقل فیها. (شرح النووی لمسلم ج:۲ ص:۳۷۳، باب إنشقاق القمر، طبع قدیمی کتب خانه).

(۴) عہدِ نبوّت کے ماہ وسال ص:۲۹۲-۲۹۳ فصل ۸ھ کے واقعات (طبع مکتبہ لدھیانوی)۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: میں اس بات پر حیران ہوں کہ اتنی شدید مصروفیات جہاد اور تبلیغِ دین کے باوجود ان کے پاس اتنا وقت کیسے تھا کہ وہ اتنی شادیاں کرتے اور عورتوں کے حقوق ادا کرسکتے تھے۔ ان کے تبصرہ کا میں کیا جواب دوں؟ وضاحت فرمائیں، مجھے شدید افسوس ہوتا ہے!

جواب:... یورپ کے مستشرقین نے اپنے تعصب، نادانی اور جہلِ مرکب کی وجہ سے اسلام کے جن مسائل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، ان میں ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدّدِ ازواج کا مسئلہ بھی ہے، جس پر انہوں نے خاصی زہرچکانی کی ہے۔ ہمارا جدید طبقہ مستشرقین سے مرعوب اور احساسِ کمتری کا شکار ہے، وہ ایسے تمام مسائل میں... جن پر مستشرقین کو اعتراض ہے... ندامت و معذرت کا انداز اختیار کرتا ہے، اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مغرب کے سامنے سرخرو ہونے کے لئے ان حقائق کا ہی انکار کردیا جائے، چنانچہ وہ عقلی شبہات کے ذریعہ ان حقائق کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ کے دوست کی گفتگو بھی اسی ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے، وہ بظاہر بڑے معصومانہ انداز میں یہ پوچھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بیویوں کے حقوق کیسے ادا کرتے تھے؟ لیکن سوال کا منشا اصل واقعہ پر اعتراض ہے۔

بہرحال آپ کے دوست اگر چند اصولی باتیں ذہن میں رکھیں تو مجھے توقع ہے کہ ان کے خدشات زائل ہوجائیں گے۔

۱:... سب سے پہلے یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ دین کے مسائل کو خوش طبعی اور ہنسی مذاق کا موضوع بنانا نہایت ہی خطرناک مرض ہے۔ آدمی کو شدت کے ساتھ ان سے پرہیز کرنا چاہئے، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی (جو اہلِ ایمان کا مرجعِ عقیدت ہی نہیں، مدارِ ایمان بھی ہے)، آپ کے بارے میں لب کشائی تو کسی مسلمان کے لئے کسی طرح بھی روا نہیں۔ قرآن کریم میں ان منافقوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو اپنی نجی محفلوں میں رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو، قرآن کریم کی آیاتِ شریفہ کو طنز و مذاق کا نشانہ بناتے تھے، جب ان سے بازپُرس کی جاتی تو کہہ دیتے: ''اجی! ہم تو بس یونہی دل لگی اور خوش طبعی کی باتیں کر رہے تھے۔'' ان کے اس ''عذرِ گناہ، بدتر از گناہ'' کے جواب میں ارشاد ہے: ''کیا تم اللہ تعالیٰ سے، اس کی آیات سے اور اس کے رسول کے ساتھ دل لگی کرتے تھے؟ بہانہ نہ بناؤ، تم نے دعویٰ ایمان کے بعد کفر کیا ہے!'' (التوبہ:۶۵،۶۶)[۱]۔

اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کو دل لگی اور خوش طبعی کا موضوع بنانا کتنا خطرناک ہے، جسے قرآن کریم کفر قرار دیتا ہے! اس لئے ہر مسلمان سے، جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، میری ملتجیانہ درخواست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل کو اپنے ظریفانہ تبصروں کو موضوع بنانے سے مکمل پرہیز کریں، ایسا نہ ہو کہ غفلت میں کوئی غیرمحتاط لفظ زبان سے نکل جائے اور متاعِ ایمان برباد ہوکر رہ جائے، **نعوذ باللہ من ذالک!**

۲:... ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند و بالا ہستی کو اپنی سطح پر غور و فکر کرتے ہیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات اپنی ذہنی سطح سے اونچی دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا،

---

(۱) ''وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ، قُلْ أَبِاللهِ وَآيٰتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ، لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمٰنِكُمْ'' (التوبة: ۶۵، ۶۶)۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے اور جن کمالات و خصوصیات سے آپ کو نوازا ہے وہ ہمارے فہم و اِدراک کی حد سے ماورا ہے، وہاں تک کسی جن و ملک کی رسائی ہے، نہ کسی نبیٔ مرسل کی، جہاں جبریل امین کے پَر جلتے ہوں، وہاں ماوشما کی عقلی تگ ودو کی کیا مجال ہے! آپ کے دوست بھی اسی بنیادی غلطی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات سے ناپتے تو انہیں کوئی حیرت نہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اتنی بیویوں کے حقوق کیسے ادا فرماتے تھے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اپنے اندر اعجاز کا پہلو رکھتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سے قلیل عرصے میں بتوفیق خداوندی انسانی زندگیوں میں جو انقلاب برپا کیا اور امت کو روحانی و مادّی کمالات کی جس اوجِ ثریا پر پہنچا دیا، کیا ساری امت مل کر بھی اس کارنامہ کو انجام دے سکتی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی بات ایسی ہے جو اپنے اندر حیرت انگیز اعجاز نہیں رکھتی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں:

”آپ کا کون سا معاملہ عجیب نہیں تھا!“

۳:... آپ کے دوست کو یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ محض عقلی احتمالات یا حیرت و تعجب کے اظہار سے کسی حقیقت یا واقعے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً: ایک شخص سر کی آنکھوں سے سورج نکلا ہوا دیکھ رہا ہے، اس کے برعکس ایک ”حافظ جی“ محض عقلی احتمالات کے ذریعہ اس کھلی حقیقت کا انکار اور اس پر حیرت و تعجب کر رہا ہے۔ اہل عقل اس ”حافظ جی“ کی عقل و فہم کی داد نہیں دیں گے بلکہ اسے اندھا ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی اور ہٹ دھرم بھی قرار دیں گے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواجِ مطہرات کے حقوق نہایت عدل و انصاف کے ساتھ ادا کرنا ایک حقیقتِ واقعیہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت آپ کے یہاں نو بیویاں تھیں، ان میں آٹھ کے یہاں باری باری شب باشی فرماتے تھے (حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے رکھی تھی، اس لئے ان کے یہاں شب باشی نہیں فرماتے تھے) (صحیح بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص:۲۷۹)۔[۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عدل و انصاف کے ساتھ ازواج کے حقوق ادا فرماتے تھے اور پھر یہ دعا کرتے تھے: ”یا اللہ! جو بات میرے اختیار میں ہے اس میں تو پورا عدل و انصاف سے برتاؤ کرتا ہوں، اور جو چیز آپ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں (یعنی کسی بی بی کی طرف دل کا زیادہ میلان) اس میں مجھے ملامت نہ کیجئے!“[۲] (ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ص:۲۷۹)۔ اس قسم کی بہت سی احادیث صحابہ کرام اور خود امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں، گویا یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ازواجِ مطہراتؓ کے حقوق ادا فرماتے

---

(۱) عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قُبِضَ عن تسع نسوۃ و کان یقسم منھن لثمان، متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص: ۲۷۹، باب القسم، الفصل الأوّل)۔ وعن عائشۃ ان سودۃ لما کبرت قالت: یا رسول اللہ! قد جعلت یومی منک لعائشۃ، فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقسم لعائشۃ یومین، یومھا ویوم سودۃ، متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص: ۲۷۹، باب القسم)۔

(۲) عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقسم بین نسائہ فیعدل ویقول: اللّٰھم ھٰذا قسمی فیما أملک فلا تلُمنِی فیما تملک ولَا أملک۔ رواہ الترمذی وابوداوٗد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی۔ (مشکوٰۃ ص: ۲۷۹ باب القسم، الفصل الثانی)۔

تھے، بلکہ اس میں آپ نے عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین معیار قائم کر کے دکھایا، خود اِرشاد فرماتے تھے:

”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں!“[۱] (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص:۲۸۱)

اب اس ثابت شدہ حقیقت پر حیرت و تعجب کا اظہار کرنا اور اس سے انکار کی کوشش کرنا اس پر وہی ”حافظ جی“ کی مثال صادق آتی ہے جو آنکھیں بند کر کے محض عقلی احتمالات کے ذریعہ طلوعِ آفتاب کی نفی کی کوشش کر رہا ہے۔

۴:...اور اگر آپ کے دوست کو اس بات کا شبہ ہے کہ اُمت کے لئے چار تک شادیوں کی اجازت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار سے زائد شادیاں کیسے جائز تھیں؟ تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے خصوصی احکام دیئے تھے، جن کو اہلِ علم کی اصطلاح میں ”خصائصِ نبوی“ کہا جاتا ہے۔ حافظ سیوطیؒ نے ”الخصائص الکبریٰ“ میں، حافظ ابونعیمؒ نے ”دلائل النبوۃ“ میں اور علامہ قسطلانیؒ نے ”مواہب لدنیہ“ میں ان ”خصائص“ کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ نکاح کے معاملے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد خصوصیات تھیں جن کو سورۂ احزاب کے چھٹے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے لئے چار سے زائد شادیوں کی اجازت تھی۔

ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے پدری و مادری خاندان کی خواتین میں سے صرف اس سے نکاح کرنا جائز تھا جنھوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی تھی ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جائز نہیں تھا۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی خاتون مہر کے بغیر آپ کے عقد میں آنے کی پیشکش کرے اور آپ اس کو قبول فرمالیں تو بغیر مہر کے آپ کا عقد صحیح تھا، جبکہ اُمت کے لئے نکاح میں مہر کا ہونا ضروری ہے۔ اگر زوجین نے یہ شرط کرلی ہو کہ مہر نہیں ہوگا، تب بھی ”مہرِ مثل“ لازم آئے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ بیویوں کے درمیان برابری کرنا آپ کے ذمہ ضروری نہیں تھا (اس کے باوجود آپ ازواجِ مطہراتؓ کے درمیان برابری اور عدل و انصاف کی پوری رعایت فرماتے تھے، جیسا کہ اوپر عرض کرچکا ہوں)،[۲]

---

(۱) وعنها (أی عائشة) قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خیرکم خیرکم لأهله، وأنا خیرکم لأهلی. رواه الترمذی والدارمی ورواه ابن ماجة عن ابن عباس. (مشکوٰة ص:۲۸۱ باب عشرة النساء، الفصل الثانی).

(۲) ”یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ “مهورهن“ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللهُ عَلَیْکَ .... وَبَنَاتِ عَمِّکَ وَبَنَاتِ عَمّٰتِکَ وَبَنَاتِ خَالِکَ وَبَنَاتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَکَ بخلاف من لم یهاجر وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا، یطلب نکاحها بغیر صداق، خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ، النکاح بلفظ الهبة من غیر صداق قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ ای المؤمنین فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ من الأحکام بأن لا یزیدوا علٰی أربع نسوة ولا یتزوجوا إلّا بولی وشهود ومهر .... لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْکَ حَرَجٌ ضیق فی النکاح، تُرْجِیْ ...... تؤخر مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ أی ازواجک عن نوبتها وَتُئْوِیْ تضم اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ منهن فتأتیها وَمَنِ ابْتَغَیْتَ طلبت مِمَّنْ عَزَلْتَ من القسمة فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکَ فی طلبها وضمها إلیک .... لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ التسع اللّاتی اخترتک .... وَکَانَ اللهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا. (تفسیر جلالین، ص:۳۵۶ سورة الأحزاب آیت:۵۰ تا ۵۲).

جبکہ اُمت کے وہ افراد جن کے عقد میں دو یا زیادہ بیویاں ہوں، ان کے ذمہ بیویوں کے درمیان برابری رکھنا فرض ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

"جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل اور برابری نہ کرے وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا۔"[۱] (ترمذی، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ ص:۲۷۹)

الغرض! نکاح کے معاملے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سے خصوصیات تھیں، اور بیک وقت چار سے زائد بیویوں کا جمع کرنا بھی آپ کی انہی خصوصیات میں شامل ہے، جس کی تصریح خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

حافظ سیوطیؒ "خصائصِ کبریٰ" میں لکھتے ہیں کہ: شریعت میں غلام کو صرف دو شادیوں کی اجازت ہے، اور اس کے مقابلے میں آزاد آدمی کو چار شادیوں کی اجازت ہے، جب آزاد کو بمقابلہ غلام کے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے، تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام افرادِ اُمت سے زیادہ شادیوں کی کیوں اجازت نہ ہوتی؟[۲]

متعدد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہوئے ہیں جن کی چار سے زیادہ شادیاں تھیں، چنانچہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی سو بیویاں تھیں،[۳] اور صحیح بخاری (ج:۱ ص:۳۹۵) میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو یا ننانوے بیویاں تھیں۔ بعض روایات میں کم وبیش تعداد آئی ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ان روایات میں تطبیق کی ہے اور وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے یہاں تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں۔[۴] (فتح الباری ج:۶ ص:۴۶۰)

بائبل میں اس کے برعکس ذکر کیا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو کنیزیں تھیں (۱۔سلاطین، ۱۱۔۳)

ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان تمام بیویوں کے حقوق ادا کرتے ہوں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نو ازواجِ مطہراتؓ کے حقوق ادا کرنا ذرا بھی محلِ تعجب نہیں!

---

(۱) وعن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: إذا كانت عند الرجل إمرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط۔ رواه الترمذی وأبوداؤد والنسائی وابن ماجة والدارمی۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۷۹ باب القسم، الفصل الثانی)۔

(۲) قال العلماء لما كان الحر لفضله على العبد يستبيح من النسوة أكثر مما يستبيحه العبد وجب ان يكون النبی صلی الله عليه وسلم لفضله علٰى جميع الأُمّة يستبيح من النساء أكثر ما تستبيحه الأمّة۔ (الخصائص الكبرىٰ ج:۲ ص:۴۲۶، باب إختصاصه صلی الله عليه وسلم بنكاح أكثر من أربع نسوة وهو إجماع، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)۔

(۳) ذكر أنه كان لسليمان عليه السلام ثلاث مئة إمرأة مهرية وسبع مئة سرية وأنه كان لداوٗد عليه السلام مأة امرأة۔ (رُوح المعانی ج:۱۳ ص:۱۶۸، سورة الرعد:۳۸، التفسير الكبير ج:۷ ص:۴۹ طبع حقانية)۔

(۴) عن أبی هريرة عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: قال سليمان بن داوٗد لأطوفن الليلة علٰى مأة امرأة أو تسع وتسعين ...إلخ۔ (بخاری شريف ج:۱ ص:۳۹۵، كتاب الجهاد، باب من طلب الولد للجهاد)۔ فمحصل الروايات ستون وسبعون وتسعون وتسع وتسعون ومأة، والجمع بينها ان الستين كن حرائر وما زاد عليهن سراری أو بالعكس، وأما السبعون فللمبالغة، وأما التسعون والمأة فكن دون المأة وفوق التسعين فمن قال تسعون ألغى الكسر ومن قال مأة جبره ومن ثم وقع التردد فی رواية جعفر .... وقد حلی وهب بن منبه (فی المبتداء) أنه كان لسليمان ألف امرأة ثلاث مأة مهرية وسبع مأة سرية ...إلخ۔ (فتح الباری ج:۶ ص:۴۶۰، كتاب الأنبياء، طبع دار نشر الكتب الإسلامية، لَاهور پاكستان)۔

۵:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کے بارے میں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی، اور ہر جنتی کو سو آدمیوں کی طاقت عطا کی جائے گی۔ اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی۔ (۱) (فتح الباری ج:۱ ص:۳۷۸)

جب امت کے ہر مریل سے مریل آدمی کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جن میں چار ہزار مردوں کی طاقت ودیعت کی گئی تھی، کم از کم سولہ ہزار شادیوں کی اجازت ہونی چاہئے تھی...!

۶:... اس مسئلہ پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے، ایک داعی اپنی دعوت مردوں کے حلقے میں بلاتکلف پھیلاسکتا ہے، لیکن خواتین کے حلقے میں براہِ راست دعوت نہیں پھیلاسکتا، حق تعالیٰ شانہ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ ہر شخص کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، جو جدید اصطلاح میں اس کی ''پرائیویٹ سیکریٹری'' کا کام دے سکیں اور خواتین کے حلقے میں اس کی دعوت کو پھیلاسکیں۔

جب ایک امتی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے یہ انتظام فرمایا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جو قیامت تک تمام انسانیت کے نبی اور ہادی و مرشد تھے، قیامت تک پوری انسانیت کی سعادت جن کے قدموں سے وابستہ کردی گئی تھی، اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت و رحمت سے امت کی خواتین کی اصلاح و تربیت کے لئے خصوصی انتظام فرمایا ہو تو اس پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ حکمت و ہدایت کا یہی تقاضا تھا۔

۷:... اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی کتابِ ہدایت تھی، آپ کی جلوت کے افعال و اقوال کو نقل کرنے والے تو ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے، لیکن آپ کی خلوت و تنہائی کے حالات امہات المؤمنینؓ کے سوا اور کون نقل کرسکتا تھا؟ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ان خفی اور پوشیدہ گوشوں کو نقل کرنے کے لئے متعدد ازواجِ مطہراتؓ کا انتظام فرمادیا، جن کی بدولت سیرتِ طیبہ کے خفی سے خفی گوشے بھی امت کے سامنے آگئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب بن گئی جس کو ہر شخص، ہر وقت ملاحظہ کرسکتا ہے۔

۸:... اگر غور کیا جائے تو کثرتِ ازواج اس لحاظ سے بھی معجزۂ نبوت ہے کہ مختلف مزاج اور مختلف قبائل کی متعدد خواتین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی سے نجی زندگی کا شب و روز مشاہدہ کرتی ہیں، اور وہ بیک زبان آپ کے تقدس و طہارت، آپ کی خشیت و تقویٰ، آپ کے خلوص و للّٰہیت اور آپ کے پیغمبرانی اخلاق و اعمال کی شہادت دیتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی میں کوئی معمولی سا جھول اور کوئی ذرا سی بھی کجی ہوتی تو اتنی کثیر تعداد ازواجِ مطہراتؓ کی موجودگی میں وہ کبھی بھی مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی کی پاکیزگی کی یہ ایسی شہادت ہے جو بجائے خود دلیلِ صداقت اور معجزۂ نبوت ہے۔ یہاں بطورِ نمونہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے نجی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس و طہارت اور

---

(۱) اعطیت قوة أربعین فی البطش والجماع، وعند أحمد والنسائی، وصححه الحاکم من حدیث زید بن أرقم رفعه: ان الرجل من أهل الجنّة لیعطی قوة مأة فی الأکل والشرب والجماع والشهوة، فعلٰی هٰذا یکون حساب قوة نبیّنا أربعة آلاف. (فتح الباری ج:۱ ص:۳۷۸، طبع دار نشر الکتب الإسلامیة، لاهور پاکستان).

پاکیزگی کا کچھ اندازہ ہوسکے گا۔ وہ فرماتی ہیں: ’’میں نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہیں دیکھا، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میرا ستر دیکھا[۱]‘‘ کیا دنیا میں کوئی بیوی اپنے شوہر کے بارے میں یہ شہادت دے سکتی ہے کہ مدة العمر انہوں نے ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھا؟ اور کیا اس اعلیٰ ترین اخلاق اور شرم وحیا کا نبی کی ذات کے سوا کوئی نمونہ مل سکتا ہے؟ غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی کے ان ’’خفی محاسن‘‘ کو ازواجِ مطہرات کے سوا کون نقل کرسکتا تھا...؟

طائف سے مکۃ المکرّمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس کی پناہ میں تشریف لائے؟

سوال:... کیا جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے تو آپ کی مکہ مکرّمہ سے شہریت ختم کردی گئی تھی اور پھر آپ کسی شخص کی امان حاصل کرکے مکہ مکرّمہ میں داخل ہوئے تھے؟ اگر ایسا ہے تو اس شخص کا نام بھی تحریر فرمائیں کہ وہ کون شخص تھا؟

جواب:... مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ’’سیرة المصطفیٰ‘‘ (ج:۱ ص:۲۸۱) میں، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ نے ’’سیرت کبریٰ‘‘ (ج:۲ ص:۱۰۷) میں طبقات ابنِ سعد کے حوالے سے (سیرتِ مصطفیٰ میں زاد المعاد کا حوالہ بھی دیا گیا ہے) اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے ’’البدایہ والنہایہ‘‘ (ج:۳ ص:۱۳۷) میں اُموی کی مغازی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کی پناہ میں تشریف لائے تھے۔ اور پناہ میں آنے کا یہ مطلب نہیں تھا جو آپ نے سمجھا ہے کہ اس سے پہلے مکہ کی شہریت ختم کردی گئی تھی، بلکہ یہ مطلب تھا کہ مطعم بن عدی نے ضمانت دی تھی کہ آئندہ اہلِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ستائیں گے۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ رہتا نہیں تھا

سوال:... ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقے کے متعلق سیکڑوں واقعات اور احادیث شریف کا ذخیرہ ہے اور دوسری طرف انہیں کتابوں میں اچھا خاصا سامان مثلاً تیس غلام، سو بکریاں، گھوڑے، خچر، اونٹنیاں وغیرہ کی ملکیت آپ کی طرف منسوب کی گئی ہے، ابن قیمؒ کی زاد المعاد اور مولانا تھانویؒ کی نشر الطیب میں اس کی پوری تفصیل ہے، یہ تضاد کیسے رفع ہو؟

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز رہتی نہیں تھی، آتا تھا اور بہت کچھ آتا تھا مگر چلا جاتا تھا، زاد المعاد یا نشر الطیب میں ان چیزوں کی فہرست ہے جو وقتاً فوقتاً آپ کے پاس رہیں، یہ نہیں کہ ہمہ وقت رہیں۔

سوال:... طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مینڈھا تمام اُمت کی طرف سے اور ایک اپنی آل اولاد کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص قربانی نہیں کرتا تھا۔

جواب:... ’’قربانی کیا کرتے تھے‘‘ کے الفاظ تو مجھے یاد نہیں، جہاں تک مجھے یاد ہے ایک مینڈھا آپ نے قربان کیا اور فرمایا کہ: یہ میری اُمت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کرسکیں۔ مشکوٰة شریف ص:۱۲۷ میں بروایت مسلم حضرت عائشہؓ

---

(۱) خصائل نبوی ص:۳۱۹ طبع میزان۔

(۲) البدایة والنهایة کی عبارت یہ ہے: ’’ان رسول الله صلى الله عليه وسلم .... فبعثه الى المطعم بن عدى ليجيره، فقال: نعم .... الخ۔‘‘ (البداية والنهاية ج:۳ ص:۱۳۷، أيضًا: سيرة المصطفىٰ ج:۱ ص:۲۸۱، سیرت کبریٰ ج:۲ ص:۱۰۷۔

سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مینڈھا ذبح فرمایا اور دُعا کی: یا اللہ! قبول فرما محمد کی طرف سے اور آلِ محمد سے اور اُمتِ محمدیہ کی طرف سے۔[۱] ایک مینڈھے میں تو دو آدمی بھی شریک نہیں ہوسکتے، اس لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہر شخص قربانی نہیں کرتا تھا، صحیح نہیں۔

سینۂ نبوی کی آواز

سوال:... ایک روایت میں ہے کہ بوقت نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے بہ جوش و خروش ہانڈی کے اُبلنے کی سی آواز بہت زور شور سے آتی تھی، اور ایک جگہ میں نے یہ بھی پڑھا کہ یہ آواز ایک میل تک مسموع ہوتی تھی، یہ حدیث بظاہر درایت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رات کو گھر میں داخل ہوتے وقت سلام بھی ایسی آواز میں فرماتے تھے کہ سونے والا جاگے نہیں اور جاگنے والا سن لے، جو آواز ایک میل تک مسموع ہو تو آس پاس والوں کا کیا حال ہوگا؟ بچوں کے تو کان بھی پھٹ سکتے ہیں اور نیند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب:... ایک میل سے مسموع ہونے کی بات تو پہلی دفعہ آپ کی تحریر میں پڑھی ہے، میں نے ایسی کوئی روایت نہیں دیکھی، سند کے بارے میں کیا عرض کروں؟

منہ پر تعریف کرنا ہر ایک کے لئے ممنوع نہیں

سوال:... حدیث شریف میں ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈال دو، جب کہ حضور علیہ السلام نے خود اپنی شان میں قصیدے سنے ہیں۔ ایک قصیدے پر حضور علیہ السلام نے کعب بن زہیر کو خوش ہوکر اپنی چادر مبارک عطا فرمائی جو بعد میں حضرت معاویہؓ نے ان سے بیس ہزار درہم میں خرید لی۔

جواب:... ہر شخص کے احوال مختلف ہیں، منہ پر مٹی ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ اپنا نفس نہ بگڑ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا دُور دُور تک بھی احتمال نہیں،[۲] پھر ایک شخص جس کے قتل کا حکم فرمادیا وہ اظہارِ امان و عقیدت کے قصیدے

---

(۱) عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بكبشين أقرن .... ثم ذبحه، ثم قال: بسم الله، اللّٰهم تقبّل من محمد وآل محمد ومن اُمّة محمد، ثم ضحّى به. رواه مسلم. (مشكٰوة ص:۱۲۷، الفصل الأوّل، باب فى الأضحية).

(۲) عن المقداد بن الأسود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم المدّاحين فأحثوا فى وجوههم التراب. رواه مسلم. (مشكوٰة ص:۴۱۲). وفى المرقاة: والمراد زجر المادح والحث علٰى منعه من المدح لأنه يجعل الشخص مغرورًا ومتكبّرًا. (مرقاة المفاتيح ج:۴ ص:۶۲۶ باب حفظ اللسان والغيبة والشتم). وفى شرح المسلم للنووى: باب النهى عن المدح إذا كان فيه إفراط وخيف منه فتنته على الممدوح ذكر مسلم فى هٰذا الباب الأحاديث الواردة فى النهى عن المدح وقد جاءت أحاديث كثيرة فى الصحيحين بالمدح فى الوجه، قال العلماء وطريق الجمع بينهما ان النهى محمول على ا□ازفة فى المدح والزيادة فى الأوصاف أو علٰى من يخاف عليه فتنة من إعجاب ونحوه إذا سمع المدح وأما من لَا يخاف عليه ذٰلك لكمال تقواه ورسوخ عقله ومعرفته فلا نهى فى مدحه فى وجهه إذا لم يكن فيه مجازفة بل إن كان يحصل بذٰلك مصلحة كنشطه للخير أو الْإزدياد منه أو الدوام عليه أو الْإقتداء به كان مستحبًّا، والله أعلم. (شرح نووى علٰى مسلم ج:۲ ص:۴۱۴ طبع قديمى كتب خانه). وفى فتح البارى: حاصل النهى أن من أفرط فى مدح آخر بما ليس فيه لم يأمن على الممدوح العجب لظنه أنه بتلك المنزلة، فربما ضيع العمل والْإزدياد من الخير اتكالًا ....

(باقی اگلے صفحے پر)

پڑھتا ہے، بجا طور پر وہ انعام کا مستحق ہے۔

''قریب تھا کہ انبیاء ہوجاتے'' کا مفہوم

سوال:...حدیث شریف میں ہے کہ ایک وفد کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ان کے اوصاف سن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''عجب نہیں انبیاء ہوجائیں۔'' اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے ساتھ بھی غالباً ایسا ہی فرمایا تھا کہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے، سوال یہ ہے کہ جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو ''انبیاء ہوجائیں'' یا ''نبی ہوجاتے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:...''عجب نہیں کہ انبیاء ہوجائیں'' یہ ترجمہ غلط ہے، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''حکماء علماء کادوا من فقههم ان یکونوا انبیاء'' صاحبِ علم، صاحبِ حکمت لوگ ہیں قریب تھا کہ اپنے فقہ کی وجہ سے انبیاء ہوجاتے۔ عربی لغت میں یہ الفاظ کسی کی مدح میں انتہائی مبالغے کے لئے استعمال ہوتے ہیں، حقیقت کے خلاف استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ ان کا زندہ رہنا ناممکن تھا تو نبی ہونا بھی ناممکن ہوا۔ اگر نبوت مقدر ہوتی تو ان کو بھی زندہ رکھا جاتا مگر چونکہ ان کی نبوت ناممکن تھی اس لئے ان کی زندگی میں مقدر نہ ہوا۔ صاحبزادہ گرامی کے بارے میں فرمایا تھا: ''اگر ابراہیم زندہ ہوتے تو صدیق نبی ہوتے۔'' یہ روایت بھی بہت کمزور ہے، پھر یہاں تعلیق بالمحال ہے، یہ بحث میرے رسالے ''ترجمہ خاتم النبیین'' میں صفحہ: ۲۷۷،۲۷۸ پر آئی ہے، اس کو یہاں نقل کرتا ہوں:

> ''اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادۂ گرامی حضرت ابراہیمؓ کی زیارت کی ہے؟ فرمایا: ''مات صغیرًا، ولو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی عاش ابنه، ولکن لَا نبی بعده'' یعنی وہ صغرسنی ہی میں خدا کو پیارے ہوگئے تھے، اور اگر تقدیرِ خداوندی کا فیصلہ یہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کے صاحبزادۂ گرامی حیات رہتے، مگر آپ کے بعد نبی ہی نہیں (اس لئے صاحبزادے بھی زندہ نہ رہے)۔ (صحیح بخاری، باب من سمی بأسماء الأنبیاء ج:۲ ص:۹۱۴)
>
> اور یہی حضرت مُلّا علی قاریؒ نے سمجھا ہے، چنانچہ وہ موضوعاتِ کبیر میں ابنِ ماجہ کی حدیث: ''لو عاش ابراهیم .... الخ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:
>
> ''الّا ان فی سنده ابوشیبة ابراهیم بن عثمان الواسطی، وهو ضعیف، لکن له طرق ثلاثة یقوی بعضها بعضا، ویشیر الیه قوله تعالیٰ: ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)...... علیٰ ما وصف به، ولذٰلک تأوّل العلماء فی الحدیث الاٰخر: ''احثوا فی وجوه المداحین التراب'' أن المراد من یمدح الناس فی وجوههم بالباطل، وقال عمر: المدح هو الذبح، قال وأما من مدح بما فیه فلا یدخل فی النهی، فقد مدح صلی اللہ علیه وسلم فی الشعر والخطب والمخاطبة ولم یحث فی وجه مادحه ترابًا۔ (فتح الباری ج:۱۰ ص:۴۷۷)۔

رسول الله وخاتم النبيّٖن۔'' فانه يؤمى بانه لم يعش له ولد يصل الى مبلغ الرجال، فان ولده من صلبه يقتضى ان يكون لبَّ قلبه، كما يقال: ''الولد سر لأبيه۔'' ولو عاش وبلغ اربعين، وصار نبيًّا لزم ان لَا يكون نبيًّا خاتم النبيين۔'' (موضوعات کبیر حرف ''لو'' ص:۶۹ مطبوعہ مجتبائی قدیم)

ترجمہ:...''اس حدیث کی سند کا ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی ضعیف ہے، تاہم اس کے تین طرق ہیں، جو ایک دُوسرے کے مؤید ہیں، اور ارشادِ خداوندی: ''....وخاتم النبيّٖن'' الخ بھی اسی جانب مشیر ہے، چنانچہ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آپ کا کوئی صاحبزادہ زندہ نہیں رہا، جو بالغ مردوں کی عمر کو پہنچتا، کیونکہ آپ کا بیٹا، آپ کی صلبِ مبارک سے تھا، اور یہ امر اس کو مقتضی تھا کہ وہ آپ کا ثمرۂ ادل (یعنی آپ کے محاسن و کمالات کا جامع) ہوتا، جیسا کہ مثل مشہور ہے: ''بیٹا باپ پر ہوتا ہے۔'' اب اگر وہ زندہ رہتا اور چالیس کے سن کو پہنچ کر نبی بن جاتا تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ خاتم النبیین نہ ہوں۔''

مُلّا علی قاریؒ کی تصریح بالا سے واضح ہوجاتا ہے کہ:

الف:...آیت خاتم النبیین میں ختمِ نبوت کے اعلان کی بنیاد نفیِ اُبُوَّت پر رکھ کر اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ آپ کے بعد ہمیں کسی کو نبوت عطا کرنا ہوتی تو ہم آپ کے فرزندانِ گرامی کو زندہ رکھتے، اور انہیں یہ منصبِ عالی عطا فرماتے، مگر چونکہ آپ پر سلسلۂ نبوت ختم تھا، اس لئے نہ آپ کی اولادِ نرینہ زندہ رہی، نہ آپ کسی بالغ مرد کے باپ کہلائے۔

ب:...ٹھیک یہی مضمون حدیث: ''لو عاش ابراهيم لكان صديقًا نبيًّا'' کا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی قسم کی نبوت کی گنجائش ہوتی تو اس کے لئے صاحبزادۂ گرامی کو زندہ رکھا جاتا، اور وہ نبی ہوتے، گویا حدیث نے بتایا ابراہیمؓ اس لئے نبی نہ ہوئے کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ ہی بند تھا، یہ نہ ہوتا تو وہ زندہ بھی رہتے اور ''صدیق نبی'' بھی بنتے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس طرح پڑھی گئی؟

سوال:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کی امامت کس نے کرائی تھی؟ تفصیل سے لکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس ترتیب سے پڑھی گئی تھی؟

جواب:...حاکم (ج:۳ ص:۶۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ کی نمازِ جنازہ کون پڑھے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہوجاؤ تو تھوڑی دیر کے لئے حجرہ سے باہر نکل جانا، سب سے پہلے مجھ پر جبریل نماز پڑھیں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر

ملک الموت، پھر باقی فرشتے، اس کے بعد میرے اہل بیت کے مرد نماز پڑھیں گے، پھر اہل بیت کی عورتیں، پھر گروہ در گروہ آکر تم سب مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا۔[۱]

چنانچہ اسی وصیت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی، اس نماز میں کوئی امام نہیں تھا بلکہ صحابہ کرامؓ گروہ در گروہ حجرۂ شریفہ میں داخل ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ تھی۔[۲] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایک گروہ کے ساتھ حجرۂ نبوی میں داخل ہوئے اور جنازہ پڑھا،[۳] اس طرح تیس ہزار مردوں اور عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی، اس مسئلے کی تفصیل حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی کتاب ''سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' (جلد:۳ ص:۱۸۷ و مابعد) میں اور اس ناکارہ کی کتاب ''عہدِ نبوت کے ماہ و سال'' (ص:۳۸۰) میں ملاحظہ کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟

سوال:... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ ہوئی تھی یا نہیں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں، کیونکہ آج کل یہ مسئلہ ہمارے درمیان کافی بحث کا باعث بنا ہوا ہے۔

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ عام دستور کے مطابق جماعت کے ساتھ نہیں ہوئی، اور نہ اس میں کوئی امام بنا۔ ابنِ اسحاق وغیرہ اہلِ سِیَر نے نقل کیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مبارک حجرۂ شریف میں رکھا گیا، پہلے مردوں نے گروہ در گروہ نماز پڑھی، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے۔[۴] حکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه قال: لما ثقل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قلنا من يصلى عليك يا رسول الله؟ فبكى وبكينا، وقال: مهلا غفر الله لكم وجزاكم عن نبيكم خيرًا، إذا غسلتمونى وحنطتمونى وكفنتمونى فضعونى علىٰ شفير قبرى ثم أخرجوا عنى ساعة فإن أوّل من يصلى علىَّ خليلى وجليسى جبريل وميكائيل ثم إسرافيل ثم ملك الموت مع جنود من الملائكة، ثم ليبدأ بالصلاة علىَّ رجال أهل بيتى، ثم نساؤهم، ثم أدخلوا أفواجًا وفرادى ...إلخ۔ (المستدرك للحاكم ج:۳ ص:۶۰ طبع دار الكتاب العربى، بيروت)۔

(۲) لما توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وضع علىٰ سريره فكان الناس يدخلون عليه زمرًا زمرًا يصلّون عليه ويخرجون ولم يؤمهم أحد۔ (طبقات ابن سعد ج:۲ ص:۲۸۸)۔ وأيضًا فوقع كما قال صلى الله عليه وسلم، فصلّى على صلى الله عليه وسلم أوّلًا .... فصلوا كلهم افذاذًا منفردين لَا يؤمهم أحد۔ (بذل القوة ص:۲۹۹)۔

(۳) لما كفن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وضع علىٰ سريره ودخل أبوبكر وعمر فقالَا: السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته، ومعهما نفر من المهاجرين والأنصار قد ما يسع البيت فسلّموا كما سلَّم أبوبكر وعمر وصفوا صفوفًا لَا يؤمهم عليه أحد ...إلخ۔ (طبقات ابن سعد ج:۲ ص:۲۹۰)۔

(۴) وقال محمد بن اسحاق .... لما مات رسول الله صلى الله عليه وسلم أدخل الرجال فصلّوا عليه بغير إمام ارسالًا حتّٰى فرغوا، ثم أدخل النساء فصلين عليه، ثم أدخل الصبيان فصلّوا عليه .... لم يؤمهم علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد، وقال الواقدى: لمّا ادرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فى اكفانه وضع علىٰ سريره ثم وضع علىٰ شفير حفرته، ثم كان الناس يدخلون عليه رفقاء رفقاء لَا يؤمهم عليه أحد۔ (البداية والنهاية ج:۵ ص:۲۶۵ كيفية الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم، وأيضا فى الروض ج:۲ ص:۳۷۷)۔

نشر الطیب میں لکھتے ہیں:

’’اور ابنِ ماجہ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب آپ کا جنازہ تیار کرکے رکھا گیا تو اوّل مردوں نے گروہ در گروہ ہوکر نماز پڑھی، پھر عورتیں آئیں، پھر بچے آئے، اور اس نماز میں کوئی امام نہیں ہوا۔‘‘ (نشر الطیب ص:۲۴۴ مطبوعہ تاج کمپنی)

علامہ سہیلیؒ ’’الروض الانف‘‘ (ج:۲ ص:۳۷۷ مطبوعہ ملتان) میں لکھتے ہیں:

’’یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، اور ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ہی سے ہوسکتا تھا، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت فرمائی تھی۔‘‘[1]

علامہ سہیلیؒ نے یہ روایت طبرانی اور بزار کے حوالے سے، حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (ج:۸ ص:۲۷) میں بزار اور طبرانی کے حوالے سے[2] اور حضرت تھانویؒ نے نشر الطیب میں واحدی کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

’’ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ فرمایا: جب غسل کفن سے فارغ ہوں، میرا جنازہ قبر کے قریب رکھ کر ہٹ جانا، اوّل ملائکہ نماز پڑھیں گے، پھر تم گروہ در گروہ آتے جانا اور نماز پڑھتے جانا، اوّل اہلِ بیت کے مرد نماز پڑھیں، پھر ان کی عورتیں، پھر تم لوگ۔‘‘ (نشر الطیب ص:۲۰۲ طبع سہارنپور)

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں طبقات ابنِ سعد کے حوالے سے حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا ایک گروہ کے ساتھ نماز پڑھنا نقل کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ اور تدفین کس طرح ہوئی اور خلافت کیسے طے ہوئی؟

سوال:... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟ اور آپ کی تدفین اور غسل میں کن کن حضرات نے حصہ لیا؟ اور آپ کے بعد خلافت کے منصب پر کس کو فائز کیا گیا اور کیا اس میں بالاتفاق فیصلہ کیا گیا؟

---

(۱) وذکر ابن اسحاق وغیرہ ان المسلمین صلّوا علیه افذاذًا لَا یؤمهم أحد، کلما جاءت طائفة صلَّت علیه، وھٰذا خصوص به صلی الله علیه وسلم ولَا یکون ھٰذا الفعل إلّا عن توقیف وکذٰلک روی أنه أوصٰی بذٰلک ذکرہ الطبری مسند .... وقد رواہ البزار أیضًا عن طریق مرة عن ابن مسعود ...إلخ۔ (الروض الأنف ج:۲ ص:۳۷۷ کیف صلّی علٰی جنازته علیه السلام، طبع ملتان)۔

(۲) مجمع الزوائد کی عبارت یہ ہے: فقلنا: فمن یصلی علیک منا؟ فبکینا وبکی وقال .... إذا غسلتمونی ووضعتمونی علٰی سریری فی بیتی ھٰذا علٰی شفیر قبری فأخرجوا عنی ساعة فإن أوّل من یصلّی علیَّ خلیلی وجلیسی جبریل ...... ثم الملائکة صلی الله علیهم، ثم ادخلوا علیَّ فوجًا فوجًا فصلّوا علیَّ وسلّموا تسلیمًا ...... ولیبدأ بالصلاة علیَّ رجال أھل بیتی، ثم أنتم بعد .... رواہ البزار .... ورواہ الطبرانی فی الأوسط بنحوہ۔ (مجمع الزوائد ج:۸ ص:۲۷، باب فی وداعه صلی الله علیه وسلم، طبع دار الکتب العلمیة، بیروت)۔

جواب:... ۳۰ر صفر (آخری بدھ) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوصال کی اِبتدا ہوئی،[۱] ۸ر ربیع الاوّل کو بروز پنجشنبہ منبر پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں بہت سے اُمور کے بارے میں تاکید و نصیحت فرمائی۔[۲] ۹ر ربیع الاوّل شبِ جمعہ کو مرض نے شدّت اختیار کی، اور تین بار غشی کی نوبت آئی، اس لئے مسجد تشریف نہیں لے جاسکے، اور تین بار فرمایا کہ: ''ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں!'' چنانچہ یہ نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور باقی تین روز بھی وہی امام رہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سترہ نمازیں پڑھائیں، جن کا سلسلہ شبِ جمعہ کی نمازِ عشاء سے شروع ہوکر ۱۲ر ربیع الاوّل دوشنبہ کی نمازِ فجر پر ختم ہوتا ہے۔[۳]

علالت کے ایام میں ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں (جو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ بنی) اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو وصیت فرمائی:

> ''انتقال کے بعد مجھے غسل دو اور کفن پہناوٴ اور میری چارپائی میری قبر کے کنارے (جو اسی مکان میں ہوگی) رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے نکل جاوٴ، میرا جنازہ سب سے پہلے جبریلؑ پڑھیں گے، پھر میکائیلؑ، پھر اسرافیلؑ، پھر عزرائیلؑ، ہر ایک کے ہمراہ فرشتوں کے عظیم لشکر ہوں گے، پھر میرے اہلِ بیت کے مرد، پھر عورتیں بغیر امام کے (تنہا تنہا) پڑھیں، پھر تم لوگ گروہ در گروہ آکر (تنہا تنہا) نماز پڑھو۔''

چنانچہ اسی کے مطابق عمل ہوا، اوّل ملائکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھی، پھر اہلِ بیت کے مردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے، سب نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی، کوئی شخص اِمام نہیں تھا۔[۴]

---

(۱) فصل فی حوادث السَّنَة الحادية عشرة من الهجرة .... وفيها مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم فی آخر الأربعاء من صفر، وكان ذٰلک اليوم ثلٰثين من شهر صفر المذكور، .... وكانت مدّة مرضه صلى الله عليه وسلم ثلاثة عشر يومًا على القول المشهور الذی عليه الأكثرون. (بذل القوة فی حوادث سنی النبوة ص:۲۹۶ طبع جامعة السند، حيدرآباد پاكستان).

(۲) وفيها فی أيام ذٰلک المرض خرج إلى المنبر فخطب عليه قاعدًا لعذر المرض وأخبر فيها بأُمور كثيرة تحتاج إليه الأُمّة وكانت تلک الخطبة يوم الخميس الثامن من شهر ربيع الأوّل. (بذل القوة ص:۲۹۸ طبع جامعة السند، حيدرآباد، پاكستان).

(۳) وفيها لما اشتد عليه صلى الله عليه وسلم المرض ليلة الجمعة التی هی التاسعة من شهر ربيع الأوّل، فاغمی عليه صلى الله عليه وسلم ثلاث مرات، ولم يستطع الخروج إلٰی صلٰوة العشاء، قال ثلاث: مروا أبابكر فليصل بالناس، فصلّٰی أبوبكر رضی الله عنه مقام النبی صلى الله عليه وسلم تلک العشاء، ثم لم يزل يصلی بهم الصلٰوة الخميس فی تلک الأيام الثلاثة الباقية، حتّٰی كانت صلٰوة أبی بكر رضی الله عنه التی صلاها بهم فی حياته صلى الله عليه وسلم سبع عشرة صلٰوة، مبدأها صلٰوة العشاء من ليلة الجمعة، ومنتهاها صلٰوة الفجر من يوم الإثنين الثانی عشر من شهر ربيع الأوّل. (بذل القوة فی حوادث سنی النبوة ص:۳۰۰ طبع جامعة السند، حيدرآباد، پاكستان).

(۴) وفيها فی أيام مرضه صلى الله عليه وسلم وكونه صلى الله عليه وسلم فی بيت عائشة رضی الله عنها، أوصٰی لأصحابه فقال: إذا أنا مِتُّ فاغسلونی وكفنونی واجعلونی علٰی سريری هٰذا، علٰی شفير قبری فی بيتی هٰذا ثم أخرجوا عنّی ساعة فأوّل من يصلّی علیَّ جبريل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملک الموت، كل واحد منهم بجنوده، .... (باقی اگلے صفحے پر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے دیا، حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے فضل اور قثم رضی اللہ عنہم ان کی مدد کررہے تھے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موالی حضرت اُسامہ بن زید اور حضرت شقران رضی اللہ عنہما بھی غسل میں شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سحولی (موضع سحول کے بنے ہوئے) سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے روز (۱۲؍ربیع الاوّل) کو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوئی، اوّل اوّل مسئلۂ خلافت پر مختلف آراء پیش ہوئیں، لیکن معمولی بحث و تمحیص کے بعد بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب پر اتفاق ہوگیا اور تمام اہلِ حل و عقد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔(۲)

حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کے اِرادے کی حکمت

سوال:... ایک آدمی اپنی بیوی کو اس لئے طلاق دے دے کہ وہ بوڑھی ہوگئی اور اس کے قابل نہیں رہی، اس بات کو کوئی بھی بنظرِ استحسان نہیں دیکھتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت سودہؓ کو ان کے بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینا چاہی، پھر جب حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تو آپ نے طلاق کا ارادہ بدل لیا۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے بعید معلوم ہوتی ہے اور مخالفوں کے اس اعتراض کو کہ نعوذ باللہ! تعددِ ازواج کی غرض شہوت رانی تھی، تقویت ملتی ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماویٰ قرار دیا جاتا ہے۔

جواب:... عرب میں طلاق معیوب نہیں سمجھی جاتی، جتنی کہ ہمارے ماحول میں اس کو قیامت سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں "تُرجِی مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ" فرماکر آپ کو رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دے دیا گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کی علیحدگی کا فیصلہ کرلینا کسی طرح بھی محلِ اعتراض نہیں۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)......... ثم یصلّی علیَّ رجال أهل بیتی، ثم نسائهم، ثم ادخلوا أنتم فوجًا فوجًا فصلّوا علیَّ، فوقع کما قال صلی الله علیه وسلم، فصلّی علیه صلی الله علیه وسلم أوّلًا الملائکة علیهم السلام، ثم رجال أهل بیته، ثم نسائهم، ثم رجال المهاجرین، ثم الأنصار، ثم النساء، ثم الغلمان، فصلّوا کلهم افذاذًا منفردین لَا یؤمهم أحد. (بذل القوة ص:۲۹۹ وأیضًا الروض الأنف ج:۲ ص:۳۷۷).

(۱) وفیها وقع أنه لما توفی صلی الله علیه وسلم غسله عَلِیٌّ وحضر معه العباس وابناه الفضل وقثم وَمولیا رسول الله صلی الله علیه وسلم ورضی عنهما اُسامة وشقران (بضم الشین المعجمة وسکون القاف) رضی الله عنهم، وکفن فی ثلاثة أثواب بیض سهولیة. (بذل القوة ص:۳۰۳).

(۲) فلما مات (صلی الله علیه وسلم) .... فجاء الصدیق من منزله حین بلغه الخبر فدخل علٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم منزله وکشف الغطاء عن وجهه وقبّله وتحقق أنه مات .... ورجع الناس کلهم إلیه وبایعه فی المسجد جماعة من الصحابة ووقعت شبهة لبعض الأنصار وقام فی أذهان بعضهم جواز إستخلاف خلیفة من الأنصار وتوسط بعضهم بین أن یکون أمیر من المهاجرین وأمیر من الأنصار، حتّٰی بیّن لهم الصدیق أن الخلافة لَا تکون إلّا فی قریش، فرجعوا إلیه وأجمعوا علیه کما سنبیّنه وتنبّه علیه. (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۴۴). تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۴۵ تا ۲۵۰ قصة سقیفة بنی ساعدة۔

ازدواجی زندگی صرف شہوت رانی کے لئے نہیں ہوتی، موانست اور موالفت اس کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ بہت ممکن ہے کسی وقت کسی بی بی سے موانست نہ رہے اور طلاق کا فیصلہ کرلیا جائے اور حضرت عائشہؓ کو اپنی باری دے دینا اور اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہوجانا حضرت اُمّ المؤمنین سودہؓ کا وہ ایثار تھا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ تبدیل فرمالیا،(۱) اس پر اس سے زیادہ گفتگو کرتا لیکن یہاں اشارہ کافی ہے۔

رحمۃ للعالمین اور بددُعا

سوال:... روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحے پر ایک مضمون نگار لکھتے ہیں کہ: ''بئر معونہ'' میں دھوکے سے شہید کئے جانے والے ۷۰ معلّم تمام کے تمام اَصحابِ صفہ تھے، ان کی جدائی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ آپ متواتر ایک مہینے تک نمازِ فجر میں ان کے قاتلوں کے حق میں بددُعا فرماتے رہے۔''

یہ تو وہ الفاظ ہیں جنھیں میں نے لفظ بہ لفظ آپ کے اخبار سے اُتار دیا ہے۔ آپ کے اور ہم سب کے علم میں یہ بات تو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنھیں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین جیسے القاب سے قرآنِ کریم میں مخاطب کیا ہے، وہ کبھی کسی کے حق میں بددُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا سکتے ہیں؟ کیا یہ بات کوئی ذی شعور باور کرسکتا ہے؟

میں سعودیہ گرلز کالج کی بی اے کی طالبہ ہوں، میری نظروں سے بھی مختلف اسلامی کتابیں گزری ہیں، میرا ذہن اس بات کو قبول نہیں کرسکتا، اور جو بات غلط ہو، اسے کسی کا ذہن قبول کر ہی نہیں سکتا کہ آنحضرت کبھی کسی کے حق میں بددُعا فرمائیں؟ آپ کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا سلوک نہ کیا، آپ جس راستے سے گزرتے لوگ آپ پر غلاظت پھینکتے اور آپ کو طائف کی گلیوں میں گھسیٹتے، ایک دفعہ تو لوگوں نے یہاں تک کیا کہ آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ لہولہان ہوگئے اور آپ کے پاؤں مبارک جوتوں میں خون کے بھر جانے سے چپک گئے۔ جب بھی آپ نے بدبختوں کے حق میں بددُعا نہ کی، بلکہ جب بھی لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے، آپ فرماتے: ''اے اللہ انہیں نیک راہ دِکھا اور بتا کہ میں کون ہوں۔''

ایک طرف تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ۷۰ معلّموں کو دھوکے سے شہید کیا گیا اور آگے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قاتلوں کے حق میں بددُعا فرمائی۔ کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو لوگ شہید ہوتے ہیں وہ کبھی مرتے نہیں بلکہ زندہ جاوید ہوجاتے ہیں، تو جن کو شہادت کا درجہ ملا ہو ان کے قاتل تو خود بخود دوزخ کی آگ میں پھینکے جائیں گے، ان کے لئے بددُعا کیا ضروری؟ اور وہ بھی رحمۃ للعالمین نے فجر کی نماز میں ایک مہینے تک کی۔ کیا شاہ صاحب نے (نعوذ باللہ) حضور کو نمازِ فجر کے بعد مسلسل ایک مہینے تک بددُعا کرتے دیکھا، یا کسی کتاب سے پڑھا؟ کون سی حدیث ان کی نظروں سے گزری؟ ذرا حوالہ تو دیں کہ میں خود بھی پڑھوں، میرا بھی مضمون اسلامیات ہے، میں نے کبھی ایسا نہیں پڑھا۔

جواب:... بئر معونہ میں ستر قراء کی شہادت کا واقعہ حدیث و تاریخ اور سیرت کی تمام کتابوں میں موجود ہے، اور

---

(۱) عن عائشة ان سودة لما كبرت قالت: يا رسول الله! قد جعلت يومي منك لعائشة، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم لعائشة يومين، يومها ويوم سودة. متفق عليه. (مشكوة ص:۲۷۹، باب القسم).

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مہینے تک فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا اور ان کافروں پر جنھوں نے ان حضرات کو دھوکے سے شہید کیا تھا، بددُعا کرنا صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداوٴد، نسائی اور حدیث کی دُوسری کتابوں میں موجود ہے۔[۱] اس لئے آپ کا انکار کرنا غلط ہے۔ رہا آپ کا یہ شبہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمة للعالمین تھے، آپ کیسے بددُعا کرسکتے تھے؟ آپ کا یہ خیال بھی سطحی قیاس کی پیداوار ہے، کیا موذیوں کو قتل کرنا، ان کو سزا دینا اور ان کو سرزنش کرنا رحمت نہیں؟ کیا رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیم و شفیق قلبِ مبارک کو ان مظلوم شہداء کی مظلومانہ شہادت پر صدمہ نہیں پہنچا ہوگا؟ آپ ماشاء اللہ بی اے کی طالبہ ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ چوروں، ڈاکووٴں، غنڈوں اور بدمعاشوں پر سختی کرنا عین رحمت ہے، اور ان پر ترس کھانا خلافِ رحمت ہے، شیخ سعدیؒ کے بقول:

نیکوئی با بداں کردن چناں است
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اور آپ کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ شہداء کے قاتل خود ہی دوزخ میں جائیں گے، ان کے لئے بددُعا کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ قاتل کے خلاف کسی عدالت میں استغاثہ نہ کیا جائے، کیونکہ وہ بقول آپ کے خود ہی کیفرِ کردار کو پہنچے گا اور اگر آپ کے نزدیک کسی قاتل کے خلاف عدالت میں استغاثہ جائز اور یہ خلافِ رحمت نہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر بارگاہِ اِلٰہی میں ان قاتلوں کے خلاف استغاثہ فرماتے ہیں تو یہ آپ کو کیوں غلط نظر آتا ہے؟ شہید بلاشبہ جنت میں زندہ ہیں اور مراتبِ عالیہ پر فائز ہیں، مگر اس کے یہ معنی تو نہیں کہ کسی شہید کی مظلومانہ شہادت پر ہمیں رنج و صدمہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اس واقعے کا تو آپ اپنی ناواقفی کی وجہ سے انکار کر رہی ہیں، لیکن اس کا کیا کیا جائے گا کہ قرآنِ کریم میں حضرت نوح علیہ السلام،[۲] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی بددُعائیں نقل کی گئی ہیں۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سراپا رحمت ہوتے ہیں، اس کے باوجود کافروں، بے ایمانوں اور موذیوں کے خلاف بارگاہِ اِلٰہی میں استغاثہ کرتے ہیں۔ آپ نے طائف کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددُعا نہ فرمائی۔ آپ نے شاید حضرت اُمّ الموٴمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پڑھی ہوگی کہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، لیکن جب حدود اللہ کو توڑا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصّے کی کوئی تاب نہ لاسکتا۔“[۳] طائف کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق تھا، وہاں صبر کی مجسم تصویر بنے رہے اور بئرِ معونہ کا واقعہ حدود اللہ کو توڑنے، عہد شکنی کرنے اور مسلمانوں کو ظلماً شہید کرنے کا واقعہ تھا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱) عن انس قال: بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبعین رجلًا لحاجة یقال لھم ”القراء“ فعرض لھم حیان من بنی سلیم رِعلٌ وذکوان عند بئر یقال لھا ”بئر معونة“ فقال القوم: واللہ! ما إیاکم أردنا، إنما نحن مجتازون فی حاجةٍ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقتلوھم، فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیھم شھرًا فی صلٰوةِ الغداة ...إلخ (صحیح بخاری ج:۲ ص:۵۸۶، باب غزوة الرجیع ورعل وذکوان وبئر معونة)۔

(۲) ”قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا“ (نوح:۲۶)۔ ”رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ“ (یونس:۸۸)۔

(۳) عن عائشة قال: ما ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئًا قطّ بیدہ ولَا امرأة ولَا خادمًا اِلّا ان یجاھد فی سبیل اللہ وما نیل منہ شیء قطُّ فینتقم من صاحبہ الّا ان ینتھک شئی من محارم اللہ فینتقم للہ۔ رواہ مسلم۔ (مشکوٰة ص:۵۱۹)۔

بے چینی و بے قراری اور حق تعالیٰ شانہٗ سے والہانہ استغاثہ وفریاد طلبی اپنی ذات کے لئے نہیں تھی کہ آپ اس کے لئے طائف کی مثال پیش کریں۔ یہاں جو کچھ تھا وہ دینی غیرت اور ان مظلوموں پر شفقت کا اظہار تھا۔

الغرض **بئر معونہ** کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور ایسے موذیوں کے لئے بددُعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمین کے خلاف نہیں، بلکہ اپنے رنگ میں یہ بھی رحمت وشفقت کا مظہر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’نبی پاک‘‘ کیوں کہتے ہیں؟

سوال:... ایک دفعہ اِمام صاحب نے دورانِ تقریر فرمایا کہ: ’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ’’نبی پاک‘‘ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب بھی پاک تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن بھی پاک تھا، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاخانہ بھی پاک تھا۔‘‘ بے شک یہ سب کچھ مانتے ہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر پاک تھا تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طہارت کیوں فرماتے تھے؟

جواب:... طہارت کے لئے اور نظافت کے لئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کس کے لئے؟ اور حصول کا طریقہ

سوال:... ابھی پچھلے دنوں ٹی وی میں صبح کی نشریات میں کسی عالم نے جن کا مجھے نام یاد نہیں، شفاعت کے مسئلے پر تقریر کی تھی، یہی وہ عقیدہ ہے جسے آج کے مسلمان نے عمل سے عاری کردیا ہے کہ ہم جیسے بھی ہیں، جتنے بھی گناہگار سہی! ہیں تو نبی کی اُمت میں، ہماری شفاعت تو یقینی ہے۔ مولانا محترم نے بھی اپنی تقریر کا سارا زور اس بات پر ہی لگایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری اُمت کی شفاعت کا ذمہ لیا ہے۔ بے شک یہ صحیح ہے، لیکن کن لوگوں کے حق میں؟ کس حد تک؟ یہ نہیں بتایا۔ برائے کرم آپ شفاعت کے بارے میں تفصیل سے بتایئے کہ کیا واقعی اب مسلمان کو نیک عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی، کیونکہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری شفاعت کا ذمہ لیا ہے؟ پلیز آپ اس مسئلے کا حل ضرور دیجئے گا، یہ میرا ہی نہیں اور کتنے ہی لوگوں کا مسئلہ ہے۔

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، ملائکہ، صدیقین، شہداء اور صالحین کی شفاعت برحق ہے،[1] اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اُمت (بلکہ تمام اُمتوں کی) شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے اور اِن شاء اللہ یہ وعدہ پورا ہوگا۔ الغرض شفاعت کا عقیدہ صحیح ہے اور یہ اہلِ حق اہلِ سنت والجماعت کے قطعی عقائد میں شامل ہے۔ رہا آپ کا یہ خیال کہ اسی عقیدے نے مسلمانوں کو عمل سے عاری کردیا ہے، یہ خیال صحیح نہیں۔ صحابہ کرامؓ، ائمہ دِین اور اکابرِ اُمت ہم سے بڑھ کر عقیدۂ شفاعت پر ایمان رکھتے تھے، مگر ان کے عمل پر کوئی سستی اور کمزوری نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں، مگر اس سلسلے میں چند اُمور پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔

---

(۱) والشفاعة التی ادخرها لهم حق کما روی فی الأخبار .... الخ۔ (شرح عقیدة الطحاویة ص:۲۵۲ تا ۲۶۵، ابن ماجة ص:۳۲۰)۔

۱:...بعض گستاخانہ عمل ایسے ہیں جن میں مسلمان کثرت سے مبتلا ہیں، اور وہ شفاعت سے محروم کرنے والے ہیں، ان سے توبہ کئے بغیر شفاعت کی توقع رکھنا کارِ عبث اور شیطان کا دھوکا ہے۔

۲:...جو شخص اس خیال سے سنگین جرائم کا ارتکاب کرتا ہو کہ مجھے فلاں کی شفاعت جیل سے چھڑا لے گی، ایسا شخص احمق خیال کیا جائے گا۔ اسی طرح جو شخص شفاعت کے بھروسے دھڑا دھڑ گناہ کئے جاتا ہے، اس کے احمق ہونے پر بھی کوئی شک نہیں۔

۳:...ایک صحابی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''مانگو کیا مانگتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''جنت میں آپ کی رفاقت!'' فرمایا: ''بس یہی؟ یا کچھ اور بھی؟'' عرض کیا: ''بس یہی!'' فرمایا: ''بہت اچھا! مگر کثرتِ سجود کے ساتھ میری مدد کرنا۔''(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شفاعت حاصل کرنے کے لئے بھی نیک اعمال کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقے سے، آپ کی شکل وشباہت سے نفرت کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے دیدہ ودانستہ بغاوت کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں سے دوستی رکھتا ہے، وہ آخر کس منہ سے شفاعت کی توقع رکھتا ہے...؟

۴:...بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو نہ جانے کتنی مدّت جلنے کے بعد کوئلے ہوجائیں گے، تب کہیں ان کو شفاعت نصیب ہوگی۔(۲) کیا کوئی شخص تحمل رکھتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے جہنم کی آگ میں جھلسایا جائے؟ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھیں) اب کون ہوگا جو کروڑوں برس جہنم میں جلنے اور جنت کی نعمتوں سے محروم رہنے کو پسند کرے...؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی

سوال:... ہمارے ہاں ایک صوفی پیر ہیں، ایک دن انہوں نے مجھے اور میرے دوست کو کہا کہ: ایک خوبصورت لڑکی ہو، جس سے ایک لڑکا محبت کرتا ہو، اور آپ بھی اس سے محبت کرنے لگیں تو نتیجہ کیا ہوگا؟ ہم نے کہا: انجام لڑائی اور دُشمنی! تو کہنے لگا: ظاہر ہے کہ جو لڑکی سے محبت کرتا ہے وہ کیونکر چاہے گا کہ میری محبوبہ سے کوئی محبت کرے؟ پھر کہنے لگا کہ: ''تم اپنے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں اور تم نبی علیہ السلام سے محبت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارا دُشمن ہوجائے گا، وہ کیسے چاہے گا کہ میری محبت سے کوئی دُوسرا محبت کرے؟ اس کے باوجود بھی اگر بندہ نہ مانے تو اللہ تعالیٰ کافی سزائیں دیتے ہیں، اگر کافی سزائیں سہنے کے بعد بھی بندہ اپنے نبی سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ پھر اپنے بندے کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں، یعنی خدا بندے کے سامنے جھک جاتا ہے۔'' اس کی وضاحت فرمادیں کہ یہ انسان کن عقائد کا مالک ہے؟

جواب:... یہ صوفی جی بے علم اور ناواقف ہیں، ان کا یہ کہنا کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ہم محبت کریں تو خدا

---

(۱) عن ربیعة بن کعب قال: کنت أبیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فأتیته بوضوئه وحاجته فقال لی: سل! فقلت: اسئلک مرافقتک فی الجنّة. قال: أوَ غیر ذٰلک؟ قلت: هو ذاک! قال: فأعنی علٰی نفسک بکثرة السجود. رواه مسلم. (مشکوٰة ص:۸۴، باب السجود وفضله).

(۲) النوع الثامن: شفاعته فی أهل الکبائر من أُمّته، ممن دخل النّار، فیخرجون منها. (شرح عقیدة الطحاویة ص:۲۵۸).

تعالیٰ دُشمن ہوجائے گا اور سزا دے گا'' یہ کلمۂ کفر ہے، اور اس کا یہ کہنا کہ: ''خدا بندے کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے'' یہ بھی کلمۂ کفر ہے۔[1] ایسے بے دِین اور جاہل کے پاس نہیں بیٹھنا چاہئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کے ساتھ صرف ''ﷺ'' لکھنا

سوال:... کچھ عرصہ قبل کسی صاحب نے آپ سے ایک سوال پوچھا تھا کہ کچھ لوگ انگلش میں لفظ ''محمد'' کو Mohammad کے بجائے صرف Mohd لکھ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے ''محمد'' کو شارٹ کرکے لکھ دیا ہے، اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انگریزوں کے نزدیک لفظ ''محمد'' کی اہمیت خواہ کتنی ہی کم ہو، ایک مسلمان کے لئے لفظ ''اللہ'' کے بعد تمام ذخیرۂ الفاظ میں سب سے اہم لفظ ''محمد'' ہے، اس لفظ میں تخفیف کا مطلب تو یہ ہوا کہ لکھنے والے کو... نعوذ باللہ... گویا اس لفظ سے نفرت ہے۔ لفظ ''محمد'' کو مخفف کرکے لکھنے کا رواج غالباً فرنگی سازش ہے اور مسلمان اس مسئلے کی سنگینی کو سمجھ نہیں سکے۔ Mohammad کے بجائے Mohd (موہڈ) ایک مہمل اور بے معنی لفظ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو ایک مہمل اور بے معنی لفظ میں تبدیل کردینا کسی مسلمان کے لئے ہرگز روا نہیں ہوسکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ: چند حضرات صرف "M" لکھ دیتے ہیں، یہ بھی انگریزی فیشن ہے۔

محترمی! میں نے اس مسئلے اور آپ کے جواب کو زیادہ سے زیادہ ناواقف لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں کئی طالب علموں نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہم ''محمد'' کو Mohd یا صرف M نہیں لکھیں گے، بلکہ پورے حروفِ تہجی Mohammad لکھا کریں گے۔ اب مجھے ٹنڈو آدم سے اپنے ایک طالب علم بھائی کا خط موصول ہوا ہے، جس میں اسکول میں اپنے نام سے پہلے M لکھنے سے گریز کیا، ماسٹر صاحبان نے وجہ پوچھی تو اس طالب علم نے آپ کا جواب دُہرایا اور کہا کہ: صرف M لکھنا انگریزی فیشن ہے۔ تو اس کے جواب میں ماسٹر صاحبان نے کہا کہ: ''اگر ''محمد'' کو انگریزی میں پورا لکھنے کی بجائے صرف "M" لکھنا غلط ہے تو پھر اخبارات، کتابوں میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پورا لکھنے کی بجائے صرف (ﷺ) لکھ دیا جاتا ہے، کیا یہ دُرست ہے؟''

جواب:... صرف (ﷺ) کا نشان کافی نہیں، بلکہ پورا دُرود شریف لکھنا چاہئے اور اس میں کسی بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔[2] ظاہر ہے کہ ہماری تحریر سے دُرود شریف کی اہمیت زیادہ ہے، اس کو کیوں نہ لکھا جائے؟ میں جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مقدس لکھتا ہوں، پورے اہتمام کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھتا ہوں، اور اس میں کبھی بخل نہیں کرتا۔ لیکن اخبار کے کاتب ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جگہ صرف (ﷺ) لکھ دیتے ہیں۔

---

(۱) وصح الْإجماع علٰی ان کل من جحد شیئًا صح عندنا بالْإجماع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أتٰی بہ فقد کفر، وصح بالنص ان کل من استھزأ باللہ تعالٰی ..... أو بنبی من الأنبیاء علیھم السلام أو بآیۃ من القرآن أو بفریضۃ من فرائض الدِّین ..... فھو کافر۔ (إکفار الملحدین ص:۶۴)۔

(۲) وقد استحب أھل الکتابۃ أن یکرّر الکاتب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلما کتبہ۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۵ ص:۲۲۷، مطبوعہ رشیدیہ)۔

خطوط میں بسم اللہ نہ لکھنا بہتر ہے اور لفظ ''محمد'' کو مخفف کرنا جائز نہیں

سوال:... آج کل سرکاری خط اور تمام کاغذوں پر بسم اللہ پوری لکھی ہوتی ہے، یہاں تک کہ اُن کاغذوں پر بھی لکھی ہوتی ہے جن پر خط لکھنے سے پہلے مضمون یا خط لکھ کر ماتحت اپنے بڑے سے دریافت کرتا ہے، اس کو ڈرافٹ کا کاغذ کہتے ہیں، خط یا مضمون لکھنے کے بعد پہلے کاغذ کو ہاتھ سے مسل کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا ہے، اس طرح وہ لفظ ''بسم اللہ'' بھی ردّی کی ٹوکری میں چلا جاتا ہے، پھر بھنگی لے جاتا ہے، اس طرح لفظ بسم اللہ کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کیا علاج ہے؟

عام طور پر انگریزی میں لفظ محمد کو "Mohammad" لکھنے کے بجائے "Mohd" لکھتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے ''محمد'' کو شارٹ لکھ دیا ہے۔ اس سے لفظ ''محمد'' کو بگاڑ کر لکھنے کا گناہ تو نہیں ہوگا؟

جواب:... خطوط پر بسم اللہ شریف لکھنے کا رواج نہیں، کیونکہ خطوط کی عام طور سے حفاظت نہیں کی جاتی، اور اس سے بسم اللہ شریف کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ سرکاری خطوط میں اگر بسم اللہ شریف لکھی جاتی ہے تو یا تو ان خطوط کو ردّی کی ٹوکری کی نذر اور بھنگی کے حوالے نہیں کرنا چاہئے، یا حکومت کو بسم اللہ شریف کا رواج بند کر دینا چاہئے۔

لفظ ''محمد'' کو انگریزی میں مخفف لکھنے کا رواج غالباً انگریزوں نے نکالا ہے، اور اہلِ اسلام اس کی سنگینی کو نہیں سمجھ سکے۔ اوّل تو کسی لفظ کو مخفف کرنا اس کی اہمیت کے کم ہونے کی علامت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی کی اہمیت انگریزوں کے نزدیک خواہ کتنی ہی کم ہو، ایک مسلمان کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے نامِ مبارک کے بعد تمام ذخیرۂ الفاظ میں سب سے اہم لفظ ''محمد'' ہے۔ اس لئے اس کو مخفف کر کے لکھنا ایک مسلمان کے لئے کسی طرح بھی رَوا نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً:... طویل طویل تحریروں میں تخفیف کا نزلہ صرف اس ایک لفظ پر کیوں گرایا جاتا ہے؟ یہ طرزِ عمل تو اس اَمر کا غماز ہے کہ ...نعوذ باللہ... لکھنے والے کو اس لفظ سے گویا نفرت ہے۔

ثالثاً:... تخفیف کے بعد جب اس کا تلفظ ''موہڈ'' ہوگا تو یہ مہمل اور بے معنی لفظ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کو ایک مہمل اور لایعنی لفظ میں تبدیل کر دینا، کسی طرح دُرست نہیں۔ اس لئے میں تمام اہلِ اسلام سے درخواست کروں گا کہ اس رواج کو تبدیل کریں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کے حروفِ تہجی پورے لکھا کریں۔ جن حضرات کو اس کی طرف التفات نہیں تھا، وہ تو خیر معذور تھے، لیکن اس تنبیہ کے بعد اُمید ہے کہ اسمِ مبارک کی بے ادبی کے گناہ اور وبال سے احتراز کریں گے۔

بعض حضرات صرف "M" لکھ دیتے ہیں، یہ بھی انگریزی فیشن ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک سے اِعراض کی دلیل ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ''ص'' یا ''صلعم'' لکھنا

سوال:... میں نے بڑے علماء کی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ صرف (ص) لکھ دیتے

ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ ایسا لکھنا چاہئے؟ یا یہ غلط ہے؟ کیا پورا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنا ضروری ہے؟

جواب:... پورا دُرود شریف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھنا چاہئے۔[۱] صرف (ﷺ) یا ''صلعم'' کی حماقت، علماء نہیں کرتے بلکہ کاتب صاحبان کرتے ہیں۔ میں بالالتزام پورا دُرود شریف لکھتا ہوں، مگر کاتب صاحبان مجھ پر بھی عنایت کر جاتے ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام کے ناموں پر ''ﷺ'' یا ''؈'' لکھنا

سوال:... عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام کے اسماءِ مبارکہ پر ''ﷺ''، ''؈'' وغیرہ لگادیتے ہیں، کیا یہ دُرست ہے؟

جواب:... پورا دُرود و سلام لکھنا چاہئے۔[۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ کیا ''وآلہ وسلم'' لکھنا ضروری ہے؟

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا جائے یا ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' لکھا جائے؟

جواب:... ''وآلہ وسلم'' لکھ دیں تو اور بھی اچھا ہے۔[۳]

''علی احمد'' یا ''محمد علی'' نام لکھتے وقت اُوپر ''ﷺ'' لکھنا

سوال:... اکثر لوگوں کو میں نے اپنا نام اس طرح لکھتے ہوئے دیکھا ہے: ''محمدؐ علی''، ''علی احمدؐ'' کیا اس طرح سے اپنے نام کے ساتھ ''ﷺ'' لکھنا صحیح ہے؟

جواب:... لفظ ''محمد'' یا ''احمد'' جب کسی کے نام کا جز و ہو تو اس پر ''ﷺ'' کی علامت نہیں لکھی جاتی۔[۴]

دُرود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ

سوال:... دُرود شریف لکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' یا ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''؟

جواب:... دونوں صحیح ہیں، اور دُوسرے میں ''وآلہ'' کا اضافہ ہے، یہ زیادہ بہتر ہے، ''رحمت نازل فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ

---

(۱) وقد استحب أهل الكتابة أن يكرّر الكاتب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم كلما كتبه. (تفسير ابن كثير ج:۵ ص:۲۲۷، مطبوعه رشيديه). وينبغي ان يحافظ علىٰ كتابة الصلاة والتسليم علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم ولَا يسأم من تكراره ومن أغفله حرم حظًّا عظيمًا ...... ويكره الإقتصار على الصلاة أو التسليم والرمز إليهما فى الكتابة بل يكتبهما بكمالهما. (تقريب النواوى مع التدريب ص:۲۱۷، ۲۱۸ طبع بيروت).

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) وآله أى أهله، والمراد: من آمن منهم أجمعين ..... والصلاة عليهم تبعًا له عليه السلام مشروعة بل مندوبة ....الخ. (حلبى كبير ص:۳).

(۴) قال أبو حنيفة: لَا يصلى علىٰ غير الأنبياء والملائكة. (خلاصة الفتاوىٰ ج:۴ ص:۳۹۰).

صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور سلام بھیجیں۔“[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک آنے پر صرف ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا

سوال:... ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جب نامِ نامی اسمِ گرامی آتا ہے تو اکثر مولانا حضرات اور عام مسلمان صرف ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہتے ہیں اور دُرود شریف میں بھی مختصراً یہ کہا جاتا ہے۔ عرض فرمائیں کہ آیا ہم تمام مسلمانوں کو اپنے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ نامی اسمِ گرامی مختصراً لینا چاہئے یا ادباً مکمل اور واضح الفاظ میں ادا کرنے کا حکم ہے؟ اور ان الفاظ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کے معنی بیان فرمائیں۔ نیز ہمارا یہ فعل نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دِل آزاری کا باعث تو نہیں؟

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی پورا لینا چاہئے اور اس کے ساتھ دُرود شریف بھی لازماً ذکر کرنا چاہئے۔ مجلس میں پہلی بار اسمِ گرامی آئے تو تمام سننے والوں پر بھی دُرود شریف واجب ہے[۲] (صلی اللہ علیہ وسلم)، اور مجلس میں بار بار اسمِ مبارک آئے تو ہر بار دُرود شریف پڑھنا واجب نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کے معنی ہیں: ”بہت بہت تعریف کیا گیا“۔ اور ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کے معنی ہیں: ”آپ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور سلام نازل فرمائیں“۔

کلمہ پڑھنے کے بعد ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا

سوال:... جب ہم کلمہ شریف پڑھتے ہیں تو ”لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ“ کے بعد ”صلی اللہ علیہ وسلم“ بھی کہتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کلمے کا حصہ نہیں ہے، مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... کلمے کا حصہ تو نہیں، لیکن عام حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر دُرود شریف پڑھ لینا چاہئے۔[۳]

کیا بیت الخلا میں اسمِ ”محمد“ سن کر دُرود پڑھنا چاہئے؟

سوال:... اگر کوئی بیت الخلا میں ہو تو ”محمد“ کا نام سن کر وہاں بھی دُرود پڑھیں یا خاموش رہیں؟

جواب:... بیت الخلا میں کچھ بھی پڑھنے کی اجازت نہیں۔[۴]

---

(۱) وأفضل العبارات علٰی ما قاله المرزوقی: اللّٰهم صلّ علٰی محمد وعلٰی آل محمد. (رد المحتار ج:۱ ص:۱۳ مطلب أفضل صیغ الصلاة)۔

(۲) ”یٰٓـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ ....“ والآیة تدل علٰی وجوب الصلٰوة والسلام فی الجملة ولو فی العمر مرةً، وبه قال أبو حنیفة ومالک رحمهما الله واختاره الطحاوی .... وقیل یجب الصلٰوة کلما جری ذکرهٗ صلی الله علیه وسلم وبه قال الکرخی .... الخ. (تفسیر مظهری ج:۷ ص:۴۱۰، ۴۱۱)۔

(۳) وفی الدر المختار: والمذهب إستحبابه أی التکرار وعلیه الفتوٰی. (الدر المختار ج:۱ ص:۵۱۷)۔ ونص العلماء علٰی إستحبابها فی مواضع .... وعند ذکر أو سماع اسمه صلی الله علیه وسلم أو کتابته عند من لَا یقول بوجوبها، کذا فی شرح الفاسی علٰی دلَائل الخیرات ملخصًا، وغالبها منصوص علیه فی کتبنا. (رد المحتار ج:۱ ص:۵۱۸)۔

(۴) وفیها یکره الکلام ..... فی الخلاء. قوله وفی الخلاء لأنه یورث المقت من الله تعالٰی. (شامی ج:۶ ص:۴۱۸)۔

صیغۂ خطاب کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا

سوال:... قرآن مجید میں صلوا علیہ ہے، کیا ''صلی اللہ علیک یا رسول اللہ'' پڑھنے سے دُرود کا حق ادا ہوجاتا ہے؟

جواب:... خطاب کے صیغے کے ساتھ صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر کہنا چاہئے، دُوسری جگہ غائب کے صیغے سے کہنا چاہئے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُرود شریف کے جو صیغے اُمت کو تعلیم فرمائے ہیں، وہ غائب کے صیغے ہیں۔[۱]

''حضور'' کا لفظ استعمال کرنا

سوال:... مؤدّبانہ عرض کی جاتی ہے کہ آپ یہ بتادیجئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ''حضور'' کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے؟ بعض علمائے کرام سے سنا ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنا دُرست نہیں ہے۔

جواب:... ''حضور'' ادب واحترام کا لفظ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کے لئے اس کا استعمال اُردو محاورے میں عام ہے، اس کو شرک وکفر کہنا غلط اور نافہمی ہے۔[۲]

دُرود شریف میں ''آلِ محمد'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

سوال:... دُرود شریف میں ''آل محمد علیہ السلام'' سے کیا مراد ہے؟ آج کل کے بعض سیّد حضرات بھی اپنے آپ کو اس آل میں شامل سمجھتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ اگر ''آل'' سے مراد حضور علیہ السلام کی بیٹیوں کی اولاد ہے تو یہ نسل کہاں پہ ختم ہوتی ہے؟ آج کل بعض ڈوم، ڈنگر، مراثی حضرات بھی شیعہ بن کر سادات برادری میں داخل ہو رہے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب:... ''آلِ محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی داخل ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ اور متبعین بھی۔[۳]

انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ کیا لکھا جائے؟

سوال:... آٹھویں جماعت کی انگریزی کی کتاب (انگلش میڈیم) میں ایک سبق ہے: ''حضرت علی'' اور بریکٹ میں

---

(۱) عن أبی حمید الساعدی قال: قالوا: یا رسول الله! کیف نصلی علیک؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: قولوا: اللّٰهم صلّ علٰی محمد وأزواجه وذرّیّته کما صلّیت علٰی آل إبراهیم وبارک علٰی محمد وأزواجه وذرّیّته کما بارکت علٰی آل إبراهیم إنک حمید مجید۔ متفق علیه۔ (مشکٰوة ص:۸۶)۔

(۲) جناب، حضرت، قبلہ، تعظیماً۔ فیروز اللغات ص:۵۲۲ (ح ض)۔

(۳) (وعلٰی اٰله) أی أهله والمراد من اٰمن منهم أجمعین۔ (حلبی کبیر ج:۱ ص:۳)۔ فالأکثرون أنهم قرابته صلی الله علیه وسلم الذین حرمت علیهم الصدقة علی الإختلاف فیهم وقیل جمیع أُمّة الإجابة وإلیه مال مالک واختاره الأزهری والنووی فی شرح مسلم .... وذکر القهستانی ان الثانی مختار المحققین۔ (رد المحتار ج:۱ ص:۱۳)۔

"Peace Be Upon Him" لکھا ہوا ہے، جو ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا انگلش ترجمہ ہے۔ اسی طرح فارسی کی ہشتم جماعت کی کتاب میں حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھا ہوا ہے۔ کیا پیغمبروں کے علاوہ صحابہ کبارؓ کے ساتھ یہ الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو آپ اپنے موٴقر جریدے کی وساطت سے اسے نصاب کمیٹی اور اعلیٰ حکام وعمال حکومت کے نوٹس میں لائیں۔

جواب:... اہلِ سنت والجماعت کے یہاں ''صلی اللہ علیہ وسلم''، اور ''علیہ السلام'' انبیائے کرام کے لئے لکھا جاتا ہے،[۱] صحابہ کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا چاہئے،[۲] اور حضرت علی کے نام نامی پر ''کرّم اللہ وجہہ'' بھی لکھتے ہیں،[۳] متعلقہ حضرات کو آپ کی اس تنبیہ پر شکریہ کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ''رضؓ'' کی علامت

سوال:... حدیث شریف کے ایک سے زیادہ راویوں کا نام جب لکھا جاتا ہے تو عموماً آخری نام پر درج ہوتا ہے، جیسے ''مغیرہ بن شعبہؓ'' کیا جس نام پر یہ نہ لکھا ہو، وہ صحابیٔ رسول نہیں ہوتے؟

جواب:... ''رضؓ''، ''رضی اللہ عنہ'' کی علامت ہے، عام طور سے حدیث کے آخر میں صحابی کا نام آتا ہے، اس پر ''رضی اللہ عنہم'' کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس صحابی کے لئے بھی دُعا ہوئی اور صحابی سے پہلے جتنے راوی آئے ہیں وہ بھی دُعا میں شریک ہوگئے۔

---

(۱) قال الجمهور من العلماء: لَا یجوز افراد غیر الأنبیاء بالصلاة، لأن هٰذا قد صار شعارًا للأنبیاء۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۵ ص:۲۲۸، طبع رشیدیه)۔ أیضًا: وأما السلام .... ولَا یفرد به غیر الأنبیاء فلا یقال ''علیٌّ علیه السلام''۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۵ ص:۲۲۸، طبع رشیدیه)۔

(۲) ویستحب الترضی للصحابة۔ (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۷۵۴)۔

(۳) بعض علماء سے سنا ہے کہ خوارج نے آپؓ کے نام مبارک کے بعد ''سوَّد الله وجهه'' بڑھایا تھا، اس کے جواب کے لئے ''کرَّم الله وجهه'' عادت ٹھہرالی گئی۔ (امداد الفتاویٰ ج:۴ ص:۳۷۴)۔

عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اِجماع

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سوال:... گزارش ہے کہ چند روز قبل مجھے بھینس کالونی کمرشل ایریا کی گول مسجد میں درسِ قرآن سننے کا اتفاق ہوا، اپنے درس کے دوران مسجد کے پیش امام صاحب نے عذابِ قبر پر درس دیتے ہوئے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بقیدِ حیات ہیں۔ اور دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے روضۂ اقدس پر حاضری دے گا تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شفاعت کروں گا۔ (مولانا موصوف کا تعلق دیوبند مسلک سے ہے)۔ جبکہ میں نے خود شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب سے سنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاچکے ہیں اور اس پر حضرت صاحب نے ایک کتاب ''وفات النبیؐ'' بھی لکھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کا کوئی علم نہیں ہے۔

جناب والا سے قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ:

۱:... کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں؟

۲:... کیا دنیاوی معاملات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے؟

۳:... کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضری دینا ضروری ہے؟ جبکہ حج کے تمام ارکان مکہ مکرمہ میں تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

جواب:... آپ کے سوال میں چند مسائل قابلِ تحقیق ہیں:

پہلا مسئلہ:... مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس ضمن میں چند اُمور کا سمجھ لینا ضروری ہے:

اوّل:... یہ کہ محلِ نزاع کیا ہے؟ یہ بات تو ہر عامی سے عامی بھی جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے رحلت فرماگئے ہیں، اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ ومقدسہ میں مدفون ہیں، اس لئے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں ہوتی (اور نہ ہونی چاہئے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیوی حیات زیرِ بحث ہے۔ نہیں! بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حیات حاصل ہے، اس کا تعلق جسدِ اطہر سے بھی ہے یا نہیں؟ اس تنقیح سے معلوم ہوگا کہ یہاں تین چیزیں ہیں:

۱:... دُنیا کی حیات کا نہ ہونا۔

۲:...برزخ کی حیات کا حاصل ہونا۔

۳:...اور اس برزخی حیات کا جسدِ اطہر سے تعلق ہونا یا نہ ہونا۔

پہلے دو نکتوں میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف تیسرے نکتے میں ہے۔ ہمارے اکابر جسدِ اطہر کو ایک خاص نوع کی حیات کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔

دوم:...اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے، چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

”وعذاب القبر للكافرين ولبعض عصاة المؤمنين وتنعيم اهل الطاعة فى القبر ..... وسؤال منكر ونكير ثابت بالدلائل السمعية۔“ (شرح عقائد ص:۹۸)

ترجمہ:...”کافروں اور بعض گناہگار اہلِ ایمان کو قبر میں عذاب ہونا اور قبر میں اہلِ اطاعت کو نعمت وثواب کا ملنا اور منکر ونکیر کا سوال کرنا، یہ تمام امور برحق ہیں، دلائلِ سمعیہ سے ثابت ہیں۔“

عقیدہ طحاویہ میں ہے:

”ونؤمن بعذاب القبر ونعيمه لمن كان لذالک اهل، وبسؤال منكر ونكير للميت فى قبره عن ربه ودينه ونبيه، علىٰ ما جاءت به الآثار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن اصحابه رضى الله عنهم اجمعين، والقبر روضة من رياض الجنة، او حفرة من حفر النيران۔“ (عقيده طحاوية ص:۱۰، مطبوعه دارالإشاعت كراچی)

ترجمہ:...”اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ قبر میں عذاب یا ثواب اس شخص کو ہوگا جو اس کا مستحق ہو، اور منکر ونکیر قبر میں میت سے سوال کرتے ہیں، اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس پر احادیث وارد ہیں، اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔“

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رسالہ ”فقہ اکبر“ میں ہے:

”وسؤال منكر ونكير فى القبر حق، واعادة الروح الى العبد وضغطة القبر وعذابه حق كائن للكفار كلهم اجمعين ولبعض المسلمين۔“

(شرح فقه اكبر ص:۱۲۱ وما بعد، مطبوعه مجتبائی ۱۳۴۸ھ)

ترجمہ:...”اور قبر میں منکر ونکیر کا سوال کرنا برحق ہے، اور قبر میں رُوح کا لوٹایا جانا اور میت کو قبر میں بھینچنا اور تمام کافروں کو اور بعض مسلمانوں کو قبر میں عذاب ہونا برحق ہے، ضرور ہوگا!“

قبر کے عذاب پر قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ وارد ہیں، اور سلف صالحین، صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے، چنانچہ شرح عقائد میں چند آیات و احادیث کا حوالہ دینے کے بعد لکھا ہے:

”وبالجملة الأحاديث في هٰذا المعنٰى وفي كثير من احوال الآخرة متواترة المعنٰى وان لم يبلغ آحادها حد التواتر۔“ (شرح عقائد ص:۱۰۰، مطبوعہ مکتبہ خیر کثیر، کراچی)

ترجمہ:... ”حاصل یہ کہ عذاب وثوابِ قبر اور بہت سے احوالِ آخرت میں احادیث متواتر ہیں، اگرچہ فرداً فرداً آحاد ہیں۔“

شرح عقائد کی شرح ”نبراس“ میں ہے:

”ثم قد روى احاديث عذاب القبر وسؤاله عن جمع عظيم من الصحابة فمنهم عمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان، وانس بن مالك، والبراء، وتميم الدارى، وثوبان، وجابر بن عبدالله، وحذيفة، وعبادة بن صامت، وعبدالله بن رواحة، وعبدالله بن عباس، وعبدالله بن عمر، وعبدالله بن مسعود، وعمرو بن العاص، ومعاذ بن جبل، وابوامامة، وابو الدرداء، وابو هريرة، وعائشة رضى الله عنهم، ثم روىٰ عنهم اقوام لَا يحصٰى عددهم۔“

(نبراس ص:۲۰۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

ترجمہ:... ”قبر کے عذاب وثواب اور سوال کی احادیث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں، جن میں مندرجہ ذیل حضرات بھی شامل ہیں:

حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت انس، حضرت براء، حضرت تمیم داری، حضرت ثوبان، حضرت جابر، حضرت حذیفہ، حضرت عبادہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ، رضی اللہ عنہم، پھر ان سے اتنی قوموں نے روایت کی ہے، جن کی تعداد کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے عذابِ قبر کے باب میں قرآن کریم کی تین آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ احادیث ذکر کی ہیں، جو مندرجہ ذیل پانچ صحابہؓ سے مروی ہیں: حضرت براء بن عازب، حضرت عمر، حضرت عائشہ، حضرت اسماء اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔ (دیکھئے صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳)

اس کے ذیل میں حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وقد جاء في عذاب القبر غير هذه الأحاديث: منها عن ابي هريرة، وابن عباس، وابي ايوب، وسعد، وزيد بن ارقم، وام خالد في الصحيحين او احدهما، وعن جابر عند ابن ماجة، وابي سعيد عند ابن مردوية، وعمر، وعبدالرحمٰن بن حسنة، وعبدالله بن عمرو عند ابي داؤد، وابن مسعود عند الطحاوى، وابي بكرة واسماء بنت يزيد عند النسائى، وام

مبشر عند ابن ابی شیبة، وعن غیرهم۔“

(فتح الباری ج:۳ ص:۲۴۰، دارالنشر الکتب الاسلامیه، لاهور)

ترجمہ:... ”اور عذابِ قبر میں ان مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اور احادیث بھی وارد ہیں، چنانچہ ان میں سے حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، ابوایوب، سعد، زید بن ارقم اور ام خالد ...رضوان اللہ علیہم اجمعین... کی احادیث تو صحیحین میں یا ان میں سے ایک میں موجود ہیں۔

اور حضرت جابرؓ کی حدیث ابن ماجہ میں ہے، حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث ابن مردویہ نے روایت کی ہے، اور حضرت عمرؓ، عبدالرحمٰن بن حسنہؓ اور عبداللہ بن عمروؓ کی ابوداؤد میں ہیں، حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث طحاوی میں ہے، حضرت ابوبکرہؓ اور اسماء بنت یزیدؓ کی احادیث نسائی میں ہیں، اور حضرت ام بشرؓ کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، اور ان کے علاوہ دُوسرے صحابہؓ سے بھی احادیث مروی ہیں۔“

اور مجمع الزوائد (ج:۳ ص:۵۷، مطبوعہ دارالکتاب بیروت) میں یعلیٰ بن سیابہؓ کی روایت بھی نقل کی ہے۔

یہ قریباً تیس صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی کی فہرست ہے، جو میں نے عجلت میں مرتب کی ہے، اور جن سے عذابِ قبر کی احادیث مروی ہیں، اس لئے قبر کے عذاب وثواب کے متواتر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

سوم:... جب یہ ثابت ہوا کہ قبر کا عذاب وثواب برحق ہے، اور یہ اہلِ حق کا اجماعی عقیدہ ہے تو اب اس سوال پر غور کرنا باقی رہا کہ قبر کا یہ عذاب وثواب صرف رُوح سے متعلق ہے یا میّت کے جسمِ عنصری کی بھی اس میں مشارکت ہے؟ اور یہ کہ اس عذاب وثواب کا محل آیا یہی حسی گڑھا ہے جس کو عرفِ عام میں ”قبر“ سے موسوم کیا جاتا ہے یا برزخ میں کوئی جگہ ہے جہاں میّت کو عذاب وثواب ہوتا ہے، اور اسی کو عذابِ قبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے تتبع سے بالبداہت معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب صرف رُوح کو نہیں ہوتا بلکہ میّت کا جسم بھی اس میں شریک ہے، اور یہ کہ عذاب وثواب کا محل یہی حسی قبر ہے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے، مگر چونکہ یہ عذاب وثواب دُوسرے عالم کی چیز ہے، اس لئے میّت پر جو حالات قبر میں گزرتے ہیں، زندوں کو ان کا ادراک وشعور عموماً نہیں ہوتا (عموماً اس لئے کہا کہ بعض اوقات بعض اُمور کا انکشاف بھی ہوجاتا ہے) جس طرح نزع کے وقت مرنے والا فرشتوں کو دیکھتا ہے اور دُوسرے عالم کا مشاہدہ کرتا ہے، مگر پاس بیٹھنے والوں کو ان معاملات کا ادراک وشعور نہیں ہوتا جو نزع کی حالت میں مرنے والے پر گزرتے ہیں۔

ہمارے اس دعویٰ پر کہ عذاب وثواب اسی حسی قبر میں ہوتا ہے اور یہ کہ میّت کا بدن بھی عذاب وثواب سے متأثر ہوتا ہے، احادیثِ نبویہ سے بہت سے شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں، مگر چونکہ ان شواہد کا استیعاب نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری ہے، اس لئے چند عنوانات کے تحت ان شواہد کا نمونہ پیش کرتا ہوں:

۱:...حدیثِ جرید:

’’عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) قَالَ: مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ (وَفِیْ رِوَايَةٍ: فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِیْ قُبُوْرِهِمَا) فَقَالَ: اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِیْ كَبِيْرٍ، اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَاَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِیْ بِالنَّمِيْمَةِ. ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَّطْبَةً فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِیْ كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: لَعَلَّهٗ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔‘‘ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۵)

ترجمہ:...’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آواز سنی، جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور عذاب بھی کسی بڑی چیز پر نہیں ہو رہا ہے (کہ جس سے بچنا مشکل ہو)، ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا، اور دُوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کھجور کی) ایک تر شاخ لی اور اس کو بیچ سے آدھوں آدھ چیرا، انہیں ایک ایک کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔ صحابہؓ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید (اس عمل سے) ان کے عذاب میں (اس وقت تک کے لئے) تخفیف ہوجائے جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔‘‘

یہ مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے:

۱:...حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ۔ (ابن ماجہ ص:۲۹، مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۰۷، فتح الباری ج:۱ ص:۳۲۱)

۲:...حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (ابن ابی شیبہ ج:۱ ص:۳۷۶، موارد الظمآن ص:۱۹۹، مجمع ج:۳ ص:۵۷)

۳:...حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ (مجمع الزوائد ج:۱ ص:۲۰۸)

۴:...حضرت جابر رضی اللہ عنہ۔ (افراد دارقطنی، فتح الباری ج:۱ ص:۳۱۷)

۵:...حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ۔ (نسائی بحوالہ فتح الباری ج:۱ ص:۳۱۹)

۶:...حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔ (مجمع ج:۳ ص:۵۶، فتح ج:۱ ص:۳۲۰)

۷:...حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا۔ (مجمع ج:۱ ص:۲۰۷)

۸:...حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ (مجمع ج:۳ ص:۵۷)

۹:...حضرت یعلیٰ بن سیابہ رضی اللہ عنہ۔ (ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۶، مجمع ج:۳ ص:۵۷)

۱۰:...اس نوعیت کا ایک اور واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں ج:۲ ص:۴۱۸ میں منقول ہے۔

۱۱:...اور اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسندِ احمد میں بسندِ صحیح منقول ہے۔ (مجمع الزوائد ج:۲ ص:۵۷)

۱۲:...نیز اسی نوعیت کا ایک واقعہ مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۶ اور مسندِ احمد میں حضرت یعلیٰ بن سیابہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (مجمع ج:۳ ص:۵۷)

ان احادیث میں ہمارے دعویٰ پر درج ذیل شواہد ہیں:

❊ :...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے عذابِ قبر کو محسوس فرمانا، اور جن دو شخصوں کو عذابِ قبر ہو رہا تھا، ان کی آواز سننا۔

❊ :...دونوں قبروں پر شاخِ خرما کا گاڑنا۔

❊ :...اور دریافت کرنے پر یہ فرمانا کہ: شاید ان کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوجائے جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔

اگر یہ گڑھا، جس کو قبر کہا جاتا ہے، عذابِ قبر کا محل نہ ہوتا تو ان شاخوں کو قبروں پر نصب نہ فرمایا جاتا، اور اگر میّت کے بدن کو عذاب نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو شخصوں کی آواز نہ سنتے، اور نہ قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے عذابِ قبر کا احساس ہوتا۔

۲:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذابِ قبر کو سننا:

اُوپر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے:

”فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَیْنِ یُعَذَّبَانِ فِیْ قُبُوْرِهِمَا۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۴)

ترجمہ:...”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آواز سنی جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔“

یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیا ہے:

۱:...”عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا، فَقَالَ: یَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِیْ قُبُوْرِهَا۔“

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۴، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶ واللفظ لهٗ)

ترجمہ:...”حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غروبِ آفتاب کے بعد باہر نکلے تو آواز سنی، فرمایا: یہود کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔“

۲:...”عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَیْنَمَا نَبِیُّ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ نَخْلٍ لِّاَبِیْ طَلْحَةَ، یَبْرُزُ لِحَاجَتِهٖ۔ قَالَ: وَبِلَالٌ یَّمْشِیْ وَرَاءَهٗ یُکْرِمُ نَبِیَّ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّمْشِیَ اِلٰی جَنْبِهٖ، فَمَرَّ نَبِیُّ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرٍ، فَقَامَ حَتّٰی لَمَّ اِلَیْهِ بِلَالٌ، فَقَالَ: وَیْحَکَ یَا بِلَالُ! هَلْ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ؟ قَالَ: مَا اَسْمَعُ شَیْئًا! قَالَ: صَاحِبُ الْقَبْرِ یُعَذَّبُ! قَالَ: فَسَأَلَ عَنْهُ فَوَجَدَ یَهُوْدِیًّا۔“ (رواه احمد ورجاله رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۹ حدیث:۴۲۸۷ طبع دار الکتب العلمیة بیروت۔ واخرجه فی المستدرک ج:۱ ص:۴۰، وقال صحیح علٰی شرط الشیخین واقره الذهبی۔)

ترجمہ:... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوطلحہؓ کے کھجوروں کے باغ میں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، حضرت بلال آپ کے پیچھے چل رہے تھے، ادب کی بنا پر برابر نہیں چل رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے تو کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ حضرت بلالؓ بھی آپہنچے، فرمایا: بلال! کیا تم بھی سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟ عرض کیا: میں تو کچھ نہیں سن رہا! فرمایا: صاحبِ قبر کو عذاب ہو رہا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبر کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ تو معلوم ہوا کہ یہودی کی قبر ہے۔''

۳:... ''عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَخْبَرَنِیْ مَنْ لَّا أَتَّهِمُهُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ یَّمْشِیْ بِالْبَقِیْعِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: یَا بِلَالُ! هَلْ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ؟ قَالَ: لَا، وَاللهِ یَا رَسُوْلَ اللهِ مَا اَسْمَعُهُ! قَالَ: اَلَا تَسْمَعُ اَهْلَ هٰذِهِ الْقُبُوْرِ یُعَذَّبُوْنَ؟ یَعْنِیْ قُبُوْرَ اَهْلِ الْجَاهِلِیَّةِ۔''

(رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۹ حدیث:۴۲۸۸)

ترجمہ:... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی صاحب نے بتایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلالؓ بقیع میں چل رہے تھے، اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! جو کچھ میں سن رہا ہوں، کیا تم بھی سن رہے ہو؟ عرض کیا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں اس کو نہیں سن رہا۔ فرمایا: کیا تم اہلِ قبور کو سنتے نہیں ہو؟ ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے!''

۴:... ''عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا نَخْلًا لِّبَنِی النَّجَّارِ، فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رِجَالٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّارِ مَاتُوْا فِی الْجَاهِلِیَّةِ، یُعَذَّبُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ، فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا، فَأَمَرَ أَصْحَابَهٗ أَنْ یَّتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔'' (رواہ احمد والبزار، ورجال احمد رجال الصحیح۔ مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۸ حدیث:۴۲۸۲۔ وکشف الأستار عن زوائد البزار ج:۱ ص:۴۱۲)

ترجمہ:... ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کی ایک جگہ میں داخل ہوئے تو بنونجار کے چند مُردوں کی آواز سنی، جو جاہلیت کے زمانے میں مرے تھے اور ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گھبرا کر نکلے، اور اپنے صحابہؓ کو حکم فرمایا کہ عذابِ قبر سے پناہ مانگیں۔''

ان احادیث میں قبروں کے پاس جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذابِ قبر کو سننا مذکور ہے، اگر یہ گڑھے (جن کو قبریں کہا جاتا ہے) عذاب کا محل نہ ہوتے اور قبروں میں مدفون ابدان کو عذاب نہ ہوتا، تو اس عذابِ قبر کا قبروں کے پاس سننا نہ ہوتا۔

۳:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی عذابِ قبر کا سننا ممکن ہے:

متعدد احادیث میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنے کی ہمت نہیں کرسکو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ قبر کا جو عذاب میں سنتا ہوں وہ تم کو بھی سنا دیتے، اس مضمون کی چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

۱:... ”عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ (رَضِيَ اللهُ عَنْهُ) قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَائِطٍ لِّبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَّهُ، وَنَحْنُ مَعَهُ إِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَإِذَا أَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ -قَالَ: كَذَا كَانَ يَقُوْلُ الْجُرَيْرِيُّ- فَقَالَ: مَنْ يَّعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا! قَالَ: فَمَتٰى مَاتَ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: مَاتُوْا فِي الْإِشْرَاكِ! فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا، فَلَوْ لَا أَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ أَسْمَعُ مِنْهُ ..... الحديث۔“ (صحيح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶)

ترجمہ:... ”حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہوکر بنونجار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اچانک خچر بدک گیا، قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرجاتے، وہاں کوئی چار، پانچ یا چھ قبریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قبروں کو کوئی پہچانتا ہے؟ ایک آدمی نے عرض کیا: جی ہاں! میں جانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کب مرے تھے؟ اس نے عرض کیا: حالتِ شرک میں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں، اور اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذابِ قبر سنا دیتے جس طرح میں سنتا ہوں۔“

۲:... یہی حدیث صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (موارد الظمآن ص:۲۰۲)

۳:... ”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ صَوْتًا مِّنْ قَبْرٍ، فَقَالَ: مَتٰى مَاتَ هٰذَا؟ قَالُوْا: مَاتَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ! فَسُرَّ بِذٰلِكَ وَقَالَ: لَوْ لَا أَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُّسْمِعَكُمْ عَذَابَ الْقَبْرِ۔“

(سنن نسائی ج:۱ ص:۲۹۰ واللفظ لہ، صحيح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶، موارد الظمآن ص:۲۰۰)

ترجمہ:... ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے آواز سنی تو فرمایا: یہ کب مرا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ زمانۂ جاہلیت میں! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مُردے دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذابِ قبر ہوتا ہوا سنائی دیتا۔“

۴:...”عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرِبًا لِّبَنِی النَّجَّارِ كَأَنَّهٗ يَقْضِیْ حَاجَتَهٗ فَخَرَجَ وَهُوَ مَذْعُوْرٌ، فَقَالَ: لَوْ لَا اَنْ تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَا اَسْمَعَنِیْ۔“

(اسنادہ صحیح، کنز العمال ج:۱۵ ص:۷۴۰ حدیث:۴۲۹۴۳)

ترجمہ:...”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے ویرانے میں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو گھبرا کر نکلے، اور فرمایا: اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی وہ عذابِ قبر سنادے جو میں سنتا ہوں!“

مندرجہ بالا احادیث ہمارے مدعا پر تین وجہ سے شاہد ہیں:

۱:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذابِ قبر کو خود سننا۔

۲:...اور یہ فرمانا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذابِ قبر سنادیں، جو میں سن رہا ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عذابِ قبر کا سننا ہمارے حق میں بھی ممکن ہے۔ اگر عذاب کا تعلق قبر کے گڑھے سے نہ ہوتا تو قبروں کے اس عذاب کے سننے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

۳:...اور یہ فرمانا کہ: اندیشہ یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے۔ اگر عذاب کا تعلق قبر کے گڑھے سے نہ ہوتا تو اس اندیشہ کی کوئی وجہ نہ تھی۔

۴:...بہائم کا عذابِ قبر کو سننا:

اُوپر حضرت زید بن ثابت اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی احادیث میں عذابِ قبر کے سننے سے جانور کا بدکنا مذکور ہے۔ یہ مضمون بھی متعدد احادیث میں آیا ہے کہ مردے کو قبر میں جو عذاب ہوتا ہے، اس کو جن و اِنس کے علاوہ قریب کے سب حیوانات سنتے ہیں، اس سلسلے میں درج ذیل احادیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

۱:...حدیث انس رضی اللہ عنہ:

”ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِّنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ اُذُنَيْهِ فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَّسْمَعُهَا مَنْ يَّلِيْهِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۷۸ واللفظ لهٗ، سنن ابوداؤد ج:۲ ص:۶۵۳، نسائی ج:۲ ص:۲۸۸، مسند احمد ج:۳ ص:۱۲۶، ۲۳۴)

ترجمہ:...”پھر اس (مردے) کو لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے، جس سے وہ مردہ ایسی چیخ مارتا ہے جسے جن و انس کے علاوہ قریب کے تمام حیوانات سنتے ہیں۔“

۲:...حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

"فَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ مِّنْ جَهَنَّمَ، ثُمَّ يُضْرَبُ ضَرْبَةً تَسْمَعُ كُلُّ دَابَّةٍ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ. رواه البزار" (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۵ حديث:۴۲۷۱، كشف الأستار عن زوائد البزار ج:۱ ص:۴۱۳)

ترجمہ:... "پھر اس کے لئے جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس کو ماری جاتی ہے ایسی مار کہ اس کو سنتے ہیں تمام جانور سوائے جن و اِنس کے۔"

۳:...حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

"وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ اِلَى النَّارِ، ثُمَّ يُقْمَعُهُ قَمْعَةً بِالْمِطْرَاقِ يَسْمَعُهَا خَلْقُ اللهِ كُلُّهُمْ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ." (مسند احمد ج:۳ ص:۴، ۲۹۶، كشف الأستار ج:۱ ص:۴۱۳، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۹ حديث:۴۲۶۳)

ترجمہ:... "پھر اس (کافر مردے) کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر فرشتہ اس کو ایسا گرز مارتا ہے جس کو جن و انس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سنتی ہے۔"

۴:...حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ:

"فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَّسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ، فَيَصِيْرُ تُرَابًا، قَالَ: ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ." (سنن ابو داؤد ج:۲ ص:۲۹۸)

ترجمہ:... "پس فرشتہ اس کو ایسی ضرب لگاتا ہے، جس کو جن و انس کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان کی ساری مخلوق سنتی ہے، وہ اس ضرب سے مٹی ہوجاتا ہے۔ فرمایا: پھر اس میں دوبارہ رُوح لوٹائی جاتی ہے۔"

۵:...حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا:

"اِنَّهُمْ يُعَذَّبُوْنَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ كُلُّهَا."

(صحيح بخارى ج:۲ ص:۹۴۲ واللفظ له، صحيح مسلم ج:۱ ص:۲۱۷)

ترجمہ:... "مُردوں کو قبروں میں ایسا عذاب دیا جاتا ہے جس کو سب چوپائے سنتے ہیں۔"

۶:...حدیث اُمّ مبشر رضی اللہ عنہا:

"عَنْ اُمِّ مُبَشِّرٍ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا فِيْ حَائِطٍ مِّنْ حَوَائِطِ بَنِي النَّجَّارِ، فِيْهِ قُبُوْرٌ مِّنْهُمْ .... وَهُوَ يَقُوْلُ: اِسْتَعِيْذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ! قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَاِنَّهُمْ لَيُعَذَّبُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ." (رواه احمد ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۹ حديث:۴۲۸۹، موارد الظمآن ص:۲۰۰)

ترجمہ:... ''حضرت اُمّ مبشر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں ایک دن بنونجار کے باغ میں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، وہاں بنونجار کی کچھ قبریں تھیں (انہیں دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے عذابِ قبر سے پناہ مانگو! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قبر میں عذاب دیا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بے شک انہیں اپنی اپنی قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے، جسے تمام جانور سنتے ہیں۔''

۷:... حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

''اِنَّ الْمَوْتٰی لَیُعَذَّبُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ حَتّٰی اَنَّ الْبَهَائِمَ تَسْمَعُ اَصْوَاتَهُمْ۔''

(رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن۔ مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۴۰ حدیث:۴۲۹۱)

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مُردوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے، یہاں تک کہ چوپائے ان کی آواز سنتے ہیں۔''

۸:... حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ:

''کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ وَّهُوَ یَسِیْرُ عَلٰی رَاحِلَتِهٖ، فَنَفَرَتْ، قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا شَأْنُ رَاحِلَتِکَ نَفَرَتْ؟ قَالَ: اِنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ یُّعَذَّبُ فِیْ قَبْرِهٖ فَنَفَرَتْ لِذَالِکَ۔'' (رواہ الطبرانی فی الأوسط وفیہ جابر الجعفی وفیہ کلام کثیر وقد وثق، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۹، ۱۴۰ حدیث:۴۲۹۰)

ترجمہ:... ''ایک سفر میں، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک سواری بدک گئی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی سواری کو کیا ہوا؟ یہ بدک کیوں گئی؟ فرمایا: اس نے ایک شخص کی آواز سنی جس کو اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے بدک گئی۔''

ان احادیث میں جن وانس کے علاوہ باقی حیوانات کا عذابِ قبر کو سننا مذکور ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عذابِ قبر ایک حسی چیز ہے جس کو نہ صرف اس عالم میں محسوس کیا جاسکتا ہے، بلکہ جن وانس کے علاوہ باقی مخلوق کو اس کا ادراک بھی ہوتا ہے، جن وانس کو جو ادراک نہیں ہوتا اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ ان کا ایمان، ایمان بالغیب رہے۔ دُوسری وہ حکمت ہے جو اُوپر بیان ہوچکی ہے کہ اگر عذابِ قبر کا انکشاف انسانوں کو عام طور سے ہوجایا کرتا تو کوئی شخص مُردوں کو قبرستان میں دفن کرنے کی ہمت نہ کرتا۔ بہرحال اس عذاب کا محسوس ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ عذابِ قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور یہ کہ میّت کے بدن کو بھی ہوتا ہے۔

۵:... عذابِ قبر کے مشاہدہ کے واقعات:

عذابِ قبر کو انسانوں اور جنات کی نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، لیکن بعض اوقات خرقِ عادت کے طور پر عذابِ قبر کے کچھ

آثار کا مشاہدہ بھی کرادیا جاتا ہے، اس نوعیت کے بے شمار واقعات میں سے چند واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱:... ”عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ ذُوَيْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَغَارَ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى سَرِيَّةٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ، فَانْهَزَمَتْ، فَغَشِيَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ مُنْهَزِمٌ، فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَّعْلُوَهُ بِالسَّيْفِ قَالَ الرَّجُلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ! فَلَمْ يَنْزِعْ عَنْهُ حَتّٰى قَتَلَهُ، ثُمَّ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهِ مِنْ قَتْلِهِ، فَذَكَرَ حَدِيْثَهُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَهَلَّا نَقَبْتَ عَنْهُ قَلْبَهُ! .... فَلَمْ يَلْبَثُوْا إِلَّا قَلِيْلًا حَتّٰى تُوُفِّيَ ذَالِكَ الرَّجُلُ الْقَاتِلُ، فَدُفِنَ فَأَصْبَحَ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ اَهْلُهُ فَحَدَّثُوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اِدْفِنُوْهُ! فَدَفَنُوْهُ فَأَصْبَحَ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ اَهْلُهُ فَحَدَّثُوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اِدْفِنُوْهُ! فَدَفَنُوْهُ فَأَصْبَحَ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ، فَجَاؤُوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثُوْهُ ذَالِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الْأَرْضَ قَدْ اَبَتْ اَنْ تَقْبَلَهُ فَاطْرَحُوْهُ فِيْ غَارٍ مِّنَ الْغِيْرَانِ!“ (بیہقی دلائل النبوۃ ج:۴ ص:۳۰۹، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۷۸، مصنّف عبدالرزاق ج:۱۰ ص:۱۷۳، کنز العمال ج:۱۵ ص:۱۴۷، ۱۴۸ حدیث:۴۰۴۵۴)

ترجمہ:... ”حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے مشرکین کے ایک دستہ پر حملہ کیا، اس دستہ کو شکست ہوئی، پھر ایک مسلمان نے مشرکوں کے ایک آدمی کو بھاگتے ہوئے جالیا، جب اس پر تلوار اُٹھانے کا ارادہ کیا تو اس شخص نے ”لا الٰہ الا اللہ“ پڑھا، لیکن مسلمان کلمہ سن کر بھی ہٹا نہیں، یہاں تک کہ اسے قتل کردیا، پھر اس کے ضمیر نے اس کے قتل پر ملامت کی، چنانچہ اس نے اپنا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: تو نے اس کا دل کرید کر کیوں نہ دیکھ لیا؟ تھوڑی مدت گزری تھی کہ اس قاتل کا انتقال ہوگیا، اسے دفن کیا گیا مگر اگلے دن دیکھا گیا کہ وہ کھلی زمین پر پڑا ہے، اس کے گھر کے لوگوں نے یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو دفن کردو! دوبارہ دفن کیا گیا تو پھر دیکھا کہ زمین پر پڑا ہوا ہے، تین بار یہی ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا ہے، اسے کسی غار میں ڈال دو!“

۲:... ”عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ مِنَّا رَجُلٌ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ قَدْ قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ، وَكَانَ يَكْتُبُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَانْطَلَقَ هَارِبًا حَتّٰى لَحِقَ بِأَهْلِ الْكِتَابِ، قَالَ: فَرَفَعُوْهُ، قَالُوْا: هٰذَا قَدْ كَانَ يَكْتُبُ لِمُحَمَّدٍ، فَأُعْجِبُوْا بِهِ، فَمَا لَبِثَ اَنْ

قَصَمَ اللهُ عُنُقَهٗ فِيهِمْ، فَحَفَرُوْا لَهٗ فَوَارَوْهُ، فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا، ثُمَّ عَادُوْا فَحَفَرُوْا لَهٗ فَوَارَوْهُ، فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا، ثُمَّ عَادُوْا فَحَفَرُوْا لَهٗ فَوَارَوْهُ، فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ قَدْ نَبَذَتْهُ عَلٰى وَجْهِهَا، فَتَرَكُوْهُ مَنْبُوْذًا۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۱۱، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۷۰، واللفظ لهٗ، مسند احمد ج:۳ ص:۱۲۰، ۱۲۱، ۲۴۵، صحیح ابن حبان بحوالہ موارد الظمآن ص:۳۶۵، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۷۸)

ترجمہ:... "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص ہم سے یعنی بنونجار سے تھا، اس نے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی ہوئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتا تھا، پھر وہ بھاگ کر اہلِ کتاب سے جاملا، انہوں نے اس کو خوب اُچھالا اور کہا کہ: یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے وحی لکھا کرتا تھا، وہ لوگ اس پر بہت خوش ہوئے، کچھ ہی دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ دی (یعنی مرگیا)، انہوں نے گڑھا کھود کر اسے دفن کردیا، صبح ہوئی تو زمین نے اس کو باہر پھینک دیا، انہوں نے اسے پھر دفن کیا، زمین نے اسے پھر باہر پھینک دیا، انہوں نے سہ بارہ دفن کیا، زمین نے اسے پھر اُگل دیا، عاجز ہوکر انہوں نے اسے بغیر دفن کے پڑا رہنے دیا۔"

۳:... "عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: ...... وَذَالِكَ أَنَّهٗ بَعَثَ رَجُلًا فَكَذَبَ عَلَيْهِ، فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوُجِدَ مَيِّتًا قَدِ انْشَقَّ بَطْنُهٗ وَلَمْ تَقْبَلْهُ الْأَرْضُ۔"

(بیہقی دلائل النبوۃ ج:۶ ص:۲۴۵، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۷۸)

ترجمہ:... "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو (کسی کام سے) بھیجا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرکے ایک جھوٹ بولا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددُعا فرمائی، اس کے نتیجہ میں وہ مردہ حالت میں پایا گیا، اس کا پیٹ پھٹا ہوا تھا، اور زمین نے اسے قبول نہیں کیا۔"

۴:... "عَنْ عِمْرَانَ ...... شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ بَعَثَ جَيْشًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَى الْمُشْرِكِيْنَ ... الٰى قوله ... فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا يَسِيْرًا حَتّٰى مَاتَ فَدَفَنَّاهُ، فَأَصْبَحَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ، فَقَالُوْا: لَعَلَّ عَدُوًّا نَّبَشَهٗ فَدَفَنَّاهُ ثُمَّ أَمَرْنَا غِلْمَانَنَا يَحْرُسُوْنَهٗ فَأَصْبَحَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ فَقُلْنَا: لَعَلَّ الْغِلْمَانَ نَعَسُوْا، فَدَفَنَّاهُ ثُمَّ حَرَسْنَاهُ بِأَنْفُسِنَا فَأَصْبَحَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ، فَأَلْقَيْنَاهُ فِيْ بَعْضِ تِلْكَ الشِّعَابِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَنَبَذَتْهُ الْأَرْضُ فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: إِنَّ الْأَرْضَ لَتَقْبَلُ مَنْ هُوَ أَشَرُّ مِنْهُ، وَلٰكِنَّ اللهَ أَحَبَّ أَنْ يُّرِيَكُمْ تَعْظِيْمَ حُرْمَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔" (سنن ابن ماجۃ ص:۲۸۱، دلائل النبوۃ بیہقی ج:۷ ص:۱۲۸)

ترجمہ:... ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر کافروں سے جہاد کے لئے بھیجا، (اس کے بعد ایک شخص کے قتل کا واقعہ ذکر کیا)، پھر وہ قاتل چند ہی دنوں کے بعد مر گیا، ہم نے اس کو دفن کیا تو صبح کو کھلی زمین پر پڑا تھا۔ ہم نے سوچا شاید کسی دشمن نے اس کو اُکھاڑ پھینکا ہے، ہم نے دوبارہ دفن کردیا، اور اس پر اپنے غلاموں کا پہرہ لگادیا، اگلے دن پھر زمین کی سطح پر پڑا تھا، ہم نے سوچا شاید غلام سو گئے ہوں گے، ہم نے تیسری بار دفن کیا اور خود پہرہ دیا، لیکن اگلے دن پھر زمین پر پڑا تھا، بالآخر ہم نے اسے ایک غار میں ڈال دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: زمین نے اسے باہر پھینک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی تو فرمایا: زمین تو اس سے بھی بُرے لوگوں کو قبول کرلیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ تمہیں یہ دکھائیں کہ لا الٰہ اِلَّا اللہ کی حرمت کس قدر بڑی ہے!“

۵:... ”عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ اَنَّ مُحلِمًا لَمَّا جَلَسَ بَیْنَ یَدَیْہِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ، قَالَ لَہٗ: آمَنْتَہٗ ثُمَّ قَتَلْتَہٗ؟ ثُمَّ دَعَا عَلَیْہِ، قَالَ الْحَسَنُ: فَوَاللہِ! مَا مَکَثَ مُحلِمٌ اِلَّا سَبْعًا حَتّٰی مَاتَ، فَلَفَظَتْہُ الْاَرْضُ، ثُمَّ دَفَنُوْہُ، فَلَفَظَتْہُ الْاَرْضُ، ثُمَّ دَفَنُوْہُ فَلَفَظَتْہُ الْاَرْضُ، فَرَضَمُوْا عَلَیْہِ مِنَ الْحِجَارَۃِ حَتّٰی وَارَوْہُ، فَبَلَغَ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّ الْاَرْضَ لَتُطَابِقُ عَلٰی مَنْ ھُوَ شَرٌّ مِّنْہُ وَلٰکِنَّ اللہَ اَرَادَ اَنْ یَّعِظَکُمْ فِیْ حَرَمٍ مَّا بَیْنَکُمْ لَمَّا اَرَاکُمْ مِنْہُ۔“

(البدایۃ والنہایۃ ج:۴ ص:۲۲۵، مجمع الزوائد ج:۷ ص:۲۹۴)

ترجمہ:... ”حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: محلم (ایک مسلمان کو قتل کرکے) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تونے اسے امن دینے کے بعد قتل کردیا؟ پھر اس کے حق میں بددعا فرمائی، حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ: محلم اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد مر گیا، تو زمین نے اس کو اُگل دیا، لوگوں نے اسے پھر دفن کیا، تو زمین نے اسے پھر اُگل دیا، بالآخر لوگوں نے اس کے گرد پتھر جمع کرکے اسے چھپادیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ: زمین تو اس سے بھی برے لوگوں کو چھپالیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ منظر تم کو دکھا کر یہ چاہا کہ تمہاری آپس کی حرمتوں کے بارے میں تم کو نصیحت و عبرت دلائیں۔“

۶:... ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمَا قَالَ: بَیْنَمَا اَسِیْرُ بِجَنْبَاتِ بَدْرٍ، اِذْ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ حُفْرَۃٍ فِیْ عُنُقِہٖ سِلْسِلَۃٌ، فَنَادَانِیْ: ”یَا عَبْدَاللہِ! اِسْقِنِیْ“ فَلَا اَدْرِیْ اَعْرِفُ اِسْمِیْ اَوْ دَعَانِیْ بِدِعَایَۃِ الْعَرَبِ، وَخَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ ذَالِکَ الْحَفِیْرِ فِیْ یَدِہٖ سَوْطٌ، فَنَادَانِیْ: یَا عَبْدَاللہِ! لَا تَسْقِہٖ فَاِنَّہٗ کَافِرٌ، ثُمَّ ضَرَبَہٗ بِالسَّوْطِ حَتّٰی عَادَ اِلٰی حُفْرَتِہٖ، فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْرِعًا

فَأَخْبَرْتُهٗ، فَقَالَ لِیْ: أَوَ قَدْ رَأَیْتَهٗ؟ قُلْتُ: نَعَمْ! قَالَ: ذَاکَ عَدُوُّ اللهِ أَبُوْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ! وَذَاکَ عَذَابُهٗ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔" (قال الهیثمی رواه الطبرانی فی الأوسط وفیه عبدالله بن محمد المغیرة وهو ضعیف، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۴۱ حدیث:۴۲۹۴)

ترجمہ:..."حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: دریں اثنا کہ میں بدر کے قریب سے گزر رہا تھا، اتنے میں ایک گڑھے سے ایک شخص نکلا جس کے گلے میں زنجیر تھی، اس نے مجھے پکار کر کہا: "اے عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ۔" مجھے معلوم نہیں کہ آیا اسے میرا نام معلوم تھا، یا عرب کے دستور کے مطابق اس نے "عبداللہ" (اللہ کا بندہ) کہہ کر پکارا۔ اس گڑھے سے ایک اور آدمی نکلا، جس کے ہاتھ میں کوڑا تھا، اس نے مجھے پکار کر کہا کہ: "اس کو پانی نہ پلانا، یہ کافر ہے!" پس اس نے پہلے شخص کو کوڑا مارا اور مار مار کر گڑھے کی طرف واپس لے گیا، میں جلدی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے واقعی اس کو دیکھا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: یہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا! اور قیامت تک اس کی یہی سزا ہے!" نعوذ باللہ من ذالک!

۷:..."(وَقَالَ) إِبْنُ أَبِی الدُّنْیَا حَدَّثَنِیْ أَبِیْ، حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ دَاوٗدَ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلْمَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِیْهِ، قَالَ: بَیْنَمَا رَاکِبٌ یَّسِیْرُ بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ، إِذْ مَرَّ بِمَقْبَرَةٍ، فَإِذَا بِرَجُلٍ قَدْ خَرَجَ مِنْ قَبْرٍ یَّلْتَهِبُ نَارًا مُصَفَّدًا فِی الْحَدِیْدِ، فَقَالَ: "یَا عَبْدَاللهِ! إِنْضَحْ، یَا عَبْدَاللهِ! إِنْضَحْ" قَالَ: وَخَرَجَ آخَرُ یَتْلُوْهُ فَقَالَ: "یَا عَبْدَاللهِ! لَا تَنْضَحْ، یَا عَبْدَاللهِ! لَا تَنْضَحْ" قَالَ: وَغَشِیَ عَلَی الرَّاکِبِ، وَعَدَلَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ إِلَی الْعَرْجِ، قَالَ: وَأَصْبَحَ قَدِ ابْیَضَّ شَعْرُهٗ، فَأُخْبِرَ عُثْمَانُ بِذَالِکَ، فَنَهٰی أَنْ یُّسَافِرَ الرَّجُلُ لِوَحْدِهٖ۔" (کتاب الروح ص:۹۴)

ترجمہ:..."ابن ابی الدنیاؒ کہتے ہیں کہ: مجھ سے بیان کیا میرے والد نے، وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے بیان کیا حماد بن سلمہ نے، وہ روایت کرتے ہیں ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد سے: دریں اثنا کہ ایک سوار مکہ و مدینہ کے درمیان جارہا تھا کہ ایک قبرستان سے گزرا، اچانک ایک شخص قبر سے نمودار ہوا جو آگ سے بھڑک رہا تھا، اور لوہے کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا، اس نے کہا: "اے بندۂ خدا! مجھے پانی دے دو، اے بندۂ خدا! مجھے پانی دے دو۔" اور ایک اور شخص اس کے پیچھے سے نکلا، اس نے پکار کر کہا: "اے بندۂ خدا! اسے پانی نہ دینا، اے بندۂ خدا! اسے پانی نہ دینا۔" اس منظر سے سوار پر غشی طاری ہوگئی اور اس کی سواری اس کو موضع "عرج" لے گئی، اور اس صدمہ سے اس شخص کے بال سفید ہوگئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپؓ نے آدمی کے تنہا سفر کرنے سے منع فرمادیا۔"

۸:..."وَقَدْ ذَکَرَ ابْنُ أَبِی الدُّنْیَا فِیْ "کِتَابِ الْقُبُوْرِ" عَنِ الشَّعْبِیِّ أَنَّهٗ ذَکَرَ رَجُلًا قَالَ

لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَرَرْتُ بِبَدْرٍ فَرَأَيْتُ رَجُلًا يَّخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ فَيَضْرِبُهٗ رَجُلٌ بِمِقْمَعَةٍ حَتّٰى يَغِيْبَ فِي الْأَرْضِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَيَفْعَلُ بِهٖ ذَالِكَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذَالِكَ أَبُوْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ يُعَذَّبُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ!" (کتاب الروح ص:۹۳)

ترجمہ:... "ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب القبور میں امام شعبیؒ سے نقل کیا ہے کہ: ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میں بدر سے گزر رہا تھا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین سے نکلتا ہے تو دُوسرا آدمی اس کو ہتھوڑے سے مارتا ہے، یہاں تک کہ وہ زمین میں غائب ہوجاتا ہے، وہ پھر نکلتا ہے تو دُوسرا اس کے ساتھ یہی کرتا ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ابوجہل بن ہشام ہے! اسے قیامت تک یہی عذاب ہوتا رہے گا۔"

۹:... "(وَذَكَرَ) مِنْ حَدِيْثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللهِ عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا أَسِيْرُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ عَلٰى رَاحِلَةٍ وَّأَنَا مُحَقِّبٌ إِدَاوَةً، إِذْ مَرَرْتُ بِمَقْبَرَةٍ فَإِذَا رَجُلٌ خَارِجٌ مِّنْ قَبْرِهٖ يَلْتَهِبُ نَارًا وَّفِيْ عُنُقِهٖ سِلْسِلَةٌ يَّجُرُّهَا، فَقَالَ: "يَا عَبْدَاللهِ! إِنْضَحْ، يَا عَبْدَاللهِ! إِنْضَحْ." فَوَاللهِ! مَا أَدْرِيْ أَعَرَفَنِيْ بِاسْمِيْ أَمْ كَمَا تَدْعُوا النَّاسُ؟ قَالَ: فَخَرَجَ آخَرُ فَقَالَ: "يَا عَبْدَاللهِ! لَا تَنْضَحْ، يَا عَبْدَاللهِ! لَا تَنْضَحْ." ثُمَّ إِجْتَذَبَ السِّلْسِلَةَ فَأَعَادَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ." (کتاب الروح ص:۹۴)

ترجمہ:... "اور ابن ابی الدنیا نے حماد بن سلمہ کی روایت سے، انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں سے سالم بن عبداللہ سے، انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ: انہوں نے فرمایا کہ: دریں اثنا کہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان اُونٹنی پر سوار ہوکر جارہا تھا، میری سواری پر پانی کا مشکیزہ بھی تھا، ایک قبرستان سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص اپنی قبر سے نکل رہا ہے، جس پر آگ بھڑک رہی ہے اور اس کی گردن میں زنجیر ہے، جس کو وہ گھسیٹ رہا ہے، اس نے مجھے پکار کر کہا کہ: "اے عبداللہ! پانی دو، اے عبداللہ! پانی دو" پس اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ وہ میرے نام کو جانتا تھا یا جس طرح لوگ کسی کو بندۂ خدا کہہ کر پکارتے ہیں، اسی طرح اس نے مجھے بھی پکارا، پھر اس کے پیچھے ایک اور شخص نکلا، اس نے مجھے پکار کر کہا کہ: "اے عبداللہ! اس کو پانی نہ دینا، اے عبداللہ! اس کو پانی نہ دینا" پھر وہ پہلے شخص کی زنجیر کھینچ کر اسے دوبارہ قبر میں لے گیا۔"

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے "کتاب الروح" میں اس نوعیت کے مزید اٹھارہ واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وهذه الأخبار وأضعافها وأضعاف أضعافها مما لا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه لبعض عباده من عذاب القبر ونعيمه عيانًا، وأما رؤية المنام فلو ذكرناها لجاءت عدة اسفار." (کتاب الروح ص:۹۹)

ترجمہ:... ’’یہ واقعات اور اس سے دوگنے چوگنے واقعات، جو اس کتاب میں نہیں سما سکتے، ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو قبر کے عذاب وثواب کا مشاہدہ کرادیا، جہاں تک خواب کے واقعات کا تعلق ہے، اگر ہم انہیں ذکر کرنے بیٹھیں تو ان کے لئے کئی دفتر چاہئیں۔‘‘

قبر میں پیش آنے والے حالات و واقعات:

احادیث شریفہ میں ان حالات و واقعات کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جو میّت کو قبر میں پیش آتے ہیں، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالات اسی قبر میں پیش آتے ہیں، اور یہ کہ ان حالات کا تعلق میّت کے جسم سے بھی ہے، یہاں چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں، ان کے بعد قبر میں پیش آنے والے حالات کا ایک خاکہ پیش کیا جائے گا۔

۱:... ’’عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ أَنَّہٗ حَدَّثَھُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ، وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ، إِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ، اَتَاہُ مَلَکَانِ، فَیُقْعِدَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ: مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ، لِمُحَمَّدٍ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَیَقُوْلُ: أَشْھَدُ أَنَّہٗ عَبْدُاللہِ وَرَسُوْلُہٗ! فَیُقَالُ لَہٗ: اُنْظُرْ إِلٰی مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَکَ اللہُ بِہٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّۃِ! فَیَرَاھُمَا جَمِیْعًا۔ قَالَ قَتَادَۃُ: وَذُکِرَ لَنَا أَنَّہٗ یُفْسَحُ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ۔ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰی حَدِیْثِ أَنَسٍ، قَالَ: وَأَمَّا الْمُنَافِقُ، أَوِ الْکَافِرُ فَیُقَالُ لَہٗ: مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ؟ فَیَقُوْلُ: لَا أَدْرِیْ! کُنْتُ أَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ۔ فَیُقَالُ: لَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ، وَیُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِّنْ حَدِیْدٍ ضَرْبَۃً فَیَصِیْحُ صَیْحَۃً یَّسْمَعُھَا مَنْ یَّلِیْہِ غَیْرَ الثَّقَلَیْنِ!‘‘ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳، ۱۸۴ واللفظ لہٗ، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶، ابوداؤد ج:۲ ص:۶۵۴، نسائی ج:۱ ص:۲۸۸، شرح السنہ ج:۵ ص:۴۱۵)

ترجمہ:... ’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بندے کو جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے اس کے دفن سے فارغ ہوکر لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، تب اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ پس اگر مردہ مؤمن ہو تو کہتا ہے کہ: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں! پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: اپنے دوزخ کے ٹھکانے کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے میں جنت کا ٹھکانا عطا فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: پس وہ جنت اور دوزخ دونوں میں اپنے ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہم سے یہ ذکر کیا گیا کہ پھر اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے۔

لیکن کافر اور منافق، وہ فرشتوں کے سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ: میں نہیں جانتا (کہ یہ کون ہیں؟) میں تو ان کے بارے میں وہی بات کہتا تھا جو دُوسرے (کافر) لوگ کہتے تھے! پس اس سے کہا جاتا ہے کہ: نہ تو نے خود جانا اور نہ کسی جاننے والے کے پیچھے چلا! پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے، جس سے وہ ایسا چلاتا ہے کہ جن وانس کے علاوہ قریب کی ساری مخلوق سنتی ہے۔“

۲:...”عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: مَنْ رَاٰى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟ قَالَ: فَإِنْ رَاٰى أَحَدٌ قَصَّهَا، فَيَقُوْلُ: مَا شَآءَ اللهُ! فَسَأَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ: هَلْ رَاٰى مِنْكُمْ أَحَدٌ رُؤْيَا؟ قُلْنَا: لَا! قَالَ: لٰكِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ فَأَخَذَا بِيَدَيَّ فَأَخْرَجَانِيْ إِلٰى أَرْضٍ مُّقَدَّسَةٍ، فَإِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَّرَجُلٌ قَائِمٌ بِيَدِهٖ .... كَلُّوْبٌ مِّنْ حَدِيْدٍ، يُدْخِلُهٗ فِيْ شِدْقِهٖ حَتّٰى يَبْلُغَ قَفَاهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْآخَرِ مِثْلَ ذَالِكَ وَيَلْتَئِمُ شِدْقُهٗ هٰذَا، فَيَعُوْدُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهٗ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ قَالَا: إِنْطَلِقْ! فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُّضْطَجِعٍ عَلٰى قَفَاهُ، وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِهٖ بِفِهْرٍ، أَوْ صَخْرَةٍ، فَيَشْدَخُ بِهَا رَأْسَهٗ، فَإِذَا ضَرَبَهٗ تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ لِيَأْخُذَهٗ فَلَا يَرْجِعُ إِلٰى هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَأْسُهٗ وَعَادَ رَأْسُهٗ كَمَا هُوَ، فَعَادَ إِلَيْهِ فَضَرَبَهٗ. قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَا: إِنْطَلِقْ! فَانْطَلَقْنَا إِلٰى نَقْبٍ مِّثْلَ التَّنُّوْرِ، أَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَّأَسْفَلُهٗ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ، فَإِذَا اقْتَرَبَ إِرْتَفَعُوْا حَتّٰى كَادُوْا يَخْرُجُوْنَ، فَإِذَا خَمِدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا وَفِيْهَا رِجَالٌ وَّنِسَآءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ قَالَا: إِنْطَلِقْ! فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِّنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ، وَعَلٰى وَسْطِ النَّهْرِ .... رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ، فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّخْرُجَ رَمَاهُ الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَآءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ .... قُلْتُ: قَدْ طَوَّفْتُمَانِي اللَّيْلَةَ فَأَخْبِرَانِيْ عَمَّا رَأَيْتُ! قَالَا: نَعَمْ! أَمَّا الَّذِيْ رَأَيْتَهٗ يُشَقُّ شِدْقُهٗ فَكَذَّابٌ يُّحَدِّثُ بِالْكَذِبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْآفَاقَ، فَيُصْنَعُ بِهٖ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَالَّذِيْ رَأَيْتَهٗ يُشْدَخُ رَأْسُهٗ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيْهِ بِالنَّهَارِ، يُفْعَلُ بِهٖ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَالَّذِيْ رَأَيْتَهٗ فِي النَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ، وَالَّذِيْ رَأَيْتَهٗ فِي النَّهْرِ آكِلُ الرِّبَا۔“ الحديث (صحيح بخارى ج:۱ ص:۱۸۵ واللفظ لهٗ، ج:۲ ص:۱۰۴۳، ترمذى ج:۲ ص:۵۳۔ یہی روایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، ملاحظہ ہو: موارد الظمآن ص:۴۴۵، مجمع الزوائد ج:۱ ص:۷۶، كنز العمال ج:۱۴ ص:۵۳۷، ۵۳۸۔ مستدرک حاكم ج:۲ ص:۲۱۰)

ترجمہ:...”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے یار واصحاب

کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ: تم میں سے رات کو کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ اگر کوئی دیکھتا تو عرض کردیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تعبیر ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ عادت کے موافق ایک بار سب سے پوچھا کہ: کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ سب نے عرض کیا: کوئی نہیں دیکھا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ایک زمینِ مقدس کی طرف لے چلے، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دُوسرا کھڑا ہوا ہے، اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے، اس بیٹھے ہوئے کے کلے(۱) کو اس سے چیر رہا ہے، یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے، پھر دُوسرے کلے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کر رہا ہے، اور پھر وہ کلا اس کا درست ہوجاتا ہے، پھر اس کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے: آگے چلو! ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جو کہ لیٹا ہوا ہے، سر پر ایک شخص ہاتھ میں بڑا بھاری پتھر لئے کھڑا ہے، اس سے اس کا سر نہایت زور سے پھوڑتا ہے، جب وہ پتھر اس کے سر پر دے مارتا ہے، پتھر لڑھک کر دور جاگرتا ہے، جب وہ اس کے اُٹھانے کے لئے جاتا ہے تو اب تک لوٹ کر اس کے پاس نہیں آنے پاتا کہ اس کا سر پھر اچھا خاصا جیسا تھا ویسا ہی ہوجاتا ہے، اور وہ پھر اس کو اسی طرح پھوڑتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے: آگے چلو! ہم آگے چلے، یہاں تک کہ ہم ایک غار پر پہنچے جو مثل تنور کے تھا، نیچے سے فراخ تھا اور اُوپر سے تنگ، اس میں آگ جل رہی تھی، اور اس میں بہت سے ننگے مرد اور عورت بھرے ہوئے ہیں، جس وقت وہ آگ اُوپر کو اُٹھتی ہے اس کے ساتھ وہ سب اُٹھ آتے ہیں، یہاں تک کہ قریب نکلنے کے ہوجاتے ہیں، پھر جس وقت بیٹھتی ہے وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے: آگے چلو! ہم آگے چلے، یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے، اس کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہے، اور نہر کے کنارے پر ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے سامنے بہت سے پتھر پڑے ہیں، وہ نہر کے اندر والا شخص نہر کے کنارہ کی طرف آتا ہے، جس وقت نکلنا چاہتا ہے، کنارہ والا شخص اس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پھر اپنی پہلی جگہ پر جا پہنچتا ہے، پھر جب کبھی وہ نکلنا چاہتا ہے تو اسی طرح وہ پتھر مار کر اس کو ہٹا دیتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ: تم نے مجھ کو تمام رات پھرایا، اب بتاؤ کہ یہ سب کیا اسرار تھے؟ انہوں نے کہا کہ: وہ شخص جو تم نے دیکھا تھا کہ اس کے کلے چیرے جاتے تھے، وہ شخص جھوٹا ہے کہ جھوٹی باتیں کہا کرتا تھا اور وہ باتیں تمام جہان میں مشہور ہوجاتی تھیں، اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے ہیں۔ اور جس کا سر پھوڑتے ہوئے دیکھا، وہ وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علمِ قرآن دیا، رات کو اس سے غافل ہوکر سو رہا اور دن کو اس پر عمل نہ کیا، قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔ اور جن کو تم نے آگ کے غار میں دیکھا وہ زنا کرنے والے لوگ ہیں۔ اور جس کو خون کی نہر میں

---

(۱) کلہ: سر، گال، جبڑا۔ (غیاث اللغات ص:۱۱۴۶ طبع علمی کتاب گھر لاہور)۔

دیکھا وہ سود کھانے والا ہے۔“ (بہشتی زیور حصہ اول سچی کہانیاں حکایت نمبر ۴)

۳:...”عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدُ بَعْدُ، فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّمَا عَلٰى رُؤُوْسِنَا الطَّيْرُ، وَبِيَدِهٖ عُوْدٌ يَّنْكُتُ بِهٖ فِی الْأَرْضِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ! مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔

زَادَ فِیْ رِوَايَةٍ: وَقَالَ: إِنَّ الْمَيِّتَ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ، حِيْنَ يُقَالُ لَهُ: يَا هٰذَا! مَنْ رَّبُّكَ؟ وَمَا دِيْنُكَ؟ وَمَنْ نَّبِيُّكَ؟

وَفِیْ رِوَايَةٍ: وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: رَبِّیَ اللهُ! فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: دِيْنِیَ الْإِسْلَامُ! فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هُوَ رَسُوْلُ اللهِ! فَيَقُوْلَانِ لَهُ: وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ، وَآمَنْتُ بِهٖ، وَصَدَّقْتُ!

زَادَ فِیْ رِوَايَةٍ: فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ”يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِی الْاٰخِرَةِ“ ثُمَّ اتَّفَقَا۔ فَيُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ: اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا مِّنَ الْجَنَّةِ! فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِیْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ۔

وَإِنَّ الْكَافِرَ ..... فَذَكَرَ مَوْتَهُ، قَالَ: فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِیْ جَسَدِهٖ، وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ! هَاهْ! لَا أَدْرِیْ! فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ! هَاهْ! لَا أَدْرِیْ! فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ: هَاهْ! هَاهْ! لَا أَدْرِیْ! فَيُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ: اَنْ كَذَبَ، فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ، وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ! فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا، وَيَضِيْقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهُ۔

زَادَ فِیْ رِوَايَةٍ: ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمٰى، أَبْكَمُ، مَعَهُ مِرْزَبَةٌ مِّنْ حَدِيْدٍ، لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَّصَارَ تُرَابًا، فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَّسْمَعُهَا مَنْ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ، فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔“ (جامع الأصول ج:۱۱ ص:۱۷۷ واللفظ لهٗ، ابوداؤد ج:۲ ص:۲۹۸، مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۱، مسند احمد ج:۴ ص:۲۹۶)

ترجمہ:...”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک انصاری کے جنازے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، قبر پر پہنچے تو ابھی لحد تیار نہیں ہوئی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ گئے، گویا ہمارے سروں پر پرندے تھے، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ زمین کرید رہے تھے (جیسا کہ گہری سوچ میں آدمی ایسا کیا کرتا ہے)، پھر سرِ مبارک کو اُوپر اُٹھا کر فرمایا کہ: عذابِ قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو! دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا کہ: جب لوگ میّت کو دفن کرکے لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ: میرا ربّ اللہ ہے! وہ کہتے ہیں کہ: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ: میرا دین اسلام ہے! وہ کہتے ہیں کہ: یہ آدمی کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ: وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! فرشتے کہتے کہ: تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ: میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھی ہے، میں اس پر ایمان لایا، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی!

حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد: "یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔" (ابراہیم:۲۷) (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دُنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے) میں جس تثبیت کا ذکر ہے، اس سے مردے کا نکیرین کے سوال و جواب میں ثابت قدم رہنا مراد ہے۔

پھر ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے کہ: میرے بندے نے سچ کہا! اس کے لئے جنت سے فرش بچھاؤ، اس کو جنت کا لباس پہناؤ، اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو! چنانچہ (اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پس) اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے، اور حدِ نظر اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی موت کا ذکر کرنے کے بعد اس کی قبر کے حالات کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس کی رُوح اس کے بدن میں لوٹا دی جاتی ہے، اور دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے کہتے ہیں کہ تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا! وہ کہتے ہیں کہ: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا! وہ کہتے ہیں کہ: یہ کون آدمی تھا جو تم میں بھیجا گیا؟ وہ کہتا ہے: ہاہ! ہاہ! میں نہیں جانتا! پس آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ: یہ جھوٹ بولتا ہے! اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، اس کو آگ کا لباس پہناؤ، اور اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو! چنانچہ دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پس اس کو دوزخ کی گرمی اور اس کی لو پہنچتی ہے، اور اس کی قبر تنگ ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ پسلیاں ایک دُوسری میں نکل جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ!

پھر اس پر ایک اندھا بہرا فرشتہ مقرر کردیا جاتا ہے، جس کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوتا ہے، اگر وہ گرز پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ مٹی ہوجائے، وہ کافر مردے کو اس گرز سے ایسی مار مارتا ہے جس کو جنوں اور انسانوں کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان کے سارے حیوان سنتے ہیں، وہ گرز لگنے سے مٹی ہوجاتا ہے، پھر اس میں

دوبارہ رُوح لوٹائی جاتی ہے۔“

۴:... ”عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْمَیِّتَ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتِ الصَّلٰوةُ عِنْدَ رَأْسِهٖ، وَكَانَ الصَّوْمُ عَنْ یَّمِیْنِهٖ، وَكَانَتِ الزَّكٰوةُ عَنْ یَّسَارِهٖ، وَكَانَ فِعْلُ الْخَیْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوْفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَیْهِ، فَیُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ فَتَقُوْلُ الصَّلٰوةُ: مَا قِبَلِیْ مَدْخَلٌ! وَیُؤْتٰى مِنْ عَنْ یَّمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ الصَّوْمُ: مَا قِبَلِیْ مَدْخَلٌ! وَیُؤْتٰى مِنْ عَنْ یَّسَارِهٖ فَتَقُوْلُ الزَّكٰوةُ: مَا قِبَلِیْ مَدْخَلٌ! وَیُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَیْهِ فَیَقُوْلُ فِعْلُ الْخَیْرَاتِ: مَا قِبَلِیْ مَدْخَلٌ! فَیُقَالُ لَهٗ: اُقْعُدْ! فَیَقْعُدُ، وَتَمَثَّلَ لَهُ الشَّمْسُ قَدْ دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ فَیُقَالُ لَهٗ: مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ كَانَ فِیْكُمْ؟ وَمَا تَشْهَدُ بِهٖ؟ فَیَقُوْلُ: دَعُوْنِیْ أُصَلِّیْ! فَیَقُوْلُوْنَ: إِنَّكَ سَتَفْعَلُ، وَلٰكِنْ أَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ! قَالَ: وَعَمَّ تَسْأَلُوْنِیْ عَنْهُ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: أَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ! فَیَقُوْلُ: دَعُوْنِیْ أُصَلِّیْ! فَیَقُوْلُوْنَ: إِنَّكَ سَتَفْعَلُ، وَلٰكِنْ أَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ! قَالَ: وَعَمَّ تَسْأَلُوْنِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: أَخْبِرْنَا مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ كَانَ فِیْكُمْ؟ وَمَا تَشْهَدُ بِهٖ عَلَیْهِ؟ فَیَقُوْلُ: مُحَمَّدًا (صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) أَشْهَدُ أَنَّهٗ عَبْدُاللهِ وَإِنَّهٗ جَآءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ اللهِ! فَیُقَالُ لَهٗ: عَلٰى ذٰلِكَ حُیِّیْتَ، وَعَلٰى ذٰلِكَ مُتَّ، وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَآءَ اللهُ! ثُمَّ یُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ قِبَلِ النَّارِ، فَیُقَالُ لَهٗ: اُنْظُرْ إِلٰى مَنْزِلِكَ وَإِلٰى مَا أَعَدَّ اللهُ لَكَ لَوْ عَصَیْتَ! فَیَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُوْرًا، ثُمَّ یُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ قِبَلِ الْجَنَّةِ، فَیُقَالُ لَهٗ: اُنْظُرْ إِلٰى مَنْزِلِكَ وَإِلٰى مَا أَعَدَّ اللهُ لَكَ! فَیَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُوْرًا، وَذٰلِكَ قَوْلُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ”یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَیُضِلُّ اللهُ الظّٰلِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اللهُ مَا یَشَآءُ۔“ قَالَ: وَقَالَ أَبُو الْحَكَمِ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ: فَیُقَالُ لَهٗ: اُرْقُدْ رَقْدَةَ الْعُرُوْسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُهٗ إِلَّا أَعَزُّ أَهْلِهٖ إِلَیْهِ أَوْ أَحَبُّ أَهْلِهٖ إِلَیْهِ! ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى حَدِیْثِ أَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: وَإِنْ كَانَ كَافِرًا أُتِیَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ، فَلَا یُوْجَدُ شَیْءٌ، وَیُؤْتٰى عَنْ یَّمِیْنِهٖ، فَلَا یُوْجَدُ شَیْءٌ، ثُمَّ یُؤْتٰى عَنْ یَّسَارِهٖ، فَلَا یُوْجَدُ شَیْءٌ، ثُمَّ یُؤْتٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَیْهِ فَلَا یُوْجَدُ شَیْءٌ، فَیُقَالُ لَهٗ: اُقْعُدْ! فَیَقْعُدُ خَائِفًا مَّرْعُوْبًا، فَیُقَالُ لَهٗ: مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ كَانَ فِیْكُمْ؟ وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهٖ عَلَیْهِ؟ فَیَقُوْلُ: أَیُّ رَجُلٍ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: اَلرَّجُلُ الَّذِیْ كَانَ فِیْكُمْ! قَالَ: فَلَا یَهْتَدِیْ لَهٗ۔ قَالَ: فَیَقُوْلُوْنَ: مُحَمَّدًا! فَیَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّاسَ قَالُوْا، فَقُلْتُ كَمَا قَالُوْا! فَیَقُوْلُوْنَ: عَلٰى ذٰلِكَ حُیِّیْتَ، وَعَلٰى ذٰلِكَ مُتَّ، وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَآءَ اللهُ! ثُمَّ یُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ مِّنْ قِبَلِ الْجَنَّةِ فَیُقَالُ لَهٗ: اُنْظُرْ إِلٰى مَنْزِلِكَ

وَإِلٰی مَا أَعَدَّ اللهُ لَکَ لَوْ کُنْتَ أَطَعْتَهٗ! فَیَزْدَادُ حَسْرَةً وَّثُبُوْرًا۔ قَالَ: ثُمَّ یَضِیْقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهٗ۔ قَالَ: وَذَالِکَ قَوْلُهٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی: فَإِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَعْمٰی۔'' (مستدرک حاکم ج:۱ ص:۳۷۹، واللفظ لہٗ۔ ابن حبان ج:۶ ص:۶۵۔ موارد الظمآن ص:۱۹۷، ۱۹۸۔ ابن ماجة ص:۳۱۵۔ ترمذی ج:۱ ص:۱۲۷)

ترجمہ:... ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب لوگ مردے کو دفنا کر واپس لوٹتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، پھر اگر مردہ مؤمن ہو تو نماز اس کے سر کی طرف ہوتی ہے، روزہ دائیں طرف ہوتا ہے، زکوٰۃ بائیں جانب ہوتی ہے، اور دُوسری نفلی عبادتیں مثلاً: صدقہ، نفل نماز، صلہ رحمی، لوگوں کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرنا، اس کی پائینتی کی طرف ہوتے ہیں، اگر کوئی اس کے سر کی طرف آنا چاہے تو نماز کہتی ہے کہ: ادھر راستہ نہیں! اور اگر دائیں جانب سے آنا چاہے تو روزہ کہتا ہے کہ: ادھر سے کوئی راستہ نہیں! اور اگر بائیں جانب سے آنا چاہے تو زکوٰۃ کہتی ہے: ادھر سے کوئی راستہ نہیں! اور پاؤں کی طرف سے آنا چاہے تو نفلی عبادتیں کہتی ہیں کہ: ادھر سے کوئی راستہ نہیں!

پھر فرشتے (منکر ونکیر) اس کو کہتے ہیں کہ: اُٹھ کر بیٹھ! وہ بیٹھ جاتا ہے، تو اس کو ایسا لگتا ہے گویا سورج غروب ہونے کے قریب ہے، فرشتے اس سے کہتے ہیں: تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں تھا؟ اور تو اس کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے؟ مردہ کہتا ہے: ٹھہرو! میں ذرا نماز پڑھ لوں! فرشتے کہتے ہیں کہ: نماز خیر تم پڑھتے رہنا، ہم جو کچھ پوچھتے ہیں، اس کا جواب دے! وہ کہتا ہے: تم مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ کہتے ہیں: یہی جو ہم نے سوال کیا ہے، اس کا جواب دو! وہ کہتا ہے: ذرا ٹھہرو! میں نماز پڑھ لوں! وہ کہتے ہیں: یہ تو خیر تم کرتے رہوگے، ہم تجھ سے جو کچھ پوچھتے ہیں، وہ ہمیں بتاؤ! وہ کہتا ہے: اور تم مجھ سے پوچھتے کیا ہو؟ وہ کہتے ہیں: ہمیں یہ بتا کہ یہ شخص جو تم میں تھا، اس کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اور کیا شہادت دیتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ: تمہاری مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے پاس سے حق اور سچا دین لے کر آئے! پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: تو اسی عقیدے پر جیا، اسی پر مرا، اور اِن شاء اللہ اسی پر اُٹھایا جائے گا! پھر اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول کر بتایا جاتا ہے کہ: دیکھ! اگر تو نافرمان ہوتا تو دوزخ میں تیرا یہ ٹھکانا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے تیری سزا کے لئے یہ سامان تیار کر رکھا تھا! اس سے اس کی مسرت اور شادمانی میں اضافہ ہوجاتا ہے، پھر اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول کر بتایا جاتا ہے کہ: دیکھ! اب جنت میں یہ تیرا گھر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تیری راحت کا یہ سامان تیار کر رکھا ہے! اور حق تعالیٰ شانہ کے مندرجہ ذیل ارشاد کا یہی مطلب ہے:

"یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔" (ابراہیم:۲۷)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمہ طیبہ کی برکت) سے دُنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: سوجاوٴ! جیسے دُلہن سوجاتی ہے کہ اس کی محبوب ترین شخصیت کے سوا کوئی نہیں جگا سکتا۔

اگر مردہ کافر ہو تو اگر اس کے سر کی طرف سے آنا چاہیں تو کوئی روکنے والا نہیں، دائیں طرف سے آنا چاہیں تو وہاں بھی کوئی موجود نہیں، بائیں طرف سے آنا چاہیں تو اِدھر بھی کوئی چیز موجود نہیں، اور اگر پائنتی کی طرف سے آنا چاہیں تو اس جانب بھی کوئی روکنے والی چیز موجود نہیں، چنانچہ فرشتے اس کو کہتے ہیں: بیٹھ جا! وہ خوف زدہ اور مرعوب ہوکر بیٹھ جاتا ہے، فرشتے کہتے ہیں: یہ شخص کون تھا جو تم میں موجود تھا؟ اور تو اس کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے؟ وہ کہتا ہے: کون سا آدمی؟ فرشتے کہتے ہیں کہ: یہی شخص جو تم میں تھا! لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ کس آدمی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ پھر فرشتے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی لے کر) کہتے ہیں کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟) وہ کہتا ہے کہ: میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی وہی بات کی (کہ -نعوذ باللہ- آپ سچے نہیں!)، فرشتے کہتے ہیں کہ: تو اسی عقیدے پر جیا، اسی پر مرا، اور ان شاء اللہ اسی پر اُٹھایا جائے گا! پھر اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول کر اس سے کہا جاتا ہے کہ: دیکھ! اگر تو فرماں بردار ہوتا تو تیری یہ جگہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے تیری راحت کا یہ سامان تیار کر رکھا تھا! پس اس کی حسرت و ہلاکت میں اضافہ ہوجاتا ہے، پھر اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دُوسری میں سے نکل جاتی ہیں۔ اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد کا:

"فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ أَعْمٰی۔" (طٰہٰ:۱۲۴)

ترجمہ:... "اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا، تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا، اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کرکے (قبر سے) اُٹھائیں گے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

۵:... "عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُصَلَّاهُ فَرَأٰی نَاسًا كَأَنَّهُمْ یَكْتَشِرُوْنَ، قَالَ: اَمَا إِنَّكُمْ لَوْ أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرٰی، فَأَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ! فَإِنَّهٗ لَمْ یَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ یَوْمٌ إِلَّا تَكَلَّمَ، فَیَقُوْلُ: أَنَا بَیْتُ الْغُرْبَةِ! أَنَا بَیْتُ الْوَحْدَةِ! وَأَنَا بَیْتُ التُّرَابِ! وَأَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ! فَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: مَرْحَبًا وَّأَهْلًا! أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَهْرِیْ إِلَیَّ، فَإِذَا وُلِّیْتُكَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ إِلَیَّ

فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ! قَالَ: فَیَتَّسِعُ لَهٗ مَدَّ بَصَرِهٖ، یُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ إِلَی الْجَنَّةِ۔ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْکَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ: لَا مَرْحَبًا وَّلَا أَهْلًا! أَمَا إِنْ کُنْتَ لَأَبْغَضُ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَهْرِیْ إِلَیَّ، فَإِذَا وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ إِلَیَّ، فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ! قَالَ: فَیَلْتَئِمُ عَلَیْهِ حَتّٰی یَلْتَقِیَ عَلَیْهِ وَتَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهٗ! قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِأَصَابِعِهٖ فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِیْ جَوْفِ بَعْضٍ۔ قَالَ: وَیُقَیَّضُ لَهٗ سَبْعِیْنَ تِنِّیْنًا، لَوْ أَنَّ وَاحِدًا مِّنْهَا نَفَخَ فِی الْأَرْضِ مَا أَنْبَتَتْ شَیْئًا مَّا بَقِیَتِ الدُّنْیَا، فَیَنْهَشْنَهٗ وَیَخْدَشْنَهٗ حَتّٰی یُفْضٰی بِهٖ إِلَی الْحِسَابِ۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ، أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ! هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔“ (جامع ترمذی ج:۲ ص:۷۲)

ترجمہ:...”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلیٰ پر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں، یہ دیکھ کر فرمایا کہ: سنو! اگر تم لذتوں کو چور چور کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرتے تو وہ تم کو اس حالت سے مشغول کردیتی جو میں دیکھ رہا ہوں، پس لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں گزرتا ہے جس میں یہ بات نہ کہتی ہو کہ میں بے وطنی کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، پھر جب بندۂ مؤمن اس میں دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو خوش آمدید کہنے کے بعد کہتی ہے کہ: میرے پشت پر جتنے لوگ چلتے تھے تو ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، آج جبکہ تو میرے سپرد کیا گیا ہے اور مجھ تک پہنچا ہے تو تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا اچھا برتاؤ کرتی ہوں، چنانچہ وہ اس کے لئے حدِ نظر تک کشادہ ہوجاتی ہے، اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور جب بدکار یا (فرمایا کہ) کافر دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ: تیرا آنا نامبارک ہے، میری پشت پر جتنے لوگ چلتے پھرتے تھے تو ان میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھا، آج جبکہ تو میرے حوالے کیا گیا ہے، اور میرے پاس پہنچا ہے تو دیکھ لے گا کہ میں تجھ سے کیسا برا سلوک کرتی ہوں، پس قبر اس پر مل جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کو اس قدر بھینچ دیتی ہے کہ اِدھر کی ہڈیاں اُدھر نکل جاتی ہیں، (اس کو سمجھانے کے لئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دُوسری میں ڈالیں۔ فرمایا: اور اس پر ستر زہریلے سانپ مسلط کردیئے جاتے ہیں، (یہ سانپ اس قدر زہریلے ہیں کہ) اگر ان میں سے ایک زمین پر پھونک مارے تو رہتی دُنیا تک زمین پر کوئی سبزہ نہ اُگے، پس وہ سانپ اسے ہمیشہ نوچتے اور کاٹتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قبر یا تو

جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا!''

مندرجہ بالا چند احادیث بطورِ نمونہ ذکر کی ہیں، ان میں جو مضامین ذکر فرمائے گئے ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل عنوانات کے تحت پیش کیا جاتا ہے:

میّت کا دفن کرنے والے کے جوتوں کی آہٹ سننا

یہ مضمون درج ذیل احادیث میں آیا ہے:

۱:...حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں:

''قَالَ: اَلْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی وَذَھَبَ أَصْحَابُہٗ حَتّٰی إِنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ۔'' (بخاری ج:۱ ص:۱۷۸،۱۸۳، مسلم ج:۲ ص:۳۸۶، ابوداؤد ج:۲ ص:۶۵۴، نسائی ج:۱ ص:۲۸۸، شرح السنہ ج:۵ ص:۴۱۵، ابن حبان ج:۶ ص:۴۹)

ترجمہ:...''مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔''

۲:...حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''قَالَ: فَیَجْلِسُ۔ قَالَ أَبُوْھُرَیْرَۃَ: فَإِنَّہٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ''(عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۶۷)

ترجمہ:...''اسے بٹھایا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: پھر وہ (دفن کرکے لوٹنے والوں کے) قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔''

۳:...مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں:

''قَالَ: إِنَّ الْمَیِّتَ لَیَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ۔'' (مسند احمد ج:۲ ص:۴۴۵ واللفظ لہٗ، حاکم ج:۱ ص:۳۷۹، ۳۸۰، وقال صحیح علیٰ شرط مسلم، واقرہ الذہبی۔ ابن حبان ج:۶ ص:۴۵-۴۸، موارد الظمآن ص:۱۹۶،۱۹۷، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۳ حدیث:۴۲۶۹، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۱۹)

ترجمہ:...''جب لوگ مردہ کو دفن کرکے واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دُوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''إِنَّ الْمَیِّتَ یَسْمَعُ حِسَّ النِّعَالِ إِذَا وَلَّوْا عَنْہُ مُدْبِرِیْنَ۔'' (شرح السُّنّۃ ج:۵ ص:۴۱۳)

ترجمہ:...''بے شک میّت جوتوں کی آہستہ سی آہٹ کو بھی سنتا ہے، جب لوگ اسے دفن کرکے واپس لوٹتے ہیں۔''

۴:...حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''فَإِنَّهُ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِ أَصْحَابِهِ إِذَا وَلَّوْا عَنْهُ.''

(مصنَّف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۱، احمد ج:۴ ص:۲۹۶، ابوداؤد ج:۲ ص:۲۵۴)

ترجمہ:...''اور بے شک وہ ان کے قدموں کی چاپ سنتا ہے، جب لوگ اسے دفن کرکے واپس لوٹتے ہیں۔''

۵:...حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''إِذَا دُفِنَ الْمَيِّتُ سَمِعَ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا عَنْهُ مُنْصَرِفِيْنَ.'' (رواہ الطبرانی فی الکبیر، ورجالہ ثقات۔ مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۷ حدیث:۴۲۷۷، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۰۰، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۱۶، درمنثور ج:۴ ص:۸۲)

ترجمہ:...''میّت کو جب دفن کرکے لوٹتے ہیں تو وہ (میّت) ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔''

۶:...حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''حَتّٰى يَسْمَعَ صَاحِبُكُمْ خَبْطَ نِعَالِكُمْ.'' (مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۳)

ترجمہ:...''یہاں تک کہ تمہارا ساتھی (میّت) تمہارے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔''

۷:...عبداللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''قَالَ: إِنَّ الْمَيِّتَ يُقْعَدُ وَهُوَ يَسْمَعُ خَطْوَ مُشَيِّعِيْهِ.'' (اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۳۹۷)

ترجمہ:...''میّت کو بٹھایا جاتا ہے اور وہ اپنے رُخصت کرنے والوں کے قدموں کی چاپ کو سنتا ہے۔''

منکر نکیر کا آنا

یہ مضمون متواتر احادیث میں وارِد ہوا ہے کہ جب میّت کو دفن کیا جاتا ہے تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں، ان کے سوال و جواب کو ''فتنۃ القبر'' (قبر میں مردے کا امتحان) فرمایا گیا ہے۔ حافظ سیوطیؒ، شرح الصدور میں اور علامہ زبیدیؒ، شرح احیاء میں لکھتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ ''فتنۂ قبر'' دو فرشتوں کے سوالوں کا نام ہے، اور اس بارے میں مندرجہ ذیل صحابہؓ سے متواتر احادیث مروی ہیں: ابوہریرہ، براء، تمیم داری، عمر بن خطاب، انس، بشیر بن اکال، ثوبان، جابر بن عبداللہ، حذیفہ، عبادہ بن صامت، ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو، ابن مسعود، عثمان بن عفان، عمرو بن عاص، معاذ بن جبل، ابوامامہ، ابوالدرداء، ابورافع، ابوسعید خدری، ابوقتادہ، ابوموسیٰ، اسماء، عائشہ (رضی اللہ عنہم)۔'' (شرح الصدور ص:۴۹، اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۴۱۲)

اس کے بعد ان دونوں حضرات نے ان تمام روایات کی تخریج کی ہے۔ یہاں پہلے ان احادیث کے مأخذ کی طرف اشارہ کرتا ہوں، جن کو ان دونوں حضرات نے ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد مزید احادیث کا اضافہ کروں گا، اور جن مأخذ تک ہماری رسائی نہیں، وہاں شرح الصدور اور شرح احیاء کے حوالہ سے مأخذ ذکر کئے جائیں گے۔

۱:...حدیثِ انس رضی اللہ عنہ پہلے گزر چکی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ.....'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۷۸، ۱۸۳ واللفظ لهٗ، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶، ابوداؤد ج:۲ ص:۶۵۴، نسائی ج:۱ ص:۲۸۸)

ترجمہ:...''اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں.....''

۲:...حدیثِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ، إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ!'' (بخاری ج:۱ ص:۱۸۴ واللفظ لهٗ، ترمذی ج:۱ ص:۱۲۷، نسائی ج:۱ ص:۲۹۲، ابن ماجه ص:۳۱۵)

ترجمہ:...''جب آدمی مرجاتا ہے (تو قبر میں سوال و جواب کے بعد) اس کے سامنے اس کا اصل ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہو تو جنت میں اس کا ٹھکانا اسے پیش کیا جاتا ہے، اور اگر دوزخی ہو تو دوزخ میں اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، پھر اس کو بتایا جاتا ہے کہ: یہ تیرا ٹھکانا ہے!''

اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین میں دیلمی کی مسند الفردوس سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''الظُّوْا أَلْسِنَتَكُمْ قَوْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَإِنَّ اللهَ رَبُّنَا، وَالْإِسْلَامُ دِيْنُنَا، وَمُحَمَّدًا نَبِيُّنَا، فَإِنَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنْهَا فِيْ قُبُوْرِكُمْ'' (اتحاف السادة المتقين ج:۱۰ ص:۴۱۶)

ترجمہ:...''اپنی زبانوں کو کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا عادی بناؤ، اور یہ بات بہ کثرت کہا کرو کہ: ''اللہ تعالیٰ ہمارا ربّ ہے، اسلام ہمارا دین ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں'' کیونکہ تم سے ان اُمور کے بارے میں قبروں میں سوال کیا جاتا ہے۔''

۳:...حدیثِ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

''قَالَ: إِذَا أُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهٖ أُتِيَ .....'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳ واللفظ لهٗ، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶، نسائی ص:۲۹۰، ابوداؤد ج:۲ ص:۶۵۴، ابن ابی شیبه ج:۳ ص:۲۷۷)

ترجمہ:...''فرمایا: جب مؤمن کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، تو اس کے پاس فرشتوں کی آمد ہوتی ہے۔''

۴:...حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''يُقَالُ: مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوْقِنُ، لَا أَدْرِيْ أَيُّهُمَا قَالَتْ

أَسماءُ، فيقُولُ: هُوَ مُحَمَّدٌ هُوَ رَسُوْلُ اللهِ جآءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَأَجَبْنَاهُ وَاتَّبَعْنَاهُ، هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلَاثًا۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸ واللفظ لهٔ، صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۹۸، مؤطا ص:۱۷۶)

ترجمہ:... "میّت سے کہا جاتا ہے کہ: تم اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ تو مؤمن جواب دیتا ہے کہ: حضرت محمد رسول اللہ ہیں ...صلی اللہ علیہ وسلم... جو ہمارے پاس واضح اَحکام اور ہدایت لے کر آئے۔ ہم نے آپ ...صلی اللہ علیہ وسلم... کو قبول کیا اور آپ ...صلی اللہ علیہ وسلم... کی پیروی کی، تین مرتبہ کہتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

۵:...حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پہلے گزر چکی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"إِذَا اُقْبِرَ الْمَيِّتُ، أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ، أَسْوَدَانِ، أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: اَلْمُنْكَرُ، وَالْآخَرُ: اَلنَّكِيْرُ۔" (ترمذی ج:۱ ص:۱۲۷ واللفظ لهٔ، ابن ماجه ص:۳۱۵، مستدرک ج:۱ ص:۳۷۹، ابن حبان ج:۶ ص:۴۵)

ترجمہ:... "جب میّت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے، ایک کو منکر اور دُوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔"

۶:...حدیثِ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

"فَإِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَسُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ سَنًّا، ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِیْ قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جُزُوْرٌ وَّيُقْسَمُ لَحْمُهَا، حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَأَنْظُرَ مَاذَا رَاجِعٌ بِهٖ رُسُلُ رَبِّیْ۔"

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۷۶ واللفظ لهٔ، سنن کبریٰ ج:۴ ص:۵۶)

ترجمہ:... "جب مجھے دفن کرچکو تو مجھ پر مٹی ڈالنا، پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ اُونٹ کو ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے، تاکہ مجھے تمہاری موجودگی سے اُنس ہو، اور میں یہ دیکھوں کہ اپنے ربّ کے فرستادوں کو کیا جواب دیتا ہوں؟"

۷:...حدیثِ عثمان رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

"فَقَالَ: إِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَاسْأَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ!" (ابوداؤد ج:۲ ص:۱۰۳ واللفظ لهٔ، مستدرک حاکم ج:۱ ص:۳۷۰، مشکوٰۃ ص:۲۶، کنزالعمال ج:۷ ص:۵۸، سنن کبریٰ ج:۴ ص:۵۶)

ترجمہ:... "فرمایا: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال و جواب ہو رہا ہے۔"

۸:...حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

’’فَإِذَا اُدْخِلَ الْمُؤْمِنُ قَبْرَهٗ وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهٗ جَآءَهٗ مَلَكٌ شَدِيْدُ الْإِنْتِهَارِ، فَيَقُوْلُ لَهٗ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ ..... الخ۔‘‘ (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۹ حدیث:۴۲۶۴ واللفظ لہٗ، مسند احمد ج:۳ ص:۳۴۶، مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۵، الإحسان بترتیب ابن حبان ج:۶ ص:۴۷)

ترجمہ:... ’’جب مؤمن کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے لوٹتے ہیں، تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے، نہایت جھڑکنے والا، وہ کہتا ہے کہ: تو اس شخص کے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) بارے میں کیا کہتا ہے؟‘‘

۹:... ’’حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں:

’’فَأَمَّا فِتْنَةُ الْقَبْرِ! فَبِيَّ تُفْتَنُوْنَ، وَعَنِّيْ تُسْأَلُوْنَ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ أُجْلِسَ فِيْ قَبْرِهٖ غَيْرَ فَزِعٍ، وَلَا مَشْعُوْفٍ، ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ: فِيْمَ كُنْتَ؟ فَيَقُوْلُ: فِيَّ الْإِسْلَامُ!‘‘

(مسند احمد ج:۶ ص:۱۴۰، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۰ حدیث:۴۲۶۵ واللفظ لہٗ)

ترجمہ:... ’’رہی قبر کی آزمائش! سو تم سے میرے بارے میں امتحان لیا جاتا ہے اور میرے بارے میں تم سے سوال کیا جاتا ہے، پس جب مردہ نیک آدمی ہو تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے، درآں حالیکہ نہ وہ گھبرایا ہوا ہوتا ہے اور نہ حواس باختہ ہوتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: تو کس دین پر تھا؟ وہ کہتا ہے: اسلام پر!‘‘

۱۰:... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’إِذَا اُدْخِلَ الرَّجُلُ قَبْرَهٗ فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ ثَبَّتَهُ اللهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ، فَيُسْأَلُ: مَا أَنْتَ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا عَبْدُاللهِ حَيًّا وَّمَيِّتًا!‘‘ (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۷، اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۴۱۶، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۷ حدیث:۴۲۷۸)

ترجمہ:... ’’جب آدمی کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اگر اہل سعادت میں سے ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قولِ ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں، چنانچہ اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ: تم کون ہو؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ: میں زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ تھا اور مرنے کے بعد بھی!‘‘

۱۱:... حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں۔

۱۲:... حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’وَذَكَرَ مُنْكَرًا وَّنَكِيْرًا يَخْرُجَانِ فِيْ أَفْوَاهِهِمَا وَأَعْيُنِهِمَا النَّارُ .... فَقَالَا: مَنْ رَّبُّكَ؟‘‘ (مصنّف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۹۰، ۵۹۱)

ترجمہ:... ”اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر نکیر کا تذکرہ فرمایا کہ: ان کے منہ سے اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں: تیرا ربّ کون ہے؟“

۱۳:... حدیثِ ابو رافع رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

”فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا! وَلٰكِنِّيْ أَفَّفْتُ مِنْ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ الَّذِيْ سُئِلَ عَنِّيْ فَشَكَّ فِيَّ۔“ (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۶ حدیث:۴۲۷۵ واللفظ لہٗ، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۱، اتحاف ج:۱ ص:۴۱۸)

ترجمہ:... ”پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! (میں نے تم پر اُف نہیں کی) بلکہ اس قبر والے پر اُف کی ہے، جس سے میرے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے میرے بارے میں شک کا اظہار کیا۔“

۱۴:... حدیثِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یہ ہیں:

”إِذَا دُفِنَ الْمَيِّتُ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِيْنَ إِذَا وَلَّوْا عَنْهُ مُنْصَرِفِيْنَ، قَالَ: ثُمَّ يُجْلَسُ فَيُقَالُ لَهٗ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ: اللهُ!“

(مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۶ حدیث:۴۲۷۷، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۱۶)

ترجمہ:... ”میّت کو دفن کرنے والے جب واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی چاپ سنتا ہے، فرمایا: پھر اس کو بٹھلایا جاتا ہے، پس اس سے کہا جاتا ہے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے!“

۱۵:... حدیثِ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

”فَجَآءَكَ مَلَكَانِ أَزْرَقَانِ جَعْدَانِ يُقَالُ لَهُمَا: مُنْكَرٌ وَّنَكِيْرٌ، فَقَالَا: مَنْ رَّبُّكَ؟ وَمَا دِيْنُكَ؟ وَمَنْ نَّبِيُّكَ؟... الخ“ (اتحاف السادة المتقين ج:۱۰ ص:۴۱۷، شرح الصدور ص:۵۵)

ترجمہ:... ”پھر تیرے پاس دو فرشتے آئیں گے، جن کی آنکھیں نیلی اور بال مڑے ہوئے ہوں گے، ان کو منکر و نکیر کہا جاتا ہے، وہ دونوں کہیں گے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟“

۱۶:... حضرت بشیر اکال المعوی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”إِنِّيْ مَرَرْتُ بِقَبْرٍ وَّهُوَ يُسْأَلُ عَنِّيْ فَقَالَ: لَا أَدْرِيْ! فَقُلْتُ: لَا دَرَيْتَ!“ (کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۲، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۵ حدیث:۴۲۷۴، شرح الصدور ص:۵۰)

ترجمہ:... ”بے شک میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تھا، جس سے میرے بارے میں سوال کیا جارہا تھا، اس نے جواب دیا کہ: میں نہیں جانتا! اس پر میں نے کہا کہ: تم نے نہ خود جانا (نہ کسی جاننے والے کی بات مانی!)۔“

۱۷:... حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا مَاتَ أُجْلِسَ فِیْ قَبْرِہٖ فَیُقَالُ لَہٗ: مَنْ رَّبُّکَ؟ فَیَقُوْلُ: اللّٰہُ تَعَالٰی! .....الخ۔‘‘ (اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۴۱۸، شرح الصدور ص:۵۵)

ترجمہ:...’’جب موٴمن مرجاتا ہے تو اسے اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ!‘‘

۱۸:...حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’فَإِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَسُوِّیَ عَلَیْہِ وَتَفَرَّقَ عَنْہُ أَصْحَابُہٗ، أَتَاہُ مُنْکَرٌ وَّنَکِیْرٌ، فَیُجْلِسَانِہٖ فِیْ قَبْرِہٖ۔‘‘ (اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۴۱۷، شرح الصدور ص۵۴)

ترجمہ:...’’جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دفن کرنے والے رُخصت ہوجاتے ہیں، تو اس کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں، پس اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔‘‘

۱۹:...حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’کَیْفَ أَنْتَ فِیْ أَرْبَعِ أَذْرُعٍ فِیْ ذِرَاعَیْنِ، وَرَأَیْتَ مُنْکَرًا وَّنَکِیْرًا؟ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَمَا مُنْکَرٌ وَّنَکِیْرٌ؟ قَالَ: فَتَّانَا الْقَبْرِ!‘‘ (اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۴، شرح الصدور ص:۵۴)

ترجمہ:...’’چار ہاتھ لمبی اور دو ہاتھ چوڑی جگہ (قبر) میں تیری کیا حالت ہوگی جب تم منکر اور نکیر کو دیکھوگے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! منکر اور نکیر کون ہیں؟ فرمایا: قبر میں امتحان لینے والے فرشتے!‘‘

۲۰:...حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’ثُمَّ سَدُّوْا عَلَیْکَ مِنَ اللَّبِنِ وَاَکْثَرُوْا عَلَیْکَ مِنَ التُّرَابِ، فَجَآءَکَ مَلَکَانِ، أَزْرَقَانِ، جَعْدَانِ، یُقَالُ لَھُمَا مُنْکَرٌ وَّنَکِیْرٌ۔‘‘ (کتاب الزھد ابن مبارکؒ، بیھقی، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۸-۳۸۹، اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۷ واللفظ لہٗ، شرح الصدور ص:۵۵)

ترجمہ:...’’تیری اس وقت کیا حالت ہوگی جب تمہیں قبر میں رکھ کر تمہارے اُوپر اینٹیں چن دیں گے اور ڈھیر ساری مٹی ڈال دیں گے؟ پھر تیرے پاس کیری آنکھوں اور ڈراوٴنی شکل کے دو فرشتے آئیں گے، جنھیں منکر ونکیر کہا جاتا ہے۔‘‘

۲۱:...حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’فَإِنَّ مُنْکَرًا وَّنَکِیْرًا فَیَتَأَخَّرُ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا فَیَقُوْلُ: إِنْطَلِقْ بِنَا ..... الخ۔‘‘

(مجمع الزوائد ج:۳ ص:۴۵، کنزالعمال ج:۱۵ ص:۶۰۵، شرح الصدور ص:۴۴، اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۳۶۸ واللفظ لہٗ)

ترجمہ:...'' جب (مردہ سوالوں کے جواب صحیح دے دیتا ہے تو) منکر و نکیر ایک دُوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ: بس اب یہاں سے چلئے!''

۲۲:...حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''إِنَّ الْمَلَکَ لَیَمْشِیْ مَعَهٗ إِلَی الْقَبْرِ، فَإِذَا سُوِّیَ عَلَیْهِ، سَلَکَ فِیْهِ، فَذٰلِکَ حِیْنَ یُخَاطِبُ۔'' (شرح الصدور ص:۴۰، اتحاف السادة ج:۱۰ ص:۴۲۲)

ترجمہ:...'' بے شک فرشتہ جنازہ کے ہمراہ قبر کی طرف جاتا ہے، پس جب میّت کو قبر میں رکھ کر اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو وہ فرشتہ اس کی قبر میں چلا جاتا ہے، اور اس سے مخاطب ہوتا ہے۔''

۲۳:...حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''وَیَبْعَثُ اللهُ إِلَیْهِ مَلَکَیْنِ، أَبْصَارُهُمَا کَالْبَرْقِ الْخَاطِفِ، وَأَصْوَاتُهُمَا کَالرَّعْدِ الْقَاصِفِ ..... الخ۔'' (اتحاف السادة ج:۱۰ ص:۲۶۸)

ترجمہ:...'' (کافر) میّت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے (منکر و نکیر) بھیجتے ہیں، جن کی آنکھیں چندھیا دینے والی بجلی کی طرح چمکتی ہوں گی اور آواز کڑکتی بجلی کی طرح ہوگی۔''

۲۴:...حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث کے علاوہ اس مضمون پر حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل بھی ہے۔

فتنة القبر

قبر میں میّت کے پاس منکر و نکیر کا آنا اور سوال و جواب کرنا، اس کو حدیث شریف میں ''فتنة القبر'' (یعنی قبر میں مردے کا امتحان) فرمایا گیا ہے، مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

۱:...حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''إِنَّهُمْ یُعَذَّبُوْنَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ کُلُّهَا۔ فَمَا رَأَیْتُهٗ بَعْدُ فِیْ صَلٰوةٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳، ج:۲ ص:۹۴۲ واللفظ لهٗ، نسائی ج:۱ ص:۲۹۱)

ترجمہ:...'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگوں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے، جس کو تمام چوپائے سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عذابِ قبر سے پناہ ضرور مانگتے تھے۔''

صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''کَانَ یَدْعُوْ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعْوَاتِ: اَللّٰهُمَّ فَإِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ

وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ۔'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۴۷ واللفظ لهٗ، ترمذی ج:۲ ص:۱۸۷، ابن ماجہ ص:۲۷۲، مسند احمد ج:۶ ص:۵۷، ۲۰۷، مصنف عبدالرزاق ج:۲ ص:۲۰۸، ج:۳ ص:۵۸۹، شرح السنہ ج:۵ ص:۱۵۷)

ترجمہ:...'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے فتنہ اور عذاب سے، اور قبر کے فتنہ سے۔''

مسند حمیدی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''إِنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ'' (مسند حمیدی ص:۹۴، مسند احمد ج:۶ ص:۵۳، ۸۹، ۲۳۸)

ترجمہ:...'' قبروں میں تمہارا امتحان (یعنی تم سے سوال و جواب) ہوتا ہے۔''

۲:...حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔'' (بخاری ج:۲ ص:۹۴۲ واللفظ لهٗ، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۴۷، ترمذی ج:۲ ص:۱۸۷، نسائی ج:۲ ص:۳۱۳، مسند احمد ج:۳ ص:۱۷۹، ۲۰۵، ۲۳۶، ۲۶۴، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۵)

ترجمہ:...'' اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عجز و کسل سے، بزدلی اور انتہائی بڑھاپے سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔''

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''قَالَ: تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَعَذَابِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ! قَالُوْا: وَمَا ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا۔'' (مسند احمد ج:۳ ص:۲۳۳)

ترجمہ:...'' فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو عذاب قبر سے، اور دوزخ کے عذاب سے اور فتنۂ دجال سے! صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فتنۂ قبر کیا چیز ہے؟ فرمایا: قبر میں اس اُمت کا امتحان کیا جاتا ہے۔''

اور ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''فَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ غَفَرْتُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ كُلَّهَا وَاُجِيْرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔''

(مجمع الزوائد ج:۵ ص:۲۹۱)

ترجمہ:...'' پس مرابط اگر مرجائے یا شہید ہوجائے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اسے عذابِ قبر سے بچالیا جاتا ہے۔''

۳:...حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۴ واللفظ لہٗ، نسائی ج:۱ ص:۲۹۰، حاکم ج:۱ ص:۵۳۳، کنزالعمال ج:۲ ص:۱۹۰)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے اور دوزخ کے عذاب سے۔"

ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"إِسْتَعِیْذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ!" (ترمذی ج:۲ ص:۲۰۰)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے!"

سنن ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ مَّاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ أَجْرٰی عَلَیْهِ اَجْرُ عَمَلِهِ الصَّالِحِ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُ، وَأَجْرٰی عَلَیْهِ رِزْقًا، وَأَمِنَ مِنَ الْفَتَّانِ" (ابن ماجہ ص:۱۹۸ واللفظ لہٗ، کنزالعمال ج:۲ ص:۴۱۸)

ترجمہ:... "جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دیتے ہوئے مرجائے، اس کے وہ تمام اعمالِ صالحہ جاری رہتے ہیں جو وہ کیا کرتا تھا، اور اس کا رزق جاری رکھا جاتا ہے، اور وہ قبر میں امتحان لینے والوں سے محفوظ رہتا ہے، اس سے سوال و جواب نہیں ہوتا۔"

۴:... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث (جو پہلے گزرچکی ہے) کے الفاظ یہ ہیں:

"قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا فَذَکَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔"

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳ واللفظ لہٗ، نسائی ج:۱ ص:۲۹۰، مشکوٰۃ ص:۲۶)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اس میں فتنۂ قبر کا ذکر فرمایا۔"

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّهٗ قَدْ اُوْحِیَ إِلَیَّ إِنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ!" (ج:۶ ص:۳۴۵)

ترجمہ:... "مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم سے قبروں میں امتحان ہوتا ہے۔"

۵:... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلٰی أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔" (صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۴۲، ۹۴۳، ج:۲ ص:۹۴۵ واللفظ لہٗ، نسائی ج:۲ ص:۳۱۳، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۶، ج:۱۰ ص:۱۸۸)

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بخل سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں نکمّی عمر کی طرف اُٹھایا جاؤں، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دُنیا کے فتنہ سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے۔''

۶:... حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۴ واللفظ لہٗ، ج:۲ ص:۹۴۲، ابن ابی شیبہ ج:۱۰ ص:۱۹۳، مسند احمد ج:۶ ص:۳۶۵، کنزالعمال ج:۱۵ ص:۷۳۸)

ترجمہ:... ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عذابِ قبر سے پناہ مانگتے ہوئے سنا۔''

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''قَدْ اُوْحِیَ إِلَیَّ أَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ۔'' (ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۵)

ترجمہ:... ''مجھے وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمہارا امتحان ہوتا ہے۔''

کنزالعمال بحوالہ طبرانی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''إِسْتَجِیْرُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ!'' (کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۸)

ترجمہ:... ''عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو!''

۷:... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''فَقَالَ: تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ! فَقَالُوْا: نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ!'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶ واللفظ لہٗ، شرح السنہ ج:۵ ص:۱۶۲، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۳، ج:۱۰ ص:۱۸۵، کنز العمال ج:۲ ص:۲۶۳)

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے! پس صحابہ کرامؓ کہنے لگے: ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں عذابِ قبر سے!''

۸:... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۱۸۷ واللفظ لہٗ، نسائی ج:۱ ص:۲۹۰، ابن ماجہ ص:۲۷۲،۲۷۳، مسند احمد ج:۱ ص:۳۰۵، کنزالعمال ج:۲ ص:۲۶۳)

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے۔''

۹:... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"رِبَاطُ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ صِیَامِ شَھْرٍ وَّقِیَامِہٖ، وَاِنْ مَّاتَ جَرٰی عَلَیْہِ عَمَلُہُ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُہٗ، وَأَجْرٰی عَلَیْہِ رِزْقُہٗ، وَأَمِنَ مِنَ الْفَتَّانِ۔" (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۴۲ واللفظ لہٗ، سنن کبریٰ بیہقی ج:۹ ص:۳۸، کنز العمال ج:۴ ص:۲۹۴، مسند احمد ج:۵ ص:۴۴۰، مشکوٰۃ ص:۳۳۹، درمنثور ج:۴ ص:۳۶۸)

ترجمہ:... "ایک دن رات اسلامی سرحد کا پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے، اور اگر یہ شخص مرجائے تو جو عمل وہ کیا کرتا تھا وہ اس کے لئے برابر جاری رکھا جائے گا، اور اس کا رزق بھی جاری رکھا جائے گا، اور یہ شخص قبر کے امتحان سے مأمون رہے گا۔"

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ أَفْضَلُ، وَرُبَمَا قَالَ: خَیْرٌ مِّنْ صِیَامِ شَھْرٍ وَّقِیَامِہٖ، وَمَنْ مَّاتَ فِیْہِ وُقِیَ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ وَنَمٰی لَہٗ عَمَلُہٗ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔" (ترمذی ج:۱ ص:۲۰۰ واللفظ لہٗ، کنز العمال ج:۴ ص:۳۲۶، ۳۲۷، مجمع الزوائد ج:۵ ص:۲۹۰)

ترجمہ:... "ایک دن اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے، اور جو شخص اس حالت میں مرجائے اسے قبر کے سوال وجواب سے بچایا جائے گا، اور اس کا عمل تا قیامت بڑھتا رہے گا۔"

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ مَّاتَ مُرَابِطًا اُجِیْرَ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ!" (مستدرک حاکم ج:۲ ص:۸۰، ابن ابی شیبہ ج:۵ ص:۳۳۷، اتحاف ج:۱۰ ص:۳۸۱ واللفظ لہٗ)

ترجمہ:... "جو خدا کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے مرے، اسے فتنۂ قبر سے پناہ میں رکھا جائے گا!"

۱۰:... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"کَانَ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْھَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔" (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۵۰ واللفظ لہٗ، نسائی ج:۲ ص:۳۱۴، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۴، ج:۱۰ ص:۱۸۶)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عاجز ہونے سے، کسل مندی سے، بزدلی سے، بخل سے، انتہائی بڑھاپے سے، اور قبر کے عذاب سے۔"

ترمذی کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّہٗ کَانَ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْھَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۹۷)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے انتہائی بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے۔"

۱۱:...حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْکَسَلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۸۸ واللفظ لہٗ، نسائی ج:۲ ص:۳۱۴، مسند احمد ج:۵ ص:۴۲، حاکم ج:۱ ص:۳۵، ۲۵۲۔ قال صحیح علٰی شرط مسلم، واقرہ الذہبی۔ ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۴، کنز العمال ج:۲ ص:۱۸۱)

ترجمہ:..."اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دنیوی افکار سے، کسل مندی سے اور عذابِ قبر سے۔"

۱۲:...حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوْءِ الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔" (نسائی ج:۲ ص:۳۱۶ واللفظ لہٗ، مسند احمد ج:۱ ص:۲۲، ۵۴، ابن ماجہ ص:۲۷۳، مستدرک حاکم ج:۱ ص:۵۳۰، وقال ھذا حدیث صحیح علٰی شرط الصحیحین، واقرہ الذہبی، ابن ابی شیبہ ج:۲ ص:۳۷۴)

ترجمہ:..."نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے بزدلی سے، بخل سے، نکمّی عمر سے، عذابِ قبر سے اور سینے کے فتنے سے۔"

۱۳:...حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لِلشَّھِیْدِ عِنْدَ اللہِ سِتُّ خِصَالٍ: یُغْفَرُ لَہٗ فِیْ أَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَیُرٰی مَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّةِ، وَیُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ..... الخ۔" (ترمذی ج:۱ ص:۱۹۹ واللفظ لہٗ، ابن ماجہ ص:۲۰۱، مسند احمد ج:۴ ص:۱۳۱، مشکوٰۃ ص:۳۳۳، کنز العمال ج:۴ ص:۴۰۵)

ترجمہ:..."شہید کو چھ انعام ملتے ہیں، اول مرتبہ میں اس کی بخشش ہوجاتی ہے، جنت میں اس کو اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اور اسے عذابِ قبر سے بچایا جاتا ہے۔"

۱۴:...حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لَوْ سَأَلْتَ اللہَ أَنْ یُّعَافِیَکَ مِنْ عَذَابٍ فِی النَّارِ وَعَذَابٍ فِی الْقَبْرِ، لَکَانَ خَیْرًا لَکَ۔" (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۳۸ واللفظ لہٗ، جامع الأصول ج:۴ ص:۳۴۸، مسند احمد ج:۱ ص:۴۳۳، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۴، شرح السنہ ج:۵ ص:۱۶۳)

ترجمہ:..."اگر تم اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتے کہ تمہیں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے عافیت میں رکھیں، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔"

ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۷۵)

ترجمہ:... ’’اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے۔‘‘

حاکم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

’’اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ ..... مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔‘‘

(مستدرک حاکم ج:۱ ص:۵۳۴)

ترجمہ:... ’’اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں...... دجال کے فتنہ سے اور عذابِ قبر سے۔‘‘

۱۵:... فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’اَلَّذِیْ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فَإِنَّهٗ یَنْمِیْ لَهٗ عَمَلُهٗ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَیَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔‘‘ (ترمذی ج:۱ ص:۱۹۵ واللفظ لہٗ، ابوداؤد ج:۱ ص:۳۳۸، مشکوٰۃ ص:۲۳۲، مستدرک حاکم ج:۲ ص:۷۹، مسند احمد ج:۶ ص:۲۰، موارد الظمآن ص:۳۹۱، اتحاف ج:۱۰ ص:۳۸۱، درمنثور ج:۲ ص:۱۱۴)

ترجمہ:... ’’جو شخص راہِ خدا میں پہرہ دیتے ہوئے مرجائے، قیامت تک اس کا عمل بڑھتا رہتا ہے، اور وہ قبر کے فتنہ سے مأمون رہتا ہے۔‘‘

۱۶:... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث (جو پہلے گزر چکی ہے) کے الفاظ یہ ہیں:

’’قَالَ: وَیَأْتِیْهِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِهٖ فَیَقُوْلَانِ لَهٗ: مَنْ رَّبُّکَ؟ ..... الخ۔‘‘ (ابوداؤد ج:۲ ص:۲۹۸ واللفظ لہٗ، عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۱، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۴، ۳۷۵، مسند احمد ج:۴ ص:۲۹۶)

ترجمہ:... ’’اور میّت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پس اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ: تیرا ربّ کون ہے؟..... الخ۔‘‘

۱۷:... حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ: اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔‘‘

(ترمذی ج:۲ ص:۱۹۶، نسائی ج:۲ ص:۳۱۶، ۳۱۷، ابن ماجہ ص:۲۷۳)

ترجمہ:... ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، اور فرماتے: اے اللہ! میں آپ سے بزدلی، بخل، ارذلِ عمر، دُنیا کی آزمائش اور عذابِ قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔‘‘

۱۸:... حضرت سلیمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِيْ قَبْرِهِ۔" (ترمذی ج:۱ ص:۱۲۶ واللفظ لهٗ، نسائی ج:۱ ص:۲۸۸، کنز العمال ج:۴ ص:۴۲۴، مسند احمد ج:۴ ص:۲۶۲، ج:۵ ص:۲۹۲، موارد الظمآن ص:۱۸۶)

ترجمہ:... "جو شخص پیٹ کے مرض میں فوت ہوا، اسے عذابِ قبر نہیں ہوگا۔"

۱۹:... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ۔"

(ترمذی ج:۲ ص:۱۹۰، کنز العمال ج:۲ ص:۱۸۱، عن شعب الإیمان بیهقی)

ترجمہ:... "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور سینے کے وسواس سے۔"

۲۰:... حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ ..... وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ۔" (نسائی ج:۲ ص:۳۱۶ واللفظ لهٗ، مسند احمد ج:۲ ص:۱۸۵، ۱۸۶)

ترجمہ:... "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں سستی سے، قبر کے عذاب سے اور آگ کے عذاب سے۔"

۲۱:... حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ: مِنَ الْبُخْلِ، وَالْجُبْنِ، وَسُوْءِ الْعُمُرِ، وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔" (نسائی ج:۲ ص:۳۱۳)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں سے پناہ مانگا کرتے: بخل، بزدلی، بری عمر، سینے کے فتنہ اور عذابِ قبر سے۔"

۲۲:... حضرت راشد بن سعد عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا بَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ يُفْتَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ إِلَّا الشَّهِيْدُ؟"

(نسائی ج:۱ ص:۲۸۹)

ترجمہ:... "یا رسول اللہ! کیا شہید کے علاوہ تمام مؤمنوں کو قبر میں آزمایا جائے گا؟"

۲۳:... حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ ..... وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔" (نسائی ج:۲ ص:۳۱۶)

ترجمہ:... "اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور مرنے کے بعد کے فتنہ سے۔"

۲۴:... حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"أَعُوْذُ بِکَ ..... مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْغِنٰی وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ۔"

(مستدرک حاکم ج:۱ ص:۵۲۴)

ترجمہ:... "اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے، دولت کے فتنے سے اور قبر کی آزمائش سے۔"

۲۵:... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰی فِیْ قُبُوْرِهَا!" (مسند احمد ج:۳ ص:۳۴۶ واللفظ لهٗ، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۶، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۴۸)

ترجمہ:... "بے شک یہ امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے!"

مصنف عبدالرزاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فَأَمَرَ أَصْحَابَهٗ أَنْ یَّتَعَوَّذُوْا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔" (مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۴)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو فرمایا کہ: عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرو۔"

۲۶:... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث (جو گزر چکی ہے) کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰی فِیْ قُبُوْرِهَا!"

(مسند احمد ج:۳ ص:۳ واللفظ لهٗ، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۳)

ترجمہ:... "بے شک یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔"

مجمع الزوائد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ تُوُفِّیَ مُرَابِطًا وُقِیَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ!" (مجمع الزوائد ج:۵ ص:۳۷۶ حدیث:۹۵۰۲)

ترجمہ:... "جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا، وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔"

موارد الظمآن کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"لَوْ لَا أَنْ تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللهَ أَنْ یُّسْمِعَکُمْ عَذَابَ الْقَبْرِ الَّذِیْ أَسْمَعُ مِنْهُ، إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰی فِیْ قُبُوْرِهَا۔" (موارد الظمآن ص:۱۹۹، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۴)

ترجمہ:... "اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں بھی عذابِ قبر سنادے جو میں سنتا ہوں۔"

اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ تُوُفِّیَ مُرَابِطًا وُقِیَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ!" (اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۳۸۲)

ترجمہ:... ”جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا، وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔“

۲۷:... حضرت ام بشر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”إِسْتَعِيْذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ! قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَلِلْقَبْرِ عَذَابٌ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ لَيُعَذَّبُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ۔“ (ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۴، ۳۷۵ واللفظ لهٗ، موارد الظمآن ص:۲۰۰، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۹ حدیث:۴۲۸۹)

ترجمہ:... ”عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگا کرو! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قبر میں عذاب ہوگا؟ فرمایا: ہاں! ان (کفار) کو قبر میں ایسا عذاب دیا جارہا ہے جسے تمام جانور سنتے ہیں۔“

۲۸:... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”وَيُؤْمَنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ۔“ (مسند احمد ج:۴ ص:۱۵۰، مجمع الزوائد ج:۵ ص:۳۷۵ حدیث:۹۴۹۵، اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۳۸۱)

ترجمہ:... ”جو شخص اسلامی سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا، وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔“

۲۹:... حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”اَلَا! إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلَ جِوَارِكَ فَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ۔“

(مسند احمد ج:۳ ص:۴۹۱)

ترجمہ:... ”اے اللہ! فلاں بن فلاں آپ کی امان اور آپ کے جوار میں آیا ہے، اسے قبر کی آزمائش سے بچالیجئے!“

۳۰:... جارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ“ (مسند احمد ج:۵ ص:۲۷۱)

ترجمہ:... ”اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر اور فتنۂ قبر سے۔“

۳۱:... حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ“ (مسند احمد ج:۴ ص:۱۳۱، مجمع الزوائد ج:۵ ص:۲۹۳)

ترجمہ:... ”اور (شہید) عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔“

۳۲:... حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”كَيْفَ بِكَ يَا عُمَرُ! بِفَتَّانَيِ الْقَبْرِ۔“ (مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۲)

ترجمہ:... ''اے عمر! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب قبر میں تیرے پاس منکر ونکیر آئیں گے؟''

۳۳:... حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''فَقَالَ: أَوَ مَا عَلِمْتُم مَا أَصَابَ صَاحِبَ بَنِیٓ إِسْرَآئِیلَ؟ کَانَ الرَّجُلُ مِنْھُمْ إِذَا أَصَابَہُ الشَّیْءُ مِنَ الْبَوْلِ قَرَضَہُ بِالْمِقْرَاضِ فَنَھَاھُمْ عَنْ ذَالِکَ فَعُذِّبَ فِیْ قَبْرِہٖ۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۵،۳۷۶)

ترجمہ:... ''جانتے نہیں ہو کہ بنی اسرائیل کے اس آدمی کے ساتھ کیا ہوا؟ بنی اسرائیل میں سے کسی کو اگر پیشاب لگ جاتا تو اسے مقراض سے کاٹ لیتا، مگر اس شخص نے ان کو اس سے روکا، جس کی وجہ سے اسے عذابِ قبر دیا گیا۔''

۳۴:... حضرت یعلیٰ بن شبابہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''إِنَّ صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ یُعَذَّبُ ......'' (ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۶)

ترجمہ:... ''بے شک اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔''

۳۵:... حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الْعَدُوِّ وَمِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَفِتْنَۃِ الدَّجَّالِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔'' (ابن ابی شیبہ ج:۱۰ ص:۱۹۵)

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں دشمن کے غلبہ سے، قرض کے غلبہ سے، فتنۂ دجال سے اور عذابِ قبر سے۔''

۳۶:... حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے اثر کے الفاظ یہ ہیں:

''فَإِنَّ بِھَا عَذَابًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔'' (ابن ابی شیبہ ج:۵ ص:۳۲۶)

ترجمہ:... ''بے شک وہاں عذابِ قبر کی طرح کا ایک عذاب ہے۔''

۳۷:... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ۔''

(کنز العمال ج:۲ ص:۲۱۰)

ترجمہ:... ''(اے اللہ!) میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور آگ کے عذاب سے۔''

۳۸:... حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''حَادَثُ عَنْ رَجُلٍ یُّضْرَبُ فِیْ قَبْرِہٖ مِنْ أَجَلِ النَّمِیْمَۃِ۔'' (کنز العمال ج:۱۵ ص:۷۳۹)

ترجمہ:...'' (میری خچر اس لئے) بدکی ہے کہ ایک شخص کو قبر میں چغل خوری کرنے کی وجہ سے مارا جارہا ہے۔''

۳۹:...حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مولاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''یَا مَیْمُوْنَۃَ! تَعَوَّذِیْ بِاللہِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔'' (کنز العمال ج:۱۵ ص:۷۳۸)

ترجمہ:...'' اے میمونہ! اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو عذابِ قبر سے۔''

۴۰:...حضرت ابوالحجاج ثمالی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''یَقُوْلُ الْقَبْرُ لِلْمَیِّتِ ..... أَلَمْ تَعْلَمْ أَنِّیْ بَیْتُ الظُّلْمَۃِ وَبَیْتُ الْفِتْنَۃِ ..... الخ۔''

(کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۴ واللفظ لہ، حلیۃ الأولیاء ج:۶ ص:۹۰، اتحاف ج:۶ ص:۳۰۱)

ترجمہ:...'' قبر میّت سے کہتی ہے کہ: کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں اندھیرے اور آزمائش کا گھر ہوں؟''

۴۱:...حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''مَنْ رَّابَطَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ آمَنَہُ اللہُ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ۔''

(مجمع الزوائد ج:۵ ص:۳۶۷ حدیث:۹۵۰۱ واللفظ لہ، کنز العمال ج:۴ ص:۲۸۲)

ترجمہ:...'' جس شخص نے اسلامی سرحد پر پہرہ دیا، اسے اللہ تعالیٰ فتنۂ قبر سے محفوظ فرماویں گے۔''

۴۲:...حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''رِبَاطُ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ یَّعْدِلُ صِیَامَ شَہْرٍ وَقِیَامَہٗ ..... وَیُوْقَی الْفُتَّانِ۔''

(کنز العمال ج:۴ ص:۳۲۷ واللفظ لہ، مجمع الزوائد ج:۵ ص:۳۷۷ حدیث:۹۵۰۳)

ترجمہ:...'' ایک دن اللہ کے راستے میں پہرہ دینا ایک مہینے کے قیام وصیام سے افضل ہے.....اور جو شخص اس حال میں مرجائے اسے قبر کے سوال وجواب سے بچالیا جائے گا۔''

۴۳:...حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''مَنْ مَّاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ..... وَأَمِنَ مِنَ الْفُتَّانِ وَیَبْعَثُہُ اللہُ تَعَالٰی آمِنًا مِّنَ الْفَزَعِ الْأَکْبَرِ۔'' (اتحاف ج:۱۰ ص:۳۸۲)

ترجمہ:...'' جو شخص اللہ کے راستہ میں پہرہ دے.....اللہ تعالیٰ اسے منکر ونکیر کے سوال وجواب سے محفوظ رکھے گا، اور قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے بھی وہ مأمون رہے گا۔''

۴۴:...حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''إِذَا وُضِعَ الْمَیِّتُ فِیْ قَبْرِہٖ إِحْتَوَشَتْہُ أَعْمَالُہُ الصَّالِحَۃُ وَجَآءَ مَلَکُ الْعَذَابِ، فَیَقُوْلُ لَہٗ بَعْضُ أَعْمَالِہٖ: إِلَیْکَ عَنْہُ، فَلَوْ لَمْ یَکُنْ إِلَّا أَنَا لَمَا وَصَلْتَ إِلَیْہِ'' (حلیۃ الأولیاء ج:۶ ص:۱۸۹)

ترجمہ:... ”جب میّت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمالِ صالحہ اسے گھیر لیتے ہیں، اور جب فرشتہ عذاب آنے لگتا ہے تو اس کے اعمالِ صالحہ میں سے ایک عمل کہتا ہے: اس سے دور رہئے! اگر میں اکیلا ہی ہوتا تب بھی آپ اس کے قریب نہیں آسکتے تھے۔“

۴۵:... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِأَبِیْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ ..... وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِیْهِ۔“ (صحیح مسلم، جامع الاُصول ج:۱۱ ص:۸۴، ابوداؤد ج:۲ ص:۴۴۵، مسند احمد ج:۶ ص:۲۹۷، بیہقی سنن کبریٰ ج:۳ ص:۳۸۴، شرح السنہ ج:۵ ص:۳۰۰، اتحاف ج:۵ ص:۱۰۳)

ترجمہ:... ”اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور اس کے درجات بلند فرما، اے اللہ! اس کی قبر کو کشادہ فرما اور اس کو منور فرما۔“

۴۶:... حضرت عوف بن مالک کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ ..... وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔“ (صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۱۱ واللفظ لہٗ، نسائی ج:۱ ص:۲۸۱، مسند احمد ج:۶ ص:۲۳، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۲۹۱، ج:۱۰ ص:۴۰۹)

ترجمہ:... ”اے اللہ! اس کی مغفرت فرما اور اسے عذابِ قبر سے نجات عطا فرما۔“

منکر و نکیر میّت کو قبر میں بٹھاتے ہیں

احادیثِ شریفہ میں جہاں میّت کے پاس منکر و نکیر کے آنے اور سوال و جواب کرنے کا ذکر آتا ہے، وہاں یہ مضمون بھی متواتر احادیث میں وارد ہے کہ نکیرین میّت کو بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں، اور وہ سوال و جواب کے لئے قبر میں اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث کا حوالہ دینا کافی ہوگا:

۱:... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

”أَتَاهُ مَلَکَانِ فَأَقْعَدَاهُ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۷۸، ۱۸۴، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶، نسائی ج:۱ ص:۲۸۸، ابن حبان ج:۶ ص:۴۹، شرح السنہ ج:۵ ص:۴۱۵، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۴، مشکوٰۃ ص:۲۴)

ترجمہ:... ”قبر میں میّت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں۔“

۲:... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

”إِذَا اُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِیْ قَبْرِهٖ.....“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳ واللفظ لہٗ، ابوداؤد ج:۲ ص:۶۵۴، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۵۰، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۸۱، مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ:... ”مؤمن کو جب قبر میں بٹھایا جاتا ہے.....“

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ ....." (مسند احمد ج:۴ ص:۲۸۷، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۲۷)

ترجمہ:... "پس اس میّت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھلاتے ہیں۔"

۳:... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّ الْمَيِّتَ يَصِيرُ إِلَى الْقَبرِ فَيُجلَسُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فِيْ قَبْرِهٖ غَيْرَ فَزِعٍ وَّلَا مَشْغُوْفٍ -إِلٰى قوله- وَيُجلَسُ الرَّجُلُ السُّوْءُ فِيْ قَبْرِهٖ فَزِعًا مَشْغُوْفًا۔" (ابن ماجه ص:۳۱۵ واللفظ لهٗ، ابن حبان ج:۶ ص:۴۵، موارد الظمآن ص:۱۹۸، كنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۰، شرح الصدور ص:۵۸، مشكوٰة ص:۲۵)

ترجمہ:... "بلاشبہ میّت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو نیک صالح آدمی کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے، اس وقت نہ وہ گھبرایا ہوا ہوتا ہے اور نہ پریشان..... اور برے آدمی کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، اس وقت وہ نہایت گھبرایا ہوا، پریشان ہوتا ہے۔"

مستدرک حاکم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فَيُقَالُ لَهٗ: اُقْعُدْ! فَيَقْعُدُ وَتَمَثَّلَ لَهُ الشَّمْسُ۔" (ج:۱ ص:۳۷۹)

ترجمہ:... "میّت کو کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جا، پس وہ (اُٹھ کر) بیٹھ جاتا ہے، اور اسے سورج (غروب ہوتا ہوا) نظر آتا ہے۔"

مجمع الزوائد میں بروایت طبرانی ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فَيُقَالُ لَهٗ: إِجْلِسْ! فَيَجْلِسُ، وَقَدْ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ۔"

(مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۳ حديث: ۴۲۶۹ رواه الطبرانی فی الأوسط واسناده حسن)

ترجمہ:... "پس اسے (میّت سے) کہا جاتا ہے کہ: اُٹھ کر بیٹھ جا! پس وہ بیٹھ جاتا ہے، اور اسے سورج غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔"

۴:... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"فَإِذَا الْإِنْسَانُ دُفِنَ فَتَفَرَّقَ عَنْهُ أَصْحَابُهٗ، جَآءَهٗ مَلَكٌ فِيْ يَدِهٖ مِطْرَاقٌ فَأَقْعَدَهٗ ..... الخ۔" (مسند احمد ج:۳ ص:۳ واللفظ لهٗ، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۴۷، كنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۷، اتحاف السادة المتقين ج:۱۰ ص:۴۱۷، شرح الصدور ص:۵۵۔ وقال بسند صحيح)

ترجمہ:... "پس جب کسی انسان کو دفن کرکے اس کے دفن کرنے والے وہاں سے منتشر ہوجاتے ہیں، تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے، پس وہ اس کو بٹھلاتا ہے....."

۵:...حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

”قَالَ: فَيُنَادِيهِ: إِجْلِسْ! قَالَ: فَيُجْلَسُ فَيَقُوْلُ لَهٗ ..... الخ۔“ (مسند احمد ج:۶ ص:۳۵۲ واللفظ لہٗ، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۳ حدیث:۴۲۶۸، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۵، اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۴۱۸)

ترجمہ:...”فرمایا: قبر میں میّت کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ اسے آواز دیتا ہے اور اسے بٹھلا دیتا ہے اور اسے کہتا ہے.....“

کنز العمال میں ایک دُوسری روایت میں حضرت اسماء کی حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

”إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُقْعَدُ فِيْ قَبْرِهٖ۔“ (کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۶ بحوالہ طبرانی)

ترجمہ:...”بلاشبہ مؤمن کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے۔“

۶:...حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ أُجْلِسَ فِيْ قَبْرِهٖ غَيْرَ فَزِعٍ وَّلَا مَشْعُوْفٍ ..... الخ۔“

(مسند احمد ج:۶ ص:۱۴۰ واللفظ لہٗ، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۰ حدیث:۴۲۶۵، اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۸، شرح الصدور ص:۵۹)

ترجمہ:...”جب میّت نیک صالح ہو تو اس کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور اس وقت اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔“

۷:...حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

”أَمَّا الْمُنَافِقُ! فَيُقْعَدُ إِذَا تَوَلّٰى عَنْهُ أَهْلُهٗ .....“ (مسند احمد ج:۳ ص:۳۴۶ واللفظ لہٗ، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۶، اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۶، طبرانی وبیہقی عذاب القبر وابن ابی الدنیا شرح الصدور ص:۵۰)

ترجمہ:...”رہا منافق! تو جب اس کے دفن کرنے والے چلے جاتے ہیں تو اس کو (قبر میں) بٹھلایا جاتا ہے۔“

ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”إِذَا دُخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتِ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا، فَيُجْلَسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ.....“

(ابن ماجۃ ص:۳۱۶)

ترجمہ:...”جب میّت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اسے سورج غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، پھر اسے بٹھلایا جاتا ہے اور وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔“

۸:...حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

’’إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا مَاتَ جُلِسَ فِیْ قَبْرِہٖ فَیُقَالُ: مَنْ رَّبُّکَ؟‘‘ (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۳۷ حدیث:۴۲۷۸، وقال: رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن، اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۶، شرح الصدور ص:۵۳)

ترجمہ:...’’مؤمن جب مرجاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ: تیرا ربّ کون ہے؟‘‘

۹:...حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث میں ہے:

’’ثُمَّ جَآءَکَ مَلَکَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ جَعْدَانِ أَسْمَاءُھُمَا مُنْکَرٌ وَّنَکِیْرٌ فَأَجْلَسَاکَ ثُمَّ سَأَلَاکَ ......‘‘ (ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۹)

ترجمہ:...’’پھر تیرے پاس سیاہ رنگ، کیری آنکھوں، ڈراؤنی شکل والے دو فرشتے آئیں گے، جن کے نام منکر اور نکیر ہیں، پھر وہ تمہیں بٹھائیں گے اور تم سے سوال کریں گے۔‘‘

۱۰:...حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’إِنَّ الْمَیِّتَ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ حِیْنَ یُوَلُّوْنَ۔ قَالَ: ثُمَّ یُجْلَسُ فَیُقَالُ لَہٗ ..... الخ۔‘‘

(اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۶، طبرانی اوسط حسن، شرح الصدور ص:۵۲)

ترجمہ:...’’بلاشبہ میّت دفن کرکے واپس جانے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، فرمایا: پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے.....‘‘

۱۱:...حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا مَاتَ أُجْلِسَ فِیْ قَبْرِہٖ .....‘‘ (اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۸ واللفظ لہٗ، مجمع الزوائد ج:۷ ص:۹۱ حدیث:۱۱۱۰۰، ابن ابی حاتم، طبرانی فی الاوسط، ابن مندہ، شرح الصدور ص:۵۵، ۵۶)

ترجمہ:...’’بلاشبہ جب کوئی مؤمن مرجاتا ہے تو اسے قبر میں بٹھایا جاتا ہے۔‘‘

۱۲:...حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’أَتَاہُ مُنْکَرٌ وَّنَکِیْرٌ، فَیُجْلِسَانِہٖ فِیْ قَبْرِہٖ .....‘‘

(اتحاف السادۃ ج:۱۰ ص:۴۱۷، شرح الصدور ص:۵۴)

ترجمہ:...’’میّت کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں، اور اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔‘‘

میّت کا، جنازہ اُٹھانے والوں کے کندھوں پر بولنا

جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے، اور اس کی میّت اُٹھاکر قبرستان لے جائی جارہی ہو، میّت اگر نیک صالح ہو تو کہتی ہے کہ: مجھے میرے ٹھکانے پر جلدی لے جاؤ، اور اگر وہ بدکار ہو تو کہتی ہے کہ: ہائے افسوس! مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰی أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ کَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُوْنِیْ! قَدِّمُوْنِیْ! وَإِنْ کَانَتْ غَیْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ: یَا وَیْلَهَا! أَیْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا؟ یَسْمَعُ صَوْتَهَا کُلُّ شَیْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانُ، وَلَوْ سَمِعَهَا الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۴، مسند احمد ج:۳ ص:۴۱، ۵۸، ۸۵، نسائی ج:۱ ص:۲۷۰، سنن کبریٰ بیہقی ج:۴ ص:۲۱، شرح السنہ ج:۵ ص:۳۲۵، کنز العمال ج:۱۵ ص:۵۹۹ حدیث:۴۲۳۷۴)

ترجمہ:... ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب جنازہ رکھا جاتا ہے، پس لوگ اس کو اپنے کندھوں پر اُٹھالیتے ہیں، تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ: مجھے جلدی لے جاؤ! مجھے جلدی لے جاؤ! اور اگر نیک نہیں ہوتا تو کہتا ہے کہ: ہائے میری ہلاکت! تم اس جنازہ کو کہاں لے جارہے ہو؟ اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے، اور اگر اس کو انسان سن لیتا تو بے ہوش ہوجاتا۔“

”عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ مِهْرَانَ أَنَّ أَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: إِذَا وُضِعَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ عَلٰی سَرِیْرِهٖ قَالَ: قَدِّمُوْنِیْ! قَدِّمُوْنِیْ! وَإِذَا وُضِعَ الرَّجُلُ یَعْنِی السُّوْءَ عَلٰی سَرِیْرِهٖ قَالَ: یَا وَیْلَتٰی! أَیْنَ تَذْهَبُوْنَ بِیْ؟“

(نسائی ج:۱ ص:۲۷۰ واللفظ لہٗ، سنن کبریٰ بیہقی ج:۴ ص:۲۱)

ترجمہ:... ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: جب نیک آدمی کی میّت کو جنازہ کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ: مجھے (جلدی) آگے لے چلو! (جلدی) آگے لے چلو! اور جب کسی بدکار آدمی کی میّت کو جنازہ کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ: اے میری ہلاکت! مجھے کہاں لے جارہے ہو؟“

قبر کا بھینچنا

میّت کو جب دفن کیا جاتا ہے، اس کے پاس منکر ونکیر آتے ہیں اور سوال وجواب کرتے ہیں، پھر مردے کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔

بعض اوقات قبر مردے کو بھینچتی ہے، اس کو "ضغطة القبر" فرمایا گیا ہے، مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

حدیثِ ابن عمرؓ:... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ هٰذَا الَّذِیْ تَحَرَّکَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُوْنَ أَلْفًا مِّنَ الْمَلَائِکَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ۔" (نسائی ج:۱ ص:۲۸۹ واللفظ لهٗ، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۲۲، ابن ابی شیبه ج:۳ ص:۳۷۷، کنز العمال ج:۱۱ ص:۶۸۶، شرح الصدور ص:۴۵، المعتصر من المختصر ج:۱ ص:۱۱۵)

ترجمہ:... "فرمایا: یہ وہ تھے جن کی موت پر عرش بھی ہل گیا تھا، اور اس (کی روح) کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے تھے، اور اس کے جنازہ میں ستر ہزار ملائکہ نازل ہوئے تھے، مگر اسے بھی قبر نے بھینچا مگر بعد میں وسیع ہوگئی۔"

حدیثِ عائشہؓ:... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"إِنَّ لِلْقَبْرِ ضُغْطَةً وَّلَوْ کَانَ أَحَدٌ نَاجِیًا مِّنْهَا نَجَا مِنْهَا سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ۔" (المعتصر من المختصر ج:۱ ص:۱۱۵، الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج:۶ ص:۴۵، مسند احمد ج:۶ ص:۵۵، ۹۸ واللفظ لهٗ، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۷ حدیث:۴۲۵۶، رجالها رجال الصحیح، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۹، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۲۲، البدایة والنهایة ج:۴ ص:۱۲۸، شرح الصدور ص:۴۵)

ترجمہ:... "بلاشبہ قبر کے لئے بھینچنا ہے، اگر اس سے کسی کو نجات ہوتی تو (حضرت) سعد بن معاذؓ ضرور اس سے بچ جاتے۔"

حدیثِ جابرؓ:... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ: لَقَدْ تَضَایَقَ عَلٰی هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰی فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ۔"

(مسند احمد ج:۳ ص:۳۶۰، ۳۷۷ واللفظ لهٗ، مشکوٰة ص:۲۶، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۲، ۶۴۳، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۶، ۱۲۷ حدیث:۴۲۵۴، شرح الصدور ص:۴۵، البدایه والنهایه ج:۴ ص:۱۲۸)

ترجمہ:... "فرمایا: بلاشبہ اس نیک اور صالح آدمی پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی۔"

حدیثِ ابوہریرہؓ:... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"وَیُضَیَّقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَلْتَقِیَ أَضْلَاعُهٗ۔" (مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۶۸ واللفظ لهٗ، موارد الظمآن ص:۱۹۸، ابن حبان ج:۶ ص:۴۶، ۴۸، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۰۴)

ترجمہ:... ”اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دُوسرے میں گھس جاتی ہیں۔“

حدیثِ ابوسعیدؓ:... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”قَالَ: یُضَیَّقُ عَلَیْہِ قَبْرُہٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُہٗ۔“

(مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۸۴ واللفظ لہٗ، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۴۷)

ترجمہ:... ”فرمایا: اس پر قبر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دُوسرے میں گھس جاتی ہیں۔“

حدیثِ ابن عمروؓ:... حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”ثُمَّ یُؤْمَرُ بِہٖ فِیْ قَبْرِہٖ، فَیُضَیَّقُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُہٗ۔“

(مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۶۷، مجمع الزوائد ج:۲ ص:۳۲۸)

ترجمہ:... ”پھر حکم کیا جاتا ہے اس کے بارے میں اس کی قبر میں، پس قبر تنگ ہوجاتی ہے اس پر، یہاں تک کہ پسلیاں ایک دُوسرے میں نکل جاتی ہیں۔“

حدیثِ حذیفہؓ:... حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ: کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَۃٍ فَلَمَّا انْتَھَیْنَا إِلَی الْقَبْرِ قَعَدَ عَلٰی شَفَتِہٖ فَجَعَلَ یَرُدُّ بَصَرَہٗ فِیْہِ ثُمَّ قَالَ: یُضْغَطُ فِیْہِ الْمُؤْمِنُ ضُغْطَۃً تَزُوْلُ مِنْھَا حَمَائِلُہٗ، وَیُمْلَأُ عَلَی الْکَافِرِ نَارًا۔“ (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۶ حدیث:۴۲۵۴، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۲۲، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۳، شرح الصدور ص:۴۵)

ترجمہ:... ”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم ایک جنازے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پس جب ہم قبر تک پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کنارے بیٹھ گئے اور اس میں نظرِ مبارک پھرانے لگے، پھر فرمایا کہ: اس میں مؤمن کو ایسا بھینچا جاتا ہے کہ اس سے اس کے کندھے اور سینہ ہل جاتے ہیں، اور کافر کی قبر آگ سے بھر جاتی ہے۔“

حدیثِ ابن عباسؓ:... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”وَعَنِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ دُفِنَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ وَّھُوَ قَاعِدٌ عَلٰی قَبْرِہٖ، قَالَ: لَوْ نَجَا أَحَدٌ مِّنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ أَوْ مَسْئَلَۃِ الْقَبْرِ لَنَجَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، وَلَقَدْ ضُمَّ ضَمَّۃً ثُمَّ أُرْخِیَ عَنْہُ۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجالہ موثقون۔“ (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۷ حدیث:۴۲۵۷، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۰، شرح الصدور ص:۴۵)

ترجمہ:... ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس دن سعد

بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا، ان کی قبر کے کنارہ پر بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص قبر کی آزمائش سے یا فرمایا قبر کے سوال سے نجات پاتا، تو البتہ سعد بن معاذ نجات پاتے، البتہ تحقیق ایک دفعہ تو ان کو بھی بھینچا گیا، پھر ان سے کشائش کردی گئی۔“

حدیثِ انسؓ:... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: تُوُفِّيَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجْنَا مَعَهُ فَرَأَيْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُهْتَمًّا شَدِيْدَ الْحُزْنِ، فَجَعَلْنَا لَا نُكَلِّمُهُ حَتّٰى إِنْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ، فَإِذَا هُوَ لَمْ يَفْرُغْ مِنْ لَحْدِهٖ، فَقَعَدَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهٗ، فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ هَنِيْعَةً، وَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ فَرَغَ مِنَ الْقَبْرِ، فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ فَرَأَيْتُهٗ يَزْدَادُ حُزْنُهٗ، ثُمَّ إِنَّهٗ فَرَغَ فَخَرَجَ، فَرَأَيْتُهٗ سُرِّيَ عَنْهُ وَتَبَسَّمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! رَأَيْنَاكَ مُهْتَمًّا حَزِيْنًا، فَلَمْ نَسْتَطِعْ أَنْ نُّكَلِّمَكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ سُرِّيَ عَنْكَ، فَلِمَ ذَالِكَ؟ قَالَ: كُنْتُ أُذْكُرُ ضِيْقَ الْقَبْرِ وَغَمَّهٗ وَضُعْفَ زَيْنَبَ، فَكَانَ ذَالِكَ يَشُقُّ عَلَيَّ، فَدَعَوْتُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْهَا فَفَعَلَ، وَلَقَدْ ضَغَطَهَا ضُغْطَةً سَمِعَهَا مَنْ بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ۔“ (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۴۷، ۴۸ حدیث:۴۲۵۸، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۴۲، اتحاف السادۃ المتقین ج:۱۰ ص:۴۲۲، ۴۲۳، شرح الصدور ص:۴۵)

ترجمہ:...”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہیں، پس ہم آپ سے بات نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ قبر پر پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابھی ان کی لحد سے فراغت نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، وہ تھوڑی دیر دل میں کچھ سوچتے رہے اور آپ آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر قبر سے فراغت ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں بہ نفسِ نفیس اُترے، پس میں نے دیکھا کہ آپ کا غم بڑھ رہا ہے، پھر آپ فارغ ہوگئے، پس باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ: آپ کی وہ کیفیت زائل ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا، پس ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ شدید غمگین اور فکرمند ہیں، اس لئے ہم آپ سے بات نہیں کرسکے، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ کی وہ کیفیت زائل ہوگئی، فرمایا: اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قبر کی تنگی اور غم کو اور زینب کے ضعف کو یاد کرتا تھا، پس یہ چیز مجھ پر شاق گزرتی تھی، پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے تخفیف فرمادیں، پس اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا، قبر نے اس کو ایسا بھینچا تھا کہ مشرق و مغرب کے لوگ اس کو سنتے۔“

حدیثِ ابن مسعودؓ:... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ عَبْدِاللهِ (بْنِ مَسْعُوْدٍ) قَالَ: إِذَا اُدْخِلَ الرَّجُلُ قَبْرَهُ فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ ثَبَّتَهُ اللهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فَيُسْأَلُ: مَا أَنْتَ؟ فَيَقُوْلُ: أَنَا عَبْدُاللهِ حَيًّا وَّمَيِّتًا وَّأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. قَالَ: فَيُقَالُ: كَذَالِكَ كُنْتَ! قَالَ: فَيُوَسَّعُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ مَا شَآءَ اللهُ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ... الخ" (ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۷۷، اتحاف ج:۱۰ ص:۴۱۷)

ترجمہ:... "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آدمی کو اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اگر وہ اہلِ سعادت میں سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قولِ ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں، پس اس سے پوچھا جاتا ہے کہ: تو کون ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ فرمایا: پس اس کو کہا جاتا ہے کہ: تو ایسا ہی تھا! پس اس پر اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے، جتنی کہ اللہ کو منظور ہے، اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے..... الخ۔"

حدیثِ براء بن عازبؓ:... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"فَيُنَادِىْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ، اَنْ كَذَبَ عَبْدِىْ، فَأَفْرِشُوْا لَهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، فَيَأْتِيْهِ حَرُّهَا وَسَمُوْمُهَا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ."

(کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۲۹، ۶۴۳، ابن ابی شیبہ ج:۳ ص:۳۸۲)

ترجمہ:... "(دوزخی کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:) پس آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ: میرا بندہ جھوٹ بولتا ہے! پس اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور اس کے لئے آگ کی طرف دروازہ کھول دو، پس اس شخص کو آگ کی تپش اور لو پہنچتی ہے، اور قبر اس پر تنگ ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں۔"

حدیثِ معاذؓ:... حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اَلضُّمَّةُ فِى الْقَبْرِ كَفَّارَةٌ لِّكُلِّ مُؤْمِنٍ لِكُلِّ ذَنْبٍ بَقِىَ عَلَيْهِ وَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ."

(کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۳۹، ۶۴۲)

ترجمہ:... "قبر میں بھینچنا ہر مؤمن کے لئے کفارہ ہے، ہر اس گناہ کے لئے جو اس پر باقی ہو اور اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو۔"

حدیثِ عبید بن عمیرؓ:... عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

’’ثُمَّ يُسْلَبُ كَفَنُهُ فَيُبَدَّلَ ثِيَابًا مِّنْ نَّارٍ، وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهُ۔‘‘

(مصنف عبدالرزاق ج:۳ ص:۵۹۱)

ترجمہ:... ’’پھر اس کا کفن چھین لیا جاتا ہے، اور اس کے بجائے آگ کے کپڑے بدل دیئے جاتے ہیں، اور قبر اس پر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس میں اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں۔‘‘

حدیثِ صفیہ بنت ابی عبیدؓ:... حضرت صفیہ بن ابوعبید رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

’’وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ: أَتَيْنَا صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِىْ عُبَيْدٍ فَحَدَّثَتْنَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنْ كُنْتُ لَأَرٰى لَوْ أَنَّ أَحَدًا أُعْفِىَ مِنْ ضُغْطَةِ الْقَبْرِ لَعُفِىَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، وَلَقَدْ ضُمَّ ضُمَّةً۔‘‘

(مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۸ حدیث:۴۲۶۱)

ترجمہ:... ’’حضرت نافع فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت صفیہ بنت ابی عبیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، (یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اہلیہ تھیں) تو انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میرا خیال یہ تھا کہ اگر کسی کو قبر کے بھینچنے سے معافی مل جائے گی تو سعد بن معاذؓ کو ضرور معافی ملے گی، اور البتہ تحقیق ایک دفعہ تو ان کو بھی بھینچا گیا۔‘‘

حدیثِ ابوایوبؓ:... حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

’’وَعَنْ أَبِىْ أَيُّوْبَ أَنَّ صَبِيًّا دُفِنَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أُفْلِتَ أَحَدٌ مِّنْ ضُمَّةِ الْقَبْرِ لَأُفْلِتَ هٰذَا الصَّبِىُّ۔ رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله رجال الصحيح۔‘‘

(مجمع الزوائد ج:۳ ص:۱۲۸ حدیث:۴۲۵۹، کنز العمال ج:۱۵ ص:۱۴۰)

ترجمہ:... ’’حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک بچہ دفن کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر کوئی قبر کے بھینچنے سے محفوظ رہتا تو یہ بچہ ضرور محفوظ رہتا۔‘‘

احادیثِ واقعۂ قلیبِ بدر

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی رُوح کا اس کے بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، جس سے اس کو ثواب و عذاب کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کے ستر سردار مارے گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان سب کو گڑھے میں ڈال دیا جائے، جب سب کو گڑھے میں ڈال دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے پر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے اہل قلیب! کیا تم نے وہ چیز پالی جس کا تم سے ہمارے ربّ نے وعدہ کیا تھا؟ کیونکہ میں نے تو وہ چیز پالی جس کا میرے ربّ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا! حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ ایسے جسموں سے کلام کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ان کو جو کچھ کہہ رہا ہوں، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے...! مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

”ھَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا؟“

حدیثِ عائشہؓ:... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: أَمَرَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْقَتْلٰی أَنْ یُّطْرَحُوْا فِی الْقَلِیْبِ، فَطُرِحُوْا فِیْہِ، إِلَّا مَا کَانَ مِنْ اُمَیَّۃَ بْنِ خَلَفٍ، فَإِنَّہٗ إِنْتَفَخَ فِیْ دِرْعِہٖ فَمَلَأَھَا فَذَھَبُوْا یُحَرِّکُوْہُ فَتَزَایَلَ فَأَقَرُّوْہُ وَاَلْقَوْا عَلَیْہِ مَا غَیَّبَہٗ مِنَ التُّرَابِ وَالْحِجَارَۃِ، فَلَمَّا اَلْقَاھُمْ فِی الْقَلِیْبِ وَقَفَ عَلَیْھِمْ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا أَھْلَ الْقَلِیْبِ! ھَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا؟ فَإِنِّیْ قَدْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا!“ (مسند احمد ج:۶ ص:۲۷۶ واللفظ لہٗ، ج:۲ ص:۳۸، صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳، صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۰۳، البدایہ والنہایہ ج:۳ ص:۲۹۳)

ترجمہ:...”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولین کے بارے میں حکم فرمایا کہ ان کو ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے، چنانچہ ان کو ڈال دیا گیا، مگر یہ کہ امیہ بن خلف اپنی زرہ میں پھول گیا تھا، پس اس نے اس کو بھر دیا تھا، اس کو حرکت دینے لگے تو وہ اور زیادہ بڑھتا جاتا، پس اس کو ویسے ہی رکھا اور اس پر کوئی ایسی چیز ڈال دی جو اس کو چھپادے، یعنی مٹی اور پتھر، پس جب صحابہؓ نے ان کو اس قلیب (گڑھے) میں ڈالا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کھڑے ہوئے، پس ارشاد فرمایا کہ: اے اہلِ قلیب! کیا تم نے وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے ربّ نے وعدہ کیا تھا؟ کیونکہ میں نے تو وہ چیز پالی جس کا مجھ سے میرے ربّ نے وعدہ کیا تھا!.....الخ۔“

حدیثِ انسؓ:... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: کُنَّا مَعَ عُمَرَ بَیْنَ مَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃِ أَخَذَ یُحَدِّثُنَا عَنْ أَھْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیُرِیْنَا مَصَارِعَھُمْ بِالْأَمْسِ، قَالَ: ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ إِنْ شَآءَ اللہُ غَدًا، قَالَ عُمَرُ: وَالَّذِیْ بَعَثَہٗ بِالْحَقِّ! مَا أَخْطَؤُا تِیْکَ فَجُعِلُوْا فِیْ بِیْرٍ، فَأَتَاھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَادٰی: یَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ! یَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ! ھَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا؟ فَإِنِّیْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِیَ اللہُ حَقًّا! فَقَالَ عُمَرُ: تُکَلِّمُ أَجْسَادًا لَا أَرْوَاحَ فِیْھَا؟ فَقَالَ: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْھُمْ!“ (نسائی ج:۱ ص:۲۹۳ واللفظ لہٗ، ابن ابی شیبہ ج:۱۴ ص:۳۷۹، مسلم ج:۱ ص:۳۰۳، ج:۲ ص:۳۸۷، مسند احمد ج:۳ ص:۱۰۴، ۱۴۵، ۲۶۳، ۲۸۷، اتحاف ج:۵ ص:۲۳، دلائل النبوۃ ج:۳ ص:۴۸، درمنثور ج:۵ ص:۱۵۷)

ترجمہ:... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھے، تو آپؓ ہم سے اہلِ بدر کے بارے میں بیان کرنے لگے، پس فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت ہمیں ان کی قتل گاہیں دِکھا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ: یہ اِن شاء اللہ کل فلاں آدمی کی قتل گاہ ہوگی! حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! وہ لوگ ان جگہوں سے اِدھر اُدھر نہیں ہوئے، پس ان کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، پس پکار کر فرمایا: اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تم نے پالیا ہے جو تمہارے ربّ نے وعدہ کیا تھا حق؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا، وہ تو میں نے حق پایا! حضرت عمرؓ نے کہا: آپ ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روحیں نہیں؟ پس ارشاد فرمایا: میں ان کو جو کچھ کہہ رہا ہوں، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے!''

حدیثِ عبداللہ بن عمرؓ:... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهٗ، قَالَ: إِطَّلَعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی أَهْلِ الْقَلِیْبِ، فَقَالَ: هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا؟ فَقِیْلَ لَهٗ: تَدْعُوْا أَمْوَاتًا؟ قَالَ: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ، وَلٰکِنْ لَا یُجِیْبُوْنَ!'' (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳ واللفظ لہٗ، صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۰۳، نسائی ج:۱ ص:۲۹۳، مسند احمد ج:۱ ص:۳۸، ۱۳۱، ابن ابی شیبہ ج:۱۴ ص:۳۷۷، البدایہ والنہایہ ج:۳ ص:۲۹۳)

ترجمہ:... ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گڑھے کی طرف جھانکا جس میں بدر کے کافر مقتول ڈال دیئے گئے تھے، پس فرمایا: کیا تم نے پایا اس چیز کو جس کا تم سے تمہارے ربّ نے وعدہ کیا تھا سچ؟ پس عرض کیا گیا کہ: کیا آپ بے جان مردوں کو پکارتے ہیں؟ فرمایا: تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن وہ جواب نہیں دیتے!''

حدیثِ ابن عباسؓ:... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''اخرج ابو سهل السری ابن سهل الجند نیسابوری الخامس من حدیثه من طریق عبدالقدوس عن ابی صالح عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا فِیْ قَوْلِهٖ: ''إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی''، ''وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ'' قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقِفُ عَلَى الْقَتْلٰی یَوْمَ بَدْرٍ وَّیَقُوْلُ: هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا؟'' (درمنثور ج:۵ ص:۲۴۹)

ترجمہ:... ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' اور ''وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ'' (بے شک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو) اور (آپ نہیں سنانے والے ان لوگوں کو

جو قبروں میں ہیں) کی تفسیر میں منقول ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے مقتولین پر بدر کے دن اور یوں فرماتے تھے کہ: جو وعدہ تم سے تمہارے ربّ نے کیا تھا، وہ تم نے سچ پایا یا نہیں؟..... الخ۔"

حدیثِ ابوطلحہؓ:... حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ أَبِیْ طَلْحَةَ أَنَّ نَبِیَّ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ یَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِیْنَ رَجُلًا مِّنْ صَنَادِیْدِ قُرَیْشٍ، فَقُذِفُوْا فِیْ طُوًی مِّنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِیْثٍ مُّخَبَّثٍ، وَّکَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلٰی قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَیَالٍ، فَلَمَّا کَانَ بِبَدْرٍ الْیَوْمَ الثَّالِثَ أَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ، فَشُدَّ عَلَیْهَا رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰی وَاتَّبَعَهٗ أَصْحَابُهٗ، وَقَالُوْا: مَا نَرٰی یَنْطَلِقُ إِلَّا لِبَعْضِ حَاجَتِهٖ، حَتّٰی قَامَ عَلٰی شَفَةِ الرَّکِیِّ، فَجَعَلَ یُنَادِیْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَاءِهِمْ: یَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ! وَیَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ! أَیَسُرُّکُمْ أَنَّکُمْ أَطَعْتُمُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ؟ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا! فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا؟ قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا تُکَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا؟ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ۔"

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۵۶۶ واللفظ لہ، مسند احمد ج:۴ ص:۲۹)

ترجمہ:... "حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس آدمیوں کے بارے میں جو قریش کے رئیس تھے، حکم فرمایا کہ ان کو بدر کے گندے اور خبیث گڑھے میں ڈال دیا جائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر غالب آتے تھے تو اس میدان میں تین دن ٹھہرتے تھے، جب تیسرا دن ہوا تو اپنی سواری کے بارے میں حکم فرمایا، پس اس کا کجاوہ کسا گیا، پھر تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے، اور ہم نہیں جانتے تھے مگر یہ کہ آپ کسی کام کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، یہاں تک کہ کھڑے ہوئے اس گڑھے کے کنارہ پر، پس ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنے لگے کہ: اے فلاں بن فلاں! اور اے فلاں بن فلاں! کیا تم کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اللہ کے رسول کی بات مان لی ہوتی؟ کیونکہ ہم نے تو جو ہم سے ہمارے ربّ نے وعدہ کیا تھا، اس کو سچ پایا! پس کیا تم نے پالیا ہے جو تمہارے ربّ نے (تم سے) وعدہ کیا تھا حق؟ راوی کہتے ہیں کہ: پس حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے گفتگو فرماتے ہیں جن میں رُوح نہیں؟ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ محمد کی جان اس کے قبضہ میں ہے! تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے!"

حدیثِ موسیٰ بن عقبہؒ:... حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"وَأَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٰی قُرَیْشٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ، فَأُلْقُوْا فِیْ قَلِیْبِ بَدْرٍ وَّلَعَنُهُمْ وَهُوَ قَائِمٌ یُسَمِّیْهِمْ بِأَسْمَاءِهِمْ غَیْرَ أَنَّ أُمَیَّةَ بْنَ خَلَفٍ کَانَ رَجُلًا مُسَمَّنًا

فَانْتَفَخَ فِیْ یَوْمِهٖ فَلَمَّا أَرَادُوْا أَنْ یُّلْقُوْهُ فِی الْقَلِیْبِ تَفَقَّأَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: دَعُوْهُ! وَهُوَ یَلْعَنُهُمْ، هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟'' (دلائل النبوۃ ج:۳ ص:۱۱۷)

ترجمہ:... ''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولینِ قریش کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کو بدر کے گڑھے میں ڈال دیا گیا، اور ان پر لعنت فرمائی، اور آپ کھڑے تھے ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے رہے تھے، سوائے امیہ بن خلف کے کہ وہ موٹا تازہ آدمی تھا، پس اسی دن پھول گیا، پس جب لوگوں نے اس کو گڑھے میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو پھٹ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو! اور آپ ان پر لعنت فرما رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ: جو وعدہ تم سے تمہارے ربّ نے کیا تھا، تم نے اس کو سچ پایا یا نہیں؟''

''لَا تؤذوا صاحب القبر''

قبر مٹی کا ڈھیر نہیں، بلکہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ قبر والے کو نہ صرف یہ کہ قبر کے ثواب و عذاب کا احساس ہوتا ہے، بلکہ قبر پر چڑھنے سے بھی اس کو ایذا ہوتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان جانے کے آداب بیان فرمائے ہیں، مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ذکر ہے:

''عَنْ زِیَادِ بْنِ نُعَیْمٍ أَنَّ إِبْنَ حَزْمٍ أَبَا عَمَّارَةَ أَوْ أَبَا عَمْرٍو قَالَ: رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مُتَّكِئٌ عَلٰی قَبْرٍ، فَقَالَ: قُمْ! لَا تُؤْذِ صَاحِبَ الْقَبْرِ أَوْ یُؤْذِیْكَ۔''

(البغوی، کنز العمال ج:۱۵ ص:۷۵۹ حدیث:۴۲۹۸۸)

ترجمہ:... ''حضرت ابوعمارہؓ یا ابوعمروؓ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُٹھ جاؤ! قبر والے کو ایذا نہ دو، یا فرمایا کہ: قبر سے ٹیک نہ لگاؤ کہ یہ تیرے لئے عذاب کا سبب ہوگا!''

''عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ: رَأَی النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مُتَّكِئٌ عَلٰی قَبْرٍ، قَالَ: لَا تُؤْذِ صَاحِبَ الْقَبْرِ!'' (ابن عساکر، مسند احمد، کنز العمال ج:۱۵ ص:۷۶۰ حدیث:۴۲۹۹۰)

ترجمہ:... ''عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں قبر کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر والے کو ایذا نہ پہنچاؤ!''

''عَنْ عَمَّارَةَ بْنِ حَزْمٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَاٰنِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا عَلٰی قَبْرٍ، قَالَ: أَنْزِلْ عَنِ الْقَبْرِ! لَا تُؤْذِ صَاحِبَ الْقَبْرِ وَلَا یُؤْذِیْكَ!'' (طبرانی، مستدرک، عمارۃ بن حزم ج:۳ ص:۵۹۰، شرح معانی الآثار ج:۱ ص:۳۴۶، کنز العمال ج:۱۵ ص:۶۵۷ حدیث:۴۲۶۰۵، ترغیب ج:۴ ص:۳۷۴، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۶۱)

ترجمہ:... ''حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

مجھے قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: قبر والے کو ایذا نہ دے! قبر سے اُتر جا! تاکہ تیرا یہ عمل تیرے لئے عذابِ آخرت کا سبب نہ بنے۔“

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ:

الف:...عذاب وثواب قبر برحق ہے۔

ب:...عذاب وثواب کا تعلق اسی گڑھے سے ہے، جس کو عرفِ عام میں قبر کہا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں صراحت فرمائی گئی ہے کہ: ”اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔“ (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)۔

ج:...اور یہ بھی ثابت ہوا کہ عذاب وثوابِ قبر کی احادیث متواتر ہیں اور ان کا انکار ایک مسلمان کے لئے (جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو) ممکن نہیں۔

د:...چونکہ برزخ کے معاملات عام لوگوں کے احساس ومشاہدہ سے ماورا ہیں، اس لئے عذاب وثوابِ قبر کا انکار محض اپنے احساس ومشاہدہ کی بنا پر قطعاً غلط ہے، اس لئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ومشاہدات پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اور وہ بقدرِ ضرورت اُوپر آچکے ہیں، جو ایک مؤمن کے لئے کافی وشافی ہیں۔

چہارم:...اب تک ہم نے عام اموات کے بارے میں گفتگو کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ان کا ثواب وعذاب متواتر ہے، جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور اس کے منکر کے حق میں اندیشۂ کفر ہے۔

اب ہم اس پر گفتگو کریں گے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سید الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر شریفہ میں حیات ہونا اور حیات کے تمام لوازم کے ساتھ متصف ہونا برحق اور قطعی ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، چنانچہ مذکورہ بالا تقریباً ایک سو پچاس احادیث سے حضرات انبیائے کرام کی حیات (جو عام اموات، شہداء اور صدیقین سے افضل ہیں) دلالت النص سے بطریقِ اَولیٰ ثابت ہوتی ہے، چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ اپنے رفیق خاص حضرت مولانا سیّد احمد رضا بجنوریؒ کے نام لکھے گئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

۱:...شہداء کے لئے بنصِ قرآن ”حیات“ حاصل ہے اور مزید دفع تجویز کے لئے ”یرزقون“ کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جیسے آج کل محاورہ بھی ہے: ”فلان حی یرزق“ عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

۲:...جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ واکمل ہوگی۔

۳:...اس حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں...... ”اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ“ اور حدیث: ”اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِىْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ“ اور اس کے علاوہ بھی روایات

ہیں.......اوران احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیح موجود ہیں، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیہ رُجح۔

۴:...رُوح کے تعلقات اجساد سے پانچ قسم کے ہیں: ۱:...فی حالۃ الجنین، ۲:...بعد الولادۃ فی الدنیا اور اس کی دو صورتیں ہیں، ۳:...حالتِ نوم میں اور حالتِ یقظہ میں، ۴:...بعد الموت فی البرزخ، ۵:...بعد البعث فی الحشر۔ ضعیف ترین اول ورابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے، ''کَمَا حَقَّقَهُ الْمُتَكَلِّمُوْنَ وَابْنُ الْقَيِّمِ فِیْ كِتَابِ الرُّوْحِ وَالْقَارِیْ فِیْ شَرْحِ الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ''۔

۵:...انبیائے کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے (اِنَّ عَیْنَایَ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ) اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، ''اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ''، اور عام موتیٰ میں تحقیق موت سے، انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا اور پھر علوِ مرتبہ جتنا ہوتا ہے، اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

۶:...مفارقۃ الروح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا۔

۷:...اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو تروح کی کیفیت حاصل ہو، جیسے معراج میں جسد پر رُوح کی کیفیت طاری ہوئی، تجسد ارواح اور تروح اجساد دونوں کی نظیریں عالم شہادت میں ہیں تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جبکہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔

۸:...دنیا میں صوفیاء کرام کے یہاں ابدانِ مثالیہ کا تعدد وقت واحد میں، متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں، انبیائے کرام کی نقل وحرکت بالا جساد المتر وحہ اس کی نظیر ہوگی۔

۹:...الغرض انبیائے کرام کے لئے حیات، بقائے اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

۱۰:...یہ حیات، دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے، دُنیا میں ہمیشہ جسد کو رُوح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی اور برزخ میں ہوتی ہے، اب اگر اس کو حیاتِ دنیوی سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہرحال وہ حیاتِ دنیوی بھی ہے اور حیاتِ برزخی بھی، صرف حیاتِ برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں، بلکہ اقویٰ واکمل ہے، اس لئے حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے، بلکہ اس سے بھی اقویٰ ہے۔

اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے، اس دُنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے، اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

۱۱:...اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے اور پھر عدمِ نکاح بالازواج المطہرات اور عدمِ توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے، بہرحال حکمِ شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے، اور

یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرہ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے، اور اس علت کی تنقیح، اصول تنقیح المناط اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔'' (بینات شعبان ۱۳۸۸ھ)

خیر القرون سے لے کر چودہ صدیوں تک اس مسئلے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف وافتراق نہیں تھا بلکہ تمام اکابرین امت نے اپنی اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے انداز میں اس مسئلے کو واضح فرمایا، یہاں تک کہ اکابر اسلاف میں سے بعض حضرات نے اس موضوع پر مستقل رسائل تصنیف فرمائے اور ثابت کیا کہ حیاتِ انبیاء کا مسئلہ بالکل واضح، بے غبار اور امت کا اجماعی عقیدہ رہا ہے، اور جس طرح حضرات شہداء کرام کی حیات قرآن کریم سے ثابت ہے، اسی طرح حضرات انبیائے کرام کی حیات بھی بطور دلالت النص قرآن کریم سے ثابت ہے، لیکن ناس ہو خود رائی وخود روی اور اسلاف بیزاری کا کہ اس نے تحقیق کے نام پر جہالت، اور سنت کے نام پر بدعت کو رواج دیا، جس کی وجہ سے نام نہاد محققین نے جہاں دُوسرے بعض اجماعی مسائل سے انحراف کیا وہاں اس عقیدہ کا بھی انکار کردیا، چنانچہ محدث العصر حضرت بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''انبیائے کرام علیہم الصلوات والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف اور متفقہ مسئلہ تھا، شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیائے کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی، اور احادیث نبویہ سے عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت تھی، لیکن برا ہو اختلاف اور فتنوں کا کہ ایک مسلّمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہوگئی، کتنی ہی تاریخی بدیہیات کو کج بحثوں نے نظری بنالیا اور کتنے ہی حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کرکے رکھ دیا، یہ دُنیا ہے اور دُنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ یہاں ہر دور میں کج فہم، کجرو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں، زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے، ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی؟ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بتایا گیا؟ اور کہا گیا کہ یہ واقعہ ہے ہی نہیں؟ اور کیا امام حسینؓ کو باغی اور واجب القتل اور یزید (بن معاویہؓ) کو امیر المؤمنین اور خلیفۂ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتبِ رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھ لینا بس کافی ہے کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے؟ اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کسی کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ تمام کے تمام ائمہ مجروح ہوکر دین کا سرمایہ ختم ہی ہوجائے گا۔

الغرض حیاتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کی کج بحثوں میں اُلجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا، عصمت تو انبیائے کرام کا خاصہ ہے، علماء معصوم تو ہیں نہیں، کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی و کلامی بحثیں پیدا کردیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوجائے گا، گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیاتِ انبیاء سے انکار کرتے ہی یہ مفاسد ختم ہوسکتے ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جاکر بیٹھ گئے، بہرحال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، خلفشار کو ختم کرنے کے لئے اربابِ فکر وخلوص نے چند حضرات کے نام

تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے، ختم کرنے کی کوشش کریں، راقم الحروف کا نام بھی انہیں میں شامل تھا، تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب مؤثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کا جواب بھی دیا جائے، اور مسئلے کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ بھی کیا جائے، باتفاق رائے اس کام کی انجام دہی کے لئے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہوگئے، جن کے دماغ میں بحث و تمحیص کی صلاحیت بھی ہے اور قلم میں پختگی بھی، علوم دینیہ اور حدیث و رجال سے اچھی اور قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے، مختلف مکان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی، الحمدللہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کرکے تمام گوشوں کو خوب واضح کردیا اور تحقیق کا حق ادا کردیا ہے، میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف (تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور) اس مسئلے میں جامع ترین تصنیف ہے، اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلے پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع، واضح، عالمانہ بلکہ محققانہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول سے نوازے اور اس قسم کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔" (تسکین الصدور ص:۲۲ تا ۲۴)

اس تمہید کے بعد اب ہم بالترتیب قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے حوالہ سے حیاتِ النبی پر چند گزارشات پیش کریں گے، سب سے پہلے ملاحظہ ہو حیاتِ الانبیاء قرآن کریم کی روشنی میں:

حیاۃ الانبیاء قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت اشارتاً، دلالتاً اور اقتضاءً ملتا ہے، ان سب کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی، اس لئے اختصار کے پیش نظر چند آیتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱:... "وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِھَۃً یُّعْبَدُوْنَ۔" (الزخرف:۴۵)

ترجمہ:... "اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا دُوسرے معبود ٹھہرادیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟"

اس آیت کے ذیل میں صاحب زاد المسیر لکھتے ہیں:

"انہ لما اسری بہ جمع لہ الأنبیاء فصلی بھم، ثم قال لہ جبریل: سل من ارسلنا قبلک، الآیۃ، فقال: لَا اسأل، قد اکتفیت، رواہ عطاء عن ابن عباس، وھذا قول سعید بن جبیر والزھری وابن زید، قالوا: جمع لہ الرسل لیلۃ اسری بہ، فلقیھم، وامر ان یسألھم، فما شک ولَا سأل۔" (زاد المسیر فی علم التفسیر ج:۷ ص:۳۱۹)

ترجمہ:... ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر پہنچایا گیا تو آپ کے لئے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا، آپ نے نماز میں ان سب کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبرئیلؑ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: ”آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے..... الخ۔“ پس آپ نے فرمایا: ”مجھے سوال کی ضرورت نہیں، میں نے اس پر اکتفا کیا (جو مجھے بتلایا گیا)..... حضرت سعید بن جبیر، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ کے لئے تمام انبیائے کرام کو جمع کیا گیا، اس موقع پر آپ کی ان سے ملاقات ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ ان سے پوچھئے، پس آپ کو نہ تو شک تھا اور نہ آپ نے پوچھا۔“

تفسیر کبیر میں ہے:

”قال عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: لما اسری بہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المسجد الأقصٰی بعث اللہ لہ آدم وجمیع المرسلین من ولدہ، فأذن جبریل ثم اقام، فقال: یا محمد! تقدم، فصل بھم، فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصلاۃ، قال لہ جبریل علیہ السلام: واسأل یا محمد! من ارسلنا من قبلک من رسلنا، الآیۃ، فقال صلی اللہ علیہ وسلم: لَا اسأل لأنی لست شاکاً فیہ۔“ (تفسیر کبیر ج:۲۷ ص:۲۱۶)

ترجمہ:... ”حضرت عطاء حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر لے جایا گیا، اور جب آپ مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام جو ان کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا، پس حضرت جبرئیلؑ نے اذان اور اقامت کہی اور عرض کیا: اے محمد! آگے بڑھیئے اور ان کو نماز پڑھایئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا: اے محمد! اور پوچھئے ان سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان سے کچھ نہیں پوچھتا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔“

تفسیر قرطبی میں اس کی مزید تفصیلات یوں بیان کی گئی ہیں:

”لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المسجد الحرام الی المسجد الأقصیٰ - وھو مسجد بیت المقدس - بعث اللہ لہ آدم ومن وُلد من المرسلین، وجبریل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فأذن جبریل علیہ السلام ثم اقام الصلاۃ، ثم قال: یا محمد! تقدم! فصل بھم، فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ جبریل علیہ السلام: ”سل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن آلھۃ یعبدون۔“ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”لَا اسأل قد اکتفیت۔“ قال ابن عباس: وکانوا سبعین نبیًّا منھم إبراھیم وموسٰی وعیسٰی علیھم السلام، فلم یسألھم، لأنہ کان أعلم باللہ منھم، فی

غير رواية ابن عباس: فصلوا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم سبعة صفوف، المرسلون ثلاثة صفوف والنبيون أربعة، وكان يلي ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم إبراهيم خليل الله، وعلٰى يمينه إسماعيل وعلٰى يساره إسحاق، ثم موسٰى، ثم سائر المرسلين فأمهم ركعتين، فلما انفتل، قام، فقال: ”ان ربی أوحى إلیَّ أن أسألكم هل أرسل أحد منكم يدعو إلى عبادة غير الله؟“ فقالوا: يا محمد! انا نشهد انا أرسلنا أجمعين بدعوة واحدة أن لَا إلٰه إلّا الله وأن ما يعبدون من دونه باطل، وانک خاتم النبيين وسيد المرسلين، قد استبان ذالک لنا بإمامتک إيانا، وأن لَا نبیّ بعدک إلٰى يوم القيامة إلّا عيسَى بن مريم فإنه مأمور أن يتبع أثرک۔“

ترجمہ:... ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک معراج پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور جو ان کی اولاد میں سے انبیاء تھے، سب کو اکٹھا فرمایا، جبرئیل علیہ السلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پس جبرئیل نے اذان و اقامت کہی اور عرض کیا: اے محمد! آگے بڑھیئے اور ان کو نماز پڑھایئے، جب آپ فارغ ہوئے تو جبرئیلؑ نے عرض کیا: آپ سوال کیجئے ان رسولوں سے جو آپ سے پہلے بھیجے گئے تھے کہ کیا ہم نے اللہ کے علاوہ کوئی معبود بنائے تھے کہ جن کی پوجا کی جاتی تھی؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سوال کی ضرورت نہیں کہ میں نے اس پر کفایت کی (جو مجھے بتایا گیا)۔

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہاں ستر نبی تھے، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے، پس آپ نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا، اس لئے کہ آپ ان سب سے زیادہ اللہ کی جانب سے علم رکھتے تھے، ابنِ عباسؓ کی روایت کے علاوہ دُوسری روایت میں ہے کہ: پس آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی سات صفیں تھیں، جن میں سے تین صفیں رسولوں کی اور چار انبیاء کی تھیں، آپ کے پیچھے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام، دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بائیں جانب حضرت اسحٰق علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام، پھر عیسیٰ علیہ السلام اور پھر تمام انبیاء تھے، آپ نے ان کو دو رکعتیں نماز پڑھائی، جب آپ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا: بے شک میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ کیا تم میں سے کوئی ایک ایسا رسول بھیجا گیا تھا جو لوگوں کو غیراللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہو؟ ان سب نے کہا: اے محمد! بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم بھیجے گئے ایک (اللہ) کی طرف دعوت دینے کے لئے اور یہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ تعالیٰ کے، اور یہ کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہے، اور بے شک آپ خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں۔ اور یہ بات اس سے واضح ہوگئی ہے کہ آپ نے ہماری امامت فرمائی ہے، اور یہ کہ آپ کے علاوہ قیامت تک کوئی دُوسرا نبی نہیں آئے گا، سوائے عیسیٰ بن

مریمؑ کے کہ بے شک وہ اس پر مامور ہے کہ وہ آپ کی اتباع کرے۔“

اسی طرح اس آیت سے حیات الانبیاء پر استدلال کرتے ہوئے خاتمۃ المحدثین علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ:

”یستدل به علیٰ حیاة الأنبیاء“ (مشکلات القرآن ص:۲۳۴، درمنثور ج:۶ ص:۱۶، رُوح المعانی ج:۲ ص:۲۵، جمل ج:۴ ص:۸۸، شیخ زادہ ج:۳ ص:۲۹۸، خفاجی ج:۴ ص:۴۴)

۲:...”وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ۔“ (الٓمٓ سجدہ:۲۳)

ترجمہ:...”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجئے۔“

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں:

”معراج کی رات ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔“ (موضح القرآن)

اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں، لہٰذا اس آیت میں اقتضاء النص سے حیات النبی کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت واستدلال میں عبارت النص کے مثل ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”واراد بذالک لقائه صلی الله علیه تعالیٰ وسلم ایاه لیلة الإسراء کما ذکر فی الصحیحین وغیرهما، وروی نحو ذالک عن قتادة وجماعة من السلف،....... وکان المراد من قوله تعالیٰ: ”فلا تکن فی مریة من لقائه“ علیٰ هذا وعده تعالیٰ نبیه علیه الصلاة والسلام بلقاء موسیٰ وتکون الآیة نازلة قبل الإسراء۔“ (روح المعانی ج:۲۱ ص:۱۳۸)

ترجمہ:...”اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے۔ اور اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت قتادہؓ اور سلف کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے..... اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد:”سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجئے“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ فرمایا، اس اعتبار سے یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

تفسیر زادالمسیر میں ہے:

”والثانی من لقاء موسیٰ لیلة الإسراء قاله ابو العالیه ومجاهد وقتادة وابن السائب۔“ (زاد المسیر ج:۶ ص:۳۴۳)

ترجمہ:...”دُوسری بات یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی۔“

تفسیر بحرمحیط میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''ای: من لقائک موسٰی ای: فی لیلة الْإسراء، ای: شاھدته حقیقةً وھو النبی الذی اوتی التوراة وقد وصفه الرسول، فقال: طوال جَعْدٍ کانه من رجال شنوٴة حین راٰہ لیلة الْإسراء.....'' (بحر محیط ج:۷ ص:۲۰۵)

ترجمہ:... ''یعنی آپ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کیجئے، یعنی آپ نے واقعتاً ان کو دیکھا ہے، اور وہ وہی نبی تھے جن کو تورات دی گئی تھی اور تحقیق آپ نے ان کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا: وہ لمبے قد کے گھنگریالے بالوں والے تھے، جیسے قبیلہ شنوٴہ کے آدمی ہوتے ہیں.....''

۳:... ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔'' (البقرہ:۱۵۴)

ترجمہ:... ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں، ان کی نسبت یوں نہ کہو کہ وہ مردے ہیں، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کرسکتے۔''

۴:... ''بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ، فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ'' (آل عمران:۱۶۹)

ترجمہ:... ''بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے، وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔''

ان دونوں آیتوں کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانه یقویه من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القرآن، والأنبیاء افضل من الشھداء۔'' (فتح الباری ج:۶ ص:۳۷۹)

یعنی جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہوچکی کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہوجاتی ہے کہ انبیائے کرامؑ زندہ ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو شہداء سے ہر حال میں افضل ہیں، اس لئے اس آیت سے ان کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

غور فرمائیے کہ حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے بدلالة النص بلکہ بدرجہ اولویت حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

۵:... ''فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْأَرْضِ تَأْکُلُ مِنْسَأَتَهٗ، فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ.....'' (سبأ:۱۴)

ترجمہ:... ''پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کردیا تو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی۔''

اس آیت سے بھی بطریق دلالۃ النص حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھالیا تو جسم عنصری کا کھانا اس سے کہیں سہل اور آسان تھا، مگر اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا، بلکہ محفوظ ہونا حیات کی صریح دلیل ہے۔

اسی طرح اس آیت میں ذکر شدہ ''خرورِ سلیمان'' سے بھی حضرات انبیاء کی حیات مبارکہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے زمین پر آجانے کو ''خــرّ'' کے لفظ کے ساتھ تعبیر فرمایا، مگر اس کو سقط سے تعبیر نہیں فرمایا، کیونکہ ''خــرّ'' کا لفظ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں جہاں کہیں بھی مذکور ہے، وہ زندہ انسان کے جھک جانے یا گر جانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، مثلاً:

الف:... ''وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا۔'' (یوسف:۱۰۰)

ترجمہ:... ''سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔''

ب:... ''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔'' (الأعراف:۱۴۳)

ترجمہ:... ''پس ان کے رَبّ نے جو اس پر تجلی فرمائی، تجلی نے ان کے پرخچے اُڑا دیئے اور موسیٰ بیہوش ہوکر گر پڑے۔''

لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے حیات بعد الوفات کا جو بھی انکار کرتا ہے، وہ قرآن کے معارف اور علوم سے ناواقف ہے۔

۶:... ''وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔'' (الأنعام:۵۴)

ترجمہ:... ''اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے رَبّ نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہ نبوت پر حاضر ہو، اس کے لئے خداوند قدوس کا اپنے رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ اس کو السلام علیکم کی دعا کے ساتھ رب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچایئے، تو حق تعالیٰ کا یہ حکم دونوں حالتوں (ماقبل الموت و مابعد الموت) کے لئے عام ہے، یعنی رہتی دُنیا تک کے لئے یہ حکم باقی ہے، جس طرح قرآن کریم کی دیگر آیات کے بارے میں یہ اصول مسلّم ہے کہ اگرچہ ان کے نزول کا واقعہ خاص ہے، لیکن ان کا حکم قیامت تک کے لئے جاری و باقی ہے، اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

۷:... ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔'' (النساء:۶۴)

ترجمہ:... ''اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے

پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحمت کرنے والا پاتے۔“

علمائے امت کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حیات نبوی کی ظاہری حیثیت ختم ہونے کے بعد بھی جو مؤمن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر خداوند قدوس سے طلب مغفرت کرے گا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی دُعا و مغفرت کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے:

”عن عليّ قال قدم علينا اعرابی بعد ما دفنَّا رسول الله صلى الله عليه وسلم بثلاثة ايام، فرمى بنفسه علىٰ قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم، وحثا علىٰ رأسه من ترابه، فقال: قلت يا رسول الله فسمعنا قولک، ووعيت عن الله، فوعينا عنک، وكان فيما انزل الله عليک ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم“ الآية، وقد ظلمت نفسی وجئتک تستغفر لی! فنودی من القبر: انه قد غفر لک!“ (تفسير قرطبی ج:۵ ص:۲۶۵،۲۶۶)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر اس آیت کریمہ کے حوالہ سے مغفرت طلب کی، روایت ہے کہ مرقدِ اَطہر سے صدا آئی: ”انه قد غفر لک!“

ان ارشادات ربانی کے مطابق رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی عالم دُنیا کی حیات ظاہری ختم ہونے کے بعد بھی حاضری دینے والے اُمتی کو سلام علیکم کے جواب سے نوازتی ہے، اور آپ اس کو رب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچانے اور ان کے لئے دُعائے مغفرت کرنے پر خداوند قدوس کی طرف سے مامور ہیں، یہ بھی آپ کی حیاتِ جاودانی اور اسی مدینہ والی قبر میں حیات پر قرآنی دلیل اور واضح ثبوت ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی انکار کرے تو منکر کو یہی کہا جاسکتا ہے کہ: اگر تو نہ مانے تو بہانے ہزار...!

حیاۃ الانبیاء حدیث کی روشنی میں

۱:... ”عَنْ اَنَسٍ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ. رواه ابو يعلىٰ والبزار، ورجال ابی يعلىٰ ثقات.“

(مجمع الزوائد ج:۸ ص:۲۱۱ حدیث:۱۳۸۱۲ واللفظ لهٗ، لسان الميزان: حسن بن قتيبة ص:۲۴۶، مسند ابو يعلىٰ: ج:۶ حديث:۳۴۲۵، فتح البارى ج:۶ ص:۴۸۷، المطالب العاليه ج:۳ ص:۲۶۹ حديث:۳۴۵۲، احاديث صحيحة للألبانی حديث:۶۲۱، الجامع الصغير ص:۱۲۴، تكملة فتح الملهم ج:۵ ص:۲۸، بيهقى حيات الأنبياء ص:۳، الحاوى للفتاوىٰ ج:۲ ص:۱۴۸، خصائص الكبرىٰ ج:۲ ص:۲۸۱، مسند بزار ص:۲۵۶)

ترجمہ:... ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (حضرات) انبیائے کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے ابویعلیٰ

اور مسند بزار نے اور ابویعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔“

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی مشہور زمانہ تصنیف الحاوی للفتاویٰ میں حیات انبیاء سے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الأنبیاء معلومة عندنا علمًا قطعیًّا لما قام عندنا من الأدلة فی ذالک وتواترت (به) الأخبار۔“ (ج:۲ ص:۱۴۷)

ترجمہ:... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں حیات ہونا ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک دلائل واخبار درجہ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔“

مزید اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”قال البیھقی فی کتاب الِاعتقاد: الأنبیاء بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم، فھم احیاء عند ربھم کالشھداء، وقال القرطبی فی التذکرة فی حدیث الصعقة نقلًا عن شیخه: الموت لیس بعدم محض وانما ھو انتقال من حال إلٰی حال“ (الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۹)

ترجمہ:... ”امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کی ارواح قبض ہوجانے کے بعد ان کی طرف لوٹادی جاتی ہیں، پس وہ اپنے ربّ کے ہاں شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ علامہ قرطبی نے تذکرہ میں حدیث صعقہ کے ذیل میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: موت کا معنی عدم محض نہیں، بلکہ ایک حال سے دُوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا نام موت ہے۔“

مزید آگے چل کر لکھتے ہیں:

”قال المتکلمون المحققون من اصحابنا: ان نبینا صلی اللہ علیه وسلم حیٌّ بعد وفاته۔“ (الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۹)

ترجمہ:... ”ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ بے شک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔“

آگے مزید لکھتے ہیں:

”وقال الشیخ تقی الدین السبکی: حیاۃ الأنبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد له صلاۃ موسیٰ فی قبرہ، فإن الصلاۃ تستدعی جسدًا حیًّا۔“

(الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۵۲)

ترجمہ:... ”شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء کی قبر کی حیات ان کی دنیاوی حیات کی

مانند ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، کیونکہ نماز پڑھنا زندہ جسم کا تقاضا کرتا ہے۔‘‘

حضرت مجددالف ثانیؒ حضرت انسؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است، گنجائش ترقی دارد، واحوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الأنبياء يصلون فى القبور شنیدہ باشند۔‘‘ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب:۱۶)

ترجمہ:... ’’چھوٹا برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں میں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے، اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں، آپ نے یہ تو سنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔‘‘

۲:... ’’عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَیَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ۔ رواه البيهقى فى شعب الْإيمان۔‘‘ (مشکوٰة ص:۸۷ واللفظ لہٗ، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۲۸۰، کنز العمال ج:۱ ص:۴۹۲ حدیث:۲۱۶۵، ص:۴۹۸ حدیث:۲۱۹۷، ۲۱۹۸، اتحاف السادة المتقين زبیدیؒ ج:۳ ص:۲۸۹، تفسیر در منثور ج:۵ ص:۲۱۹، فتح البارى ج:۶ ص:۴۸۸، الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۷)

ترجمہ:... ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے میری قبر کے پاس سے مجھ پر درود شریف پڑھا، میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔‘‘

حدیث کی سند پر اِشکال کا جواب:

امام ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی (المتوفیٰ ۹۶۳ھ) اس حدیث کی سند کے ضعف وثقاہت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حديث من صلّى علىّ عند قبرى سمعته، ومن صلّى علىّ نائيًا وكل الله بها ملكًا يبلغنى، وكفىٰ امر دنياه وآخرته، وكنت له شهيدًا وشفيعًا (خط) من حديث ابى هريرة، ولَا يصح فيه محمد بن مروان وهو السدى الصغير، وقال العقيلى: لَا اصل لهذا الحديث (تعقب) بان البيهقى اخرجه فى الشعب من هذا الطريق وتابع السدى عن الأعمش فيه ابومعاوية، اخرجه ابو الشيخ فى الثواب، قلت: وسنده جيّد كما نقله السخاوى عن شيخه الحافظ ابن حجر، والله اعلم، وله شواهد من حديث ابن مسعود وابن عباس وابى هريرة اخرجها البيهقى، ومن حديث ابى بكر الصديق اخرجه الديلمى، ومن حديث عمار اخرجه العقيلى من طريق على بن القاسم الكندى، وقال على بن قاسم شيعى فيه نظر، لَا يتابع على

حدیثہ انتھیٰ۔ وفی لسان المیزان (ج:۴ ص:۲۴۹) ان ابن حبان ذکر علی بن القاسم فی الثقات، وقد تابعہ عبدالرحمٰن بن صالح وقبیصۃ بن عقبۃ اخرجھما الطبرانی۔“

(تنزیہ الشریعۃ ج:۱ ص:۳۳۵ طبع بیروت)

ترجمہ:...”حدیث مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ .....الخ، یعنی جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فرشتہ مقرر کیا ہے جو مجھے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دُنیا و آخرت کے کام پورے کرتا ہے، اور میں اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا، (خطیب بغدادیؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے) یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے اور امام عقیلیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں (عقیلی کی اس بات پر گرفت کی گئی ہے کہ) امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس طریق سے اس کی تخریج کی ہے اور ابومعاویہ اعمشؒ سے روایت کرنے میں سدی کا متابع ہے، اس کی تخریج امام ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابوالشیخ کی سند جید ہے، جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے اپنے استاد حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اس حدیث کے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے شواہد موجود ہیں، جن کی تخریج امام بیہقی نے کی ہے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حدیث بھی شاہد ہے، جس کی تخریج امام دیلمیؒ نے کی ہے اور حضرت عمارؓ کی حدیث بھی اس کا شاہد ہے، جس کی تخریج علی بن القاسم الکندی کے طریق سے امام عقیلیؒ نے کی ہے اور کہا ہے کہ: یہ راوی شیعہ ہے، اس میں کلام ہے اور اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی، مگر لسان المیزان (ج:۴ ص:۲۴۹) میں ہے کہ امام ابن حبان نے علی بن القاسم کو ثقات میں لکھا ہے اور عبدالرحمٰن بن صالح اور قبیصہ بن عقبہ اس کے متابع موجود ہیں۔“

۳:...”عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ (رَضِیَ اللہُ عَنْہُ) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ النَّفْخَۃُ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ۔ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللہِ! کَیْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرِمْتَ؟ اَیْ یَقُوْلُوْنَ قَدْ بَلِیْتَ، قَالَ اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ۔“ (سنن نسائی ج:۱ ص:۲۰۳،۲۰۴ واللفظ لہٗ، مستدرک حاکم ج:۴ ص:۵۶۰، ھذا حدیث صحیح علیٰ شرط الصحیحین ولم یخرجاہ، ابو داؤد ج:۱ ص:۲۱۴ (باب الْاِستغفار)، سنن کبریٰ بیہقی ج:۳ ص:۲۴۹، دارمی ج:۱ ص:۳۰۷ (باب فضل الجمعۃ)، مسند احمد ج:۴ ص:۸، صحیح ابن خزیمہ ج:۳ ص:۱۱۸ حدیث:۱۷۳۳، ابن حبان (باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم ص:۱۱۸، الْاِحسان بترتیب ابن حبان ج:۳

ص:۷۸ حدیث:۹۰۷، کتاب الروح (ابن القیمؒ) ص:۶۳، کنزالعمال ج:۸ ص:۳۶۸ حدیث: ۲۳۳۰۱، ایضاً ج:۷ ص:۷۰۸ حدیث:۲۱۰۳۷، ترغیب منذری ج:۱ ص:۴۹۱، ایضاً ج:۲ ص:۵۰۳، ۵۰۴، نیل الأوطار ج:۳ ص:۳۰۴، ابن ابی شیبہ ج:۶ ص:۵۱۶، ابن ماجہ ص:۷۶، ۱۱۸، شرح الصدور ص:۱۳۷ مطابع الرشید مدینہ منورہ)

ترجمہ:... ''حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کا انتقال ہوا، اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پس (جمعہ کے دن) مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا صلوٰۃ و سلام آپ کے انتقال کے بعد آپ کو کیسے پہنچے گا؟ حالانکہ آپ تو اس وقت مٹی میں مل جائیں گے؟ یعنی آپ تو بوسیدہ ہوجائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عز وجل نے زمین پر اس کو حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔''

۴:... ''عَنْ عَبْدِاللهِ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِی الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ۔'' (نسائی ج:۱ ص:۱۸۹ واللفظ لہٗ، مسند احمد ج:۱ ص:۴۴۱، ابن ابی شیبہ ج:۲ ص:۵۱۷، موارد الظمآن ص:۵۹۴، مشکوٰۃ ص:۸۶، البدایہ والنہایہ ج:۱ ص:۱۵۴، الجامع الصغیر ج:۱ ص:۹۳، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۲۸۰، الاحسان بترتیب ابن حبان ج:۳ ص:۸ حدیث:۹۰۹، ۱۰، مصنف عبدالرزاق ج:۲ ص:۱۵)

ترجمہ:... ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔''

۵:... ''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ، وَاِنَّ اَحَدًا لَنْ يُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرَغَ مِنْهَا، قَالَ: قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَأْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ، فَنَبِیُّ اللهِ حَیٌّ يُّرْزَقُ۔'' (ابن ماجہ ص:۱۱۸ واللفظ لہٗ، ترغیب ج:۲ ص:۵۰۳، نیل الأوطار ج:۳ ص:۳۰۴، شرح الصدور ص:۱۳۷ مطابع الرشید مدینہ منورہ)

ترجمہ:... ''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لئے کہ جمعہ کے دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب تم

میں سے کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے پڑھتے ہی اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اور موت کے بعد؟ فرمایا: اور موت کے بعد بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے زمین پر اس بات کو کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے۔‘‘

۶:... ’’عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔‘‘ (ابو داؤد ج:۱ ص:۲۷۹ واللفظ لہٗ، مسند احمد ج:۲ ص:۵۲۷، سنن کبریٰ بیہقی ج:۵ ص:۲۴۵، ترغیب و ترہیب ج:۲ ص:۴۹۹، کنزالعمال ج:۱ ص:۴۹۸ حدیث:۲۲۰۰، فیض القدیر ج:۵ ص:۴۶۷، مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۱۶۲، وقال فیه عبدالله بن یزید الاسکندرانی ولم اعرفه ومهدی بن جعفر ثقة وفیه خلاف وبقیة رجاله ثقات)

ترجمہ:... ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب کوئی شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو میری طرف لوٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ میں اس سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔‘‘

۷:... ’’عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: .... حَیْثُمَا کُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ۔‘‘ (مسند احمد ج:۲ ص:۳۶۷ واللفظ لہٗ، ابوداؤد ج:۱ ص:۲۷۹، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۲۸۰، مشکوۃ ص:۸۶، فتح الباری ج:۶ ص:۴۸۸)

ترجمہ:... ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ: مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ مجھ تک تمہارا درود پہنچتا ہے، چاہے تم جہاں بھی ہو۔‘‘

۸:... ’’اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِی الْقَاسِمِ بِیَدِهٖ! لَیَنْزِلَنَّ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ..... ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰی قَبْرِیْ فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! لَاُجِیْبَنَّهٗ۔‘‘ (مسند ابو یعلیٰ ج:۱۱ ص:۴۶۲ حدیث:۶۵۸۴ واللفظ لہٗ، مجمع الزوائد ج:۸ ص:۲۱۱، المطالب العالیه ج:۴ ص:۲۳ باب حیاته فی قبره، ج:۴ ص:۳۴۹ حدیث:۴۵۷۴، الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۸، خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۲۸۰، رُوح المعانی ج:۲۲ ص:۳۵)

ترجمہ:... ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! کہ البتہ نازل ہوں گے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ..... پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوکر یہ کہے گا: یا محمد! تو میں ان کو جواب دوں گا۔“

علامہ آلوسیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

”..... انہ (عیسیٰ) علیہ السلام یاخذ الأحکام من نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاھًا بعد نزولہ وھو (صلی اللہ علیہ وسلم) فی قبرہ الشریف علیہ الصلوٰۃ والسلام، واید بحدیث ابی یعلیٰ: والذی نفسی بیدہ! لینزلن عیسٰی ابن مریم ثم لئن قام علیٰ قبری وقال: یا محمد! لأجبتہ۔“ (روح المعانی ج:۲۲ ص:۳۵)

ترجمہ:...”حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوکر آپ سے براہِ راست احکام حاصل کریں گے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں استراحت فرما ہوں گے، اور اس کی تائید ابویعلیٰ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ: اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر آکر یا محمد کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔“

حضرات انبیائے کرامؑ سے ملاقات:

حدیث ابوہریرہؓ:

”عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ (رَضِیَ اللہُ عَنْہُ) قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ لَقِیْتُ مُوْسٰی قَالَ: فَنَعَتَہٗ فَاِذَا رَجُلٌ حَسِبْتُہٗ قَالَ: مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّأْسِ کَاَنَّہٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْئَۃٍ قَالَ: وَلَقِیْتُ عِیْسٰی فَنَعَتَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: رَبْعَۃٌ اَحْمَرُ کَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِیْمَاسٍ یَعْنِی الْحَمَّامَ وَرَأَیْتُ اِبْرَاھِیْمَ وَاَنَا اَشْبَہُ وُلْدِہٖ بِہٖ........“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۴۸۹، واللفظ لہٗ ۴۸۱، ج:۲ ص:۶۸۴، ۸۳۶، ۸۳۸، صحیح مسلم ج:۱ ص:۹۶، ترمذی ج:۲ ص:۱۴۱، مصنف عبدالرزاق ج:۵ ص:۳۲۹، مسند احمد ج:۲ ص:۲۸۲، نسائی ج:۲ ص:۳۲۹، الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج:۱ ص:۲۲۱)

ترجمہ:...”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی، (حضرت ابوہریرہؓ نے) فرمایا کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا: پس وہ جوان تھے، میرا خیال ہے آپ نے فرمایا: لمبے اور کھلے بالوں والے تھے، ایسے جیسے کہ قبیلہ شنوءہ کے مرد ہوتے ہیں۔ فرمایا: اور میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، پھر آپ نے ان کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا: وہ چوڑے جسم کے سرخ رنگ تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا

کہ جیسے ابھی ابھی غسل خانے سے نکل کر آئے ہیں، اور میں نے حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں۔“

حدیث ابن عمرؓ:

”عَنْ اِبْنِ عُمَرَ (رَضِیَ اللہُ عَنْهُ) قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: رَأَیْتُ عِیْسٰی وَمُوْسٰی وَاِبْرَاهِیْمَ، فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ، وَاَمَّا مُوْسٰی فَاٰدَمُ جَسِیْمٌ سَبْطٌ کَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ الزُّطِّ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۴۸۹)

ترجمہ:...”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (شبِ معراج میں) میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ، پرگوشت جسم اور چوڑے سینے والے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور موزوں ساخت والے تھے، وہ ایسے تھے جیسے (سوڈان) کے طویل القامہ زط ہوتے ہیں۔“

انبیاء کی امامت:

حدیث ابوہریرہؓ:

”.......وَقَدْ رَأَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ فَاِذَا مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ .... وَاِذَا عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ .... وَاِذَا اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ .... فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَاَمَّمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلٰوةِ .... قَالَ قَائِلٌ یَا مُحَمَّدُ! هٰذَا مَالِکٌ صَاحِبُ النَّارِ، فَسَلِّمْ عَلَیْهِ .....“

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۹۶ واللفظ لهٗ، مشکوٰة ص:۵۳۰)

ترجمہ:...”میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا، پس اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں.....اور پھر اچانک دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں.....اور ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں.....پس اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی، پس جب میں نماز سے فارغ ہوا.....تو کسی نے کہا کہ: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جہنم کے داروغے مالک ہیں، ان سے سلام کیجئے.....“

حضرت موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنا:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نہ صرف حیات ہیں، بلکہ وہ نماز تلذذ بھی ادا فرماتے ہیں۔ مندرجہ ذیل احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

''عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ، وَھُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ۔'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۶۸ طبع رحیمیہ دیوبند واللفظ لہٗ، مسند احمد ج:۵ ص:۵۹، ۳۶۲، ۳۶۵، مسند احمد ج:۳ ص:۱۴۸، ۲۴۸، سنن نسائی ج:۱ ص:۲۴۲، کنز العمال ج:۱۱ ص:۵۱۸ حدیث: ۳۲۳۸۶، تلخیص الحبیر ج:۲ ص:۱۲۶، الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج:۱ ص:۲۱۶ طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل پاکستان)

ترجمہ:... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرا معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔''

حیات النبی آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں:

۱:... ''وَعَنْ عَائِشَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا) قَالَتْ: کُنْتُ اَدْخُلُ بَیْتِیَ الَّذِیْ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَاِنِّیْ وَاضِعٌ ثَوْبِیْ وَاَقُوْلُ: اِنَّمَا ھُوَ زَوْجِیْ وَاَبِیْ، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) مَعَھُمْ فَوَاللّٰہِ مَا دَخَلْتُہٗ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَۃٌ عَلَیَّ ثِیَابِیْ، حَیَاءً مِنْ عُمَرَ'' (مشکوٰۃ ص:۱۵۴)

ترجمہ:... ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس کمرے میں جس میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں، بلاحجاب داخل ہوجاتی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں اور دُوسرے میرے والد ماجد، پس جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو اللہ کی قسم! میں اس حجرہ میں حضرت عمرؓ سے حیا کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی نہ جاتی تھی۔''

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیۂ مشکوٰۃ میں ہے:

''حیاءً من عمر اوضح دلیل علی حیات المیت۔'' (حاشیہ مشکوٰۃ ص:۱۵۴)

ترجمہ:... ''حیاءً من عمر کے الفاظ میّت کی زندگی پر واضح دلیل ہیں۔''

اس پر علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ لکھتے ہیں:

''قال الطیبی فیہ ویحترمہ کما کان یحترمہ فی الحیات۔''

(شرح طیبی ج:۳ ص:۴۱۶ ادارۃ القرآن کراچی)

ترجمہ:... ''علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس (حدیث) میں اس امر کی دلیل ہے کہ میت کا احترام بھی اسی طرح کیا جائے جس طرح کہ زندگی میں کیا جاتا ہے۔''

۲:...''عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ قَالَ لَمْ اَزَلْ اَسْمَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ فِیْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیَّامَ الْحَرَّةِ حَتّٰی عَادَ النَّاسُ۔'' (خصائص کبریٰ ج:۲ ص:۲۸۱، الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۸ بحوالہ دلائل النبوۃ، زرقانی ج:۵ ص:۳۳۲،۳۳۳)

ترجمہ:...''حضرت سعید بن مسیّبؒ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے اذان اور اقامت کی آواز سنتا رہا، یہاں تک کہ لوگ واپس آگئے۔''

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ کما تقرر، وانہ یُصلی فی قبرہ بأذان وإقامة۔''

(فتح الملہم ج:۳ ص:۴۱۹)

ترجمہ:...''بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی قبر شریف میں) زندہ ہیں، جیسا کہ ثابت ہوچکا، اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔''

عقیدۂ حیات النبی اور مذاہبِ اَربعہ

حنفیہ کرام:

فضل اللہ بن حسین تورپشتی الحنفیؒ المتوفی ۶۳۰ھ:

''واز اں جملہ آنست کہ بدانند کہ کالبدوے راز مین نخورد و بوسیدہ نشود وچوں زمین از وے شگافتہ شود کالبدوے بحال خود باشد وحشروے ودیگر انبیاء چنیں باشد حدیث درست است کہ ان اللّٰہ حرم علی الأرض اجساد الأنبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ واول ہمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما برخیز داز قبر مبارک۔'' (المعتمد فی المعتقد باب:۲ فصل:۴ ص:۱۰۷ مطبع مظہر العجائب مدراس ۱۲۸۸ھ)

ترجمہ:...''ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہئے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا، اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام کا حشر ہوگا اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کردیئے ہیں (پھر آگے فرمایا کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر مبارک سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھیں گے۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ:

''فمن المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الأنبیاء فی

قبورهم، وهم احياء عند ربهم، وان لأرواحهم تعلقًا بالعالم العلوى والسفلى كما كان فى الحال الدنيوى فهم بحسب القلب عرشيون وباعتبار القالب فرشيون۔“

(شرح الشفا لعلى القارى علىٰ هامش نسيم الرياض فى شرح الشفا ج:۳ ص:۴۹۹)

ترجمہ:...”عقیدہ جس پر پورا اعتماد ہے، وہ یہی ہے کہ حضور اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک تعلق بھی ہوتا ہے، جیسا کہ دنیاوی حالت میں تھا۔ پس وہ قلوب کے اعتبار سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔“

علامہ ابن ہمامؒ المتوفیٰ ۶۸۱ھ:

”.....تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول: السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته ..... وذالك انه عليه السلام فى القبر الشريف المكرم على شقه الأيمن مستقبل القبلة ..... ثم يسئل النبى صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول: يا رسول الله! اسألك الشفاعة، يا رسول الله! اسألك الشفاعة ..... وليكثر دعائه بذالك فى الروضة الشريفة عقيب الصلوات وعند القبر، ويجتهد فى خروج الدمع، فإنه من امارات القبول، وينبغى ان يتصدق بشىء على جيران النبى صلى الله عليه وسلم ثم ينصرف متباكيا متحسرًا على الفراق الحضرة الشريفة النبوية والقرب منها۔“

(فتح القدير ج:۲ ص:۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۹ اواخر الحج، مصر)

ترجمہ:...”تم حضورِ انور کی قبر شریف کے سامنے ہوکر السلام عليك ايها النبى ورحمة الله عرض کرو..... اور یہ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ہیں...... پھر حضورِ انور سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ: یا رسول اللہ! میں شفاعت کے لئے سوال عرض کرتا ہوں، روضۂ شریفہ میں درود شریف کے بعد...... اور قبر کے پاس پھر کثرت سے دُعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے، کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے، اور چاہئے کہ روضۂ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے، پھر روتا ہوا اور آپ کے قربِ اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو۔“

شارحِ بخاری علامہ عینیؒ المتوفیٰ ۸۵۵ھ:

”ومذهب اهل السنة والجماعة ان فى القبر حياةً وموتًا، فلا بد من ذوق الموتتين لكل احد غير الأنبياء۔“ (عمدة القارى شرح بخارى ج:۸ ص:۱۸۵ جزء:۱۶)

ترجمہ:...”پورے اہلِ سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں

سلسلے ہوتے ہیں، پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں، ماسوائے انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں، ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)۔"

علامہ عینیؒ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"فانھم لَا یموتون فی قبورھم، بل ھم احیاء۔"

("باب فضیلة ابی بکر علیٰ سائر الصحابة" عمدة القاری شرح بخاری ج:۸ ص:۱۸۵ جزء:۱۶)

ترجمہ:... "یقیناً انبیائے کرامؑ اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔"

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفیؒ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ" الآیة کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

"اراد بالموتتین: الموت فی الدنیا والموت فی القبر، وھما موتتان المعروفتان المشھورتان، فلذالک ذکرھما بالتعریف، وھما الموتتان الواقعتان لکل احد غیر الأنبیاء علیھم الصلاة والسلام، فانھم لَا یموتون فی قبورھم، بل ھم احیاء، واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامة۔" (عمدة القاری شرح بخاری ج:۸ ص:۱۸۵ جزء:۱۶، باب فضیلة ابی بکر علی سائر الصحابة، مطبع دار الفکر بیروت)

ترجمہ:... "دو موتوں سے ایک وہ موت مراد ہے جو دُنیا میں آتی ہے اور دُوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے، یہی دو معروف و مشہور موتیں ہیں (اس لئے ان کو الف و لام حرفِ تعریف سے ذکر کیا ہے) ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں، بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب و کتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پاجاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔"

امام ملا علی قاریؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ:

"ان الأنبیاء احیاء فی قبورھم، فیمکن لھم سماع صلوٰة من صلی علیھم۔"

(مرقات طبع بمبئی ج:۲ ص:۲۰۹)

ترجمہ:... "بے شک انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں، اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ:

"حیاتِ انبیاء متفق علیہ است، ہیچ کس را در وے خلافے نیست۔"

(اشعۃ اللمعات ج:۱ ص:۶۱۳ مطبع نول کشور لکھنؤ)

ترجمہ:...’’حضور انور کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، کسی کا (اہلِ حق میں سے) اس میں اختلاف نہیں۔‘‘

علامہ شرنبلالیؒ: المتوفی ۱۰۶۹ھ:

’’ومما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حيٌّ يرزق، متمتع بجميع الملاذ والعبادات، غير انه احجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات ..... ينبغى لمن قصد زيارة النبى صلى الله عليه وسلم ان يكثر الصلوٰة عليه، فانه يسمعها، وتبلغ اليه۔‘‘

(مراقى الفلاح ص:۴۰۵ طبع مير محمد كراچى)

ترجمہ:...’’محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں........ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے لئے آئے، اسے چاہئے کہ کثرت سے درود عرض کرے، کیونکہ آپ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں، اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔‘‘

علامہ طحطاویؒ المتوفی ۱۲۳۳ھ:

’’(فانه يسمعها) اى اذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم (وتبلغ اليه) اى يبلغها الملک اذا كان المصلى بعيدًا۔‘‘ (طحطاوى ص:۴۰۵ طبع مير محمد كراچى)

ترجمہ:...’’آپ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جارہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جارہا ہو۔‘‘

علامہ ابن عابدین شامیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ:

’’فقد افاد فى الدر المنتقى انه خلاف الْاجماع قلت: ما نسب الى الْامام الأشعريؒ إمام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان، والمصرح به فى كتبه وكتب اصحابه خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه، لأن الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام احياء فى قبورهم، وقد اقام النكير على افتراء ذالک الْامام العارف ابو القاسم القشيرى.....‘‘ (رد المختار، باب المغنم ج:۴ ص:۱۵۱، ايچ ايم سعيد كراچى)

ترجمہ:...’’دارِ منتقی میں ہے کہ: (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت آپ کی وفات شریفہ کے بعد بھی حقیقتاً باقی ہے اور اُسے صرف حکماً باقی کہنا) خلافِ اجماع ہے۔ میں کہتا ہوں: امام اہلِ سنت اِمام اشعریؒ کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی حقیقتاً رسالت کے

بقا کے منکر تھے، یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے، کیونکہ ان کی اور ان کے تلامذہ کی کتابوں میں صراحتاً اس کے برعکس مذکور ہے۔ دراصل یہ بات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کردی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس افتراء کے خلاف امام عارف ابوالقاسم قشیریؒ نے اپنی کتاب میں ردّ کیا ہے۔''

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ان المنع هنا لِانتفاء الشرط، وهو إما عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه الحديث، وإما عدم موت المورث بناءً على ان الأنبياء احياء فی قبورهم كما ورد فی الحديث۔'' (رسائل ابن عابدين ج:۲ ص:۲۰۲ سهيل اكيڈمی لَاهور)

ترجمہ:... ''بے شک منع یہاں انتفائے شرط کی وجہ سے ہے اور وہ یا تو وارث وجود صفت وارثیت کے ساتھ نہ ہونا ہے، جیسا کہ حدیث اس کا تقاضا کرتی ہے، اور یا وارث کی موت کا نہ ہونا اس بنا پر کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔''

علامہ ابن عابدین شامیؒ امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف غلط منسوب عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لأن الأنبياء عليهم الصلوٰة والسلام احياء فی قبورهم، وقد اقام النكير على افتراء ذالک الإمام العارف ابوالقاسم القشيری۔'' (شامی ج:۴ ص:۱۵۱ باب المغنم)

ترجمہ:... ''اس لئے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالقاسم القشیریؒ نے اس افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔''

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ان الأنبياء احياء فی قبورهم كما ورد فی الحديث۔''

(رسائل ابن عابدين ج:۲ ص:۲۰۲ سهيل اكيڈمی لَاهور)

ترجمہ:... ''حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔''

علامہ محمد عابد السندیؒ المتوفی ۱۲۵۷ھ:

''اما هم (ای الأنبياء) فحياتهم لَا شک فيها، ولَا خلاف لأحد من العلماء فی ذالک ..... فهو صلى الله عليه وسلم حی على الدوام۔'' (رساله مدنيه ص:۴۱)

ترجمہ:... ''انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے اختلاف ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔''

نواب قطب الدین دہلویؒ المتوفی ۱۲۸۹ھ:

''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج:۱ ص:۴۴۵)

حضرات مالکیہ:

امام مالکؒ المتوفی ۱۷۹ھ:

''نقل عن الإمام مالک انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبی صلی اللہ علیه وسلم، قال ابن رشد من اتباعه: ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتیٰ وهو صلی اللہ علیه وسلم احیاه اللہ تعالیٰ بعد موته حیاة تامة، واستمرت تلک الحیٰوة، وهی مستمرة فی المستقبل، ولیس هذا خاصة به صلی اللہ علیه وسلم بل یشارکه الأنبیاء علیهم السلام فهو حی بالحیاة الکاملة مع الإستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی.'' (نور الإیمان بزیارة آثار حبیب الرحمٰن ص:۱۴ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، وکذالک فی وفاء الوفاء ج:۲ ص:۱۳۶۳ مصر)

ترجمہ:... ''امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔'' امام مالکؒ کے مقلدین میں سے ابن رُشد اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ: اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریفہ کے بعد اب حیات تامہ سے زندہ ہیں اور یہ حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی۔ یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ نہیں، بلکہ تمام انبیاء اس وصف میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، پس آپ غذائے حس دنیوی سے استغنا کے باوجود حیاتِ کاملہ سے زندہ ہیں۔''

علمائے مالکیّہ میں سے امام قرطبیؒ (تفسیر قرطبی ج:۵ ص:۲۶۵) امام ابوحیان اندلسی (بحرالمحیط ج:۱ ص:۲۸۳) علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جمرۃ وغیرہم نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

علامہ سمہودیؒ المتوفی ۹۱۱ھ:

''ولَا شک فی حیاتہٖ صلی اللہ علیه وسلم بعد وفاتہٖ، وکذا سائر الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم حیاة اکمل من حیٰوة الشهداء التی اخبر اللہ تعالیٰ بها فی کتابه العزیز۔'' (وفاء الوفاء ج:۲ ص:۱۳۵۲ مطبعة السعادة مصر)

ترجمہ:... ''وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے، بڑھ کر ہے۔“

ایک دُوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”واما ادلة حياة الأنبياء، فمقتضاها حياة الأبدان كحالة الدنيا، مع الْإستغناء عن الغذاء۔“ (وفاء الوفاء ج:۲ ص:۱۳۵۵)

ترجمہ:... ”بہرکیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو، جیسا کہ دُنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔“

حضرات شوافع:

شوافع میں سے امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے حیات انبیاء کے عنوان پر مستقل تصانیف سپرد قلم کی ہیں، علامہ طیبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں، اور علامہ سبکیؒ نے بھی انہی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) حضرت انسؓ کی حدیث مذکور کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”عن انس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”الأنبياء احياء فى قبورهم يصلون“ فاذا ثبت ان نبينا صلى الله عليه وسلم حى، فالحى لَابد من ان يكون اما عالمًا او جاهلًا، ولَا يجوز ان يكون النبى صلى الله عليه وسلم جاهلًا۔“

(طبقات الشافعية الكبرىٰ ج:۳ ص:۴۱۱ طبع دار الْإحياء)

ترجمہ:... ”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لئے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو اور یا جاہل، اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ! تو لامحالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ہوں گے)۔“

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”لأن عندنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حى يحس ويعلم وتعرض عليه اعمال الأُمّة ويبلّغ الصلٰوة والسلام على ما بينا۔“ (ج:۳ ص:۴۱۲)

ترجمہ:... ”ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، حس و علم سے موصوف ہیں، اور آپ پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچائے جاتے ہیں، جس طرح کہ ہم بیان کرآئے ہیں۔“

نیز علامہ سبکیؒ اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ومن عقائدنا ان الأنبياء عليهم السلام احياء فى قبورهم، فأين الموت الى ان قال وصنف البيهقى رحمه الله جزاً سمعناهٗ فى ”حيٰوة الأنبياء عليهم السلام فى قبورهم“ واشتد نكير الأشاعرة على من نسب هذا القول الى الشيخ۔“ (طبقات ج:٦ ص:٢٦٦)

ترجمہ:... ”ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا کہ) امام بیہقی نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سنا ہے اور جن لوگوں نے امام ابوالحسن اشعریؒ کی طرف یہ غلط بات منسوب کی ہے، اشاعرہ نے بختی سے اس کا ردّ کیا ہے۔“

حافظ ابن حجرؒ المتوفیٰ ۸۵۲ھ:

”ان حياته صلى الله عليه وسلم فى القبر لَايعقبها موت بل يستمر حيًّا والأنبياء احياء فى قبورهم۔“ (فتح البارى ج:٧ ص:٢٢ طبع مصر)

ترجمہ:... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی، بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے، کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔“

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں:

”واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقوّيه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن، والأنبياء افضل من الشهداء۔“

(فتح البارى ج:٦ ص:٤٨٨ دارالنشر الْإسلاميه لَاهور)

ترجمہ:... ”اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداء نص قرآن کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (تو بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔“

حضرات حنابلہ:

ابن عقیلؒ:

”قال ابن عقيل من الحنابلة: هو صلى الله عليه وسلم حى فى قبره، يصلى۔“

(الروضة البهيه ص:١٤)

ترجمہ:... ”(حنابلہ کے مشہور بزرگ) ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔“

عقیدۂ حیات النبی اور اَکابرینِ اُمت:

امام عبدالقاہر البغدادیؒ المتوفیٰ ۴۲۹ھ:

”واجمعوا علی ان الحیٰوۃ شرط فی العلم والقدرۃ والإرادۃ والرؤیۃ والسمع وان من لیس بحیّ لَا یصح ان یکون عالمًا قادرًا مریدًا سامعًا مبصرًا وھذا خلاف قول الصالحی واتباعہٖ من القدریۃ فی دعواھم جواز وجود العلم والقدرۃ والرؤیۃ والإرادۃ فی المیت۔“

(الفَرق بین الفِرق ص:۳۳۷ طبع مصر)

ترجمہ:... ”اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ علم، قدرت، ارادہ، دیکھنے اور سننے کے لئے حیات شرط ہے اور اس امر پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو ذات حیات سے متصف نہ ہو وہ عالم، قادر، مرید اور سننے، دیکھنے والی نہیں ہوسکتی۔ منکرینِ تقدیر میں صالحی اور اس کے پیروکاروں کا قول اس کے خلاف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ علم وقدرت دیکھنا اور ارادہ کرنا حیات کے بغیر بھی جائز ہوسکتا ہے۔“

امام بیہقیؒ المتوفیٰ ۴۵۸ھ:

”ان اللہ جل ثنائہ رد الی الأنبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء ...الخ۔“

(حیات الأنبیاء ص:۱۴، وفاء الوفاء ج:۲ ص:۱۳۵۲، شرح مواھب زرقانی ج:۵ ص۳۳۲)

ترجمہ:... ”بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں، سو وہ اپنے رَبّ کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔“

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاویؒ المتوفیٰ ۹۰۲ھ:

”نحن نؤمن ونصدق بأنہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ، وان جسدہ الشریف لَا تأکلہ الأرض، والإجماع علی ھذا۔“ (القول البدیع ص:۱۲۵ طبع الٰہ آباد)

ترجمہ:... ”ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھاسکتی، اور اسی پر اِجماع منعقد ہے۔“

علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفیٰ ۹۱۱ھ:

”حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہٖ ھو وسائر الأنبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا من الأدلۃ فی ذٰلک، وتواترت بہ الأخبار الدالۃ علی ذٰلک۔“

(الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت بحوالہ انباء الأذکیاء)

ترجمہ:... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبرمبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے، کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔“

علامہ سیوطیؒ عقیدۂ حیات النبی کے تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان من جملة ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم حیاة الأنبیاء فی قبورهم۔“

(النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوستوی۔ ص:۴ طبع مصر)

ترجمہ:... ”یعنی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔“

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ المتوفی ۹۷۳ھ:

عقیدۂ حیات النبی کے تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قد صحت الأحادیث انه صلی اللہ علیه وسلم حی فی قبره، یصلی بأذان وإقامة۔“

(منح المنة ص:۹۲ طبع مصر)

ترجمہ:... ”بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، اَذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔“

ملا علی قاریؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ:

”فمن المعتقد المعتمد انه صلی اللہ علیه وسلم حیّ فی قبره کسائر الأنبیاء فی قبورهم وهم احیاء عند ربهم، وان لأرواحهم تعلقًا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فهم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون۔“

(شرح شفاء ج:۲ ص:۱۴۲ طبع مصر)

ترجمہ:... ”قابلِ اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، جس طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں، اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالمِ علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے، جیسا کہ دُنیا میں تھا، سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی، اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ:

”حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست۔“

(اشعۃ اللمعات ج:۱ ص:۶۱۳ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

ترجمہ:... ”حیاتِ انبیاء متفق علیہ ہے، کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ المتوفیٰ ۱۲۰۶ھ:

"والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی الله علیه وسلم علی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حی فی قبره حیٰوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل، اذ هو افضل منهم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیه۔"

(بحواله اتحاف النبلاء ص:۴۱۵ طبع کانپور)

ترجمہ:... "جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبرمبارک میں حیاتِ دائمی سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے، جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں، اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے، آپ سنتے ہیں۔"

علامہ قاضی شوکانیؒ المتوفیٰ ۱۲۵۵ھ:

"وقد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم حیّ بعد وفاتهٖ وانه یسر بطاعات امتهٖ، وان الأنبیاء لَا یبلون مع ان مطلق الْادراک کالعلم والسماع ثابت بسائر الموتیٰ، الی ان قال وورد النص فی کتاب الله فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون، وان الحیٰوة فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالأنبیاء والمرسلین، وقد ثبت فی الحدیث ان الأنبیاء احیاء فی قبورهم، رواه المنذری وصححه البیهقی وفی صحیح مسلم عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال: مررت بموسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الأحمر وهو قائم یصلی فی قبرهٖ۔" (نیل الأوطار ج:۳ ص:۳۰۵ طبع دار الفکر بیروت)

ترجمہ:... "بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے، حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مُردوں کے لئے ثابت ہے (پھر آگے کہا) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے، تو حضراتِ انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی؟ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذریؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔"

نواب قطب الدین خان صاحبؒ المتوفی ۱۲۷۹ھ:

”زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے۔“ (مظاہر حق ج:۱ ص:۴۴۵ باب الجمعۃ قبیل فصل الثالث طبع منشی نولکشور لکھنؤ)

مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ المتوفی ۱۳۲۹ھ:

”ان الأنبیاء فی قبورھم احیاء۔“ (عون المعبود ج:۱ ص:۴۰۵ طبع نشر السنہ بوہر گیٹ ملتان)

ترجمہ:... ”حضرات اِنبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔“

مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی الحنفیؒ:

”انھم اتفقوا علی حیٰوتہ صلی اللہ علیہ وسلم، بل حیٰوۃ الأنبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام متفق علیھا، لَا خلاف لأحد فیھا۔“ (انوار المحمود شرح ابی داوٗد ج:۱ ص:۲۱۰)

ترجمہ:... ”محدثین کرامؒ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات متفق علیہا ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

اکابر علمائے دیوبند کی تصریحات:

”السؤال الخامس:... ما قولکم فی حیٰوۃ النبی علیہ الصلٰوۃ والسلام فی قبرہ الشریف، ھل ذالک امر مخصوص بہ ام مثل سائر المؤمنین رحمۃ اللہ علیھم حیٰوۃ برزخیۃ۔

الجواب:... عندنا وعند مشائخنا حیاۃ حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ الشریف، وحیٰوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف، وھی مختصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم وبجمیع الأنبیاء صلوات اللہ علیھم والشھداء لَا برزخیۃ کما ھی حاصلۃ لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیہ العلامۃ السیوطی فی رسالتہ انباء الأذکیاء بحیٰوۃ الأنبیاء حیث قال: قال الشیخ تقی الدین السبکی: حیٰوۃ الأنبیاء والشھداء فی القبر کحیاتھم فی الدنیا ویشھد لہ صلٰوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ، فان الصلٰوۃ تستدعی جسدًا حیًّا الی آخر ما قال فثبت بھذا ان حیٰوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ ولشیخنا شمس الإسلام والدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس اللہ سرہ العزیز فی ھذا المبحث رسالۃً مستقلۃ دقیقۃ المأخذ بدیعۃ المسلک لم یُر مثلھا قد

طبعت وشاعت فی الناس واسمہا ''آب حیات'' ای ماء الحیات.....الخ'' (المہند علی المفند ص:۱۳، ۱۴، عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین ص: ۲۲۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

ترجمہ:...'' پانچواں سوال:...کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

جواب:...ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے، بلا مکلّف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباہ الأذکیاء بحیوٰۃ الأنبیاء میں بتصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دُنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے، کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے.....الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہوکر لوگوں میں شائع ہوچکا ہے، اس کا نام ''آبِ حیات'' ہے۔''

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ الحنفی المتوفی ۱۲۹۷ھ:

''والأحسن ان یقال ان حیاتہٗ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یتعقبہا موت بل یستمر حیًّا والأنبیاء احیاء فی قبورہم۔'' (حاشیہ بخاری ج:۱ ص:۵۱۷)

ترجمہ:...''بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی، بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔''

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ:

''قبر کے پاس.......انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج:۱ ص:۱۰۰)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ المتوفی ۱۳۴۶ھ:

''ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ، کما ان الأنبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم۔'' (بذل المجہود باب التشہد ج:۲ ص:۱۱۷)

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔''

حضرت مولانا سید محمد انور شاہؒ المتوفی ۱۳۵۲ھ:

''وقد یتخایل ان رد الروح ینافی الحیٰوۃ وھو یقررھا، فان الرَّدَّ انما یکون الی الحی لَا الیٰ الجماد کما وقع فی حدیث لیلۃ التعریس یرید بقولہ الأنبیاء مجموع الأشخاص لَا الأرواح فقط .... الخ۔'' (تحیۃ الْاِسلام ص:۳۵، ۳۶ مدنیہ پریس بجنور، یوپی)

ترجمہ:... ''کبھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رُوح کا لوٹانا حیات کے منافی ہے، حالانکہ ردِّ رُوح حیات کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ رُوح زندہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے نہ کہ جماد کی طرف، جیسا کہ لیلۃ التعریس کی حدیث میں ہے (جب سب حضرات سوگئے تھے اور سورج چڑھنے کے بعد بیدار ہوئے اور اس میں ردِّ رُوح کا ذکر ہے، بخاری ج:۱ ص:۸۳) اور انبیاء احیاء سے حضرات انبیاء کے مجموع اشخاص مراد ہیں نہ کہ فقط ارواح (یعنی وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں)۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ان کثیرًا من الأعمال قد ثبتت فی القبور کالأذان والْاِقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القراٰن عند الترمذی ....الخ۔''

(فیض الباری ج:۱ ص:۱۸۳ کتاب العلم، باب من اجاب الفتیاء، طبع مجلس علمی ڈابھیل)

ترجمہ:... ''قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے، جیسے اذان و اقامۃ کا ثبوت دارمی کی روایت میں، اور قراءتِ قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔''

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ:

''بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، کذا فی المواہب، اور یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذّذ کے لئے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے.....الخ۔''

(نشر الطیب ص:۲۰۸، ۲۰۹ طبع کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔'' (التکشف ص:۴۴۶)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ المتوفی ۱۳۶۹ھ:

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہٖ باذان

واقامة۔'' (فتح الملھم ج:۳ ص:۴۱۹ باب فضل الصلاة بمسجدی مکة والمدینة۔ المطبعة الشھیرة بھاندہ پریس جالندھر)

ترجمہ:... '' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اِقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔''

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ المتوفی ۱۳۷۷ھ:

'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دُنیوی، بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔''

(مکتوباتِ شیخ الاسلام مکتوب نمبر:۴۴ ج:۱ ص:۱۲۰ مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند یوپی)

ایک دُوسری جگہ لکھتے ہیں:

'' وہ (وہابی) وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ (علمائے دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں، اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارے میں تصنیف فرماکر شائع کرچکے ہیں۔''

(نقشِ حیات ج:۱ ص:۱۲۰ مطبوعہ عزیز پبلی کیشنز لاہور)

عقیدۂ حیات النبی پر اِجماع

علامہ سخاویؒ المتوفی ۹۰۲ھ:

''نحن نؤمن ونصدق بأنه صلی الله علیه وسلم حی یرزق فی قبره، وان جسده الشریف لَا تأکله الأرض والإجماع علی هذا۔'' (القول البدیع ص:۱۶۷ مطبعة الانصاف، بیروت)

ترجمہ:... '' ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی اور اس عقیدے پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔''

منکرینِ حیات کا حکم:

شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

''من انکر الحیٰوة فی القبر وهم المعتزلة، ومن نحا نحوهم واجاب اهل السنة عن ذالک۔'' (عمدة القاری شرح بخاری ج:۸ ص:۱۸۵ جزء:۱۶)

ترجمہ:...’’جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں، اہل سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہل سنت میں سے نہیں:

’’قد تمسک به من انکر الحیٰوة فی القبر واجیب عن اهل السنة ..... ان حیٰوته صلی الله علیه وسلم فی القبر لَا یعقبها موت بل یستمر حیًا‘‘(فتح الباری ج:۷ ص:۲۲ طبع مصر)

ترجمہ:...’’منکرینِ حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہل سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔‘‘

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد:۱ صفحہ:۵۱۷ پر نقل اور تسلیم فرمایا ہے۔

اب تک کی گزارشات سے واضح ہوا ہوگا کہ قرآن وسنت اور اکابر علمائے امت کی تصریحات کی روشنی میں یہ عقیدہ اہل سنت کا بنیادی عقیدہ ہے اور اس سے دورِ حاضر کے بعض تجدد پسندوں کے علاوہ کسی نے اختلاف نہیں کیا، وہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکابرین دیوبند نے ’’المہند علی المفند‘‘ مرتب فرما کر امت کے سامنے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ علمائے دیوبند اہل سنت کا عقیدہ اس سلسلہ میں بھی وہی ہے جو اسلافِ امت کا تھا۔

مگر بایں ہمہ جب شرذمۂ قلیلہ نے اس اجماعی عقیدہ سے اختلاف کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف اس سے بیزاری کا اظہار کیا گیا، بلکہ دورِ حاضر کے اساطین امت نے اس مسئلے کی اہمیت اور حقیقت کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تحریر مرتب فرما کر مشتہر فرمائی اور متفقہ اعلان فرمایا:

مسئلہ حیات النبی کے متعلق دورِ حاضر کے اکابرِ دیوبند کا مسلک اور ان کا متفقہ اعلان

’’حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیائے کرام علیہم الصلوٰة والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں، اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے، اور حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلّف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جاوے بلاواسطہ سنتے ہیں، اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیاتِ انبیاء پر ’’آبِ حیات‘‘ کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو حضرت مولانا

رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ''المہند علی المفند'' بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے، اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابرِ دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔''

۱:...مولانا محمد یوسف بنوریؒ
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر ۵

۲:...مولانا عبدالحق
مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۳:...مولانا محمد صادقؒ
سابق ناظم محکمۂ اُمورِ مذہبیہ بہاولپور

۴:...مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ

۵:...مولانا شمس الحق افغانیؒ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۶:...مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

۷:...مولانا مفتی محمد حسنؒ
مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

۸:...مولانا رسول خانؒ
جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

۹:...مولانا مفتی محمد شفیعؒ
مہتمم دارالعلوم کراچی

۱۰:...مولانا احمد علی لاہوریؒ
امیر نظام العلماء وامیر خدام الدین لاہور

(تلک عشرۃ کاملۃ)

(ماہنامہ پیام مشرق لاہور جلد:۳ شمارہ:۴ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ/ستمبر ۱۹۶۰ء)

(بحوالہ تسکین الصدور ص:۳۷)

الغرض میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، یہ حیات برزخی ہے مگر حیاتِ دنیوی سے قوی تر ہے، جو لوگ اس مسئلے کا انکار کرتے ہیں، ان کا اکابر علمائے دیوبند اور اساطینِ امت کی تصریحات کے مطابق علمائے دیوبند سے تعلق نہیں ہے، اور میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا، اور وہ میرے اکابر کے نزدیک گمراہ ہیں، ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

حیاتِ برزخی موضوعِ بحث ہے

سوال:...وفات شریف کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے قائل کو منکر کہنا آپ کے نزدیک شرعی طور پر کیسا ہے؟ اور کیا علماء کی مختلف تحقیقات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ مثلاً ایک عالم نے دنیاوی زندگی کہا، دُوسرے نے برزخی اخروی کہا، تو کیا پہلے کو شرعی طور پر حق ہے کہ وہ دُوسرے کو منکر کہے؟

جواب:...سوال پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا، اگر صرف تعبیرات کا اختلاف ہو تو نزاع لفظی ہے، اور اگر نتیجہ و مآل کا فرق ہو تو لائقِ اعتناء ہے۔ مسئلۂ حیات میں حیاتِ برزخی ہی موضوعِ گفتگو ہے، نفی و اثبات کا تعلق اسی سے ہے، اگر دونوں فریقوں کا مدعا ایک ہی ہو تو نزاع لفظی ہوگا، نہیں تو معنوی ہوگا۔

سوال:...مجھ جیسے چند نالائقوں کا خیال ہے کہ مسئلۂ حیات النبی کے ضمن میں علمائے دیوبند نے مولانا حسین علیؒ واں بھچراں کے تلامذہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جو مولانا احمد رضا خان نے اکابرینِ دیوبند سے کیا تھا (یعنی غلط پراپیگنڈا)، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب:...ہر شخص کو حق ہے کہ اپنے خیال کو صحیح سمجھے، لیکن اگر وہ خیال حقیقتِ واقعیہ پر مبنی ہو تو صحیح، ورنہ غلط ہوگا۔ اس ناکارہ کے خیال میں آپ کا خیال حقیقتِ واقعیہ پر مبنی نہیں۔

رُوح کا لوٹایا جانا

سوال:...ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں حیات ہیں، پھر اس حدیث شریف کے کیا معنی ہوئے کہ: ''جب کوئی میری قبر پر درود و سلام پڑھتا ہے تو میری رُوح مجھ پر لوٹا دی جاتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔'' سوال یہ ہے کہ جو پہلے سے زندہ ہے، اس پر رُوح لوٹانا کیا معنی؟ دُوسرے یہ کہ آپ کے دربار میں ہر وقت سلام کا نذرانہ پیش ہوتا رہتا ہے تو اس طرح بار بار رُوح کا دخول و خروج تو ایک طرح کا عذاب ہوگیا (نعوذ باللہ) کیا یہ حدیث صحیح بھی ہے؟

جواب:...حافظ سیوطیؒ نے اس موضوع پر رسالہ لکھا ہے، اس میں انہوں نے آپ کے سوال کے گیارہ جواب دیئے ہیں، لیکن اس ناکارہ کے دِل کو ایک بھی نہیں لگا، یا صحیح الفاظ میں ایک بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس رَدِّ رُوح کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر چیز ہے، لیکن یہ ناکارہ یہ سمجھتا ہے کہ دُنیا میں تو ایک طرف آدمی متوجہ ہوتا ہے تو دُوسری طرف توجہ نہیں رہتی، لیکن برزخ میں باوجود اس کے کہ روحِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم مستغرق بہ جمالِ الٰہی ہے، لیکن وہاں... واللہ اعلم... ایک طرف توجہ دُوسری طرف توجہ سے مانع نہیں۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں اُمتی بہ یک وقت سلام پیش کرتے ہیں، مگر روحِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی طرف پوری طرح متوجہ ہے، پس ''ردّ اللہ علیَّ روحی'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سلام کرنے والے کی طرف رُوحِ پاک کو متوجہ فرمادیتے ہیں، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال!

مجلس مقنّنہ اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

سوال:...اشاعۃ التوحید کی مجلس مقنّنہ کا فیصلہ ارسالِ خدمت ہے، جواب طلب یہ بات ہے کہ کیا اس فیصلے کی زد میں اکابرینِ دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ نہیں آتے جن کا سماعِ انبیاء و حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ ہے؟

فیصلے کی عبارت مندرجہ ذیل:

''مجلس مقنّنہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ:

سماعِ موتیٰ، کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے، قرآن میں سماعِ موتیٰ ثابت نہیں ہے، جو لوگ بمشیة اللہ خرقاً للعادة عند القبر سماع کے قائل ہیں، وہ کافر نہیں ہیں، اور جو لوگ سماعِ موتیٰ ہر وقت دور و نزدیک کے قائل ہیں، وہ ہمارے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔“



کیا یہ فیصلہ شرعاً درست ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔ صوبیدار اکبر خان۔

جواب:... سماعِ موتیٰ کے بارے میں حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ صحیح ہے، اور آپ کے مرسلہ پرچے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ غلط ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

”یہ مسئلہ عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف فیہا ہے، اس کا کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔“

(فتاویٰ رشیدیہ ص:۸۷، مطبوعہ قرآن محل کراچی)

جب یہ مسئلہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین... رضی اللہ عنہم... کے زمانے سے مختلف فیہا چلا آرہا ہے، تو ان میں سے کسی ایک فریق کو کافر قرار دینے والا گمراہ اور خارجی کہلانے کا مستحق ہوگا، واللہ اعلم!

عقیدۂ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ مسلمہ

سوال ۱:... نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ برزخی کے متعلق امتِ مسلمہ و اکابرینِ دیوبند کا عقیدہ کیا ہے؟

سوال ۲:... جو مقرر اپنی ہر تقریر میں حیات النبی کے انکار پر ضرور بولتا ہے، اور قائلینِ حیات کو برا کہتا ہے، کیا وہ اہلسنّت میں سے ہے؟

سوال ۳:... کیا واقعی یہ دیوبندی مسلک کے ترجمان ہیں، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے؟

سوال ۴:... کیا عقیدۂ حیاۃ النبی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں؟

سوال ۵:... کیا سماعِ انبیاء اختلافی مسئلہ ہے؟

سوال ۶:... کیا فتاویٰ رشیدیہ جو کہ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اصلی ہے؟

سوال ۷:... منکرینِ حیات اپنے معتقدین کو یہ کہتے ہیں کہ اب دیوبند میں بھی تخریب کار شامل ہوگئے ہیں، اس لئے وہاں بھی اصل عقیدہ کی مخالفت ہو رہی ہے، اور بریلوی ذہن کے لوگ وہاں شامل ہوگئے ہیں، کیا یہ تأثر ٹھیک ہے؟

سوال ۸:... مجمع الزوائد و مستدرک وغیرہ میں جو یہ حدیث آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور روضۂ

رسول پر حاضر ہوکر سلام کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جواب دیں گے، ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب ۱:... ہمارا اور ہمارے اکابر کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، یہ حیات برزخی ہے، جو مشابہ ہے حیات دنیوی کے۔

جواب ۲، ۳:... حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین کو برا بھلا کہنے والا نہ اہل سنت والجماعت کا ترجمان ہے، نہ علمائے دیوبند کا!

جواب ۴:... عقیدۂ حیات، قرآن کریم سے بدلالۃ النص اور حدیث سے صراحۃ النص سے ثابت ہے۔

جواب ۵:... مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

جواب ۶:... فتاویٰ رشیدیہ میں سماعِ موتیٰ کی بحث ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں نہیں۔

جواب ۷:... ''المہند علی المفند'' تو بریلویوں کے مقابلہ میں ہی لکھی گئی ہے، جس پر ہمارے تمام اکابر کے دستخط ہیں، اس میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ شرح وتفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

جواب ۸:... یہ روایت صحیح ہے،(۱) اور صحیح مسلم کی روایت اس کی مؤید ہے،(۲) واللہ اعلم!

منکرینِ حیات النبی کی اِقتداء؟

سوال:... ایک عالم یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ برزخی حاصل ہے، بایں صورت کہ آپ علیہ السلام کا جسدِ مبارک اپنی قبر میں صحیح سالم پڑا ہے، لیکن یہ جسم میّت ہے، اس میں حیات نہیں ہے، صرف رُوح کو حیات حاصل ہے، اور رُوح کا کوئی تعلق جسدِ انور کے ساتھ نہیں ہے، جو شخص مذکورہ عقیدے کے خلاف عقیدہ رکھے وہ پکا کافر اور کراڑ (ہندو) ہے، اس بات کا اظہار وہ اپنی اکثر تقاریر میں کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ:

سوال ۱:... آیا ایسا عقیدہ رکھنے والے عالم کے ساتھ عقیدت رکھنا جائز ہے؟

سوال ۲:... آیا اس عقیدے کے حامل اِمام کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے؟

سوال ۳:... ایسے عقیدے کے حامل کی تقاریر سننا شرعاً جائز ہیں یا کہ موجبِ گناہ؟

سوال ۴:... اس عقیدے کا اعلانیہ ردّ کرنا چاہئے یا کہ اس میں سکوت اختیار کرنا بہتر ہے؟

---

(۱) عن عطاء مولٰی اُمّ حبیبة قال: سمعت أبا هریرة یقول: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لیهبطن عیسَی ابن مریم حکمًا عدلًا وإمامًا مقسطًا ولیسلکن فجا حاجًّا أو معتمرًا ابنیتهما ولیأتین قبری حتّٰی یسلم علیَّ ولأردنّ علیه، یقول أبوهریرة: أی بنی أخی إن رأیتموه فقولوا: أبوهریرة یقرئک السلام. هٰذا حدیث صحیح الْاسناد. (مستدرک حاکم ج:۲ ص:۵۹۵ هبوط عیسٰی علیه السلام وقتل الدجال وإشاعة الإسلام، طبع دار الفکر بیروت).

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: والذی نفسی بیده! لیهلّنّ ابن مریم بفج الروحاء حاجًّا أو معتمرًا أو لیثنینّهما. رواه مسلم. (التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص:۱۰۰).

جواب:... میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، اور یہ حیات برزخی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود و سلام پیش کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں،[1] اور وہ تمام اُمور جن کی تفصیل اللہ ہی کو معلوم ہے، بجالاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو حیاتِ برزخیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حیات برزخ میں حاصل ہے، اور اس حیات کا تعلق رُوح اور جسد دونوں کے ساتھ ہے۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ میرے اکابرؒ کے نزدیک گمراہ ہے، اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اس کی تقریر سننا جائز نہیں، اور اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔

حیاتِ انبیاء فی القبور کے منکرین کا حکم

محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

روزنامہ جنگ کراچی ۹؍جون ۱۹۹۵ء میں آپ نے لکھا تھا:

"سلف صالحین سے بے اعتمادی:

س... ایک فرقہ حیات الانبیاء فی القبور، سماعِ موتیٰ، اسی دنیاوی قبر میں حساب و کتاب، تعویذ گنڈہ، واسطے اور وسیلے کے قائلین کو کافر اور مشرک کہتا ہے، اور کہتا ہے کہ حیاتِ انبیاء اور حساب و کتاب یہ سب برزخی معاملے ہیں، برزخی قبر ہر انسان کو ملتی ہے، قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جس کے اندر انسان کو دُنیا میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ کافر اور مشرک کے فتویٰ کی ابتدا امام احمد بن حنبلؒ سے کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان عقائد کی ابتداء ان سے ہوئی ہے، اس کے بعد اِمام ابنِ تیمیہؒ، ابنِ قیمؒ سمیت تمام صالحین ان کے کفر و شرک کے فتوے کی زد میں آتے ہیں۔ خدارا! جواب عنایت فرمائیں کہ یہ فرقہ مسلمان ہے یا کافر؟

وجہ سوال یہ ہے کہ میرے ایک ماموں جان اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اب وہ کراچی ہی میں وفات پاکر وہیں مدفون ہوچکے ہیں، میرا ہر وقت انہیں ایصالِ ثواب اور ان کے لئے دُعائے مغفرت کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر ان کے عقائد کی وجہ سے میں جھجکتا ہوں کہ خدانخواستہ یہ فرقہ مسلمان ہی نہ ہو؟

ج... یہ فرقہ خارجیوں کے مشابہ ہے کہ تمام اکابرِ اہلِ سنت کو حتیٰ کہ اِمام احمد بن حنبلؒ کو بھی کافر و مشرک سمجھتا ہے، اور ان کے عقائد کا منشا سلف صالحین سے بے اعتمادی اور اپنے جہل پر غرور و پندار ہے۔ عقائد کی کتابوں میں بعض اکابر کا قول ہے کہ جو فرقہ تمام سلف صالحین کو گمراہ کہتا ہو، اس کو گمراہ قرار دیا جائے گا، اور جو ان سب کو کافر قرار دیتا ہو، اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ بہرحال ان کو کافر قرار دینے میں تو احتیاط کی جائے، مگر ان کی گمراہی میں

---

(۱) عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من أحد يسلّم عليَّ إلّا ردّ الله عليَّ رُوحی حتّٰى أردّ عليه السلام۔ رواه ابوداؤد والبيهقی فی الدعوات الكبير۔ (مشكوٰة ص:۸۶، باب الصلوٰة على النبی، طبع قديمی كتب خانه)۔

شک نہیں۔ آپ اس طرح دُعا کیا کریں کہ اگر یہ مسلمان تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں۔“

اس جواب کی روشنی میں گویا جو فرقہ حیاتِ انبیاء فی القبور، سماعِ موتی، دُنیاوی قبر میں حساب و کتاب، تعویذ گنڈہ اور واسطہ، وسیلہ کے قائلین کو مشرک کہے، وہ آپ کے نزدیک خارجیوں کے مشابہ ہے، اور اس کی گمراہی میں کوئی شک نہیں۔ اس سلسلے میں مجھے آپ سے چند سوالات کرنا ہیں، آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت اور مستند حوالوں سے جواب مرحمت فرمائیں، وہ سوالات یہ ہیں:

سماعِ موتیٰ قرآن کی نظر میں:

ا:... قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا کہ:

”وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔“ (پارہ:۲۲، رکوع:۱۵ سورۂ فاطر)

ترجمہ:... ”اے نبی آپ قبر میں پڑے ہوؤں (یعنی مردوں) کو نہیں سنا سکتے۔“

ایک اور آیت میں ہے:

”فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔“ (سورہ روم رکوع:۸)

ترجمہ:... ”(اے نبی) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔“

سورۂ نمل میں بھی اسی طرح کی ایک آیت ہے، جو سماعِ موتیٰ کی نفی کر رہی ہے۔ مذکورہ بالا آیات سماعِ موتیٰ کی نفی کر رہی ہیں، جبکہ آپ کے جواب (جو کہ جنگ میں شائع ہوا ہے) سے سماعِ موتیٰ کی تائید ہوتی ہے۔

برائے مہربانی ان آیات کا جو اصل مدعا ہے، یعنی ان آیات کا جو اصل مقصد ہے، اس سے آگاہ فرمائیں، تاکہ ان شکوک وشبہات کا اِزالہ ہوسکے جو میرے ذہن میں جنم لے رہے ہیں۔

سماعِ موتیٰ احادیث کی نظر میں:

غزوۂ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نعشوں کو ایک گڑھے میں ڈالا اور گڑھے کے کنارے کھڑے ہوکر فرمایا:

”ھَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا؟“

ترجمہ:... ”تم سے تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا، وہ تم نے حق پالیا؟“

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

”مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ، وَلٰکِنْ لَا یُجِیْبُوْنَ!“

ترجمہ:... ”تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے!“

یہ واقعہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کیا گیا، تو ام المؤمنینؓ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ہرگز نہیں فرمائی تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

”إِنَّھُمُ الْآنَ لَیَعْلَمُوْنَ أَنَّ مَا کُنْتُ أَقُوْلُ لَھُمْ حَقٌّ!“ (بخاری ج:۲ ص:۵۶۷)

ترجمہ:... ”انہوں نے اب تو وہ حق بات جان لی ہوگی جو میں ان سے کہتا تھا۔“

اور آپ ایسی بات فرما بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی۔“

(یقیناً آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے) (بخاری ج:۲ ص:۵۶۷)

مذکورہ بالا واقعہ بھی سماعِ موتی کا انکار کر رہا ہے، آپ یہ ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے کہ حضرت عائشہؓ کا علمیت میں کیا مقام تھا؟ ان سے بہتر مفسرہ، محدثہ، فقیہہ، خطیبہ سب سے بڑی مؤرخہ اور سب سے بڑی ماہرِ انساب شاید دُنیا میں اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا، نہ مردوں میں، نہ عورتوں میں، انہوں نے ہی یہ فقہی اُصول پیش کیا تھا کہ جو روایت خلافِ قرآن ہو، وہ ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگی، یا اس کی تأویل کی جائے گی یا اس کا ردّ کیا جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ: سماعِ موتی کے انکاری خارجی ہیں، جبکہ یہ تاریخ میں محفوظ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سب سے پہلے سماعِ موتی کا انکار کیا۔

میری آپ سے گزارش ہے کہ ہمیں بھی اس پہلو سے آگاہ کریں جو کہ حضرت عائشہؓ کی نظروں سے اوجھل رہا۔

سماعِ موتی امام ابوحنیفہؒ کی نظر میں:

امام ابوحنیفہؒ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آکر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اے قبر والو! تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمہارے پاس مہینوں سے آرہا ہوں اور تم سے میرا سوال صرف یہ ہے کہ میرے حق میں دُعا کرو، بتاؤ! تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو؟

امام ابوحنیفہؒ نے اس کا یہ قول سن کر اس سے دریافت کیا کہ: کیا قبر والوں نے کچھ جواب دیا؟ وہ بولا: نہیں دیا! امام ابوحنیفہؒ نے یہ سن کر کہا: تجھ پر پھٹکار! تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہوجائیں، تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ جواب دے سکتے ہیں، اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہیں، اور نہ وہ آواز ہی سن سکتے ہیں۔ پھر ابوحنیفہؒ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

”وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ۔“

ترجمہ:... ”اے نبی! تم ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں، نہیں سنا سکتے۔“

(غرائب فی تحقیق المذاہب وتفہیم المسائل ص:۱)

یہاں بھی وہی سوال ہے کہ امام ابوحنیفہؒ بھی سماعِ موتی کے انکاری تھے، پھر بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ابوحنیفہؒ کا یہ عمل کیسا تھا؟ ذرا وضاحت کے ساتھ سمجھا دیں۔

واسطے اور وسیلے:

اب میرے سوالات مذکورہ عنوان کے تحت ہوں گے، امید ہے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واسطے اور وسیلے قرآن کی نظر میں:

سورۂ بقرہ آیت:۱۸۶ میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ”اور اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں

بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، بندہ جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں، اور جواب دیتا ہوں، لہٰذا انہیں چاہئے کہ میرا ہی حکم مانیں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں۔ یہ بات تم انہیں سنادو، شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔“

سورۂ ق آیت: ۱۴ میں ارشاد ہے:

”ہم نے انسان کو بنایا ہے اور ہم جانتے ہیں جو باتیں اس کے جی میں آتی ہیں، اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

سورۂ اعراف آیت: ۱۸۰ میں ارشاد ہے:

”اور اللہ کے تمام نام اچھے ہیں، ان ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔“

درج بالا تمام آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ ہماری سمجھ میں کوئی خرابی ہو، لہٰذا آپ محترم سے یہ مؤدّبانہ عرض ہے کہ مذکورہ بالا آیات (جو کہ واسطے اور وسیلوں کی نفی کر رہی ہیں) کا درست مفہوم کیا ہے؟

واسطے اور وسیلے احادیث کی روشنی میں:

ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے یہ دعا کی:

”اے اللہ میں آپ سے اس وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تمام حمد آپ ہی کے لئے ہے، آپ کے علاوہ کوئی اور عبادت کے لائق نہیں، آپ مہربان اور احسان کرنے والے ہیں، زمین و آسمان کے بنانے والے ہیں، اے جلال و اکرام والے، اے زندہ، اے بندوبست کرنے والے میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۱۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

”اس نے اللہ کے اسمِ اعظم کے ذریعے دُعا کی ہے کہ جب بھی اس کے ذریعے دُعا کی جاتی ہے، قبول ہوتی ہے، اور جب بھی کوئی سوال کیا جاتا ہے، عطا کیا جاتا ہے۔“

مذکورہ حدیث سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ کو کسی نبی، کسی پیر، کسی فقیر کے واسطہ اور وسیلے کی ضرورت نہیں، اور ایسی کوئی دُوسری حدیث بھی ہمیں نہیں ملی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ناموں کے علاوہ کسی دُوسرے واسطے یا وسیلے کا ذکر کیا ہو۔

لہٰذا آپ سے سوال ہے کہ ہم واسطے یا وسیلے کے قائل ہوں تو کیونکر؟ ذرا تفصیل سے جواب عنایت فرمادیں۔

واسطے اور وسیلے ابوحنیفہؒ کی نظر میں:

یہ بات کسی کو دُرست نہیں کہ دُعا مانگے اللہ سے کسی اور وسیلے سے، بلکہ چاہئے کہ اللہ ہی کے ناموں اور صفتوں کے ساتھ وسیلہ پکڑے اور یہ بھی نہ کہے کہ مانگتا ہوں تجھ سے بھی فلاں یا ساتھ فرشتوں یا نبیوں کے تیرے اور مثل اس کے (درمختار)۔

لیجئے! ابوحنیفہؒ کا فتویٰ بھی حاضر ہے، ہم واسطے اور وسیلے کے قائل ہوں تو کیونکر؟ مؤدّبانہ عرض ہے۔

تعویذ گنڈے:

محترم مولوی صاحب!

تعویذ گنڈوں کا ثبوت یا ذکر ہمیں قرآن میں نہیں ملتا، ہاں احادیث اس کا ردّ کرتی نظر آتی ہیں، مثلاً: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ دم، تعویذ اور تولہ سب شرک ہیں (ابوداوٴد، مشکوٰة ص:۳۸۹)۔

ہماری ناقص عقل تو یہ کہتی ہے کہ قرآن سراسر راہِ ہدایت ہے، اور یہ ہدایت ہم اس کو سمجھ کر ہی حاصل کرسکتے ہیں، نہ کہ تعویذ بناکر گلے میں ڈالنے سے یا گھول کر پینے سے۔ ویسے ہم ہدایت کے طالب ہیں، آپ نے جو اس کے نہ ماننے والوں کو خارجی کہا ہے، ضرور آپ کی نظر میں کوئی حدیث، کوئی واقعہ ہوگا۔ براہِ مہربانی! ہمیں بھی اس سے آگاہ فرمائیں، نوازش ہوگی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قرآن اور شہد دونوں کے بارے میں فرمایا کہ ان دونوں میں موٴمنین کے لئے شفا ہے، تو کیا جس طرح قرآن کو گلے میں لٹکاتے، بازو پر باندھتے ہیں، اسی طرح شہد کی بوتلوں کو گلے میں لٹکانے یا بازو پر باندھنے سے شفا مل سکتی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

دُنیاوی قبر میں حساب و کتاب:

محترم لدھیانوی صاحب!

مذکورہ بالا عنوان کے تحت میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ دُنیاوی قبر میں جو حساب و کتاب کو نہ مانے وہ خارجی کیسے ہے؟ جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”نطفے کی بوند سے ہم نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی، پھر اس کے لئے زندگی کی راہ آسان کی، پھر اسے موت دی اور قبر عطا فرمائی۔“ (سورہٴ عبس آیات ۱۸ تا ۲۱)

جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو قبر (مٹی والی قبر) میسر نہیں آتی، کچھ کو جانور بھی کھا جاتے ہیں، کچھ پانی میں مرجاتے ہیں، کوئی ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، کسی کو لوگ جلادیتے ہیں، غرض یہ کہ کثیر تعداد میں لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو دُنیاوی قبر میسر نہیں آتی، تو پھر قرآن کا یہ دعویٰ کہ ہم انسان کو قبر عطا کرتے ہیں، سے کیا مراد ہے؟

میری ناقص عقل یہ کہتی ہے کہ قرآن کا دعویٰ بالکل سچا ہے اور قرآن میں مذکورہ قبر سے مراد برزخی قبر ہے، جو ہر ایک کو ملتی ہے، اور مردے پر عذاب و راحت کا دور گزرتا ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”آلِ فرعون کو صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے“ (سورہٴ موٴمنون:۴۵)۔

فرعون کی لاش آپ دیکھ لیں یورپ میں محفوظ ہے، لیکن قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ اسے آگ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عذاب کا یہ دور اس پر کہاں گزرتا ہے؟

فرعون کی لاش (بدن) کو بچانے کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس آیت: ۹۰-۹۲ میں کیا ہے، تا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔

حیات الانبیاء فی القبور:

محترم لدھیانوی صاحب! اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۔" (مؤمنون آیت: ۱۵،۱۶)

ترجمہ:... "دُنیاوی زندگی کے بعد تمہیں ایک دن ضرور مرنا ہے، اور پھر روزِ قیامت ہی اُٹھایا جانا ہے۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ اس اُصول کے لئے کسی نبی، ولی، بزرگ کی تخصیص نہیں ہے، یہ اُصول عام ہے، اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔" (الزمر: ۳۰)

ترجمہ:... "بے شک (اے نبی) تم بھی مرنے والے ہو اور ان لوگوں کو بھی موت آنی ہے۔"

یہ آیات ہمیں یہ بتارہی ہیں کہ ہر ذی رُوح نے موت کا مزا چکھنا ہے، چاہے وہ انبیاء ہی کیوں نہ ہوں۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے، اور اس مقرر وقت پر سب کو موت آئے گی یا آتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان واضح آیات کی موجودگی میں یہ کہنا کہ انبیاء قبروں میں زندہ ہیں، تو قرآن کی یہ بات کن لوگوں کے لئے ہے؟ کیا عام لوگوں کے لئے؟ کیونکہ اگر حیات الانبیاء فی القبور کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء کو موت آتی ہی نہیں، اور اگر آتی بھی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے، قبر میں جاتے ہی وہ زندہ ہوجاتے ہیں۔

جبکہ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ ہر مرنے والا قیامت کے دن ہی اُٹھے گا۔

حیات الانبیاء فی القبور سے متعلق میں ایک واقعہ درج ذیل کر رہا ہوں جو کہ بخاری کی ایک طویل ترین حدیث ہے، اور واقعہ معراج سے متعلق ہے، اس کا آخری حصہ درج ذیل ہے:

"نبی اکرم نے فرمایا..... جبرائیل نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا: میں جبرائیل ہوں، اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ ذرا اپنا سر اُوپر تو اُٹھایئے۔ میں نے اپنا سر اُوپر اُٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اُوپر ایک بادل سا دیکھا، ان دونوں نے کہا: یہ آپ کا مقام ہے! میں نے کہا کہ: مجھے چھوڑو کہ میں اپنے گھر میں داخل ہوجاؤں! ان دونوں نے کہا کہ: ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے، جس کو آپ نے ابھی پورا نہیں کیا ہے، اگر آپ اس کو پورا کرلیں تو اپنے اس گھر میں آجائیں گے۔" (ترجمہ از عبارت ص: ۱۸۵ بخاری جلد: ۱ مطبوعہ دہلی)

مذکورہ بالا حدیث تو یہ ثابت کر رہی ہے کہ وفات کے بعد نبی مدینہ منورہ کی قبر میں زندہ نہیں، بلکہ اپنے اس گھر میں زندہ ہیں جو جبرائیلؑ نے انہیں معراج کے وقت دکھایا تھا۔

سعید بن مسیّبؒ اور عروۃ بن الزبیرؒ اور بہت سے اہلِ علم بیان کرتے ہیں کہ:

”حضرت عائشہؓ نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تندرستی کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ: کسی نبی کو کبھی وفات نہیں دی جاتی جب تک اسے جنت میں اس کا مقام دکھا نہیں دیا جاتا، مقام دکھا دیئے جانے کے بعد اس کو انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے، چاہے دُنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ کی ملاقات کو ترجیح دے۔ پس جب آپ کا آخری وقت آیا اور اس حال میں کہ آپ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا، آپ کو تھوڑی دیر کے لئے غش آ گیا، عائشہؓ نے کہا: آخری کلمہ جس کے بعد آپ نے کوئی بات نہ کی یہ تھا: اللّٰهم رفيق الأعلىٰ! یعنی آپ نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت کو ترجیح دی۔“ (بخاری ص:۹۳۹ جلد:۲ مطبوعہ دہلی)

بخاری کی یہ حدیث یہ ثابت کر رہی ہے کہ نبی نے اللہ کی ملاقات کو ترجیح دی، اور اس دُنیا سے چلے گئے۔ اب اگر ہم انہیں مدینے کی قبر میں زندہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی نے دُنیا والوں کو ترجیح دی اور ان سے تعلق باقی رکھا۔

براہِ مہربانی! اس کی وضاحت کردیں کہ ان احادیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ ہمارے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔

بخاری کی ایک حدیث یہ بھی ہے کہ:

”حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت ہوئی جب ابوبکرؓ مکہ سے قریب ایک مقام پر تھے، اس وقت حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی، اور عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کو پھر زندہ کرے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے (منافقوں کے جو خوشیاں منا رہے تھے) ہاتھ اور پیر ضرور کاٹ ڈالیں گے، پھر ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے چادر ہٹائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو بوسہ دیا اور کہا کہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان! زندگی اور موت دونوں میں آپ پاکیزہ رہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہ چکھائے گا، پھر وہ باہر نکل گئے اور عمرؓ سے مخاطب ہوکر کہا: اے قسم کھانے والے! اتنی تیزی نہ کر۔

الزہریؒ کہتے ہیں کہ ابوسلمہ نے مجھ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ: ابوبکرؓ باہر نکلے، عمرؓ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے، اب لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کی اور عمرؓ کو چھوڑ دیا، حمد و ثنا کے بعد ابوبکرؓ نے کہا: سن رکھو کہ تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی کرتا تھا، اسے معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے، اور جو اللہ کا پجاری تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے موت نہیں آئے گی، پھر قرآن کی یہ آیات تلاوت فرمائیں، جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ترجمہ:... محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر گئے ہیں، پس کیا اگر یہ مرجائیں یا شہید کردیئے جائیں تو تم اُلٹے پیروں پھر جاؤ گے اور جو اُلٹے پیروں پھر جائے وہ

اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکے گا، اللہ تعالیٰ اپنے شکرگزار بندوں کو جزا دے کر رہے گا۔“

(ترجمہ ص:۷۵۱ جلد:۱، ص:۶۴۰ جلد:۲ بخاری)

صحابہ کرامؓ اپنے نبی سے بہت محبت کرتے تھے، اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ نبی زندہ ہیں تو کبھی بھی ان کا خلیفہ منتخب نہ کرتے، نہ اپنے نبی کی تجہیز وتکفین کرتے، نہ ان کو قبر میں اُتارتے، بعد میں نہ تو کبھی اجتہاد کی ضرورت پیش آتی، نہ رجال کی چھان بین کی، نہ احادیث کی تحقیق میں محنت صرف کرنا پڑتی، جب بھی جس چیز کی ضرورت ہوتی، قبر پر پہنچ کر دریافت کرلیتے، ابوبکرؓ، ارتداد کے موقع پر وہاں سے رہنمائی لیتے، عمرؓ قحط کے وقت، عثمانؓ فتنہ کے وقت اور حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ جنگ جمل اور صفین کے موقع پر۔

میری ناقص عقل کے مطابق قبر میں مردہ کے زندہ ہوجانے کا عقیدہ ہی تو قبرپرستی کی جڑ ہے، کیونکہ جب کسی قبرپرست کو یہ یقین دلایا جائے کہ قبر میں موجود شخص تیری آواز کو سن نہیں سکتا، تیری حاجت کو پورا نہیں کرسکتا، بلکہ اس کو تو خود یہ خبر نہیں کہ کب زندہ کرکے اُٹھایا جائے گا؟ تو قبرپرست، قبرپرستی سے تائب ہوجائے گا۔

محترم لدھیانوی صاحب! اس معاملے پر بھی ہماری راہنمائی کیجئے، نوازش ہوگی۔

خط انتہائی طویل ہوگیا ہے، کیا کریں عقائد کے مسائل تھے، جن پر ہماری دوزخ اور جنت کا دارومدار ہے، کیونکہ جس شخص کے عقائد وہ نہ ہوں جو کہ قرآن وحدیث صحیح نے بیان کئے ہیں، تو وہ شخص لاکھ نیک اعمال کرتا رہے، مثلاً: نماز، روزہ، حج وغیرہ، لیکن یہ چیزیں اس کو کوئی نفع نہیں پہنچاسکتیں، کیونکہ سب سے پہلی چیز اِیمان ہے۔

محترم! خط طویل ہے جو کہ آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے گا، لیکن میں پُراُمید ہوں کہ آپ جواب ضرور عنایت فرمائیں گے۔

آپ کے روزنامہ ”جنگ“ میں دیئے ہوئے جوابات سے جن شکوک وشبہات نے جنم لیا تھا، میں انہیں ہی معلوم کرنا چاہتا ہوں، اور میں انتہائی مشکور ہوں گا کہ آپ مجھے جوابات سے مطمئن فرمائیں۔

فقط

تحریم احمد صدیقی

مکان نمبر:۷ اے میر فضل ٹاؤن

نزد فضل مسجد والی گلی لطیف آباد نمبر:۹

۱۰/دسمبر ۱۹۹۵ء

جواب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

محترم ومکرم جناب تحریم احمد صدیقی صاحب۔

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ جناب کا گرامی نامہ میرے ایک تحریر کردہ جواب کے سلسلے میں، جو ۹/جون ۱۹۹۵ء کے اخبار جنگ میں شائع ہوا تھا، موصول ہوا۔ جس میں جناب نے سماعِ موتیٰ، حیات فی القبور، تعویذ گنڈے اور توسل وغیرہ مسائل کے بارے میں اپنے موقف کے دلائل پیش کرکے مجھے ان کا جواب لکھنے کے بارے میں فرمایا ہے۔

اس ناکارہ نے اس فرقے کو "خارجی فرقے کے مشابہ" کہا ہے، اس کی وجہ سائل کا یہ فقرہ ہے:

"افسوس کہ یہ لوگ کافر و مشرک کے فتویٰ کی ابتداء اِمام احمد بن حنبلؒ سے کرتے ہیں، کہ ان عقائد کی ابتداء ان سے ہوئی ہے، اس کے بعد اِمام ابنِ تیمیہؒ، ابنِ قیمؒ سمیت تمام صالحینؒ ان کے فتویٰ کی زد میں آتے ہیں....."

خارجی لوگ بھی اپنے نظریات کے لئے قرآن کے حوالے دیتے تھے، اور صحابہؓ و تابعینؒ، جو ان کے مزعومہ نظریات سے متفق نہیں تھے، ان کو کافر قرار دیتے تھے۔ اگر آپ حضرات بھی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ سے لے کر امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تک اور ان کے بعد کے تمام اکابر و اعاظم پر کافر و مشرک ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں، تو بلاشبہ آپ خارجی فرقے کے مشابہ ہیں، اس صورت میں آپ کے دلائل پر غور کرنا اور آپ کے استدلال کی غلطی واضح کرنا بے سود ہے، کیونکہ حدیثِ نبوی کے مطابق: "لَا یعرف معروفًا ولَا ینکر منکرًا إلّا ما اشرب من ھواہ!" آپ کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، پس جب کوئی شخص اپنے نظریہ پر اتنا پکا ہو کہ اپنے سوا پوری اُمت کے اکابر و اعاظم کو کافر و مشرک اور بے ایمان سمجھتا ہو، اس سے کسی جزوی مسئلے پر گفتگو کرنا کارِ عبث ہے۔ البتہ چند نکات آنجناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، ان کی وضاحت فرمادی جائے تو اِن شاء اللہ! آنجناب کے ذکر کردہ مسائل پر بھی معروضات پیش کرکے آنجناب سے دادِ انصاف طلب کروں گا۔ وضاحت طلب اُمور یہ ہیں:

۱:... کیا آپ حضرات ان اکابرِ اُمت کو جو "حیات الانبیاء فی القبور"، سماعِ موتیٰ، اس قبر میں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے، حساب و کتاب یا سوال و جواب ہونے، تعویذ گنڈے کے جواز اور وسیلہ و توسل کے قائل ہیں، واقعۃً کافر و مشرک سمجھتے ہیں؟ اور شرعاً ان کے وہ احکام ہیں جو کافروں اور مشرکوں کے ہیں؟

۲:... آپ نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"ان سے بہتر مفسرہ، محدثہ، فقیہہ، خطیبہ، سب سے بڑی مؤرّخہ، سب سے بڑی ماہرِ انساب شاید دُنیا میں اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا، نہ مردوں میں، نہ عورتوں میں۔"

اگر مذکورہ بالا پانچ مسائل میں سے کسی مسئلے کی وہ بھی قائل ہوں، تو کیا وہ بھی آپ حضرات کے نزدیک... نعوذ باللہ... کافرہ و مشرکہ ہوں گی؟

۳:... جو صحابہ کرامؓ ان مسائل میں آپ کے خلاف رائے رکھتے تھے، کیا وہ بھی کافر اور مشرک تھے؟

۴:... آپ نے اپنے خط میں حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کا دو جگہ حوالہ دیا ہے، حالانکہ اِمام ابوحنیفہؒ حیات فی القبر کے قائل ہیں، اور انہوں نے اس مسئلے کو عقائد میں ذکر کیا ہے، سوال یہ ہے کہ اِمام ابوحنیفہؒ بھی اس عقیدے کی وجہ سے کافر و مشرک ہوئے یا نہیں؟

۵:... صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر آج تک جو حضرات ان پانچ مسائل کے قائل تھے، وہ تو آپ کی نظر میں کافر و مشرک تھے، اور جو کافر و مشرک کو مسلمان سمجھے، وہ بھی کافر ہوتا ہے! تو کیا چودہ صدیوں کی امت میں کوئی ایسا فرد ہے جو ان مسائلِ خمسہ کا قائل

نہ ہو؟ یا ان مسائل کے قائلین کو مسلمان نہ سمجھتا ہو؟ اگر کچھ خوش قسمت افراد ایسے ہیں جو آپ حضرات کے معیار کے مطابق مسلمان ہوں تو از راہ کرم! ہر صدی کے دس دس افراد کے نام لکھ دیجئے۔

۶:... کافر و مشرک کے قول کا بھی اعتبار نہیں، اور اس کی نقل و روایت بھی لائقِ اعتماد نہیں، تو:

الف:... قرآن کریم کا نقلِ متواتر سے منقول ہونا کیسے ثابت ہوگا؟ جبکہ ناقلینِ قرآن یا تو ان مسائلِ مختلف فیہ میں سے کسی نہ کسی مسئلے کے قائل ہیں، یا قائلین کو آپ کی طرح کافر و مشرک نہیں سمجھتے، اور اُوپر نمبر:۵ میں عرض کرچکا ہوں کہ کافر و مشرک کو کافر نہ سمجھنے والا بھی کافر ہے۔ گویا چودہ صدیوں کی ساری اُمت کافر و مشرک تھی، ان کافروں اور مشرکوں کی نقل کی ہوئی کتاب کس طرح لائقِ اعتماد ہوگی؟ اور اس سے استدلال کرنا کیسے جائز ہوگا؟

ب:... ٹھیک یہی سوال ''صحیح بخاری'' کے بارے میں ہوگا، اس میں بے شمار روایتیں آپ کے کافروں اور مشرکوں سے منقول ہیں، اور صحیح بخاری کی جو سند ہم تک پہنچتی ہے ان میں بھی بہت سے اکابر ایسے ہیں جو آپ کے ان مسائل کے کلاً یا بعضاً قائل ہیں، سوال یہ ہے کہ یہ صحیح بخاری جو کافروں اور مشرکوں کے ذریعے ہم تک پہنچی، وہ کس طرح لائقِ اعتبار ہوسکتی ہے؟ اور اس سے استدلال کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ بلکہ خود اِمام بخاریؒ بھی ان مسائل کے کلاً یا بعضاً قائل ہیں، وہ بھی آپ کے نزدیک کافر و مشرک ہوئے، پھر وہ اِمام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد رشید ہیں، اور صحیح بخاری میں ان سے روایتیں لاتے ہیں، جبکہ اِمام احمد بن حنبلؒ آپ کے نزدیک سرگروہِ مشرکین ہیں، پس ایسے شخص کی کتاب کا کیا اعتبار؟ جو خود بھی مشرک ہو، اور مشرکوں کا شاگرد بھی ہو!

ج:... حدیث کی تصحیح و تضعیف کا جن اکابر پر مدار ہے، وہ ان مسائلِ خمسہ کے یا تو خود قائل تھے، کلاً او بعضاً، یا کم سے کم ان مسائل کے قائلین کو کافر و مشرک نہیں کہتے تھے، اندریں صورت کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا موضوع قرار دینے کی کیا صورت ہوگی؟

۷:... جو فرد یا فرقہ پوری امت کو کافر و مشرک تصور کرتا ہو، وہ مسلمان کیسے ہوگا؟ اور اسلام کے اُصول و فروع کس سے حاصل کرے گا؟

مجھے اُمید ہے کہ آپ ان سات سوالوں کو اچھی طرح سوچ کر، ان کے جوابات رقم فرمائیں گے، پھر آپ کے اُصولِ موضوعہ کی روشنی میں یہ ناکارہ آپ کے مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کرے گا، والسلام!

قبرِ اقدس پر سماع کی حدود

سوال:... قبرِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہوکر درود شریف پڑھنا حضراتِ اکابرین دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سماعت فرماتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ قبرِ اقدس پر سماع کی حدود کہاں تک ہیں؟

۱:... آیا حجرۂ عائشہؓ کی حدود؟

۲:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی مسجد کی حدود؟

۳:... دورِ عثمانی کی مسجد کی حدود جب کہ مسجد کی توسیع کر کے حجرۂ عائشہؓ کو مسجد میں شامل کیا گیا؟

۴:...موجودہ مسجد؟

۵:...آئندہ توسیع شدہ حدودِ مسجد؟

۶:...حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا شہرِ مدینہ؟

۷:...موجودہ شہرِ مدینہ؟

۸:...آئندہ کا شہرِ مدینہ؟

جواب:...کہیں تصریح تو یاد نہیں، اکابر سے سنا ہے کہ احاطۂ مسجد شریف میں جہاں سے بھی درود و سلام پڑھا جائے خود سماعت فرماتے ہیں، مسجد کی حدود جہاں تک وسیع ہوں گی وہاں تک سماعت کا حکم ہوگا، اور حجرۂ شریفہ کے قریب سے سلام عرض کرنا أقرب الی الأدب والمحبت ہوگا۔

قبر کی شرعی تعریف

سوال:...۱: قبر کی شرعی تعریف کیا ہے؟ اگر اس سے مراد شرعاً وہی زمینی گڑھا ہے تو اس کے قبرِ شرعی ہونے پر کیا دلائل ہیں؟

سوال:... ۲: منکرینِ حیات کہتے ہیں کہ یہ گڑھا شرعی طور پر قبر نہیں ہے، ورنہ ان افراد کے بارے میں کیا کہا جائے گا جنہیں جلا دیا گیا یا غرق ہونے کے بعد سمندر کی مچھلیاں کھا گئیں؟

سوال:... ۳: اگر قبر سے شرعی طور پر یہی گڑھا مراد ہے تو ایک صالح کے لئے اس کی فراخی اور برے کے لئے اس کی تنگی ظاہری قبر کی طرح مشاہدے میں کیوں نہیں آتی؟ اُمید ہے کہ ایک طالبِ علم کی تسلی کے لئے مفصل اور باحوالہ تحریر فرمائیں گے۔

جواب:...قبر سے مراد یہی گڑھا ہے، جس میں میّت کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسی میں ثواب و عذاب ہوتا ہے، اس کے دلائل بہت ہیں، چند ایک کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

۱:...”إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ، الحديث۔“

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۳، ۱۸۴)

میّت کو اسی قبر میں رکھا جاتا ہے، اسی میں وہ لوٹنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے، اسی میں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اسی قبر میں اسے بٹھاتے ہیں۔

۲:...”خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَسَمِعَ صَوْتًا، فَقَالَ: يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِيْ قُبُوْرِهَا۔“ (بخاری ج:۱ ص:۱۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی قبروں سے عذاب کی آواز سن کر فرمایا تھا کہ یہود کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جارہا ہے۔

۳:...”مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَبْرَیْنِ فَقَالَ: إِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ .... الخ۔“

(بخاری ج:۱ ص:۱۸۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی قبروں پر گزرے تھے اور انہی کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔

۴:...”بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ لِّبَنِی النَّجَّارِ عَلٰی بَغْلَةٍ لَّہٗ وَنَحْنُ مَعَہٗ إِذْ حَادَتْ بِہٖ فَکَادَتْ تُلْقِیْہِ وَإِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ أَوْ أَرْبَعَةٌ..... فَقَالَ: إِنَّ ھٰذِہِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰی فِیْ قُبُوْرِھَا، فَلَوْلَا أَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللہَ أَنْ یُّسْمِعَکُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِیْ أَسْمَعُ مِنْہُ.....الخ۔“

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۶)

اسی ظاہر قبر کے عذاب سے آپ کی سواری بدکی تھی، اور انہی قبروں میں ان لوگوں کو عذاب دیا جارہا تھا اور انہی قبروں کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ قبر کا جو عذاب میں سن رہا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دیتا۔

۵:...”قُوْلِیْ: اَلسَّلَامُ عَلٰی أَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ۔“

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۱۴)

”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا أَھْلَ الْقُبُوْرِ۔“ (ترمذی ج:۱ ص:۱۲۵)

”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ۔“ (ابوداؤد ج:۳ ص:۱۰۵)

انہی قبور میں جانے والوں کو السلام علیکم کہنے کا حکم ہوا، اور انہی قبور کو ”دارِ قوم مؤمنین“ فرمایا گیا۔

قبر کا عذاب و ثواب عالمِ غیب کی چیز ہے، اس لئے اس کو ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا، جس طرح خواب کے احوال بیداری والوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ جن لوگوں کو دفن نہیں کیا جاتا، کیا بعید ہے کہ ان کے لئے فضا ہی کو قبر بنا دیا جائے؟ بہرحال عذابِ قبر کا انکار کرنا یا نصوص کے برخلاف ”قبر“ میں تأویلیں کرنا تقاضائے ایمان و انصاف کے خلاف ہے، واللہ اعلم!

عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سوال:...مسئلہ حیات النبی کے سلسلے میں مولانا اللہ یار خاں کی کتاب ”حیاتِ انبیاء“ پڑھی اور اس کے بعد یہ مسئلہ صراحتاً شیخ القرآنؒ نے اپنی تفسیر ”جواہر القرآن“ میں بیان فرمایا ہے، لیکن مولانا اللہ یار خان نے حیات کی کیفیت رُوح کا جسمِ اطہر یعنی بدنِ عنصری کے ساتھ منوانے کے لئے دلائل دیئے ہیں، حالانکہ شیخ القرآنؒ نے جسمِ مثالی کو تسلیم کروایا ہے۔ براہِ کرم اس کی وضاحت فرمادیں اور بتائیں کہ یہ مسئلہ ایمانیات سے ہے؟

جواب:...میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ مطہرہ میں حیاتِ جسمانی کے ساتھ

حیات ہیں،[۱] یہ حیات برزخی ہے، مگر حیاتِ دُنیوی سے بھی قوی تر ہے۔[۲] جو حضرات اس مسئلے کے منکر ہیں، میں ان کو اہلِ حق میں سے نہیں سمجھتا، نہ وہ علمائے دیوبند کے مسلک پر ہیں۔

سوال:... محترم مکرم! اس سے پہلے بھی آپ کو خط لکھا تھا اور آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر جواب بھی عنایت فرمایا تھا۔ اُمید ہے کہ آپ اس دفعہ بھی جواب عنایت فرمائیں گے۔ محترم المقام! میرا سوال مسئلہ حیاۃ النبی پر ہے، یعنی اس میں کیا اختلاف ہے؟ اور سیدھا راستہ کون سا ہے؟ یعنی مسئلہ حیاۃ النبی اور صراطِ مستقیم۔

جواب:... میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور اس مسئلے پر مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔[۳] کوئی تھوڑا سا میری کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اکابرِ اُمت سے لے کر آج تک یہ مسئلہ متفق چلا آتا ہے، اب لوگ خواہ مخواہ اس میں گڑبڑ کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں حیات ہیں

سوال:... اسی طرح ہم نے سنا ہے کہ جب کوئی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر جاکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دیتے ہیں۔

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر میں حیات ہیں، سلام سماعت فرماتے ہیں اور جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔[۴]

اُمتی کے اعمال کا حضور کے سامنے پیش ہونا، یہ عقیدہ قرآن کے خلاف نہیں؟

سوال ایک مفتی صاحب داڑھی منڈانے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''داڑھی منڈانے والو! تمہارے اعمال روزانہ فرشتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، تو حضور علیہ السلام کو یہ حرکات دیکھ کر کتنا دُکھ ہوگا۔'' اب آپ سے میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ فرشتے کب سے ہمارے اعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کر رہے ہیں؟

---

(۱) فأقول حیاة النبی صلی اللہ علیه وسلم فی قبرہ وھو وسائر الأنبیاء معلومة قطعًا .... فمن الأخبار الدالة فی ذٰلک ما أخرجه مسلم عن أنس أن النبی صلی اللہ علیه وسلم لیلة أُسری بهٖ مَرّ بموسٰی علیه السلام وھو یصلی فی قبرہ .... وعن أنس أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلّون۔ (الحاوی للفتاویٰ، أنباء الأذکیاء بحیاة الأنبیاء ج:۲ ص:۱۴۷ طبع دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، وأیضًا ''آبِ حیات'' اور ''المھند علی المفند'' ملاحظہ فرمائیں)۔

(۲) والحق عندی عدم إختصاصھا بھم، بل حیاة الأنبیاء أقویٰ منھم وأشد ظھورًا۔ (تفسیر مظھری ج:۱ ص:۱۵۲، سورة البقرة آیة:۱۵۴، وأیضًا فتاویٰ خلیلیة ج:۱ ص:۴۱۱)۔

(۳) مثلاً: آبِ حیات: حضرت نانوتویؒ، المھند علی المفند: حضرت سہارنپوریؒ، تسکین الصدور: مولانا سرفراز خان صفدرؒ، حیات الانبیاء: بیہقی، حیاتِ انبیاء: مولانا عبدالشکور ترمذیؒ، حیاتِ انبیاء: علامہ سبکیؒ، رحمت کائنات: مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، مقامِ حیات: مولانا ڈاکٹر خالد محمود۔

(۴) عن أبی ھریرة رضی اللہ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: ما من أحد یسلم علیّ إلّا رَدّ اللہ عزّ وجلّ علیَّ رُوحی حتّٰی أردّ علیه السلام۔ (ابو داؤد ج:۱ ص:۲۷۹، مسند احمد ج:۲ ص:۵۲۷)۔

جواب:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُمت کے اعمال کا پیش کیا جانا ''کنز العمال'' (ج:۱۵ ص:۳۱۸) اور ''حلیۃ الاولیاء'' (ج:۶ ص:۱۷۹) کی حدیث میں آتا ہے، بلکہ احادیث میں عزیز و اقارب کے سامنے اعمال پیش کیا جانا بھی آتا ہے (مسندِ احمد ج:۳ ص:۱۶۵، مجمع الزوائد ج:۲ ص:۲۲۷،۲۲۸)۔ یہ کب سے پیش کر رہے ہیں؟ اس کا ذکر نہیں آتا۔[۱]

سوال:... یہ عقیدہ رکھنا، سوچنا یا سمجھنا کہ ہمارے اعمال کسی زندہ یا مردہ جن و بشر پر پیش ہوتے ہیں، خالص قرآن کا انکار نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

جواب:...میں نے حدیث کا حوالہ اُوپر ذکر کر دیا ہے، اور میں ایسے فہمِ قرآنی سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تردید ہو۔

اگر اُمت کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں تو پھر بیعتِ رضوان میں حضرت عثمانؓ کا کیوں معلوم نہیں ہوا؟

سوال:... بیعتِ رضوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے لی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ کفار نے امیرالمؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ زندگی میں ایک صحابی کا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ ہوسکا اور وفات کے بعد اربوں انسانوں کے اعمال کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو رہے ہیں؟

جواب:...اگر ایک واقعے کی اطلاع نہ دی جائے تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ دُوسرے کی بھی اطلاع نہیں دی گئی ہوگی؟ یا اگر ایک چیز کی اطلاع دی جائے تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ لازماً دُوسری چیز کی بھی دی گئی ہوگی...؟

ساری اُمت کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح پیش ہوسکتے ہیں؟

سوال:... دُنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب پندرہ کروڑ ہے، اگر ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ایک آدمی کا عمل بھی پیش ہو تو پھر تقریباً ۲۸،۲ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔

جواب:...کیا یہ ممکن نہیں کہ اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل فرشتے اعمال کس پر پیش کرتے تھے؟

سوال:...محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا میں آمدِ مبارک سے قبل فرشتے انسانوں کے اعمال کس کی خدمت میں پیش کرتے تھے؟

---

(۱) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان أعمال أُمّتی تعرض علیّ فی کل یوم الجمعۃ، واشتد غضب اللہ علی الزناۃ۔'' (حلیۃ الأولیاء ج:۶ ص:۱۷۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت) مسندِ احمد کے الفاظ یہ ہیں: ''عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ یقول: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان أعمالکم تعرض علٰی أقاربکم وعشائرکم من الأموات، فان کان خیرًا اِستبشروا بہ، وان کان غیر ذٰلک قالوا: اللّٰھم لَا تمتھم حتّٰی تھدیھم کما ھدیتنا۔'' (ج:۳ ص:۱۶۵، بیروت، مجمع الزوائد ج:۳ ص:۵۴ باب عرض اعمال الأحیاء علی الأموات)۔

جواب:... کہیں تصریح نہیں آتی، ممکن ہے کہ ہر نبی کی اُمت کے اعمال اس نبی کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہوں۔

کیا قرآنِ کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اعمال لوٹنے کا ذکر ہے؟

سوال:... قرآن میں تو ہر جگہ خالقِ کائنات فرماتا ہے کہ تمام اعمال میری طرف پلٹتے ہیں (سورۂ حج، سورۂ حدید، سورۂ اَعراف)۔

جواب:... بلاشبہ تمام اعمال بارگاہِ اِلٰہی میں ہی پیش ہوتے ہیں، لیکن اگر بحکمِ خداوندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، یا عزیز و اقارب کو بھی بتائے جاتے ہوں تو کیا اِشکال ہے؟[۱]

سوال:... قرآن کی کوئی ایک آیت بتلائیں جس میں لکھا ہو کہ فرشتے ہمارے اعمال ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں؟

جواب:... قرآنِ کریم میں تو یہ بھی نہیں کہ فجر کی دو، ظہر، عصر عشاء کی چار چار، اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں۔

---

(۱) عن أنس رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ''اِنّ أعمال أُمّتی تعرض علیّ فی کل یوم الجمعة .... الخ'' (حلیة الأولیاء ج:۶ ص:۱۷۹)۔ ''عن أنس بن مالک رضی اللہ عنه یقول: قال النبی صلی اللہ علیه وسلم: إنّ أعمالکم تعرض علٰی أقاربکم وعشائرکم من الأموات، فإن کان خیرًا اِستبشروا به، وإن کان غیر ذٰلک قالوا: اللّٰھم لَا تمتھم حتّٰی تھدیھم کما ھدیتنا۔'' (مجمع الزوائد ج:۳ ص:۵۴ باب عرض أعمال الأحیاء علی الأموات)۔

معراج

معراج جسمانی کا ثبوت

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی یا رُوحانی؟ برائے کرم تفصیلی جواب سے نوازیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج حاصل نہیں ہوئی تھی۔

جواب:... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ "نشر الطیب" میں لکھتے ہیں:

"تحقیق سوم:... جمہور اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ معراج بیداری میں جسد کے ساتھ ہوئی اور دلیل اس کی اِجماع ہے، اور مستند اس اِجماع کا یہ اُمور ہو سکتے ہیں..... (آگے اس کے دلائل فرماتے ہیں)۔" (نشر الطیب ص:۸۰ مطبوعہ سہارنپور)

اور علامہ سہیلیؒ "الروض الانف شرح سیرت ابنِ ہشام" میں لکھتے ہیں کہ:

"مہلب نے شرح بخاری میں اہلِ علم کی ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوئی، ایک مرتبہ خواب میں، دُوسری مرتبہ بیداری میں جسد شریف کے ساتھ۔"[۱] (ج:۱ ص:۲۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے یہ فرمایا کہ معراج خواب میں ہوئی تھی، انہوں نے پہلے واقعے کے بارے میں کہا ہے، ورنہ دُوسرا واقعہ جو قرآنِ کریم اور احادیثِ متواترہ میں مذکور ہے، وہ بلاشبہ بیداری کا واقعہ ہے۔[۲]

معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کتنی بار ہوئی؟

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات (شبِ معراج) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنی بار حاضر ہوئے؟

جواب:... پہلی بار کی حاضری تو تھی ہی، نوؔ بار حاضری نمازوں کی تخفیف کے سلسلے میں ہوئی، ہر بار کی حاضری پر پانچ نمازیں

---

(۱) ورأيت المهلب فى شرح البخارى قد حكى هٰذا القول عن طائفة من العلماء وانهم قالوا: كان الْإسراء مرتين، مرة فى نومه، ومرة فى يقظته ببدنه صلى الله عليه وسلم (قال المُؤلف) وهٰذا القول هو الذى يصح وبه تتفق معانى الأخبار ...إلخ۔ (الروض الأنف شرح سيرت ابن هشام ج:۱ ص:۲۴۴، شرح ما فى حديث الْإسراء من المشكل طبع ملتان وطبع مصر)۔

(۲) "سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ .... الخ" (بنى اسرائيل: ۱)۔ شرح عقائد (ص:۱۴۳، طبع خير كثير) میں ہے: والمعراج لرسول الله صلى الله عليه وسلم فى اليقظة بشخصهٖ الى السماء، ثم الٰى ما شاء الله تعالٰى من العلٰى حق أى ثابت بالخبر المشهور۔ وأيضًا تفسير ابن كثير ج:۴ ص:۱۱۶ وشرح العقيدة الطحاوية ص:۲۴۵۔

کم ہوتی رہیں، اس طرح دس بار حاضری ہوئی۔ (۱)

کیا معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟

سوال:... کیا معراج کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟

جواب:... اس مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف چلا آتا ہے، صحیح یہ ہے کہ دیکھا ہے، مگر دیکھنے کی کیفیت معلوم نہیں۔ (۲)

کیا شبِ معراج میں حضرت بلالؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟

سوال:... کیا آتی دفعہ حضرت بلالؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یا کہ پہلے آئے یا بعد میں؟

جواب:... شبِ معراج میں حضرت بلالؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ سفر نہیں تھے۔ (۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس کس چیز پر آئے تھے؟

سوال:... ہم دوستوں میں ایک بحث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر جاتی دفعہ تو براق پر گئے، مگر واپسی میں براق پر آئے تھے یا براہِ راست آگئے تھے؟

جواب:... اس کی کوئی تصریح تو نظر سے نہیں گزری، بظاہر جس ذریعے سے آسمان پر تشریف بَری ہوئی، اسی ذریعے سے آسمان سے واپس تشریف آوری بھی ہوئی ہوگی۔ (۴)

حضرت جبرائیلؑ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش اور عرش پر عمامہ باندھتے دیکھنا

سوال:... ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جو فرمایا کہ: فرش پر جاکے دیکھو کہ میرا محبوب

---

(۱) وفيها وفي ليلة المعراج .... فراجع رسول الله صلى الله عليه وسلم ربه عزّ وجلّ تسع مرات يسأله التخفيف، وكان يخفف عنه كل مرة خمسة صلوات حتّٰى بقٰى منها خمس .... الخ. (بذل القوة ص:۳۶).

(۲) ثم الصحيح أنه عليه السلام انما رأى ربّه بفؤاده لَا بعينهٖ. (شرح عقائد ص:۱۴۴، نيز مشكوٰة ص:۵۰۱) وأيضًا شرح العقيدة الطحاوية ص:۲۴۸، وشرح العقائد ص:۷۵.

(۳) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لبلال عند صلوٰة الفجر: يا بلال! حدثني بأرجى عمل عملته في الإسلام فإنّي سمعت دفّ نعليك بين يديّ في الجنّة، قال: ما عملت عملًا أرجى عندي اني لم أتطهّر طهورًا في ساعة من ليل ولَا نهار إلّا صلّيت بذٰلك الطهر ما كتب لي ان اُصلّي. متفق عليه. (مشكوٰة ص:۱۱۶ باب التطوع). وفي المرقاة: قال ابن الملك وهٰذا أمر كوشف به عليه الصلاة والسلام من عالم الغيب في نومه أو يقظته أو بين النوم واليقظة أو رأى ذٰلك ليلة المعراج .... وإنما أخبره عليه الصلاة والسلام بما رآه ليطيب قلبه ويدوم علىٰ ذٰلك العمل ولترغيب السامعين إليه. (المرقاة شرح المشكوٰة ج:۲ ص:۱۸۴، باب التطوع، الفصل الأوّل).

(۴) المعراج .... وهو بمنزلة السلّم لٰكن لَا يعلم كيف هو، وحكمه كحكم غيره من المغيّبات، نؤمن به ولَا نشتغل بكيفيته. (شرح العقيدة الطحاوية ص:۲۴۵).

کیا کر رہا ہے؟ جبرائیلؑ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ اپنا عمامہ مبارک سر پر باندھ رہے تھے، جب واپس عرشِ معلیٰ پر جاتے ہیں تو وہاں بھی یہی منظر دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا عمامہ مبارک باندھ رہے ہیں، اس پر حضرت جبرائیلؑ سخت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ: میں نے نبی اکرم کو زمین پر جس حالت پر دیکھا، اسی حالت میں انہیں یہاں بھی دیکھ رہا ہوں۔ تو اے اللہ! آپ کے سوا ان کے سامنے بھی سجدہ جائز ہونا چاہئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے جبرائیل! تم یہ باتیں نہیں جانتے کہ حضورِ اکرم نے اپنے صحابہؓ کو یہ بتایا اور فرمایا کہ: اگر ماسوا اللہ کے کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو بیوی کا خاوند کے آگے اور اولاد کا والدین کے آگے اور پھر اُمت کا رسول کے آگے ہوتا۔ براہِ کرم اس پر روشنی ڈالیں کہ یہ کس حد تک دُرست ہے؟

جواب:... جبرائیل علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش پر اور عرش پر عمامہ باندھتے دیکھنے کی روایت میری نظر سے نہیں گزری، بظاہر من گھڑت معلوم ہوتی ہے۔ ان صاحب سے دریافت کیجئے کہ انہوں نے یہ روایت کہاں دیکھی ہے؟ اور پھر مجھے لکھئے۔

اور یہ حدیث کہ: ''اگر اللہ تعالیٰ کے سوا سجدہ جائز ہوتا تو بیوی خاوند کے آگے، اولاد باپ کے آگے اور پھر اُمت رسول کے آگے سجدہ کرتی''، یہ بھی کہیں نہیں دیکھی۔ حدیث میں جو آیا ہے وہ یہ ہے کہ: ایک صحابی نے جب یہ کہا کہ: فلاں جگہ کے لوگ اپنے رئیس کو سجدہ کرتے ہیں، آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔[1]

اولاد کے والدین کو اور اُمت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا کہیں نہیں دیکھا۔ اس حدیث کا حوالہ بھی ان صاحب سے دریافت کیجئے۔

---

(۱) عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو كُنتُ آمر أحدًا أن يسجد لأحد، لأمرتُ المرأة أن تسجد لزوجِها۔ (مشكوٰة ص: ۲۸۱، باب عشرة النساء، الفصل الثانی)۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حقیقت

سوال:... خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے، اس کی شفاعت ضروری ہوجاتی ہے؟ کیا اِبلیسِ لعین، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام کی شکل میں آسکتا ہے؟

جواب:... حدیث شریف میں ہے کہ: ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے مجھ ہی کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا''۔ (۱) اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوجانا مبارک ہے، مگر اس کو بزرگی کی دلیل نہیں سمجھنا چاہئے۔ اصل چیز بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی ہے، جو اِتباعِ سنت کا اہتمام کرتا ہو، وہ اِن شاء اللہ مقبول ہے، اور جو شخص سنتِ نبوی سے منحرف ہو، وہ مردُود ہے۔ خواہ اس کو روزانہ زیارت ہوتی ہو، اور اس کے لئے شفاعت بھی ضروری نہیں۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے صحابیؓ کا درجہ

سوال:... کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ اگر کسی شخص کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوجائے، اسے صحابہ کرامؓ کا درجہ ملتا ہے؟

جواب:... ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے، خواب میں زیارت سے صحابی کا درجہ نہیں ملتا۔ ''صحابی'' اس شخص کو کہتے ہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، اور پھر ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ (۲) یہاں یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ صحابی کا درجہ کسی غیر صحابی کو نہیں مل سکتا، خواہ وہ کتنا ہی بڑا غوث، قطب اور ولی اللہ کیوں نہ ہو؟ (۳)

---

(۱) من رآنی فی المنام فقد رآنی، فان الشیطان لَا یتمثل فی صورتی۔ (مشکوٰۃ ص:۳۹۴، کتاب الرؤیا، الفصل الأوّل)۔

(۲) الفصل الأوّل فی تعریف الصحابی، وأصح ما وقفت علیه من ذٰلک أن الصحابی من لقی النبی صلی الله علیه وسلم مؤمنا به ومات علی الإسلام فیدخل فیمن لقیه، من طالت مجالسته أو قصرت ومن روی عنه أو لم یرو۔ (الإصابة فی تمییز الصحابة، خطبة الکتاب ومقدمته ج:۱ ص:۷ طبع دار صادر، بیروت)۔

(۳) وروی ابن بطة باسناد صحیح عن ابن عباس أنه قال: لَا تسبّوا أصحاب محمد صلی الله علیه وسلم، فلمقام أحدهم ساعة یعنی مع النبی صلی الله علیه وسلم خیر من عمل أحدکم أربعین سنة۔ وفی روایة وکیع خیر من عبادة أحدکم عمره۔ (شرح فقه الأکبر ص:۸۳ طبع مجتبائی دهلی)۔ عن جابر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن الله أختار أصحابی علی الثقلین سویٰ النبیّین والمرسلین۔ (الإصابة فی تمییز الصحابة خطبة الکتاب ومقدمته ج:۱ ص:۱۲ طبع دار صادر، بیروت)۔

کیا غیر مسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوسکتی ہے؟

سوال:... پچھلے دنوں میرا کراچی جانے کا اتفاق ہوا، وہاں پر ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں پیش اِمام تشریف لائے، انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: حافظ صاحب! ایک عیسائی شخص کہہ رہا ہے کہ جلدی کرو مجھے کلمہ پڑھاؤ، کیونکہ مجھے رات خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تجھے دِین، ایمان عطا کیا ہے، جلدی کر اور ایمان لے آ۔ لہٰذا اِمام صاحب نے اس شخص کی بات سنی اور پھر اس عیسائی شخص کے پاس گئے اور اسے کلمہ پڑھایا اور وہ شخص کلمہ پڑھنے کے فوراً بعد فوت ہوگیا۔ اب آپ یہ تحریر فرمائیں کہ آیا حافظ صاحب کی یہ بات دُرست تھی؟ کیا عیسائی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوسکتا ہے؟

جواب:... ضرور ہوسکتا ہے! آپ کو اس میں کیا اِشکال ہے؟ اگر یہ خیال ہو کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا تو بڑے شرف کی بات ہے، یہ شرف کسی کافر کو کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا اس سے بڑھ کر شرف ہونا چاہئے، ابوجہل وابولہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا، جب یہ چیز ان کے لئے شرف کا باعث نہ بنی، تو کسی غیر مسلم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا شرف کا باعث کیسے ہوسکتا ہے...؟ اصل باعثِ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی ہے، اگر یہ نہ ہو تو صرف زیارت کوئی شرف نہیں۔ (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی حقیقت

سوال:... پچھلے دنوں میرے ایک دوست سے گفتگو کے دوران اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی کسی صحابیؓ یا ازواجِ مطہراتؓ کے خواب میں تشریف نہیں لائے، تو کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خواب میں تشریف لائے ہیں۔ اس بات سے ہم پریشان ہیں کہ آیا پھر ہم جو پڑھتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، کہاں تک صداقت ہے؟

جواب:... آپ کے اس دوست کی یہ بات ہی غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی صحابی کے خواب میں تشریف نہیں لائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کے متعدّد واقعات موجود ہیں۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت برحق ہے، صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”مَنْ رَّآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ، فَإِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ۔ متفق علیہ۔“

(مشکوٰۃ ص:۳۹۴)

---

(۱) عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل أُمّتی یدخلون الجنّۃ إلّا من أبٰی، قیل: ومن أبٰی؟ قال: من أطاعنی دخل الجنّۃ ومن عصانی فقد أبٰی۔ رواہ البخاری۔ (مشکوٰۃ ص:۲۷، باب الإعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الأوّل)۔

ترجمہ:...''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے سچ مچ مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا۔''

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو لوگ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے منکر ہیں، وہ اس حدیث شریف سے ناواقف ہیں۔ خواب میں زیارتِ شریفہ کے واقعات اس قدر بے شمار ہیں کہ اس کا انکار ممکن نہیں۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ضروری نہیں

سوال:...میں حضور علیہ السلام کا خواب میں دیدار کرنا چاہتا ہوں، طریقہ یا وظیفہ کیا ہوگا؟

جواب:...خواب میں دیدار بہت ہی محمود ہے، لیکن اگر کسی کو عمر بھر نہ ہو، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام پر پورا پورا عمل کرتا ہو، اِن شاء اللہ معنوی تعلق اس کو حاصل ہے، اور یہی مقصودِ اعظم ہے، اور اس کا طریقہ اتباعِ سنت اور کثرت سے دُرود شریف پڑھنا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا وظیفہ

سوال:...میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتی ہوں، مہربانی کرکے کوئی ایسا پڑھنے کا عمل بتایئے کہ ہمیں خواب میں یا بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو، مجھے بڑا شوق ہے، کوئی ایسا پڑھنے کا عمل بتایئے کہ ہم آسانی سے کرسکیں اور میری طرح دُوسرے لوگ جو اس کے خواہش مند ہیں، وہ کرسکیں۔

جواب:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوجانا بڑی سعادت ہے، یہ ناکارہ تو حضرت حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ذوق کا عاشق ہے، ان کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ: حضرت! دُعا کیجئے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوجائے۔

ارشاد فرمایا: ''بھائی! تمہارا بڑا حوصلہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہتے ہو، ہم تو اپنے آپ کو اس لائق بھی نہیں سمجھتے کہ خواب میں روضۂ اطہر ہی کی زیارت ہوجائے۔''

بہرحال اکابر فرماتے ہیں کہ دو چیزیں زیارت میں معین و مددگار ہیں: ایک: ہر چیز میں اِتباعِ سنت کا اہتمام۔ دوم: کثرت سے دُرود شریف کو وِردِ زبان بنانا۔

خواب میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی اصول

سوال:...مولانا صاحب! خواب میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پرکھنے کا کیا معیار ہے؟ کہ یہ خواب سچا ہے یا جھوٹا؟ بے شک شیطان اشرف الانبیاء کی صورت میں خواب میں نہیں آسکتا، لیکن لاکھوں انسانوں کی صورت میں خواب میں آسکتا ہے، اور کسی بھی صورت کو نبی کے عنوان سے دِکھا سکتا ہے، اور ان میں وہ نشانیاں بھی پیدا کرسکتا ہے جو نبی میں مظہر ہوں اور صرف نبی ہی پہچان سکتا ہے کہ یہ شیطان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے دُوسرے آدمی کو دیکھا ہی نہیں تو وہ اسے خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا، اور اگر دیکھ بھی لے تو وہ محض خیالی تصویر ہوگی، تو جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں، ان کے خواب پر کن دلیلوں کے ساتھ یقین کیا جائے کہ خواب سچا ہے یا جھوٹا؟ دلیلیں ٹھوس ہونی چاہئیں، کیونکہ کمزور دلائل پر ہر آدمی خواب میں زیارت کا دعویٰ کرسکتا ہے۔

جواب:... خواب میں اگر کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو تو وہ خواب تو صحیح ہے، کیونکہ شیطان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں متمثل ہونے کی اجازت نہیں۔(۱) البتہ یہاں چند اُمور قابلِ لحاظ ہیں:

اوّل:... بعض اہلِ علم کا ارشاد ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل شکل وصورت میں ہو تو تب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیارت ہے، اور اگر کسی اور حلیہ میں ہو تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں۔ لیکن اکثر محققین اس کے قائل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت جس ہیئت میں بھی ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیارت ہے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی شکل وصورت میں دیکھے تو یہ دیکھنے والے کی حالت کے اچھا ہونے کی علامت ہے، اور اگر خستہ حالت میں دیکھے تو یہ دیکھنے والے کے دِل ودِماغ اور دِینی حالت کے پراگندہ ہونے کی علامت ہے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایک آئینہ ہے، جس میں ہر دیکھنے والے کی حالت کا عکس نظر آتا ہے۔(۲)

دوم:... خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی بسااوقات تعبیر کی محتاج ہوتی ہے، مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواں سال دیکھے تو اور تعبیر ہوگی، اور پیرانہ سالی میں دیکھے تو دُوسری تعبیر ہوگی۔ خوشی کی حالت میں دیکھے تو اور تعبیر ہوگی اور رنج وبے چینی کے عالم میں دیکھے تو دُوسری تعبیر ہوگی، وعلیٰ ہذا!(۳)

سوم:... جبکہ خواب دیکھنے والے نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں نہیں کی تو اس کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب ہی میں اس کا علم ضروری حاصل ہوجاتا ہے اور اسی علم پر مدار ہے، اس کے سوا کوئی ذریعہ علم نہیں، اِلَّا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ٹھیک اسی شکل وشمائل میں ہو جو وصال سے قبل حیاتِ طیبہ میں تھی، اور اس سے خواب کی تصدیق ہوجائے۔

چہارم:... خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو برحق ہے، لیکن اس خواب سے کسی حکم شرعی کو ثابت کرنا صحیح نہیں،

---

(۱) من رآنی فی المنام فقد رآنی، فإن الشیطان لَا یتمثل فی صورتی۔ (مشکوٰۃ ص:۳۹۴، کتاب الرؤیا، الفصل الأوّل)۔

(۲) فعلم ان الصحیح بل الصواب کما قال بعضهم أن رُؤیاہ حق علٰی أی حالته فرضت ثم قال ابن ابی جمرۃ: رُؤیاہ فی صورۃ حسنة حسن فی دین الرائی، ومع شین أو نقص فی بعض بدنه خلل فی دین الرائی، لأنه صلی الله علیه وسلم کالمرآۃ الصقیلة ینطبع فیها ما یقابلها، وان کانت ذات المرآۃ علٰی أحسن حاله وأکمله، وهٰذه الفائدۃ الکبریٰ فی رُؤیاہ صلی الله علیه وسلم اذ به یعرف حال الرائی ...الخ۔ (تعطیر الأنام فی تعبیر المنام ج:۲ ص:۲۷۷)۔

(۳) فعلم ان الصحیح بل الصواب کما قاله بعضهم أن رُؤیاہ حق ..... ومن ثم قال بعض علماء التعبیر: من رآہ شیخًا فهو غایة سلم ومن رآہ شابًا فهو غایة حرب، ومن رآہ متبسمًا فهو متمسک بسُنّته، وقال بعضهم: من رآہ علٰی هیئته وحاله کان دلیلًا علٰی صلاح الرائی وکمال جاهه وظفرہ بمن عاداہ، ومن رآ متغیر الحال عابسًا کان دلیلًا علٰی سوء حال الرائی ...الخ۔ (تعطیر الأنام فی تعبیر المنام للشیخ عبدالغنی النابلسی ج:۲ ص:۲۷۶)۔

کیونکہ خواب میں آدمی کے حواس معطل ہوتے ہیں، اس حالت میں اس کے ضبط پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے صحیح طور پر ضبط کیا ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں شریعت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے مکمل ہوچکی تھی، اب اس میں کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں، چنانچہ تمام اہلِ علم اس پر متفق ہیں کہ خواب حجتِ شرعی نہیں،(۱) اگر خواب میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اِرشاد سنا تو میزانِ شریعت میں تولا جائے گا، اگر قواعدِ شرعیہ کے موافق ہو تو دیکھنے والے کی سلامتی و استقامت کی دلیل ہے، ورنہ اس کے نقص و غلطی کی علامت ہے۔

پنجم:... خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بڑی برکت و سعادت کی بات ہے، لیکن یہ دیکھنے والے کی عنداللہ مقبولیت و محبوبیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کا مدار بیداری میں اِتباعِ سنت پر ہے۔ بالفرض ایک شخص کو روزانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہو، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا تارک ہو اور وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو تو ایسا شخص مرُدود ہے۔ اور ایک شخص نہایت نیک اور صالح متبعِ سنت ہے، مگر اسے کبھی زیارت نہیں ہوئی، وہ عنداللہ مقبول ہے۔ خواب تو خواب ہے، بیداری میں جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی دولت سے محروم رہے وہ مرُدود ہوئے، اور اس زمانے میں بھی جن حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں ہوئی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نصیب ہوئی، وہ مقبول ہوئے۔

ششم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا جھوٹا دعویٰ کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِفتراء ہے، اور یہ کسی شخص کی شقاوت و بدبختی کے لئے کافی ہے،(۲) اگر کسی کو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تب بھی بلاضرورت اس کا اظہار مناسب نہیں۔

خواب میں زیارتِ نبوی

سوال:... کیا خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو کیسے پتا چلے کہ یہ خواب سچا ہے؟ بعض لوگ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی دُوسری شکل میں دیکھتے ہیں، کیا وہ بھی صحیح خواب ہوگا؟

جواب:... صحیحین کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدّد اور مختلف الفاظ میں مروی ہے کہ:

”مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ، فَإِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ!“

ترجمہ:... ”جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا!“

---

(۱) ان الرؤيا من غير الأنبياء لَا يحكم بها شرعًا علٰى حال اِلّا أن تعرض علٰى ما فى أيدينا من الأحكام الشرعية فان سوغتها عمل بمقتضاها وإلّا وجب تركها والِإعراض ولنا فائدتها البشارة أو النذارة خاصةً واما استفادة الأحكام فلا ...الخ. (الِاعتصام للشاطبى ج:۱ ص:۲۶۰ طبع بيروت).

(۲) من كذب علىّ متعمّدًا فليتبوّأ مقعده من النار (مشكوٰة ص:۳۵، كتاب العلم، الفصل الثانى).

ایک اور روایت میں ہے:

''مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ!'' (مشکوٰۃ ص:۳۹۴)

ترجمہ:... ''جس نے مجھے دیکھا اس نے سچا خواب دیکھا!''

خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ شریفہ کی دو صورتیں ہیں: ایک: یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی شکل اور حلیہ مبارک میں دیکھے۔ دوم: یہ کہ کسی دُوسری ہیئت وشکل میں دیکھے۔ اہلِ علم کا اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل حلیہ مبارک میں ہو تو ارشادِ نبوی کے مطابق، واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، لیکن اگر کسی دُوسری ہیئت وشکل میں دیکھے تو اس کو بھی زیارتِ نبوی کہا جائے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ زیارتِ نبوی نہیں کہلائے گی، کیونکہ ارشادِ نبوی کے مطابق خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا صرف یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَصلی شکل وصورت اور حلیہ مبارک میں دیکھے، پس اگر کسی نے مختلف حلیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو یہ حدیثِ بالا کا مصداق نہیں۔ اور بعض اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواہ کسی شکل وصورت اور حلیہ میں دیکھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیارت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل حلیہ مبارک سے مختلف شکل میں دیکھنا خواب دیکھنے والے کے نقص کی علامت ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ ''تعطیر الانام فی تعبیر المنام'' میں دونوں قسم کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''فعلم ان الصحیح، بل الصواب کما قاله بعضهم: ان رؤیاه حق علٰی ای حالته فرضت، ثم ان کانت بصورته الحقیقیة فی وقت ما، سواء کان فی شبابه او رجولیته او کهولته او آخر عمره لم تحتج الیٰ تأویل۔ وإلّا احتیجت لتعبیر یتعلق بالرائی۔ ومن ثم قال بعض علماء التعبیر: من راٰه شیخا فهو غایة سلم، ومن راٰه شابا فهو غایة حرب، ومن راٰه متبسمًا فهو متمسک بسنته۔

وقال بعضهم: من راٰه علٰی هیئته وحاله کان دلیلًا علٰی صلاح الرائی وکمال جاهه وظفره بمن عاداه، ومن راٰه متغیر الحال عابسًا کان دلیلًا علیٰ سوء حال الرائی۔

وقال ابن ابی جمرة: رؤیاه فی صورة حسنة حسن فی دین الرائی، ومع شین او نقص فی بعض بدنه خلل فی دین الرائی۔ لأنه صلی الله علیه وسلم کالمرآة الصقیلة ینطبع فیها ما یقابلها۔ وان کانت ذات المراۃ علی احسن حاله واکمله، وهذه الفائدة الکبریٰ فی رؤیاه صلی الله علیه وسلم اذ به یعرف حال الرائی۔'' (ج:۲ ص:۲۷۶،۲۷۷)

ترجمہ:... ''پس معلوم ہوا کہ صحیح بلکہ صواب وہ بات ہے جو بعض حضرات نے فرمائی کہ خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بہرحال حق ہے۔ پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل حلیہ مبارک میں دیکھا خواہ وہ حلیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کا ہو یا پختہ عمری کا، یا زمانہ پیری کا، یا آخر عمر شریف کا، تو اس کی تعبیر کی حاجت

نہیں، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل شکل مبارک میں نہیں دیکھا تو خواب دیکھنے والے کے مناسب حال تعبیر ہوگی، اسی بنا پر بعض علمائے تعبیر نے کہا ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑھاپے میں دیکھا تو یہ نہایت صلح ہے، اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان دیکھا تو یہ نہایت جنگ ہے، اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے دیکھا تو یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تھامنے والا ہے۔

اور بعض علمائے تعبیر نے فرمایا ہے کہ: جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی شکل و حالت میں دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی دُرست حالت، اس کی کمالِ وجاہت اور دُشمنوں پر اس کے غلبہ کی علامت ہے، اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر حالت میں (مثلاً) تیور چڑھائے ہوئے دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی حالت کے بُرا ہونے کی علامت ہے۔

حافظ ابنِ ابی جمرہؒ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی صورت میں دیکھنا، دیکھنے والے کے دِین کے اچھا ہونے کی علامت ہے، اور عیب یا نقص کی حالت میں دیکھنا دیکھنے والے کے دِین میں خلل کی علامت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال شفاف آئینے کی سی ہے، کہ آئینے کے سامنے جو چیز آئے، اس کا عکس اس میں آجاتا ہے، آئینہ بذاتِ خود کیسا ہی حسین و باکمال ہو (مگر بھدی چیز اس میں بھدی ہی نظر آئے گی)، اور خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ شریفہ کا بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس سے خواب دیکھنے والے کی حالت پہچانی جاتی ہے۔''

اس سلسلے میں مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کی ایک تحقیق فتاویٰ عزیزی میں درج ہے، جو حسبِ ذیل ہے:

''**سوال:**... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں اہلِ سنت اور شیعہ دونوں فرقہ کو میسر ہوتی ہے، اور ہر فرقے کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم اپنے حال پر ہونا بیان کرتے ہیں، اور اپنے موافق اَحکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا بیان کرتے ہیں، غالباً دونوں فرقہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اِفراط کرنا اچھا معلوم نہیں ہوتا، اور خطراتِ شیطانی کو اس مقام میں دخل نہیں، تو ایسے خواب کے بارے میں کیا خیال کرنا چاہئے؟

جواب:... یہ جو حدیث شریف ہے: ''مَنْ رَّآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ!'' یعنی جنابِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اس نے فی الواقع مجھ کو دیکھا ہے، تو اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث خاص اس شخص کے بارے میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورتِ مبارکہ میں دیکھے جو بوقتِ وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ تھی، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث عام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی وقت کی صورت میں دیکھے تو وہ خواب صحیح ہوگا، یعنی ابتدائے نبوّت سے تا وقتِ وفات، جوانی اور کلاں سالی اور سفر اور حضر اور صحت اور مرض میں جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواب میں زیارت

جو صورتِ مبارک تھی، ان صورتوں میں سے جس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے تو وہ خواب صحیح ہوگا، یعنی فی الواقع اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا۔ اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں سنّی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، اسی طرح شیعہ نے کبھی نہ دیکھا ہے، اور فرضیات کا اعتبار نہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا چار قسموں پر ہے۔ ایک قسم: رُؤیائے الٰہی ہے کہ اتصال تعین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اور دُوسری قسم: ملکی ہے اور وہ متعلقاتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا ہے، مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دِین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسبِ اطہر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت میں سالک کا درجہ اور اس کے مانند اور جو اُمور ہیں، تو ان اُمور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مقدس میں دیکھنا پردۂ مناسبات میں ہو، جو فنِ تعبیر میں معتبر ہے۔ اور تیسری قسم: رُؤیائے نفسانی ہے کہ اپنے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صورت ہے، اس صورت میں دیکھنا۔ اور یہ تینوں اقسام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے بارے میں صحیح ہیں۔

چوتھی قسم شیطانی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مقدس میں شیطان اپنے کو خواب میں دِکھلائے، اور یہ صحیح نہیں ہوسکتا، یعنی ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مقدس کے مطابق شیطان اپنی صورتِ خبیث بناسکے اور خواب میں دِکھلاوے، البتہ مغالطہ دے سکتا ہے، اور تیسری قسم کے خواب میں بھی کبھی شیطان ایسا کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اور بات کے مشابہ شیطان بات کرتا ہے اور وسوسہ میں ڈالتا ہے، چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ نجم پڑھتے تھے اور بعض آیات کے بعد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا تو شیطان نے کچھ عبارت خود بناکر پڑھ دی کہ اس سے بعض سامعین مشرکین کا شبہ قوی ہوگیا، اور یہ روایت اُوپر ایک مقام میں مفصل مذکور ہوئی ہے، تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں شیطان نے ایسا کیا تو خواب میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا؟ اسی وجہ سے شریعت میں ان اَحکام کا اعتبار نہیں جو خواب میں معلوم ہوں، اور خواب کی بات حدیث نہیں شمار کی جاتی۔ اور اگر کوئی بدعتی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں حکم فرمایا ہے اور وہ حکم خلافِ شرع ہو تو اس بدعتی کے قول پر اعتبار نہ کیا جائے گا، واللہ اعلم!''

(فتاویٰ عزیزی ج:۱ ص:۳۲۶ تا ۳۲۸ باب العقائد طبع ایچ ایم سعید)

گزشتہ دنوں قادیانیوں کے نئے سربراہ مرزا طاہر احمد صاحب کی ''خلافت'' کی تائید میں قادیانی اخبار ''الفضل ربوہ'' میں آسمانی بشارات کے عنوان سے بعض چیزیں شائع کی گئیں، ان میں سے ایک کا تعلق خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

سے ہے، اس لئے اس کا اقتباس بلفظہٖ درج ذیل ہے:

”دیکھا کہ مسجد مبارک (ربوہ) میں داخل ہو رہا ہوں، ہر طرف چاندنی ہی چاندنی ہے، جتنی تیزی سے وِرد کرتا ہوں، سرور بڑھتا جاتا ہے اور چاندنی واضح ہوتی جاتی ہے۔ محراب میں حضرت بابا گرونانک رحمۃ اللہ علیہ جیسی بزرگ شبیہ کی صورت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد نور کا ہالہ اس قدر تیز ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، باوجود کوشش کے شبیہ مبارک پر نظر نہیں ٹکتی۔“

(الفضل ربوہ ۶؍نومبر ۱۹۸۲ء)

علمِ تعبیر کی رُو سے اس خواب کی تعبیر بالکل واضح ہے، صاحبِ خواب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھوں کے پیشوا کی شکل میں نظر آنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا دِین و مذہب... جسے وہ غلط فہمی سے ”اسلام“ سمجھتے ہیں... دراصل سکھ مذہب کی شبیہ ہے، اور ان کے رُوحانی پیشوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز نہیں، بلکہ سکھوں کے پیشوا بابا نانک کے بروز ہیں۔

اور صاحبِ خواب کو اَنوارات کا نظر آنا جس کی وجہ سے وہ خواب کی اصل مراد کو نہیں پہنچ سکے، شیطان کی وہی تلبیس ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے، اور ان انوارات میں یہ اشارہ تھا کہ ان کے پیشوا نے بابا نانک کا بروز ہونے کے باوجود تلبیس و تدلیس کے ذریعہ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے ان کی طرح بہت سے حقیقت ناشناس لوگوں نے دھوکا کھایا۔

چونکہ خواب کی یہ تعبیر بالکل واضح تھی، اسی لئے صاحبِ خواب کو مرزا بشیر احمد صاحب اور مرزا ناصر احمد صاحب نے خواب کے اظہار سے منع کیا، چنانچہ صاحبِ خواب لکھتے ہیں:

”پھر (مرزا بشیر احمد صاحب نے) فرمایا: کسی سے خواب بیان نہیں کرنی، خلافتِ ثالثہ کا انتخاب ہوا تو پھر یہ نظارہ لکھ کر (مرزا ناصر احمد صاحب کی خدمت میں) بھجوادیا۔ حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب کے ذریعہ پیغام ملا کہ حضور (یعنی مرزا ناصر احمد صاحب) فرماتے ہیں کہ: خواب آگے نہیں بیان کرنی۔“

(مرزا عبدالرشید وکالت تبشیر ربوہ)

مناسب ہے کہ اس خواب کی تائید میں بعض دیگر اکابر کے خواب و کشوف بھی ذِکر کردیئے جائیں۔

۱:... مولانا محمد لدھیانوی مرحوم ”فتاویٰ قادریہ“ میں لکھتے ہیں:

”مولانا صاحب (مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ، صدر المدرّسین دارالعلوم دیوبند) نے حسبِ وعدہ کے ایک فتویٰ اپنے ہاتھ سے لکھ کر ہمارے پاس ڈاک میں اِرسال فرمایا، جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ شخص میری دانست میں غیرمقلد معلوم ہوتا ہے، اور اس کے اِلہامات اولیاء اللہ کے اِلہامات سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے اور نیز اس شخص نے کسی اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیضِ باطنی حاصل نہیں کیا، معلوم نہیں کہ اس کو کس رُوح کی اویسیت ہے۔“

(فتاویٰ قادریہ ص:۱۷)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہٗ نے تو اس سے لاعلمی کا اظہار فرمایا کہ مرزا صاحب کو کس رُوح سے ''فیض'' پہنچا ہے، مگر ''الفضل'' میں ذکر کردہ خواب سے یہ عقدہ حل ہوجاتا ہے کہ مرزا صاحب کو سکھوں کے مذہبی پیشوا سے رُوحانی اِرتباط تھا، مرزا صاحب نے جو کچھ لیا ہے، انہی سے لیا ہے۔

۲:... ''مرزا غلام احمد قادیانی نے شہر لودیانہ میں آکر ۱۳۰۱ھ میں دعویٰ کیا کہ میں مجدّد ہوں۔ عباس علی صوفی اور منشی احمد جان مع مریدان اور مولوی محمد حسن مع اپنے گروہ اور مولوی شاہدین اور عبدالقادر اور مولوی نور محمد مہتمم مدرسہ حقانی وغیرہ نے اس کے دعویٰ کو تسلیم کرکے امداد پر کمر باندھی۔ منشی احمد جان نے مع مولوی شاہدین وعبدالقادر ایک مجمع میں جو واسطے اہتمام مدرسہ اسلامیہ کے اُوپر مکان شاہزادہ صفدر جنگ صاحب کے تھا، بیان کیا کہ علی الصباح مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اس شہر لودیانہ میں تشریف لائیں گے، اور اس کی تعریف میں نہایت مبالغہ کرکے کہا کہ جو شخص اس پر ایمان لائے گا گویا وہ اوّل مسلمان ہوگا۔

مولوی عبداللہ صاحب مرحوم برادرم نے بعد کمال بردباری اور تحمل کے فرمایا:

اگرچہ اہلِ مجلس کو میرا بیان کرنا ناگوار معلوم ہوگا لیکن جو بات خدا جل شانہ‘ نے اس وقت میرے دِل میں ڈالی ہے، بیان کئے بغیر میری طبیعت کا اِضطرار دُور نہیں ہوتا، وہ بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی جس کی تم تعریف کررہے ہو، بے دِین ہے۔

منشی احمد جان بولا کہ: میں اوّل کہتا تھا کہ اس پر کوئی عالم یا صوفی حسد کرے گا۔

راقم الحروف (مولانا محمد عبدالقادر لودیانویؒ) نے مولوی عبداللہ صاحب کو بعد برخاست ہونے جلسہ کے کہا کہ: جب تک کوئی دلیل معلوم نہ ہو بلاتأمل کسی کے حق میں زبانِ طعن کی کھولنی مناسب نہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ: اس وقت میں نے اپنی طبیعت کو بہت روکا لیکن آخرالامر یہ کلام خدا جل شانہ‘ نے جو میرے سے اس موقع پر سرزد کرایا ہے، خالی از الہام نہیں!

اس روز مولوی عبداللہ صاحب بہت پریشان خاطر رہے، بلکہ شام کو کھانا بھی تناول نہیں کیا، بوقتِ شب دو شخصوں سے اِستخارہ کروایا اور آپ بھی اسی فکر میں سوگئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ میں ایک مکان بلند پر مع مولوی محمد صاحب وخواجہ احسن شاہ صاحب بیٹھا ہوں، تین آدمی دُور سے دھوتی باندھے ہوئے چلے آتے معلوم ہوئے، جب نزدیک پہنچے تو ایک شخص جو آگے آگے آتا تھا، اس نے دھوتی کو کھول کر تہبند کی طرح باندھ لیا، خواب ہی میں غیب سے آواز آئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی یہی ہے۔ اسی وقت سے بیدار ہوگئے اور دِل کی پراگندگی یک لخت دُور ہوگئی اور یقینِ کلّی حاصل ہوا کہ یہ شخص پیرایۂ اسلام میں لوگوں کو گمراہ کررہا ہے۔ موافق تعبیرِ خواب کے دُوسرے دن قادیانی مع دو ہندوؤں کے لودھیانہ میں آیا۔ (اس خواب میں بھی یہی اشارہ تھا کہ یہ صاحب ہندومت کو اِسلام کا لبادہ اوڑھا رہے ہیں۔ ناقل)۔'' (فتاویٰ قادریہ ص:۲)

۳، ۴:... مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کے ساتھ جن دو شخصوں نے استخارہ کیا تھا، ان کے بارے میں مولانا محمد صاحبؒ لکھتے ہیں:

''اِستخارہ کنندگان میں سے ایک کو معلوم ہوا کہ یہ شخص بے علم ہے، اور دُوسرے شخص نے خواب میں مرزا کو اس طرح دیکھا کہ ایک عورت برہنہ تن کو اپنی گود میں لے کر اس کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے، جس کی تعبیر یہ ہے کہ مرزا دُنیا کو جمع کرنے کے درپے ہے، دِین کی کوئی پروا نہیں۔'' (حوالۂ بالا)

۵:... اسی فتاویٰ قادریہ میں ہے کہ:

''شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری مرحوم نے (جو صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے) بروقتِ ملاقات فرمایا کہ: مجھ کو بعد اِستخارہ کرنے کے یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص بھینسے پر اس طرح سوار ہے کہ منہ اس کا دُم کی طرف ہے۔ جب غور سے دیکھا تو زنار اس کے گلے میں پڑا ہوا نظر آیا، جس سے اس شخص کا بے دِین ہونا ظاہر ہے، اور یہ بھی میں یقیناً کہتا ہوں کہ جو اہلِ علم اس کی تکفیر میں اب متردّد ہیں، کچھ عرصے بعد سب کافر کہیں گے۔ (زنار بھی بطورِ خاص کسی کے ہندو ہونے کی علامت ہے، اس سے ''الفضل'' میں درج شدہ خواب کی تائید ہوتی ہے کہ یہ صاحب ہندوؤں سے مستفید ہیں- ناقل)۔'' (حوالۂ بالا)

۶:... مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ''شہادۃ القرآن'' میں (جو ۱۳۲۱ھ میں مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہوئی) لکھتے ہیں:

''جب اس فرقۂ مبتدعہ مرزائی کو کوئی پچھلی تفسیر بتائیں تو کفار کی طرح ''اساطیر الأوّلین'' کہہ کر جھٹ انکار کردیتے ہیں، اور اگر ان کے رُوبرو حدیثِ نبوی صلی اللہ علیٰ صاحبہا وسلم پڑھیں تو اسے بوجہ بے علمی کے مخالف و معارضِ قرآن بناکر دُور پھینک دیتے ہیں، اور اپنی تفسیر بالرائے کو جو حقیقت میں تحریف و تأویل منہی عنہ ہوتی ہے، مؤید بالقرآن کہتے ہیں (ظاہر ہے یہ طرزِ عمل کسی مسلمان کا نہیں ہوسکتا- ناقل)، بیچارے کم علم لوگ اس سے دھوکا کھاجاتے ہیں اور ورطہ تردّدات و گردابِ شبہات میں گھر جاتے ہیں، سو ایسے شبہات کے وقت میں اللہ عزیز و حکیم نے مجھ عاجز کو محض اپنے فضل و کرم سے راہِ حق کی ہدایت کی اور ہر طرح سے ظاہراً و باطناً، معقولاً و منقولاً مسئلۂ حقہ سمجھایا۔ چنانچہ عنفوانِ شباب میں ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارتِ بابرکت سے مشرف ہوا، اس طرح کہ آپ ایک گاڑی پر سوار ہیں اور بندہ اس کو آگے سے کھینچ رہا ہے، اس حالتِ باسعادت میں آپ سے کادیانی علیہ ماعلیہ کی نسبت عرض کی، آپ نے زبانِ وحی ترجمان سے بألفاظِ طیبہ یوں فرمایا کہ: کوئی خطرے کی بات نہیں! اللہ تعالیٰ اس کو جلدی ہلاک کردے گا۔'' (شہادۃ القرآن طبع اول ص:۴)

صحابہؓ وصحابیاتؓ، ازواجِ مطہراتؓ اور صاحبزادیاںؓ

حواری کسے کہتے ہیں؟

سوال:...ہم نے قرآن پاک میں حواریوں کا ذکر تیسرے، ساتویں اور اٹھائیسویں پارے میں پڑھا، اس ضمن میں کچھ سوالات:

۱:...حواری کون لوگ تھے؟

۲:...حواری کا مطلب کیا ہے؟

۳:...حواری کو اُردو میں کیا پکارا جاتا ہے؟

۴:...حواری کے علاوہ دُوسرا گروہ کون سا تھا جو کافر ٹھہرا؟

۵:...اور اس کی مفصل تفصیل بیان کریں اور حواریوں کا خطاب کن کو ملا؟

جواب:...''حواری'' کا لفظ ''حَوَرَ'' سے ہے، جس کے معنی سفیدی کے ہیں، ان آیات میں ''حواری'' کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص احباب واصحاب کے لئے استعمال ہوا ہے، جن کی تعداد بارہ۱۲ تھی،[۱] حواری کا لفظ اُردو میں بھی مخلص اور مددگار دوست کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، وارث سرہندی صاحب کی کتاب ''علمی لغت'' میں ہے:

''حواری: خاص، برگزیدہ، مددگار، دھوبی، حضرت عیسیٰؑ کا صحابی، وہ جس کا بدن بہت سفید ہو۔''[۲]

وہ کافر گروہ جس کا ذکر سورۃ الصّف کی آیت:۱۴ میں ہے، اس کے بارے میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھایا گیا تو عیسائیوں کے تین گروہ ہوگئے۔ ایک نے کہا کہ وہ خود ہی خدا تھے اس لئے آسمان پر چلے گئے۔ دُوسرے نے کہا کہ وہ خدا تو نہیں مگر خدا کے بیٹے تھے، اس لئے باپ نے اپنے بیٹے کو اپنے پاس بلالیا۔ یہ دونوں گروہ کافر ہوگئے۔ تیسرا گروہ مسلمانوں کا تھا، انہوں نے کہا کہ وہ نہ خدا تھے، نہ خدا کے بیٹے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت ان کو آسمان پر اُٹھالیا (اور قربِ قیامت میں وہ پھر نازل ہوں گے)، یہ گروہ مؤمن تھا۔ حضرت

---

(۱) الحواری أصله من الحور وھو شدة البیاض ...... کانوا الحواریون اثنی عشر رجلًا اتبعوا عیسیٰ علیه السلام۔ (التفسیر الکبیر ج:۸ ص:۶۳، طبع دار إحیاء التراث العربی، بیروت)۔

(۲) علمی لغت ص:۶۵۷ (مطبوعه علمی کتب خانه)۔

عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور ان کے سچے پیروکاروں کا یہی عقیدہ تھا۔ (۱)

عشرہ مبشرہ کس کو کہتے ہیں؟

سوال:...ایک حافظ صاحب کہتے تھے کہ بی بی فاطمہؓ کا ذکر عشرہ مبشرہ میں ہے۔ عشرہ مبشرہ کس کو کہتے ہیں؟

جواب:...عشرہ مبشرہ ان دس صحابہ کو کہتے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وقت میں جنت کی بشارت دی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ۱:ابوبکر۔ ۲:عمر۔ ۳:عثمان۔ ۴:علی۔ ۵:طلحہ۔ ۶:زبیر۔ ۷:عبدالرحمٰن بن عوف۔ ۸:سعد بن وقاص۔ ۹:ابوعبیدہ بن جراح۔ ۱۰:سعید بن زید، رضی اللہ عنہم۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بے شمار ہیں، وہ خواتینِ جنت کی سردار ہوں گی، مگر ''عشرہ مبشرہ'' ایک خاص اصطلاح ہے، ان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شامل نہیں، اسی طرح دیگر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے جنت کی بشارتیں ملیں مگر ''عشرہ مبشرہ'' میں ان کو شمار نہیں کیا جاتا۔ (۲)

خلفائے راشدین میں چار خلفاءؓ کے علاوہ دُوسرے خلفاء کیوں شامل نہیں؟

سوال:...دِینی طور پر جب خلفائے راشدین کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد صرف چار خلفائے راشدین لئے جاتے ہیں، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اس کے بعد حضرت اِمام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ جو کہ دونوں صحابی ہیں، ان کا نام کیوں نہیں شامل کیا جاتا؟ حالانکہ یہ بھی خلفائے راشد ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور بھی نہایت مثالی دور رہا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ خاص طور پر جو چار خلفاء کو ''حق چار یار'' کہا جاتا ہے، آپ قرآن وحدیث سے ان چار خلفاء کی خصوصیت کو ثابت کرکے جواب دیں، اور یہ بھی کہ حضرت اِمام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا ان کے ساتھ کیوں نہیں ذکر کیا جاتا؟

جواب:...''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' کے لئے دیگر اوصاف کے ساتھ ہجرت شرط تھی، (۳) جس کی طرف سورۃ النور کی آیتِ

---

(۱) عن ابن عباس قال: لما أراد الله عزَّ وجلَّ أن يرفع عيسٰى إلى السماء ...... فتفرقوا ثلاث فِرَق، قالت فرقة: كان الله فينا ما شاء ثم صعد إلى السماء، وهٰؤلَاء اليعقوبية، وقالت فرقة: كان فينا ابن الله ما شاء الله ثم رفعه إليه، وهٰؤلَاء النسطورية، وقالت فرقة: كان فينا عبدالله ورسوله ما شاء الله ثم رفعه إليه وهٰؤلَاء المسلمون. (تفسير ابن كثير ج:۶ ص:۲۱۰ طبع رشيديه كوئٹه)۔

(۲) عن سعيد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: عشرة في الجنة أبوبكر في الجنة، وعمر في الجنة، وعثمان وعلي وزبير وطلحة وعبدالرحمٰن وأبوعبيدة وسعد بن أبي وقاص وسعيد بن زيد، وقد ورد ان فاطمة سيّدة نساء أهل الجنة. (شرح فقه اكبر ص:۱۴۵، ابوداؤد ج:۱ ص:۲۸۳، كتاب السنة، شرح عقيدة الطحاوية ص:۵۴۹)۔

(۳) از جملہ لوازمِ خلافت خاصہ آنست کہ خلیفہ از مہاجرینِ اوّلین باشد۔ (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ج:۱ ص:۱۰، مطبوعه سهيل اكيڈمی)۔

اِستخلاف میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔[(۱)] اور یہ شرط صرف چاروں خلفائے راشدینؓ میں پائی گئی ہے۔ حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی خلافت کا تتمہ تھی، جس سے خلافتِ نبوّت کے تیس سال پورے ہوئے،[(۲)] جس کی تصریح حدیث نبوی: ”خلافة النبوة ثلاثون سنة“ میں آئی ہے، یعنی خلافتِ نبوّت تیس سال ہوگی۔ یہ ترمذی اور ابوداوٴد کی روایت ہے۔[(۳)] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں چونکہ ہجرت کی شرط نہیں پائی گئی اس لئے ان کا شمار خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نہیں کیا جاتا۔ ان کی خلافت، خلافتِ عادلہ تھی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ چونکہ صحابی نہیں، تابعی ہیں۔ اس لئے ان کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ نہیں کہلاتی، البتہ خلافتِ راشدہ کے مشابہ تھی۔[(۴)]

خیرالقرون کے تین ادوار کا حدیث سے ثبوت

سوال:...حدیث کا حوالہ عطا فرمائیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ: میرے بعد، ان کے بعد، اور ان کے بعد یعنی تبع تابعین تک سچ ہوگا، اس کے بعد جھوٹ کا نزول ہوگا۔

جواب:...”وعن عمران بن حصین (رضی الله عنه) قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خیر اُمّتی قرنی ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم، ثم ان بعدهم قوم یشهدون ولَا یستشهدون، ویخونون ولَا یؤتمنون، وینذرون ولَا یفون، ویظهر فیهم السّمن ... وفی روایة... ویحلفون ولَا یستحلفون. متفق علیه“ (مشکوٰۃ ص:۵۵۴)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت ووفات

سوال:...امیرالموٴمنین سیّدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کون سی ہے؟

جواب:...ولادت کی تاریخ معلوم نہیں، وفات شب سہ شنبہ ۲۲/جمادی الاخریٰ ۱۳ھ مطابق ۲۳/اگست ۶۳۴ء بہ عمر ۶۳ سال ہوئی۔[(۵)] اس سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پچاس سال پہلے ولادت ہوئی۔

---

(۱) قوله تعالیٰ: ”لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ“ فیه قولَان: أحدهما یعنی أرض مکة لأن المهاجرین سألوا الله تعالیٰ ذٰلک فوعدوا کما وعدت بنواسرائیل ...... الثانی: بلاد العرب والعجم. (تفسیر القرطبی ج:۱۲ ص:۲۹۹)۔

(۲) وخلافة النبوة ثلاثون سنة منها خلافة الصدیق سنتان وثلاثة أشهر، وخلافة عمر عشر سنین ونصف، وخلافة عثمان اثنا عشر سنة، وخلافة علی اربعة سنین وتسعة أشهر، وخلافة الحسن ابنه ستة أشهر. (شرح فقه اکبر ص:۸۳)۔

(۳) ترمذی ج:۲ ص:۴۵، ابواب الفتن، باب ما جاء فی الخلافة، طبع رشیدیه ساهیوال. ابوداوٴد ج:۲ ص:۲۸۱، کتاب السنة، باب فی الخلفاء، طبع ایچ ایم سعید.

(۴) والخلافة ثلاثون سنة بعدها ملک وامارة لقوله علیه السلام الخلافة بعدی ثلاثون سنة .... فمعاویة ومن بعده لَا یکون خلفاء بل ملوکًا واُمراء. (شرح عقائد ص:۱۰۵، قدیم نسخه)۔

(۵) کانت وفاة الصدیق رضی الله عنه فی یوم الْاِثنین .... وذٰلک لثمان بقین من جمادی الآخرة سنة ثلاث عشرة .... وکان عمره یوم توفّی ثلاث وستین سنةً. (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۸، طبع بیروت)۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت برحق تھی

سوال:... اگر ہمارے تین خلفاء کو حضرت علیؓ سے محبت تھی اور جب حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب واہل بیت اور ان کے عزیز بھائی موجود تھے، اور اگر ان میں کچھ بھی نہ ہو لیکن یہ صفت تو موجود تھی، بقول حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: ''جس کا میں مولا اس کا علی مولا۔''

اور حضرت عمرؓ نے آکر حضرت علیؓ کو غدیر خم میں مبارک باد دی تھی کہ ''اے علیؓ آپ خدا کے تمام مؤمنین ومؤمنات وکل صحابہ کرامؓ کے مولا مقرر ہوئے۔'' تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرات خلفاء نے حضرت علیؓ کو خلیفہ کیوں نہیں بنایا؟ اور کیوں سقیفہ میں ان تین خلفاء میں سے کسی نے بھی حضرت علیؓ کو نامزد نہیں کیا؟

جواب:... غدیرِ خم میں جو اِعلان ہوا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی کا تھا،(۱) خلافت کا نہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کیا، اور اپنی بیماری میں ان کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکرؓ امام تھے، اور حضرت علیؓ مقتدی، اس لئے خلافت بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی گئی۔(۲)

سوال:... ہمارے تینوں خلفاء نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ مبارک میں شرکت کیوں نہیں کی؟ اور اگر خلافت کا مسئلہ درپیش تھا تو امر خلافت ملتوی کیوں نہیں کیا؟ کیا رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ان کی خلافت تھی؟ اور کیوں ان حضرات نے خبر نہیں دی کہ یہاں خلافت کا مسئلہ درپیش ہے؟ اور حضرت علیؓ سے اس بارے میں مشورہ کیوں نہ کیا؟

جواب:... حضراتِ خلفائے ثلاثہؓ نے جنازے میں شرکت فرمائی ہے،(۳) اور یہ طے شدہ بات ہے کہ کسی حاکم کے انتقال کے بعد سب سے پہلے اس کے جانشین کا تقرر کیا جاتا ہے، اُمت جانشین اور حاکم کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

سوال:... جس طرح ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے آپ اس کو اصولاً کیا کہیں گے؟ الیکشن ہو نہیں سکتا، سلیکشن یہ بھی نہیں ہوسکتا، نومینیشن یہ بھی نہیں، تو کیا معاملہ تھا؟ اور اس کا کیا نام رکھا جائے گا؟ اور کس طرح یہ خلافت جائز قرار دی جائے گی؟

---

(۱) عن زيد بن أرقم قال: لما رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم من حجة الوداع ونزل غدير خم أمر بدوحات فقممن ثم قال كأني قد دعيت فأجبت اني قد تركتُ فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي أهل بيتي ..... ثم قال الله مولاي وأنا ولي كل مؤمن ثم أخذ بيد عليّ فقال: من كنت مولاه فهٰذا وليه، اللّٰهم وال من والاه وعاد من عاداه. (البداية والنهاية ج:۵ ص:۲۰۹).

(۲) عن عبدالله بن زمعة بن الأسود بن المطلب بن أسد قال: لما استعز برسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا عنده في نفر من المسلمين دعا بلال للصلاة فقال: مروا من يصلّي بالناس. قال: فخرجت فإذا عمر في الناس، وكان أبوبكر غائبًا، فقلت: قم يا عمر! فصل بالناس، قال: فقام، فلما كبّر عمر سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم صوته وكان عمر رجلًا مجهرًا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فأين أبوبكر؟ يأبى الله ذالك والمسلمون. قال: فبعث إلىٰ أبي بكر فجاء بعد ما صلّى عمر تلك الصلوٰة فصلى بالناس. (البداية والنهاية ج:۵ ص:۲۳۲، طبع دار الفكر، بيروت).

(۳) لما كفن رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع علىٰ سريره دخل أبوبكر وعمر رضى الله عنهما ومعهما نفر من المهاجرين والأنصار بقدر ما يسع البيت فقالا: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، وسلّم المهاجرون والأنصار كما سلّم أبوبكر وعمر، ثم صفوا صفوفًا لا يؤمهم أحد. (البداية والنهاية ج:۵ ص:۲۹۵، طبع دار الفكر، بيروت).

جواب:...تمام صحابہ کرامؓ نے (جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے) حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کی، اس سے بڑھ کر انتخاب (الیکشن) کیا ہوگا...؟ ایک شخص بھی نہیں تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے مقابلے میں خلافت کا مدعی ہو۔[۱]

سوال:...جناب فاطمہؓ کی دِلی حالت مرتے دم تک ان تین خلفاء سے کیسی رہی؟ اگر آپ رضامند تھیں تو آپ نے اور آپ کے شوہر حضرت علیؓ نے اپنی حیات تک بیعت کیوں نہ کی؟ اور اگر آپ ان لوگوں سے ناراض تھیں اور آپ نے اسی حالت میں انتقال فرمایا تو آپ کا اعتقاد مذہبی وہی ہوا نا جو شیعوں کا ہے؟

جواب:...حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکرؓ سے راضی تھیں،[۲] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت بھی کی تھی۔[۳]

سوال:...مولانا صاحب میرا آخری سوال یہ ہے کہ ابوطالب کافر تھے یا مسلمان؟

جواب:...ان کا اسلام نہ لانا ثابت ہے۔[۴]

حدیثیں حضرت ابوبکرؓ ودیگر خلفائے راشدینؓ سے زیادہ حضرت ابوہریرہؓ سے کیوں مروی ہیں؟

سوال:...حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیثیں کیوں روایت ہیں؟ حالانکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہونی چاہئے تھیں۔

جواب:...حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے کثرتِ روایت کی وجہ طولِ عمر اور اس کام کے لئے وقف ہونا ہے۔[۵] حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک تو زمانہ بہت مختصر تھا، دُوسرے اس وقت اکابر صحابہ موجود تھے، اس لئے ان کو روایت کی

---

(۱) فقلت أبسط یدک یا أبابکر فبسط یده فبایعته وبایعه المهاجرون ثم بایعه الأنصار۔ (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۴۶)۔

(۲) وقد روینا عن أبی بکر رضی الله عنه أنه ترضی فاطمة وتلاینها قبل موتها فرضیت رضی الله عنها۔ (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۸۹، طبع دار الفکر، بیروت)۔

(۳) ثم نظر فی وجوه القوم فلم یر علیًّا فدعا بعلی بن أبی طالب فجاء فقال: قلت ابن عم رسول الله صلی الله علیه وسلم وختنه علیٰ ابنته اردت أن تشق عصا المسلمین قال: لَا تثریب یا خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم فبایعه۔ (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۴۹، طبع دار الفکر، بیروت)۔

(۴) انک لَا تهدی من أحببت ولٰکن الله یهدی من یشاء، أی هو أعلم لمن یستحق الهدایة ممن یستحق الغوایة، وقد ثبت فی الصحیحین أنها نزلت فی أبی طالب عمّ رسول الله صلی الله علیه وسلم وقد کان یحوطه وینصره ویقوم فی صفّه ویحبّه حبًّا طبیعیًّا لَا شرعیًّا، فلما حضرته الوفاة وحان أجله دعاه رسول الله صلی الله علیه وسلم إلی الإیمان والدخول فی الْإسلام فسبق القدر فیه واختطف من یده فاستمرّ علیٰ ما کان علیه من الکفر، ولله الحکمة التامة۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۵ ص:۲۷)۔

(۵) عن أنس بن مالک بن أبی عامر قال: کنت عند طلحة بن عبیدالله فدخل علیه رجل فقال: یا أبا محمد! والله ما ندری هٰذا الیمانی أعلم برسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ام أنتم تقول علیٰ رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، ما لم یقل یعنی أبا هریرة فقال طلحة: والله ما یشک انه سمع من رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ما لم نسمع وعلم ما لم نعلم، انا کنا قوما أغنیاء لنا بیوت وأهلون کنا نأتی نبی الله صلی الله علیه وآله وسلم طرفی النهار ثم نرجع وکان أبا هریرة رضی الله عنه مسکینًا لَا مال له ولَا أهل ولَا ولد انما کانت یده مع ید النبی صلی الله علیه وآله وسلم .... (باقی اگلے صفحے پر)

نوبت کم آئی۔[1] حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وقت بھی زیادہ طویل نہیں تھا، پھر مہماتِ خلافت میں اشتغال کی وجہ سے زیادہ فرصت بھی نہ تھی۔[2] علاوہ ازیں بعض اکابر پر شدّتِ احتیاط کا غلبہ تھا، اس لئے وہ روایت سے قصداً احتراز کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ولادت وشہادت

سوال:... امیر المؤمنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ شہادت کون سی ہے؟

جواب:... ولادت ہجرت سے چالیس سال قبل ہوئی۔ ۲۶/ذی الحجہ ۲۳ھ بروز چہارشنبہ مطابق ۳۱/اکتوبر ۶۴۴ء کو نمازِ فجر میں ابولؤلؤ مجوسی کے خنجر سے زخمی ہوئے، تین راتیں زخمی حالت پر زندہ رہے، ۲۹/ذی الحجہ (۳/نومبر) کو وصال ہوا۔ یکم محرّم ۲۴ھ کو روضۂ اطہر میں آسودۂ خاک ہوئے،[3] حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تائید میں نزولِ قرآن

سوال:... سوال یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کس رائے کے حق میں قرآن میں آیتیں نازل ہوئیں؟

جواب:... حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت کئی مرتبہ حاصل ہوئی کہ وحیٔ خداوندی نے ان کی رائے کی تائید کی۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے "تاریخ الخلفاء"[4] میں ایسے بیس اِکیس مواقع کی نشاندہی کی ہے، اور اِمام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے "إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" میں دس گیارہ واقعات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)............ وكان يدور معه حيث ما دار ولَا نشك انه قد علم ما لم نعلم وسمع ما لم نسمع ولم يتهمه أحد منّا انه تقوّل علٰى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما لم يقل. (مستدرک حاكم ج:۳ ص:۵۱۱، ۵۱۲ طبع دار الكتاب العربى، بيروت). عن أبى هريرة قال: ان الناس يقولون أكثر أبوهريرة ولو لَا آيتان فى كتاب الله ما حدثت حديثًا، ثم يتلوا: إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البيّنٰت والهدىٰ ...إلٰى قوله... الرحيم، ان إخواننا من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالأسواق وإن إخواننا من الأنصار كان يشغلهم العمل فى أموالهم وإن أباهريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم يشبع بطنه ويحضر ما لَا يحضرون، ويحفظ ما لَا يحفظون. (صحيح بخارى ج:۱ ص:۲۲ باب حفظ العلم). أيضًا واكثرهم حديثًا ابو هريرة ثم أنس بن مالک ....الخ. (تدريب الراوى ص:۲۹۲) وهو أحفظ الصحابة قال الشافعى: أبو هريرة أحفظ من روى الحديث فى دهره أيضًا. (تدريب مع التقريب ص:۲۹۲، ۲۹۳، طبع بيروت).

(۱) فوائد: السبب فى قلّة ما روى عن أبى بكر الصديق رضى الله عنه .... أنه تقدمت وفاته قبل انتشار الحديث واعتناء الناس بسماعه وتحصيله وحفظه. (تدريب الراوى مع تقريب النواوى ص:۲۹۳ طبع بيروت).

(۲) تذكرة الحفاظ، جلد اوّل، تذكرهٔ عمر۔

(۳) فاتفق له ان ضربه أبو لؤلؤ فيروز المجوسى .... وهو قائم يصلّى فى المحراب صلاة الصبح من يوم الأربعاء، لأربع بقين من ذى الحجة من هٰذه السنة بخنجر .... ومات رضى الله عنه بعد ثلاث ودفن فى يوم الأحد مستهل المحرّم من سنة أربع وعشرين بالهُجرة النبوية. (البداية والنهاية ج:۷ ص:۱۳۷، ۱۳۸، طبع دار الفكر، بيروت).

(۴) وافق عمر ربّهٗ فى احد وعشرين موضعًا. (تاريخ الخلفاء ص:۴۸، ۴۷).

۱:... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ جنگِ بدر کے قیدیوں کو قتل کیا جائے، اس کی تائید میں سورۃ الانفال کی آیت:۶۷ نازل ہوئی۔

۲:... منافقوں کا سرغنہ، عبداللہ بن اُبیّ مرا تو آپ کی رائے تھی کہ اس منافق کا جنازہ نہ پڑھایا جائے، اس کی تائید میں سورۃ التوبہ کی آیت:۸۴ نازل ہوئی۔

۳:... آپ مقامِ ابراہیم کو نماز گاہ بنانے کے حق میں تھے، اس کی تائید میں سورۂ بقرہ کی آیت:۱۲۵ نازل ہوئی۔

۴:... آپ ازواجِ مطہراتؓ کو پردے میں رہنے کا مشورہ دیتے تھے، اس پر سورۂ اَحزاب کی آیت:۵۳ نازل ہوئی اور پردہ لازم کردیا گیا۔

۵:... اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب بدباطن منافقوں نے ناروا تہمت لگائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (دیگر صحابہؓ کے علاوہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی رائے طلب کی، آپ نے سنتے ہی بے ساختہ کہا: ''توبہ! توبہ! یہ تو کھلا بہتان ہے!'' اور بعد میں انہی الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوئی۔

۶:... ایک موقع پر آپ نے ازواجِ مطہراتؓ کو فہمائش کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں عطا کردے گا، اس کی تائید میں سورۃ التحریم کی آیت نمبر:۵ نازل ہوئی، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف بہتان تراشیاں

سوال:... میں نے آج سے کچھ عرصہ پہلے جمعہ کے وعظ کے دوران ایک واقعہ اِمام صاحب سے سنا تھا۔ وہ یہ ہے کہ: ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قبر میں عذاب ہوا، (معاذ اللہ!) جس سے ان کی پنڈلی کے ٹوٹنے کی آواز باہر تک لوگوں نے سنی، اس عذاب کی وجہ یہ تھی کہ ان پر ایک دفعہ پیشاب کا ایک چھینٹا پڑ گیا تھا۔'' جنابِ عالی! اس وقت تو مجھے اتنا شعور نہیں تھا، لیکن آج میں اس واقعے پر غور کرتا ہوں تو میرا دِل نہیں مانتا کہ یہ واقعہ سچ ہوگا، لیکن پھر یہ بھی سوچتا ہوں کہ یہ واقعہ ایک عالمِ دِین کی زبانی سنا ہے۔ عجیب کشمکش کا شکار ہوں، اُمید ہے آپ میری اس کشمکش کو دُور فرمادیں گے، میرے خیال میں یہ واقعہ صریحاً غلط ہے۔

جواب:... مجھے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے کسی واقعے کا علم نہیں، پہلی بار آپ کی تحریر میں پڑھا، میں اس کو صریحاً غلط اور بہتانِ عظیم سمجھتا ہوں۔ ان واعظ صاحب سے حوالہ دریافت کیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کشف

سوال:... بہت سے عالموں سے سنا ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اور ملکِ شام میں ان کی فوج کافروں سے لڑ رہی تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے خطبہ پڑھتے پڑھتے فوج کے جرنیل ساریہؓ کو فرمایا کہ: ''اے ساریہ! پہاڑ کو سنبھالو'' چنانچہ ساریہؓ نے عمر فاروقؓ کی آواز سنی، اور پہاڑ کو سنبھالا، اس طرح ان کو فتح نصیب ہوئی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:... یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کشف اور کرامت تھی، یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے خطبے میں حضرت عمرؓ روئے تھے یا حضرت ابوبکرؓ؟

سوال:... ''جنگ'' کا اسلامی صفحہ پڑھا، ریٹائرڈ جسٹس قدیر الدین صاحب اپنے مضمون ''اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے'' میں لکھتے ہیں کہ: ۹؍ ذی الحجہ کو جمعہ کے روز ۱۰ھ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں جو خطبہ دیا تھا، اس میں دِینِ اسلام کے مکمل ہونے کی نوید سنائی۔ اس وقت مسلمان خوش ہو رہے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید اب آپ ہم لوگوں میں زیادہ دن نہ رہیں۔ لیکن مولانا صاحب! کچھ دن پہلے یہی مضمون اسلامی صفحے پر شاید مولانا احتشام الحق صاحب نے لکھا تھا، جس میں انہوں نے اسی خطبے کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے رونے کے متعلق لکھا تھا، اور ہوبہو یہی الفاظ لکھے تھے۔ براہِ کرم انہی صفحات میں جواب دے کر ممنون فرمائیں تاکہ تسلی ہوجائے۔ پردیس میں عام کتب نہ ہونے کی وجہ سے مطالعے سے محروم ہیں، ورنہ سوال کی نوبت نہ آتی۔ اُمید ہے آپ ضرور جواب دیں گے۔

جواب:... اس آیت کے نازل ہونے کے موقع پر رونے کا واقعہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا ہے،[۲] مگر جسٹس صاحب نے حدیث کے الفاظ صحیح نقل نہیں کئے، جس کی وجہ سے آپ کو اس واقعے کا اشتباہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے کے واقعے سے ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ شاید اب آپ ہم لوگوں میں زیادہ دن نہ رہیں، بلکہ یہ فرمایا تھا: ''اب تک تو ہمارے دِین میں اضافہ ہو رہا تھا، لیکن آج وہ مکمل ہوگیا، اور جب کوئی چیز مکمل ہوجاتی ہے تو اس میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کمی اور نقصان شروع ہوجاتا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو!'' (تفسیر ابنِ کثیر ج:۲ ص:۱۳)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات کے دوران ایک خطبے میں فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دُنیا میں رہے یا حق تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں چلا جائے'' حضرت ابوبکر

---

(۱) .... فوقع فی خاطر عمر وهو یخطب یوم الجمعة أن الجیش المذکور لَاقی العدو وهم فی بطن واد وقد هموا بالهزیمة وبالقرب منهم جبل، فقال فی أثناء خطبته: یا ساریة! الجبل، الجبل، ورفع صوته فألقاه الله فی سمع ساریة فانحاز بالناس إلی الجبل، وقاتلوا العدو من جانب واحد ففتح الله علیهم. (الإصابة ج:۲ ص:۳، طبع دار صادر، مصر، نیز دیکھئے: حیاة الصحابة ج:۳ ص:۵۲۸، طبع دار المعرفة، بیروت، البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۳۱، طبع دار الفکر، بیروت).

(۲) عن هارون بن عنترة عن أبیه قال: لما نزلت: "الیوم أکملت لکم دینکم ...." وذٰلک یوم الحج الأکبر بکٰی عمر فقال له النبی صلی الله علیه وسلم: ما یبکیک؟ قال: أبکانی انا کنا فی زیادة من دیننا فأما إذا أکمل فإنه لم یکمل شیء إلّا نقص، فقال: صدقت. (تفسیر ابن کثیر ج:۲ ص:۴۶۶، طبع دار المعرفة، بیروت).

رضی اللہ عنہ اس اشارے کو سمجھ گئے اور رونے لگے، جبکہ دُوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس وقت نہیں سمجھے۔[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو فلاں ہوتا) کا مصداق کون ہے؟

سوال:... واضح حوالہ کے ساتھ یہ بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے صحابیؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ فلاں ہوتے۔

جواب:... حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: "لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب" (ترمذی ج:۲ ص:۲۰۹)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت وعمر شریف

سوال:... امیر المؤمنین سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ شہادت کون سی ہے؟

جواب:... تاریخِ شہادت میں متعدّد اقوال ہیں، مشہور قول ۱۸؍ذی الحجہ ۳۵ھ (۱۷؍جون ۶۵۶ء) بروز جمعہ کا ہے، عمر مبارک مشہور قول کے مطابق ۸۲ سال تھی۔[۲]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے آسمانی وحی سے ہوا

سوال:... کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آپ سے کردیا؟

جواب:... طبرانی کی روایت ہے کہ: "میں نے عثمانؓ سے اُمِّ کلثومؓ کا نکاح نہیں کیا مگر آسمانی وحی کے ساتھ۔"[۳] اور ابنِ ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ: "یہ جبریلؑ بتارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُمِّ کلثوم کے

---

(۱) عن أبی سعید الخدری أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلس علی المنبر فقال: ان عبدًا خیّرہ اللہ بین أن یؤتیہ من زھرۃ الدنیا ما شاء وبین ما عندہ، فاختار ما عندہ. فبکٰی أبوبکر، قال: فدیناک بآبائنا واُمھاتنا، فعجبنا لہ، فقال الناس: انظروا إلٰی ھٰذا الشیخ یخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عبد خیّرہ اللہ بین أن یؤتیہ من زھرۃ الدنیا وبین ما عندہ، وھو یقول فدیناک بآبائنا واُمھاتنا، فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو المخیّر وکان أبوبکر أعلمنا۔ متفق علیہ۔ (مشکٰوۃ ص:۵۴۶ باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔

(۲) انہ قتل یوم الجمعۃ لثمانی عشرۃ خلت من ذی الحجۃ سنۃ خمس وثلاثین علی الصحیح المشھور .... توفی عن ثنتین وثمانین سنۃ واشھر۔ (البدایۃ والنھایۃ ج:۷ ص:۱۹۰)۔

(۳) عن أُمّ عیاش قالت: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ما زوّجت عثمان أُمّ کلثوم إلّا بوحی من السماء۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط إسنادہ حسن، مجمع الزوائد ج:۹ ص:۸۱، باب تزویجہ، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

ساتھ تیرا عقد کردیا ہے، رُقیہ کے مہر جتنے مہر کے ساتھ۔"[۱] (مجمع الزوائد ج:۹ ص:۸۱ میں اس مضمون کی متعدّد روایتیں ہیں، اور طبرانی کی مذکورہ بالا روایت کو حسن کہا ہے)۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی عمر مبارک اور تاریخِ شہادت

سوال:... امیرالموٴمنین سیّدنا حضرت علی حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ شہادت کون سی ہے؟

جواب:... شہادت ۱۷؍رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۲۴؍جنوری ۶۶۱ء بہ عمر ۶۳ سال۔[۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام مبارک کے ساتھ "کرّم اللہ وجہہ" کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال:... مہربانی کرکے یہ بتائیں کہ ہر صحابیؓ کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" بولا جاتا ہے، اور علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ "کرّم اللہ وجہہ"، تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:... خارجی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام مبارک کے ساتھ بددُعا کے گندے الفاظ استعمال کرتے تھے، اس لئے اہلِ سنت نے ان کے مقابلے کے لئے یہ دُعائیہ الفاظ کہنے شروع کئے: "اللہ تعالیٰ آپ کا چہرہ روشن کرے۔"[۳]

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح موٴقت تھے؟

سوال:... روزنامہ جنگ میں "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد" کے عنوان سے ایک صاحب کے جواب میں لکھا تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات کے بعد کئی نکاح کئے اور کئی اولادیں ہوئیں، آپ نے حضرت علیؓ کی بعض اولاد کے نام بھی درج فرمائے ہیں۔ مولانا صاحب! سوال یہ ہے کہ جناب فاطمۃ الزہراؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے جو متعدّد نکاح کئے تھے، کیا وہ دائمی تھے یا موٴقتی نکاح تھے؟ برائے مہربانی آپ اس کی وضاحت کریں یعنی فاطمۃ الزہراؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے جو نکاح کئے تھے، کیا وہ دائمی تھے یا موٴقتی (متعہ) نکاح تھے؟ نیز حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے علاوہ حضرت علیؓ کی چند ازواج کے نام درج فرمائیں۔

جواب:... اسلام میں نکاحِ موٴقت کا کوئی تصوّر نہیں،[۴] اگر ایسا ہوتا تو طلاق مشروع نہ کی جاتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

(۱) عن أبی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم لقی عثمان عند باب المسجد فقال: یا عثمان! هٰذا جبریل أخبرنی أن الله قد زوّجک أُمّ کلثوم بمثل صداق رقیّة علٰی مثل صحبتها۔ (سنن ابن ماجة ص:۱۱، فضل عثمان رضی الله عنه)۔

(۲) وحاصل الأمر أن علیًّا قتل یوم الجمعة وذٰلک لسبع عشرة خلت من رمضان .... عن ثلاث وستین سنة۔ (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۳۳۰، ج:۸ ص:۱۴، طبع دار الفکر، بیروت)۔

(۳) سوال: حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ "کرم اللہ وجہہ" کہنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب: بعض علماء سے سنا ہے کہ خوارج نے آپؓ کے نام مبارک کے بعد "سوّد اللہ وجہہ" بڑھایا تھا، اس کے جواب کے لئے "کرم اللہ وجہہ" عادت ٹھہرالی گئی، اور ایک بزرگ سے یہ سنا تھا کہ چونکہ آپؓ عہدِ طفلی میں اِسلام لے آئے، آپ کا وجہ مبارک کبھی بت کے سامنے نہیں جھکا، اس لئے یہ کہا جاتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج:۴ ص:۳۷۴)۔

(۴) عن أمیر المؤمنین علی بن أبی طالب رضی الله عنه قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نکاح المتعة .... الخ۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۲ ص:۲۳۱)۔ أیضًا فی الدر المختار: وبطل نکاح متعة ومؤقت وان جهلت المدة أو طالت فی الأصح ولیس منه ما لو نکحها علٰی أن یطلّقها بعد شهر أو نوی مکثه معها مدة معینة۔ (الدر المختار مع الرد المختار ج:۳ ص:۵۱)۔

نے جو نکاح کئے وہ مؤقت نہیں تھے، آپ کی کچھ اَزواج آپ کی زندگی میں فوت ہوگئیں، بعض کو طلاق دے دی، کچھ آپ کے آخری لمحہ تک رہیں۔ حافظ ابنِ کثیرؒ البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۳۲ میں لکھتے ہیں کہ: آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں کوئی اور نکاح نہیں کیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد کئی نکاح کئے، بعض بیویاں آپ کی زندگی میں فوت ہوگئیں، بعض کو طلاق دے دی۔ انتقال کے وقت آپ کی چار بیویاں اور اُنیس کنیزیں تھیں، چودہ، پندرہ صاحبزادے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں: حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، محمد بن حنفیہؒ، محمد اوسطؒ، محمد اصغرؒ، عبداللہؒ، عباسؓ، جعفرؒ، عبیداللہؒ، یحییٰؒ، عونؒ۔ اور صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں: زینب کبریٰ، اُمِّ کلثوم (ان کا عقد امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا)، رقیہ، اُمّ الحسن، رملہ کبریٰ، اُمّ ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، اُمِّ کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، اُمّ الکرام، اُمّ جعفر، اُمِّ سلمہ، جمانہ۔ (۱)

متعہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا اُن پر تہمت ہے

سوال:... گزشتہ تین چار دن کی بات ہے کہ ایک آدمی نے میرے ساتھ بحث کی کہ متعہ میرج کرنا جائز ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ: متعہ میرج کسے کہتے ہیں؟ اُس نے کہا کہ: کسی لڑکی کو روپے وغیرہ دے کر رضامند کرکے اس کے ساتھ صحبت کرنی جائز ہے، یعنی ہم بستری کرنا جائز ہے۔ میں نے اس سے دلیل مانگی تو اُس نے کہا کہ: حضرت علیؓ ایک دفعہ ایک آدمی کے گھر گئے، صبح ہوئی تو اُس آدمی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ: اے علی! آپ تو بہت بہادر ہیں، آپ تو بڑے طاقت والے ہیں، آپ کافی عرصہ گھر بھی نہیں جاتے، آخر یہ جو جسمانی خواہش ہوتی ہے، یہ آپ کیسے پوری کرتے ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ: میں متعہ میرج کرلیتا ہوں، آج رات کو میں نے آپ کی بیٹی سے متعہ میرج کی ہے۔ اُس آدمی کے الفاظ تھے: میرے پاس اب تین گواہ بھی موجود ہیں، جن کے سامنے اس آدمی نے یہ باتیں کہیں۔ ایک آدمی بحیثیت مسلمان ہونے کے حضرت علیؓ کے لئے یہ کہتا ہے۔ آپ دِینی، فقہی، قرآن اور حدیث کی رُو سے تفصیل سے لکھیں کہ ایسے آدمی کے لئے کیا فتویٰ ہے اور کیا جرمانہ ہے؟ کیا وہ ان الفاظ کو واپس لے اور توبہ کرے؟

جواب:... یہ شخص جس سے آپ کی گفتگو ہوئی، شیعہ ہوگا۔ شیعہ صاحبان متعہ کرتے، کراتے ہیں، اور اس کو بہت بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص ایک بار متعہ کرے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے درجے کو پہنچ جاتا ہے، اور دُوسری بار متعہ کرے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درجے کو، تیسری بار کرے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درجے کو، اور چوتھی بار کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے کو پالیتا ہے۔ (۲)

---

(۱) البدایة والنهایة ج:۷ ص:۳۳۱، ۳۳۳، طبع دار الفکر، بیروت.

(۲) روایت کردند قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من تمتع مرّة درجته کدرجة الحسین، ومن تمتّع مرّتین درجته کدرجة الحسن، ومن تمتّع ثلٰث مرّات درجته کدرجة علی ومن تمتّع أربع مرّات درجه کدرجتی۔ (برهان المتعة ص:۵۲، باب إثبات متعة۔ تالیف: مولانا الحاج ابوالقاسم ۱۳۰۵ طبع لاہور، بحوالہ تاریخی دستاویز ص:۳۷۷، پیش کردہ ابوریحان ضیاء الرحمٰن فاروقی)۔

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک متعہ حرام ہے،[1] اور یہ زنا ہی کی ایک شکل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جس واقعے کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے، یہ خالص جھوٹ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بہتان و اِلزام ہے۔ اس شخص کو اپنے فاسد اور غلط خیال سے توبہ کرنی چاہئے۔[2]

جنگِ جمل، صِفّین کے فریقین کو گالی گلوچ کرنا

سوال:... جنگِ جمل، صِفّین میں جو کہ مسلمانوں کی باہمی مشاجرات بیان کی جاتی ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ان جنگوں کو بیان کرنا، ان کے واقعات کو دُہرانا، پھر کسی ایک فریق کی طرف داری کر کے دُوسرے فریقِ مسلم کو گالی گلوچ دینا جائز ہے؟

جواب:...ان واقعات کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کے لئے دُہرانا اور کسی فریق کو بُرا بھلا کہنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اکابر کی بے ادبی سے بچائے۔[3]

---

(۱) ثم ذکر فی الفتح أدلة تحریم المتعة وأنه کان فی حجة الوداع وکان تحریم تأبید لَا خلاف فیه بین الأئمة وعلماء الأمصار إلّا طائفة من الشیعة، ونسبة الجواز إلٰی مالک کما وقع فی الهدایة غلط۔ (رد المختار ج:۳ ص:۵۱)، ونکاح المتعة باطل وهو أن یقول لِامرأة اتمتع بک کذا مدة بکذا من المال۔ وقال مالک: وهو جائز، لأنه کان مباحًا فیبقی إلٰی أن یظهر ناسخة، قلنا: ثبت النسخ بإجماع الصحابة وابن عباس صح رجوعه إلٰی قولهم فتقرر الْإجماع۔ (هدایة ج:۱ ص:۳۱۲، ۳۱۳، طبع مکتبه شرکت علمیه، ملتان)۔

(۲) والعمدة ما ثبت فی الصحیحین عن أمیر المؤمنین علی بن أبی طالب رضی الله عنه قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نکاح المتعة .... الخ۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۲ ص:۲۳۱، صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۶۷، باب نهی رسول الله صلی الله عله وسلم عن نکاح المتعة أخیرًا، صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۵۲ باب نکاح المتعة طبع کتب خانه رحیمیه، انڈیا)۔

(۳) ویکف عن ذکر الصحابة إلّا بخیر لما ورد من الأحادیث الصحیحة فی مناقبهم ووجوب الکف عن الطعن فیهم کقوله علیه السلام: لَا تسبّوا أصحابی .... وما وقع بینهم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتأویلات۔ (شرح العقائد النسفیة ص:۱۶۱ طبع مکتبه خیر کثیر کراچی)۔

حضرت عباس اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے بارے میں چند شبہات کا اِزالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام جناب یوسف لدھیانوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد!

قاضی ابوبکر بن العربیؒ ۴۶۸ھ تا ۵۴۳ھ اپنی کتاب ''العواصم من القواصم'' کے ایک باب میں رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایک کمر توڑ حادثہ تھا، اور عمر بھر کی مصیبت، کیونکہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران اپنی الجھن میں پڑ گئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ: موت کے وقت بنی عبدالمطلب کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی دیکھ رہا ہوں، سو آؤ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں اور معاملہ ہمارے سپرد ہو تو ہمیں معلوم ہو جائے گا۔

پھر اس کے بعد حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں اُلجھ گئے، وہ فدک، بنی نضیر اور خیبر کے ترکہ میں میراث کا حصہ چاہتے تھے۔''

ائمہ حدیث کی روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے متعلق کہا تھا کہ جب حضرت عباسؓ اور علیؓ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقاف کے بارے میں حضرت عمرؓ کے پاس اپنا جھگڑا لے کر گئے تو حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا: ''اے امیر المؤمنین! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرا دیں۔''

دیگر جگہ پر ہے کہ آپس میں گالی گلوچ کی..... (ابن حجر، فتح الباری)۔

''حضرت علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری میں مبتلا تھے، لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ: اے ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کیسی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: اب آپ پہلے سے اچھی حالت میں ہیں۔ تو حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: خدا کی قسم تین روز کے بعد آپ پر لاٹھی کی حکومت ہوگی، مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ اس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات عنقریب ہونے والی ہے، کیونکہ بنی عبدالمطلب کے

چہروں کی جو کیفیت موت کے وقت ہوتی ہے، وہی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم ہورہی ہے، آؤ! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ اگر آپ ہمیں خلافت دے جائیں تو بھی ہمیں معلوم ہوجائے اور اگر آپ کسی اور کو خلافت دے دیں تو پھر ہمارے متعلق اس کو وصیت کرجائیں۔ تو حضرت علیؓ نے کہا: خدا کی قسم! اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کریں اور آپ ہم کو نہ دیں تو پھر لوگ ہم کو کبھی نہ دیں گے اور میں تو خدا کی قسم! اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز سوال نہ کروں گا۔" یہ حدیث صحیح بخاری کتاب المغازی اور البدایہ والنہایہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے، اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔

سوالات

۱:...حضرت علیؓ چپ کر کیوں بیٹھ گئے تھے؟

۲:...کیا ان دونوں کو مال و دولت کی اس قدر حرص تھی کہ بار بار ترکہ مانگتے تھے، جبکہ ان کو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے علم کرادیا تھا کہ اس مال کی حیثیت ترکے کی نہیں، تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

۳:...یہ جھگڑا ان دونوں کو نہ صرف مال و دولت کا حریص ثابت کرتا ہے بلکہ اخلاقی پستی کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے، کیونکہ گالی گلوچ شرفاء کا وطیرہ نہیں۔

۴:..."تین روز کے بعد آپ پر لاٹھی کی حکومت ہوگی" اس عبارت کو واضح کریں۔

۵:...حضرت عباسؓ کو کیسی فکر پڑی ہے کہ خلافت ملے، نہ ملے تو وصیت ہی ہوجائے کہ ان کے مفادات محفوظ ہوجائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور وفات کا صدمہ اگر غالب ہوتا تو یہ خیالات اور یہ کارروائیاں کہاں ہوتیں؟

۶:...حضرت علیؓ کے الفاظ سے تو ان کا ارادہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار ہی کیوں نہ کردیں، انہیں خلافت درکار ہے، اور یہ بھی کہ انہیں احتمال یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں گے، اسی لئے کہتے ہیں کہ: میں نہ سوال کروں گا (اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس خلافت کو حاصل کروں گا)، حضرت علیؓ کے الفاظ اگر یہ مفہوم ظاہر نہیں کرتے تو پھر کیا ظاہر کرتے ہیں؟

اُمید ہے کہ آپ جواب جلد اِرسال فرمائیں گے۔

فقط والسلام

محمد ظہور الاسلام

الجواب

سوالات پر غور کرنے سے پہلے چند اُمور بطورِ تمہید عرض کردینا مناسب ہے:

اوّل:...اہلِ حق کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کی تحقیر و تنقیص جائز نہیں، بلکہ تمام صحابہؓ کو عظمت و محبت سے یاد کرنا لازم ہے، کیونکہ یہی اکابر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے درمیان واسطہ ہیں، اِمامِ اعظم رحمہ اللہ اپنے

رسالہ ''فقہ اکبر'' میں فرماتے ہیں:

''ولَا نذكر الصحابة (وفى نسخة ولَا نذكر احدًا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم) اِلّا بخير۔'' (شرح فقہ اکبر: ملا علی قاریؒ ص:۸۵، طبع مجتبائی ۱۳۴۸ھ)

ترجمہ:... ''اور ہم، صحابہ کرامؓ کو (اور ایک نسخہ میں ہے کہ ہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحابؓ میں سے کسی کو) خیر کے سوا یاد نہیں کرتے۔''

اِمام طحاویؒ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں:

''ونحب أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولَا نفرط فى حب أحد منهم، ولَا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم وبغير الحق يذكرهم، ولَا نذكرهم اِلّا بالخير، وحبّهم دين وايمان واحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان۔''

(عقیدۃ الطحاوی ص:۶۶، طبع ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ)

ترجمہ:... ''اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کی محبت میں افراط و تفریط نہیں کرتے۔ اور نہ کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، اور ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو ان میں سے کسی سے بغض رکھے یا ان کو ناروا الفاظ سے یاد کرے۔ ان سے محبت رکھنا دِین و اِیمان اور اِحسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر و نفاق اور طغیان ہے۔''

اِمام ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۴ھ) کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے کہ:

''اذا رأيت الرجل ينقص أحدًا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاعلم انه زنديق، لأن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق، والقراٰن حق، وانما ادى الينا هٰذا القراٰن والسنن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة۔ والجرح بهم أولىٰ وهم زنادقة۔'' (مقدمہ العواصم من القواصم ص:۳۴)

ترجمہ:... ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زِندیق ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک حق ہیں، اور قرآنِ کریم حق ہے، اور قرآنِ کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ہمیں صحابہ کرامؓ ہی نے پہنچائے ہیں، یہ لوگ صحابہ کرامؓ پر جرح کرکے ہمارے دِین کے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب و سنت کو باطل کردیں، حالانکہ یہ لوگ خود جرح کے مستحق ہیں، کیونکہ وہ خود زِندیق ہیں۔''

یہ تو عام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں اہلِ حق کا عقیدہ ہے، جبکہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا شمار

خواص صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ حضرت عباسؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: ”عمّي وصنو أبي“[1] فرمایا کرتے تھے، یعنی ”میرے چچا اور میرے باپ کی جگہ“، اور ان کا بے حد اِکرام فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے وسیلے سے اِستسقاء کرتے تھے[2]، ان کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے فضائل ومناقب وارِد ہیں۔

اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب تو حدِ شمار سے خارج ہیں، ان کے دیگر فضائل سے قطع نظر وہ اہلِ حق کے نزدیک خلیفۂ راشد ہیں، قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ ”العواصم من القواصم“ میں، جس کے حوالے آپ نے سوال میں درج کئے ہیں، لکھتے ہیں:

”وقُتل عثمان فلم يبق على الأرض أحق بها من عليّ، فجاءته على قدر فى وقتها ومحلها، وبين الله على يديه من الأحكام والعلوم ما شاء الله أن يبين. وقد قال عمر: لو لَا عليٌّ لهلک عمر! وظهر من فقهه وعلمه فى قتال أهل القبلة من استدعائهم، ومناظرتهم، وترک مبادرتهم، والتقدم اليهم قبل نصب الحرب معهم، وندائه: لَا نبدأ بالحرب، ولَا يتبع مول، ولَا يجهز علىٰ جريح، ولَا تهاج امرأة، ولَا نغنم لهم مالًا۔ وامره بقبول شهادتهم والصلٰوة خلفهم. حتى قال أهل العلم: لو لَا ما جرى ما عرفنا قتال أهل البغى۔“ (ص:۱۹۴)

ترجمہ:... ”اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو رُوئے زمین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی خلافت کا مستحق نہیں تھا، چنانچہ نوشتۂ اِلٰہی کے مطابق انہیں خلافت اپنے ٹھیک وقت میں ملی، اور برمحل ملی۔ اور ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے وہ اَحکام وعلوم ظاہر فرمائے جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ”اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا!“ اور اہلِ قبلہ سے قتال کرنے میں ان کے علم وتفقہ کے جوہر ظاہر ہوئے، مثلاً انہیں دعوت دینا، ان سے بحث ومناظرہ کرنا، ان سے لڑائی میں پہل نہ کرنا، اور ان کے ساتھ جنگ کرنے سے قبل یہ اعلان کرنا کہ ہم جنگ میں ابتدا نہیں کریں گے، بھاگنے والے کا تعاقب نہیں کیا جائے گا، کسی زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا، کسی خاتون سے تعرض نہیں کیا جائے گا، اور ہم ان کے مال کو غنیمت نہیں بنائیں گے، اور آپ کا یہ حکم فرمانا کہ اہلِ قبلہ کی شہادت مقبول ہوگی اور ان کی اقتدا میں نماز جائز ہے وغیرہ۔ حتیٰ کہ اہلِ علم کا قول ہے کہ: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اہلِ قبلہ کے ساتھ قتال کے یہ واقعات پیش نہ آتے تو ہمیں اہلِ بغی کے ساتھ قتال کی صورت ہی معلوم نہ ہوسکتی۔“

---

(۱) وعن ابى أسيد الساعدى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للعباس بن عبدالمطلب .... ثم قال: يا ربّ! هٰذا عمى وصنو أبى ....الخ۔ (مجمع الزوائد ج:۹ ص:۳۲۲، كتاب المناقب)۔

(۲) عن أنس أن عمر بن الخطاب كان اذا قحطوا استسقٰى بالعباس بن عبدالمطلب فقال: اللّٰهم انا كنا نتوسل اليک بنبيّنا فتسقينا، وانا نتوسل اليک بعمّ نبيّنا فاسقنا فيسقوا، رواه البخارى۔ (مشكوٰة ج:۱ ص:۱۳۲، باب الْاستسقاء)۔

پس جس طرح کسی ایک نبی کی تکذیب پوری جماعتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب ہے، کیونکہ دراصل یہ وحیٔ الٰہی کی تکذیب ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی ایک خلیفۂ راشد کی تنقیص خلفائے راشدین کی پوری جماعت کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل خلافتِ نبوّت کی تنقیص ہے۔ اسی طرح جماعتِ صحابہؓ میں سے کسی ایک کی تنقیص وتحقیر پوری جماعتِ صحابہؓ کی تنقیص ہے، کیونکہ یہ دراصل صحبتِ نبوّت کی تنقیص ہے، اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَللّٰہُ! اَللّٰہُ! فِی أَصْحَابِیْ، لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ، فَمَنْ أَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ أَحَبَّھُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ أَبْغَضَھُمْ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۲۶)

ترجمہ:... ''میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! ان کو میرے بعد ہدفِ ملامت نہ بنالینا، پس جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔''

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھنا اور انہیں خیر کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے، خصوصاً حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیابتِ نبوّت کا منصب حاصل ہوا۔ اسی طرح وہ صحابہ کرامؓ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں محبّ ومحبوب ہونا ثابت ہے، ان سے محبت رکھنا حُبِّ نبوی کی علامت ہے۔ اس لئے امام طحاویؒ اس کو دِین واِیمان اور اِحسان سے تعبیر فرماتے ہیں، اور ان کی تنقیص وتحقیر کو کفر ونفاق اور طغیان قرار دیتے ہیں۔

دوم:... ایک واقعے کے متعدّد اَسباب وعلل ہوسکتے ہیں، اور ایک قول کی متعدّد توجیہات ہوسکتی ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی واقعے پر گفتگو کرتے ہوئے، یا کسی کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے صاحبِ واقعہ کی حیثیت ومرتبہ کو ملحوظ رکھنا لازم ہوگا۔ مثلاً: ایک مسلمان یہ فقرہ کہتا ہے کہ: ''مجھے فلاں ڈاکٹر سے شفا ہوئی''، تو قائل کے عقیدے کے پیشِ نظر اس کو کلمۂ کفر نہیں کہا جائے گا۔ لیکن یہی فقرہ اگر کوئی دہریہ کہتا ہے تو یہ کلمۂ کفر ہوگا۔ یا مثلاً: کسی پیغمبر کی توہین وتذلیل اور اس کی داڑھی نوچنا کفر ہے، لیکن جب ہم یہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پڑھتے ہیں تو ان کی شان وحیثیت کے پیشِ نظر کسی کو اس کا وسوسہ بھی نہیں آتا۔[1]

سوم:... جس چیز کو آدمی اپنا حق سمجھتا ہے، اس کا مطالبہ کرنا، نہ کمال کے منافی ہے اور نہ اسے حرص پر محمول کرنا صحیح ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کون کامل ومخلص ہوگا؟ لیکن حقوق میں بعض اوقات ان کے درمیان بھی منازعت کی نوبت آتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان فیصلے فرماتے تھے، مگر اس بات پر نکیر نہیں فرماتے تھے کہ یہ منازعت کیوں ہے؟ اور نہ حق طلبی کو حرص کہا جاتا ہے۔

چہارم:... اِجتہادی رائے کی وجہ سے فہم میں خطا ہوجانا لائقِ مؤاخذہ نہیں، اور نہ یہ کمال واخلاص کے منافی ہے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام باجماعِ اہلِ حق معصوم ہیں، مگر اِجتہادی خطا کا صدور ان سے بھی ممکن ہے، لیکن ان پر چونکہ وحیٔ الٰہی اور عصمت

---

(۱) ''وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبٰنَ اَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ، اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ، وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗٓ اِلَیْهِ'' (الأعراف:۱۵۰)۔

کا پہرہ رہتا ہے، اس لئے انہیں خطائے اِجتہادی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا، بلکہ وحیٔ الٰہی فوراً انہیں متنبہ کردیتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر کاملین معصوم نہیں، ان سے خطائے اِجتہادی سرزد ہوسکتی ہے، اور ان کا اس پر برقرار رہنا بھی ممکن ہے، البتہ حق واضح ہوجانے کے بعد وہ حضرات بھی اپنی خطائے اِجتہادی پر اِصرار نہیں فرماتے بلکہ بغیر جھجک کے اس سے رُجوع فرمالیتے ہیں۔[۱]

پنجم:... رائے کا اختلاف ایک فطری اَمر ہے، اور کاملین و مخلصین کے درمیان اختلافِ رائے کی وجہ سے کشاکشی اور شکررنجی پیدا ہوجانا بھی کوئی مستبعد اَمر نہیں، بلکہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے۔ قیدیانِ بدر کے قتل یا فدیہ کے بارے میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان جو اِختلافِ رائے ہوا، وہ کس کو معلوم نہیں؟ لیکن محض اس اختلافِ رائے کی وجہ سے کسی کا نام دفترِ اِخلاص و کمال سے نہیں کاٹا گیا۔ باوجودیکہ وحیٔ الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر... جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حاصل تھی... رحیمانہ عتاب بھی ہوا،[۲] مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال اور صدیقیتِ کبریٰ میں کوئی اَدنیٰ فرق بھی آیا؟ اسی طرح بنوتمیم کا وفد جب بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو اس مسئلے پر، کہ ان کا رئیس کس کو بنایا جائے؟ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافِ رائے ہوا، جس کی بنا پر دونوں کے درمیان تلخ کلامی تک نوبت پہنچی، اور سورۂ حجرات کی ابتدائی آیات اس سلسلے میں نازل ہوئیں،[۳] اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں کے قرب و منزلت اور محبوبیت عنداللہ و عندرسولہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

الغرض اس کی بیسیوں نظیریں مل سکتی ہیں کہ انتظامی اُمور میں اختلافِ رائے کی بنا پر کشاکشی اور تلخی تک کی نوبت آسکتی ہے، مگر چونکہ ہر شخص اپنی جگہ مخلص ہے، اس لئے یہ کشاکشی ان کے فضل و کمال میں رخنہ انداز نہیں سمجھی جاتی۔

ششم:... حکومت و امارت ایک بھاری ذمہ داری ہے، اور اس سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل اور دُشوار ہے، اس لئے جو شخص اپنے بارے میں پورا اطمینان نہ رکھتا ہو کہ وہ اس عظیم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکے گا، اس کے لئے حکومت و امارت کی طلب شرعاً و عرفاً مذموم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی ہے:

"إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ۔" (صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۵۸، کتاب الأحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الإمارۃ)

---

(۱) ان المجتھد فی العقلیّات والشرعیّات الأصلیّة والفرعیّة قد یخطیء وقد یصیب ...... والمجتھد غیر مکلّف باصابته ...... وھٰذا مبنیّ علٰی جواز اجتھاد الأنبیاء وتجویز وقوعھم فی الخطاء لٰکن بشرط ان ینبّھوا حتّٰی ینتبھوا۔ (شرح فقه اکبر ص:۱۶۲، ۱۶۳، طبع مجتبائی بمبئی)۔

(۲) "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ، تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ، وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ" (الأنفال:۶۷، تفسیر ابن کثیر ج:۳ ص:۳۳۴)۔

(۳) عن أبی ملیکة أن عبداللہ بن الزبیر أخبرھم انه قدم رکب من بنی تمیم علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال أبوبکر: امّر القعقاع بن معبد بن زرارة، قال عمر: بل امّر الأقراع بن حابس، قال أبوبکر: ما أردتَ إلّا خلافی، قال عمر: ما أردتُ خلافک، فتماریا حتّی ارتفعت أصواتھما فنزل فی ذٰلک: یٰأیھا الذین اٰمنوا لَا تقدّموا بین یدی اللہ ورسوله حتی انقضت. (صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۲۶، باب وفد بنی تمیم)۔

ترجمہ:... ’’بے شک تم امارت کی حرص کروگے اور عنقریب یہ قیامت کے دن سراپا ندامت ہوگی۔ پس یہ دُودھ پلاتی ہے تو خوب پلاتی ہے اور دُودھ چھڑاتی ہے تو بُری طرح چھڑاتی ہے۔‘‘

لیکن جو شخص اس کے حقوق ادا کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو، اس کے لئے اس کا مطالبہ شرعاً وعقلاً جائز ہے، اور اگر وہ کسی خیر کا ذریعہ ہو تو مستحسن ہے، سیّدنا یوسف علیہ السلام کا اِرشاد قرآنِ کریم میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے شاہِ مصر سے فرمایا تھا:

’’اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔‘‘ (یوسف:۵۵)

ترجمہ:... ’’ملکی خزانوں پر مجھ کو مأمور کردو، میں ان کی حفاظت رکھوں گا، اور خوب واقف ہوں۔‘‘

اور قرآنِ کریم ہی میں سیّدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دُعا بھی نقل کی گئی ہے:

’’رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ‘‘ (صٓ:۳۵)

ترجمہ:... ’’اے میرے رَبّ! میرا (پچھلا) قصور معاف کر اور (آئندہ کے لئے) مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو۔‘‘ (بیان القرآن)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ونیابت، جسے اسلام کی اصطلاح میں ’’خلافتِ راشدہ‘‘ کہا جاتا ہے، ایک عظیم الشان فضیلت ومنقبت اور حسبِ ذیل وعدۂ اِلٰہی کی مصداق ہے:

’’وَعَدَ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا، یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔‘‘ (النور:۵۵)

ترجمہ:... ’’(اے مجموعہ اُمت!) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اِتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے (اہلِ ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی، اور جس دِین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفعِ آخرت) کے لئے قوّت دے گا، اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کردے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔‘‘ (بیان القرآن)

جو شخص اس خلافت کی اہلیت رکھتا ہو، اس کے لئے اس کے حصول کی خواہش مذموم نہیں، بلکہ ایک اعلیٰ درجے کے فضل وکمال کو حاصل کرنے کی فطری خواہش ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں یہ اعلان فرمایا کہ: ’’میں یہ جھنڈا کل ایک ایسے شخص کو دُوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے محبت رکھتے ہیں۔‘‘ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر شخص اس فضیلت کو حاصل کرنے کا خواہش مند تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’مَا أَحْبَبْتُ الْإِمَارَةَ اِلَّا یَوْمَئِذٍ، قَالَ: فَتَسَاوَرْتُ لَهَا رَجَاءَ اَنْ اُدْعٰی لَهَا، قَالَ: فَدَعَا

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهَا. الحديث۔''

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷۹)

ترجمہ:...'' میں نے اس دن کے سوا امارت کو کبھی نہیں چاہا، پس میں اپنے آپ کو نمایاں کر رہا تھا، اس اُمید پر کہ میں اس کے لئے بلایا جاؤں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور وہ جھنڈا اُن کو عنایت فرمایا۔''

ظاہر ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ خواہش کرنا کہ امارت کا جھنڈا انہیں عنایت کیا جائے، اس بشارت اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے تھا۔ شیخ محی الدین نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''انما كانت محبته لها لما دلت عليه الإمارة من محبته لله ولرسوله صلى الله عليه وسلم ومحبتهما لهٗ والفتح علٰى يديه۔'' (حاشیہ صحیح مسلم)

ترجمہ:...'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس دن امارت کی محبت وخواہش کرنا اس وجہ سے تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ ومحبوب ہونے کی دلیل تھی، اور اس شخص کے ہاتھ پر فتح ہونے والی تھی۔''

الغرض خلافتِ نبوّت ایک غیر معمولی شرف، امتیاز اور مجموعۂ فضائل وفواضل ہے، جو حضرات اس کے اہل تھے اور انہیں اس کا پورا اطمینان تھا کہ وہ اس کے حقوق اِن شاء اللہ پورے طور پر ادا کرسکیں گے، ان کے دِل میں اگر اس شرف وفضیلت کے حاصل کرنے کی خواہش ہو تو اس کو ''خواہشِ اِقتدار'' سے تعبیر کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ یہ کارِ نبوّت میں شرکت اور جارحۂ نبوی بننے کی حرص کہلائے گی، مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''اَیامِ خلافت بقیہ ایامِ نبوّت بودہ است۔ گویا در اَیامِ نبوّت حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً بزبان مے فرمود، ودر اَیامِ خلافت ساکت نشستہ بدست وسر اشارہ مے فرماید۔'' (ازالۃ الخفاء ج:۱ ص:۲۵)

ترجمہ:...'' خلافتِ راشدہ کا دور، دورِ نبوّت کا بقیہ تھا۔ گویا دورِ نبوّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً ارشادات فرماتے تھے، اور دورِ خلافت میں خاموش بیٹھے ہاتھ اور سر کے اشارے سے سمجھاتے تھے۔''

ان مقدمات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینے کے بعد اب اپنے سوالات پر غور فرمائیے:

ا:...حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر میں بیٹھ جانا:

قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے پہلا قاصمہ (کمر توڑ حادثہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو قرار دیا ہے، اور اس سلسلے میں لکھا ہے کہ اس ہوش رُبا سانحے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وارفتگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی، وغیرہ وغیرہ۔

اس پوری عبارت سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس قیامت خیز سانحے کے جو اَثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مرتب ہوئے، قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ ان اثرات کو ذِکر کر رہے ہیں، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ پر اس حادثے کا یہ اثر ہوا تھا کہ وہ گھر میں عزلت نشین ہوگئے تھے۔

آپ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ کسی محبوب ترین شخصیت کی رحلت کے بعد جہان ان کے لئے تیرہ و تار ہوجاتا ہے، ان کی طبیعت پر اِنقباض و افسردگی طاری ہوجاتی ہے، اور دِل پر ایک ایسی گرہ بیٹھ جاتی ہے جو کسی طرح نہیں کھلتی، ان کی طبیعت کسی سے ملنے یا بات کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی، وہ کسی قسم کا جزع فزع یا بے صبری کا اظہار نہیں کرتے، لیکن طبیعت ایسی بجھ جاتی ہے کہ مدتوں تک معمول پر نہیں آتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب اس خطۂ ارضی پر نہیں ہوا، اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کوئی عاشق زار اس چشمِ فلک نے نہیں دیکھا، ہمیں تو ان اکابر کے صبر و تحمل پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس عشق و محبت کے باوجود یہ حادثۂ عظیمہ کیسے برداشت کرلیا...! لیکن آپ اِنہیں عشاق کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے...؟

راقم الحروف نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ جب درسِ حدیث کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے سانحۂ کبریٰ کا باب شروع ہوتا تو آنکھوں سے اشک ہائے غم کی جھڑی لگ جاتی، آواز گلوگیر ہوجاتی اور بسا اوقات رونے کی ہچکیوں سے گھگی بندھ جاتی، جب اہلِ قلوب پر چودہ سو سال بعد بھی اس حادثۂ جان کاہ کا یہ اثر ہے تو جن عشاق کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ بیت گیا، سوچنا چاہئے کہ ان کا کیا حال ہوا ہوگا...؟

رفتم و از رفتن من عالمے ویران شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

خاتونِ جنت، جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتی تھیں: ''انس! تم نے کیسے گوارا کرلیا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو!''[۱] (صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۴۱)

اور مسندِ احمد کی روایت میں ہے: ''تم نے کیسے گوارا کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرکے خود لوٹ آؤ!''[۲]

(حیاۃ الصحابہ ج:۲ ص:۳۲۸)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہوئی تو فرمایا: ''آہ! میری کمر ٹوٹ گئی۔'' صحابہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ مسجد میں پہنچے مگر کسی کو توقع نہ تھی کہ وہ مسجد تک آسکیں گے۔[۳] (حیاۃ الصحابہ ج:۲ ص:۳۲۳)

---

(۱) عن أنس ...... فلما دفن قالت فاطمة: يا أنس! اطابت أنفسكم أن تحثوا علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم التراب؟

(۲) وعند أحمد: قالت فاطمة رضى الله عنها: يا أنس! أطابت أنفسكم أن دفنتم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فى التراب ورجعتم.

(۳) سمعتم يقولون: مات محمد! فاشتد أبوبكر وهو يقول: واى انقطاع ظهرى! فما بلغ المسجد حتّٰى ظنوا انه لم يبلغ.

اگر ہم درد کی اس لذّت اور محبت کی اس کسک سے ناآشنا ہیں، تو کیا ہم سے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جن حضرات پر یہ قیامت گزر گئی تو ہم ان کو معذور ہی سمجھ لیں...!!

اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ جانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جمعہ، جماعت اور دِینی ومعاشرتی حقوق وفرائض ہی کو چھوڑ بیٹھے تھے، شیخ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ حاشیہ العواصم میں لکھتے ہیں:

''وأضاف الحافظ ابن كثير فى البداية والنهاية (ج:۵ ص:۲۴۹) ان عليًّا لم ينقطع عن صلٰوة من الصلوات خلف الصديق، وخرج معه الى ذى القصة لما خرج الصديق شاهدًا سيفه يريد قتال أهل الرّده۔'' (ص:۳۸)

ترجمہ:...''اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ (ج:۵ ص:۲۴۹) میں اس پر اتنا اِضافہ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی اِقتدا میں نماز پڑھنے کا سلسلہ ترک نہیں فرمایا تھا، نیز جب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مرتدین سے قتال کرنے کے لئے تلوار سونت کر ''ذی القصہ'' تشریف لے گئے تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ بھی ان کے ساتھ نکلے تھے۔''

پس جب آپ سے نہ دِینی ومعاشرتی فرائض میں کوتاہی ہوئی اور نہ نصرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ میں ان سے کوئی اَدنیٰ تخلّف ہوا تو کیا اس بنا پر کہ شدّتِ غم کی وجہ سے ان پر خلوت نشینی کا ذوق غالب آگیا تھا، آپ انہیں موردِ اِلزام ٹھہرائیں گے...؟

۲:...طلبِ میراث:

جہاں تک بار بار ترکہ مانگنے کا تعلق ہے، یہ محض غلط فہمی ہے، ایک بار صدیقی دور میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ ضرور مانگا تھا، اور بلاشبہ یہ ان کی اِجتہادی رائے تھی، جس میں وہ معذور تھے، اسے اپنا حق سمجھ کر مانگ رہے تھے، اس وقت نصِ نبوی:

''لَا نورث، ما تركناه صدقة!''[1]

ترجمہ:...''ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑ کر جائیں، وہ صدقہ ہے!''

کا یا تو ان کو علم نہیں ہوگا یا ممکن ہے کہ حادثۂ وصالِ نبوی کی وجہ سے ان کو ذہول ہو، جس طرح اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آیت: ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ'' سے ذہول ہوگیا تھا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت (دیگر آیات کے ساتھ) برسرِ منبر تلاوت فرمائی تو انہیں ایسا محسوس ہوا، گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی تھی۔[2]

---

(۱) عن أبى بكر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَا نورث، ما تركناه صدقة۔ متفق عليه۔ (مشكوٰة ص:۵۵۰)۔

(۲) ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ..... حتّٰى فرغ من الآية ثم قال: فمن كان يعبد الله فان الله حيٌّ لَا يموت، ومن كان يعبد محمدًا فإن محمدًا قد مات۔ فقال عمر: أو انها فى كتاب الله؟ ما شعرت أنها فى كتاب الله۔ (البداية والنهاية ج:۵ ص:۲۴۲) فقال عمر: هٰذه الآية فى القرآن؟ والله! ما علمت أن هٰذه الآية أُنزلت قبل اليوم۔ (أيضًا ج:۵ ص:۲۴۳، طبع دار الفكر، بيروت)۔

الغرض ان اکابر کا ترکہ طلب کرنا، نہ مال کی حرص کی بنا پر تھا اور نہ یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس ارشادِ نبوی سننے کے بعد انہوں نے دوبارہ کبھی مطالبہ دُہرایا ہو، یا انہوں نے اس حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی منازعت فرمائی ہو۔ قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وقال لفاطمة وعلی والعباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لَا نورث، ما ترکناہ صدقة، فذکر الصحابة ذٰلک۔“ (العواصم ص:۴۸)

ترجمہ:...”اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرات فاطمہ، علی اور عباس رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ”ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے!“ تب دیگر صحابہؓ نے بھی یہ حدیث ذکر کی۔“

اس کے حاشیہ میں شیخ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”قال شیخ الإسلام ابن تیمیة فی منهاج السنة (ج:۲ ص:۱۵۸) قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”لَا نورث، ما ترکناہ صدقة!“ رواہ عنه أبوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبیر وسعد وعبدالرحمٰن بن عوف والعباس بن عبدالمطلب وأزواج النبی صلی اللہ علیه وسلم وأبوهریرة والروایة عن هؤلَاء ثابتة فی الصحاح والمسانید۔“ (ص:۴۸)

ترجمہ:...”شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ منہاج السنۃ (ج:۲ ص:۱۵۸) میں لکھتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: ”ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے!“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل حضرات روایت کرتے ہیں: حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف، عباس بن عبدالمطلب، ازواجِ مطہرات اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور ان حضرات کی احادیث صحاح ومسانید میں ثابت ہیں۔“

اس سے واضح ہے کہ حدیث: ”لَا نورث، ما ترکناہ صدقة!“ کہ خود حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی روایت کرتے ہیں، اس لئے یا تو ان کو اس سے پہلے اس حدیث کا علم نہیں ہوگا یا وقتی طور پر ذہول ہوگیا ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس حدیث کے مفہوم میں کچھ اشتباہ ہوا ہو، اور وہ اس کو صرف منقولات کے بارے میں سمجھتے ہوں، بہرحال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متنبہ کردینے کے بعد انہوں نے نہ اس حدیث میں کوئی جرح وقدح فرمائی، نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منازعت کی، بلکہ اپنے موقف سے دستبردار ہوگئے۔ اور یہ ان مؤمنینِ قانتین کی شان ہے جن میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ الغرض ”بار بار ترکہ مانگنے“ کی جو نسبت ان اکابر کی طرف سوال میں کی گئی ہے، وہ صحیح نہیں۔ ایک بار انہوں نے مطالبہ ضرور کیا تھا، جس میں معذور تھے، مگر وضوحِ دلیل کے بعد انہوں نے حق کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا۔ البتہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں یہ درخواست ضرور کی تھی کہ ان اوقافِ نبویہ کی تولیت ان کے سپرد کردی جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اوّلاً اس میں کچھ تأمل ہوا،

لیکن بعد میں ان کی رائے بھی یہی ہوئی، اور یہ اوقاف ان کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ بعد میں ان اوقاف کے انتظامی اُمور میں ان کے درمیان منازعات کی نوبت آئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کی شکایت کی (جس کا تذکرہ سوال سوم میں کیا گیا ہے)، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کی کہ یہ اوقاف تقسیم کرکے دونوں کی الگ الگ تولیت میں دے دیئے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ درخواست مسترد فرمادی۔ صحیح بخاری میں مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کی طویل روایت کئی جگہ ذکر کی گئی ہے، "باب فرض الخمس" میں ان کی روایت کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں:

"ثُمَّ جِئْتُمَانِیْ تکَلِّمَانِیْ وَ کَلِمَتُکُمَا وَاحِدَةٌ وَّأَمْرُکُمَا وَاحِدٌ جِئْتَنِیْ یَا عَبَّاسُ! تَسْأَلُنِیْ نَصِیْبَکَ مِنْ اِبْنِ أَخِیْکَ وَجَاءَنِیْ هٰذَا یُرِیْدُ عَلِیًّا یُرِیْدُ نَصِیْبَ امْرَأَتِهٖ مِنْ أَبِیْهَا، فَقُلْتُ لَکُمَا: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا نُوْرِثُ، مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ!" فَلَمَّا بَدَا لِیْ أَنْ أَدْفَعَهٗ إِلَیْکُمَا، قُلْتُ: إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَیْکُمَا عَلٰی أَنْ عَلَیْکُمَا عَهْدُ اللهِ وَمِیْثَاقِهٖ لَتَعْمَلَانِ فِیْهَا بِمَا عَمِلَ فِیْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَبِمَا عَمِلَ فِیْهَا أَبُوْ بَکْرٍ، وَبِمَا عَمِلْتَ فِیْهَا مُنْذُ وَلَّیْتُهَا، فَقُلْتُمَا: اِدْفَعْهَا إِلَیْنَا، فَبِذٰلِکَ دَفَعْتُهَا إِلَیْکُمَا، فَأَنْشُدُکُمْ بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَیْهِمَا بِذٰلِکَ؟ قَالَ الرَّهْطُ: نَعَمْ! ثُمَّ أَقْبَلَ عَلٰی عَلِیٍّ وَّعَبَّاسٍ، فَقَالَ: أَنْشُدُکُمَا بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَیْکُمَا بِذٰلِکَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّیْ قَضَاءً غَیْرِ ذٰلِکَ؟ فَوَاللهِ الَّذِیْ بِإِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ! لَا أَقْضِیْ فِیْهَا غَیْرَ ذٰلِکَ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَیَّ، فَإِنِّیْ أَکْفِیْکَمَاهَا۔"

(بخاری، باب فرض الخمس ج:۱ ص:۴۳۶)

ترجمہ:... "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم دونوں میرے پاس آئے درآنحالیکہ تمہاری بات ایک تھی اور تمہارا معاملہ ایک تھا، اے عباس! تم میرے پاس آئے، تم مجھ سے اپنے بھتیجے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے مال سے حصہ مانگ رہے تھے، اور یہ صاحب، یعنی علیؓ اپنی بیوی کا حصہ ان کے والد کے مال سے مانگ رہے تھے۔ پس میں نے تم سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے!" پھر میری رائے ہوئی کہ یہ اوقاف تمہارے سپرد کردیئے جائیں، چنانچہ میں نے تم سے کہا کہ: اگر تم چاہو تو میں تمہارے سپرد کئے دیتا ہوں مگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق ہوگا کہ تم ان میں وہی معاملہ کروگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، اور جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا، اور جو میں نے کیا، جب سے یہ میری تولیت میں آئے ہیں۔ تم نے کہا کہ: ٹھیک ہے، یہ آپ ہمارے سپرد کردیجئے۔ چنانچہ اسی شرط پر میں نے یہ اوقاف تمہارے سپرد کئے۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے اسی شرط پر ان کے سپرد کئے تھے یا نہیں؟ سب نے کہا: جی ہاں! پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے

یہ اوقاف اسی شرط پر تمہاری تحویل میں دیئے تھے یا نہیں؟ دونوں نے کہا: جی ہاں! اسی شرط پر دیئے تھے۔ فرمایا: اب تم مجھ سے اور فیصلہ چاہتے ہو (کہ دونوں کو الگ الگ حصہ تقسیم کرکے دے دُوں)، پس قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں! میں اس کے سوا تمہارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کروں گا، اب اگر تم ان اوقاف کی تولیت سے عاجز آگئے ہو تو میرے سپرد کردو، میں ان کے معاملے میں تمہاری کفایت کروں گا۔‘‘

اس روایت کے ابتدائی الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ان دونوں اکابر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پھر میراث کا مطالبہ کیا تھا، مگر سوال وجواب اور اس روایت کے مختلف ٹکڑوں کو جمع کرنے کے بعد مراد واضح ہوجاتی ہے کہ اس مرتبہ ان کا مطالبہ ترکہ کا نہیں تھا، بلکہ ان کے نزدیک بھی یہ حقیقت مسلّم تھی کہ ان اراضی کی حیثیت وقف کی ہے، اور وقف میں میراث جاری نہیں ہوتی، اس بار ان کا مطالبہ ترکہ کا نہیں تھا، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ اس کی تولیت ان کے سپرد کردی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اوّلاً اس میں تأمل ہوا کہ کہیں یہ تولیت بھی میراث ہی نہ سمجھ لی جائے، لیکن غور وفکر کے بعد ان حضرات کی درخواست کو آپ نے قبول فرمالیا اور یہ اوقاف ان دونوں حضرات کے سپرد کردیئے گئے۔ پھر جس طرح انتظامی اُمور میں متولیانِ وقف میں اختلافِ رائے ہوجاتا ہے، ان کے درمیان بھی ہونے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ علم وفقاہت میں چونکہ فائق تھے، اس لئے وہ اپنی رائے کو ترجیح دیتے تھے، گویا عملی طور پر بیشتر تصرف ان اوقاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چلتا تھا، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے تصرفات مغلوب تھے، اس سے ان کو شکایت پیدا ہوئی اور انہوں نے دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ ان اوقاف کو تقسیم کرکے ہر ایک کا زیرِ تصرف حصہ الگ کردیا جائے، مگر حضرت عمرؓ نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ یا تو اتفاقِ رائے سے دونوں اس کا انتظام چلاؤ، ورنہ مجھے واپس کردو، میں خود ہی اس کا انتظام کرلوں گا۔

اور علی سبیل التنزّل یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ حضرات، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی پہلی بار طلبِ ترکہ ہی کے لئے آئے تھے، تب بھی ان کے موقف پر کوئی علمی اِشکال نہیں، اور نہ ان پر مال ودولت کی حرص کا اِلزام عائد کرنا ہی دُرست ہے، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ ان کو حدیث کی تأویل میں اختلاف تھا، جیسا کہ بخاری شریف کے حاشیہ میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ حدیث: ’’لَا نُوْرِثُ، مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَةٌ!‘‘ تو ان کے نزدیک مسلّم تھی، مگر وہ اس کو صرف منقولات کے حق میں سمجھتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو منقولات وغیر منقولات سب کے حق میں عام قرار دیا، بلاشبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث کا جو مطلب سمجھا، وہی صحیح تھا۔ لیکن جب تک ان حضرات کو اس مفہوم پر شرحِ صدر نہ ہوجاتا، ان کو اِختلاف کرنے کا حق حاصل تھا، اس کی نظیر مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کا مشہور مناظرہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے بار بار کہتے تھے:

’’کَیْفَ تُقَاتِلَ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّىْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللهِ.‘‘ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۸)

ترجمہ:... ”آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کرسکتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ وہ ”لا الٰہ الّا اللہ“ کے قائل ہوجائیں، پس جو شخص اس کلمے کا قائل ہوگیا، اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کرلی، مگر حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔“

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دِقت پیش آرہی ہے، اور وہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے موقف کو خلافِ حدیث سمجھ کر ان سے بحث و اختلاف کرتے ہیں، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی اِرشادِ نبوی کا وہ مفہوم کھول دیا جو حضرت صدیقِ اکبرؓ پر کھلا تھا۔ جب تک انہیں شرحِ صدر نہیں ہوا انہوں نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے نہ صرف اختلاف کیا، بلکہ بحث و مناظرہ تک نوبت پہنچی۔ ٹھیک اسی طرح ان حضرات کو بھی حدیث: ”لَا نُوْرِثُ، مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃً!“ میں جب تک شرحِ صدر نہیں ہوا کہ اس کا مفہوم وہی ہے جو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے سمجھا، تب تک ان کو اِختلاف کا حق تھا، اور ان کا مطالبہ ان کے اپنے اِجتہاد کے مطابق بجا اور دُرست تھا۔ لیکن بعد میں ان کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح شرحِ صدر ہوگیا، اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف کو صحیح اور دُرست تسلیم کرلیا، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان اوقاف کی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی، بلکہ ان کی جو حیثیت حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ متعین کرگئے تھے، اسی کو برقرار رکھا۔ اگر ان کو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے موقف پر شرحِ صدر نہ ہوا ہوتا تو ان اوقاف کی حیثیت تبدیل کرنے سے انہیں کوئی چیز مانع نہ ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ مطالبۂ ترکہ ان حضرات کی طرف سے ایک بار ہوا، بار بار نہیں، اور اس کو مال و دولت کی حرص سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی زیبا نہیں، اس کو اِجتہادی رائے کہہ سکتے ہیں، اور اگر وہ اس سے رُجوع نہ بھی کرتے تب بھی لائقِ ملامت نہ تھے، اب جبکہ انہوں نے اس سے رُجوع بھی کرلیا تو یہ ان کی بے نفسی وللّٰہیت کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے، اس کے بعد بھی ان حضرات پر لب کشائی کرنا نقصِ علم کے علاوہ نقصِ اِیمان کی بھی دلیل ہے۔

۳:... حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی باہمی منازعت:

اس منازعت کا منشا اُوپر ذکر کیا جاچکا ہے، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ یہ منازعت کسی نفسانیت کی وجہ سے نہیں تھی، نہ مال و دولت کی حرص سے اس کا تعلق ہے، بلکہ اوقاف کے اِنتظام و اِنصرام میں رائے کے اختلاف کی بنا پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وقتی طور پر شکایت پیدا ہوگئی تھی، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، ایسا اختلافِ رائے نہ مذموم ہے، نہ فضل و کمال کے منافی ہے۔ جہاں تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کا تعلق ہے جو سوال میں نقل کئے گئے ہیں، اور جن کے حوالے سے ...نعوذ باللہ... ان پر اخلاقی پستی کا فتویٰ صادر کیا گیا ہے، تو سائل نے یہ الفاظ تو دیکھ لئے مگر یہ نہیں سوچا کہ یہ الفاظ کس نے کہے تھے؟ کس کو کہے تھے؟ اور ان دونوں کے درمیان خوردی و بزرگی کا کیا رشتہ تھا؟ اور عجیب تر یہ کہ قاضی ابوبکر بن العربیؒ کی جس کتاب کے

حوالے سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں، اسی کتاب میں خود موصوف نے جو جواب دیا ہے، اسے بھی نظر انداز کردیا گیا۔ ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ "العواصم" میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

"قلنا: اما قول العباس لعلی، فقول الأب للابن، وذٰلک علی الرأس محمول، وفی سبیل المغفرة مبذول، وبین الکبار والصغار، فکیف الآباء والأبناء، مغفور موصول۔"

(ص:۱۹۳ طبع: بیروت)

ترجمہ:... "ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عباسؓ کے الفاظ، بیٹے کے حق میں باپ کے الفاظ ہیں، جو سرآنکھوں پر رکھے جاتے ہیں، اور سبیل مغفرت میں صرف کئے جاتے ہیں، بڑے اگر چھوٹوں کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کریں تو انہیں لائقِ مغفرت اور صلہ رحمی پر محمول کیا جاتا ہے، چہ جائیکہ باپ کے الفاظ بیٹے کے حق میں۔"

اور "العواصم" ہی کے حاشیہ میں فتح الباری (ج:۶ ص:۱۲۵) کے حوالے سے لکھا ہے:

"قال الحافظ ولم أر فی شیء من الطرق أنه صدر من علیّ فی حق العباس شیء بخلاف ما یفهم من قوله فی روایة عقیل "استبا" واستصواب المازری صنیع من حذف هٰذه الألفاظ من هٰذا الحدیث، وقال: لعل بعض الرواة وهم فیها، وان کانت محفوظة، فأجود ما تحمل علیه ان العباس قالها دلَالًا علٰی علیّ، لأنه کان عنده بمنزلة الولد، فأراد ردعه عما یعتقد انه مخطئی فیه۔"

(ص:۱۳۲ طبع: بیروت)

ترجمہ:... "حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں میری نظر سے یہ نہیں گزرا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ کہا گیا ہو، بخلاف اس کے جو عقیل کی روایت میں "استبا" کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے، اور مازریؒ نے ان راویوں کے طرزِ عمل کو دُرست قرار دیا ہے جنھوں نے اس حدیث میں ان الفاظ کے ذکر کو حذف کردیا ہے۔ مازریؒ کہتے ہیں: غالباً کسی راوی کو وہم ہوا ہے اور اس نے غلطی سے یہ الفاظ نقل کردیئے ہیں، اور اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں تو ان کا عمدہ ترین محمل یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ناز کی بنا پر کہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیثیت ان کے نزدیک اولاد کی تھی، اس لئے پُرزور الفاظ میں ان کو ایسی چیز سے روکنا چاہا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ غلطی پر ہیں۔"

حافظؒ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل اُمور منقح ہوگئے:

اوّل:... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی نامناسب لفظ سرزد نہیں ہوا، اور عقیل کی روایت میں "استبا" کے لفظ سے جو اس کا وہم ہوتا ہے، وہ صحیح نہیں۔

دوم:... حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے جو الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں بھی راویوں کا اختلاف ہے، بعض ان کو نقل کرتے ہیں اور بعض نقل نہیں کرتے۔ حافظؒ، مازریؒ کے حوالے سے ان راویوں کی تصویب کرتے ہیں، جنھوں نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے، جن راویوں نے نقل کئے ہیں، ان کا تخطیہ کرتے ہیں اور اسے کسی راوی کا وہم قرار دیتے ہیں۔

سوم:... بالفرض یہ الفاظ محفوظ بھی ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیثیت چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹے کی ہے، اور والدین، اولاد کے حق میں اگر ازراہِ عتاب ایسے الفاظ استعمال کریں تو ان کو بزرگانہ ناز پر محمول کیا جاتا ہے، نہ کوئی عقل مند اِن الفاظ کو ان کی حقیقت پر محمول کیا کرتا ہے اور نہ والدین سے ایسے الفاظ کے صدور کو لائقِ ملامت تصوّر کیا جاتا ہے، اس لئے حضرت عباسؓ کے یہ الفاظ بزرگانہ ناز پر محمول ہیں۔

تمہیدی نکات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی طرف اشارہ کرچکا ہوں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس واقعے کو موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ملاکر دیکھئے! کیا یہ واقعہ اس واقعے سے بھی زیادہ سنگین ہے؟ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عتاب وغضب سے ان کے مقام ومرتبے پر کوئی حرف نہیں آتا، تو اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے حق میں اپنے مقام و مرتبے کے لحاظ سے کچھ الفاظ استعمال کرلئے تو ان پر... نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!... اخلاقی پستی کا فتویٰ صادر کرڈالنا، میں نہیں سمجھتا کہ دِین واِیمان یا عقل ودانش کا کون سا تقاضا ہے؟ بلاشبہ گالی گلوچ شرفاء کا وطیرہ نہیں، مگر یہاں نہ تو بازاری گالیاں دی گئی تھیں، اور نہ کسی غیر کے ساتھ سخت کلامی کی گئی تھی، کیا اپنی اولاد کو سخت الفاظ میں عتاب کرنا بھی وطیرۂ شرفاء سے خارج ہے؟ اور پھر حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا وارِد ہے:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَتَّخِذُ عِنْدَکَ عَهْدًا لَّنْ تُخْلِفَنِیْهِ، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ آذَیْتُهُ، شَتَمْتُهُ، لَعَنْتُهُ، جَلَدْتُّهُ، فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلٰوةً وَّزَکٰوةً وَّقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَیْکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔''

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۲۴)

ترجمہ:... ''اے اللہ! میں آپ سے ایک عہد لینا چاہتا ہوں، آپ میرے حق میں اس کو ضرور پورا کردیجئے، کیونکہ میں بھی انسان ہی ہوں، پس جس مؤمن کو میں نے ستایا ہو، اسے کوئی نامناسب لفظ کہا ہو، اس پر لعنت کی ہو، اس کو مارا ہو، آپ اس کو اس شخص کے حق میں رحمت وپاکیزگی اور قربت کا ذریعہ بنادیجئے کہ اس کی بدولت اس کو قیامت کے دن اپنا قرب عطا فرمائیں۔''

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سب وشتم کی نسبت فرمائی ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے حق میں میری زبان سے ایسا لفظ نکل گیا ہو جس کا وہ مستحق نہیں تو آپ اس کو اس کے لئے رحمت وقربت کا ذریعہ بنادیجئے۔ کیا اس کا ترجمہ ''گالی گلوچ'' کرکے... نعوذ باللہ!... آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اخلاقی پستی کی تہمت دھری جائے گی؟ اور اسے وطیرۂ شرفاء کے خلاف کہا جائے گا...؟ حق تعالیٰ شانہ سخن فہمی اور مرتبہ شناسی کی دولت سے کسی مسلمان کو محروم نہ فرمائے۔

۴:...لاٹھی کی حکومت:

حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں: ”أَنْتَ وَاللهِ بَعْدَ ثَلٰثٍ عَبْدُ الْعَصَا۔“ (بخدا! تم تین دن بعد محکوم ہوگے) صحیح بخاری (ج:۲ ص:۶۳۹) کے حاشیہ میں ”عبدالعصا“ کے تحت لکھا ہے:

”کنایة عن صیرورته تابعًا لغیره، کذا فی التوشیح۔ قال فی الفتح: والمعنی: انه یموت بعد ثلٰث وتصیر أنت مأمورًا علیک وهٰذا من قوة فراسة العباس۔“

ترجمہ:...”یہ اس سے کنایہ ہے کہ وہ دُوسروں کے تابع ہوں گے۔ توشیح میں اسی طرح ہے۔ حافظؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: مراد یہ ہے کہ تین دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوجائے گا، اور تم پر دُوسروں کی امارت ہوگی، اور یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قوّتِ فراست تھی۔“

خلاصہ یہ کہ ”عبدالعصا“ جس کا ترجمہ، ترجمہ نگار نے ”لاٹھی کی حکومت“ کیا ہے، مراد اس سے یہ ہے کہ تم محکوم ہوگے، اور تمہاری حیثیت عام رعایا کی سی ہوگی۔

یہاں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ کنائی الفاظ میں لفظی ترجمہ مراد نہیں ہوتا، اور اگر کہیں لفظی ترجمہ گھسیٹ دیا جائے تو مضمون بھونڈا بن جاتا ہے، اور قائل کی اصل مراد نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ مثلاً: عربوں میں ”فلان کثیر الرماد“ کا لفظ سخاوت سے کنایہ ہے، اگر اس کا لفظی ترجمہ گھسیٹ دیا جائے کہ: ”فلاں کے گھر راکھ کے ڈھیر ہیں“ تو جو شخص اصل مراد سے واقف نہیں، وہ راکھ کے ڈھیر تلے دَب کر رہ جائے گا، اور اسے یہ فقرہ مدح کے بجائے مذمت کا آئینہ دار نظر آئے گا... یہی حال... ”عبدالعصا“ کا بھی سمجھنا چاہئے۔ کرنے والے نے اس کا لفظی ترجمہ کرڈالا، اور عام قارئین چونکہ عرب کے محاورات اور لفظ کی اس کنائی مراد سے واقف نہیں، اس لئے انہیں لاٹھیوں کی بارش کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

”لَا تَرْفَعْ عَصَاکَ عَنْ أَهْلِکَ۔“ (مجمع بحار الأنوار ج:۳ ص:۶۱۰)

ترجمہ:...”اپنے گھر والوں سے کبھی لاٹھی ہٹا کر نہ رکھو۔“

مجمع البحار میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اي لَا تدع تأدیبهم وجمعهم علٰی طاعة الله تعالٰی، یقال: ”شق العصا“، أي فارق الجماعة، ولم یرد الضرب بالعصا، ولٰکنه مثل ...... لیس المراد بالعصا المعروفة، بل أراد الأدب، وذا حاصل بغیر الضرب۔“

(ج:۳ ص:۶۱۰، طبع مجلس دائرة المعارف العثمانیة، دکّن هند)

ترجمہ:...”یعنی ان کی تأدیب اوران کو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر جمع کرنے کا کام کبھی نہ چھوڑو، محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ”لاٹھی چیر ڈالی“ یعنی جماعت سے الگ ہوگیا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

مراد لاٹھی سے مارنا نہیں، بلکہ یہ ایک ضرب المثل ہے .... یہاں عصا سے معروف لاٹھی مراد نہیں، بلکہ ادب سکھانا مراد ہے اور یہ مارنے پیٹنے کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔''

اسی طرح ''عبدالعصا'' میں بھی معروف معنوں میں لاٹھی مراد نہیں، نہ لاٹھی کی حکومت کا یہ مطلب ہے کہ وہ حکومت لاٹھیوں سے قائم ہوگی یا قائم رکھی جائے گی، بلکہ خود حکومت و اِقتدار ہی کو ''لاٹھی'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تم دُوسروں کی حکومت کے ماتحت ہوگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز وخویش اور آپ کے پروردہ تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سایہ ان کی حیثیت گویا ایک طرح سے شہزادے کی تھی (اگر یہ تعبیر سوءِ ادب نہ ہو)، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ تین دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ عاطفت اُٹھتا محسوس ہو رہا ہے، اس کے بعد تمہاری حیثیت، ملتِ اسلامیہ کے عام افراد کی سی ہوگی۔

۵:...حضرت عباسؓ کا مشورہ:

قاضی ابوبکر رحمہ اللہ کی کتاب ''العواصم من القواصم'' میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں:

''اذهب بنا إلٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم فلنسأله: فيمن يكون هٰذا الأمر بعده، فإن كان فينا، علمنا ذٰلك، وإن كان فى غيرنا، علمنا فأوصىٰ بنا'' (ص:۱۲۶ طبع: بیروت)

ترجمہ:...''چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں، آپ سے دریافت کریں کہ آپ کے بعد یہ اَمرِ خلافت کس کے پاس ہوگا؟ پس اگر ہمارے پاس ہوا تو ہمیں معلوم ہوجائے گا، اور اگر کسی دُوسرے کے پاس ہوا، تب بھی ہمیں معلوم ہوجائے گا، اس صورت میں آپ ہمارے حق میں وصیت فرمادیں گے۔''

اور یہ بعینہٖ صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۳۹ کے الفاظ ہیں، آپ نے اوّل تو ان الفاظ کا ترجمہ ہی صحیح نہیں کیا، معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ جناب نے خود کیا ہے، یا کسی اور کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

دوم:... یہ کہ اہلِ علم آج تک صحیح بخاری پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں، مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ان کو کبھی اِشکال پیش نہیں آیا۔ خود قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

''رأى العباس عندى أصح وأقرب الى الآخرة، والتصريح بالتحقيق، وهٰذا يبطل قول مدعى الإشارة باستخلاف علىّ، فكيف ان يدعىٰ فيه نص۔'' (ص:۱۲۶ طبع: بیروت)

ترجمہ:...''حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رائے میرے نزدیک زیادہ صحیح اور آخرت کے زیادہ قریب ہے۔ اور اس میں تحقیق کی تصریح ہے اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہوجاتا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے کا اشارہ فرمایا تھا، چہ جائیکہ اس باب میں نص کا دعویٰ کیا جائے۔''

انصاف فرمایئے! کہ جس رائے کو ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ زیادہ صحیح اور اَقرب الی الآخرۃ فرمارہے ہیں، آپ انہی کی کتاب

کے حوالے سے اسے ''خلافت کی فکر پڑنے'' سے تعبیر کر کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں۔

اور آپ کا یہ خیال بھی آپ کا حسنِ ظن ہے کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور وفات کا صدمہ اگر غالب ہوتا تو یہ خیالات اور یہ کارروائیاں کہاں ہوتیں''۔ خود آپ نے جو روایت نقل کی ہے، اس میں تصریح ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت مایوسی کی حد میں داخل ہوچکی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدام کو داغِ مفارقت دینے والے ہیں، عین اس حالت میں اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ جو اُمور اختلاف ونزاع اور اُمت کے شقاق و اِفتراق کا موجب ہوسکتے ہیں، ان کا تصفیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کرالینا مناسب ہے، تاکہ بعد میں شورش وفتنہ نہ ہو، تو آپ کا خیال ہے کہ وہ بڑا ہی سنگ دِل ہے، اس کو ذرا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ومحبت ہے، نہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا صدمہ ہے، اور نہ وفات کا غم ہے... آپ ہی فرمائیں کہ کیا یہ صحتمندانہ طرزِ فکر ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان... بنوہاشم... کے بزرگ ترین فرد تھے، اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ خاندان کے بزرگوں کو ایسے موقعوں پر آئندہ پیش آنے والے واقعات کا ہولناک منظر پریشان کیا کرتا ہے، اگر کسی اُلجھن کا اندیشہ ہو تو وہ وفات پانے والے شخص کی زندگی ہی میں اس کا حل نکالنے کی تدبیر کیا کرتے ہیں۔ یہ روزمرّہ کے وہ واقعات ہیں جن سے کم وبیش ہر شخص واقف ہے، ایسے موقعوں پر اس قسم کے سرد وگرم چشیدہ بزرگوں کی راہنمائی کو ان کے حسنِ تدبر اور دُور اندیشی پر محمول کیا جاتا ہے، اور کسی معاشرے میں ان کے اس بزرگانہ مشورے کو سنگدلی پر محمول نہیں کیا جاتا، اور نہ کسی ذہن میں یہ وسوسہ آتا ہے کہ ان بڑے بوڑھوں کو مرحوم سے کوئی تعلق نہیں، مرنے والا مر رہا ہے، ان کو ایسی باتوں کی فکر پڑی ہے۔

ٹھیک یہی بزرگانہ حسنِ تدبر اور دُور بینی و دُور اندیشی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس رائے پر آمادہ کر رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دُنیا سے تشریف لے جارہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ خدانخواستہ کوئی پیچیدہ صورت اختیار نہ کرلے، اس لئے اس کا تصفیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوجائے تو بہتر ہے۔ اور ان کا یہ اندیشہ محض ایک توہماتی مفروضہ نہیں تھا، بلکہ بعد میں یہ واقعہ بن کر سامنے آیا، اور یہ تو حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایتِ خاصہ تھی کہ یہ نزاع فوراً دَب گیا، ورنہ خدانخواستہ یہ طول پکڑ جاتا تو سوچئے کہ اس اُمت کا کیا بنتا؟ اب اگر عین مایوسی کی حالت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی فہم وفراست سے یہ مشورہ دیا کہ یہ قصہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں طے ہوجانا چاہئے، تو فرمایئے کہ انہوں نے کیا بُرا کیا...؟

اُوپر میں نے جس عنایتِ خداوندی کا ذکر کیا ہے، غالباً اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادِ گرامی: ''یَأْبَی اللهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا اَبَابَکْرٍ!'' میں اشارہ فرمایا تھا، چنانچہ:

''عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهٖ: اُدْعِیْ لِیْ أَبَابَکْرٍ أَبَاکَ وَأَخَاکَ حَتّٰی أَکْتُبَ کِتَابًا فَإِنِّیْ أَخَافُ أَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَّیَقُوْلُ قَائِلٌ أَنَا أَوْلٰی، وَیَأْبَی اللهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَابَکْرٍ!''
(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷۳)

ترجمہ:...’’حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں مجھ سے فرمایا کہ: میرے پاس اپنے باپ ابوبکر کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر لکھ دُوں، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے، اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں سب سے بڑھ کر خلافت کا مستحق ہوں، دُوسرا نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان ابوبکر کے سوا کسی اور کا اِنکار کرتے ہیں۔‘‘

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے:

’’لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُّ أَنْ أُرْسِلَ إِلٰى أَبِىْ بَكْرٍ وَّابْنَهٗ فَأَعْهَدَ أَنْ يَّقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتُ: يَأْبَى اللهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ أَوْ يَدْفَعَ اللهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُوْنَ۔‘‘

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۷۲)

ترجمہ:...’’میرا اِرادہ ہوا تھا کہ میں ابوبکر اور ان کے صاحبزادے کو بلابھیجوں اور تحریر لکھوا دُوں، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہنے والے کہیں گے اور تمنا کرنے والے تمنا کریں گے، لیکن پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ (ابوبکرؓ کے سوا کسی دُوسرے کا) انکار کریں گے، اور مسلمان مدافعت کریں گے۔ یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مدافعت فرمائیں گے اور اہلِ اسلام انکار کردیں گے۔‘‘

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نزاع و اختلاف کا اندیشہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لاحق تھا، اور جس کا وہ تصفیہ کرالینا چاہتے تھے، اس اندیشے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن مبارک بھی خالی نہیں تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی چاہتے تھے کہ اس کا تحریری تصفیہ کرہی دیا جائے، لیکن پھر آپ نے حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت و عنایت اور اہلِ اسلام کے فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے اس معاملے کو خدا تعالیٰ کے سپرد فرمادیا کہ اِن شاء اللہ! اس کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کا انتخاب ہوگا، اور اختلاف و نزاع کی کوئی ناگفتہ بہ صورت اِن شاء اللہ پیش نہیں آئے گی۔

الغرض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بزرگانہ مشورہ نہایت صائب اور مخلصانہ تھا اور اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کی صفائی یا معذرت کی ضرورت لاحق ہو۔ رہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ اگر خلافت ہمارے سوا کسی اور صاحب کو ملے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو ہمارے بارے میں وصیت فرمادیں گے، یہ بھی محض اپنے مفادات کا تحفظ نہیں (جیسا کہ سوال میں کہا گیا ہے) بلکہ یہ ایک دقیق حکمت پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کی عزّت و توقیر درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت و عظمت اور عزّت و توقیر کا ایک شعبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام خدام اور متعلقین کے بارے میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں اور وصیتیں فرمائی ہیں، کہیں عام صحابہ کرامؓ کے بارے میں، کہیں حضراتِ خلفائے راشدینؓ کے بارے میں، کہیں حضراتِ انصارؓ کے بارے میں، کہیں حضراتِ اُمہات المؤمنینؓ کے بارے میں اور کہیں حضرت علیؓ اور حضراتِ حسنینؓ کے بارے میں، جیسا کہ حدیث کے طالبِ علم ان اُمور سے بخوبی واقف ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورۂ وصیت کا منشا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اَعزّہ واقارب کو نہ ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عظمت وتوقیر کے بارے میں خصوصی وصیت فرما جائیں، تاکہ خلافت بلافصل سے ان کی محرومی کو ان کے نقص اور نااہلیت پر محمول نہ کیا جائے اور لوگ ان پر طعن وتشنیع کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جفا وبے مروّتی کے مرتکب نہ ہوں، پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فکر اپنے مفادات کی نہیں، بلکہ ان لوگوں کے دِین وایمان کی ہے جو اپنی خام عقلی سے ان کی خلافت سے محرومی کو ان پر لب کشائی کا بہانہ بنالیں۔

اور اگر یہی فرض کرلیا جائے کہ وہ خلافت سے محرومی کی صورت میں اپنے خاندان کے مفاد کے تحفظ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کرانا چاہتے تھے، تب بھی سوچنا چاہئے کہ آخر وہ کس کا خاندان ہے؟ کیا خانوادۂ نبوّت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی کلمۂ خیر کہلانا جرم ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے ذاتی مفاد کا تحفظ نہیں کر رہے (حالانکہ عقلاً وشرعاً یہ بھی قابلِ اعتراض نہیں) وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خاندان کے بارے میں کلمۂ خیر کہلانا چاہتے ہیں، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ایک مسلمان کی نظر میں اس لائق بھی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر اُمت کو اِرشاد فرمائیں؟ اور جو شخص ایسا خیال بھی دِل میں لائے تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بنالیا جائے؟

إنا لله وإنا إليه راجعون!

کیا اسی مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے... تکلیف کی شدّت کے باوجود... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیتیں نہیں فرمائیں[۱]؟ کیا حضراتِ انصارؓ کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی؟[۲] کیا غلاموں اور خادموں کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی؟[۳] کیا اہلِ ذمہ کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی؟... اگر کسی نیک نفس کے دِل میں خیال آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ نبوّت کے بارے میں بھی کوئی وصیت فرمادیں تو اس کو خودغرضی پر محمول کرنا کیا صحیح طرزِ فکر ہے...؟

غالباً اسی مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اُمہات المؤمنینؓ سے فرماتے تھے:

---

(۱) عن ابن عباس قال: خرج النبی صلی الله علیه وسلم فی مرضه الذی مات فیه عاصبًا رأسه بخرقة، فصعد المنبر فحمد الله وأثنٰی علیه ثم قال: إنه لیس من الناس أحد أمنّ علیّ بنفسه وماله من أبی بکر، ولو کنت متخذًا من الناس خلیلًا لَاتخذت أبابکر خلیلًا، ولٰکن خلة الْإسلام أفضل سدوا عنی کل خوخة فی المسجد غیر خوخة أبی بکر .... وفی قوله علیه السلام: سدوا عنی کل خوخة، یعنی الأبواب الصغار إلی المسجد غیر خوخة أبی بکر إشارة إلی الخلافة أی لیخرج منها إلی الصلاة بالمسلمین۔ (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۳۰، طبع دار الفکر، بیروت)۔

(۲) أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی مرضه .... فجلس علی المنبر .... ثم قال: یا معشر المهاجرین! إنکم أصبحتم تزیدون والأنصار علٰی هیئتها لَا تزید وإنهم عیبتی التی أویت إلیها فأکرموا کریمهم وتجاوزوا عن مسیئهم۔ (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۲۹)۔ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج فی مرضه الذی مات فیه .... فجلس علی المنبر فذکر الخطبة وذکر فیها الوصایا بالأنصار۔ (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۳۰)۔

(۳) عن أنس بن مالک قال: کانت عامة وصیة رسول الله صلی الله علیه وسلم حین حضره الموت الصلاة وما ملکت أیمانکم ...إلخ۔ (البدایة والنهایة ج:۵ ص:۲۳۸)۔

”إِنَّ أَمْرَكُنَّ لَمِمَّا يُهِمُّنِيْ مِنْ بَعْدِيْ وَلَنْ يَّصْبِرَ عَلَيْكُنَّ إِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّيْقُوْنَ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۱۶، مناقب عبدالرحمٰن بن عوف، مستدرک حاکم ج:۳ ص:۳۱۲، موارد الظمآن ص:۵۴۷ حدیث:۲۲۱۶، مشکوٰۃ ص:۵۶۷)

ترجمہ:…”بے شک میرے بعد تمہاری حالت مجھے فکرمند کر رہی ہے، اور تمہارے (اخراجات برداشت کرنے) پر صبر نہیں کریں گے مگر صابر اور صدیق لوگ۔“

الغرض زندگی سے مایوسی کی حالت میں مرنے والے کے متعلقین کے بارے میں فکرمندی ایک طبعی اَمر ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم… توکل علی اللہ اور تعلق مع اللہ کے سب سے بلندترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود… اپنے بعد اپنے متعلقین کے بارے میں فکرمند ہوئے، اسی کا عکس حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قلبِ مبارک پر پڑا اور ان کو خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ خاندان کے بارے میں بھی کچھ ارشاد فرماجائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ قرابت کے بارے میں بھی بڑی تاکیدی وصیتیں فرمائی ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ، خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت کی رعایت کا بہت ہی اہتمام تھا، جس کے بے شمار واقعات پیشِ نظر ہیں، یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جسے ”العواصم“ صفحہ:۴۸ کے حاشیہ میں شیخ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِيْ۔“

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۲۶، باب مناقب قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ:…”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا مجھے اپنے اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک سے زیادہ محبوب ہے۔“

بلاشبہ ایک موٴمنِ مخلص کا یہی ایمانی جذبہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و محبت کی نمایاں علامت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”أَحِبُّوا اللهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ بِهٖ مِنْ نِّعَمِهٖ وَأَحِبُّوْنِيْ بِحُبِّ اللهِ وَأَحِبُّوْا أَهْلَ بَيْتِيْ بِحُبِّيْ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۲۲۰ واللفظ لہ، حاکم ج:۳ ص:۱۵۰ عن ابن عباس، حسنہ الترمذی، وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی ورقم لہ السیوطی فی الجامع الصغیر بالصحۃ ج:۱ ص:۱۱)

ترجمہ:…”اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو، کیونکہ اپنی نعمتوں کے ساتھ تمہیں پالتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے، اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔“

۶:…حضرت علی رضی اللہ عنہ اور طلبِ خلافت:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس مشورے پر کہ چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستصواب کرالیں کہ خلافت ہمارے

پاس ہوگی یا کسی اور صاحب کے پاس؟ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا:

”إِنَّا وَاللهِ لَئِنْ سَأَلْنَاهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنَعَنَاهَا لَا يُعْطِينَاهَا النَّاسُ بَعْدَهُ، وَإِنِّي وَاللهِ لَا أَسْأَلُهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔“

(العواصم ص:۱۲۶ طبع: بیروت، صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۳۹)

ترجمہ:... ”بخدا! اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نہ دی تو لوگ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں دیں گے۔ اور بخدا! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال نہ کروں گا۔“

جس شخص کے ذہن میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی طرف سے میل نہ ہو وہ تو اس فقرے کا مطلب یہی سمجھے گا کہ ان کا مقصود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول نہ کرنا تھا، اور اس پر انہوں نے ایک ایسی دلیل بیان کی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس پر خاموش ہونا پڑا، یعنی جب خود آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح یہ احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت ہمیں دے جائیں، اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور صاحب کا نام تجویز فرمادیں، اب اگر یہ معاملہ اِبہام میں رہے تو اس کی گنجائش ہے کہ مسلمان خلافت کے لئے ہمیں منتخب کرلیں، لیکن اگر سوال کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تو ہمارے انتخاب کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہے گی، اب فرمائیے کہ یہ اِبہام کی صورت آپ کے خیال میں ہمارے لئے بہتر ہے یا تعیین کی صورت؟

ظاہر ہے کہ اس تقریر پر دُور دُور بھی کہیں اس الزام کا شائبہ نظر نہیں آتا جو آپ نے یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عائد کرنا چاہا ہے کہ:

”ان کا ارادہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار ہی کیوں نہ کردیں، انہیں اپنی خلافت درکار رہے، اور یہ بھی کہ انہیں احتمال یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں گے، اس لئے انہوں نے کہا: میں سوال نہ کروں گا اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس خلافت کو حاصل کروں گا۔“

اس الزام کی تردید کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل ہی کافی ہے، اگر ان کا ارادہ یہی ہوتا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کے علی الرغم... نعوذ باللہ... اپنی خلافت قائم کرنی ہے تو وہ ضرور ایسا کرتے، لیکن واقعات شاہد ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں انہوں نے ایک دن بھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ خلافتِ نبوّت کا مدار محض نسبی قرابت پر نہیں، بلکہ فضل و کمال اور سوابقِ اِسلامیہ پر ہے، اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان اُمور میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سب سے فائق ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی دُوسرا شخص خلافت کا مستحق نہیں، صحیح بخاری میں ان کے صاحبزادہ حضرت محمد ابن الحنفیہؒ سے مروی ہے:

”قُلْتُ لِأَبِي: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَبُوبَكْرٍ! قَالَ:

قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: عُمَرُ! وَخَشِيْتُ أَنْ يَّقُوْلَ عُثْمَانَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَنْتَ؟ قَالَ: مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ!" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۵۱۸)

ترجمہ:..." میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل و بہتر آدمی کون ہے؟ فرمایا: ابوبکرؓ! میں نے عرض کیا: ان کے بعد؟ فرمایا: عمرؓ! ......مجھے اندیشہ ہوا کہ اب پوچھوں گا تو حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے، اس لئے میں نے سوال بدل کر کہا کہ: ان کے بعد آپ کا مرتبہ ہے؟ فرمایا: میں تو مسلمانوں کی جماعت کا ایک فرد ہوں۔"

وہ اپنے دورِ خلافت میں برسرِ منبر یہ اعلان فرماتے تھے:

"خَيْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ، وَبَعْدَ أَبِيْ بَكْرٍ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَلَوْ شِئْتُ أَخْبَرْتُكُمْ بِالثَّالِثِ لَفَعَلْتُ۔" (مسند احمد ج:۱ ص:۱۰۶)

ترجمہ:..." آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، اور ابوبکر کے بعد عمر، رضی اللہ عنہما، اور اگر میں چاہوں تو تیسرے مرتبے کا آدمی بھی بتاسکتا ہوں۔"

اس سلسلے کی تمام روایات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "إزالة الخفاء" جلد:۱ صفحہ:۶۶ میں جمع کردی ہیں، وہاں ملاحظہ کرلی جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو اِمامتِ صغریٰ تفویض فرمائی ہے، یہ درحقیقت اِمامتِ کبریٰ کے لئے ان کا اِستخلاف ہے۔

"اخرج أبوعمرو فی الْاِستیعاب، عن الحسن البصری، عن قیس بن عباد قال: قال لی علی بن أبی طالب: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرض لیالی وایامًا ینادی بالصلٰوة فیقول: مروا أبابکر یصلی بالناس! فلما قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم نظرت، فإذا الصلٰوة علم الْإسلام وقوام الدِّین، فرضینا لدنیانا من رضی رسول الله صلی الله علیه وسلم لدیننا فبایعنا أبابکر رضی الله عنه۔" (إزالة الخفاء ج:۱ ص:۶۸)

ترجمہ:..." حافظ ابوعمرو ابن عبدالبرؒ الاستیعاب میں حضرت حسن بصریؒ سے اور وہ قیس بن عبادؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دن رات بیمار رہے، نماز کی اَذان ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ابوبکر کو کہو کہ نماز پڑھائیں۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو میں نے دیکھا کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار اور دِین کا مدار ہے، پس ہم نے اپنی دُنیا (کے نظم و نسق) کے لئے اس شخص کو پسند کرلیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دِین کے لئے پسند فرمایا تھا، اس لئے ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔"

اس لئے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ اسی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بھی خلافتِ نبوّت کی صلاحیت واہلیت بدرجۂ اتم موجود تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدّد ارشادات سے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس خلافتِ نبوّت میں بھی ان کا حصہ ہے، اور یہ کہ خلافت اپنے وقتِ موعود پر ان کو ضرور پہنچے گی، ان ارشاداتِ نبویہ کی تفصیل وتشریح کا یہ موقع نہیں، یہاں صرف ایک حدیث نقل کرتا ہوں:

”عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ یَقُوْلُ: كُنَّا جُلُوْسًا نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ عَلَیْنَا مِنْ بَعْضِ بُیُوْتِ نِسَائِهٖ، قَالَ: فَقُمْنَا مَعَهٗ، فَانْقَطَعَتْ نَعْلُهٗ، فَتَخَلَّفَ عَلَیْهَا عَلِیٌّ بِخَصْفِهَا، فَمَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَضَیْنَا مَعَهٗ، ثُمَّ قَائِمٌ یَّنْتَظِرُهٗ وَقُمْنَا مَعَهٗ، فَقَالَ: إِنَّ مِنْكُمْ مَنْ یُّقَاتِلُ عَلٰى تَأْوِیْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰى تَنْزِیْلِهٖ. فَاسْتَشْرَفْنَا وَفِیْنَا أَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرَ (رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا)، فَقَالَ: لَا! وَلٰكِنَّهٗ خَاصِفُ النَّعْلِ. قَالَ: فَجِئْنَا نُبَشِّرُهٗ، قَالَ وَكَأَنَّهٗ قَدْ سَمِعَهٗ.“ (مسند احمد ج:۳ ص:۸۲، قال الهیثمی رواه احمد ورجاله رجال الصحیح غیر فطر بن خلیفه وهو ثقة. مجمع الزوائد ج:۹ ص:۱۳۳)

ترجمہ:... ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہراتؓ میں سے کسی کے گھر سے باہر تشریف لائے، پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لئے اُٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نعل مبارک ٹوٹ گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی مرمت کے لئے رُک گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے، ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتظار میں کھڑے ہوگئے اور ہم لوگ بھی ٹھہر گئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک تم میں سے ایک شخص قرآن کی تأویل پر قتال کرے گا، جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا ہے۔ پس ہم سب اس کے منتظر ہوئے کہ اس کا مصداق کون ہے؟ ہم میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے تم لوگ مراد نہیں ہو، بلکہ وہ جوتا گانٹھنے والا مراد ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خوشخبری دینے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ایسا محسوس ہوا، گویا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہلے سے سن رکھا ہے۔“

اس تفصیل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال نہیں کرتا، اور یہ کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا تو مسلمان ہمیں کبھی نہیں دیں گے، کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر یہ فرماتے (اور یہ فرمانا محض احتمال نہیں تھا بلکہ یقینی تھا) کہ میرے بعد علی کو خلیفہ نہ بنایا جائے بلکہ ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا

جائے تو اس کا متبادر مفہوم تو یہی ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں، لیکن لوگوں کو یہ غلط فہمی ضرور ہوسکتی تھی کہ علیؓ میں خلافت کی صلاحیت واہلیت ہی نہیں، یا یہ کہ خلافتِ نبوّت میں ان کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں، اور آپ کے دورِ خلافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کو پیش کرکے لوگوں کو اس غلط فہمی میں ڈالا جاسکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''میرے بعد علی کو خلیفہ نہ بنانا'' یہ تھا غلط فہمی کا وہ اندیشہ جس کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روک دیا تو اندیشہ ہے کہ مسلمان اس کو ایک دائمی دستاویز بنالیں گے اور ہمیں خلافت کے لئے نااہل تصوّر کرلیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط فہمی، جس کا اندیشہ تھا، نہ صرف منشائے نبوی کے خلاف ہوتی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے ساتھ ایک بدترین ظلم بھی ہوتا، جو آپ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

(سائل کا دُوسرا خط)

محترم المقام جناب علامہ محمد یوسف لدھیانوی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وبعد!

جناب کا محبت نامہ ملا، یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریر میں بہت وقت صرف ہوتا ہے، پھر آپ جیسے مصروف آدمی کے لئے اور بھی مشکل ہے، لیکن جیسا کہ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''رفع التباس'' کو الگ سے شائع کرانے کا ارادہ ہے، اس لئے کچھ وضاحت طلب باتیں تحریر کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ کیونکہ یہ باتیں ہماری اعلیٰ درجے کی کتابوں میں درج ہیں۔ مترجمین حضرات نے ترجمہ کرتے وقت بریکٹس کے اندر فاضل الفاظ کا اضافہ کرکے پیچیدگیاں پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا، لہٰذا عوام کو دو طرح سے نقصان میں مبتلا کیا، ایک تو لوگ شک میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس شک کا فائدہ اِمامیہ حضرات اُٹھاتے ہیں کہ اہلِ سنت کے مذہب پر طعن کرتے ہیں، اور اپنے باطل عقائد کی اشاعت شروع کردیتے ہیں، ایک عامی سنی مسلمان جس کا مذہب سنی سنائی باتوں اور کچھ معاشرتی رسموں پر (جو اسے ورثے میں ملتی ہیں) مبنی ہوتا ہے، اگر اِمامیہ نہ بھی بنے تو ان سے متأثر ہوجاتا ہے اور خود اپنے اکابر سے بدگمان۔

اور تمام باتیں میں اِن شاء اللہ ملاقات پر ہی عرض کروں گا، لیکن فی الحال چند وہ باتیں تحریر کرتا ہوں کہ اگر ان کی صفائی ہوجائے تو جناب کی یہ تحریر ایک مقدس تحقیق کا مرتبہ پائے گی (اِن شاء اللہ)۔

جناب نے تحریر فرمایا ہے: ''بہر حال حضرت ابوبکرؓ کے متنبہ کردینے کے بعد انہوں نے اس حدیث میں نہ کوئی جرح اور قدح فرمائی، نہ منازعت کی، بلکہ اپنے موقف سے دستبردار ہوگئے اور یہ ان مؤمنینِ قانتین کی شان ہے جن میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔'' اس تحریر کو دیکھنے کے بعد اگر یہ تسلیم کیا جائے گا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فیصلہ خلوصِ نیت سے تسلیم کیا اور اپنے

موقف سے دستبردار ہوگئے تو پھر شکوہ وشکایت کا کیا معنی؟ جناب نے اس بیان کے بعد ”باب فرض الخمس“ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اسے ”ثم جئتمانی“ سے آگے ٹکڑا نقل فرمایا ہے، خود اس حدیث میں اس سے پہلے بیان ہے، خود حضرت عمرؓ کا کہ ان کو اس فیصلے پر شکایت تھی۔ حضرت عمرؓ مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں: ”اور تم اس وقت سے اس مسئلے میں شکوہ کرتے تھے“ لیکن حقیقت میں بات شکوہ و شکایت تک ہی محدود نہ تھی، اسی بخاری کی یحییٰ بن بکیر والی روایت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ اس مسئلے میں حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہوگئیں، بلکہ اپنی وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ ”فتح الباری“ لابن حجرؒ الجزء التاسع میں تحریر ہے کہ ان کو بھیجا گیا تھا (بھیجنے والے حضرت علیؓ تھے) ”ان فاطمة أرسلت الٰی أبی بکر تسأله میراثها“ غور فرمائیں۔ اس شخص سے ناراض، جس نے اپنا ذاتی مال سارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تصدق کردیا تھا، کیا معنی رکھتی ہے؟ ابنِ حجرؒ نے جلد نمبر:۷ کے حاشیہ میں جو بحث کی ہے، وہاں تحریر فرماتے ہیں کہ: ”یہ جدائی نتیجہ تھی غصّے کی وراثت کے نہ ملنے پر۔“ اس مضمون کو میں نے تیسیر الباری میں بھی دیکھا، علامہ وحید الزمان نے صفحہ:۲۸۱، ۲۸۰ پر تحریر فرمایا ہے: ”فاطمہؓ کی ناراضگی بمقتضائے صاحبزادگی تھی، اس کا کوئی علاج نہ تھا۔“ یہ عبارت میں نہیں سمجھا کہ جناب کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس کے آگے انہوں نے طویل کلام کیا ہے جو کہ غیر متعلق اور بے معنی ہے، چونکہ ابوبکرؓ نے فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا، یہ فیصلہ ان کا اپنا نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تھا، پھر ابوبکرؓ سے ناراضگی کیا معنی؟ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، اسی حدیث میں آگے دیکھیں: ”حضرت فاطمہؓ کی حیات میں حضرت علیؓ کو لوگوں میں وجاہت حاصل تھی، جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوگیا، حضرت علیؓ نے لوگوں کا رُخ پھرا ہوا پایا تو حضرت ابوبکرؓ سے صلح اور بیعت کی درخواست کی۔“ گویا یہ صلح اور بیعت بحالتِ مجبوری قبول فرمائی، اور جو مقام حضرت علیؓ کو صحابہؓ کے درمیان حاصل تھا، وہ جنابؓ کی ذاتی وجاہت ولیاقت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ صحابہؓ حضرت فاطمہؓ کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کی وفات پر حضرت علیؓ نے وہ مقام کھودیا، جب تک لوگوں نے نگاہیں نہ پھیریں وہ نہ تو صلح پر آمادہ ہوئے اور نہ بیعت پر، انا للہ وانا الیہ راجعون! پھر راضی بھی ہوئے تو شرائط لگاتے ہیں کہ تنہا آیئے، آخر عمرؓ کیا کوئی مقام نہیں رکھتے تھے؟ کیا عمرؓ کوئی کم حیثیت کے آدمی تھے؟ ابوبکرؓ کی افضلیت تسلیم، کیا عمرؓ کی خدمات، ان کا ایمان، ان کا اسلام کوئی اور مثال آپ پیش کرسکتے ہیں؟ جو کچھ اسلام کے لئے عمرؓ نے کیا، کیا آپ ایک دُوسرا نام لے سکتے ہیں؟ خود اسی حدیث میں حضرت علیؓ اس بات کا اقرار فرما رہے ہیں کہ: ”قرابت کی وجہ سے وہ خلافت کو اَپنا حق سمجھتے رہے ہیں۔“

کیا اس مقصد کے حصول کے لئے جنگِ صفّین برپا نہیں کی گئی؟ ”عراقی“ اور ”عجمی“ جو کہ شیعانِ علی کہلائے ”شامیوں“ اور عربوں سے کس لئے دست وگریباں کئے گئے؟ وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ حضرت امیر معاویہؓ کو رُومیوں سے جنگ درپیش تھی، کیا حضرت علیؓ کے یہ عجمی اور عراقی شیعان وہی لوگ نہیں تھے جو قتلِ عثمانؓ کے ہیرو ہونے پر ناز کرتے تھے، ان ہی لوگوں نے حضرت علیؓ کو خلافت دِلوائی اور مجبور کیا کہ مسلمانوں کی صفوں کو درہم برہم کریں، مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کا پہلا کامیاب کارنامہ یہی انجام دیا گیا، آخر چنگیز خان، نپولین اور اس قبیل کے اور لوگوں کے حالات بھی تو ہیں، حالانکہ یہ لوگ کافر تھے، پھر بھی ایسے غافل اور بے بس نہ

تھے کہ کسی اہم شخصیت کے قتل کے سلسلے میں یہ نہ معلوم کرسکیں کہ قاتل کون ہے؟ خود جن سپاہیوں کے ساتھ میدانِ کارزار میں مصروف ہوں، ان کے متعلق ہی نہ جانتے ہوں کہ کس قماش کے لوگ ہیں؟ انگریزوں اور فرانسیسیوں کی صدیوں پُرانی دُشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں، لائف آف نپولین کا مصنف ایک انگریز ہے، جس نے اعتراف کیا ہے کہ اسے اپنے ایک ایک سپاہی کا نام یاد رہتا تھا، اور صرف ایک نپولین ہی نہیں، بے شمار مشاہیر ایسے گزرے ہیں، اور آپ بھی بخوبی علم رکھتے ہیں کہ اپنی سلطنت کے گوشے گوشے کے حالات سے کیسے باخبر رہتے تھے، وقتی ذہول اور اجتہادی غلطی آخر کہاں کہاں اور کب تک ساتھ دے گی؟ جس شخص کے تدبر کا یہ عالم ہو کہ اپنے حقیقی بھائی تک کو اپنا موافق نہ بنا سکے اور جب حضرت عقیلؓ ان سے ناراض ہوکر معاویہؓ کے پاس گئے تو کیا ہوا؟ اور یہ سلسلہ کب صِفّین کے بعد ختم ہوگیا تھا؟ ''بنواُمیہ'' اور ''بنوعباس'' کے اَدوار میں ''علوی'' اور ''عباسی'' خروج ایک دو تو نہیں کہ کسی سے پوشیدہ ہوں، ایک خط میں یہ سب بیان غیرممکن ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علیؓ کے مناقب بے شمار بیان کئے ہیں (حالانکہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اسلام کو جو فروغ حاصل ہوا، طرزِ حکومت، معاشرت غرضیکہ ہر قسم کی تفصیل ہے جو انہوں نے لکھی) اس کے علاوہ اور لکھ بھی کیا سکتے تھے؟ پھر شاہ ولی اللہؒ کا ماخذ زیادہ تر ''ریاض النضرۃ للمحب الطبری'' ہی رہا، نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں، اور جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے ان صاحب نے اور تاریخِ اسلام کے مؤلف نجیب خیرآبادی نے بھی حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ تینوں کی خلافت کے حالات تحریر کرنے کے بعد باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: ''حضرت علیؓ بحیثیت گورنرِ کوفہ''۔

میرا خیال تھا کہ عمرؓ کی تقریر پر علامہ عینیؒ کا خیال بھی دیکھوں، لیکن گناہ گار ابھی تک ایسا نہ کرسکا، ہاں فتح الباری کی ۷ویں جلد کے ۱۴، ۱۵ صفحہ پر یہ بحث ہے، وہاں تین احادیث کا حوالہ موجود ہے:

۱:...عمر بن شبه من طریق ابی البختری علی سبیل المیراث (نسائی)۔

۲:...بلکہ نسائی میں بھی من طریق عکرمه علی سبیل الولَایة کا حوالہ ہے۔

۳:...اور بطور والی کے مطالبہ کے، سلسلہ ابوداوٗد کی حدیث کا بھی ذکر ہے، بہرحال نسائیؒ جیسا کہ آپ کے بھی علم میں ہے، حدیث کے معاملے میں بخاریؒ سے بھی سخت تھے، ان تینوں احادیث کی روشنی میں ہی کوئی رائے دُرست ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات یہ واضح فرمادیں کہ کیا بات مانع تھی کہ حضرت علیؓ نے کسبِ معاش کی طرف کوئی توجہ نہ دی، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف اُمت کو راغب فرماتے تھے، جب مطالبہ نکاح کا فرمایا تو کچھ نہ تھا کہ زرہ بیچ دی گئی، آگے فاطمہؓ کو ہی نہیں، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اَذیت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن کی بیٹی سے نکاح فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں، نکاح تو خیر چار تک ہوسکتے ہیں، لیکن ایسا شخص جو ایک بیوی کی کفالت اور خود اپنی کفالت نہ کرسکے کیا اسے بھی اجازت ہے کہ نکاح پر نکاح کرتا چلا جائے؟ کتبِ احادیث میں وقتی طور پر صرف دو کام کرتے نظر آتے ہیں، یہودی کے باغ میں پانی دینا یا پھر ایک مرتبہ گھاس کاٹنا.....!

والسلام، محمد ظہورالاسلام

الجواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

مخدوم ومکرم، زیدت عنایاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ ناکارہ قریباً دو مہینے کے بعد اپنے دفتر میں حاضر ہوسکا، پھر جمع شدہ کام کے ہجوم نے جناب کا گرامی نامہ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی مہلت نہ دی، آج ذرا سانس لینے کا موقع ملا تو آپ کا خط لے کر بیٹھ گیا ہوں، تفصیل سے لکھنے کا موقع اب بھی نہیں، تاہم مختصراً لکھتا ہوں۔

خط کے مندرجات پر غور کرنے سے پہلے بلاتکلف مگر خیرخواہانہ عرض کرتا ہوں کہ روافض کی چیرہ دستیوں کے رَدِّعمل کے طور پر ہمارے بہت سے نوجوان، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے نقائص وعیوب تلاش کرنے لگے ہیں، اور چونکہ علمی اِشکالات تو ہر جگہ پیش آتے ہیں، اس لئے جس طرح روافض حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کچھ نہ کچھ تلاش کرتے رہتے ہیں، اسی طرح ہمارا یہ نوجوان طبقہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ڈھونڈتا رہتا ہے، اور چونکہ دِل میں کدورت ونفرت کی گرہ بیٹھ گئی ہے، اس لئے انہیں ان اِشکالات کے علمی جواب سے بھی شفا نہیں ہوتی... حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باتفاق اہلِ سنت خلیفۂ راشد ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں، علاوہ ازیں خود حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما نے مدّۃ العمر ان سے محبت واِکرام کا برتاؤ کیا ہے، گویا ہمارے جوشیلے نوجوان، رَفض کے رَدِّعمل کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو نقائص چن چن کر جمع کرتے ہیں، وہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لائقِ توجہ تھے، نہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کی نظر میں، اور نہ اکابر اہلِ سنت کی نظر میں۔ اب ان اِشکالات کے حل کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان مزعومہ نقائص کا ایک ایک کرکے جواب دیا جائے، یہ طریقہ طویل بھی اور پھر شفابخش بھی نہیں، کیونکہ فطری بات ہے کہ جس شخص سے نفرت وعداوت کی گرہ بیٹھ جائے، اس کی طرف سے خواہ کتنی ہی صفائی پیش کی جائے، تکدّر نہیں جاتا۔ اور دُوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما اور اکابر اہلِ سنت رحمہم اللہ پر اعتماد کرکے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو اپنا محبوب ومطاع سمجھا جائے، اور ان کے بارے میں جو اِشکالات پیش آئیں، انہیں اپنے فہم کا قصور سمجھا جائے، بلکہ ان اِشکالات پر حتی الوسع توجہ ہی نہ کی جائے۔ اس ناکارہ کے نزدیک یہی آخرالذکر طریق پسندیدہ اور اَسلم ہے۔ ان دونوں صورتوں کی مثال ایسی ہے کہ گھر کے صحن میں خس وخاشاک پڑے ہوں اور آدمی ان سے گھر کی صفائی کرنا چاہتا ہو تو ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک ایک تنکے کو اُٹھا کر باہر پھینکے، ظاہر ہے اس میں وقت بھی زیادہ صرف ہوگا مگر پوری صفائی پھر بھی نہیں ہوگی، اور دُوسری صورت یہ ہے کہ جھاڑو لے کر تمام صحن کو صاف کردے، اس میں وقت بھی زیادہ نہیں لگے گا اور صفائی بھی دیدہ زیب ہوجائے گی۔ پس میرے نزدیک مؤخرالذکر طریق ہی ایسی جھاڑو ہے جس سے شکوک وشبہات کے تمام خس وخاشاک سے سینۂ مؤمن کو پاک وصاف کیا جاتا ہے۔ یہ روایات جن کی بنیاد پر اِشکالات کئے جارہے ہیں، ہمارے اکابر اہلِ سنت کی نظروں

سے اوجھل نہیں تھیں، لیکن ان کے سینۂ بے کینہ میں حضرت علی یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے کبھی میل نہیں آیا، اور نہ کسی نے ان بزرگوں پر زبانِ طعن کھولی، جی چاہتا ہے کہ ہم آپ، بھی بس یہی طریق اپنائیں۔

اسی ضمن میں ایک اور ضروری گزارش کرنے کو بھی جی چاہتا ہے، وہ یہ کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو جو زمانہ ملا وہ احادیثِ طیبہ کی اصطلاح میں "فتنے کا دور" کہلاتا ہے، اور "فتنہ" کی تعریف ہی یہ ہے کہ اس میں صورتِ حال مشتبہ ہوجاتی ہے اور کسی ایک جانب فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہی اِشکال پیش آیا، کچھ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، کچھ ان کے مقابل، کچھ غیر جانبدار، اپنے فہم و اجتہاد کے مطابق جس فریق نے جس پہلو کو راجح اور اَقرب الی الصواب سمجھا، اسے اختیار فرمایا، اور ہر فریق اپنے اِجتہاد پر عنداللہ مأجور ٹھہرا۔ کیونکہ ان میں سے ہر شخص عنداللہ اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کا مکلّف تھا اور ہر ایک رضائے الٰہی میں کوشاں تھا۔ جب فتنے کا یہ غبار بیٹھ گیا تو اکابر اہلِ سنت نے اس فتنے کی تفصیلات میں غور و فکر اور کرید کرنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ ایک مختصر سا فیصلہ محفوظ کردیا کہ اس دور میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ خلیفۂ راشد تھے اور وہ حق پر تھے، باقی حضرات اپنے اپنے اِجتہاد کی بنا پر معذور و مأجور ہیں۔ اب ہمارے نوجوان نئے سرے سے اس دور کی تفصیلات کو کھنگال کر ان اکابر کے بارے میں "بے لاگ فیصلے" فرمانے بیٹھے ہیں، خود ہی انصاف کیجئے کہ جن اکابر کے سر سے یہ سارے واقعات گزرے، جب وہی اس میں چکرا گئے تھے اور ان کو صورتِ حال کا تجزیہ کرکے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا تو آج چودہ صدیوں کے بعد میں اور آپ، کتابیں پڑھ پڑھ کر فیصلے کرنے بیٹھ جائیں تو کیا کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کی توقع کی جاسکتی ہے...؟ کم از کم اس ناکارہ کی نظر میں تو یہ بالکل ناممکن ہے اور اس سے سوائے فکری اِنتشار اور دِلوں کی کجی کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ پھر یہ کارِ عبث بھی ہے، نہ تو قبر میں ہم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اَیامِ فتنہ کے واقعات میں کیوں غور و خوض نہیں کیا تھا؟ اور نہ حشر میں ہمیں یہ زحمت دی جائے گی کہ تم ان اکابر کے درمیان فیصلہ کرو اور ہر ایک کی فردِ جرم... نعوذ باللہ!... مرتب کرو۔ پس ایک ایسی عبث چیز جس میں بحث و تمحیص کا کوئی نتیجہ متوقع نہ ہو، بلکہ اس سے دامنِ ایمان کے تار تار ہونے کا خطرہ لاحق ہو، اس میں وقتِ عزیز کو کھونا اور اپنی توانائیاں صرف کرنا کہاں تک صحیح ہوگا...؟ اس لئے میرا ذوق یہ ہے اور اسی کا آپ کو بلاتکلف مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ ان چیزوں میں اپنا وقت ضائع نہ کیا جائے، بلکہ اہلِ سنت کے عقیدے کے مطابق تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو ان کے دورِ خلافت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سرتاج سمجھا جائے اور اس سلسلے میں اگر کوئی اِشکال سامنے آئے تو اسے اپنے فہم کا قصور تصوّر کیا جائے۔ ان اکابرؓ کے حق میں لب کشائی نہ کی جائے۔ ہاں! اگر کوئی شخص روافض و خوارج کی طرح، اہلِ سنت کی تحقیق ہی کو صحیح نہیں سمجھتا اور بزعمِ خود گزشتہ تمام اکابر سے بڑھ کر اپنے آپ کو محقق سمجھتا ہے، اس کے لئے یہ تقریر کافی نہیں، مگر خدا نہ کرے کہ ہم آپ یہ راستہ اختیار کریں، اس بے تکلف گزارش کے بعد اب میں جناب کے خط کے مندرجات پر بہت اِختصار کے ساتھ کچھ لکھتا ہوں۔

۱:... طلبِ میراث کے سلسلے میں، میں نے دو جواب دیئے تھے: ایک یہ کہ یہ حضرات، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے مطمئن ہوگئے تھے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ وہ خود بھی حدیث: "لَا نُوْرِثُ، مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃً!" کو روایت فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک یہی توجیہ راجح ہے اور روایات کے جن الفاظ سے اس کے خلاف کا وہم ہوتا ہے، وہ لائقِ تأویل ہیں۔ دُوسرا جواب میں

نے حاشیہ بخاری کے حوالے سے دیا تھا کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ حضرات، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق نہیں ہوئے، تب بھی ان کے موقف میں کوئی علمی اِشکال نہیں، بلکہ یہ حدیث کی توجیہ وتأویل کا اختلاف ہے، اور یہ محلِ طعن نہیں۔ قرآن و حدیث کے فہم میں مجتہدین کا اختلافِ رائے کبھی محلِ طعن نہیں سمجھا گیا، پس حدیث کی مراد میں اگر ان حضرات کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا، اور اس ضمن میں شکوہ وشکایت کی نوبت بھی آئی ہو تو یہ ان حضرات کا آپس کا معاملہ تھا، مجھے اور آپ کو ان میں سے کسی ایک فریق سے شکوہ وشکایت کرنے کا کیا حق ہے، جبکہ وہ آپس میں شیر وشکر تھے۔

۲:... علمائے اہلِ سنت کے نزدیک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ناراض ہونے کی روایت راوی کی تعبیر ہے۔ حافظؒ نے عمر بن شبہ کی روایت نقل کی ہے: "فلم تکلمه فی ذٰلک المال" کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اس مال کے بارے میں پھر گفتگو نہیں کی۔ اس عدمِ تکلم کو ناراضی سمجھ لیا گیا۔ اور پھر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اِمام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بہ سندِ صحیح نقل کیا ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کو راضی کرلیا۔ پس یہ دونوں حضرات تو باہم راضی ہوگئے اور حق تعالیٰ شانہ بھی دونوں سے راضی ہوگئے۔ رضی اللہ عنہما۔ اب اگر روافض اس رضامندی کو تسلیم نہ کرکے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی نہ ہوں یا ہم آپ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہوں تو اس سے نقصان کس کا ہوگا؟ ہمارا یا ان بزرگوں کا؟ اور اگر یہی فرض کرلیا جائے کہ وہ مرتے دَم تک ناراض رہیں تو ان کی یہ ناراضی بھی للہ فی اللہ تھی، ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تأویل سے اختلاف تھا، گو ان کی رائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں مرجوح ہو، مگر یہ ان کا اِجتہاد تھا۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا، محض رضائے الٰہی کے لئے کیا۔ اِدھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی جو موقف اختیار کیا، محض رضائے الٰہی کے لئے۔ اور میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ اختلافِ رائے مخلصین کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، اور ہوتا رہا ہے۔

۳:... "ان فاطمة ارسلت ..... الخ" میں "ارسلت" کا لفظ بصیغۂ معروف پڑھا جائے، یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔

۴:... حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذاتی وجاہت بھی حاصل تھی، مگر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے مغلوب تھی، جس طرح چاند کے سامنے ستارے مغلوب ہوتے ہیں، لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں ان کو دُہری وجاہت حاصل تھی، ان کے وصال کے بعد یہ دُوسری وجاہت نہیں رہی۔ اور قدرتی طور پر حضراتِ شیخینؓ کی موجودگی میں ان کی طرف لوگوں کا رُجوع کم تھا، اس سے یہ سمجھ لینا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں تھی، غیر منطقی بات ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ خود چل کر ان کے درِ دولت پر تشریف لے جاتے ہیں تو ان کی عظمت و وجاہت کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، کیا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کے بعد بھی مجھے اور آپ کو حق پہنچتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے وقعتی کریں...؟

۵:... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعتِ خلافت ثقیفہ بنی ساعدہ میں اچانک ہوئی تھی اور اس سلسلے میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور دیگر اکابر بنوہاشم کو شریکِ مشورہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، جس کا انہیں طبعی رنج تھا، ان اکابر کو اس پر اعتراض نہیں تھا کہ ابوبکر

رضی اللہ عنہ کو کیوں خلیفہ بنایا گیا؟ البتہ انہیں دوستانہ شکوہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو اتنا غیر اہم کیوں سمجھ لیا گیا کہ ان سے مشورہ بھی نہ لیا جائے۔ پس ایک تو صدمہ سانحۂ نبوی کی وجہ سے، دُوسرے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مرض کی وجہ سے اور تیسرے اس رنج کی وجہ سے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اکثر گوشہ گیر رہتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کچھ کھنچے کھنچے سے رہتے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں بھی لوگ اس کھنچاؤ کو محسوس کرتے تھے، مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صدمہ، ان کے مرض اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشغولی کے پیشِ نظر لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سانحۂ وصال کے بعد اس صورتِ حال میں تبدیلی ناگزیر تھی۔ دُوسرے حضرات کی بھی خواہش تھی کہ اس کھنچاؤ کی سی کیفیت کو ختم کردیا جائے، اور خود حضرت علی کرّم اللہ وجہہ بھی یہی چاہتے تھے، مگر شاید وہ منتظر تھے کہ رُوٹھے ہوؤں کو منانے میں پہل دُوسری طرف سے ہو، بالآخر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فیصلہ کرلیا کہ اس جمود کی سی کیفیت کو ختم کرنے میں وہ خود پہل کریں گے۔ اس کے لئے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے، کم از کم اس ناکارہ کو تو اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جسے لائقِ اعتراض قرار دیا جائے۔ انسانی نفسیات کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ ایسے طبعی اُمور میں رنج و شکوہ ایک فطری بات ہے، اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا اس صورتِ حال کو ختم کرنے میں پہل کرنا اس ناکارہ کے نزدیک تو ان کی بہت بڑی منقبت ہے، اور خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو ''مجبوری'' کا طعنہ نہیں دیا، جو آپ دے رہے ہیں، بلکہ جیسا کہ اسی روایت میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، گویا ان کے طبعی شکوہ و رنج کو قبول فرمایا، اس کے بعد کیا میرے، آپ کے لئے رَوا ہوگا کہ اس واقعے کو بھی... نعوذ باللہ!... ان اکابر کے جرائم و عیوب کی فہرست میں شامل کرکے ان پر لب کشائی کریں؟ نہیں...! بلکہ ہمارا فرض تو یہ بتایا گیا ہے کہ ہم یہ کہیں: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ''۔

۶:... جہاں تک آپ کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں ساتھ آنے سے منع کیا؟ اس کے بارے میں گزارش ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ، مجھ، آپ سے زیادہ جانتے تھے، کتبِ حدیث میں حضرت عمرؓ کے جو فضائل و مناقب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی روایت سے مروی ہیں، اس سلسلے میں ان کا مطالعہ کافی ہے۔

اس موقع پر چونکہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو اپنے رنج و شکوہ کا اظہار کرنا تھا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تحمل و بردباری سے واقف تھے، اس لئے ان کو یقین تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو ان کے شکوہ شکایت کو سن کر تحمل و متانت سے جواب دے دیں گے، اور اَشک شوئی فرمائیں گے، کوئی اور ساتھ ہوا تو ایسا نہ ہو کہ شکووں کے جواب میں وہ بھی شکوہ و شکایت کا دفتر کھول بیٹھے، اور نوبت تو تو میں میں تک آپہنچے۔ اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ تنہا تشریف لایئے تاکہ جن دو شخصوں کا معاملہ ہے وہ اندرونِ خانہ بیٹھ کر تنہا ہی نمٹالیں، کسی تیسرے کو مداخلت کی ضرورت نہ پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنے سے انہوں نے منع نہیں کیا، بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تنہا تشریف لانے کی درخواست کی، اور ان دونوں تعبیروں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور اگر بالفرض وہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کو ساتھ لانے سے منع کردیتے تب بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں تھی، نہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت اور اہمیت کا انکار لازم آتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت واہمیت مسلّم، لیکن جب ان سے کوئی گلہ شکوہ ہی نہیں، نہ کوئی جھگڑا، تو اگر ان کی مداخلت کو بھی قرینِ مصلحت نہ سمجھا گیا ہو تو مجھے، آپ کو کیوں شکایت ہو؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی تو ضرب المثل ہے، اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوتے تو ممکن تھا کہ ان کے کسی شکوہ کو نادُرست سمجھتے ہوئے سختی سے اس کی تردید فرماتے، اور گفتگو بجائے مصالحت کے مناظرے کا پہلو اختیار کرجاتی۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلیغ اصرار کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا ساتھ جانا قرینِ مصلحت نہیں سمجھا، اور اسی کی نظیر ثقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ ہے کہ وہاں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود تقریر فرمانا بہتر سمجھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تقریر کی اجازت نہیں دی۔ بعض دفعہ ایک بات بالکل حق ہوتی ہے لیکن اندازِ بیان میں سختی آجانے سے اس کی افادیت کم ہوجاتی ہے، مصالحت کے مواقع میں اگر آدمی پورا تولنے بیٹھ جائے تو کبھی صلح نہیں ہوپاتی، بلکہ بعض اوقات معمولی بات سے بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔ بہرحال اس مصالحتی موقع پر کسی تیسرے کا آنا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرینِ مصلحت سمجھا، اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے۔ اس سے اگر ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے بیٹھ جائیں تو یہ ہماری خوش فہمی ہوگی کہ ان اکابر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نفرت تھی، یا ان کی نظر میں ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

۷:... آپ نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''قرابت کی وجہ سے وہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے رہے ہیں'' یہ فقرہ شاید جناب نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی اس تقریر سے اَخذ کیا ہے جو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے کی تھی، اس کا پورا متن حسبِ ذیل ہے:

''فَتَشَهَّدَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ ثُمَّ قَالَ: إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَابَكْرٍ فَضِيْلَتَكَ وَمَا أَعْطَاكَ اللهُ وَلَمْ نَنْفُسْ عَلَيْكَ خَيْرًا سَاقَهُ اللهُ إِلَيْكَ وَلٰكِنَّكَ إِسْتَبَدَدْتَ عَلَيْنَا بِالْأَمْرِ وَكُنَّا نَحْنُ نَرٰى لَنَا حَقًّا لِقَرَابَتِنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يَزَلْ يُكَلِّمُ أَبَابَكْرٍ حَتّٰى فَاضَتْ عَيْنَا أَبِيْ بَكْرٍ۔'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۹۱)

ترجمہ:... ''حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد کہا کہ: اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت کے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، اس کے معترف ہیں۔ اور اس خیر پر ہمیں کوئی رشک وحسد نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے حوالے کردی ہے، لیکن ہمیں شکوہ ہے کہ آپ نے معاملہ ہم سے بالا بالا طے کرلیا جبکہ ہمارا خیال یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی بنا پر ہم بھی اس معاملے میں کچھ حق رکھتے تھے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسو بہ نکلے۔''

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اس خطبے میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا یہ مفہوم ہو کہ وہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے، بلکہ اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ ہمارا خیال تھا کہ یہ معاملہ ہمارے بغیر طے نہیں ہوگا، قرابتِ نبوی کی وجہ سے اس سلسلے میں ہم سے مشورہ

ضرور لیا جائے گا، لیکن آپ حضرات نے معاملہ بالا بالا ہی طے فرمالیا اور ہمیں حقِ رائے دہی کا موقع ہی نہیں دیا، چنانچہ اِمام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”وکان سبب العتب انه مع وجاهته وفضیلته فی نفسہٖ فی کل شیء وقربه من النبی صلی الله علیه وسلم وغیر ذٰلک رأی انه لَا یستبد بأمر إلّا بمشورته وحضوره وکان عذر أبی بکر وعمر وسائر الصحابة واضحًا لأنهم رأوا المبادرة بالبیعة من أعظم مصالح المسلمین وخافوا من تأخیرها حصول خلاف ونزاع تترتب علیه مفاسد عظیمة ..... الخ۔“ (شرح مسلم ج:۲ ص:۹۱)

ترجمہ:... ”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رنج وشکوہ کا سبب یہ تھا کہ اپنی ذاتی وجاہت اور ہر معاملے میں اپنی فضیلت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت اور دیگر اُمور کی بنا پر یہ سمجھتے تھے کہ اَمرِ خلافت ان کے مشورہ وحاضری کے بغیر طے نہیں ہوگا۔ ادھر حضرت ابوبکر وعمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عذر واضح ہے کہ انہوں نے بیعت کے معاملے میں جلدی کو مسلمانوں کی سب سے بڑی مصلحت سمجھا، اور اس کی تأخیر میں خلاف ونزاع کے اُٹھ کھڑے ہونے کا اندیشہ کیا، جس پر مفاسدِ عظیمہ مرتب ہوسکتے تھے۔“

الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تقریر میں جس حق کو ذکر فرمارہے ہیں، اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ اپنے تئیں خلافت کا ابوبکرؓ سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے، بلکہ اس حق سے مراد حقِ رائے دہی ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ اپنی حیثیت ومرتبے کے پیشِ نظر وہ اَمرِ خلافت میں رائے دہی کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور ان کا یہ شکوہ اپنی جگہ دُرست اور بجا تھا کہ ان سے کیوں مشورہ نہیں لیا گیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس شکوے کی تردید نہیں فرمائی، بلکہ اپنا عذر پیش کیا۔ بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فقرے سے اِستحقاقِ خلافت کا دعویٰ یا تو روافض نے سمجھا اور اس کی بنیاد پر حضراتِ شیخین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نشانۂ طعن بنایا، یا پھر آنجناب نے اسی نظریے کو لے کر اُلٹا استعمال کیا، اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عیوب میں شامل کرلیا، اہلِ سنت اس فقرے کا وہی مطلب سمجھتے ہیں جو اُوپر اِمام نوویؒ کی عبارت میں گزر چکا ہے۔

۸:... جناب کا فقرہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ:

”کیا اس مقصد کے حصول کے لئے ”جنگِ صفّین“ برپا نہیں کی گئی؟ عراقی اور عجمی جو کہ شیعانِ علی کہلائے، شامیوں اور عربوں سے کس لئے دست وگریباں کئے گئے؟ وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ حضرت امیر معاویہؓ کو رُومیوں سے جنگ درپیش تھی......“

اہلِ حق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے دورِ خلافت میں خلیفۂ برحق اور خلیفۂ راشد سمجھا ہے، اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات کی بنا پر اہلِ سنت کے عقائد میں داخل ہے، اس لئے ہمیشہ حضراتِ اہلِ سنت نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عذر کو واضح کیا ہے جو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے بالمقابل صف آرا ہوئے، لیکن جناب کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ

...نعوذ باللہ!... حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ جائز تھے، جنھوں نے ہوسِ اقتدار کی خاطر ہزاروں مسلمانوں کو کٹوا دیا۔ گویا جناب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بھی انکار ہے، جس کی آگے چل کر جناب نے یہ کہہ کر قریب قریب تصریح کردی ہے کہ:

> ''جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے ان صاحب نے اور تاریخِ اسلام کے مؤلف نجیب خیرآبادی نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ تینوں کی خلافت کے حالات تحریر کرنے کے بعد باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: حضرت علیؓ بحیثیت گورنرِ کوفہ۔''

اگر جناب اہلِ سنت کے عقیدے کے علی الرغم حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو خلیفۂ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے تو مجھے جنگِ صفّین وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہئے، بلکہ خود اِسی مسئلہ پر گفتگو ہونی چاہئے کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ونظریہ صحیح ہے یا... نعوذ باللہ!... غلط؟ لیکن اگر آپ اہلِ سنت کے عقائد ونظریات کو برحق سمجھتے ہیں اور ان کے مطابق حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو خلیفۂ راشد جانتے ہیں تو آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ خلیفۂ راشد کو بغاوت رُونما ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہئے تھا...؟

جہاں تک عراقیوں اور عجمیوں کو شامیوں اور عربوں سے دست وگریباں کرانے کا تعلق ہے، یہ عراقی وشامی اور عربی وشامی کی تفریق حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے ذہن میں نہیں تھی، ان کے سامنے صرف مطیع وغیرمطیع کا سوال تھا، خواہ کوئی ہو، انہیں نہ شامیوں کے شامی اور عربوں کے عرب ہونے کی وجہ سے ان سے کوئی پرخاش تھی، اور نہ عراقیوں اور عجمیوں سے محض ان کے عراقی یا عجمی ہونے کی بنا پر کوئی اُنس تھا۔ یہ تفریق ہی ''عصبیتِ جاہلیت'' ہے، جو میرے، آپ کے ذہن میں تو آسکتی ہے، لیکن حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا دامنِ ذہن ان داغ دھبوں سے آلودہ نہیں تھا، وہ واقعتاً خلیفۂ راشد تھے، ان کی حمایت میں صحابہؓ بھی تھے اور تابعینؒ بھی، عرب بھی تھے اور عجمی بھی، ''شیعانِ علی'' کی اصطلاح ان کے زمانے کی نہیں تھی، بلکہ بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ جاکر وہاں کی گورنری کا منصب نہیں سنبھالا تھا، بلکہ مدینہ طیبہ سے خلیفہ بن کر گئے تھے، اور مہاجرین وانصار نے ان سے بیعتِ خلافت کی تھی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ اکابر کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، ان میں صرف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ہی کا نام باقی رہ گیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ خودبخود مستحقِ خلافت رہ گئے تھے، اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔[1]

---

(۱) وخلافتهم أى نيابتهم عن الرسول فى إقامة الدين بحيث يجب علٰى كافة الأُمم الإتباع علٰى هٰذا الترتيب أيضًا يعنى ان الخلافة بعد رسول الله عليه السلام لأبى بكر ثم لعمر ثم لعثمان ثم لعلى، وذالک لأن الصحابة قد إجمتعوا يوم توفى رسول الله عليه السلام فى سقيفة بنى ساعدة واستقر رأيهم بعد المشاورة والمنازعة علٰى خلافة أبى بكر فأجمعوا علٰى ذالک وبايعه علٰى علٰى رؤس الأشهاد بعد توقف كان منه ولو لم تكن الخلافة حقا له لما أتفق عليه الصحابة ولنازعه علِىٌّ كما نازع معاوية ولَاحتج عليهم لو كان فى حقه نص كما زعمت الشيعة وكيف يتصور فى حق أصحاب رسول الله عليه السلام الإتفاق على الباطل وترک العمل بالنص الوارد ثم ان أبا بكر لما يئس من حياته دعا عثمان وأملٰى عليه كتاب عهده لعمر فلما كتب ختم الصحيفة وأخرجها إلى الناس وأمرهم أن يبايعوا لمن فى الصحيفة فبايعوا حتّٰى مرت بعلى فقال: بايعنا لمن فيها وإن كان عمر، وبالجملة وقع الإتفاق علٰى خلافته ثم استشهد عمر وترک الخلافة شورىٰ بين ستةٍ عثمان وعلى وعبدالرحمٰن بن عوف وطلحة وزبير وسعد ابن أبى وقاص ثم فوض الأمر خمستهم إلٰى عبدالرحمٰن بن عوف ....

(باقی اگلے صفحے پر)

۹:...آپ نے یہ شبہ بھی کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کیوں نہیں لیا؟ اور آپ نے ان کو مغفل ثابت کرنے کے لئے خاصا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ یہ شبہ آج کل بہت سے عنوانات سے بار بار دُہرایا جاتا ہے۔ مجھے صفائی سے یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ایک عرصے تک میں خود بھی اس وسوسے کا مریض رہا ہوں، مگر بحمداللہ! یہ وسوسہ محض وسوسے کی حد تک رہا۔ میں نے کبھی اس وسوسے کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ پر نکتہ چینی کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ اس کی وجہ سے حضرتِ موصوفؓ سے محبت وعقیدت میں رتی برابر کوئی فرق آیا، بلکہ جب بھی یہ وسوسہ آیا، فوراً یہ خیال آتا رہا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ جنھوں نے تیئیس برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی ہے، جنھیں لسانِ نبوّت نے: ''یُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ'' (صحیح بخاری ومسلم وترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۶۶) کا اعلیٰ ترین تمغہ مرحمت فرمایا، جنھیں پیچیدہ ترین مسائل میں صحیح فیصلہ کرنے کی سند: ''اَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ'' (ترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۶۶) کہہ کر عطا فرمائی اور... ''اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ'' (ترمذی، مشکوٰۃ ص:۵۶۷) کی دُعا دے کر حق کو ان کے ساتھ اور ان کو حق کے ساتھ دائر وسائر کردیا، وہ علم ودانش، دیانت وامانت، طہارت وتقویٰ اور مقاصدِ شریعت کے فہم وبصیرت میں مجھ نالائق وبدکار سے تو بہرحال فائق ہی تھے۔

(واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ اب تو اس خیال کو بھی گستاخی اور سوءِ ادب سمجھتا ہے اور اس پر سو بار اِستغفار کرتا ہے، کہاں حضرت علیؓ اور کہاں مجھ ایسے ٹٹ پونجیے: ''چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔'')

پس انہوں نے وفورِ علم وتقویٰ، کمالِ خشیت وانابت اور خدا اور رسول سے محبت ومحبوبیت کے باوصف جو کچھ کیا وہ عین تقاضائے شریعت وتقویٰ ہوگا۔ اور اگر ان کا موقف مجھ نالائق کو سمجھ میں نہ آئے تو ان پر اِعتراض کا موجب نہیں، بلکہ اپنی بدفہمی لائقِ ماتم ہے۔ الغرض اس وسوسے کو ہمیشہ اپنی نالائقی وکم فہمی پر محمول کیا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دستگیری فرمائی اور اس وسوسے سے نجات دِلائی، **فله الحمد وله الشكر!**

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں نے خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ وارضاہ کے خلاف یورش کی اور آپؓ کے مکان کا محاصرہ کیا، فقہِ اسلامی کی رُو سے ان کی حیثیت باغی کی تھی، پھر ان کی دو قسمیں تھیں، ایک وہ لوگ جنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرکے اپنی دُنیا وعاقبت برباد کی، اور دُوسرے وہ لوگ جن کا عمل صرف محاصرے تک محدود رہا۔ اوّل الذکر فریق میں چھ نام ذکر کئے جاتے ہیں: ۱:محمد بن ابی بکرؓ۔ ۲:عمرو بن حمقؓ۔ ۳:کنانہ بن بشیر۔ ۴:غافقی۔ ۵:سودان بن حمران۔ ۶:کلثوم بن تجیب۔ مگر قاتلینِ عثمانؓ میں اوّل الذکر دونوں صاحبوں کا نام لینا قطعاً غلط ہے، کیونکہ محمد بن ابی بکرؓ کے بارے میں تو تصریح موجود ہے کہ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا اور حضرتؓ نے یہ فرمایا کہ: ''بھتیجے! اگر تمہارے والد زندہ ہوتے اور وہ اس

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)............ ورضوا بحكمه فاختار عثمان وبايعه بمحضر من الصحابة فبايعوه وانقادوا لأوامره وصلوا معه الجمع والأعياد فكان إجماعًا ثم استشهد وترك الأمر مهملا فأجمع كبار المهاجرين والأنصار على علىّ والتمسوا منه قبول الخلافة وبايعوه لما كان أفضل أهل عصره وأولاهم بالخلافة وما وقع من المخالفات والمحاربات لم يكن من نزاعٍ فى خلافته بل عن خطأ فى الإجتهاد وما وقع من الإختلاف بين الشيعة وأهل السُّنَّة فى هٰذه المسئلة وادعاء كل من الفريقين النص فى باب الإمامة وايراد الأسولة والأجوبة من الجانبين فمذكور فى المطولات. (شرح عقائد ص:۱۴۹-۱۵۱)۔

حرکت کو دیکھتے تو پسند نہ کرتے۔'' تو یہ شرمندہ ہوکر پیچھے ہٹ گئے، اس کے بعد نہ صرف یہ کہ خود قتل میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ دُوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کی،(۱) اور حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ صحابی ہیں،(۲) اور علمائے اہلِ سنت نے تصریح کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی اس گناہ میں شریک نہیں ہوا۔(۳) اس سے معلوم ہوا کہ محمد بن ابی بکرؓ اور عمرو بن حمقؓ کو قاتلینِ عثمانؓ کی فہرست میں ذکر کرنا صحیح نہیں۔ رہے باقی چار اشخاص! ان میں سے مؤخر الذکر دونوں شخص موقع ہی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے،(۴) اب صرف دو شخص رہ گئے! کنانہ بن بشیر اور غافقی، یہ دونوں موقع سے فرار ہوگئے، بعد میں یہ بھی مارے گئے۔(۵) اس طرح قاتلینِ عثمانؓ میں سے کوئی شخص ہلاکت سے نہیں بچا۔ رہا وہ فریق جس کا عمل محاصرے تک محدود رہا، اور انہوں نے خونِ عثمانؓ سے ہاتھ رنگین نہیں کئے، ان کی حیثیت باغی کی تھی، خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی آخری لمحے تک ان کے خلاف تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں دی،(۶) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نئے خلیفہ کی اطاعت کرلی، انقیاد واطاعت کے بعد محض بغاوت کے جرم میں کسی کو قتل کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ بحر الرائق (ج:۵ ص:۱۵۳) میں ہے:

''وفی المحیط قال الباغی: تبت، والقی السلاح کف عنه، لأن توبة الباغی بمنزلة الْإسلام من الحربی فی افادة العصمة والحرمة۔'' (البحر الرائق ج:۵ ص:۱۵۳)

---

(۱) والصحیح أن الذی فعل ذٰلک غیره، وأنه استحیی ورجع حین قال له عثمان: لقد أخذت بلحیة کان أبوک یکرمها، فتذمم من ذٰلک وغطی وجهه ورجع وحاجز دونه۔ (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۸۵)۔ ایضاً ودخل محمد بن أبی بکر فأخذ بلحیته ...... فقال: مهلًا یا ابن أخی! فوالله لقد أخذت مأخذًا ما کان أبوک لیأخذ به۔ فترکه وانصرف مستحییا نادمًا فاستقبله القوم علٰی باب الصفة فردهم طویلًا حتّٰی غلبوه ...الخ۔ (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۸۴، صفة قتله رضی الله عنه، طبع دارالفکر بیروت)۔

(۲) عمرو بن الحمق بفتح أوّله وکسر المیم بعدها قاف ابن کاهل ...... قال ابن السکن: له صحبة، وقال ابو عمر: هاجر بعد الحدیبیة وقیل بل أسلم بعد حجة الوداع، والأوّل أصح۔ (الْإصابة فی تمییز الصحابة ج:۲ ص:۵۳۲، ۵۳۳، القسم الأوّل، طبع دار صادر، بیروت)۔

(۳) اعلم! ان قتل أمیر المؤمنین عثمان رضی الله عنه من أکبر الکبائر، فانه امام حق ...... ولم یدخل أحد من الصحابة رضوان الله علیهم فی قتله ولم یرض به أحد منهم أیضًا بل جماعة من الفساق اجتمعوا کاللصوص۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۴۴۴، طبع نولکشور لکھنؤ)۔ وأیضًا وأما ما یذکره بعض الناس، من أن بعض الصحابة اسلمه ورضی بقتله فهٰذا لَا یصح عن أحد من الصحابة أنه رضی بقتل عثمان رضی الله عنه، بل کلهم کرهه، ومقته، وسبَّ من فعله۔ (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۹۸، طبع دارالفکر، بیروت)۔

(۴) ...... ثم تقدم سودان بن حمران بالسَّیف ...... فجاء غلام عثمان فضرب سودان فقتله۔ (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۸۸)۔ .....حتّٰی استلب رجل یقال له کلثوم التجیبی ...... فضربه غلام لعثمان فقتلهٗ۔ (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۸۹)۔

(۵) .... وقد اقسم بعض السلف بالله انه ما مات أحد من قتلة عثمان اِلّا مقتولًا۔ رواه ابن جریر۔ (البدایة والنهایة ج:۷ ص:۱۸۹)۔

(۶) ازالة الخفاء ج:۱ ص:۲۴۳۔

ترجمہ:... ''اور محیط میں ہے: جب باغی کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہتھیار ڈال دے تو اس سے ہاتھ روک لیا جائے گا، کیونکہ جس طرح حربی کافر اسلام لانے کے بعد معصوم الدم ہوجاتا ہے، اسی طرح باغی کے توبہ کرنے کے بعد اس کی جان و مال محفوظ ہوجاتے ہیں۔''

پس اطاعت وانقیاد کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان باغیوں سے تعرض نہیں کیا تو یہ قواعدِ شرعیہ کے عین مطابق تھا۔ (یاد رہے کہ یہاں صرف حضرت علیؓ کے موقف کی وضاحت کر رہا ہوں، جو اکابر صحابہؓ قصاص کا مطالبہ فرماتے تھے، وہ بھی اپنے علم و اجتہاد اور فہم و بصیرت کے مطابق اپنے موقف کو برحق سمجھتے تھے، اور وہ عنداللہ اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کے مکلّف تھے، ان کے موقف کی وضاحت کا یہ موقع نہیں۔)

اور ان پر ہماری نکتہ چینی دراصل باغیوں کے اَحکام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، اور جناب کا یہ فقرہ کہ: ''وقتی ذہول اور اِجتہادی غلطی آخر کہاں کہاں اور کب تک ساتھ دے گی؟'' اس موقع پر قطعاً بے محل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں نہ کوئی ذہول ہوا اور نہ انہوں نے یہاں کوئی اِجتہادی غلطی کی، بلکہ پوری بیدار مغزی کے ساتھ اس پیچیدہ ترین مسئلے میں ٹھیک منشائے شریعت کی تعمیل کی۔

۱۰:... جناب نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاملنے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدمِ تدبر کی دلیل قرار دیا ہے، اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جو شخص اپنے سگے بھائی کو اپنے موقف کا قائل نہ کرسکے، اس کی بے تدبیری کا کیا ٹھکانا ہے...! جناب نے یہ لطیفہ سنا ہوگا کہ ایک صاحب (مجھے نام میں تردّد ہے، کتاب اس وقت سامنے نہیں) کھانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے اور نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھتے تھے، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ''کھانا ان کا لذیذ ہوتا ہے، اور نماز ان کی۔''[۱] واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کے معاملے میں بہت ہی محتاط تھے، ان کے ہاں داد و دہش کی کوئی مد نہیں تھی، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں خاصے فراخ دِل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ زُہد و تقویٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے نقشِ قدم پر تھے، اور ان کے بلند ترین معیار پر پورا اُترنا کسی اور کے بس کی بات نہ تھی، اس لئے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا اپنے ماں جائے کو چھوڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں شمار کئے جانے کی چیز ہے کہ ان کے اعلیٰ ترین معیارِ تقویٰ کا ساتھ دینے سے ان کے سگے بھائی بھی قاصر تھے۔[۲]

لیکن کیا کیجئے! جس شخصیت سے اُلفت و محبت کا رشتہ نہ رہے، اس کے محاسن بھی عیوب نظر آیا کرتے ہیں، عربی شاعر نے صحیح کہا ہے:

---

(۱) عن أبی رافع قال: کان أبوہریرۃ رضی اللہ عنہ .... یأکل علیٰ سماط معاویۃ ویصلی خلف علی ویجلس وحدہ، فسئل عن ذٰلک فقال: طعام معاویۃ أدسم والصلاۃ خلف علی أفضل وھو أعلم والجلوس وحدی لی أسلم۔ (المستطرف ج:۱ ص:۲۸۶ طبع دار إحیاء التراث العربی، بیروت)۔

(۲) عقیل بن أبی طالب .... فقیل ان معاویۃ قال لہ یومًا ھٰذا أبو یزید لو لَا علمہ بأنہ خیر لہ من أخیہ لما أقام عندنا فقال عقیل: أخی خیر لی فی دینی وأنت خیر لی فی دنیای، وقد آثرت دنیای وأسأل اللہ خاتمۃ خیر عنہ ...إلخ۔ (اُسد الغابۃ ج:۳ ص:۴۲۳)۔

وعين الرضا عن كل عيب كليلة
ولكن عين السخط تبدى المساويا

۱۱:... اُموی اور عباسی دور میں وقتاً فوقتاً جو علوی و عباسی خروج ہوتے رہے، جناب نے ان کو بھی ''عیوبِ علی'' کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ان ''خروجوں'' کا منشا کیا تھا؟ ان میں سے کون سے حق بجانب تھے اور کون سے ناحق؟ اور یہ کہ اس وقت کے اکابرِ اُمت نے ان خروجوں کے بارے میں کیا اظہارِ خیال فرمایا؟ میں آپ سے یہ دریافت کرنے کی گستاخی کروں گا کہ آپ نے ان خروجوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف مرتب کردہ ''فردِ جرم'' میں کیسے شامل فرمالیا؟ کیا بعد کے لوگوں کے قول و فعل کی ...اگر وہ ناحق ہوں... ذمہ داری بھی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ ہی پر عائد ہوتی ہے؟ اگر کسی شخصیت کی طرف سے ہمارے دِل میں خدانخواستہ میل ہے تو کیا ناکردہ گناہوں کو بھی اس کے کھاتے میں ڈال دینا چاہئے...؟

۱۲:... آنجناب لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب بے شمار بیان کئے ہیں۔ حالانکہ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کے دورِ خلافت میں اسلام کو جو فروغ حاصل ہوا، طرزِ حکومت، معاشرت غرضیکہ ہر چیز کی تفصیل ہے، جو انہوں نے لکھی ہے..... کہ اس کے علاوہ اور لکھ بھی کیا سکتے تھے؟ پھر شاہ ولی اللہؒ کا مأخذ زیادہ تر ''رياض النضرة للمحب الطبری'' رہا، جہاں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں۔''

یہ ناکارہ کند ذہن، جناب کے اس فقرے کا مدعا سمجھنے سے قاصر ہے، شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرات خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کے دور تو خدماتِ اسلامیہ سے بھرپور ہیں، مگر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا خانہ خدمات سے یکسر خالی ہے، ان کے پلّے فضائل و مناقب کے سوا کچھ نہیں، اور ان کے فضائل و مناقب کی روایتیں بھی چونکہ بیشتر محبّ طبری سے نقل کی گئی ہیں، اس لئے وہ من گھڑت اور ناقابلِ اعتبار حد تک ضعیف ہیں۔ گویا ان کے مناقب کی گاڑی بھی موضوع و منکر روایتوں ہی سے چلتی ہے، ورنہ وہ اس میدان میں بھی قریباً صفر ہیں۔ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات کا تعلق ہے (ان خدمات سے قطع نظر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دورِ مسعود میں ان سے ظہور پذیر ہوئیں) ان کے زمانۂ خلافت کی خدمات بھی اُمت کے لئے مایۂ صد سعادت ہیں۔ البتہ زمانے کے اَلوان مختلف ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمات کا رنگ اور ہے، حضرات عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی خدمات کا اور، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات کا اور...! ان اُمور کی تفصیل کے لئے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے رسالہ ''انتباہ المؤمنین'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔ جس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک میں وہ خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں جن کی ان کے دورِ خلافت میں ضرورت تھی۔ اس ناکارہ کا احساس یہ ہے... اور اِن شاء اللہ یہ احساس غلط نہ ہوگا... کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملتا تو ان سے وہی کچھ ظہور پذیر ہوتا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ہوا، اور اگر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا

جاتا تو وہی کرتے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ فتنوں کے پُرآشوب زمانے میں انہوں نے جس اِستقامت کا مظاہرہ کیا، اور قدم قدم پر مشکلات اور کانٹوں کے باوجود جادۂ شریعت پر جس طرح مضبوطی کے ساتھ گامزن رہے، بعد کا کوئی شخص اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ ان کا وہ کمال ہے جو ہزار خوبیوں پر بھاری ہے۔ پھر اہلِ فتنہ سے کیا معاملہ کیا جانا چاہئے؟ یہ علم صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اُمت کو حاصل ہوا، بلاشبہ ان کی خدمات فتنوں کے گرد و غبار میں دَب کر رہ گئی ہیں، اس لئے ظاہر بینوں کو وہ نظر نہیں آتیں، لیکن یہ بھی اپنی بصیرت کا قصور ہے، نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا۔ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کا وہ فقرہ پھر دیکھ لیا جائے، جسے اس سلسلے میں پہلے نقل کرچکا ہوں۔

اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ان کے پاس صرف ''بے شمار فضائل ومناقب'' ہیں اور بس! تب بھی میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ''خدمات'' سے مقصد قربِ عنداللہ کے سوا کیا ہے؟ اور جب ان کا مقرّبِ بارگاہِ الٰہی ہونا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماچکے ہیں تو آپ خدمات کو دیکھیں گے، یا ان کے اعلیٰ ترین مدارجِ قرب ورضا کو، جو نصِ نبوی سے ثابت ہیں؟ الغرض جب خدمات کا مقصد ومدّعا اور غرض وغایت ان کو حاصل ہے تو آپ خدمات کی تلاش کی فکر میں کیوں پڑتے ہیں...؟

رہا آپ کا یہ ارشاد کہ مناقب کی روایات جو ''إزالة الخفاء'' میں ذکر کی گئی ہیں، موضوع یا ضعیف ہیں! اوّل تو یہ بات خود حضرت شاہ صاحبؒ کی تصریح کے خلاف ہے، وہ فرماتے ہیں:

''بالجملہ ما از ایراد احادیثِ موضوعہ واحادیث شدیدۃ الضعف کہ بکار متابعات وشواہد نمی آید تحاشی داریم وآنچہ درمرتبۂ صحت وحسن است یا ضعف متحمل دارد آں را روایت کنیم۔'' (ج:۲ ص:۲۶۰)

ترجمہ:... ''ہم موضوع احادیث اور ایسی شدید ضعیف احادیث، جو متابعات وشواہد کے کام نہیں آتیں، ان کے ذکر کرنے سے پرہیز کریں گے، اور جو صحت وحسن کے مرتبے میں ہیں، یا قابلِ تحمل ضعف رکھتی ہیں ان کو روایت کریں گے۔''

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے ''من المتواتر'' کہہ کر متعدّد اَحادیث ذکر کی ہیں۔ اور اس سے بھی قطعِ نظر کیجئے تو مناقبِ علیؓ کے لئے ہمیں محبّ طبری کی ''الریاض النضرہ'' پر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں، صحاحِ ستہ اور دیگر مسانید ومعاجم میں جو روایات منقول ہیں ان میں صحیح، حسن اور مقبول احادیث بھی کچھ کم نہیں، بشرطیکہ ہمارا دِل اس پر راضی بھی ہو، اور اَحادیث کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے عموماً اور حضراتِ مہاجرین وانصار کے خصوصاً جو فضائل قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، کیا آپ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو ان سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں؟ پھر جس شخص کے فضائل ومناقب خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہوں، اس پر خردہ گیری کیونکر روا ہوسکتی ہے...؟

۱۳:... جناب نے دریافت فرمایا ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسبِ معاش پر کیوں توجہ نہیں دی، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس طرف راغب فرمایا ہے۔'' حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو فقر وافلاس کے طعنے دینا بھی آج کل کچھ لوگوں کا لذیذ مشغلہ ہے۔ جناب کا یہ سوال بھی غالباً انہی اصحاب سے تأثر کا نتیجہ ہے، اس پر تفصیل سے لکھنے کی ضرورت تھی، مگر فرصت اس کی متحمل

نہیں! مختصر یہ کہ کسبِ معاش ہر ایک کے لئے یکساں حکم نہیں رکھتا، کسی کے لئے ضروری ہے، اور کسی کے لئے غیر ضروری۔ اس کے لئے مراتب و درجات کی تفصیل امام غزالی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کی تصنیفات میں مل جائے گی۔ جو حضرات دینی خدمات کے لئے وقف ہوں اور کسبِ معاش میں مشغول ہونے سے ان خدمات میں حرج ہوتا ہو ان کا کسبِ معاش میں مشغول ہونا صحیح نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے کہ ۲، ۲ مہینے تک گھر میں چولہا گرم نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود منصبِ نبوّت پر فائز ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسبِ معاش کا کوئی شغل اختیار نہیں فرمایا۔ اب اگر کوئی شخص آپ کا پورا فقرہ نقل کرکے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے بجائے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی لکھ دے اور جناب سے یہی سوال کر ڈالے جو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا ہے، تو فرمائیے! آپ کا جواب کیا ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب... بقول آپ کے... اُمت کو کسبِ معاش کی طرف راغب فرماتے تھے تو خود کون سا کسب فرماتے تھے؟ اور اسی سوال میں اگر جناب کا یہ فقرہ بھی نقل کردیا جائے کہ: ''جو شخص ایک بیوی کی بھی کفالت نہ کرسکتا ہو، اور خود اپنی کفالت نہ کرسکے تو اسے بھی اجازت ہے کہ نکاح پر نکاح کرتا چلا جائے؟'' تو سوچئے کہ معاملہ کتنا نازک اور سنگین ہوجائے گا، خصوصاً جب یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ اُمہات المؤمنینؓ کے نان ونفقے کے مطالبے کا واقعہ نہ صرف صحیح احادیث میں بلکہ قرآنِ کریم میں بھی مذکور ہے۔ (۱)

کسبِ معاش تو اپنی یا اپنے عیال کی ضرورت کی بنا پر ایک مجبوری ہے، نہ کہ بذاتِ خود کوئی کمال۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اگر کچھ نہیں کماتے تھے تو وہ خود یا ان کے اہلِ خانہ کسی کے دروازے پر بھیک مانگنے تو نہیں گئے تھے کہ انہیں نہ کمانے کا طعنہ دیا جائے؟ اور اگر وہ اپنے فقر وفاقہ، زُہد وقناعت اور تبتل عن الدنیا کے باوجود، بقول آپ کے نکاح پر نکاح کئے چلے جاتے تھے تو لوگ انہیں لڑکیوں پر لڑکیاں نہ دیتے؟ کیسی عجیب بات ہے کہ فقر وفاقہ اور زُہد وقناعت کی صفت، جو بھلے زمانوں میں مایۂ صد فخر سمجھی جاتی تھی اور جسے اعلیٰ ترین فضیلت تصوّر کیا جاتا تھا، آج اسی پر طعنہ زنی ہو رہی ہے...!

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو بقول آپ کے: ''یہودی کے باغ کو پانی دینے یا گھاس کاٹنے'' کے سوا کوئی ہنر نہیں آتا تھا، تو اس

---

(۱) ''یٰٓأیھا النبی قل لِأَزواجک إن کنتنّ تردن الحیٰوة الدنیا وزینتھا فتعالین اُمتّعکنّ وأسرّحکنّ سراحًا جمیلًا، وإن کنتنّ تردن اللہ ورسولہ والدار الْاٰخرة فإنّ اللہ أعدّ للمحسنٰت منکنّ أجرًا عظیمًا۔ (الأحزاب:۲۸)، أیضًا: وقال الْإمام أحمد .... عن جابر قال: أقبل أبوبکر رضی اللہ عنہ یستأذن علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس ببابہ جلوس والنبی صلی اللہ علیہ وسلم جالس فلم یؤذن لہ ثم أقبل عمر فاستأذن فلم یؤذن لہ، ثم أذن لأبی بکر وعمر فدخلا، والنبی صلی اللہ علیہ وسلم جالس وحولہ نسائہ وھو ساکت، فقال عمر: لأکلّمنّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلّہ یضحک، فقال عمر: یا رسول اللہ! لو رأیت ابنة زید امرأة عمر سألتنی النفقة آنفًا، فوجأت عنقھا فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتّٰی بدا نواجذہ وقال: ھنّ حولی کما تری یسألننی النفقة، فقام أبوبکر رضی اللہ عنہ إلٰی عائشة لیضربھا، وقام عمر رضی اللہ عنہ إلٰی حفصة کلاھما یقولَان تسألَان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما لیس عندہ فنھاھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلن نساءہ: واللہ! لَا نسأل رسول اللہ بعد ھٰذا المجلس ما لیس عندہ، قال: وأنزل اللہ عزَّ وجَلَّ الخیار، فبدأ بعائشة فقال: إنی أذکر لک أمرًا ما أحبّ أن تعجلی فیہ حتّٰی تستأمری أبویک، قالت: ما ھو؟ قال: فتلا علیھا: یٰٓأیھا النبی قل لِأزواجک ..... الآیة۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۵ ص:۱۶۶)۔

کے لئے مجھے اور آپ کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی فکر اگر ہوتی تو اس مقدس ہستی کو ہوتی جس نے اپنی چہیتی بیٹی ’’خاتونِ جنت‘‘ ان کو بیاہ دی (صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہا)، کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسبِ معاش کی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت ہے، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ کو، لیکن آج حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ طعن بھی کیا جارہا ہے کہ وہ کچھ کماتے نہیں تھے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون!

۱۴:... آنجناب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابوجہل کی بیٹی سے اِرادۂ نکاح کے واقعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ: ’’آگے فاطمہؓ ہی کو نہیں، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن کی بیٹی سے نکاح فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں۔‘‘ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اَذیت دینے کا قصد کیا، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ انہوں نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ ضرور کیا تھا، لیکن یہ بات ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھی کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواریٔ خاطر کی موجب ہوسکتی ہے، ورنہ اس نکاح کا انہیں وسوسہ بھی نہ آتا، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا تو انہوں نے اپنا ارادہ فوراً ترک کردیا۔(۱) اگر وہ یہ نکاح کرتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور ان کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اَذیت ہوتی لیکن نہ انہوں نے نکاح کیا اور نہ ان حضرات کو اَذیت ہوئی، بلکہ ان کے ارادہ ملتوی کردینے پر ان حضرات کو یقیناً مسرّت ہوئی ہوگی۔ لیکن آنجناب ان پر یہ اِلزام دھرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَذیت پہنچائی اور اِلزام بھی ایسا سنگین جس پر قرآنِ کریم میں لعنت آئی ہے، آپ کچھ تو انصاف کیجئے کہ اگر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اَذیت دی ہوتی تو وہ ’’رجل یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ‘‘(۲) اور ’’رضی اللہ عنہ‘‘ کی بشارتوں سے سرفراز ہوتے یا ’’اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا‘‘ (الاحزاب:۵۷) کے زُمرے میں آتے...؟

جناب نے مقطعِ سخن پر اَذیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات چھیڑی ہے تو یہ ناکارہ بھی جناب سے ایک بات پوچھنے کی جرأت کرتا ہے، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا جو تعلق تھا وہ بھی آپ کو معلوم ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کے ’’بے شمار مناقب‘‘ بیان فرمائے ہیں، وہ بھی جناب کے سامنے ہیں، سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین شخصیت کے نقائص وعیوب تلاش کرنا، اس کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرنا، اس کی تحقیر کے پہلو کرید کرید کر نکالنا، اس سے خود نفرت رکھنا اور دُوسروں کو متنفر کرنے کی کوشش کرنا، کیا ان ساری باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَذیت نہیں ہوتی

---

(۱) (ولَا تجتمع بنت رسول اللہ) أی فاطمۃ، (وبنت عدو اللہ) أی بنت أبی جھل (مکانًا واحدًا أبدًا) قال الحافظ: وقال أھل التین أصح ما تحمل علیہ ھٰذہ القصۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرم علٰی علی رضی اللہ عنہ أن یجمع بین ابنتہ وابنۃ أبی جھل لأنہ علل بأن ذٰلک یؤذیہ وأذیتہ حرام بالإتفاق ...... لأنہ یبعد ان فی خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لَا تزوّج علٰی بناتہ ویحتمل ان ذٰلک مختصًا لفاطمۃ سلام اللہ علیھا۔ (بذل المجھود، کتاب النکاح، باب ما یکرہ أن یجمع بین النساء ج:۴ ص:۱۵ طبع مکتبہ امدادیہ)۔

(۲) مشکوٰۃ، باب مناقب علی بن أبی طالب ص:۵۶۳۔

ہوگی؟ اب جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عیوب اُچھال رہے ہیں، کیا ان کا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں لائقِ ستائش ہے؟ اور کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب ترین عزیز کی تنقیص کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِیذا دہی کے مرتکب اور دُنیا و آخرت میں خسرانِ عظیم کے مستوجب نہیں؟ روافض... خذلہم اللہ!... سے ہمیں یہی تو شکایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی تنقیص کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِیذا دیتے ہیں، اگر یہی کام ہم بھی کرنے لگیں تو ان میں اور ہم میں کتنا فاصلہ رہ جاتا ہے...؟ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھے، والسلام!

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی شادی

سوال:... کیا حضرت بلالؓ کی شادی ان کے وصال سے چند روز قبل ہوئی اور وہ بھی غیبی اشارے پر؟ کیا حضرت بلالؓ کی عمر منجانب اللہ ۴۰ سال سے بڑھائی گئی تھی؟

جواب:... حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یمن میں شادی کی تھی،[۱] یہ معلوم نہیں کہ وفات سے کتنا عرصہ پہلے کی تھی، نہ غیبی اشارے کا علم ہے۔ اور چالیس سال عمر بڑھائے جانے کی بات غلط ہے، ان کی عمر ساٹھ برس سے کچھ زیادہ ہوئی ہے اور ۱۸ھ یا ۱۹ھ یا ۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[۲]

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے بدگمانی کرنا

سوال:... ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے بہت سے لوگ بدگمانیاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں تھے۔ ان کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔ نیز حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموں کے علاوہ کسی اور کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:... حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ صحابی تھے، ان کے حق میں یہ بدگمانی غلط ہے۔[۳]

”رضی اللہ عنہ“ صحابہ کے لئے ہے، دُوسروں کو نہیں کہنا چاہئے، اگرچہ لغوی معنی کے لحاظ سے دُعا ہے اور اسی بنا پر تابعین وائمۂ دِین کے لئے بھی یہ صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔[۴]

---

(۱) خطب بلال وأخوه الٰى أهل بيت من اليمن .... أخبرنا قتادة أن بلالًا تزوّج امرأة عربية من بنى زهرة. (طبقات ابن سعد ج:۳ ص:۲۳۷، ۲۳۸، بلال بن رباح).

(۲) توفّى بلال بدمشق .... وهو ابن بضع وستين سنة. (طبقات ابن سعد ج:۳ ص:۲۳۸ طبع بيروت).

(۳) وكان أبوه من سادات قريش ..... ثم لما أسلم حسن بعد ذٰلك اسلامه، وكان له مواقف شريفة، وآثار محمودة فى يوم اليرموك وما قبله وما بعده. (البداية والنهاية لِابن كثير ج:۸ ص:۱۱۷ ترجمة معاوية بن ابى سفيان).

(۴) وفى الدر المختار: ويستحب الترضى للصحابة .... والترحم للتابعين .... وكذا يجوز عكسه الترحم للصحابة والترضى للتابعين ومن بعدهم. وفى رد المختار: ويستحب الترضى للصحابة لأنهم كانوا يبالغون فى طلب الرضا من الله تعالٰى ويجتهدون فى فعل ما يرضيه، ويرضون بما يلحقهم من الِابتلاء من جهته أشد الرضا، فهٰؤلاء أحق بالرضا وغيرهم لَا يلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهبا. (رد المختار ج:۶ ص:۷۵۴، طبع ايچ ايم سعيد).

حضرت ابوسفیانؓ کا نام کس طرح لکھا جائے

سوال:...کورس میں جو دِینیات پڑھائی جاتی ہے، اس کتاب میں کہیں بھی اگر صحابہؓ کے اس دور کا واقعہ آتا ہے جب وہ مشرف بہ اسلام نہیں تھے، تو وہاں پر لکھا رہتا ہے فلاں صحابیؓ (جب وہ ایمان نہیں لائے تھے)، لیکن جب کبھی بات ابوسفیان کی ہو رہی ہو تو وہاں صرف ابوسفیان لکھا ہوتا ہے، ''حضرت'' اور ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' نہیں لکھا جاتا (جبکہ وہ مسلمان ہوگئے تھے) اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ مصنّفین کی غلطی ہے یا کوئی اور وجہ ہے؟

جواب:...یہ غلطی ہے، ان کا اسمِ گرامی بھی ادب وتعظیم کے ساتھ لکھنا چاہئے،[۱] اسلام سے پہلے کی غلطیاں معاف ہیں۔[۲]

عمر، بکر، زید فرضی ناموں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے ادبی نہیں ہوتی

سوال:...''زید ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہے'' اس سوال میں ''زید'' کا لفظ ایک فرضی نام کے بطور لکھا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی اُردو زبان میں زید، عمر، بکر کے الفاظ فرضی ناموں کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ جناب مولانا صاحب! آپ مجھ سے بہت بہتر جانتے ہیں کہ یہ نہایت ہی جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے نام نامی ہیں، اس لئے ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے عزّت و احترام کی خاطر ان اَسماء کو فرضی نام کے طور پر استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

جواب:...اچھی تجویز ہے، لیکن ان فرضی ناموں کو استعمال کرتے ہوئے کبھی کسی کا ذہن اکابر کی طرف نہیں جاتا، اس لئے بے ادبی کا نظریہ غلط ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں

سوال:...بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی لڑکی سیّدہ فاطمہؓ تھیں۔ جبکہ میں نے پڑھا ہے کہ آپ کی چار لڑکیاں تھیں اور صاحبزادے ابراہیم تھے جو مدینہ منوّرہ میں وفات پاگئے، لڑکیوں میں سیّدہ فاطمہؓ کا نکاح شیرِ خدا حضرت علیؓ سے ہوا، جبکہ سیّدہ رقیہؓ، سیّدہ زینبؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا، چوتھی لڑکی کا علم نہیں، آپ یہ بتائیں کہ یہ چاروں کس کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں؟ اور نکاح کن سے ہوا؟ اور وفات کہاں پائی؟ اور اگر ان کے بطن سے کوئی اور اولاد ہوئی ہو تو وہ بھی بتادیں، کیا ان میں سے کسی کا نکاح عرشِ معلیٰ پر باندھا گیا تھا یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

جواب:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تو چار تھیں،[۳] سب سے بڑی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا، ان کا نکاح

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أكرموا أصحابي فانهم خياركم". (مشكوٰة ص:۵۵۴ باب مناقب الصحابة).

(۲) "اِن الْإسلام يهدم ما كان قبلهٗ" (صحيح مسلم ج:۱ ص:۷۶، كتاب الْإيمان، طبع كتب خانه رحيميه ديوبند).

(۳) وفيها اسلمت بنات النبي صلى الله عليه وسلم الأربع كلهنّ. ۱: زينب وهي أكبر بناته، ۲: وفاطمة، ۳: ورقية، ۴: وأُمّ كلثوم. (بذل القوة ص:۴، فصل في حوادث السَّنَة الأولىٰ من النبوّة، القسم الأوّل).

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا،[۱] اور ان سے چھوٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان سے چھوٹی سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا، ان دونوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس بنا پر ان کا لقب ''ذُوالنورین'' ہے۔[۲] سب سے چھوٹی سیّدہ فاطمہ زہراء خاتونِ جنت ہیں، رضی اللہ عنہا، ان کا عقد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔[۳]

صاحبزادوں کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض نے پانچ لکھے ہیں، قاسم، عبداللہ، طیب، طاہر، ابراہیم رضی اللہ عنہم۔ اوّل الذکر چاروں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے،[۴] اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ آپ کی حرم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے،[۵] بعض حضرات فرماتے ہیں کہ طیب و طاہر حضرت عبداللہ ہی کے لقب ہیں۔[۶] رضی اللہ عنہم۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت و وفات

سوال:...سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کونسی ہے؟

جواب:...رمضان ۱۱ھ میں انتقال ہوا۔ تاریخ معلوم نہیں۔ ولادت میں متعدّد اَقوال ہیں۔[۷]

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کتنے عرصے حیات رہیں؟

سوال:...سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخصت ہونے کے بعد کتنے عرصے تک حیات رہیں؟

جواب:...راجح قول کے مطابق چھ مہینے۔[۸]

---

(۱) ابوالعاص بن الربیع زوج زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بذل القوۃ ص:۳۰۷ السَّنَة الحادیة عشرة من الهجرة)۔

(۲) تزوّج عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رقیة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بذل القوۃ ص:۱۴)۔ وتزوّج عثمان رضی اللہ عنہ بأُمّ کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بذل القوۃ ص:۱۳۶، فصل فی حوادث السَّنَة الثالثة من الهجرة)۔

(۳) تزوّج علی بفاطمة رضی اللہ عنہا فی صفر للیال بقین منه۔ (بذل القوۃ ص:۱۳۴ السَّنَة الثالثة من الهجرة)۔

(۴) ان خدیجة بنت خویلد ولدت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القاسم والطاهر والطیّب وعبداللہ وزینب ورقیة وأُمّ کلثوم وفاطمة۔ (اُسد الغابه ج:۵ ص:۴۳۶)۔

(۵) وأما ابنه صلی اللہ علیہ وسلم ابراهیم وکان من سریته ماریة۔ (بذل القوۃ ص:۴، حوادث السَّنَة الأولیٰ من النبوّة)۔

(۶) وعبداللہ الملقب بالطیب والطاهر أیضًا (بذل القوۃ ص:۴، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج:۱ ص:۱۵۵)۔

(۷) وفیه (السنة الحادیة عشرة من الهجرة) توفیت فاطمة الزهراء رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بذل القوۃ ص:۳۰۴)۔ فاطمة الزهراء بنت امام المتقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ...... واختلف فی سنة مولدها فروی الواقدی عن طریق ابی جعفر الباقر قال: قال العباس: ولدت فاطمة والکعبة تبنی والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن خمس وثلاثین سنة ...... ونقل ابو عمر...... انها ولدت سنة احدیٰ وأربعین من مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... وقال الواقدی توفیت فاطمة لیلة الثلثاء لثلاث خلون من شهر رمضان سنة احدی عشرة۔ (الإصابة فی تمییز الصحابة ج:۴ ص:۳۷۷ تا ۳۸۰، کتاب النساء، حرف الفاء، طبع بیروت)۔

(۸) وتوفیت (أی فاطمة) بعده علیه الصلوٰة والسلام بستة أشهر۔ (شرح فقه اکبر ص:۱۳۳)۔

حضرت فاطمہؓ کی اولادِ گرامی کو ہی ’’سیّد‘‘ کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال:... ’’سیّد‘‘ کی حقیقت کیا ہے؟ جبکہ حضرت رُقیہؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت اُمِّ کلثومؓ کی اولاد ’’سیّد‘‘ نہیں کہلاتی۔ البتہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد ’’سیّد‘‘ کہلاتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے بھی پیدا ہوئے تھے، اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:... ’’سیّد‘‘ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادگانِ گرامی تو بچپن میں انتقال کر گئے تھے اور دیگر صاحب زادیوں کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا نہیں چلی۔[۱] اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے چلی، ان کی اولاد کو ’’سیّد‘‘ کہا جاتا ہے۔

آلِ رسول کا مصداق

سوال:... حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد کو آلِ رسول کہا جاتا ہے، حضرت بی بی فاطمہؓ کی وجہ سے، تو کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُوسری صاحبزادیوں کی اولاد کو آلِ رسول نہیں کہتے؟ حالانکہ حضرت عثمانؓ کی ازواج حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما سے بھی اولاد بہت پھیلی ہے؟

جواب:... یہ عزت حضرت فاطمہؓ کی خصوصیت تھی کہ ان کی اولاد آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلائی، دُوسری صاحبزادیوں سے نسل چلی نہیں۔[۲]

سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت ووفات

سوال:... سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کونسی ہے؟

جواب:... شعبان ۹ھ میں انتقال ہوا، تاریخ معلوم نہیں۔[۳]

سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت ووفات

سوال:... سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کونسی ہے؟

جواب:... ۱۲ر رمضان ۲ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے نکلے تھے، حضرت رُقیہ اس وقت بیمار تھیں، ۱۷ر رمضان کو جنگِ بدر ہوئی، فتحِ بدر کی خوشخبری لے کر جس دن حضرت زید رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے، اس دن حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا

---

(۱) وقد ولدت لعلی حسنًا وحُسَیْنًا سیّدا شباب أهل الجنّة کما ثبت فی السُّنّة ومحسنًا فمات محسن صغیرًا .... ولم یکن لرسول الله صلی الله علیه وسلم عقب إلّا من ابنته فاطمة فانتشر نسله الشریف منها، فقط من جهة السبطین أعنی الحسنین. (شرح فقه الأکبر ص:۱۳۳ طبع مجتبائی دهلی).

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) وفیها (أی السنة التاسعة من الهجرة) فی شعبان ماتت أُمّ کلثوم بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم ورضی الله عنها عند عثمان. (بذل القوة ص:۲۶۳).

کے دفن سے فارغ ہوچکے تھے۔ ان کی عمر ۲۱ سال ہوئی، اور تاریخِ وفات ۱۹ رمضان ۲ھ ہے۔ (۱)

کیا سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا شوہر مسلمان تھا؟

سوال:... سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جس سے نکاح ہوا تھا، کیا وہ مسلمان تھا؟

جواب:... حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا، عقد کے وقت تو وہ مسلمان نہیں تھے (اس وقت غیرمسلموں سے عقد کی ممانعت نہیں آئی تھی)، جنگِ بدر کے بعد وہ مسلمان ہوکر مدینہ ہجرت کر آئے تھے۔ (۲)

حضرت اُمِّ ہانی کون تھیں؟

سوال:... اُمِّ ہانی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا رشتہ تھا؟ اُمِّ ہانی جن کے گھر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے، اُمِّ ہانی کا نسب نامہ کیا ہے؟ جواب تفصیل سے دیں۔

جواب:... اُمِّ ہانی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن تھیں۔ (۳)

حضرت خدیجہؓ کی تاریخِ ولادت ووفات

سوال:... اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کونسی ہے؟

جواب:... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات رمضان المبارک سن ۱۰ نبوی میں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ برس بڑی تھیں۔ (۴)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر

سوال:... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی عمر تھی جب اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دُنیا سے رخصت ہوئیں؟

---

(۱) فیها (أی السنة الثانیة من الهجرة) وفاة رُقیة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم، زوجة عثمان بن عفان .... لأن وفاتها کانت بعد فتح غزوة بدر بیومین، فاتفق ان توفیت رُقیة رضی الله عنها یوم جاء زید بن حارثة رضی الله عنه الٰی عثمان بن عفان بالمدینة بشیرًا بفتح المسلمین .... وکان عثمان رضی الله عنه فی تلک الحال مشتغلًا بدفن رقیة وکان ذٰلک الیوم یوم احد التاسع عشر من رمضان .... وکان عمر رقیة حین وفاتها عشرون سنة أو احدیٰ وعشرون سنة۔ (بذل القوة ص:۱۱۳، ۱۱۴)۔

(۲) ابو العاص القرشی العبشمی صهر رسول الله صلی الله علیه وسلم علٰی ابنته زینب .... وقد هاجر بعد وقعة بدر ثم أسلم بعد ذٰلک .... الخ۔ (اُسد الغابة ج:۴ ص:۲۶۵، ۲۶۶)۔

(۳) أمّ هانی بنت أبی طالب .... وأخت علی بن أبی طالب .... الخ۔ (اُسد الغابة ج:۵ ص:۶۲۴)۔

(۴) توفیت (خدیجة) قبل الهجرة بثلاث سنین، وهٰذا هو الصواب .... وکان موتها فی رمضان۔ قیل: کان عمرها خمسًا وستین سنةً۔ (اُسد الغابة ج:۵ ص:۴۳۹ طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

جواب:... پچاس برس۔[۱]

حضرت عائشہؓ کی وفات کیسے ہوئی؟ اور کہاں مدفون ہوئیں؟

سوال:... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی مقدس ہستی ہیں، اُن کو قتل کیا گیا تھا، بتائیں کہ اُن کو کس نے قتل کیا؟ اُس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ اور اُن کی قبرِ مبارک کہاں واقع ہے؟

جواب:... ان کو قتل نہیں کیا گیا، جو قصہ ذکر کیا جاتا ہے، وہ غلط ہے۔ بقیع میں دفن ہیں۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کب شادی کی؟

سوال:... کیا اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیات تھیں جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المؤمنین مریمِ اسلام حبیبۂ حبیبِ خدا سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی فرمائی تھی؟

جواب:... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد۔[۳]

حضرت عائشہؓ کی عمر پر اِعتراض کا جواب

سوال:... اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ نکاح چھ سال اور بوقتِ رُخصتی نو سال تھی، جبکہ اِمام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی ہے، اور آج تک ہم نے بھی یہی پڑھا اور سنا ہے، اور اکابرینِ اُمت کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ لیکن ہمارے شہر سرگودھا کے ایک بزرگ جو کہ اس وقت دُنیا سے رُخصت ہوچکے ہیں، انہوں نے ایک کتاب "کشف الغمّة عن تاریخ أُمّ الأُمّة" دو جلدوں میں لکھی ہے، جس میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ نکاح ۲۸ سال تھی۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ پہلا قول صحیح ہے یا کہ دُوسرا؟

جواب:... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر جو صحیح بخاری میں لکھی ہے، حدیث، تفسیر اور تاریخ کی تمام کتابوں میں یہی عمر لکھی ہے، اور یہی صحیح ہے، اور اسی پر ہمارا اِیمان ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مجہول آدمی کے کہنے سے اپنے ایمان کو برباد کرنا چاہتا ہے تو شوق سے کرلے، مرنے کے بعد پتا چل جائے گا...![۴]

---

(۱) وكان موتها قبل الهجرة بثلاث سنين. (أُسد الغابة في معرفة الصحابة ج:۱ ص:۱۹، طبع دار إحياء التراث العربي). وأيضًا توفيت خديجة الكبرىٰ زوجة النبي صلى الله عليه وسلم ورضي عنها وهي بنت خمس وستين سنة وكانت مدة مقامها مع النبي صلى الله عليه وسلم خمسًا وعشرين سنة. (بذل القوة ص:۲۹، فصل في حوادث السَّنَة التاسعة من النبوّة).

(۲) عائشة بنت أبي بكر الصديق .... وأمرتُ أن تُدفن بالبقيع ليلًا فدفنت .... الخ. (أُسد الغابة ج:۵ ص:۵۰۴، طبع دار النشر والتوزيع).

(۳) أُمّ المؤمنين عائشة بنت أبي بكر وزوجة رسول الله صلى الله عليه وسلم .... تزوّجها بمكة بعد وفاة خديجة. (البداية والنهاية ج:۸ ص:۹۱ طبع بيروت).

(۴) عن عائشة ...... أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين وادخلت عليه وهي بنت تسع. (بخاري ج:۲ ص:۷۷۱، باب انكاح الرجل ولده الصغار، فتح الباري ج:۹ ص:۱۹۰ طبع دار نشر الكتب الإسلامية لاهور).

رُخصتی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال تھی

سوال:...کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کے وقت عمر کیا تھی؟ کیا اس میں اختلاف ہے کہ آپ کی عمر ۹ سال سے زیادہ تقریباً ۱۲ سال تک تھی؟ کیا کسی حدیث سے اس قسم کا ثبوت ہے؟ اگر ہے تو اس حدیث کی کیا حیثیت ہے؟ نیز اس بارے میں علماء حضرات کا اجتماعی موقف کیا ہے؟

جواب:...رُخصتی کے وقت حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر نو سال کی تھی۔ اس کی تصریح مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے:

۱-صحیح بخاری: ج:۲ ص:۷۷۵۔ ۲-صحیح مسلم: ج:۱ ص:۴۵۶۔ ۳-ابوداوٴد: ج:۱ ص:۲۸۹۔ ۴-ترمذی: ج:۱ ص:۱۳۲۔ ۵-نسائی: ج:۲ ص:۹۱۔ ۶-ابنِ ماجہ: ص:۱۳۵۔ ۷-دارمی: ج:۲ ص:۸۲۔ ۸-مسندِ احمد: ج:۶ ص:۴۲، ۱۱۸، ۲۱۱، ۲۸۰۔ ۹-طبقات ابنِ سعد: ج:۸ ص:۴۰، ۴۴، ۵۴۔ ۱۰-الاصابہ: ج:۴ ص:۳۵۹۔ ۱۱-الاستیعاب برحاشیہ اصابہ: ج:۴ ص:۳۵۹۔

کیا نو سال کی عمر میں کوئی لڑکی بالغ ہوسکتی ہے؟

سوال:...عورت کے بالغ ہونے کی کم از کم کتنی مدّت ہے؟ بعض لوگ حضرت عائشہؓ کی نو سال کی رُخصتی پر اِعتراض کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

جواب:...یہ صرف ملحدین اور منکرینِ حدیث کی اُڑائی ہوئی بات ہے، ورنہ لڑکی نو سال کی بالغ ہوسکتی ہے، (۱) اس سلسلے میں روزنامہ ”جنگ“ کی خبر ملاحظہ ہو:

> ”برازیل میں ایک ۹ سالہ لڑکی گزشتہ ماہ ایک بچی کو جنم دے کر دُنیا کی کمسن ترین ماں بن گئی۔ اخبار ڈیلی مرر نے بدھ کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ ماریا ایلاینی جینز نے ۲۵/مارچ کو شمالی برازیل کے قصبہ ژاکوئی میں آپریشن کے ذریعے بچی کو جنم دیا، نوزائیدہ بچی کے باپ کی عمر ۱۶ برس بتائی جاتی ہے۔ ماریا ایلاینی کی خود کی ماں اسے جنم دینے کے بعد مرگئی تھی جس کے بعد سے ایک ۶۲ سالہ بے زمین کاشتکار نے اس کی کفالت کی۔ مرر نے کمسن ماں اور اس کی نوزائیدہ بچی کی تصویر بھی شائع کی ہے۔“
>
> (روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۱۰/اپریل ۱۹۸۶ء ص:۱۰)

۱۶/اپریل کے اخبارات میں اس ”کمسن ماں“ اور اس کی نومولود بچی کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں۔ خیال ہے کہ برازیل کے اخبار ”ڈیلی مرر“ کے حوالے سے یہ عجیب وغریب خبر دُنیا بھر کے اخبارات میں شائع ہوئی ہوگی۔ ماریا ایلاینی کا دُنیا کی سب سے ”کمسن ماں“ بن جانا بلاشبہ ایک اعجوبہ ہے، لیکن یہ واقعہ خود کتنا ہی عجیب وغریب ہو، چونکہ وجود اور مشاہدے میں آچکا ہے اس لئے کوئی

(۱) وأدنی المدة لذٰلک فی حق الغلام اثنا عشرة سنة وفی حق الجاریة تسع سنین۔ (ھدایة ج:۳ ص:۳۵۶)۔

عاقل یہ کہہ کر اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟

صحیح بخاری شریف اور حدیث وسیر اور تاریخ کی تمام کتابوں میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رُخصتی کا واقعہ خود اُمّ المؤمنینؓ ہی کی زبانی یوں منقول ہے:

''اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَھَا وَھِیَ بِنْتُ سِتِّ سِنِیْنَ، وَاُدْخِلَتْ عَلَیْہِ وَھِیَ بِنْتُ تِسْعٍ، وَمَکَثَتْ عِنْدَہٗ تِسْعًا۔'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۷۱)

ترجمہ:... ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد کیا جب وہ چھ سال کی تھیں، اور ان کی رُخصتی ہوئی جبکہ وہ نو سال کی تھیں، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نو سال رہیں۔''

فقہائے اُمت نے اس حدیث سے متعدّد مسائل اخذ کئے ہیں، مثلاً ایک یہ کہ والد اپنی نابالغ اولاد لڑکی، لڑکے کا نکاح کرسکتا ہے، چنانچہ اِمام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر باب باندھا ہے: ''باب انکاح الرجل ولدہ الصغار'' یعنی آدمی کا اپنی کمسن اولاد کا نکاح کردینا۔

اس کے ذیل میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قال المھلب: اجمعوا انہ یجوز للأب تزویج ابنتہ الصغیرۃ البکر ولو کانت لَا یوطأ مثلھا، إلّا ان الطحاوی حکی عن ابن شبرمۃ منعہ فیمن لَا توطأ، وحکی ابن حزم عن ابن شبرمۃ مطلقًا ان الأب لَا یزوج بنتہ البکر الصغیرۃ حتی تبلغ، وتأذن، وزعم ان تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بنت ست سنین کان من خصائصہ۔''

(حاشیہ بخاری ص:۷۷۱، فتح الباری ج:۹ ص:۱۹۰)

ترجمہ:... ''مہلبؒ فرماتے ہیں کہ: اہلِ علم کا اس پر اِجماع ہے کہ باپ کے لئے جائز ہے کہ اپنی چھوٹی کنواری بیٹی کا عقد کردے، اگرچہ وہ وظیفۂ زوجیت کے لائق نہ ہو۔ البتہ اِمام طحاویؒ نے ابنِ شبرمہؒ سے نقل کیا ہے کہ جو لڑکی وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں، باپ اس کا نکاح نہیں کرسکتا، اور ابنِ حزمؒ نے ابنِ شبرمہؒ سے نقل کیا ہے کہ باپ چھوٹی بچی کا نکاح نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، اور اجازت دیدے، ابنِ شبرمہؒ کا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ کا چھ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کیا جانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔''

گویا اُمت کے تمام فقہاء و محدثین، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعے کو تسلیم کرتے ہیں، اور اس پر اَحکام کی تفریع کرتے ہیں، چودہ صدیوں کے کسی عالم نے اس واقعے کا انکار نہیں کیا، لیکن منکرینِ حدیث اور ملاحدہ اس واقعے کا (جو حدیث، سیرت، تاریخ اور فقہ کی بے شمار کتابوں میں درج اور چودہ صدیوں کی پوری اُمت کا مُسلّمہ واقعہ ہے) انکار کرتے ہیں، اور انکار کی دلیل صرف یہ کہ نو سال کی بچی کی رُخصتی کیسے ہوسکتی ہے؟ حالانکہ نو سال کی لڑکی بالغ ہوسکتی ہے، چنانچہ ''ہدایہ'' میں ہے:

وأدنى المدة لذٰلک فی حق الغلام اثنا عشرة سنة، وفی حق الجارية تسع سنين۔''

(ج:۳ ص:۳۵۶)

ترجمہ:...'' بلوغ کی ادنیٰ مدّت لڑکے کے حق میں بارہ سال اور لڑکی کے حق میں نو سال ہے۔''

بہرحال یہاں اس مسئلے پر گفتگو مقصود نہیں، بلکہ کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی عجیب واقعہ اخبارات میں چھپتا ہے تو ہمارے پڑھے لکھے، روشن خیال حضرات کو نہ کوئی اِشکال ہوتا ہے، اور نہ اس کے تسلیم کرنے میں کوئی جھجک محسوس ہوتی ہے، اور نہ کسی کو اِنکار کی جرأت ہوتی ہے، اور اگر کوئی ایسے واقعے کا انکار کردے تو ہمارا روشن خیال طبقہ اس کو اَحمق کہتا ہے۔ لیکن اسی نوعیت کا بلکہ اس سے بھی ہلکی نوعیت کا کوئی واقعہ حدیث کی کتابوں میں نظر آجاتا ہے تو اس کا فوراً اِنکار کردیا جاتا ہے، اس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، احادیث اور محدثین پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کردی جاتی ہے، اور غریب مُلّا کو پیٹ بھر کر گالیاں دی جاتی ہیں، اور کبھی کبھی ازراہِ ہمدردی کتبِ حدیث کی ''اصلاح'' کا اعلان کردیا جاتا ہے، اور ایک دہائی بڑھا کر ''چھ'' کو ''سولہ'' اور ''نو'' کو ''اُنیس'' بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اتنی تمیز سے بھی کام نہیں لیا جاتا کہ جس طرح اُردو میں ''چھ'' کا اِملا ''سولہ'' کے ساتھ اور ''نو'' کا ''اُنیس'' کے ساتھ نہیں ہوسکتا، اسی طرح عربی میں یہ ناممکن ہے۔

سوال یہ ہے کہ اخبارات میں درج شدہ واقعات کو بلاچوں و چرا مان لینا، اور اسی نوعیت کے حدیث میں درج شدہ واقعات پر سوسو طرح کے شبہات ظاہر کرنا، اس کا اصل منشا کیا ہے؟ اس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ رسالت و نبوّت پر اِیمان نہیں اور ان کے دِل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال اور افعال کی عظمت نہیں، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے خارقِ عادت واقعات کا بڑی جرأت و دلیری سے انکار کردیتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے ہار گم ہونے کے واقعے کا منکر، ملحد ہے

سوال:... میں نے آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہونے کے واقعے کی تردید کی ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ اس کے بارے میں آنجناب کی تحقیق کیا ہے؟

جواب:... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے کا واقعہ صحیح بخاری اور دُوسری احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے، اور آیتِ تیمّم کا شانِ نزول بھی یہی واقعہ ہے۔[1] اندریں صورت کوئی خوش عقیدہ مسلمان ایسے صحیح واقعات سے کیونکر منکر ہوسکتا ہے؟ اس لئے جناب نے میرے بارے میں جو کچھ کہا، وہ غلط کہا۔ جو شخص ایسے صحیح واقعات کا منکر ہو، میں اس کو ملحد سمجھتا ہوں، اور میری تو ساری زندگی ان ملحدین سے لڑتے ہوئے گزری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نیکی عطا فرمائے، اور مجھے بھی اور آپ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واقتدا نصیب فرمائے۔

---

(۱) عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت: خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض أسفاره، حتّٰی اذا کنا بالبیداء أو بذات الجیش انقطع عقد لی، فأقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسه ..... فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین أصبح علٰی غیر ماء، فأنزل اللہ عزّ وجلّ آیة التیمّم ..... الخ. (صحیح بخاری ج:۱ ص:۴۸)۔

"اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْلٌ" کی تشریح

سوال:... "الصحابة كلهم عدول"، "أصحابى كالنجوم" کیا یہ اَحادیث کے اَقوال ہیں؟ لیکن حدیث تو مستند ہے کہ: "کچھ لوگ حوضِ کوثر پر آئیں گے، فرشتے انہیں روکیں گے، میں کہوں گا یہ میرے اصحاب ہیں، جواب ملے گا: تمہیں نہیں معلوم انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا؟" اس حدیث شریف سے تمام صحابہ کا عدول ہونا بظاہر ثابت نہیں ہوتا (یہ ایک اِشکال ہے صرف)، اسی طرح یہ حدیث شریف کہ جس صحابی کی اقتداء کروگے ہدایت پاؤ گے۔ تو اگر کوئی کہے کہ میں تو عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کی اقتدا کرتا ہوں اور معاملات میں انصاف نہ کرے اور حوالہ دے ان کے واقعات کا، مثلاً عمرو بن العاصؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو کیا جبکہ دونوں صفین میں حَکَم بنائے گئے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتدا جس سے ہدایت ملے وہ صحابہ کرامؓ کے عقیدے اور رُسوخِ ایمان کی ہے جس کی مثال مشکل ہے، ان کے اعمال، عادات واطوار کی اقتدا مراد نہیں؟

جواب:... "أصحابى كالنجوم" کا مضمون صحیح ہے، مگر بایں الفاظ، حدیث صحیح سند سے ثابت نہیں۔[۱] صحابہ کرامؓ کے افعال دو قسم کے ہیں: بعض تو اِتباعِ نصوص کی وجہ سے اور بعض بنا بر اِجتہاد۔ پھر اِجتہادی اُمور بھی دو قسم کے ہیں: ایک وہ جن پر کسی ایک فریق کا صواب یا خطا پر ہونا ظنِ غالب سے متعین نہیں ہوا، ایسے اِجتہادی اُمور میں مجتہد کے لئے کسی ایک قول کا اختیار کرلینا صحیح ہے جو مجتہد کے نزدیک ترجیح رکھتا ہو۔ اور دُوسری قسم وہ ہے کہ ایک فریق کا خطا پر ہونا ظنِ غالب سے ثابت ہوجائے، ایسے اقوال و افعال میں مخطی کا اِتباع نہیں کیا جائے گا، البتہ ان کو اپنے اجتہاد کی بنا پر معذور بلکہ ماْجور قرار دیا جائے گا، اس لئے: "بأيهم اقتديتم اهتديتم" کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا جائے گا کہ ان کا خطا پر ہونا غلبۂ ظن سے ثابت نہ ہو، البتہ یوں کہا جائے گا کہ انہوں نے بھی اِتباعِ ہدایت کا قصد کیا، لہٰذا ان پر ملامت نہیں۔ جہاں تک "الصحابة كلّهم عدول" کا تعلق ہے یہ بھی حدیث نہیں بلکہ اہلِ سنت کا قاعدۂ مُسلّمہ ہے اور ان اکابر کے "كلّهم عدول" ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ معصوم تھے، جس ہدایت کو ہم صحابہ کرامؓ سے منسوب کرتے ہیں وہ دو چیزیں ہیں: ایک: یہ کہ وہ کبائر سے پرہیز کرتے تھے اور ان کے نفوسِ طیبہ میں اجتناب عن الکبائر کا ملکہ راسخ ہوچکا تھا، دوم: یہ کہ اگر کسی سے بتقاضائے بشریت احیاناً کسی کبیرہ کا شاذ و نادر کبھی صدور ہوا تو انہوں نے فوراً اس سے توبہ کرلی اور بہ برکت صحبتِ نبوی ان کے نفوس اس گناہ کے رنگ سے رنگین نہیں ہوئے اور: "التائب من الذنب كمن لّا ذنب له" ارشادِ نبوی ہے، اس لئے ان ارتکابِ کبیرہ کے باوجود توبہ کی وجہ سے عادل رہے، فاسق نہیں ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ اور دیگر اکابر نے اس پر طویل گفتگو فرمائی ہے، میں نے خلاصہ لکھ دیا جو حلِ اِشکال کے لئے اِن شاء اللہ کافی ہے۔[۲]

---

(۱) واما ما يروى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "أصحابى كالنُّجوم، بأيهم اقتديتم اهتديتم" فهو حديث ضعيف، قال البزار: هٰذا حديث لَا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وليس هو فى كتب الحديث المعتمدة. (شرح عقيدة الطحاوية ص:۵۳۰، وايضاً مرقاة شرح مشكوٰة ج:۵ ص:۵۲۳).

(۲) ولَا نذكر الصحابة اى مجتمعين ومنفردين ..... اِلّا بخير، يعنى وان صدر من بعضهم بعض ما فى صورة شرّ، فانه اما كان عن اجتهاد أو لم يكن علٰى وجه فساد من اصرار وعناد بل كان رجوعهم عنه الٰى خير معاد بناء علٰى حسن الظن بهم، لقوله عليه الصلٰوة والسلام: خير القرون قرنى! ولقوله عليه الصلٰوة والسلام: اذا ذكر أصحابى فامسكوا! ولذٰلك ذهب جمهور العلماء الٰى ان الصحابة كلهم عدول، قبل فتنة عثمان وعلىّ وكذا بعدها. (شرح فقه الأكبر ص:۸۵، ۸۶).

صحابہ کرامؓ نجومِ ہدایت ہیں

سوال:... "أصحابی کالنجوم" اور "الصحابة کلھم عدول" آپ نے فرمایا کہ دونوں اقوال حدیث شریف کے نہیں، اگر ایسا ہے تو کوئی اشکال نہیں، اگر حدیث شریف ہے تو درایت پر پوری نہیں اترتی، اس لئے کہ بہت سے صحابہؓ سے بڑی بڑی لغزشیں ہوئیں، جیسے حضرت امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبیداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن ابی سرحؓ وغیرہ۔

جواب:... "الصحابة کلھم عدول" حدیث تو نہیں، لیکن اہلِ حق کا مُسلّمہ عقیدہ ہے،[۱] اور اکابر کی تقلید میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بلا استثنا نجومِ ہدایت تھے، اور سب کے سب عادل تھے، لیکن آنجناب نے عدل کے معنی عصمت کے سمجھے ہیں۔ صحابہ کرامؓ عادل تھے، معصوم نہ تھے، اور عدل کے معنی ہیں: عمداً ارتکاب کبائر سے اور اصرار علی الصغائر سے بچنا اور اگر احیاناً معاصی کا صدور ہوجائے تو فوراً توبہ کرلینا۔[۲]

جن صحابہ کرامؓ کا نام لے کر آپ نے فرمایا ہے کہ ان سے بڑی بڑی لغزشیں ہوئیں، ان میں سے کون سی غلطی ایسی ہے جس کی معافی کا اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوچکا ہو؟ اور وہ "کُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰی" کے وعدۂ خداوندی سے مستثنیٰ ہوں، ابن ابی سرحؓ مرتد ہوکر مسلمان ہوگئے تھے،[۳] اس کے بعد ان سے کون سی غلطیاں ہوئیں؟ حضرت عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور امیر معاویہؓ نے جو کچھ کیا وہ ان کی اِجتہادی غلطی تھی اور آنجناب کو معلوم ہے کہ اِجتہادی لغزش تو عصمت کے بھی منافی نہیں، چہ جائیکہ عدل کے منافی ہو۔ قرآنِ کریم میں نبی معصوم کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی" اس میں عصیان اور غوایت کی نسبت کی گئی ہے، مگر یہ فعل اِجتہاداً تھا، اس لئے یہ عصیان بھی صورتاً ہوا نہ حقیقتاً،[۴] اسی طرح صحابہ کرامؓ کی جن جن بڑی غلطیوں کا آپ ذکر کررہے

---

(۱) ولَا نذکر الصحابة ای مجتمعین ومنفردین ..... اِلّا بخیر، یعنی وان صدر من بعضھم بعض ما فی صورة شرّ، فانه اما کان عن اجتھاد ولم یکن علٰی وجه فساد من اصرار وعناد، بل کان رجوعھم عنه الٰی خیر معاد، بناء علٰی حسن الظن بھم، لقوله علیه الصلٰوة والسلام: خیر القرون قرنی! ولقوله علیه الصلٰوة والسلام: اذا ذکر أصحابی فامسکوا! ولذٰلک ذھب جمھور العلماء الٰی ان الصحابة کلھم عدول، قبل فتنة عثمان وعلیّ وکذا بعدھا، ولقوله علیه الصلٰوة والسلام: أصحابی کالنجوم بأیّھم اقتدیتم اھتدیتم! رواہ الدارمی۔ (شرح فقه الأکبر ص:۸۵، ۸۶)۔

(۲) قوله العدل قال فی الذخیرة: وأحسن ما قیل فی تفسیر العدالة: أن یکون مجتنبًا للکبائر، ولَا یکون مُصرًّا علی الصغائر، ویکون صلاحه اکثر من خطئه۔ (فتاویٰ شامی کتاب الشھادات ج:۵ ص:۴۶۵)۔ وأیضًا: إن ھٰذه الآثار المرویة فی مساویھم منھا ما ھو کذب، ومنھا ما قد زید فیه ونقص وغیر وجھه والصحیح منه ھم فیه معذورون، اما مجتھدون مصیبون واما مجتھدون مخطئون، وھم مع ذٰلک لَا یعتقدون أن کل واحد من الصحابة معصوم من کبائر الْاِثم وصغائره بل یجوز علیھم الذنوب فی الجملة، ولھم من الفضائل والسوابق ما یوجب مغفرته ما یصدر منھم إن صدر۔ (الروضة الندیة شرح العقیدة الواسطیة ص:۴۴۹، طبع ریاض، وأیضًا الصواعق المحرقة ص: ۱۲۹ طبع مصطفی البابی مصر)۔

(۳) وأسلم ذٰلک الیوم فحسن اسلامه ولم یظھر منه بعد ذٰلک ما ینکر علیه وھو أحد العقلاء الکرماء من قریش۔ (اُسد الغابة ج:۳ ص:۱۷۳، الْاِصابة فی تمییز الصحابة ج:۲ ص:۳۱۷ طبع بیروت)۔

(۴) البحث الثانی ..... أو لم نجد له عزمًا علی الْاِحتیاط فی کیفیة الْاِجتھاد اذا قلنا انه علیه السلام انما أخطأ بالْاِجتھاد۔ (التفسیر الکبیر ج:۲۲ ص:۱۲۴ طبع بیروت)۔

ہیں وہ بھی اِجتہاداً تھیں جن پر وہ ماجور ہیں نہ کہ مازور۔(۱) خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے جو کچھ کیا اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رضائے الٰہی کے لئے کیا، اگر کسی کا اجتہاد خطا کر گیا تب بھی وہ نہ لائقِ ملامت ہے اور نہ اس کی اجتہادی خطا کو حقیقتاً غلطی کہنا صحیح ہے، نہ ان کے اجتہادی غلطی عدل کے منافی ہے اور نہ ان کے نجومِ ہدایت ہونے کے خلاف ہے۔

سوءِ ادب کی بو آتی ہے

سوال:... صحابہ کرامؓ سے محبت رکھنا، عزت وعقیدت سے ان کا ذکر کرنا بندہ کا بھی جزوِ ایمان ہے، بلکہ اکثر اس میں غلو بھی ہوجاتا ہے۔ میرا سوال صرف یہ تھا کہ یہ جو قول ہے کہ جس کی اقتداء کروگے، ہدایت پاوٴگے۔ تو یہ اقتداء میں نے عرض کیا تھا کہ ان کے عقائد اور ایمان کی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں جتنا ان کو رسوخ تھا اس کی مثال مشکل ہے، مگر ان کے اعمال میں اقتداء کا حکم نہیں ہے، مجھے خوشی ہے کہ میرے اس قول میں امام مزنیؒ کا قول بھی تائید میں ملا ہے، أصحابی کالنجوم کی شرح میں فرماتے ہیں:

”اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ روایتِ دین میں تمام صحابی ثقہ اور معتبر ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی معنی میرے نزدیک درست نہیں، کیونکہ اگر خود صحابہؓ اپنی رائے کو ہمیشہ صائب اور غلطی سے مبرا سمجھتے ہوتے تو نہ آپس میں ایک دُوسرے کی تغلیط کرتے اور نہ اپنے کسی قول سے رجوع کرتے، حالانکہ بے شمار موقعوں پر وہ ایسا کرچکے ہیں۔“

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! بس یہی مراد تھی، اور یہ میرے اس قول کا مطلب ہے کہ اقتداء صحابہ کرامؓ کے عقائد اور ایمان کی معلوم ہوتی ہے، ان کے اعمال، عادات واطوار کی نہیں، آپ اس سے کہاں تک متفق ہیں؟

جواب:... آپ نے حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے متعلق جو الفاظ لکھے تھے، ان سے کچھ سوءِ ادب کی بو آتی ہے۔ عقائد وایمان تو سب کا ایک ہی تھا اور بیشتر اعمال بھی، اور بعض اعمال میں اجتہادی اختلاف بھی تھا، تاہم ”جس کی اقتداء کروگے ہدایت پاوٴگے“ کا یہی مصداق ہے، یعنی سب اپنی جگہ حق وہدایت پر ہیں،(۲) جیسا کہ ائمہ اربعہؒ کے بارے میں اہلِ سنت قائل ہیں کہ وہ سب برحق ہیں، ان کا ایک دُوسرے کی تردید وتغلیط کرنا بھی بنابر اِجتہاد ہے، ہر مجتہد اپنی رائے صائب اور غلطی سے مبرا سمجھتا ہے مگر ظناً۔(۳)

---

(۱) عن عمرو بن العاص، انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران، واذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر. (صحيح بخاری ج:۲ ص:۱۰۹۲، باب أجر الحاكم اذا اجتهد فأصاب أو أخطأ). وهٰذا هو مذهب أهل السُّنَّة والجماعة ان عليًّا هو المصيب وإن كان معاوية مجتهدًا وهو مأجور إن شاء الله. (البداية والنهاية ج:۷ ص:۲۷۹).

(۲) گزشتہ صفحہ حوالہ نمبر ۱، ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) وانما النزاع بين الناس فى أحكام الفروع، وإليك مجمل الآراء: الأوّل: أن الحق واحد، فإن أصابه كان له أجران، وإن أخطأه كان معذورًا مأجورًا، وهٰذا مذهب جمهور الفقهاء ومختار عامة المحققين. (نظرية الْإجتهاد فى الشريعة الْإسلامية ص:۵۵، الفصل الحادى عشر، المصيب فى الْإجتهاد، طبع دار الشروق. وأيضًا فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۶۱۴ طبع لكهنؤ).

صحابہؓ کے بارے میں تاریخی رطب ویابس کو نقل کرنا سوءِ ادب ہے

سوال:... آپ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو الفاظ بندے نے لکھے تھے ان سے سوءِ ادب کی بو آتی ہے۔ حق تعالیٰ سوءِ ادب سے محفوظ رکھے، صحابہؓ تو بہت بڑے مرتبوں کے مالک ہیں، بندہ تو ایک فاجر و فاسق مسلمان کی ذات کو بھی عزّت کی نظر سے دیکھتا ہے، اس پر بندے کے کچھ اَشعار سماعت فرمائیں:

ہر مسلمان کو محبت ہے رسول اللہ سے
ہر مسلمان کو رسول اللہ کی نسبت سے دیکھ

ہر مسلمان محترم تجھ کو نظر آئے گا پھر
جب بھی دیکھے تو مسلمان کو اسی نسبت سے دیکھ

اس سے آگے بھی ایک ادب ہے، جو خالق و مخلوق کی نسبت سے ہے:

وہ شرابی ہو کہ زانی فعل مطلق ہے بُرا
فعل کی تحقیر کر، پر ذات کو عزّت سے دیکھ

پھر بندے کی نظر میں اس سے بھی آگے اک ادب ہے:

کنبہ سب خالق کا ہے مخلوق ہے جتنی یہاں
کیا نصاریٰ کیا مسلمان سب کو تو عزّت سے دیکھ

میرے یہ اَشعار عام مخلوقِ خدا کے بارے میں ہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادب کا اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے، کسی واقعے کو جو متفق علیہ ہو تاریخ سے یا حدیث سے نقل کرنا مجھ ناچیز کے خیال میں تو سوءِ ادب میں نہیں آتا، کیونکہ اس کے مرتکب تو سیکڑوں مؤرخین، مفسرین، محدثین اور علماء و فضلاء ہوئے ہیں، پھر تو وہ سب بے ادب ٹھہرتے ہیں؟

اگر آپ امام مزنیؒ کے قول سے متفق ہیں تو بس وہی بندے کی مراد تھی کہ صحابہؓ کی اقتدا ان کی روایتِ دِین اور ثقاہتِ ایمان میں معلوم ہوتی ہے نہ کہ ان کے افعال و اقوال و عادات و اطوار اور ذاتی اعمال میں۔ بہت موٹی سی بات ہے کہ جب شارع علیہ السلام کے عادات و اطوار نشست و برخاست جو سُننِ زوائد کہلاتی ہیں، ان کے اِتباع کی اُمتِ مسلمہ مکلّف نہیں ہے تو اَصحابِ رسول کے عادات و اطوار اور افعال کی کیسے مکلّف ہوسکتی ہے؟ بندہ کم علم ہے اس لئے شاید اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح بیان نہیں کرسکا، آپ صاحبِ علم ہیں، یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ میری مراد کیا ہے؟

جواب:... تاریخ میں تو رطب و یابس سب کچھ بھر دیا گیا ہے، لیکن ان واقعات کو بطورِ اِستدلال نقل کرنا سوءِ ادب سے خالی نہیں، ان کے محاسن سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ کہنا کہ ان سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئیں، ہم جیسے لوگوں کے حوصلے سے بڑی بات ہے۔ امام مزنیؒ کا قول میری نظر سے نہیں گزرا، تاکہ یہ دیکھتا کہ ان کی مراد کیا ہے؟ جہاں تک صحابہ کرامؓ کی اقتدا کا مسئلہ ہے بعض

ظاہریہ تو ان کے اقوال وافعال کو حجت ہی نہیں سمجھتے، ابنِ حزم ظاہری اکثر یہ فقرہ دُہراتے رہتے ہیں: ”لَا حجة فی قول صاحب ولَا تابع“[۱]، لیکن عامۃ العلماء کے نزدیک صحابہؓ کے اقوال وافعال بھی لائقِ اقتدا ہیں، البتہ تعارضِ احوال وافعال کی صورت میں ترجیح کا اُصول چلتا ہے، جس کو مجتہدین جانتے ہیں۔[۲] بہرحال ہمارے لئے اس مسئلے پر گفتگو بے سود ہے، ہمارے لئے اتنی بات بس ہے کہ وہ حضرات لائقِ اقتدا ہیں۔[۳]

”تمام صحابہ عادل ہیں“ کا مطلب

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”صحابہ سب عادل ہیں“ کا کیا مفہوم ہے؟ کچھ احباب کا کہنا ہے کہ جو کہ اپنے خیال پر سیّد سلیمان ندویؒ کی طرف سے بھی دلائل دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ روایت کو نقل کرنے میں صحابہ عادل ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اپنے کالم میں عدالتِ صحابہؓ کی وضاحت ٹھوس دلائل سے واضح فرمائیں۔

جواب:... صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین روایت میں بھی عادل ہیں اور اپنے اعمال میں بھی۔ اُن سے اگر کوئی لغزش ہوئی تو یا تو اِجتہادی خطا ہے، جس پر وہ مأجور ہیں، یا اگر کبھی گناہ ہوا، تو انہوں نے اس سے فوراً توبہ کرلی، اور ایسا گناہ جس کے بعد فوراً توبہ کرلی جائے عدالت کے منافی نہیں۔ بہرحال ان کی تقلید کا، اور ان پر تنقید نہ کرنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہیں، وہ اہلِ سنت سے نہیں ہیں۔[۴]

صحابہؓ کی غلطیوں کو بیان کرنا اور تحریر کرنا کیسا ہے؟

سوال:... بعض تعلیم یافتہ حضرات کی طرف سے بڑی معقولیت کے انداز میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب صحابہ کرامؓ سے غلطیاں اور گناہ سرزد ہوئے ہیں جو ایک تاریخی حقیقت ہے، تو ان کو بیان کرنے اور بذریعہ تحریر ظاہر کرنے میں کوئی قباحت نہیں، یہ حضرات معصوم تو نہیں تھے۔ براہِ کرم روایتاً ودرایتاً تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں تاکہ اسے احسن انداز میں شائع کرکے اہلِ ایمان کے

---

(۱) فلا حجة فی أحد دون رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (ج:۱ ص:۵۱) أنه لَا حجة فی عمل أحد دون رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم۔ (ج:۱ ص:۵۵ المحلّٰی لِابن حزم، طبع بيروت)۔

(۲) اعلم ان الترجيح ..... هو بيان الرجحان فی القوة لأحد المتعارضين على الآخر، وتقديم الراجح على المرجوح، وهو المعقول، وعليه انعقد الإجماع۔ (تسهيل الوصول الیٰ علم الأُصول ص:۲۴۰، بحث المرجحات)۔

(۳) عن العرباض بن سارية قال: قام رسول الله صلى الله عليه وسلم .... فقال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن كان عبدًا حبشيًّا فإنه من يعش منكم بعدی فسيرى اختلافًا كثيرًا فعليكم بسُنّتی وسُنَّة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسّكوا بها وعضّوا عليها بالنواجذ ...إلخ۔ (مشكٰوة ص:۳۰، باب الإعتصام بالكتاب والسُّنَّة، الفصل الثانی)۔

(۴) ولَا نذكر الصحابة ... وفی نسخة ... ولَا نذكر أحدًا من أصحاب رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم اِلّا بخير، يعنی وان صدر من بعضهم بعض ما فی صورة شرٍّ، فانه امّا كان عن إجتهاد، أو لم يكن علیٰ وجه فساد من اصرار وعناد، بل كان رجوعهم عنه الی خير معاد بناءً علیٰ حسن الظن بهم لقوله عليه الصلوٰة والسلام: ”خير القرون قرنی“ ولقولهٖ عليه الصلوٰة والسلام: ”اذا ذكر أصحابی فأمسكوا“ .... الخ۔ (شرح فقه اكبر ص:۸۵، أيضًا مكتوبات امام ربانی ص:۸۸، ۸۹ مكتوب:۲۶ دفتر دوم)۔

شبہات دُور کئے جائیں۔

جواب:... سوال میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جو کہا گیا ہے کہ وہ معصوم نہیں تھے، ان سے غلطیاں اور گناہ سرزد ہوئے، یہ دو مقدمے صحیح ہیں۔ لیکن دو مقدمے اور بھی ہیں، ایک یہ کہ ان کے بہت سے افعال جن کو غلطی اور گناہ تصوّر کیا جاتا ہے، تأویل پر مبنی تھے۔ جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اَکلِ شجرہ تأویل پر مبنی تھا، اور یہ عصمت کے بھی منافی نہیں، چہ جائیکہ عدالت کے منافی ہو۔ دوم یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے بہ برکتِ صحبتِ نبوی ان کے قصوروں کو معاف کرکے ان کو "رضی اللہ عنہم" کے تاجِ کرامت سے سرفراز فرمایا۔ اور جس قصور کی معافی کا اعلان کردیا گیا ہو، اس کا طعنہ دینا دائرۂ شرافت سے خارج ہے۔ اس لئے ان نام نہاد عیوب کو تقریراً یا تحریراً بیان کرنا اور اس سے ان اکابر پر طعن کا قصد کرنا، شرافت سے بعید اور کمینگی کی حدود میں داخل ہے۔ اُمید ہے کہ یہ اِختصار، اِختصارِ مخل نہیں ہوگا۔ (۱)

یہ حبِ صحابہؓ نہیں جہالت ہے!

سوال:... آپ کے ہفت روزہ ختم نبوّت شمارہ ۳۰، جلد ۶، صفحہ ۹ پر حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی تحریر میں ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ ظالم لکھا گیا ہے، کیا یہ سہو ہوا ہے؟ یا عمداً؟ اس لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے کہ ختمِ نبوّت جماعت میں وہ کون سے لوگ ہیں جو صحابہ کرامؓ کے دُشمن ہیں؟ تاکہ ان کا بندوبست کیا جائے۔

جواب:... مکتوب الیہم کی فہرست میں آنجناب نے اَزراہِ ذرّہ نوازی اس ناکارہ کا نام بھی درج فرمایا ہے، بلاتواضع عرض کرتا ہوں کہ یہ ہیچ مداں اس لائق نہیں کہ اس کا شمار... واللہ ثم واللہ... علماء میں کیا جائے، یہ ناکارہ علمائے ربانیین کا تابع مہمل اور زلّہ بار رہا ہے، اور بس۔ ہمارے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

بہرحال یہ ناکارہ اس ذرّہ نوازی پر آنجناب کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اس خط کے سلسلے میں چند معروضات پیش کرتا ہے۔

ا:... سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ ہمارے ممتاز اکابر میں سے تھے، جمعیۃ العلماء ہند کے جنرل سیکریٹری اور اِمامِ ربانی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے دستِ راست تھے، ان کا ترجمہ قرآن، جنت کی کنجی، دوزخ کا کھٹکا، موت کا جھٹکا، شہرۂ آفاق کتابیں ہیں، جناب کی نظر سے بھی گزری ہوں گی، انہی کی تصنیفات میں سے ایک ایمان افروز کتاب "معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" ہے، جو ہفت روزہ ختمِ نبوّت میں "سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا پیشگوئیاں" کے عنوان سے سلسلہ وار شائع ہورہی ہے، اور آنجناب کے خط میں جس تحریر کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اسی کتاب کی ایک قسط ہے، اور جن الفاظ پر گرفت کی گئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں، جنھیں حضرتِ مصنفؒ نے اِمام بیہقی کی کتاب کے حوالے سے درج کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۴ ملاحظہ ہو۔

''بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ کو باہم ہنستے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا: اے علی! کیا تم زبیر کو دوست رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، یا رسول اللہ! میں ان کو کیسے دوست نہ رکھوں، یہ میری پھوپھی کے بیٹے اور میرے دِین کے پابند ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت زبیرؓ سے دریافت کیا: اے زبیر! کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ زبیرؓ نے کہا: میں علیؓ کو کیسے دوست نہ رکھوں، یہ میرے ماموں زاد بھائی ہیں اور میرے دِین کے پیروکار ہیں! پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زبیر! ایک دن تم علی سے قتال کروگے اور تم ظالم ہوگے۔ چنانچہ جنگِ جمل میں حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے مقابلہ کیا اور جنگ کی، جب حضرت علیؓ نے ان کو یاد دِلایا کہ: کیا تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد ہے کہ: ''تم علی سے قتال کروگے اور تم ظالم ہوگے''؟ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ: ہاں! یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، لیکن مجھ کو یاد نہیں رہی تھی۔ اس کے بعد زبیرؓ واپس ہوگئے، مگر ابنِ جرمود نے وادی السباع میں- جو ایک مشہور وادی ہے- حضرت زبیرؓ کو شہید کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی، ویسا ہی ہوا۔ حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ کے مقابل ہوئے اور جب یہ وادی میں سو رہے تھے تو سوتے ہی میں ابنِ جرمود نے ان کو شہید کردیا۔''[۱]

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج:۶ ص:۴۱۵، کنز العمال ج:۱۱ ص:۳۳۰ حدیث:۳۱۶۵۲)

یہ ناکارہ، انجمن سپاہ صحابہ کے احساسات کی قدر کرتا ہے، لیکن مندرجہ بالا پس منظر کی روشنی میں جناب سے انصاف کی بھیک مانگتے ہوئے اِلتجا کرتا ہے کہ آپ کے خط کا یہ فقرہ ہم خدامِ ختمِ نبوّت کے لئے نہایت تکلیف دہ ہے کہ:

''ختمِ نبوّت میں وہ کون سے لوگ ہیں جو صحابہ کرامؓ کے دُشمن ہیں، تاکہ ان کا بندوبست کیا جائے۔''

انصاف کیجئے! کہ اگر خدامِ ختمِ نبوّت اس کتاب کے نقل کردینے کی وجہ سے ''دُشمنِ صحابہ'' کے خطاب کے مستحق ہیں تو مولانا احمد سعید دہلویؒ اور ان سے پہلے اِمام بیہقی اور دیگر وہ تمام اکابر جنھوں نے یہ حدیث نقل کی ہے، کس خطاب کے مستحق ہوں گے...؟

---

(۱) عن أبی حرب بن الأسود .... قال لما دنا علی وأصحابه من طلحه والزبیر، ودنت الصفوف بعضها من بعض خرج علٰی وهو علٰی بغلة رسول الله صلی الله علیه وسلم فنادی: ادعوا لی الزبیر بن العوام فإنی علیٌّ، فدعی له الزبیر فأقبل حتّٰی اختلفت أعناق دوابهما فقال علیٌّ: یا زبیر! نشدتک بالله أتذکر یوم مر بک رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن فی مکان کذا وکذا؟ فقال: یا زبیر! تحب علیًّا؟ فقلت: ألَا أحب ابن خالی وابن عمی وعلٰی دینی، فقال: یا علیُّ! أتحبه؟ فقلتُ: یا رسول الله! ألَا أحب ابن عمتی وعلٰی دینی؟ فقال: یا زبیر! اما والله لَتُقَاتِلَنَّه وأنت ظالم، قال: بلٰی والله لقد نسیتُه منذ سمعتُه من قول رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم ذکرته الآن والله لَا أقاتلک. فرجع الزبیر علٰی دابته یشق الصفوف فعرض له ابنه عبدالله بن الزبیر، فقال: ما لک؟ فقال: ذکرنی علیٌّ حدیثًا سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لتقاتلنّه وأنت له ظالم، فلا أقاتله، قال: وللقتال جئتَ إنَّما تصلح بین الناس ویصلح الله هٰذا الأمر، قال: قد حلفت ألَا أقاتله، قال: فأعتق غلامک جرجَس وَقِفْ حتّٰی تصلح بین الناس فأعتق غلامه ووقف فلما اختلف امر الناس علٰی فرسه. (دلَائل النبوة واللفظ لهٗ ج:٦ ص:٤١٥ طبع المکتبة الأثریة، کنز العمال ج:١١ ص:٣٣٠ حدیث:٣١٦٥٢).

میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسی زیادتی ہے کہ جو انجمن سپاہِ صحابہ کی طرف سے خدامِ ختمِ نبوّت سے کی گئی، جس کی شکایت بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کی جائے گی، اور میں آنجناب سے توقع رکھوں گا کہ آپ اس زیادتی پر معذرت کریں۔

۲:... آپ نے جن اہلِ علم کو خطوط لکھے ہیں، آپ کے لئے زیادہ موزوں یہ تھا کہ آپ ان حضرات سے یہ اِستفسار کرتے کہ یہ حدیث جو ''ختمِ نبوّت'' میں حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی کتاب میں اِمام بیہقیؒ کے حوالے سے درج کی گئی ہے، جرح وتعدیل کی میزان میں اس کا کیا وزن ہے؟ وہ فنِ حدیث کی روشنی میں صحیح ہے یا ضعیف؟ یا خالص موضوع (من گھڑت)؟ اور یہ مقبول ہے یا مردود؟ اگر صحیح یا مقبول ہے تو اس کی تأویل کیا ہے؟ جو ایک جلیل القدر صحابی، حواریٔ رسول، **احد العشرة المبشرة** کی جلالتِ قدر اور علوِ مرتبت سے میل کھاتی ہو...؟

آپ کے اس سوال کے جواب میں اہلِ علم جو کچھ تحریر فرماتے، آپ اسے ''ختمِ نبوّت'' میں شائع کرنے کے لئے بھیج دیتے، یہ ایک بہترین علمی خدمت بھی ہوتی اور اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت ومحبت بھی قلوب میں جاگزیں ہوتی۔

مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط میں جس جذباتیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے، خدانخواستہ آگے نہ بڑھ جائے، اور کل یہ کہا جانے لگے کہ قرآنِ کریم میں جلیل القدر انبیائے کرام علیہم السلام کو -نعوذ باللہ- ظالم کہا گیا ہے، مثلاً:

آدم علیہ السلام کے بارے میں دو جگہ ہے:

''وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔'' (البقرۃ:۳۵، الاعراف:۱۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

''رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ۔'' (القصص:۱۶)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں ہے:

''لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔'' (الانبیاء:۸۷)

اب ایک ''سپاہِ انبیاء'' تشکیل دی جائے گی اور وہ، بزرگوں کے نام اس مضمون کا خط جاری کرے گی کہ: ''ترتیبِ قرآن میں وہ کون لوگ گھس آئے تھے جو انبیائے کرام کے دُشمن تھے؟ تاکہ ان کا بندوبست کیا جائے!''

ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کا مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے برتر ہے اور ''ختمِ نبوّت'' کو قرآنِ کریم سے کیا نسبت...؟

اب اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں قرآنِ کریم کے مقدس الفاظ کی کوئی مناسب تأویل کی جاسکتی ہے تو اسی قسم کی تأویل حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی بھی کیوں نہ کرلی جائے؟ ''ختمِ نبوّت'' میں ''دُشمنانِ صحابہ'' کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں...!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کب اسلام لائے؟

سوال:... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کب اسلام لائے؟ اور کس موقع پر ایمان لائے تھے؟ تفصیل سے تحریر کریں۔

جواب:... مشہور تو یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتحِ مکہ کے دن اسلام لائے، لیکن ''الاصابہ'' (ج:۳ ص:۴۳۳) میں واقدی سے نقل کیا ہے کہ آپؓ صلحِ حدیبیہ کے بعد اسلام لائے تھے، لیکن اپنے اسلام کا اظہار فتحِ مکہ کے موقع پر کیا۔[۱]

حضرت معاویہؓ نے یزید کو اِقتدار کیوں دیا؟

سوال:... مشہور اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا بیٹا یزید نہایت فاسق و فاجر ہے، تو یزید کو اِقتدار کیوں دیا گیا؟

جواب:... یزید کا فسق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ظاہر نہیں ہوا ہوگا۔[۲]

---

(۱) أسلم هو وأبوه وأُمّه هند بنت عتبة بن ربيعة .... يوم الفتح، وقد روى عن معاوية أنه قال: أسلمت يوم عمرة القضاء ولٰكنى كتمت إسلامى من أبى الٰى يوم الفتح۔ (البداية والنهاية ج:۸ ص:۲۱، طبع دار الفكر، بيروت)۔

(۲) قال ابن حجر: فمعاوية معذور فيما وقع منه ليزيد، لأنه لم يثبت عنده نقص فيه ...الخ۔ (تطهير الجنان واللسان ص:۲۵، لِابن حجر المكى، طبع كتب خانه مجيديه، ملتان) مزید تفصیل کے لئے سیرتِ معاویہؓ از مولانا محمد نافع ج:۲ ص:۲۲۸ مطالعہ فرماویں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں مسلکِ اہلِ سنت

حضرت حسینؓ اور یزید کی حیثیت

سوال:... مسلمانوں میں واقعہ کربلا کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، کچھ لوگ جو یزید کی خلافت کو صحیح مانتے ہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیتے ہیں، جبکہ یزید کو امیرالمؤمنین کہتے ہیں۔ ازراہِ کرم یہ فرمائیے کہ حضرت اِمام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی کہنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟ یزید کو امیرالمؤمنین کہنا کہاں تک دُرست ہے؟

جواب:... اہلِ سنت کا موقف یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے، ان کے مقابلے میں یزید حق پر نہیں تھا، اس لئے یزید کو امیرالمؤمنین نہیں کہا جائے گا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''باغی'' کہنے والے اہلِ سنت کے عقیدے سے باغی ہیں۔[1]

صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) نوجوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں'' (ترمذی)۔[2]

جو لوگ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو... نعوذ باللہ!... ''باغی'' کہتے ہیں، وہ کس منہ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت و سیادت میں جنت میں جائیں گے...؟

کیا یزید کو پلید کہنا جائز ہے؟

سوال:... مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ ایک مشہور حدیث بسلسلۂ فتح قسطنطنیہ ہے کہ جو پہلا دستہ فوج کا قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا، ان لوگوں کی مغفرت ہوگی۔ یزید بھی اس دستے میں شریک تھا، اس لئے اس کی مغفرت ہوگی۔ ایسی صورت میں ''یزید پلید'' کہنا

---

(۱) قال أهل السنة والجماعة: ان الحسين رضى الله عنه كان الحق فى يده وقد قُتِل ظلمًا. (شرح عقائد ص:۱۶۲، حاشیہ نمبر:۷ طبع مکتبہ خیر کثیر)۔ وأيضًا: وأمّا ما تفوّه بعض الجهلة من ان الحسين كان باغيًا فباطل عند أهل السُّنَّة والجماعة، ولعل هٰذا من هذيانات الخوارج، الخوارجُ عند الجادة. (شرح فقه الأكبر ص:۸۷ طبع دهلى)۔

(۲) عن أبى سعيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحسن والحسين سيّدا شباب أهل الجنّة. (ترمذی ج:۲ ص:۲۱۸، مناقب أبى محمد الحسن بن على والحسين بن على)۔

مناسب ہے؟ لوگ کتابوں میں یزید کو اکثر اس نام سے یاد کرتے ہیں۔ دُوسرے کون جانتا ہے کہ یزید نے مرنے سے پہلے توبہ کرلی ہو، اللہ بہتر جانتا ہے، جب تک اس کا یقین نہ ہوجائے کہ فلاں کی موت کفر پر ہوئی، اس کو کافر کہنا یا اس کو لعنت کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

جواب:... یزید کو پلید اس کے کارناموں کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، اہلِ مدینہ کا قتلِ عام اور کعبہ شریف پر سنگ باری اس کے تین سالہ دور کے سیاہ کارنامے ہیں۔[1] یہ کہنا کہ ابنِ زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، لہٰذا اس کی کوئی ذمہ داری یزید پر عائد نہیں ہوتی، بالکل غلط ہے۔ ابنِ زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہی تو کوفہ کا گورنر بنایا گیا تھا۔[2] جہاں تک حدیث شریف میں مغفرت کی بشارت کا تعلق ہے، وہ بالکل صحیح ہے،[3] لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یزید کے غلط کاموں کو بھی صحیح کہا جائے۔ مغفرت گناہگاروں کی ہوتی ہے، اس لئے مغفرت اور گناہ میں کوئی تعارض نہیں۔[4] ہاں! یزید کے کفر کا فتویٰ دینا اس پر مبنی ہے کہ اس کے خاتمے کا قطعی علم ہو، وہ ہے نہیں۔ اس لئے کفر کا فتویٰ اس پر ہم بھی نہیں دیتے،[5] گو یزید کے

---

(۱) ویزید أمیر المؤمنین، وکان قبیح الآثار فی الإسلام قتل أهل المدینة وافاضل الناس وبقیة الصحابة رضی الله عنهم یوم الحرة فی آخر دولته، وقتل الحسین رضی الله عنه وأهل بیته فی أوّل دولته، وحاصر ابن الزبیر رضی الله عنه فی المسجد الحرام واستخف بحرمة الکعبة والإسلام فأماته الله فی تلک الأیام ...إلخ۔ (جمهرة أنساب العرب لِابن حزم ظاهری ص:۱۱۲ طبع دار المعارف، مصر)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: اسماء الخلفاء والولاة وذکر مددهم ص:۳۵۷، ۳۵۸ طبع مصر۔

(۲) کتب یزید إلی ابن مرجانة ان اغز ابن الزبیر فقالَا: لَا أجمعهما للفاسق أبدًا أقتل ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم واغزوا البیت ...إلخ۔ (تاریخ طبری ج:۵ ص:۴۸۳)۔ وبعث أهل العراق إلی الحسین الرسل والکتاب یدعونه إلیهم، فخرج من مکة إلی العراق فی عشر ذی الحجة ومعه طائفة من آل بیته رجالًا ونساءً وصبیانًا، فکتب یزید إلٰی ولیه بالعراق عبیدالله بن زیاد بقلته فوجه إلیه جیشًا أربعة آلاف ...إلخ۔ (تاریخ الخلفاء ص:۱۶۹ طبع مؤسسة الکتب الثقافیة)۔

(۳) قال عُمیر: فحدثتنا أم حرام انها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول أوّل جیش من اُمتی یغزون البحر قد أوجَبُوا، قالت اُمّ حرام: قلت: یا رسول الله! أنا فیهم؟ قال: أنتِ فیهم، قالت: ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم: أوّل جیش من اُمّتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم، فقلت: أنا فیهم؟ یا رسول الله! قال: لَا۔ (صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب ما قیل فی قتال الرُّوم ج:۱ ص:۴۰۹، ۴۱۰)۔

(۴) قال الشاه ولی الله الدهلوی فی شرح تراجم أبواب البخاری: (قوله مغفور لهم) تمسک بعض الناس بهٰذا الحدیث فی نجات یزید لأنه کان من جملة هٰذا الجیش الثانی، بل کان رأسهم ورئیسهم علٰی ما یشهد به التواریخ، والصحیح انه لَا یثبت بهٰذا الحدیث إلّا کونه مغفورًا له ما تقدم من ذنبه، علٰی هٰذه الغزوة لأن الجهاد من الکفارات، وشان الکفارات إزالة آثار الذنوب السابقة علیها لَا الواقعة بعدها، نعم لو کان مع هٰذا الکلام أنه مغفور له إلٰی یوم القیامة یدل علٰی نجاته، وإذ لیس فلیس بل أمره مفوض إلٰی الله تعالٰی فیما ارتکبه من القبائح بعد هٰذه الغزوة من قتل الحسین علیه السلام، وتخریب المدینة والإصرار علٰی شرب الخمر إن شاء عفا عنه وإن شاء عذبه کما هو مطرد فی حق سائر العصاة علٰی أن الأحادیث الواردة فی شأن من استخف بالعترة الطاهرة، والملحد فی الحرم والمبدل للسُّنَّة، تبقٰی مخصصات لهٰذا العموم لو فرض شموله لجمیع الذنوب۔ (شرح ترجمة أبواب البخاری، ملحقة بخاری شریف ص:۳۱، ۳۲ طبع نور محمد کتب خانه)۔

(۵) ولَا یخفٰی ان قوله: "والحق بعد نقله الإتفاق" لیس فی محله مع ان الرضٰی بقتل الحسین لیس بکفر لما سبق من ان قتله لَا یوجب الخروج عن الإیمان بل هو فسق وخروج عن الطاعة إلی العصیان ثم دعواه انه مما تواتر معناه فقد سبق انه لَا یثبت أصلًا فضلًا عن التواتر قطعًا .... وحقیقة الأمر التوقف فیه ومرجع أمره إلی الله سبحانه ...إلخ۔ (شرح فقه الأکبر ص:۸۸ وأیضًا اصول الدین لأبی الیسر بزدوی ص:۹۸ طبع مصر)۔

سیاہ کارناموں کی وجہ سے اس کو بہت سے حضرات نے مستحقِ لعنت قرار دیا ہے، مگر اس کا نام لے کر لعنت ہم بھی نہیں کرتے، مگر کسی پر لعنت نہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اس کی حمایت بھی کی جائے۔(۱) واللہ اعلم!

واقعۂ کربلا میں یزید کا کردار

سوال:... واقعۂ کربلا میں یزید کے کردار کے بارے میں علماء کی رائے مختلف ہے، اس کی صحیح حیثیت واضح کریں کہ یزید لائقِ تعظیم ہے یا لائقِ ملامت؟

جواب:... یزید کا کردار واضح ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس کے دور میں شہید ہوئے، بلکہ پورے کا پورا کنبہ شہید کیا گیا، اس کے بعد کسی مسلمان کا دِل کب یہ گوارا کرسکتا ہے کہ اس کو تعظیم کے الفاظ سے یاد کرے؟ اللہ تعالیٰ ہماری بھی بخشش فرمائے اور تمام گناہگار مسلمانوں کی بھی بخشش فرمائے۔

یزید کے متعلق اکابر کا مسلک

سوال:... امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے صاحبزادگان یزید کو حق پر سمجھتے ہیں، جبکہ ہمارے اکابر میں سے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے یزید کو ''پلید'' لکھا ہے۔ اور مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ نے محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافتِ امیر معاویہؓ و یزید'' کے رَدّ میں ''شہیدِ کربلاؓ اور یزید'' لکھی۔ برائے مہربانی بندے کے ان شکوک وشبہات کو دُور فرمائیں۔

جواب:... یزید کے مسئلے میں، میں حضرت نانوتویؒ اور دیگر اکابرِ دیوبند کا مقلد ہوں، واللہ اعلم!

یزید پر لعنت بھیجنے کا کیا حکم ہے؟

سوال:... کیا یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے؟

جواب:... اہلِ سنت کے نزدیک یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں، یہ رافضیوں کا شعار ہے، قصیدہ بدء الامالی، جو اہلِ سنت کے عقائد میں ہے، اس کا شعر ہے:

ولم یلعن یزیدًا بعد موت
سوی المکثار فی الاُغراء غال(۲)

---

(۱) یزید بے دولت از زُمرہ فسقہ است، توقف درلعنتِ او بنا بر اصل مقرر اہل سنت است کہ شخص معین را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ بیقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر بودہ کابی لہب الجہنمی وامرأتہ، نہ آنکہ او شایانِ لعنت نیست، إنّ الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب:۲۵۱، ص:۷۔۴۱ طبع ایچ ایم سعید، وایضاً دفتر اوّل، مکتوب:۲۶۶ ص:۴۸۷)۔

(۲) لم یلعن أحد من السلف یزید بن معاویة سوی الذین اکثر والقول فی التحریض علٰی لعنه وبالغوا فی أمره وتجاوزوا عن حده کالرافضیة والخوارج وبعض المعتزلة .... فلا شک ان السکوت أسلم۔ (شرح الأمالی لمُلّا علی القاری ص:۲۷، ۲۸، طبع استنبول)۔

اس کی شرح میں علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ: ''یزید پر سلف میں سے کسی نے لعنت نہیں کی، سوائے رافضیوں، خارجیوں اور بعض معتزلہ کے، جنھوں نے فضول گوئی میں مبالغے سے کام لیا ہے۔'' اور اس مسئلے پر طویل بحث کے بعد لکھتے ہیں:

''فلا شک ان السکوت أسلم''

''اس لئے اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ تو یزید پر لعنت کی جائے، نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اس کی مدح وتوصیف کی جائے۔''

یزید اور مسلکِ اعتدال

یزید کے بارے میں اُوپر جو دو سوال و جواب ذکر کئے گئے ہیں، ان پر ہمیں دو متضاد مکتوب موصول ہوئے، ذیل میں پہلے وہ دونوں مکتوب درج کئے جاتے ہیں، اس کے بعد ان پر تبصرہ کیا جائے گا۔

پہلا خط

محترمی مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا، چند دن ہوئے ایک دوست نے بڑے گہرے تأسف کے ساتھ تذکرہ کیا کہ مولانا یوسف لدھیانوی صاحب بھی غیرارادی اور غیرشعوری طور پر ''شیعوں'' کو خوش کرنے کے لئے عام قسم کی خلافِ حقیقت باتیں کرنے لگے، کریدنے پر پتا چلا کہ آپ نے کسی ہفتگی میں ''یزید پلید'' لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، کوئی اور چکر ہوگا۔ مولانا یوسف لدھیانوی جیسا عالم و محقق شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتا، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ''یزید'' ایک جلیل القدر صحابی کا فرزند اور ہزارہا صحابہؓ کا معتمد ہے، اس کی ولی عہدی کی تجویز، دِین و ملت کے دُوررس اور وسیع تر مفاد کی خاطر خود اَصحابِ بیعتِ رضوان نے پیش کی، اس وقت موجود تمام صحابہ کرامؓ اور تقریباً نصف درجن اَزواجِ مطہراتؓ نے اس تجویز کو پسند فرمایا، چنانچہ چھٹے خلیفہ راشد اِمامِ عادل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحیثیت خلیفہ وقت اس متفقہ تجویز کا اعلان فرمایا، بیعت ہوئی، دس سال بعد جب ''یزید'' عملاً خلیفہ بنا تو اسی طے شدہ پالیسی کے مطابق پوری سلطنت میں آٹومیٹک طریقے سے بیعتِ خلافت عمل میں آگئی۔ اس وقت موجود سینکڑوں جلیل القدر صحابہؓ نے بیعت فرمائی، اعتماد کیا، تعاون کیا، اِکا دُکا کی اختلافی آواز ظاہر ہے اس پونے سو سے بھی زائد اتفاق واتحاد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے جید اور عالم فاضل صحابہ کو کوئی ''پلیدی'' نظر نہیں آئی جو حقیقی بزرگ اور عینی شاہد ہیں۔ یہ بعد کے ''ننھے منے'' بزرگوں کو ''پلیدی'' کہاں سے نظر آگئی۔ پھر حضرت حسینؓ کے جوان العمر، متقی و پارسا صاحبزادے جو اس دور اور کوفی منافقوں کی برپاکردہ ''کربلا'' کے عینی شاہد ہیں وہ بھی کوئی بات نہیں فرماتے، نہ قاتل کہتے ہیں نہ پلید، بلکہ بیعت فرماتے ہیں اور اخیر تک مکمل وفاداری کے ساتھ تعاون فرماتے ہیں۔ مزید عرض کیا کہ بھائی، یہ سب دُشمنانِ صحابہ رافضیوں کا پروپیگنڈہ اور مسلمانوں کی سادہ لوحی ہے۔ ورنہ تابعین کی صفِ اوّل کی شخصیت، حج و جہاد کا قائد، متفقہ خلیفہ، ''پلید'' وغیرہ کیسے ہوسکتا

ہے؟ ایسی عامیانہ بات مولانا لدھیانوی نہیں کہہ سکتے۔ ''میرا وعظ'' بڑے تحمل سے سنا اور پھر چند گھنٹے بعد ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' کا شمارہ میرے سامنے رکھ دیا، میں یہ دیکھ کر دَنگ رہ گیا کہ اس کی بات دُرست تھی! واقعی آپ سے ''سہو'' ہوگیا، میں کبھی آپ کا اسمِ گرامی دیکھتا اور کبھی ''یزید پلید'' کا عنوان! یا للعجب!

حضرت! لاپرواہیاں چھوڑ دیجئے! شیعیت، کفریات کا مجموعہ ہے، مگر صدیاں گزر گئیں، نہ ان کی تکفیر کی گئی، نہ ان کو اُمتِ مسلمہ سے کاٹا گیا، ''اسلامی فرقہ'' سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے دجل وفریب سے سنی مسلمانوں کے دِل ودِماغ پر بھی قبضہ کیا ہوا ہے، ماتم کے علاوہ خیالات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ مولانا بنوری مرحوم نے مودودیت کو چالیس سال بعد پہچانا! مولانا منظور نعمانی نے ''شیعیت'' کو اَب آکر پہچانا! آپ کتنا عرصہ لگائیں گے؟

خدا کے لئے سبائیت زدگی چھوڑیئے، صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے عزّ وشرف کا تحفظ فرمایئے، من گھڑت بہتانات کو پہچانئے۔

والسلام

ارشاد احمد علوی ایم اے

ہوائی اَڈّہ روڈ، نزد مسجدِ اقصیٰ، رحیم یار خان

دُوسرا خط

محترم مولانا صاحب دامت برکاتہم

رمضان وشوال ۱۴۰۱ھ، بمطابق اگست ۱۹۸۱ء کا شمارہ نمبر: ۳-۴/ج:۳۹ زیرِ نظر ہے۔ مسائل واَحکام کے زیرِ عنوان فضل القیوم نامی سائل کے ایک اہم سوال کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''اہلِ سنت کے نزدیک یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں، یہ رافضیوں کا شعار ہے۔'' (ص:۶۲-۷۷)۔

آپ کو معلوم ہے کہ محمود احمد عباسی کی تشدّد آمیز تحقیق اور مودودی کی منافقانہ تالیف ''خلافت وملوکیت'' کے بعد اس طرح کے یہ مسائل ایک خاص اہمیت حاصل کرچکے ہیں، اس لئے میں اس عریضے کے توسط سے مزید تحقیق اور روایات کی تطبیق کا متمنی ہوں۔

آپ کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سنت میں سے کوئی بھی جوازِ لعنتِ یزید کا قائل نہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''السیف المسلول'' میں فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک مختار بات یہ ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے اور محققین اہلِ حدیث کا مذہب بھی یہی ہے۔ ان میں اِمام ابوالفرج ابنِ جوزی بھی ہیں، علم وجلالت شان میں بہت اُونچے، انہوں نے اس مسئلے پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ہے: ''الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید'' صفحہ:۴۸۸۔

ترجمان مسلکِ اہلِ دیوبند حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ العالی ''شہیدِ کربلا اور یزید'' میں فرماتے ہیں:

''یہ سب شہادتیں ہم نے اس لئے نہیں پیش کیں کہ ہمیں یزید پر لعنت کرنے سے کوئی خاص دِلچسپی ہے، نہ ہم نے آج تک

کبھی لعنت کی، نہ آئندہ ارادہ ہے، اور نہ ان لعنت ثابت کرنے والے علماء وائمہ کا منشا یزید کی لعنت کو بطورِ وظیفہ کے پیش کرنا ہے، ان کا منشا صرف یزید کو ان غیر معمولی ناشائستگیوں کی وجہ سے مستحقِ لعنت قرار دینا یا زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے۔“ صفحہ:۱۴۵۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ رُوح المعانی فرماتے ہیں:

”ان الْإمام أحمد لما سأله ولده عبدالله عن لعن یزید، قال: کیف لَا یلعن من لعنه الله تعالٰی فی کتابه؟ فقال عبدالله: قد قرأت کتاب الله عزّ وجلّ فلم أجد فیه لعن یزید! فقال الْإمام: ان الله تعالٰی یقول: ”فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الأرض وتقطعوا أرحامکم. أولٰئک الذین لعنهم الله.....“ (محمد:۲۲،۲۳)۔ وأی فساد وقطعیة أشد ممّا فعله یزید۔“

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

”وقد جزم بکفره، وصرح بلعنه جماعة من العلماء، فمنهم الحافظ ناصر السنة ابن الجوزی، وسبقه القاضی أبویعلٰی، وقال العلامة التفتازانی: ”لَا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله تعالٰی علیه وعلٰی أنصاره وأعوانه۔“ وممن صرح بلعنه الجلال السیوطی علیه الرحمة۔ (روح المعانی ج:۲۶ ص:۷۲)۔

وأنا أقول الذی یغلب علٰی ظنی: أن الخبیث لم یکن مصدقًا برسالة النبی صلی الله علیه وسلم، وان مجموع ما فعل مع أهل حرم الله تعالٰی، وأهل حرم نبیه علیه الصلٰوة والسلام وعترته الطیبین الطاهرین فی الحیاة وبعد المماة، وما صدر منه من المغازی لیس بأضعف دلَالة علٰی عدم تصدیقه من القاء ورقة من المصحف الشریف فی قذر۔ ولَا أظن ان أمره کان خافیًا علٰی أجلة المسلمین اذ ذاک، ولٰکن کانوا مغلوبین مقهورین لم یسعهم الّا الصبر لیقضی الله أمرًا کان مفعولًا، ولو سلم أن الخبیث کان مسلمًا فهو مسلم جمع من الکبائر ما لَا یحیط به نطاق البیان، وأنا أذهب الٰی جواز لعن مثله علی التعیین۔“ (روح المعانی ج:۲۶ ص:۷۳)۔

آپ جیسے معتدل اور متین صاحبِ علم پر ضروری ہے کہ اس مسئلے کی تنقیح فرما کر جواب عنایت فرمادیں اور اکابرینِ اہلِ سنت کے ان مختلف اقوال کے درمیان تطبیق دے کر ذہنی اُلجھن کو دُور فرماویں۔

احقر
عبدالحق رحیم یار خان

جواب:... یہ دونوں خط یزید کے بارے میں اِفراط وتفریط کے دو انتہائی سروں کی نمائندگی کرتے ہیں، ایک فریق ”حبِ یزید“ میں یہاں تک آگے نکل گیا ہے کہ ”مدحِ یزید“ کو اہلِ سنت کا شعار ثابت کرنے لگا ہے، اس کی خواہش ہے کہ یزید کا شمار اگر ”خلفائے راشدین“ میں نہیں تو کم از کم ”خلفائے عادلین“ میں ضرور کیا جانا چاہئے، اور یزید کے سہ سالہ دور میں جو سنگین واقعات رُونما ہوئے، یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بیت کا قتل، واقعۂ حرّہ میں اہلِ مدینہ کا قتلِ عام اور حضرت عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں حرمِ کعبہ پر یورش، ان واقعات میں یزید کو برحق اور اس کے مقابلے میں اکابر صحابہؓ کو اِمامِ برحق کے باغی قرار دیا جائے۔

دُوسرا فریق ''بغضِ یزید'' میں آخری سرے پر ہے، اس کے نزدیک یزید کی سیاہ کاریوں کی مذمت کا حق ادا نہیں ہوتا، جب تک کہ یزید کو دِین و اِیمان سے خارج اور کافر وملعون نہ کہا جائے۔ یہ فریق یزید کو اس عام دُعائے مغفرت ورحمت طلبی کا مستحق بھی نہیں سمجھتا جو اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے گناہ گاروں کے لئے کی جاتی ہے۔

لیکن اِعتدال وتوسط کا راستہ شاید ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں سے ہوکر گزرتا ہے، اور وہ یہ کہ یزید کی مدح سرائی سے احتراز کیا جائے، اس کے مقابلے میں حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر اَجلّۂ صحابہؓ وتابعینؒ (جو یزیدی فوجوں کی تیغِ ظلم سے شہید ہوئے) کے مؤقف کو برحق سمجھا جائے، لیکن اس کی تمام تر سیاہ کاریوں کے باوجود چونکہ اس کا خاتمہ برکفر کسی دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کے کفر میں توقف کیا جائے، اور اس کا نام لے کر لعنت سے اجتناب کیا جائے، جمہور اہلِ سنت اور اکابرِ دیوبند کا یہی مسلک ہے اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔ حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ ''معارف السنن'' میں لکھتے ہیں:

''ویزید لَا ریب فی کونہ فاسقًا ولعلماء السلف فی یزید وقتلہ الْإمام الحسین خلاف فی اللعن والتوقف۔ قال ابن الصلاح: فی یزید ثلاث فرق: فرقۃ تحبہ، وفرقۃ تسبہ، وفرقۃ متوسطۃ لَا تتولّاہ ولَا تلعنہ۔ قال: وھٰذہ الفرقۃ ھی المصیبۃ.... الخ۔'' (ج:۶ ص:۸)

ترجمہ:... ''یزید کے فاسق ہونے میں تو کوئی شک نہیں، اور علمائے سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ یزید پر اور اِمام حسینؓ کے قاتلین پر لعنت کی جائے یا توقف کیا جائے۔ ابنِ صلاح کہتے ہیں کہ: یزید کے بارے میں تین فرقے ہیں: ایک فرقہ اس سے محبت رکھتا ہے، ایک فرقہ اس سے بغض رکھتا ہے اور اسے گالیاں دیتا ہے، اور ایک فرقہ میانہ رو ہے، وہ نہ اسے اچھا جانتا ہے اور نہ اس پر لعنت کرتا ہے۔ ابنِ صلاح کہتے ہیں کہ: یہی فرقہ جادۂ صواب پر ہے۔''

حضرت بنوری قدس سرہٗ کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ یزید کے فسق پر تو اہلِ سنت کا قریب قریب اجماع ہے، البتہ اس میں اختلاف رہا ہے کہ یزید پر لعنت کی جائے یا اس کے معاملے میں توقف کیا جائے؟ مکتوبِ دوم میں اس فریق کی نمائندگی کی گئی ہے جو یزید کے ایمان میں بھی شک رکھتا ہے اور بلاتردّد اس پر لعنت کے جواز کا قائل ہے۔ اگرچہ یہ قول بھی سلف کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے، لیکن جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں، جمہور اکابر اہلِ سنت اور اکابرِ دیوبند اس کو گناہ گار مسلمان سمجھتے ہوئے اس پر لعنت کے بارے میں توقف ہی کے قائل ہیں۔

مدحِ یزید کو اہلِ سنت کا شعار قرار دینا، جیسا کہ ہمارے علوی صاحب کی تحریر سے مترشح ہے، ایک نیا انکشاف ہے، جو کم از کم ہماری عقل وفہم سے بالاتر چیز ہے۔

ہمارے بعض اکابر کے قلم سے ''یزید پلید'' کا لفظ نکل جاتا ہے، میرا جو مضمون ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' میں ایک سوال کے

جواب میں شائع ہوا تھا، اس میں ان اکابر کے اس طرزِ عمل کی توجیہ کی گئی تھی کہ یہ یزید کی سیاہ کاریوں کے خلاف بے ساختہ نفرت وغیظ کا اظہار ہے۔ چنانچہ اِمامِ ربانی مجدّد الف ثانیؒ مکتوبات شریفہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ یزید کے نام کے ساتھ ''بے دولت'' کا لفظ لکھتے ہیں،(۱) شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ،(۲) مسند الہند شاہ عبدالعزیز دہلویؒ،(۳) حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر اکابر ''یزید پلید'' کا لفظ لکھتے ہیں۔ ہمارے علوی صاحب انکشاف فرماتے ہیں کہ یہ سب ''ننھے منے بزرگ'' تھے، ماشاء اللہ! چشمِ بدُور! اپنے اکابر کا ادب واحترام ہو تو ایسا ہو...! میرے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اگر یہ تمام اکابر ''ننھے منے بزرگ'' تھے، تو ان کے مقابلے میں محمد یوسف لدھیانوی یا جناب ارشاد علوی صاحب کی کیا اہمیت ہے؟ اگر ان اکابر نے حدیث و تاریخ، حالاتِ صحابہؓ اور عقائدِ اہلِ سنت کو نہیں سمجھا تھا تو ماوشما کی ''تحقیق'' کا کیا وزن رہ جاتا ہے؟ شاید وہ ہمارے علوی صاحب کے نزدیک ''حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ'' کے مقابلے میں حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوشریحؓ اور واقعۂ حرّہ کے تمام صحابہؓ وتابعینؒ بھی ''ننھے منے بزرگ'' ہی ہوں گے، بلکہ خود حرمِ مدینہ، حرمِ مکہ اور حرمتِ بیتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یزید کے مقابلے میں ''ننھی منی سی چیز'' ہی ہوگی۔ کیونکہ یزید نے آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا، حرمِ مدینہ کو بھی پامال کیا، اور حرمِ کعبہ پر بھی چڑھائی کی، اگر یہ تمام چیزیں یزید کے مقابلے میں ''ننھی منی'' ہیں تو ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ بس ''یزید کی محبت'' ہی اسلام کا ایسا مقدس عقیدہ ہے کہ جس کے مقابلے میں نہ حرمِ مکہ کی کوئی عظمت ہے، نہ حرمِ مدینہ کی، نہ خانوادۂ نبوّت کی، نہ اَجلہ صحابہؓ وتابعینؒ کی، اور نہ بعد کے تیرہ سو سالہ اکابرِ اُمت کی...! رہا علوی صاحب کا یہ شبہ کہ بہت سے صحابہؓ وتابعینؒ نے یزید کی بیعت کی تھی، ان کے بنائے ہوئے خلیفہ کو ''پلید'' کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اس ناکارہ کے خیال میں یہ شبہ ایسا نہیں کہ کوئی ذی فہم آدمی اس میں اُلجھ کر رہ جائے۔

جناب علوی صاحب غور فرمائیں کہ یہاں دو بحثیں الگ الگ ہیں: ایک یہ کہ یزید کا اِستخلاف صحیح تھا یا نہیں؟ اور دُوسرے یہ کہ خلیفہ بن جانے کے بعد اس نے جو کارنامے انجام دیئے وہ لائقِ تحسین ہیں یا لائقِ نفرت؟ اور ان کارناموں کی بنا پر وہ اہلِ ایمان کی محبت اور مدح وستائش کا مستحق ہے، یا نفرت وبیزاری اور مذمت وتقبیح کا؟

جناب علوی صاحب کا استدلال اگر کچھ مفید ہوسکتا ہے تو پہلی بحث میں ہوسکتا ہے کہ چونکہ بہت سے صحابہؓ وتابعینؒ نے اس سے بیعت کرلی تھی، اس لئے اس کے اِستخلاف کو صحیح سمجھنا چاہئے، ہرچند کہ اس استدلال پر بھی جرح وقدح کی کافی گنجائش ہے، لیکن یہاں اِستخلافِ یزید کا مسئلہ سرے سے زیرِ بحث ہی نہیں، اس لئے علوی صاحب کا یہ شبہ قطعی طور پر بے محل ہے۔ یہاں تو بحث یزید کے اِستخلاف کے بعد کے کارناموں سے ہے کہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے جو کچھ کیا، وہ خیر وبرکت کے اعمال تھے یا فسق وفجور کے؟ ان کی وجہ سے وہ ''طاہر ومطہر'' کہلانے کا مستحق ہے یا ''پلید وملعون'' کہلانے کا؟ اور ان کارناموں کے بعد اس کے بارے

---

(۱) مکتوباتِ امامِ ربانی، مکتوب:۲۵۱، دفتر اوّل ص:۴۱۷ حصہ چہارم، ایضاً مکتوب:۲۶۶ دفتر اوّل ص:۴۸۷۔
(۲) تکمیل الایمان ص:۱۷ طبع مجتبائی۔
(۳) فتاویٰ عزیزی ج:۱ ص:۱۰۰ طبع مجتبائی۔

میں اکابرِ اُمت نے کیا رائے قائم کی؟ میں اُوپر بتاچکا ہوں کہ اس کے سہ سالہ دور کے تین واقعات مشہور ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ بیت کا قتل، حرمِ مدینہ کی پامالی اور اہلِ مدینہ کا قتلِ عام، حرمِ کعبہ پر فوج کشی۔ کیا کوئی ایسا شخص جس کے دِل میں اِیمان کی رمق ہو، ان سنگین واقعات کے بعد بھی اس کے دِل میں یزید کی محبت اور اس کی عزّت وعظمت باقی رہ سکتی ہے؟ کیا ہمارے علوی صاحب کسی صحابیؓ یا کسی جلیل القدر تابعیؒ کا حوالہ پیش کرسکتے ہیں، کہ انہوں نے ان واقعات پر یزید کو دادِ تحسین دی ہو؟ اور کیا یہ واقعات ہمارے علوی صاحب کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِیذا کے موجب نہیں ہوئے ہوں گے؟ یزید کی حمایت ومخالفت سے ذہن کو فارغ کرکے ذرا ٹھنڈے دِل سے سوچئے کہ جب خانوادۂ نبوّت کو خاک و خون میں تڑپایا جارہا ہو، جب مدینۃ الرسول میں صحابہ کرامؓ اور ان کی اولاد کو تہ تیغ کیا جارہا ہو، اور حرمِ کعبہ پر فوج کشی کرکے اس کی حرمت کو مٹایا جارہا ہو اور پھر یہ واقعات ایک کے بعد ایک، پے درپے ہو رہے ہوں، تو کون مسلمان ہوگا جو یزید کے کردار پر صدائے آفرین بلند کرے؟ اور ان تمام سیاہ کاریوں کے باوجود یزید کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہو۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں۔

کیا صحابہؓ کو آج کی دُنیا کی رنگینیاں معلوم تھیں؟

سوال:... آج کی دُنیا بہت رنگین ہے، کیا صحابہ کرامؓ کو یہ علم تھا کہ کسی زمانے میں دُنیا اس قدر رنگین ہوجائے گی؟ اور لوگوں میں دِین داری کم ہوجائے گی اور دُنیا ان پر غالب ہوجائے گی؟

جواب:... جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے آگاہ فرمایا تھا،[۱] جیسا کہ احادیث میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔[۲]

---

(۱) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة بن الجرّاح إلى البحرين يأتي بجزيتها وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو صالح أهل البحرين وامّر عليهم العلاء بن الحضرمي فقدم أبو عبيدة بمال من البحرين فسمعت الأنصار بقدومه فوافت صلٰوة الصبح مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما انصرف تعرّضوا له فتبسّم حين راٰهم فقال أظنّكم سمعتم بقدوم أبي عبيدة وأنه جاء بشيء قالوا أجل يا رسول الله! قال فابشروا واملّوا ما يسرّكم فوالله! ما الفقر أخشٰى عليكم ولٰكن أخشٰى عليكم أن تبسط عليكم الدنيا كما بسطت علٰى من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها وتلهيكم كما الهتهم. (صحيح بخاري ج:۲ ص:۹۵۱، باب ما يحذّر من زهرة الدنيا والتنافس فيها).

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے: ''عصرِ حاضر حدیثِ نبوی کے آئینے میں'' از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، طبع مکتبہ لدھیانوی۔

اِجتہاد وتقلید

تقلید کی تعریف واَحکام

سوال:... تقلید کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے کہ: تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول مأخذِ شریعت میں سے نہیں ہے، اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کرلینا۔ اہلِ حدیث حضرات اس عمل کو سخت گناہ کی بات تصوّر کرتے ہیں، لیکن مجھے اس ہی قول کو سمجھنا ہے، مگر پہلے جو میں سمجھا ہوں، ظاہر کرنے کی سعی کرتا ہوں، تاکہ بعد میں آپ کی بات آسانی سے سمجھ سکوں۔

شریعت کا مأخذ اَدِلہٴ شرعیہ ہیں، کسی مجتہد کا کوئی قول ہو اور وہ قول اَدِلہٴ شرعیہ کے تحت کسی نہ کسی دلیل کے تحت ہو، یہ بات کیا تقلید میں داخل ہے؟ شاید جہاں تک میں سمجھا ہوں، ایسا قول تسلیم کرنا اہلِ حدیث کے نزدیک تقلید نہیں، کیونکہ وہ قول تو اَدِلہٴ شرعیہ سے ثابت ہے۔

۲:... میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اہلِ حدیث یہاں ایک غلطی کرجاتے ہیں، وہ یہ کہ مجتہد کے قول پر اگر ان کو اَدِلہٴ شرعیہ سے ہی کوئی دلیل خود سمجھ آجائے، پھر تو ٹھیک ہے، اگر ان کا علم کسی قول کی دلیلِ شرعی تک رسائی نہ کرسکے، پھر اس قول کو وہ جو چاہیں کہتے پھرتے ہیں۔

دُوسری بات جو میں سمجھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مندرجہ بالا تقلید کی تعریف کے تحت مقلد، اِمام کے قول کو مأخذِ شریعت تو نہیں سمجھتا، وہ تو اَدِلہٴ شرعیہ ہیں، لیکن کوئی ایسا قول (معلوم نہیں کہ ایسا قول ہے بھی یا نہیں) جس پر اَدِلہٴ شرعیہ کا ثبوت نہ ہو، یعنی اَدِلہٴ شرعیہ سے وہ مسئلہ معلوم نہ ہوسکے، صرف مجتہد کا اِجتہاد ہی ہو یا رائے ہو، اس قول پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کرلینا۔ کیونکہ اس کا مقام یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کے علوم پر بصیرت رکھتا ہے، قول پر دلیل طلب نہ کرنے کے یہ معنی ہیں یا کچھ اور؟

ایک بات اور کہنے کی جسارت کر رہا ہوں، شاید میں نہ سمجھ سکا ہوں، مگر اِظہار کے لئے کر رہا ہوں کہ آج کل لوگ ساٹھ، ستر صفحے کی کتاب میں ڈھائی تین سو حوالوں کا پیوند لگاکر کچھ کا کچھ ثابت کرتے ہیں۔ ماہنامہ ''بینات'' محرّم الحرام ۱۴۱۶ھ آپ کا مضمون جو ''اصلاحِ مفاہیم'' کے بارے میں تھا، اس کے آخر کے جملے جو تبلیغ سے متعلق تھے، کوئی بھی آپ کے نام سے غلط حوالہ دے کر تحریر کرسکتا ہے، یعنی: اہلِ تبلیغ، حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کی کتابوں اور آپ کی تعلیمات کو حرزِ جان بنائے ہوئے نقل وحرکت کر رہے ہیں (نہ کہ قرآن وحدیث اور صحابہؓ کے طریقے، بلکہ حضرت شیخؒ کی تعلیمات کو پھیلا رہے ہیں)، جیسا کہ اِعتراضاً کہا جاتا ہے کہ حضرت مولانا اِلیاسؒ نے فرمایا: میرا دِل چاہتا ہے کہ طریقہ میرا ہو اور تعلیم حضرت تھانویؒ کی۔

جواب:...شرعی دلائل چار ہیں، ۱:...کتاب اللہ، ۲:...سنتِ رسول اللہ، ۳:...اِجماعِ اُمت اور ۴:...قیاسِ مجتہدین۔[۱] پہلی تین چیزوں کے تو اہلِ حدیث بھی منکر نہیں، البتہ چوتھی چیز کے منکر ہیں۔

۲:...جو مسائل صراحتاً کتاب و سنت یا اِجماع سے ثابت ہوں، اور ان کے مقابلے میں کوئی اور دلیل نہ ہو، وہاں تو قیاسِ مجتہدین کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، البتہ جن مسائل کا ذکر کتاب و سنت اور اِجماع میں صراحتاً نہ ہو، ان میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے قیاس و اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔[۲]

۳:...اسی طرح جس مسئلے میں بظاہر دلائل متعارض ہوں، وہاں تطبیق یا ترجیح کی ضرورت پیش آتی ہے، اور یہ کہ یہ منسوخ تو نہیں؟ بیانِ جواز پر تو محمول نہیں؟ کسی عذر پر تو محمول نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

۴:... ان دو مرحلوں کو طے کرنا مجتہد کا کام ہے، یعنی غیرمنصوص مسائل کا حکم معلوم کرنا، اور جن مسائل پر دلائل بظاہر متعارض ہوں، ان میں تطبیق و ترجیح اور ان کے محامل کی تعیین۔[۳]

۵:... اور لوگ دو قسم کے ہیں، ایک جو اِجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہیں، دُوسرے عامی، جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پس مذکورہ بالا دو مرحلوں میں مجتہد پر تو اِجتہاد لازم ہے، کہ وہ انسانی طاقت کے بقدر پوری کوشش کرے کہ اس مسئلے میں اللہ و رسول کا حکم کیا ہے؟ اور عامی کو اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ کسی مجتہد کی پیروی کرے۔[۴]

۶:...عامی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جس مجتہد کی پیروی کر رہا ہے، وہ اہلِ علم کے نزدیک لائقِ اعتماد ہو، ہر مسئلے میں اس سے دلیل کا مطالبہ کرنا، اس کے لئے ممکن نہیں۔ پس یہ حاصل ہوا اس قول کا کہ مجتہد کے قول کو بغیر مطالبہ دلیل کے ماننا تقلید ہے۔[۵]

۷:... اہلِ حدیث بھی درحقیقت مقلد ہیں، کیونکہ جن اکابر کے قول کو وہ لیتے ہیں، ان سے دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے، نہ کرسکتے ہیں، گویا ترکِ تقلید بھی ایک طرح کی تقلید ہے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ''حقیقة الإجتهاد علٰی ما یفهم من کلام العلماء: استفراغ الجهد فی ادراک الأحکام الشرعیة الفرعیة عن أدلّتها التفصیلیة الراجعة کلیاتها الٰی أربعة أقسام: الکتاب والسُّنّة والإجماع والقیاس۔'' (عقد الجید ص:۱۸)۔ وأیضًا فی الحسامی: فان اصول الشرع ثلاثة: الکتاب والسُّنَّة واجماع الأُمّة، والأصل الرابع: القیاس: المستنبط من هٰذه الأُصول الثلاثة۔ (الحسامی مع النامی ص:۴ طبع کتب خانه مجیدیه ملتان)۔

(۲) مبدؤه ما قاله هو عن نفسه: إنی آخذ بکتاب الله إذا وجدته فما لم أجده فیه أخذت بسنة رسول الله، والأثار الصحاح عنه التی فی أیدی الثقات فإذا لم أجد فی کتاب الله ولَا سنة رسول الله أخذت بقول أصحابه من شئت وادع قول من شئت، ثم لَا أخرج عن قولهم إلٰی قول غیرهم، فإذا انتهی الأمر إلی التابعین وعدد رجالًا منهم قد اجتهدوا فلی ان أجتهد کما اجتهدوا۔ (نظریة الإجتهاد فی الشریعة الإسلامیة ص:۲۰، طبع دار الشروق، جدّة)۔

(۳) فتاویٰ شامیة، مطلب فی طبقات الفقهاء (ج:۱ ص:۷۷، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۴) وهو محمول من له قدرة علٰی استنباط الأحکام من الکتاب والسُّنَّة، وإلّا فقد صرح العلماء بان التقلید واجب علی العامی، لئلا یضل فی دینه۔ (میزان الکبریٰ ج:۱ ص:۸۸ طبع مصر، الیواقیت والجواهر ج:۲ ص:۹۶)۔

(۵) التقلید: اتباع الإنسان غیره فیما یقول أو یفعل معتقد للحقیة من غیر نظر الی الدلیل کان هٰذا المتبع جعل قول الغیر أو فعله قلادة فی عنقه من غیر مطالبة دلیل۔ (کشاف اصطلاحات الفنون ج:۲ ص:۱۱۷۸، طبع سهیل اکیڈمی لَاهور)۔

۸:...اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ کسی مجتہد کا قول دلیلِ شرعی کے بغیر ہوتا ہی نہیں،[۱] البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ دلیل ایک عامی کے فہم و ادراک سے اُونچی ہو، خصوصاً جہاں دلائلِ شرعیہ بظاہر متعارض نظر آتے ہیں۔ اہلِ حدیث حضرات ایسے موقعوں پر ائمۂ اِجتہاد کے قول کو بے دلیل کہتے ہیں، حالانکہ ''بے دلیل ہونے'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دلیل ان کے فہم سے بالاتر ہے۔ دُوسرے لفظوں میں یہ کہئے کہ دلیل کا علم نہ ہوسکنے کو وہ دلیل کے نہ ہونے کا نام دیتے ہیں، حالانکہ عدمِ شئ اور چیز ہے اور ''عدمِ علم'' اور چیز ہے۔ پھر عدمِ علم اور چیز ہے، اور ''علمِ عدم'' اور چیز ہے۔ یہ وہی بات ہے جو آپ نے نمبر ۲ میں ذکر کی ہے۔

۹:... اَدِلۂ شرعیہ درحقیقت تین ہی ہیں، لیکن قولِ مجتہد کو جو دلیلِ شرعی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی دلیلِ شرعی (خفی یا جلی) پر مبنی ہوتا ہے۔[۲] مگر اس دلیلِ شرعی کو مجتہد ہی ٹھیک طور سے سمجھتا ہے، اس لئے عامی کے حق میں قولِ مجتہد کو دلیلِ شرعی قرار دے دیا گیا ہے۔

۱۰:... شیخؒ کی کتابوں کے بارے میں اس ناکارہ نے جو کچھ لکھا ہے، سیاق و سباق سے اس کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی اس سے غلط اِستدلال کرنے بیٹھ جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟ لوگوں نے غلط اِستدلال کرنے کے لئے قرآنِ کریم کا بھی لحاظ نہیں کیا، اس ناپاک کی ژولیدہ تحریر کا کیوں لحاظ کرنے لگے...؟

اَئمۂ اَربعہؒ کا مسلک برحق ہے

سوال:...آپ نے اپنی کتاب میں فقہِ حنفی کو ہی گویا معیارِ نجات قرار دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ: دُوسرے ائمہ ثلاثہ کے متبعین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ میں جہاں رہتا ہوں، وہاں فقہِ شافعی کے ماننے والے زیادہ ہیں اور میری زندگی بھی امام شافعیؒ کی تقلید میں گزری ہے، میں اپنی زندگی بھر کی عبادات کے بارے میں پریشان ہوں، کیا میرے لئے مسلک کی تبدیلی ضروری ہے؟ اور یہ بظاہر مشکل ہے۔ کیا امام شافعیؒ کا مسلک کتاب و سنت کے خلاف ہے؟ میری اس اُلجھن کو دُور فرمادیں۔

جواب:...آنجناب کی سلامتیٔ فہم اور حق پسندی سے جی خوش ہوا، حق تعالیٰ شانہ مجھے اور آپ کو اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں۔

حضرت امام شافعیؒ چار ائمہ میں سے ایک ہیں، اور چاروں امام برحق ہیں، ان کے درمیان حق و باطل کا اختلاف نہیں،[۳] بلکہ راجح و مرجوح کا اختلاف ہے، میں چونکہ حنفی ہوں، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو اَقرب اِلی الکتاب والسنۃ سمجھتا ہوں، اور امام شافعیؒ اور دیگر اکابر ائمہ کے مسلک کو بھی برحق مانتا ہوں، ان اکابر میں سے جس کے ساتھ اعتقاد و اعتماد زیادہ ہو، اسی کے مسلک پر عمل

---

(۱) فقد بان لک یا أخی مما نقلناه عن الأئمة الأربعة أن جمیع الأئمة المجتهدین دائرون مع أدلّة الشرع حیث دارت ...... وان مذاهبهم کلها محررة علی الکتاب والسُّنَّة. (میزان الکبریٰ ج:۱ ص:۵۵ طبع مصر).

(۲) فان اُصول الشرع ثلاثة: الکتاب والسُّنَّة واجماع الأُمّة، والأصل الرابع: القیاس، المستنبط من هٰذه الاُصول الثلاثة. (حسامی مع النامی ص:۴، طبع کتب خانه مجیدیه ملتان).

(۳) فقد بان لک یا أخی مما نقلناه عن الأئمة الأربعة أن جمیع الأئمة المجتهدین دائرون مع أدلّة الشرع حیث دارت ...... وأن مذاهبهم کلها محررة علی الکتاب والسُّنَّة.'' (میزان الکبریٰ ج:۱ ص:۵۵).

کرتے رہنا اِن شاء اللہ ذریعۂ نجات ہے۔

چونکہ آپ کی طویل زندگی حضرت امام شافعیؒ کے مسلک حقہ پر گزری ہے، اور چونکہ آپ جس علاقے میں رہتے ہیں، وہاں فقہ شافعیؒ کے مسائل بتانے والے بکثرت ہیں، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ کے لئے فقہ شافعی کی پیروی میں سہولت ہے، آپ اسی کو اختیار کئے رہیں۔

کتاب وسنت کے نصوص کی تطبیق میں حضرات ائمہؒ کا نقطہ نظر مختلف ہوتا ہے، اس لئے امام شافعیؒ کا پہلو بھی یقیناً قوی ہوگا، اور آپ کے لئے بس اتنا عقیدہ کافی ہے، اور اگر آپ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اختیار کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً اس کا بھی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ فقہ حنفی کے مسائل بتانے والا کوئی شخص میسر ہو۔[1]

ائمۂ اَربعہؒ حق پر ہیں

سوال:... ایک صاحب نے کچھ سوالات کئے تھے جن کا جواب آپ نے قرآن وحدیث سے نہیں دیا، بلکہ ہر سوال کے جواب میں آپ نے لکھا کہ ہمارے نزدیک یہ ناجائز ہے، یا ہمارے نزدیک یہ جائز ہے۔ کہیں آپ نے لکھا ہے کہ حنفی کے نزدیک اس کا جواب یوں ہے۔ اس جواب سے میں نے اندازہ کیا کہ آپ نبی کو نہیں مانتے ہیں، کیونکہ اگر آپ اللہ اور رسول کو مانتے تو یہی کہتے کہ قرآن وحدیث میں اس طرح ہے، یا یہ کہتے کہ نبی نے اس طرح کیا ہے، فلاں حدیث سے ثابت ہے اور فلاں حدیث سے یہ کام منع ہے۔

جواب:... چونکہ ہمارے یہاں اکثریت حنفی حضرات کی ہے اور یہ ناکارہ خود بھی مجتہد نہیں، بلکہ اِمام ابوحنیفہؒ کا مقلد ہے، اس لئے لازمی ہے کہ فتویٰ اس کے موافق دیا جائے گا، اور ائمہ مجتہدینؒ سب کے سب قرآن وسنت کے متبع تھے،[2] اس لئے جب ہم کسی اِمام مجتہد کا حوالہ دیں گے تو گویا یہ قرآن وسنت کا حوالہ ہے، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ہم نعوذ باللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے، ایسی ہی غلط تہمت ہے، جیسا کہ منکرینِ حدیث، حدیث کا حوالہ دینے پر کہا کرتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے۔[3]

---

(۱) .... فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين.... الخ۔ رواه ابوداوٗد واحمد والترمذى۔ قال الشيخ عبدالغنى المجددى الدهلوى: ومن العلماء من عمم كل من كان علىٰ سيرتهٖ عليه السلام من العلماء والخلفاء كالأئمة الأربعة المتبوعين المجتهدين۔ (انجاح الحاجة حاشيه ابن ماجة ص:۵ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين)۔

(۲) فقد بان لک يا أخى مما نقلناه عن الأئمة الأربعة أن جميع الأئمة المجتهدين دائرون مع أدلة الشرع حيث دارت .... وان مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسنة۔ (ميزان الكبرىٰ ج:۱ ص:۵۵)۔

(۳) بل يجب عليهم اتباع الذين سبروا اى تعمّقوا وبوّبوا اى اوردوا ابوابا لكل مسئلة عليحدة فهذبوا مسئلة عليحدة فهذبوا مسئلة كل باب، ونقحوا كل مسئلة عن غيرها وجمعوا بينها بجامع، وفرقوا بفارق وعلّلو اى اوردوا لكل مسئلةٍ علّةً وفصلوا تفصيلا، يعنى يجب على العوام تقليد من تصدق بعلم الفقه .... وعليه بنىٰ ابن الصلاح منع تقليد غير الأئمة الأربعة الإمام الهمام امام الأئمة إمامنا أبوحنيفة الكوفى، والإمام مالک، والإمام الشافعى، والإمام احمد رحمهم الله تعالىٰ وجزاهم عنا احسن الجزاء لأن ذٰلک المذكور لم يدر فى غيرهم۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۶۲۹ طبع لكهنؤ)۔ وأيضًا والإنصاف ان انحصار المذاهب فى الأربعة واتباعهم فضل الٰهى وقبوليته عند الله تعالىٰ لَا مجال فيه للتوجيهات والأدلة۔(تفسير احمدى لمُلّا جيون ص:۲۹۷)۔

سوال:... کیا چاروں ائمہ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نعوذ باللہ! اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والے نہیں تھے؟ اور اگر تھے تو پھر ہم ان کی طرف نسبت کیوں کرتے ہیں، جب کہ وہ بھی سب نبی ہی کو مانتے تھے تو پھر ہم بھی کیوں نہ کہیں کہ نبی کے نزدیک اس مسئلے کا جواب یوں ہے، فلاں حدیث سے ثابت ہے؟

جواب:... یہ چاروں ائمہ رحمہم اللہ، اللہ و رسول کے ماننے والے تھے، ان حضرات نے قرآن و حدیث سے استدلال کر کے مسائل بیان فرمائے ہیں اور بعض موقعوں پر اختلافِ فہم کی وجہ سے ان کے درمیان اختلاف بھی ہوا ہے، اس لئے ان میں سے کسی ایک کا حوالہ، دراصل اس کے فہمِ قرآن و حدیث کا حوالہ ہے۔[۱]

سوال:... ان چاروں اِماموں میں اختلاف کیوں ہے؟ ایک کہتا ہے: نماز میں ہاتھ ناف پر باندھو، دُوسرا کہتا ہے: ہاتھ سینے پر باندھو، تیسرا کہتا ہے: ہاتھ سینے کے نیچے باندھو، چوتھا کہتا ہے: ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھو، دِین میں اگر چاروں طریقے سے ہاتھ باندھنا صحیح ہے، نبی نے اس طرح نماز پڑھی ہے تو پھر ہم دین میں کیوں اختلاف پیدا کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یوں ہے، چاروں طریقوں کو حدیث سے ثابت کر کے بتائیے؟

جواب:... یہ اختلافات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی ہوئے، چونکہ ان اکابر کے درمیان اختلافات ہوئے، اس لئے ہمارے لئے ناگزیر ہوا کہ ایک کے قول کو لیں، اور دُوسرے کے قول کو نہ لیں۔[۲]

سوال:... کیا چاروں اِماموں میں سے ایک کی تقلید کرنا واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو نبی نے کہاں فرمایا ہے کہ تقلید ایک اِمام کی ضروری ہے؟

جواب:... قرآن و حدیث پر عمل کرنا واجب ہے، اور اختلاف ہونے کی صورت میں، اور غلبۂ ہویٰ اور فہمِ ناقص کی صورت میں قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ جن اکابر کا فہمِ قرآن و حدیث مسلّم ہے، ان میں سے کسی ایک کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، اس کا نام تقلید ہے۔[۳]

سوال:... کیا اِماموں نے بھی کہا ہے کہ ہماری تقلید تم پر واجب ہے؟ اور کیا تقلید نہ کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا؟ جبکہ اس کا عمل قرآن و حدیث کے مطابق ہو اور وہ صرف قرآن و حدیث کو ہی مانتا ہو۔

جواب:... ان ائمۂ دِین پر اعتماد کے بغیر قرآن و حدیث پر عمل ہو ہی نہیں سکتا، اور جب قرآن و حدیث پر عمل نہ ہوا تو انجام ظاہر ہے۔[۴]

سوال:... کیا چاروں اِمامؒ غلط تھے جنھوں نے کسی کی تقلید نہیں کی؟ صحابہؓ اور چاروں خلفاءؓ جنھوں نے کسی کی تقلید نہیں کی،

(۱، ۲) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) وفی ذٰلک (ای التقلید) من المصالح ما لَا یخفی، لَا سیّما فی هٰذه الأیام التی قصرت فیها الهمم جدًّا واشربت النفوس الهوٰی واعجب کل ذی رأی برأیه۔ (حجة الله البالغة ج: ۱ ص: ۱۵۴، طبع مصر)۔

(۴) اعلم ان فی الأخذ لهٰذه المذاهب الأربعة مصلحة عظیمة، وفی الإعراض عنها مفسدة کبیرة۔ (عقد الجید لشاه ولی الله رحمه الله ص: ۳۶، طبع مصر)۔

وہ صرف قرآن و حدیث کو مانتے تھے، فقہ کا نام و نشان نہیں تھا، تو کیا نعوذ باللہ! یہ سب غلط راستے پر تھے؟ انہوں نے دِین کو نہیں سمجھا تھا جو بعد کے عالموں نے سمجھا ہے؟

جواب:... تقلید کی ضرورت مجتہد کو نہیں غیرمجتہد کو ہے، حضراتِ خلفائے اَربعہ رضی اللہ عنہم، اور حضراتِ ائمۂ اَربعہ رحمہم اللہ خود مجتہد تھے، ان کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی، جو شخص ان کی طرح خود مجتہد ہو، اس کو بھی ضرورت نہیں، لیکن ایک عام آدمی جو مجتہد نہیں، اس کو تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔[۱]

سوال:... اگر دِین تقلید کا نام ہے اور تقلید کرنا ضروری ہے تو کیوں نہ ہم اپنے آپ کو چاروں خلفاءؓ کی طرف نسبت کریں، ایک کہے: میں صدیقی ہوں۔ دُوسرا کہے: میں فاروقی ہوں۔ تیسرا کہے: میں عثمانی ہوں۔ اور چوتھا کہے: میں علیؓ کو ماننے والا ہوں۔ اگر اس طرح کوئی کہے تو میں سمجھتا ہوں کہ سارے اختلافات ختم ہوجائیں، کیونکہ ان چاروں میں کوئی اختلاف ہی نہیں تھا، یہ تو بعد میں ہوا ہے۔

جواب:... جس طرح چاروں ائمۂ مجتہدینؒ کا مذہب مدوّن ہے، اس طرح چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مذہب مدوّن نہیں ہوا، ورنہ ضرور ان ہی حضرات کی تقلید کی جاتی، اور یہ سمجھنا کہ ان چاروں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا، بے علمی کی بات ہے، حدیث کی کتابوں میں ان کے اختلافات مذکور ہیں۔[۲]

ائمۂ اَربعہؒ کے حق پر ہونے کا مطلب

سوال:... عرض یہ ہے کہ مسئلہ تقلید میں بندہ ایک عجیب مشکل کا شکار ہے، الحمدللہ! میں حنفی سنی ہوں، کچھ عرصہ قبل مولانا مودودی کے ''مسلم اعتدال'' کے بارے میں پڑھتا رہا، ان کی رائے یہ ہے کہ جب چاروں اِمام حق پر ہیں، تو پھر ہم جس وقت جس کے مذہب پر چاہیں عمل کرلیں، کوئی نقصان نہ ہوگا۔ مثلاً: کبھی رفع یدین کرے، کبھی نہ کرے، کبھی اِمام کے پیچھے سورۃ پڑھے، کبھی نہ پڑھے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ بات واقعی متأثر کن ہے، جس کے بعد درج ذیل سوالات میرے ذہن میں آئے ہیں:

۱:... چاروں اِمام کے حق پر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ایک اِمام کے نزدیک اِمام کے پیچھے قراءت سختی سے منع ہے، جبکہ دُوسرا اِمام اسے ضروری قرار دیتا ہے، اور نہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، (اسی طرح کے اور دُوسرے فرق ہیں جو آپ کے علم میں ہیں)۔

۲:... اگر کوئی شخص کبھی کبھار چاروں اِماموں کے مسلک پر عمل کرلے تو کیا حرج ہے؟

۳:... چاروں اِماموں کی باتوں پر عمل، کیا قرآن و حدیث پر عمل نہ ہوگا؟

۴:... صرف اِمام ابوحنیفہؒ کی تقلید کو ضروری سمجھ کر دُوسروں کے مسلک پر عمل نہ کرنے کے کیا دلائل ہیں؟

---

(۱) وقد ذكروا أن المجتهد المطلق قد فقد، وأما المقيد فعلىٰ سبع مراتب مشهورة، وأما نحن فعلينا اتباع ما رجحوه..... الخ۔ (درمختار مع الشامي ج:۱ ص:۷۷، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۲) اعلم! ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن الفقه في زمانه الشريف مدونًا، ولم يكن البحث في الأحكام يومئذ مثل البحث من هؤلاء الفقهاء ..... وكذلك كان الشيخان أبوبكر وعمر ..... الخ۔ (حجة الله البالغة ج:۱ ص:۱۴۰، ۱۴۱)۔

۵:... عقلی دلائل کے علاوہ چاروں مذہبوں پر عمل نہ کرنے کے شرعی دلائل کیا ہیں؟

۶:... نیز تقلید کی اہمیت بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کریں اور اہلِ حدیث حضرات جو تقلید کی وجہ سے ہم پر طعن کرتے ہیں، تو ان کی بات کہاں تک دُرست ہے؟ (آپ کی کتاب ''اِختلافِ اُمت'' میں بھی غالباً ان سوالات کے مکمل یا تفصیلی جواب نہیں ہیں)۔

دُوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کی نماز میں جو فرق ہے تو قرآن و حدیث کے اس سلسلے میں کیا دلائل ہیں؟ کیونکہ اہلِ حدیث حضرات کی خواتین مردوں کی طرح نماز پڑھتی ہیں اور ہماری خواتین سے یہ لوگ دلیل مانگتے ہیں۔

جواب:... چاروں اِماموں کے برحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اِجتہادی مسائل میں ہر مجتہد اپنے اِجتہاد پر عمل کرنے کا مکلّف ہے۔ چونکہ چاروں اِمام شرائطِ اِجتہاد کے جامع تھے، اور انہوں نے انسانی طاقت کے مطابق مرادِ اِلٰہی کے پانے کی کوشش کی، اس لئے جس مجتہد کا اِجتہاد جس نتیجے تک پہنچا اس کے حق میں وہی حکمِ شرعی ہے، اور وہ من جانب اللہ اسی پر عمل کرنے کا مکلّف ہے۔ اب ایک مجتہد نے دلائلِ شرعیہ پر غور کرکے یہ سمجھا کہ اِمام کی اقتدا میں قراءت ممنوع ہے، لقولہ تعالیٰ: ''فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ'' ولقولہ علیہ السلام: ''واذا قرأ فانصتوا!'' وقولہ علیہ السلام: ''اذا أمّن القاری فأمّنوا!'' تو یہ مجتہد اِن دلائلِ شرعیہ کے پیشِ نظر مجبور ہوگا کہ اس سے سختی کے ساتھ منع کرے۔

دُوسرے مجتہد کی نظر اس پر گئی کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہر نمازی کے لئے ضروری ہے، خواہ اِمام ہو یا مقتدی، یا منفرد، تو یہ اپنے اِجتہاد کے مطابق اس کے ضروری ہونے کا فتویٰ دے گا۔

الغرض ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے اور فتویٰ دینے کا مکلّف ہے، یہی مطلب ہے ہر اِمام کے برحق ہونے کا۔

۲:... جو شخص شرائطِ اِجتہاد کا جامع نہ ہو، وہ اختلافی مسائل میں کسی ایک مجتہد کا دامن پکڑنے اور اس کے فتویٰ پر عمل کرنے کا مکلّف ہے، اسی کا نام تقلید ہے۔[۱] پھر تقلید کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کبھی کسی اِمام کے فتویٰ پر عمل کرلیا، کبھی دُوسرے اِمام کے فتویٰ پر، یا ایک مسئلے میں ایک اِمام کے فتویٰ کو لے لیا، اور دُوسرے مسئلے میں دُوسرے اِمام کے فتویٰ کو، لیکن آدمی کا نفس حیلہ جو ہے، اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو عام لوگوں کے بارے میں اس کا احتمال غالب ہے کہ اپنے نفس کو جس مجتہد کا فتویٰ اچھا لگے گا، یا جو فتویٰ نفس کی خواہش کے مطابق ہوا کرے گا اس کو لے لیا کرے گا۔ اس صورت میں شریعت کی پیروی نہیں ہوگی، بلکہ ہوائے نفس کی پیروی ہوگی۔ اس لئے عوام کو خواہشِ نفس کی پیروی سے بچانے اور انہیں شریعتِ خداوندی کا پابند کرنے کے لئے یہ قرار دیا گیا کہ کسی ایک اِمام کے پابند ہوجائیں۔[۲]

---

(۱) التقلید فی اللغة ..... قال المحققون من الاُصولیین: العامی وهو من لیس له أهلیة الْإجتهاد وان کان محصلًا لبعض العلوم المعتبرة فِي الْإجتهاد یلزمه اتباع قول المجتهدین والأخذ بفتواهم لقوله تعالٰی: ''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''۔ (تیسیر الاُصول الٰی علم الاُصول ص:۳۲۳ بحث فی التقلید للشیخ عبدالرحمٰن محلاوی حنفی، وأیضًا: فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۶۲۶ طبع لکھنؤ)۔

(۲) .... وفی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوٰی، ومثل هٰذا لَا یجوز باتفاق الأمّة۔ (الفتاویٰ الکبریٰ ج:۲ ص:۲۴۳ المسألة السابعة والأربعون، طبع دارالقلم بیروت)۔

اور بعض صورتوں میں اس بے قیدی سے تلفیق لازم آئے گی، جس کی چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ: ایک شخص نے وضو کی حالت میں عورت کو چھوا، یا اپنے عضوِ مستور کو ہاتھ لگایا، اس نے کہا کہ: ''میں اس مسئلے میں اِمام ابوحنیفہؒ کے قول کو لیتا ہوں''... ان کے نزدیک ان چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا... پھر اس کے بدن سے خون نکلا تو کہا کہ: ''میں اس مسئلے میں اِمام شافعیؒ کے قول کو لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا'' تو اس شخص کا وضو بالاجماع ٹوٹ گیا، مگر اس نے بزعمِ خود ایک مسئلے میں ایک اِمام کے اور دُوسرے مسئلے میں دُوسرے اِمام کے قول کو لے کر یہ سمجھا کہ اس کا وضو قائم ہے، ظاہر ہے کہ ایسی تلفیق شرعاً باطل ہے۔(۱)

البتہ بعض صورتوں میں اپنے اِمامِ مقتدا کے قول کو چھوڑ کر دُوسرے اِمام کے قول کو لینا جائز اور بعض اوقات بہتر ہے، مثلاً: دُوسرے اِمام کے قول میں احتیاط زیادہ ہے اور یہ شخص کمالِ احتیاط کی بنا پر دُوسرے اِمام کے فتویٰ پر عمل کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال ابھی گزر چکی ہے کہ اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسِ مرأۃ اور مسِ ذَکر ناقضِ وضو نہیں، دُوسرے ائمہ کے نزدیک ناقض ہے، تو کوئی حنفی بہ تقاضائے احتیاط اپنے عمل کے لئے دُوسرے ائمہ کے قول کو لے تو یہ وَرَع وتقویٰ کی بات ہے۔ یا اِمام شافعیؒ کے نزدیک خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اگر کوئی شافعی المذہب اس مسئلے میں حنفیہ کے فتویٰ پر عمل کرے تو یہ وَرَع وتقویٰ کی بات ہے۔ لیکن جس مسئلے میں دُوسرے اِمام کے قول پر عمل کرنے میں اپنے اِمام کی مخالفت لازم آتی ہے، وہاں دُوسرے کے قول پر عمل کرنا خلافِ احتیاط ہوگا۔ مثلاً: کوئی شخص فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں اِمام شافعیؒ کے قول پر عمل کرتا ہے تو اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مکروہِ تحریمی بلکہ حرام کا مرتکب ہوگا۔ ایسی حالت میں اِمام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرنے والے کے لئے اِمام شافعیؒ کے فتویٰ پر عمل کرنا احتیاط نہیں، بلکہ اِرتکابِ حرام کا اندیشہ ہے، جو ظاہر ہے کہ خلافِ احتیاط ہے۔(۲)

اور اسی احتیاط کی ایک نوع یہ ہے کہ ایک شخص اگرچہ درجہ اِجتہاد پر فائز نہیں، لیکن قرآن وحدیث کے نصوص میں اچھی دسترس رکھتا ہے، شریعت کے اُصول ومقاصد اور مبادی پر نظر رکھتا ہے، اَحکام کے علل واسباب کی معرفت میں اس کو فی الجملہ حذاقت و مہارت حاصل ہے، اس کا دِل اپنے اِمامِ مقتدا کے کسی مسئلے پر مطمئن نہیں ہوتا، بلکہ اس کے مقابلے میں دُوسرے اِمامِ مجتہد کا فتویٰ اسے اَقرب الی الکتاب والسنۃ نظر آتا ہے، ایسے شخص کے لئے اس مسئلے میں دُوسرے اِمام کی تقلید کرلینا روا ہوگا، مگر شرط یہ ہے کہ اس دُوسرے اِمامِ مجتہد کے فتویٰ کے تمام شروط وقیود کا لحاظ رکھے، ورنہ وہی تلفیق لازم آئے گی جس کا حرام بالاجماع ہونا اُوپر آچکا ہے۔(۳)

سچی بات یہ ہے کہ تفقہ اور اِجتہاد بڑی ہی نازک اور دقیق ولطیف چیز ہے، ہم ایسے عامیوں کو اس کا ٹھیک ٹھیک سمجھنا بھی مشکل ہے، لہٰذا ہمارے لئے دِین وایمان کی سلامتی اور خود رائی وکج روی سے حفاظت اسی میں ہے کہ ''یک در گیر ومحکم گیر'' پر عمل کریں۔ اور یہ جو آپ

---

(۱) وأن الحکم الملفق باطل بالإجماع، وفی رد المختار: مثاله: متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فإن صحة هٰذه الصلاة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفیق باطل فصحته منتفیة. (رد المختار ج:۱ ص:۷۵).

(۲) وأن الحکم الملفق باطل بالإجماع، وأن الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقًا. (در مختار ج:۱ ص:۷۵).

(۳) وأن الحکم الملفق باطل بالإجماع ..... (وفی الشامیة) وأنه یجوز له العمل بما یخالف ما عمله علٰی مذهبه مقلدًا فیه غیر امامه مستجمعًا شروطه ویعمل بأمرین متضادین فی حادثتین لَا تعلق لواحدة منهما بالأُخریٰ. (فتاویٰ شامی ج:۱ ص:۷۵، طبع ایچ ایم سعید).

نے فرمایا کہ: ''کبھی رفع یدین کرلیا، کبھی نہ کیا، کبھی اِمام کے پیچھے قراءت کی، کبھی نہ کی'' ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو کبھی یکسوئی نصیب نہ ہوگی، بلکہ ہمیشہ متحیر و متردّد رہے گا کہ یہ صحیح ہے یا وہ؟ ''پھر کبھی کیا، کبھی نہ کیا'' کا کوئی معیار تو اس کے ذہن میں ہونا چاہئے کہ کبھی کرنے کی وجہ کیا تھی؟ اور کبھی نہ کرنے کا باعث کیا ہوا؟ کرید کر دیکھا جائے تو اس کا سبب بھی وہی تردّد و تحیر نکلے گا، اور کبھی دِل کی چاہت۔ جبکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ چاروں امام اپنے اِجتہاد کے مطابق برحق ہیں تو کیوں نہ ''یک در گیر و محکم گیر'' پر عمل کیا جائے؟

۳:... اختلافی مسائل میں بیک وقت سب پر عمل کرنا تو بعض صورتوں میں ممکن ہی نہیں کہ ایک قول کو لے کر دُوسرے کو بہرحال چھوڑنا پڑے گا، اور اگر چاروں کے اقوال پر عمل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جس مسئلے میں جس کے قول پر چاہا عمل کرلیا، یا جب جی چاہا ایک ہی مسئلے میں ایک کے قول پر عمل کرلیا اور جب جی چاہا دُوسرے کے قول پر، تو اس کے بارے میں اُوپر عرض کرچکا ہوں۔ بلاشبہ چاروں اِماموں کا عمل قرآن و حدیث ہی پر ہے، گو مدارکِ اِجتہاد مختلف ہیں۔ لہٰذا کسی ایک کی باتوں کو عمل کے لئے اِختیار کرلینا بھی قرآن و حدیث پر ہی عمل کرنا ہے۔

۴:... کسی ایک اِمام کی اِقتدا کو لازم پکڑنا (خواہ وہ اِمام ابوحنیفہؒ ہوں یا اِمام مالکؒ یا اِمام شافعیؒ یا اِمام احمدؒ) اس کی ضرورت تو اُوپر عرض کرچکا ہوں کہ تشہی اور تلفیق سے دِین کی حفاظت ہم عامیوں کے لئے اسی میں ہے۔ یہ دلیل تو تمام ائمہؒ کی تقلیدِ شخصی کی ہے،[۱] اس میں اِمام ابوحنیفہؒ کی تخصیص نہیں، مگر یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جس اِمامِ مجتہد کی پیروی کی جائے، اس کے اُصول و فروع، راجح مرجوح، قوی و ضعیف کا علم ہونا ضروری ہے۔ پاک و ہند اور افغانستان سے لے کر مشرقِ بعید تک اِمام ابوحنیفہؒ کا مذہب عام طور سے رائج رہا، اور ان ممالک میں فقہِ حنفی کی کتابوں کا ذخیرہ اور اس مذہب کے ماہرین بہ کثرت رہے، جن سے رُجوع کرنا ہر شخص کے لئے آسان تھا، دُوسرے ائمہ کے مذاہب کا رواج ان علاقوں میں نہیں تھا، اس لئے ان علاقوں میں اِمام ابوحنیفہؒ کی تقلید رائج ہوئی، جیسا کہ بلادِ مغرب میں مالکی مذہب کا عام چرچا رہا، اور دُوسرے مذاہب کا رواج وہاں شاذ و نادر کے حکم میں رہا، اس لئے ان علاقوں میں اِمام مالکؒ کی تقلید متعین ہوگئی۔ الغرض ہمارے علاقوں میں اِمام ابوحنیفہؒ کی تقلید اس بنا پر ضروری قرار پائی کہ یہاں فقہِ حنفی کے ماہرین موجود رہے، اور بلادِ مغرب میں فقہِ مالکی کی تقلید ضروری ٹھہری کہ وہاں اس کے ماہرین موجود تھے، جہاں دُوسری فقہ کے ماہرین ہی موجود نہ ہوں، وہاں دُوسری فقہ پر عمل کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اور اس پر عمل کیسے ممکن ہے...؟

۵:... گزشتہ بالا نکات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو اس سوال کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، اس لئے کہ مطلق تقلید یا تقلیدِ شخصی محض عقلی چیز نہیں، بلکہ شریعتِ مطہرہ کی تعمیل کی عملی شکل ہے، اور جو دلائل شریعت کی پیروی کے ہیں، وہی ایک عامی کے لئے کسی اِمامِ مجتہد کی اِقتدا کے مثبت ہیں۔ اور آیتِ شریفہ: ''فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' (النحل:۴۳) اور حدیثِ نبوی: ''قَتَلُوْہُ، قَتَلَھُمُ اللهُ، اَلَا سَئَلُوْا إِذَا لَمْ یَعْلَمُوْا؟ فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ'' (مشکوٰۃ ص:۵۵، بروایت ابی داؤد عن جابرؓ، و ابن ماجہ عن ابن عباسؓ) میں اسی کا ضروری ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔

---

(۱) أما فی زماننا فقال أئمتنا لَا یجوز تقلید غیر الأئمة الأربعة، الشافعی ومالک وأبی حنیفة وأحمد بن حنبل. (فتح المبین شرح الأربعین بحوالہ جواھر الفقه ج:۱ ص:۱۳۲).

۶:... تقلید کی اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں اُوپر واضح ہوچکی ہے، اور سچی بات تو یہ ہے کہ جو حضرات تقلید کی بنا پر ہم ضعفا پر طعن کرتے ہیں، تقلید سے ان کو بھی مفر نہیں، کیونکہ ایک عامی آدمی جو قرآن و حدیث کے فہم میں مرتبۂ اِجتہاد پر فائز نہیں، لامحالہ وہ کسی کی مان کر ہی چلے گا، اور مختلف فیہ مسائل میں کسی نہ کسی اِمامِ مجتہد کی تحقیق پر اِعتماد کرنا اس کے لئے ناگزیر ہوگا، مگر ہم ضعفا میں اور ان حضرات میں چند وجوہ سے فرق ہے:

اوّل:... یہ کہ ہم ایک اِمامِ مجتہد کی تحقیق پر عمل کرتے ہیں، جس کی اِمامت اور درجۂ اِجتہاد پر اس کا فائز ہونا تمام اکابرِ اُمت کو مسلّم ہے (اس کا خلاصہ میں ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں قلم بند کرچکا ہوں)، اس کے باوجود ہم دُوسرے اکابر ائمہ اور ان کے متبعین کے بارے میں زبانِ طعن دراز نہیں کرتے، بلکہ ان کے حق میں ان کے اِجتہاد کو واجب العمل جانتے ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے سوا باقی سب کو باطل پرست جانتے ہیں، ان پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں، گویا ان حضرات کے نزدیک عمل بالحدیث کا تقاضا پورا نہیں ہوتا، جب تک مقبولانِ اِلٰہی کی پوستین دری نہ کی جائے اور ان پر گمراہی و باطل پرستی کا فتویٰ صادر نہ کیا جائے...!

دوم:... یہ کہ ہم اِمام ابوحنیفہؒ کی تحقیق پر عمل پیرا ہیں، جنھوں نے صحابہ کرامؓ کا زمانہ پایا اور صحابہؓ و تابعینؒ کو دِین پر عمل کرتے ہوئے بچشمِ خود دیکھا۔ اور یہ حضرات اکثر و بیشتر اِمام بخاریؒ یا شیخ ابنِ تیمیہؒ کی تحقیق کو اَولیٰ و راجح سمجھتے ہیں، اور کبھی ان کو بھی چھوڑ کر حافظ ابنِ حزمؒ کی تحقیقات کو سرمۂ چشمِ بصیرت سمجھتے ہیں۔ اب یہ حضرات ہی انصاف فرمائیں کہ صحابہؓ و تابعینؒ کے دور میں (جس کو حدیث شریف میں خیرالقرون فرمایا گیا ہے) دِین پر بہتر عمل ہو رہا تھا یا موٴخرالذکر اکابرؒ کے زمانے میں...؟

سوم:... یہ کہ ہم لوگوں کو اپنے عامی ہونے کا اعتراف ہے، اس لئے کسی اِمامِ مجتہد کی اِقتدا دِین کی پیروی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ حضرات اس کے باوجود کہ ایک آیت یا حدیث کا ترجمہ کرنے کے لئے بھی اُردو تراجم کے محتاج ہیں، اپنے آپ کو عامی ماننے میں عار سمجھتے ہیں اور اپنے کو ائمۂ مجتہدینؒ کے ہم پلہ، بلکہ ان سے بھی بالاتر سمجھتے ہیں...!

بہرحال اہلِ حدیث حضرات اگر ہم عامیوں پر اس لئے طعن کرتے ہیں کہ ہم اپنے جہل کا اعتراف کرتے ہوئے کسی عالمِ ربانی اور عالمِ حقانی کی پیروی کو اِتباعِ شریعت کے لئے کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ تو ہم ان کی طعن و تشنیع سے بدمزہ نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ ان کے علم و اِجتہاد میں برکت فرمائیں۔ ہم لوگ بھی اِن شاء اللہ! اکابر ائمہؒ کی اِقتدا کرتے ہوئے جنت میں پہنچ ہی جائیں گے۔

وہاں پہنچ کر اِن شاء اللہ! ان طعن کرنے والے حضرات کو بھی کھل جائے گا کہ ان کے طعن و تشنیع کی کیا قیمت تھی...؟

۷:... عورت کی نماز کے بارے میں ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' حصہ دوم کے مسئلہ نمبر:۴ میں ضروری تفصیل لکھ چکا ہوں، وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے، مگر یہاں ایک نکتے کا مزید اضافہ کروں گا:

میں نے وہاں تین روایات ذکر کی ہیں، دو مرفوع، ایک خلیفہ راشد حضرت علیؓ کا قول۔ نیز میں نے وہاں یہ بھی ذکر کیا کہ قریب قریب تمام ائمہ اور فقہائے اُمت، مرد و عورت کی نماز میں (بعض مسائل میں) فرق کے قائل ہیں، جن کی تفصیل ان کی کتبِ فقہیہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

اہلِ حدیث حضرات جو نماز کے مسائل میں مرد و زَن کی تفریق کے قائل نہیں، وہ عموماً احادیث کے عموم سے استدلال کرتے

ہیں، جن میں فرمایا گیا ہے کہ رُکوع اس طرح کیا جائے، سجدہ یوں کیا جائے اور قعدہ یوں کیا جائے۔ ان حضرات نے ان احادیث کو مرد وعورت کے لئے عام سمجھا اور جن احادیث کا میں نے اُوپر حوالہ دیا، ان کو ضعیف قرار دے کر مسترد کردیا۔ حالانکہ اگر ان حضرات نے غور فرمایا ہوتا تو انہیں یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ چاروں اِماموں نے مرد وعورت کی نماز میں بعض مسائل میں جو تفریق فرمائی ہے، اس کا منشا ستر (پردہ) ہے، جس کی طرف میں ''اِختلافِ اُمت'' میں اشارہ کرچکا ہوں، اور یہ منشا خود اَحادیثِ صحیحہ میں مصرّح ہے۔ چنانچہ مردوں کے لئے جمعہ اور جماعت کی حاضری کو لازم قرار دیا گیا ہے، لیکن عورتوں کے لئے اسی تستر (پردے) کی بنا پر ان کا وجوب ساقط کردیا گیا، اور ان کے حق میں: ''وَبُیُوْتُھُنَّ خَیْرٌ لَّھُنَّ'' (مشکوٰۃ ص:۹۶) فرمایا گیا۔ اس لئے جن احادیث میں دونوں کی نماز میں تفریق کا مضمون وارِد ہوا ہے، وہ اگر ضعیف بھی ہوں تب بھی وہ عمومات کے مقابلے میں لائقِ ترجیح ہوں گی، کیونکہ عورت کا عورت ہونا خود اس کے تستر کو چاہتا ہے، پھر ائمۂ مجتہدینؒ کا بالاتفاق فیصلہ بھی اسی کا مؤید ہے، اِمام بخاریؒ نے تعلیقاً اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا کا اثر نقل کیا ہے کہ وہ مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ فقیہہ تھیں۔[۱]

حافظ ابنِ حجرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ: ''یہ اُمّ الدرداء صغریٰ ہیں جو تابعیہ ہیں، اور تابعی کا مجرّد عمل خواہ اس کا مخالف موجود نہ ہو، حجت نہیں۔''[۲]

اس کے مقابلے میں مسندِ اِمام ابی حنیفہؒ کی روایت ہے کہ: ''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں؟ فرمایا: پہلے چارزانو بیٹھتی تھیں، پھر انہیں حکم دیا گیا کہ سمٹ کر بیٹھا کریں۔'' (لامع الدراری ج:۱ ص:۳۳۱)

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی خواتین کا عمل جو حکمِ نبوی کے ماتحت تھا، اُمّ الدرداء صغریٰ تابعیہ کے عمل سے اَولیٰ اور اَنسب ہوگا، اور چونکہ اس حکم اور عمل کا منشا وہی تستر تھا، اس لئے اس علت سے مردوں اور عورتوں کی نماز میں تفریق دُوسری جزئیات میں بھی ثابت ہوجائے گی، جو مذکورہ بالا احادیث میں مصرّح ہیں، اور ائمۂ اَربعہ کے درمیان متفق علیہا بھی ہیں۔

وباللہ التوفیق، واللہ أعلم وعلمہ اتمّ وأحکم!

اَئمۂ اِجتہاد واقعی شارع اور مقنن نہیں

سوال:... ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ'' اس کے مصداق تو ہم سب مقلدین بھی معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ جو ہمارے مفتی حرام وحلال بتاتے ہیں، ہم بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔ ہم خود نہیں جانتے وہ صحیح کہہ رہے ہیں یا غلط؟ خصوصاً

---

(۱) ''وکانت أُمّ الدرداء تجلس فی صلاتھا جِلسۃَ الرجل، وکانت فقیھۃ۔'' (بخاری ج:۱ ص:۱۱۴، باب سنۃ الجلوس فی التشھد)۔

(۲) ''وعرف من روایۃ مکحول أن المراد بأمّ الدرداء الصغریٰ التابعیۃ لَا الکبریٰ الصحابیۃ، لأنہ ادرک الصغریٰ ولم یدرک الکبریٰ، وعمل التابعی بمفردہ ولو لم یخالف لَا یحتج بہ۔'' (فتح الباری ج:۲ ص:۳۰۶، کتاب الأذان، باب سنۃ الجلوس)۔

اس آیت کے مصداق وہ غالی مریدین بھی ہیں جو اپنے پیر کا حکم کسی صورت نہیں ٹالتے، چاہے وہ صریح خلافِ شریعت ہو، ان کے غلط اقوال کی دور از کار تاویلوں سے صحت ثابت کرتے ہیں۔

جواب:… اگر کوئی احمق، ائمہ اِجتہاد رحمہم اللہ کو واقعتاً شارع اور مقنن سمجھتا ہے تو کوئی شک نہیں کہ وہ اس آیتِ کریمہ کا مصداق ہے۔ لیکن اہلِ اُصول کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "القیاس مظھر لا مثبت" یعنی ائمہ اِجتہاد کا قیاس و اِجتہاد اَحکامِ شرعیہ کا مثبت نہیں بلکہ "مظھر من الکتاب والسنّۃ" ہے،[1] جو اَحکام صراحتاً کتاب و سنت میں مذکور نہیں اور جن کے اِستخراج اور اِستنباط تک ہم عامیوں کے علم و فہم کی رسائی نہیں، ائمہ اِجتہاد کا قیاس و استنباط ان اَحکام کو کتاب و سنت سے نکال لاتا ہے۔ تقلید کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہم لوگوں کا فہم کتاب و سنت کے اَحکام تک نہیں پہنچتا، پس اِتباع تو دراصل کتاب و سنت کی ہے، ائمہ اِجتہاد کا دامن پکڑنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ ہم اِتباعِ کتابِ ہدیٰ کے بجائے اِتباعِ ہویٰ کے گڑھے میں نہ گر جائیں، اور اکابر مشائخؒ کی لغزشوں کی تأویل اس لئے ہے کہ ان کے ساتھ حسنِ ظن قائم رہے، اس لئے نہیں کہ ان کی ان لغزشوں کی بھی اِقتدا کی جائے۔[2]

کیا ائمہ اَربعہؒ، پیغمبروں کے درجے کے برابر ہیں؟

سوال:… کیا پیغمبروں کے درجے کے برابر ہونے کے لئے کم سے کم اِمام (اِمام اعظم ابوحنیفہؒ، اِمام شافعیؒ وغیرہ) کے برابر ہونا ضروری ہے؟

جواب:… اِمام اعظم ابوحنیفہ اور اِمام شافعی رحمہما اللہ تو اُمتی ہیں، اور کوئی اُمتی کسی نبی کی خاکِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔[3]

کیا اِجتہاد کا دروازہ بند ہوچکا ہے؟

سوال:… علمائے کرام سے سنتے آئے ہیں کہ تیسری صدی کے بعد سے اِجتہاد کا دروازہ بند ہوچکا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور اس کے بعد پیش آنے والے مسائل کے حل کی کیا صورت ہے؟

جواب:… چوتھی صدی کے بعد اِجتہادِ مطلق کا دروازہ بند ہوا ہے، یعنی اس کے بعد کوئی مجتہدِ مطلق پیدا نہیں ہوا۔ جہاں تک نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کا تعلق ہے، ان پر ائمہ مجتہدین کے وضع کردہ اُصولوں کی روشنی میں غور کیا جائے گا اور اس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔

---

(۱) نور الأنوار ص:۵، طبع میر محمد۔

(۲) بل یجب علیھم اتباع الذین سبروا، ای تعمّقوا وبوّبوا، ای اوردوا ابوابا لکل مسئلة عن غیرھا، وجمعوا بینھما بجامع، وفرقوا بفارق وعلّلوا ای اوردوا لکل مسئلة علّته وفصلوا تفصیلًا، وعلیه بنٰی ابن الصلاح منع تقلید غیر الأئمة الأربعة: الإمام الھمام امام الأئمة امامنا الکوفی، والإمام مالک، والإمام الشافعی، والإمام احمد رحمھم الله تعالٰی وجزاھم عنا احسن الجزاء، لأن ذٰلک المذکور لم یدر فی غیرھم۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۶۲۹)۔

(۳) الولی لَا یبلغ درجة النبی۔ (شرح فقه اکبر ص:۱۴۸)۔ علمنا أنه صلی الله علیه وسلم أفضل الأنبیاء وسیّد الأصفیاء وسند الأولیاء، ثم قال: ونبی واحد أفضل من جمیع الأولیاء وقد ضل أقوام بتفضیل الولی علی النبی .... الخ۔ (شرح فقه الأکبر ص:۱۴۳، ۱۴۴، طبع مجتبائی، بمبئی)۔

اِجتہاد کا دروازہ بند ہوجانے کا یہ مطلب نہیں کہ چوتھی صدی کے بعد اِجتہاد ممنوع قرار دے دیا گیا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ اِجتہادِ مطلق کے لئے جس علم و فہم، جس بصیرت و اِدراک اور جس وَرَع و تقویٰ کی ضرورت ہے، وہ معیار ختم ہوگیا۔ اب اس درجے کا کوئی آدمی نہیں ہوا جو اِجتہادِ مطلق کی مسند پر قدم رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ شاید اس کی حکمت یہ تھی کہ اِجتہاد سے جو کچھ مقصود تھا، یعنی قرآن و سنت سے شرعی مسائل کا استنباط وہ اُصولاً و فروعاً مکمل ہوچکا تھا، اس لئے اب اس کی ضرورت باقی نہ تھی، اِدھر اگر یہ دروازہ ہمیشہ کو کھلا رہتا تو اُمت کی اجتماعیت کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، واللہ اعلم! [1]

کیا علماء نے اِجتہاد کا دروازہ بند کرکے اسلام کو زمانے کے ساتھ چلنے سے روکا ہے؟

سوال:... ستمبر کی بیس تاریخ کو میں نے ''فوٹو کی شرعی حیثیت'' سے متعلق فتویٰ پر کچھ گزارشات پیش کی تھیں اور آپ سے رہنمائی چاہی تھی، اس کے بعد حج کے دنوں دمام میں موجود نہ رہا، لہٰذا آنے والے دو جمعوں کے اخبار نظر سے نہ گزرے۔ اگر آپ نے اس سلسلے میں کچھ رہنمائی فرمائی ہوگی تو میں اس سے محروم رہ گیا۔ پچھلے دنوں ایک عالمِ دِین... جن کا نام یاد نہیں آرہا... نے مدیر کے نام خط شائع کرایا اور اس میں تقریباً وہی کچھ فرمایا جو آپ نے فرمایا ہے، اس کے بعد اس جمعہ کی اشاعت میں ''عکس یا تصویر'' از مفتی محمد شفیعؒ شامل ہے۔ میں نے اس کو پڑھا اور ظاہر ہے کہ مفتی صاحب کے علم اور بصیرت سے کون اِنکار کرسکتا ہے، لیکن بات پھر وہی آجاتی ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟ آج کے اس دور میں کیا مسلمان کو دُنیا سے الگ تھلگ ہوجانا چاہئے، کیونکہ بغیر تصویر کے موجودہ زمانے میں کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک عملی دُشواری ہے، جس کا حل اگر علماء نہ پیش کرسکیں تو یہ ایک خاموش اعتراف ہوگا کہ اسلام کا زمانے کے ساتھ چلنے کا دعویٰ خطا ہے، اور یہ اس لئے ہوگا کہ علماء نے اِجتہاد کا دروازہ بند کرکے اس دِین کو ایسا بنادیا ہے۔

جواب:... اِضطرار کی حالت ہمیشہ مستثنیٰ ہوتی ہے، جان بچانے کے لئے مردار کھانے کی بھی اجازت ہے، اسی طرح فوٹو اگر کسی قانونی مجبوری کی بنا پر بنوانا پڑے تو اس کی اجازت ہوگی۔ لیکن مسئلہ اپنی جگہ برقرار رہے گا کہ فوٹو حرام ہے۔ اسلام کے زمانے کے ساتھ چلنے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ہر جائز و ناجائز جو زمانے میں رائج ہوجائے اور ہر بے حیائی جو اہلِ زمانہ کی نظر میں ''آرٹ اور فن'' بن جائے، اسلام کو اس پر مہرِ تصدیق ثبت کرنی چاہئے، تو مجھے اعتراف ہے کہ اسلام اس زمانہ سازی کا قائل نہیں، اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ زمانے کے حالات خواہ کیسے ہی پلٹ جائیں، اسلام ہر حالت کے بارے میں انسانیت کی صحیح رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، تو یہ بات بالکل صحیح ہے۔ لیکن ہمارا اِصرار یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اسلام فلاں چیز کو جائز ہی قرار دے۔ اسلام تو دِینِ فطرت ہے، اور یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے یہ پرکھا جاتا ہے کہ انسانیت صحیح فطرت پر چل رہی ہے، یا فطرت سے بغاوت کرکے غلط راستے پر چل نکلی ہے؟ جہاں فطرت میں ذرا کجی آئے، اسلام اس کی نشاندہی کرتا ہے اور اِنسانیت کو آگاہ کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ جو چیزیں کج راہوں نے مسخِ فطرت کی بنا پر اِیجاد کرلی ہیں، اسلام سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ان کی مسخ شدہ فطرت کی

---

(۱) والتفصيل فى تسهيل الوصول الىٰ علم الأُصول (ص:۳۱۹ طبع المكتبة الصديقية ملتان) وايضًا فى الشامية ج:۱ ص:۷۷ "وقد ذكروا أن المجتهد المطلق قد فقد، وأما المقيد فعلىٰ سبع مراتب مشهورة واما نحن فعلينا اتباع ما رجحوه ....الخ۔"

تصدیق وتصویب کرے، فطرت کے سانچے کو توڑ دینے کے مرادف ہے۔ ہاں! مسلمانوں کو ناگزیر اِضطراری حالات پیش آجائیں تو اسلام ان کے لئے الگ اَحکام دیتا ہے۔[۱]

اِجتہاد کا دروازہ کھلے ہونے کا اگر یہ مفہوم ہے کہ جو مسائل پہلے زمانوں میں پیش نہیں آئے تھے، کتاب وسنت میں غور وفکر کرکے یہ معلوم کیا جائے کہ ان نئی صورتوں کے بارے میں خدا اور رسول کا حکم کیا ہے؟ تو یہ مفہوم صحیح ہے اور ایسے اِجتہاد کا دروازہ کسی نے بند نہیں کیا۔ یہ علماء پر خالص تہمت ہے کہ انہوں نے اِجتہاد کا دروازہ بند کردیا ہے۔ لیکن اگر اِجتہاد کا دروازہ کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں خدا اور رسول نے حرام کردی ہیں، ان کو اِجتہاد کے زور سے حلال کردیا جائے، جو چیزیں خدا اور رسول نے فرض کی تھیں، اب ان کی فرضیت کو اُٹھادیا جائے، جن باتوں کو خدا اور رسول نے بُرائی اور فاحشہ فرمایا تھا، اب اِجتہاد کے ذریعے ان کو نیکی اور کارِثواب بنادیا جائے، تو یہ اِجتہاد نہیں، بلکہ دِین میں تحریف ہے۔ مسلمانوں کو خدا کا شکر اَدا کرنا چاہئے کہ انہوں نے دِین کی تحریف کا دروازہ بند رکھا ہے، ورنہ یہود ونصاریٰ کے دِین کی طرح ان کا دِین بھی اب تک مسخ ہوچکا ہوتا۔

کیا ہر وہ کام بدعت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دور کے بعد شروع ہوا؟

سوال:... کیا ہر وہ کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دور کے بعد شروع ہو، بدعت ہوگا؟ یا کام کی نوعیت دیکھ کر اس پر بدعت کا فتویٰ لگے گا؟

جواب:... دِین کا سیکھنا تو شریعت نے فرض قرار دیا ہے، اور دِین سیکھنے کا رواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانے میں بھی تھا، اس لئے کسی عالم سے دین سیکھنا اور اس پر اِعتماد کرتے ہوئے اس کی تقلید کرنا بدعت نہ ہوا۔[۲]

کیا تقلیدِ شخصی بھی بدعت ہے؟

سوال:... کسی کام میں جس قدر بھی فائدہ نظر آئے، وہ کام اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور میں نہیں ہوا تو وہ بدعت ہی کہلائے گا، مثلاً: تقلیدِ شخصی۔

جواب:... آپ کا یہ خیال ہی غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں تقلید یا تقلیدِ شخصی نہیں تھی۔ آپ جانتے ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تھا، اور یمن ہی کے دُوسرے علاقے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو۔ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے علاقے کے معلّم تھے اور وہاں کے لوگ ان سے مسائلِ شرعیہ معلوم کرکے ان پر عمل کرتے تھے۔ یہ ''تقلیدِ شخصی'' نہیں تھی تو اور کیا تھی...؟ اسی طرح حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرامؓ کو مختلف بلاد واَمصار میں معلّم بناکر بھیجا، اور ہر علاقے کے لوگ ان صحابہؓ سے مسائل

---

(۱) الضرورات تبیح المحظورات ومن ثم جاز أكل الميتة .... الخ۔ (الاشباہ والنظائر ص:۴۳، طبع ایچ ایم سعید کراچی)۔

(۲) "فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (الانبیاء:۷) أیضًا عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: طلب العلم فریضة علٰی كل مسلم .... الخ۔ (مشکوٰۃ ص:۳۰ کتاب العلم)۔

پوچھ کر عمل کرتے تھے، چنانچہ کوفہ کے لوگ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے فتووں پر عمل کرتے تھے، یہی ''تقلیدِ شخصی'' تھی۔ [۱]

کیا کسی ایک اِمام کی پیروی ضروری ہے؟

سوال:... میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ میں کسی ایک اِمام کی پیروی لازمی نہیں سمجھتا، بلکہ جس کی جو بات دِل کو لگے اس پر عمل کرتا ہوں۔ جبکہ میری رائے یہ ہے کہ کسی بھی ایک اِمام کی اِقتدا ضروری ہے، ورنہ آدمی شترِ بے مہار ہے۔ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں کہ وہ صاحب اپنے عمل میں کس حد تک دُرست ہیں؟

جواب:... کسی اِمام کی پیروی نہ کرنا، بلکہ جس کا مسئلہ دِل کو لگے اور اپنے لئے مفیدِ مطلب ہو، اس کو اِختیار کرلینا، دِین کی پیروی نہیں بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی ہے، [۲] اس لئے یہ صحیح نہیں۔

کسی ایک اِمام کی تقلید کیوں؟

سوال:... جب چاروں اِمام، اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام شافعیؒ، اِمام مالکؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ برحق ہیں تو پھر ہمیں کسی ایک کی تقلید کرنا کیوں ضروری ہے؟ ان چاروں سے پہلے لوگ کن کی تقلید کرتے تھے؟

جواب:... جب چاروں اِمام برحق ہیں تو کسی ایک کی تقلید حق ہی کی تقلید ہوگی، چونکہ بیک وقت سب کی تقلید ممکن نہیں، لامحالہ ایک کی لازمی ہوگی۔ [۳]

دوم:... تقلید کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کوئی آدمی گمراہ ہوکر اِتباعِ ہویٰ کا شکار نہ ہوجائے جبکہ ائمہ عظام سے پہلے کا دورِ خیرالقرون کا دور تھا، وہاں لوگ اپنی مرضی چلانے کے بجائے صحابہ کرامؓ سے پوچھ لیتے تھے۔ [۴]

---

(۱) عن الأسود بن يزيد قال: أتانا معاذ بن جبل باليمن معلّمًا وأميرًا فسألناه عن رجل توفى وترک ابنته وأُخته فأعطى الابنة النصف والأُخت النصف. (صحيح بخارى ج:۲ ص:۹۹۷، باب ميراث البنات). حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا: "قد بعثت اليكم عمار بن يسار أميرًا وعبدالله بن مسعود معلّمًا ووزيرًا، وهما من النجبآء من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل بدر فاقتدوا بهما وقد اٰثرتكم بعبدالله علٰى نفسى." (تذكرة الحفاظ ج:۱ ص:۱۳).

(۲) قال المحققون من الأُصوليين: العامى وهو من ليس له أهلية الاجتهاد، وان كان محصلًا لبعض العلوم المعتبرة فى الاجتهاد يلزمه اتباع قول المجتهدين والأخذ بفتواهم، لقوله تعالٰى: "فَسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ". (تيسير الأُصول الى علم الأُصول ص:۳۲۳ بحث فى التقليد). وايضًا فى الفتاوىٰ الكبرىٰ لابن تيمية ج:۲ ص:۲۴۳ وفى وقت يقلدون من يفسده وفى وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوىٰ ومثل هٰذا لَا يجوز باتفاق الأُمّة. (طبع دار القلم بيروت، المسألة السابعة والأربعون).

(۳) يجب على العامى وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الْإجتهاد التزام مذهب معيّن (الحاوى للفتاوىٰ ج:۱ ص:۲۹۵). فقد صرح العلماء بان التقليد واجب على العامى لئلا يضل فى دينهٖ." (ميزان الكبرىٰ ج:۱ ص:۸۸، طبع مصر، اليواقيت والجواهر ج:۲ ص:۹۶).

(۴) خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (مشكٰوة ص:۵۵۳، باب مناقب الصحابة). وبعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقلّ من كان لَا يعتمد علٰى مذهب مجتهد بعينهٖ وكان هٰذا هو الواجب فى ذاک الزمان. (الْإنصاف ص:۵۹، لشاه ولى الله).

ایک دُوسرے کے مسلک پر عمل کرنا

سوال:... اگر کوئی شخص اپنے مسلک کے علاوہ کسی مسلک کی پیروی ایک یا ایک سے زائد مسائل میں کرے تو کیا اس کی اجازت ہے؟ یعنی اگر کوئی شافعی، اِمام ابوحنیفہؒ کے مسئلے پر عمل کرے تو کیا اس کی اجازت ہے؟

جواب:... اپنے اِمام کے مسلک کو چھوڑ کر دُوسرے مسلک پر عمل کرنا دو شرطوں کے ساتھ صحیح ہے: ایک یہ ہے کہ اس کا منشا ہوائے نفس نہ ہو، بلکہ دُوسرا مسلک دلیل سے اَقویٰ (زیادہ قوی) اور اَحوَط (زیادہ احتیاط والا) نظر آئے۔ دوم یہ کہ دو مسلکوں کو گڈمڈ نہ کرے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں "تلفیق" کہا جاتا ہے، بلکہ جس مسلک پر عمل کرے، اس مسلک کی تمام شرائط کو ملحوظ رکھے۔[1]

کیا ایک اِمام کا مقلد دُوسرے اِمام کے مسئلے پر عمل کرسکتا ہے؟

سوال:... ہم فقہ میں حنفی طریقے کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، مگر بعض اُمور میں مجھے دُوسرے فقہاء شافعیؒ وغیرہ کی رائے زیادہ اپیل کرتی ہے۔ اگر خواہشِ نفس کی مداخلت نہ ہو تو بیک وقت حنفی رہتے ہوئے بعض اُمور میں دُوسرے فقہاء کو ترجیح دینا (عملی اُمور میں) دُرست ہے؟

جواب:... ایک فقہ کو دُوسری پر ترجیح دینا (کسی خاص مسئلے میں) اہلِ علم کا کام ہے، میرے جیسے لوگوں کا کام نہیں۔ میرے جیسے لوگوں کے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ مذہب کے مفتیٰ بہ قول کی پابندی کریں۔[2]

چاروں اِماموں کی بیک وقت تقلید

سوال:... عصرِ حاضر کے ایک مشہور اسکالر .... فرماتے ہیں کہ وہ کسی ایک فقہ کے مقلد نہیں، بلکہ وہ پانچ ائمہ (اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام مالکؒ، اِمام شافعیؒ، اِمام احمد بن حنبلؒ اور اِمام بخاریؒ) کی پیروی کرتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا بیک وقت ایک سے زائد فقہوں کی پیروی کی جاسکتی ہے؟ انسان حسبِ منشا کسی بھی فقہ کے فیصلہ کو اپنا سکتا ہے؟ کیا یہ عمل کلی مقصد شریعت کے منافی نہیں ہے؟

جواب:... مسائل کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ مسائل جو تمام فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہیں، ان میں تو ظاہر ہے کہ کسی ایک مسلک کی پیروی کا سوال ہی نہیں۔ دُوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں فقہاء کا اِجتہادی اختلاف ہے، ان میں بیک وقت سب کی پیروی تو ہو نہیں سکتی، ایک ہی کی پیروی ہوسکتی ہے، اور جس فقیہ کی پیروی کی جائے، اس مسلک کے تمام شروط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری

---

(۱) وان الحکم الملفق باطل بالإجماع، وفی الشامیة: وأنه یجوز العمل بما یخالف ما عمله علیٰ مذهبه مقلدًا فیه غیر اِمامه مستجمعًا شروطه .... الخ۔ (فتاویٰ شامی ج:۱ ص:۷۵)۔

(۲) قال المحققون من الأُصولیین: العامی وهو من لیس له أهلیة الإجتهاد، وان کان محصلًا لبعض العلوم المعتبرة فی الإجتهاد یلزمه اتباع قول المجتهدین والأخذ بفتواهم، لقوله تعالٰی: "فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔ (تیسیر الأُصول الی علم الأُصول ص:۳۲۳ بحث فی التقلید)۔ وایضًا فی الفتاویٰ الکبریٰ لِابن تیمیة ج:۲ ص:۲۴۳ وفی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهویٰ ومثل هٰذا لَا یجوز باتفاق الأُمّة۔ (طبع دار القلم بیروت، المسألة السابعة والأربعون)۔

ہے۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ تمام مسائل میں ایک ہی فقہ کی پیروی کی جائے، اس میں سہولت بھی ہے، یکسوئی بھی ہے اور نفس کی بے قیدی سے امن بھی ہے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ ایک مسئلے میں ایک فقیہ کی پیروی کرلی اور دُوسرے مسئلے میں دُوسرے فقیہ کی۔ اس میں چند خطرات ہیں: ایک یہ کہ بعض اوقات ایسی صورت پیدا ہوجائے گی کہ اس کا عمل تمام فقہاء کے نزدیک غلط ہوگا، مثلاً: کوئی شخص یہ خیال کرے کہ چونکہ گاؤں میں اِمام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ جائز ہے، اس لئے میں ان کے مسلک پر جمعہ پڑھتا ہوں، حالانکہ اِمام شافعیؒ کے مسلک پر نماز صحیح ہونے کے لئے بعض شرائط ایسی ہیں جن کا اس کو علم نہیں، نہ اس نے ان شرائط کو ملحوظ رکھا، تو اس کا جمعہ نہ تو اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہوا اور نہ اِمام شافعیؒ کے نزدیک ہوا۔

دُوسرا خطرہ یہ ہے کہ اس صورت میں نفس بے قید ہوجائے گا، جس مسلک کا جو مسئلہ اس کی پسند اور خواہش کے موافق ہوگا، اس کو اِختیار کرلیا کرے گا، یہ اِتباعِ ہویٰ و نفس ہے۔

تیسرا خطرہ یہ کہ بعض اوقات اس کو دو مسلکوں میں سے ایک کے اختیار کرنے میں تردّد پیدا ہوجائے گا، اور چونکہ خود علم نہیں رکھتا، اس لئے کسی ایک مسلک کو ترجیح دینا مشکل ہوجائے گا، اس لئے ہم جیسے عامیوں کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ایک مسلک کو اِختیار کریں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ یہ تمام فقہی مسلک دریائے شریعت سے نکلی ہوئی نہریں ہیں۔

کیا چاروں ائمہ نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے؟

سوال:... کیا واقعی چاروں اِماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا ہے؟

جواب:... جو لوگ چاروں اِماموں کی طرح مجتہد ہوں ان کو منع کیا ہے، عوام کو منع نہیں کیا۔[1]

ائمۂ اربعہؒ میں اتنا اختلاف کیوں تھا؟

سوال:... چاروں اِمام قریب قریب گزرے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بھی زیادہ وقفہ نہیں تھا، تو پھر ان میں اتنے زیادہ اختلاف کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ جبکہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہ تھا، ہر چیز موجود تھی۔

جواب:... اِجتہادی مسائل میں اختلاف کا ہونا ایک فطری چیز ہے، اس کے لئے میری کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' حصۂ دوم کا مطالعہ مفید ہوگا۔

شرعاً جائز یا ناجائز کام میں ائمہ کا اختلاف کیوں؟

سوال:... اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں کام فلاں اِمام کے نزدیک جائز ہے، لیکن فلاں کے نزدیک جائز نہیں، یہ ایک مہمل

---

(۱) وهو محمول علٰى أن من أعطى قوّة الْإجتهاد، أمّا الضعيف فيجب عليه التقليد لأحد من الأئمة، وإلّا هلك وضلّ. (ميزان الكبرىٰ ج:۱ ص:۸۸ طبع مصر، وايضًا اليواقيت والجواهر ج:۲ ص:۹۶). قال المحققون من الأُصوليين: العامى وهو من ليس له أهلية الْإجتهاد، وان كان محصلًا لبعض العلوم المعتبرة فى الْإجتهاد يلزمه اتباع قول المجتهدين والأخذ بفتواهم، لقوله تعالٰى: ''فَسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''. (تيسير الأُصول الى علم الأُصول ص:۳۲۳ بحث فى التقليد).

سی بات ہے۔ کیونکہ دِینی اعتبار سے کوئی بھی کام ہو، اس میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں: جائز یا ناجائز۔ اصل بات بتائیں، میں نے پہلے بھی کئی ایک سے پوچھا، مگر کسی نے مجھے مطمئن نہیں کیا۔

جواب:... بعض اُمور کے بارے میں تو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی (صلی اللہ علیٰ صاحبہ وسلم) میں صاف صاف فیصلہ کردیا گیا ہے (اور یہ ہماری شریعت کا بیشتر حصہ ہے)، ان اُمور کے جائز و ناجائز ہونے میں تو کسی کا اختلاف نہیں، اور بعض اُمور میں قرآن و سنت کی صراحت نہیں ہوتی، وہاں مجتہدین کو اِجتہاد سے کام لے کر اس کے جواز یا عدمِ جواز کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ علم و فہم اور قوّتِ اِجتہاد میں فرق ایک طبعی اور فطری چیز ہے، اس لئے ان کے اِجتہادی فیصلوں میں اختلاف بھی ہے، اور یہ ایک فطری چیز ہے، اس کو چھوٹی سی دو مثالوں سے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

۱:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ایک مہم پر روانہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ عصر کی نماز فلاں جگہ جاکر پڑھنا۔ نمازِ عصر کا وقت وہاں پہنچنے سے پہلے ختم ہونے لگا تو صحابہؓ کی دو جماعتیں ہوگئیں، ایک نے کہا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر نمازِ عصر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے خواہ نماز قضا ہوجائے مگر وہاں پہنچ کر ہی پڑھیں گے۔ دُوسرے فریق نے کہا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشائے مبارک تو یہ تھا کہ ہم غروب سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں، جب نہیں پہنچ سکے تو نماز قضا کرنے کا کوئی جواز نہیں۔[1]

بعد میں یہ قصہ بارگاہِ اقدس میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی اور کسی پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ دونوں نے اپنے اپنے اِجتہاد کے مطابق منشائے نبوی کی تعمیل کی (صلی اللہ علیہ وسلم)، اگرچہ ان کے درمیان جواز و عدمِ جواز کا اختلاف بھی ہوا۔ اسی طرح تمام مجتہدین اپنی اِجتہادی صلاحیتوں کے مطابق منشائے شریعت ہی کی تعمیل کرنا چاہتے ہیں، مگر ان کے درمیان اختلاف بھی رُونما ہوجاتا ہے، اور اس اختلاف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ برداشت فرمایا، بلکہ اس کو رحمت فرمایا،[2] اور اس ناکارہ کو اس اختلاف کا رحمت ہونا اس طرح کھلی آنکھوں نظر آتا ہے جیسے آفتاب۔

دُوسری مثال:... ہمیں روزمرّہ پیش آتی ہے کہ ایک ملزم کی گرفتاری کو ایک عدالت جائز قرار دیتی ہے اور دُوسری ناجائز، قانون کی کتاب دونوں کے سامنے ایک ہی ہے، مگر اس خاص واقعے پر قانون کے انطباق میں اختلاف ہوتا ہے، اور آج تک کسی نے اس اختلاف کو ''مہمل بات'' قرار نہیں دیا۔ چاروں ائمۂ اِجتہاد ہمارے دِین کے ہائی کورٹ ہیں، جب کوئی متنازعہ فیہ مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوتا ہے تو کتاب و سنت کے دلائل پر غور کرنے کے بعد وہ اس کے بارے میں فیصلہ فرماتے ہیں۔ ایک کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ جائز ہے، دُوسرے کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ ناجائز ہے، اور تیسرے کی رائے یہ ہوتی ہے کہ یہ مکروہ ہے، اور چونکہ سب کا فیصلہ اس امر کے قانونی نظائر اور کتاب و سنت کے دلائل پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے سب کا فیصلہ لائقِ احترام ہے، گو عمل کے لئے ایک ہی جانب

---

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم الأحزاب: لَا یصلّین أحدٍ العصر اِلّا فی بنی قریظة. فأدرک بعضهم العصر فی الطریق، فقال بعضهم: لَا نصلی حتّٰی نأتیها، وقال بعضهم: بل نصلّی، لم یرد منّا ذٰلک. فذکر ذٰلک للنبی صلی اللہ علیه وسلم فلم یعَنِّفُ واحدًا منهم. (بخاری ج:۲ ص:۵۹۱، باب مرجع النبی صلی اللہ علیه وسلم من الأحزاب ...اِلخ).

(۲) اِختلاف اُمّتی رحمةٌ ...... اختلاف أصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم رحمةٌ ...الخ۔ (المقاصد الحسنة للسخاوی ص:۴۹ حدیث نمبر:۳۹ طبع بیروت).

کو اختیار کرنا پڑے گا۔[۱] یہ چند حرف قلم روک کر لکھے ہیں، زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں، ورنہ یہ مستقل مقالے کا موضوع ہے۔

فہمِ قرآن وحدیث میں صحابہؓ کا اِختلاف

سوال:... اِمام کس کی پیروی کرتا ہے؟ یہ سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے؟ فرقہ بندی یا اختلاف کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

جواب:... قرآن وحدیث کے فہم میں صحابہؓ میں بھی اختلاف تھا، اور یہ فرقہ بندی نہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ غزوۂ اَحزاب کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی شخص بنوقریظہ کے علاوہ عصر کی نماز نہ پڑھے۔ مگر راستے میں عصر کا وقت ہوگیا، بعض حضرات نے راستے میں نماز پڑھ لی، جبکہ دُوسرے حضرات نے نمازِ عصر قضا کردی مگر بنوقریظہ پہنچ کر نماز پڑھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں قسم کے لوگوں کا عمل آیا تو آپ نے کسی پر نکیر نہ فرمائی۔[۲]

سوال:... کیا ائمہ دِین نے اس بات کو مدِنظر نہ رکھا کہ دِین کو تو وہ آسان کر رہے ہیں مگر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یعنی اختلاف اور فرقہ بندی۔

جواب:... اس میں ائمہ کا کیا قصور ہے؟ انہوں نے اپنے اِجتہاد کے مطابق دِین سمجھانے کی سعی وکوشش فرمائی اور اُمت کو ایک دُوسرے سے دست وگریبان ہونے سے بچایا، بہرحال موجودہ اختلاف فہم کا اختلاف ہے۔

سوال:... فرقہ بندی اور اختلاف کب پیدا ہوا؟

جواب:... صحابہؓ کے دور سے۔

سوال:... چار ائمہ دِین کا طریقہ مختلف ہے، کس کے طریقے کو اَپنایا جائے؟

جواب:... چاروں برحق ہیں، کسی ایک کے طریقے کو اپنے عمل کے لئے اختیار کرلیا جائے۔[۳]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کا کس فقہ سے تعلق تھا؟

سوال:... رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا کس فقہ سے تعلق تھا؟

جواب:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ وحی تھے، اور وحیٔ اِلٰہی کی پیروی کرتے تھے،[۴] بعض اُمور میں آپ صلی اللہ

---

(۱) ”ولما اندرست المذاهب الحقة الّا هٰذه الأربعة كان اتباعها اتباعًا للسواد الأعظم“ (عقد الجيد ص:۳۸)۔

(۲) ”عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم يوم الأحزاب: لَا يصلين أحدٍ العصر اِلّا فى بنى قريظة. فأدرک العصر فى الطريق، فقال بعضهم: لَا نصلى حتّى نأتيها، وقال بعضهم: بل نصلى، لم يرد منا ذٰلک، فذكر ذٰلک للنبى صلى الله عليه وسلم فلم يعنف واحدًا منهم۔“ (بخارى ج:۲ ص:۵۹۱، باب مرجع النبى صلى الله عليه وسلم من الأحزاب ومخرجه إلٰى بنى قريظة ...إلخ)۔

(۳) فقد بان لک يا أخى ممّا نقلناه عن الأئمة الأربعة أن جميع الأئمة المجتهدين دائرون مع أدلة الشرع حيث دارت ..... وأن مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسنة۔ (ميزان الكبرىٰ ج:۱ ص:۵۵، طبع مصر)۔

(۴) كما قال الله تعالىٰ: ”وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ“ (الأحزاب:۲)، ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى“ (النجم:۳)۔

علیہ وسلم اِجتہاد فرماتے تھے، اور وحیٔ اِلٰہی اس کی تصویب یا اصلاح کرتی تھی۔[1] خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم غیرمنصوص مسائل میں اِجتہاد فرماتے تھے، اور اگر ان کے اِجتہاد کو قبولیتِ عامہ حاصل ہوجاتی تھی تو یہ ''اِجماع'' تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بعض مجتہد تھے، اور بعض مجتہد نہیں تھے۔ مجتہد خود اِجتہاد فرماتے تھے اور جو مجتہد نہیں تھے، وہ اہلِ اِجتہاد سے دریافت فرماتے تھے۔ یہی حال تابعین کا بھی رہا۔[2] ان کے بعد ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کا دور آیا، اور اُن کے مسائل منقح شکل میں مدوّن ہوگئے۔ اب جو لوگ خود مجتہد ہوں وہ تو اپنے اِجتہاد پر عمل کریں، اور جو مجتہد نہیں وہ ائمۂ اَربعہ رحمہم اللہ کے مدوّن، مرتب اور منقح مسائل پر عمل کریں۔ مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے دِین پر عمل کرنا تھا، خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی، اور آج بھی۔ اس کا طریقہ مختصراً میں نے ذکر کردیا۔

کسی ایک فقہ کی پابندی عام آدمی کے لئے ضروری ہے، مجتہد کے لئے نہیں

سوال:... کیا ہم پر ایک فقہ کی پابندی واجب ہے؟ کیا فقہِ حنفی، فقہِ شافعی، فقہِ مالکی، فقہِ حنبلی یہ سب اسلام ہیں؟ حق تو صرف ایک ہوتا ہے؟ کیا آپ کے ائمہ نے فقہ کو واجب قرار دیا ہے؟ اِمام شافعیؒ نے اِمام ابوحنیفہؒ کے فقہ کی پابندی کیوں نہیں کی؟ ایک واجب چھوڑ کر گناہ گار ہوئے اور یہی نہیں بلکہ ایک نئی فقہ پیش کردی (نعوذ باللہ)۔

جواب:... ایک مسلمان کے لئے خدا اور رسول کے اَحکام کی پابندی لازم ہے۔ جو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی سے معلوم ہوں گے، اور علمِ اَحکام کے لئے اِجتہاد کی ضرورت ہوگی، اور صلاحیتِ اِجتہاد کے لحاظ سے اہلِ علم کی دو قسمیں ہیں: مجتہد اور غیرمجتہد۔ مجتہد کو اپنے اِجتہاد کے مطابق عمل کرنا لازم ہے اور غیرمجتہد کے لئے کسی مجتہد کی طرف رجوع کرنا ہے۔

لقولہ تعالیٰ: ''فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔'' (النحل:۴۳)

ولقولہ علیہ السلام: ''اَلَا سَأَلُوْا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعَيِّ السُّؤَالُ۔''

(ابوداوٗد ج:۱ ص:۴۹)

ائمۂ اَربعہ مجتہد تھے، عوام الناس قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے لئے ان مجتہدین سے رُجوع کرتے ہیں، اور جو حضرات

---

(۱) ثم اعلم! أن للأنبیاء علیہم السلام أن یجتہدوا مطلقًا وعلیہ الأکثر أو بعد انتظار الوحی وعلیہ الحنفیۃ۔ (شرح فقہ الاکبر ص:۱۶۴، مطبوعہ دھلی، اِنڈیا)۔

(۲) اعلم أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن الفقہ فی زمانہ الشریف مدوّنًا ولم یکن البحث فی الأحکام یومئذ مثل البحث من ھٰؤلاء الفقہاء ..... (حجۃ اللہ البالغۃ ج:۱ ص:۱۴۰، ۱۴۱) وبعد أسطر..... وکذٰلک کان الشیخان أبوبکر وعمر .... الخ۔ قال المحققون من الأُصولیین: العامی وھو من لیس لہ أھلیۃ الإجتہاد ..... یلزمہ اتباع قول المجتہدین والأخذ بفتواھم لقولہ تعالیٰ: ''فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' وھو عام لکل المخاطبین ...... وللاجماع علٰی ان العامۃ لم تزل فی زمن الصحابۃ والتابعین قبل حدوث المخالفین یستفتون المجتہدین ویتبعونھم فی الأحکام الشرعیۃ، والعلماء منھم یبادرون الٰی اجابۃ سؤالھم من غیر اشارۃ الٰی ذِکر الدلیل۔ (تیسیر الأُصول الٰی علم الأُصول ص:۳۲۳، بحث فی التقلید)۔

خود مجتہد ہوں ان کو کسی مجتہد سے رُجوع کرنا نہ صرف غیرضروری بلکہ جائز بھی نہیں۔[۱] اور کسی معین مجتہد سے رُجوع اس لئے لازم ہے تاکہ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے بجائے خواہشِ نفس کی پیروی نہ شروع ہوجائے کہ جو مسئلہ اپنی خواہش کے مطابق دیکھا وہ لے لیا۔[۲] آنجناب اگر خود اِجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اپنے اِجتہاد پر عمل فرمائیں، میں نے جو لکھا وہ غیرمجتہد لوگوں کے بارے میں لکھا ہے۔

کیا فقہ کے بغیر اسلام اَدھورا ہے؟

سوال:... کیا فقہ کے بغیر اسلام اَدھورا ہے؟ اگر کوئی شخص کسی بھی فقہی اِمام کو نہ مانے، یا اپنے آپ کو کسی فقہ کا مقلد نہ کہے تو کیا وہ آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہے؟ وضاحت کیجئے۔

جواب:... جی ہاں! فقہ دِین کا جز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ“ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ“ اگر کسی کو ”فقه فى الدِّين“ خود نصیب ہے، اور ”اِجتهاد فى الدِّين“ کے بلند منصب پر فائز ہے، اس کو اپنی ذاتی فقہ پر عمل کرنا چاہئے، ورنہ چاروں ائمہ میں سے کسی کی فقہ پر عمل ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر دِین پر عمل نہیں ہوسکتا، اور دِین پر عمل کرنا فرض ہے۔[۳]

دِین مکمل ہے تو فقہ کیوں تحریر ہوئی؟

سوال:... دِین مکمل ہوچکا ہے، فقہ یا اسی طرح کی دیگر کتابیں کیوں تحریر ہوئیں؟

جواب:... قرآن و حدیث کے مسائل کو الگ مدوّن کردیا گیا، تاکہ لوگوں کو مسائل معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

سوال:... کیا قرآنِ پاک اور اَحادیث اتنی مشکل کتابیں ہیں کہ آسان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی؟ اگر ایسی بات ہوتی تو لازمی یہ حدیث بھی آتی کہ قرآن و اَحادیث کو آسان کتابوں کی شکل دی جائے۔

جواب:... قرآن و حدیث سے جو مسائل نکلتے ہیں ان کو الگ لکھ دیا گیا۔

سوال:... اگر آسان کرنا ضروری تھا تو پھر اختلاف کیوں ہوا (چار ائمۂ دِین کے درمیان)؟ اس کا مطلب یہ ہوا فرقہ بندی وہاں سے ہی شروع ہوئی۔

جواب:... فہم میں اختلاف ہوجاتا ہے، جیسے قانون دانوں میں قانون کی تشریح میں اختلاف ہے۔

---

(۱) وهو محمول علىٰ من له قدرة علىٰ استنباط الأحكام من الكتاب والسُّنَّة وإلّا فقد صرَّح العلماء بأن التقليد واجب على العامى لئلا يضل فى دينهٖ. (ميزان الكبرىٰ ج:۱ ص:۸۸ طبع مصر، وايضاً اليواقيت والجواهر ج:۲ ص:۹۶).

(۲) وفى ذٰلك (اى التقليد) من المصالح مالَا يخفىٰ لَا سيّما فى هٰذه الأيام التى قصرت الهمم جدا واشربت النفوس الهوىٰ وأعجب كل ذى رأى برأيه. (حجة الله البالغة ج:۱ ص:۱۲۳ طبع مصر).

(۳) وهو محمول علىٰ من له قدرة علىٰ استنباط الأحكام من الكتاب والسُّنّة وإلّا فقد صرّح العلماء بأن التقليد واجب على العامى لئلّا يضل فى دينه. (ميزان الكبرى ج:۱ ص:۸۸، طبع مصر، ايضاً اليواقيت والجواهر ج:۲ ص:۹۶ ديكهيں).

کیا کسی ایک فقہ کو ماننا ضروری ہے؟

سوال:... کیا اسلام میں کسی ایک فقہ کو ماننا اور اس پر عمل کرنا لازمی ہے؟ یا اپنی عقل سے سوچ کر جس اِمام کی جو بات زیادہ مناسب لگے اس پر عمل کرنا جائز ہے؟

جواب:... ایک فقہ کی پابندی واجب ہے، ورنہ آدمی خودرائی وخودغرضی کا شکار ہوسکتا ہے۔[1]

قرآن اور حدیث کے ہوتے ہوئے چاروں فقہوں خصوصاً حنفی فقہ پر زور کیوں؟

سوال:... کوئی شخص فقہِ حنفی سے تعلق رکھتا ہے لیکن اپنا مسئلہ فقہِ مالکی سے حل کرانا چاہتا ہے، تو آپ اس کو روک دیتے ہیں۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہو کہ فقہِ حنفی میں ہوتے ہوئے فقہِ مالکی کی طرف اس لئے رُجوع کر رہا ہو کہ اس میں نرمی ہو، تو اسی دائرے (فقہِ حنفی) میں رہتے ہوئے اسے ناجائز کہہ سکتے ہیں۔ لیکن قطع نظر ان ساری باتوں کے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر ان ائمۂ اَربعہ کی فقہ کو مذہب کا درجہ کیوں دیا جاتا ہے کہ اس وقت چاروں اِماموں کے ماننے والوں کے مابین اس قدر دُوری ہے، جبکہ ایک اچھے مسلمان کو ہر وہ بات جو کتاب وسنت کے نزدیک حقیقت ہو، ماننی چاہئے، اور فقہ کی اہمیت بہت زیادہ کردی گئی حالانکہ اللہ اور رسول کی اِطاعت ضروری ہے، اس واضح حکم کے بعد آپ بتائیں کہ کسی اِمام، مجدّد، ظلّی یا بروزی، نبی کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے؟

جواب:... مجھے جناب کے سوال نامے سے خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی تمام اُلجھنیں بے کم وکاست پوری بے تکلفی سے بیان کردیں، تفصیل سے لکھنے کی افسوس ہے کہ فرصت نہیں، اگر جناب سے ملاقات ہوجاتی تو زبانی معروضات پیش کرنا زیادہ آسان ہوتا، بہرحال چند اُمور عرض کرتا ہوں:

۱:... دِینِ اسلام کے بہت سے اُمور تو ایسے ہیں جن میں نہ کسی کا اختلاف ہے نہ اختلاف کی گنجائش ہے۔ لیکن بہت سے اُمور ایسے ہیں کہ ان کا حکم صاف قرآنِ کریم یا حدیثِ نبوی میں مذکور نہیں، ایسے اُمور کا شرعی حکم دریافت کرنے کے لئے گہرے علم، وسیع نظر اور اعلیٰ درجے کی دیانت وامانت درکار ہے۔ یہ چاروں بزرگ ان اوصاف میں پوری اُمت کے نزدیک معروف ومسلّم تھے، اس لئے ان کے فیصلوں کو بحیثیت شارحِ قانون کے تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ عدالتِ عالیہ کی تشریحِ قانون مستند ہوتی ہے، اس لئے یہ تصوّر صحیح نہیں کہ لوگ اللہ ورسول کی اِطاعت کے بجائے ان بزرگوں کی اِطاعت کرتے ہیں، صحیح تعبیر یہ ہے کہ اللہ ورسول کے فرمودات کی جو تشریح ان بزرگوں نے فرمائی اس کو مستند سمجھتے ہیں۔ قانون کی تشریح کو کوئی عاقل، قانون سے اِنحراف نہیں سمجھا کرتا، اس لئے چاروں فقہ قرآن وسنت ہی سے مأخوذ ہیں، اور ان کی پیروی قرآن وسنت کی پیروی ہے۔

۲:... رہا یہ کہ جب چاروں تشریحات مستند ہیں تو صرف فقہِ حنفی ہی کو کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ دُوسری فقہوں کی پوری تفصیلات ہمارے سامنے نہیں، نہ ساری کتابیں موجود ہیں، اس لئے دُوسری فقہ کے ماہرین سے رُجوع کا مشورہ تو دیا جاسکتا

---

(۱) وفی ذٰلک (ای التقلید) من المصالح ما لَا یخفٰی لَا سیّما فی ھٰذہ الأیام التی قصرت الھمم جدًّا واشربت النفوس الھوٰی واعجب کل ذی رأی برأیہ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج:۱ ص:۱۲۳، طبع مصر)۔

ہے مگر خود ایسی جرأت خلافِ احتیاط ہے۔

دوم:... یہ کہ یہاں اکثر لوگ فقہِ حنفی سے وابستہ ہیں، پس اگر کوئی شخص دُوسری فقہ سے رُجوع کرے گا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ سہولت پسندی کی خاطر ایسا کرے گا، نہ کہ خدا اور رسول کی اطاعت کے لئے۔

جس فقہ کی بھی پیروی کریں، دُرست ہے

سوال:... فرض کریں ایک غیرمسلم مسلمان ہوا، تو وہ کون سے فقہ کی پیروی کرے؟ اور وہ یہ کیسے سمجھے کہ وہ جس طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟

جواب:... چاروں فقہ: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی برحق ہیں، وہ جس کی بھی پیروی کرے صحیح ہے۔[1]

فقہِ حنفی کی چند نصوص کی صحیح تعبیر

سوال ۱:... اگر کسی عورت کو اُجرت دے کر اس کے ساتھ زِنا کرے تو اس پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فقہِ حنفی میں اس زِنا پر حد نہیں ہے اور اپنی تائید میں یہ حوالہ پیش کرتے ہیں:

”لو استأجر المرأة ليزنى بها فزنى لَا يحد فى قول ابى حنيفة۔“

اس قول کی کیا تعبیر کی جائے گی؟

سوال ۲:... یہ کہ کیا فی الواقع فقہِ حنفی کے بعض یا اکثر مسائل قرآن اور صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں؟

سوال ۳:... کیا امام اعظم رحمہ اللہ کے مقلدین کی تقلید ایسی ہے کہ اگر بالفرض امام صاحبؒ کا کوئی مسئلہ قرآن پاک کی آیت یا کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو حنفی حضرات، قرآن پاک اور حدیثِ رسول کو یہ کہہ کر چھوڑ دیں گے کہ: ”چونکہ یہ آیت یا حدیث ہمارے امام کے قول کے مخالف ہے اس لئے ہم اس کو نہیں مانتے، ہمارے لئے امام کی تقلید اور ان کا مسئلہ لائق تقلید ہے۔“ ایسا کہنے والے کا کیا حکم ہوگا؟

سوال ۴:... جس شخص پر شہوت کا غلبہ ہو اور اس کی زوجہ یا لونڈی نہ ہو تو وہ شہوت میں تسکین حاصل کرنے کے لئے استمنا بالید کرسکتا ہے۔ اُمید ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اور زِنا کا خوف ہو تو پھر استمنا بالید واجب ہے (بحوالہ شامی ص:۱۵۶)۔

اُمید ہے کہ آں محترم اپنی ضروری مصروفیات میں سے وقت نکال کر مذکورہ سوالات کے جوابات سے مطلع فرمائیں گے۔

جواب ۱:... جس عورت کو اُجرت دے کر زِنا کیا ہو صاحبینؒ کے نزدیک اس پر حد ہے، اور درمختار میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ:

”والحق وجوب الحد كالمستأجرة للخدمة۔“ (شامی ج:۴ ص:۲۹)

---

(۱) فقد بان لک یا أخی مما نقلناه عن الأئمة ان جمیع الأئمة المجتهدین دائرون مع أدلّة الشرع حیث دارت ...... وان مذاهبهم كلها محررة على الكتاب والسُّنَّة۔ (میزان الكبرىٰ ج:۱ ص:۵۵، طبع مصر)۔

ترجمہ:... ”اور حق یہ ہے کہ حد واجب ہے، جیسے خدمت کے لئے نوکر رکھی ہوئی عورت سے زِنا کرنے پر حد واجب ہے۔“

حضرت امام ابوحنیفہؒ شبہ کی بنا پر حد کو ساقط فرماتے ہیں (اور تعزیر کا حکم دیتے ہیں) ان کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے، جس کو امام عبدالرزاقؒ نے مصنف میں بایں الفاظ نقل کیا ہے:

الف:... ”اخبرنا ابن جریج قال ثنی محمد بن الحارث بن سفیان عن ابی سلمة بن سفیان: ان المرأة جاءت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) فقالت: یا امیر المؤمنین! اقبلت اسوق غنمًا، فلقینی رجل، فحفن لی حفنةً من تمر، ثم حفن لی حفنةً من تمر، ثم حفن لی حفنةً من تمر، ثم اصابنی۔ فقال عمر (رضی اللہ عنہ): قلت: ماذا؟ فاعادت، فقال عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) ویشیر بیدہ: مهر! مهر! مهر! ..... الخ۔“

ترجمہ:... ”ہم سے بیان کیا جریج نے، وہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے بیان کیا محمد بن حارث بن سفیان نے، وہ روایت کرتے ہیں ابوسلمہ بن سفیان سے کہ: ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور بیان کیا کہ: اے امیر المؤمنین! میں اپنی بکریاں لارہی تھی، پس مجھے ایک شخص ملا، اس نے مجھے مٹھی بھر کھجوریں دیں، پھر ایک اور مٹھی بھر کھجوریں دیں، پھر ایک اور مٹھی بھر کھجوریں دیں، پھر مجھ سے صحبت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے کیا کہا؟ اس نے اپنا بیان دہرایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمارہے تھے: مہر ہے! مہر ہے! مہر ہے!“

ب:... ”وعن سفیان بن عیینة عن الولید بن عبداللہ عن ابی الطفیل ان امرأة اصابها الجوع، فاتت راعیًا، فسألته الطعام، فابیٰ علیها حتیٰ تعطیه نفسها، قالت: فحثیٰ لی ثلاث حثیات من تمر، وذکرت انها کانت جهدت من الجوع، فاخبرت عمر، فکبر وقال: مهر! مهر! کل حفنةً مهر، ودرأ عنها الحد۔“ (مصنف عبدالرزاق ج:۷ ص:۴۰۶)

ترجمہ:... ”نیز عبدالرزاق روایت کرتے ہیں سفیان بن عیینہ سے، وہ ولید بن عبداللہ بن جمیع سے، وہ ابوالطفیل (واثلہ بن اسقع صحابی رضی اللہ عنہ) سے کہ: ایک عورت کو بھوک نے ستایا، وہ ایک چرواہے کے پاس گئی، اس سے کھانا مانگا، اس نے کہا جب تک اپنا نفس اس کے حوالے نہیں کرے گی وہ نہیں دے گا، عورت کا بیان ہے کہ اس نے مجھے کھجور کی تین مٹھیاں دیں، اور اس نے ذکر کیا کہ وہ بھوک سے بے تاب تھی، اس نے یہ قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا، آپؓ نے تکبیر کہی اور فرمایا: مہر ہے! مہر ہے! مہر ہے! اور اس سے حد کو ساقط کردیا۔“

ان دونوں روایتوں کے راوی ثقہ ہیں، حافظ ابن حزم اندلسیؒ نے یہ دونوں روایتیں المحلّٰی میں ذکر کرکے ان پر جرح

نہیں کی، بلکہ مالکیوں اور شافعیوں کے خلاف ان کو بطورِ حجت پیش کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”واما المالکیون والشافعیون فعهدنا بهم یشنعون خلاف الصاحب الذی لَا یعرف لـه مخالف اذا وافق تقلیدهم وهم قد خالفوا عمر، ولَا یعرف له مخالف من الصحابة ..... بـل هـم یـعـدون مثل هٰذا اجـمـاعًـا، ویستدلـون علی ذالک بسکوت من بالحضرة من الصحابة عن النکیر لذالک۔“ (محلی ابن حزم ج:۱۱ص:۲۵۰)

ترجمہ:... ”رہے مالکی اور شافعی، تو ہم نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ ایسے صحابی کی مخالفت پر تشنیع کیا کرتے ہیں جس کے مخالف صحابہ میں سے کوئی معروف نہ ہو...... بلکہ اس کو ”اجماع“ شمار کرتے ہیں اور وہ اس اجماع پر استدلال کیا کرتے ہیں، ان صحابہؓ کے سکوت سے، جو اس موقع پر موجود تھے مگر انہوں نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔“

جب ان حضرات کا یہ اصول ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا واقعہ کو کیوں حجت نہیں سمجھتے باوجودیکہ حضراتِ صحابہ میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نکیر نہیں فرمائی؟ شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھوک کی مجبوری کی وجہ سے اس کو معذور و مضطر سمجھ کر اس سے حد کو ساقط کردیا ہوگا۔

حافظ ابن حزمؒ اس احتمال کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فان قالوا: ان ابا الطفیل ذکر فی خبره انها قد کان جهدها الجوع، قلنا لهم: ..... ان خبر ابی الطفیل لیس فیه ان عمر عذرها بالضرورة، بل فیه انه درأ الحد من اجل التمر الذی اعطاها، وجعله عمر مهرا۔“ (محلی ج:۱۱ ص:۲۵۰)

ترجمہ:... ”اگر مالکی اور شافعی حضرات یہ کہیں کہ ابوالطفیلؓ نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ بھوک نے اس خاتون کو بے تاب کردیا تھا (شاید اس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے حد ساقط کردی ہوگی)، ہم ان سے کہیں گے کہ:...... ابوالطفیلؓ کی روایت میں یہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اضطرار کی وجہ سے معذور قرار دیا تھا، بلکہ اس روایت میں تو یہ ہے کہ آپؓ نے کھجوروں کی وجہ سے حد ساقط کردی جو اس شخص نے دی تھیں، اور آپؓ نے ان کھجوروں کو مہر قرار دیا۔“

اس تفصیل سے دو باتیں واضح ہوگئیں، ایک یہ کہ سوال میں جو کہا گیا ہے کہ: ”فقہ حنفی میں اس پر حد نہیں!“ یہ تعبیر غلط ہے، آپ سن چکے ہیں کہ اس مسئلے میں فقہ حنفی کا فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے کہ اس پر حد لازم ہے۔

دوم یہ کہ جو لوگ اس مسئلے میں حضرت امامؒ پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں وہ مسئلہ کو صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے کرتے ہیں، اور ان کا یہ طعن حضرت امامؒ پر نہیں بلکہ درحقیقت ان کے پیش رو حضرت امیرالموٴمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر ہے، کسی مسئلہ سے اتفاق نہ کرنا اور بات ہے، لیکن ایسے مسائل کی آڑ لے کر ائمہ ہدیٰ پر زبانِ طعن دراز کرنا دوسری بات ہے۔

یہاں اس امر کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ زیرِ بحث صورت حضرت امامؒ (اور ان کے پیش رو حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے

نزدیک بھی زنا ہے، حلال نہیں، لیکن شبہ مہر کی وجہ سے حد ساقط ہوگئی، اس لئے یہ سمجھنا بدفہمی ہوگی کہ یہ دونوں بزرگ زنا بالاستیجار کو حلال سمجھتے ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے، وللبسط محل آخر!

جواب ۲:... یہ کہنا کہ: ''فی الواقع فقہ حنفی کے بعض یا اکثر مسائل قرآن اور صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں'' قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے، فقہِ حنفی میں مسائل کا استناد قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات)، اجماعِ اُمت اور قیاسِ صحیح سے ہے، البتہ ائمہ مجتہدین کے مدارکِ اجتہاد مختلف ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اجتہاد کی جس بلندی پر فائز تھے اس کا اعتراف اکابر ائمہ نے کیا ہے۔

جواب ۳:... سوال میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی خالص تہمت ہے، ابھی اوپر مسئلہ مستأجرہ میں آپ نے دیکھا کہ احناف نے حضرت امام رحمہ اللہ کے قول کو چھوڑ کر صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا اور یہ کہا: ''والحق وجوب الحد!'' اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کرسکتا ہوں، جہاں لوگوں کو بظاہر نظر آتا ہے کہ حنفیہ حدیثِ صحیح کے خلاف کرتے ہیں وہاں صرف امامؒ کے قول کی بنا پر نہیں، قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت کے قوی دلائل کے پیشِ نظر ایسا کرتے ہیں، اس کی بھی بہت سی مثالیں پیش کرسکتا ہوں، مگر نہ فرصت اس کی متحمل ہے، اور نہ ضرورت اس کی داعی ہے۔

جواب ۴:... درمختار میں ہے:

''فی الجوھرۃ: الْاستمناء حرام وفیه التعزیر۔''

ترجمہ:... ''جوہرہ میں ہے کہ: استمنا بالید حرام ہے اور اس پر تعزیر لازم ہے۔''

علامہ شامیؒ نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''قوله: الْاستمناء حرام ای بالکف اذا کان لِاستجلاب الشهوۃ، اما اذا غلبته الشهوۃ ولیس له زوجة ولَا اَمَة ففعل ذالک لتسکینها فالرجا انه لَا وبال علیه، کما قاله ابواللیث، ویجب لو خاف الزنا۔'' (ردالمختار ج:۴ ص:۲۷ کتاب الحدود)

ترجمہ:... ''اپنے ہاتھ سے منی خارج کرنا حرام ہے، جبکہ یہ فعل شہوت کو برانگیختہ کرنے کے لئے ہو، لیکن جس صورت میں کہ اس پر شہوت کا غلبہ ہو اور اس کی بیوی اور لونڈی نہ ہو، اگر وہ تسکینِ شہوت کے لئے ایسا کرلے تو امید کی جاتی ہے کہ اس پر وبال نہیں ہوگا، جیسا کہ فقیہ ابواللیثؒ نے فرمایا، اور اگر زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسا کرنا واجب ہے۔''

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اوّل:... عام حالات میں یہ فعل حرام ہے، موجبِ وبال ہے اور اس پر تعزیر لازم ہے۔

دوم:... اگر کسی نوجوان پر شہوت کا غلبہ ہو کہ شدتِ شہوت کی وجہ سے اس کا ذہن اس قدر متوحش ہو کہ کسی طرح اس کو سکون و قرار حاصل نہ ہو، اور اس کے پاس تسکینِ شہوت کا کوئی حلال ذریعہ بھی موجود نہ ہو، ایسی اضطراری حالت میں اگر وہ بطورِ علاج اس عمل

کے ذریعہ شہوت کی تسکین کرلے تو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے توقع کی جاتی ہے کہ اس پر وبال نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، لیکن اگر کوئی مظلوم دفع ظلم کی خاطر رشوت دینے پر مجبور ہوجائے تو توقع کی جاتی ہے کہ اس مظلوم پر مؤاخذہ نہ ہوگا، یہ فقیہ ابواللیثؒ کا قول ہے۔

سوم:... اگر شدتِ شہوت کی بنا پر زنا میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہوجائے تو زنا سے بچنے کے لئے اس فعلِ بد کا ارتکاب ضروری ہوگا، یہ ایسی صورت ہے کہ کسی شخص کا دو حراموں میں سے ایک میں مبتلا ہوجانا ناگزیر ہے تو ان میں سے جو اَخف ہو اس کا اختیار کرنا لازم ہے۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس اصول کو ان الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں:

”من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما۔“

ترجمہ:...” جو شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہو اس کو چاہئے کہ وہ جو ان میں سے اَہون ہو اس کو اختیار کرلے۔“

شیخ ابن نجیمؒ نے ”الاشباہ والنظائر“ کے فن اول کے قاعدہ خامسہ کے تحت اس اصول کا ذکر کیا ہے اور اس کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں، اس کی تمہید میں فرماتے ہیں:

”چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ جب دو مفسدے جمع ہوجائیں تو بڑے مفسدے سے بچنے کے لئے چھوٹے کا ارتکاب کرلیا جائے گا۔ امام زیلعیؒ ”باب شروط الصلوٰۃ“ میں فرماتے ہیں کہ اس نوعیت کے مسائل میں اصول یہ ہے کہ جو شخص دو بلاؤں میں گرفتار ہوجائے اور وہ دونوں ضرر میں مساوی ہوں تو دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرلے، اور اگر دونوں مختلف ہوں تو جو برائی ان میں سے اَہون ہو اس کو اختیار کرے، کیونکہ حرام کا ارتکاب صرف اضطرار کی حالت میں جائز ہے اور جس چیز کا ضرر زیادہ ہو اس کے اختیار کرنے میں کوئی اضطرار نہیں۔“

(الاشباہ والنظائر مع شرح حموی ج:۱ ص:۱۲۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی)

استمنا کی جس صورت کو شامی نے واجب لکھا ہے اس میں یہی اصول کارفرما ہے، یعنی بڑے حرام (زنا) سے بچنے کے لئے چھوٹے حرام (استمنا) کو اختیار کرنا، اس کو یوں سمجھنا کہ استمنا کی اجازت دے دی گئی ہے، یا یہ کہ اس کو واجب قرار دیا گیا ہے، قطعاً غلط ہوگا، ہاں! اس کو یوں تعبیر کرنا صحیح ہوگا کہ بڑے حرام سے بچنے کو واجب قرار دیا گیا ہے، خواہ یہ چھوٹے حرام کے ارتکاب کے ذریعہ ہو۔

رہا یہ کہ آدمی کو ضبطِ نفس سے کام لینا چاہئے، نہ زنا کے قریب پھٹکے، اور نہ استمنا کرے، یہ بات بالکل صحیح ہے، ضرور یہی کرنا چاہئے، لیکن سوال یہ ہے کہ جو شخص نفس وشیطان کے چنگل میں ایسا پھنس چکا ہو کہ زمامِ اختیار اس کے ہاتھ سے چھوٹ رہی ہو اور اس کو اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو کہ یا تو فاحشہ کبیرہ کا ارتکاب کرکے روسیاہ ہو، یا اپنے ہاتھ سے غارتگر ایمان شہوت کو ختم کردے، ایسی حالت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہئے؟ ذرا عقل وشرع سے اس کا فتویٰ پوچھئے...! واللہ اعلم!

کیا فقہِ حنفی کی رُو سے چار چیزوں کی شراب جائز ہے؟

سوال:... چونکہ ہماری فقہ شریف (فقہِ حنفیہ) میں چار قسم کی شراب حلال ہے، ہدایہ شریف کتاب الاشربہ میں حضرت الامام الاعظم ابوحنیفہؒ نے گیہوں، جو، جوار اور شہد کی شراب حلال لکھی ہے اور اس کے پینے والے پر اگر نشہ بھی ہوجائے تو اس کی حد نہیں۔

ہم نے ایک کمپنی قائم کی ہے، جس کا نام ''حنفی وائن اسٹور'' رکھا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس میں بیئر، وہسکی، برانڈی اور شمپین فروخت کریں تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:... فقہِ حنفی میں فتویٰ اس پر ہے کہ ہر نشہ آور شراب حرام ہے، نجس ہے اور قابلِ حد ہے۔

(شامی ج:۶ ص:۴۵۵ طبع جدید)

اِمام ابوحنیفہؒ کے آنے کا اشارہ

سوال:... کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِمام ابوحنیفہؒ کے آنے کا اشارہ فرمایا تھا کہ ایک شخص ہوگا جو ثریا (ستارہ) سے بھی علم لے آئے گا؟

جواب:... صحیح مسلم کی روایت: ''لو کان الدین بالثریا'' سے بعض اکابر نے حضرتِ اِمامؒ کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ [۱]

کیا فقہِ حنفی عورت کی طرف منسوب ہے؟

سوال:... فقہِ حنفی ابوحنیفہ کے نام سے جاری ہے، ابوحنیفہ کا اصل نام کیا ہے؟ یہ فقہ عورت کے نام سے کیوں جاری ہوا جبکہ باقی تینوں فقہ مرد کے نام سے جاری ہیں؟

جواب:... اِمام ابوحنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت ہے، فقہِ حنفی کسی عورت کی طرف نہیں بلکہ ابوحنیفہ سے منسوب ہے۔ [۲]

---

(۱) قال ابن عابدين: وقال العلامة ابن حجر المكى فى الخيرات الحسان فى ترجمة أبى حنيفة النعمان، وقد وردت احاديث صحيحة تشير الٰى فضله، منها: قوله صلى الله عليه وسلم فيما رواه الشيخان عن أبى هريرة والطبرانى عن ابن مسعود أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لو كان الإيمان عند الثريا لتناوله رجال من أبناء فارس ...... قال الحافظ السيوطى: هٰذا الحديث الذى رواه الشيخان أصل صحيح يعتمد عليه فى الإشارة لأبى حنيفة ...الخ. وفى حاشية الشبرامسلى على المواهب عن العلامة الشامى تلميذ الحافظ السيوطى قال: ما جزم به شيخنا من أن أبا حنيفة هو المراد من هٰذا الحديث ظاهر لا شك فيه لأنه لم يبلغ من أبناء فارس فى العلم مبلغه أحد. (رد المختار مع الدر ج:۱ ص:۵۳ طبع ايچ ايم سعيد). عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو كان الدين عند الثريا لذهب به رجل من فارس، أو قال: من أبناء فارس حتّٰى يتناوله. (صحيح مسلم، باب فضل فارس ج:۲ ص:۳۱۲).

(۲) ان سبب تكنية الإمام بذٰلك انه كان ملازمًا بصحبة الأواة وحنيفة بِلغة أهل العراق الأواة وكنّٰى بها، وقال بعضهم كنى باسم ابنته له اسمها حنيفة، وجزم جمع من اصحاب المناقب ومنهم الموفق بن احمد الخوارزمى بانه لَا يعلم للإمام ولد ذكر ولَا انثٰى غير حماد. (عقود الجمان ص:۴۱، طبع مكتبة الإيمان، مدينة المنورة).

اِمام ابوحنیفہؒ اِمام جعفرؒ کے باقاعدہ شاگرد نہیں

سوال:...اسلام میں اُستاد کی اہمیت زیادہ ہے بہ نسبت شاگرد کے، تو ابوحنیفہؒ شاگرد ہیں اِمام جعفرؒ کے، جب اِمام جعفرؒ کی فقہ تھی تو شاگرد نے اپنی فقہ کیوں رائج کی؟ جواب تفصیل سے دیں۔

جواب:... اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام جعفرؒ کے باقاعدہ شاگرد نہیں، حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کے چار ہزار اُستاد ہیں، کس کس کے نام سے ان کی فقہ کو منسوب کیا جاتا؟[۱]

(۱) امر الإمام ابو حفص الکبیر بعدّ مشائخ الإمام ابی حنیفة فبلغوا أربعة آلاف .... (عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم النعمان ص:۶۳، طبع مکتبة الإیمان، المدینة المنوّرة)۔

سنت و بدعت

بدعت کی تعریف

سوال:... بدعت کسے کہتے ہیں؟ بدعت سے کیا مراد ہے؟ جواب ٹو دی پوائنٹ دیں۔

جواب:... بدعت کی تعریف درمختار (مع حاشیہ شامی ج:۱ ص:۵۶۰ طبع جدید) میں یہ کی گئی:

"هی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول (صلی الله علیه وسلم) لَا بمعاندة بل بنوع شبهة۔"

ترجمہ:... "جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف و منقول ہے، اس کے خلاف کا اعتقاد رکھنا، ضد و عناد کے ساتھ نہیں، بلکہ کسی شبہ کی بناء پر۔"

اور علامہ شامیؒ نے علامہ شمنیؒ سے اس کی تعریف ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"ما احدث علیٰ خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة وإستحسان، وجعل دینا قویما وصراطًا مستقیمًا۔"

(شامی ج:۱ ص:۵۶۰)

ترجمہ:... "جو علم، عمل یا حال اس حق کے خلاف ایجاد کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، کسی قسم کے شبہ یا استحسان کی بنا پر اور پھر اسی کو دِینِ قویم اور صراطِ مستقیم بنالیا جائے، وہ بدعت ہے۔"

خلاصہ یہ کہ دِین میں کوئی ایسا نظریہ، طریقہ اور عمل ایجاد کرنا بدعت ہے جو:

الف:... طریقۂ نبوی کے خلاف ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ قولاً ثابت ہو، نہ فعلاً، نہ صراحتاً، نہ دلالۃً، نہ اشارۃً۔

ب:... جسے اختیار کرنے والا مخالفت نبوی کی غرض سے بطورِ ضد و عناد اختیار نہ کرے، بلکہ بزعمِ خود ایک اچھی بات اور کارِ ثواب سمجھ کر اختیار کرے۔

ج:... وہ چیز کسی دِینی مقصد کا ذریعہ و وسیلہ نہ ہو، بلکہ خود اسی کو دِین کی بات سمجھ کر کیا جائے۔

بدعت کی قسمیں

سوال:... بدعت کی کتنی اَقسام ہیں اور بدعتِ حسنہ کون سی قسم میں داخل ہے؟ نیز بدعتِ حسنہ کی مکمل تعریف بھی بیان

فرمائیں۔ اور بتلائیں کہ مدارس بنانا یا صلاۃ وسلام پڑھنا بدعت ہے؟ کیا ان دونوں کا ایک حکم ہے؟ جناب محترم مولانا صاحب! میں اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر آپ کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ اس فتویٰ سے میرا مقصود صرف اپنی اور اپنے دوستوں کی اصلاح ہے، لہٰذا آپ ضرور جواب باصواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب:... بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بدعتِ شرعیہ، دُوسری بدعتِ لغویہ۔ بدعتِ شرعیہ یہ ہے کہ ایک ایسی چیز کو دِین میں داخل کرلیا جائے جس کا کتاب وسنت، اِجماعِ اُمت اور قیاسِ مجتہد سے کوئی ثبوت نہ ہو۔ یہ بدعت ہمیشہ بدعتِ سیئہ ہوتی ہے، اور یہ شریعت کے مقابلے میں گویا نئی شریعت اِیجاد کرنا ہے۔

بدعت کی دُوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا،[1] جیسے ہر زمانے کی ایجادات۔ ان میں سے بعض چیزیں مباح ہیں جیسے ہوائی جہاز کا سفر کرنا وغیرہ، اور ان میں جو چیزیں کسی اور مستحب کا ذریعہ ہوں وہ مستحب ہوں گی، جو کسی اَمرِ واجب کا ذریعہ ہوں وہ واجب ہوں گی، مثلاً صرف ونحو وغیرہ علوم کے بغیر کتاب وسنت کو سمجھنا ممکن نہیں، اس لئے ان علوم کا سیکھنا واجب ہوگا۔

اسی طرح کتابوں کی تصنیف، مدارسِ عربیہ کا بنانا، چونکہ دِین کے سیکھنے اور سکھانے کا ذریعہ ہیں اور دِین کی تعلیم وتعلّم فرضِ عین یا فرضِ کفایہ ہے۔ تو جو چیزیں کہ بذاتِ خود مباح ہیں اور دِین کی تعلیم کا ذریعہ ووسیلہ ہیں، وہ بھی حسبِ مرتبہ ضروری ہوں گی۔ ان کو بدعت کہنا لغت کے اعتبار سے ہے، ورنہ یہ سنت میں داخل ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ مدارس کے بنانے پر صلوٰۃ وسلام کی بدعت کو قیاس کرنا غلط ہے۔[2]

یہ بدعت نہیں

سوال:... سالہا سال سے تبلیغی جماعت والے شب جمعہ مناتے چلے آرہے ہیں، اور کبھی بھی ناغہ کرتے ہوئے نہیں

---

(۱) وفی ردالمختار: قوله أی صاحب بدعة أی محرمة وإلّا فقد تكون واجبة كنصب الأدلة للرد علٰی أهل الفرق الضالة، وتعلم النحو المفهم للكتاب والسُّنّة ومندوبة كإحداث نحو رباط ومدرسة وكل إحسان لم يكن فی الصدر الأوّل ومكروهة كزخرفة المساجد، ومباحة كالتوسع بلذيذ المآكل والمشارب والثياب، كما فی شرح الجامع الصغير للمناوی عن تهذيب النووی وبمثله فی الطريقة المحمدية للبركلی. (ردالمختار، مطلب البدعة خمسة أقسام ج:۱ ص:۵۶۰).

(۲) فكل من أحدث شيئًا ونسبه الی الدِّين ولم يكن له أصل من الدِّين يرجع اليه، فهو ضلالة والدِّين بریٔ منه، وسواء فی ذٰلک مسائل الْإعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظاهرة والباطنة، وأما ما وقع فی كلام السلف من إستحسان بعض البدع، فانما ذٰلک فی البدع اللغوية لَا الشرعية. (جامع العلوم والحِكَم لِابن رجب الحنبلی ص:۲۳۳). البدعة كل شیء عمل علٰی غير مثال سبق وفی الشرع: إحداث ما لم يكن فی عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتحصل العبد الضعيف من كلمات شيوخنا وافاداتهم أن الأصل فی البدعة الشرعية انما هو قول الرسول صلى الله عليه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رَدٌّ"، والمراد بالأمر الدِّين كما صرحوا به فلا إلّا علی الأمور المحدثة فی الدِّين لَا علٰی كل أمر محدث ولهٰذا يخرج امثال التوسع فی المطاعم وغيرها من الأمور المباحة بل بعض الرسوم التی يفعل فاعلوها لَا علٰی وجه التقرب والْإحتساب أيضًا عن حد البدعة الشرعية، وإن كانت داخلة فی حد البدعة اللغوية. (فتح الملهم ج:۲ ص:۴۰۷ شبير احمد عثمانی).

دیکھا گیا، خدانخواستہ یہ عمل اس حدیث کے زُمرے میں نہیں آتا ہے کہ: ”لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ .....الخ۔“ اور نیز اس پر دوام کیا، بدعت تو نہ ہوگا؟

جواب:... تعلیم و تبلیغ کے لئے کسی دن یا رات کو مخصوص کرلینا بدعت نہیں، نہ اس کا التزام بدعت ہے۔ دِینی مدارس میں اسباق کے اوقات مقرّر ہیں، جن کی پابندی التزام کے ساتھ کی جاتی ہے، اس پر کبھی کسی کو بدعت کا شبہ نہیں ہوا...![۱]

سوال:... میں نے ایک کتاب (تحذير المسلمين عن الابتداع والبدع فى الدين) کا اُردو ترجمہ ”بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم“ مصنف علامہ شیخ احمد بن حجر قاضی دوحہ قطر، کا مطالعہ کیا۔ کتاب کافی مفید تھی، بدعات کی جڑیں اُکھاڑ پھینک دیں۔ البتہ کفن اور جنازے کے ساتھ چلنے کے متعلق بدعات کے عنوان سے اپنی کتاب صفحہ ۵۰۶ پر لکھتے ہیں کہ: قبر میں تین لپ مٹی ڈالتے وقت ہر لپ کے ساتھ ”مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ“ اسی طرح دُوسرے لپ پر ”وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ“ اور اسی طرح تیسرے لپ کے ساتھ ”وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى“ کہنا بدعت ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ اس بارے میں وضاحت کیجئے۔ اسی صفحے پر لکھتے ہیں کہ: میّت کے سرہانے سورۂ فاتحہ اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ پڑھنا بدعت ہے، اس کی بھی وضاحت فرمائیں۔ اسی طرح صفحہ ۵۲۱ پر رقمطراز ہیں کہ: بعض لوگ صدقے کی غرض سے پوری قربانی کا گوشت یا معین مقدار کو پکا ڈالتے ہیں اور فقراء کو بلاکر یہ پکا ہوا گوشت تقسیم کردیتے ہیں، اس کو بدعت کہا ہے، اور یہ طریقہ عمل جائز نہیں ہے کہا ہے، مہربانی فرماکر اس کی بھی وضاحت سے نوازیں۔

جواب:... ان تین چیزوں کا بدعت ہونا میری عقل میں نہیں آیا۔

ا:... حافظ ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس آیت شریفہ کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے:

”وفى الحديث الذى فى السنن: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حضر جنازة، فلما دفن الميّت اخذ قبضة من التراب، فألقاها فى القبر وقال: منها خلقناكم، ثم أخذ أُخرىٰ وقال: وفيها نعيدكم، ثم أُخرىٰ وقال: ومنها نخرجكم تارةً أُخرىٰ۔“

(تفسیر ابنِ کثیر ج:۳ ص:۱۵۶)

ترجمہ:... ”اور جو حدیث سنن میں ہے، اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازے میں حاضر ہوئے، پس جب میّت کو دفن کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اس کو قبر پر ڈالا اور فرمایا: منها خلقناكم (اسی مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا) پھر دُوسری مٹھی لی (اور قبر پر ڈالتے ہوئے) فرمایا: وفيها نعيدكم (اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے)، پھر تیسری مٹھی لی (اس کو قبر پر ڈالتے ہوئے) فرمایا: ومنها نخرجكم تارةً اخرىٰ (اور اسی سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے)۔“

---

(۱) وعن شقيق قال: كان عبدالله بن مسعود يذكّر الناس فى كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبدالرحمٰن! لوددت انك ذكرتنا فى كل يوم۔ قال: اما انه يمنعني من ذٰلك انى اكره ان املكم وانى اتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخوّلنا بها مخافة السآمة علينا۔ متفق عليه۔ (مشكوٰة ص:۳۳، كتاب العلم، الفصل الأوّل)۔

اور ہمارے فقہاء نے بھی اس کے استحباب کی تصریح کی ہے، چنانچہ ''الدرر المنتقیٰ شرح ملتقی الأبحر'' میں اس کی تصریح موجود ہے، ملاحظہ ہو: ج:۱ ص:۱۸۷۔

۲:...اور قبر کے سرہانے فاتحۂ بقرہ اور پائینتی میں خاتمۂ بقرہ پڑھنے کی تصریح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں موجود ہے، جس کے بارے میں بیہقیؒ نے کہا ہے: ''والصحیح انه موقوف علیه'' (مشکوٰۃ ص:۱۴۹)۔

اور آثار السنن (ج:۲ ص:۱۲۵) میں حضرت لجلاج صحابیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی:

''ثم سُنَّ علیّ التراب سنًا، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمتها، فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ذٰلک. رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر، واسناده صحیح. وقال الحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد: رجاله موثقون.''

(اعلاء السنن ج:۸ ص:۳۴۲ حدیث:۲۳۱۷)

ترجمہ:...''پھر مجھ پر خوب مٹی ڈالی جائے، پھر میرے سرہانے (کھڑے ہوکر) سورۂ بقرہ کی ابتدائی و آخری آیات پڑھی جائیں، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔''

۳:...قربانی کے گوشت کی تقسیم کا تو حکم ہے، اگر پکا کر فقراء کو کھلایا جائے تو یہ بدعت کیوں ہوگئی، یہ بات میری عقل میں نہیں آئی، واللہ اعلم!

کیا اہلِ بدعت کو اہلِ کتاب کہنا جائز ہے؟

سوال:...موجودہ مشرکین یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالم الغیب، مختارِ کُل وغیرہ مانتے ہیں، جبکہ وہ پہلے ایمان پر بھی نہیں تھے اور یہود و نصاریٰ کی طرح دِینِ سماوی میں غلط تأویلات و تحریفات کرکے بنیادی اسلامی عقائد کو بدل ڈالنے کے مرتکب بھی ہوتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ ان کو یہود و نصاریٰ وغیرہ اہلِ کتاب پر قیاس نہ کیا جائے، کیونکہ علت ان میں یکساں ہیں؟

جواب:...غلط تأویلات کے ذریعے عقائدِ حقہ سے اِنحراف کرنے والوں کو ''اہلِ کتاب'' نہیں کہا جاتا، بلکہ اہلِ بدعت کہا جاتا ہے۔ پھر بدعت کی دو قسمیں ہیں: بعض کفر کی حد تک پہنچتی ہیں، بعض نہیں۔ جس شخص کی بدعت حدِ کفر تک پہنچی ہوئی ہو، اس کا حکم زندیق اور مرتد کا ہے،[1] اور اس کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔[2] لیکن جس کی بدعت حدِ کفر تک پہنچی ہوئی نہ ہو، اس سے نکاح تو صحیح ہے، مگر منع ہے۔[3] قیاس کا حق مجتہد کو ہوتا ہے، نہ میں مجتہد ہوں، نہ آپ...!

---

(۱) وان اعترف به ظاهرًا لٰکنه یفسر بعض ما ثبت من الدِّین ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون وأجمعت علیه الأُمّة فهو الزِّندیق. (المسویٰ لشاه ولی الله ج:۲ ص:۱۳۰)۔

(۲) الزندقة کفر ...... حکم اموال الزنادقة حکم المرتدین فلا تقبل منهم جزیة ولَا تنکح نسائهم ... الخ. (موسوعة نضرة النعیم ج:۱ ص:۴۵۸۵، ۴۵۸۷)۔

(۳) الصواب عند الأکثرین من علماء السلف والخلف انا لَا نکفر أهل البدع والأهواء إلّا أن اتوا بمکفر صریح لَا استلزامی لأن الأصح أن لَازم المذهب لیس بلازم ومن ثم لم یزل العلماء یعاملونهم معاملة المسلمین فی نکاحهم وانکاحهم ... الخ. دیکھیں: مرقاة شرح مشکوٰة ج:۱ ص:۱۴۸، باب الْإیمان بالقدر، الفصل الثانی۔

”عہد نامہ“ میّت کی قبر میں رکھنا بدعت ہے؟

سوال:... ”عہد نامہ“ کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے کے ساتھ کفن میں اس طرح کا کوئی عہد نامہ رکھا؟ کیا یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے؟ سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

جواب:... ”عہد نامہ“ میّت کی قبر میں رکھنا بدعت ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کی بے حرمتی ہوتی ہے، واللہ اعلم![1]

پیری مریدی بذاتِ خود مقصود نہیں

سوال:... چند ماہ قبل حضرت نے میرے ایک عریضے پر کتاب ”اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم“ کا مطالعہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، چنانچہ ہم نے اس کتاب کو بہت غور سے پڑھا اور بہت ہی مفید پایا، الحمدللہ! اس کے مطالعے سے میرے بہت سے اِشکالات دُور ہوگئے اور بہت سی باتوں کے متعلق ذہن صاف ہوگیا، خاص کر ایک بہت ہی اُصولی بات سمجھ میں آگئی اور دِلنشین ہوگئی کہ جب کسی فعل کے سنت و بدعت ہونے میں تردّد ہوجائے، بعض علماء ”سنت“ کہتے ہوں اور بعض ”بدعت“، تو ترکِ سنت فعلِ بدعت سے بہتر ہے۔ (صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶) یہ بالکل بے غبار اُصولی بات ہے اور اِحتیاط پر مبنی ہے، کیونکہ دفعِ مضرّت ہر حال میں مقدّم اور اَولیٰ ہے۔ اب صرف ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی باتیں تو بہت ساری ہیں جن میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، یہاں تک کہ جو مروّجہ پیری مریدی کا سلسلہ ہم لوگوں کے یہاں ہے اور نفس کی اصلاح کے لئے اس کو بہت ہی ضروری سمجھا جاتا ہے، اس کو بہت سے علماء، خاص کر علمائے عرب تو بدعت ہی کہتے ہیں، بلکہ اس کو پیر پرستی اور شرک تک کہتے ہیں۔ تو اس اُصول کے تحت تو یہ سب قابلِ ترک ہوجائیں گے۔ اُمید ہے کہ حضرت اس کے متعلق کوئی بہت ہی واضح بات ارشاد فرماکر تسلی فرمادیں گے۔ کیا اس مروّجہ پیری مریدی کے لئے کوئی واضح حکم قرآن مجید یا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وارشادات میں موجود ہے؟ یا چاروں ائمۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی نے اس طریقے کو دِین کے فرائض وواجبات میں شامل کیا ہے؟

دُوسری بات یہ تو ظاہر ہے کہ دِین میں کوئی نئی بات جو قرآن وسنت اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا ائمۂ مجتہدین کے اِجتہاد سے ثابت نہ ہو، وہ بدعت ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی نئی بات یا طریقہ دِینی مقاصد کے حصول کے لئے بطورِ تدبیر اِختیار کیا جائے تو وہ بدعت نہیں ہے، یعنی اِحداث فی الدِّین تو بدعت ہے، اور احداث للدِّین بدعت نہیں ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر بدعات کی ابتدا للدِّین ہی کرکے ہوئی ہے اور رفتہ رفتہ عوام نے اس کو دِین کا حصہ بنالیا اور پھر علمائے کرام

---

(۱) وفی فتاوی المحقق ابن حجر المکی الشافعی: سئل عن کتابة العهد علی الکفن .... افتی بجواز کتابة قیاسًا علٰی کتابة: ”لله“ فی إبل الزکٰوة .... وفیه نظر، وقد أفتٰی ابن الصلاح بأنه لَا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰسٓ والکهف ونحوها خوفًا من صدید المیّت، والقیاس المذکور ممنوع لأن القصد ثم التمیز، وهنا التبرک، فالأسماء المعظمة باقیةٌ علٰی حالها فلا یجوز تعریضها للنجاسة۔ (شامی ج:۲ ص:۲۴۶ طبع ایچ ایم سعید، وأیضًا بهشتی زیور حصه دوم ص:۵۰ طبع لَاهور)۔

نے ان کو بدعات کہنا شروع کردیا۔ مروّجہ قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، سوئم وغیرہ یہ جتنی بدعات ہیں، سب میں کوئی نہ کوئی دِینی فائدہ منسوب کیا جاسکتا ہے، کچھ نہیں تو یہی کہ اس طرح آج کل غفلت زدہ لوگوں کو کبھی کبھار قرآن مجید کی تلاوت کا موقع مل جاتا ہے، اس طرح تو ساری بدعات کا جواز نکل آئے گا۔ اُمید ہے حضرت کے واضح ارشادات سے میرے یہ سب اِشکالات دُور ہوجائیں گے، اپنے جملہ دِینی و دُنیوی اُمور کے لئے حضرت سے دُعاؤں کی بھی درخواست ہے۔

جواب:... بہت نفیس سوال ہے۔ بڑا جی خوش ہوا، جواب اس کا اجمالاً آپ کے نمبر ۲ میں موجود ہے۔ ذرا سی وضاحت میں کئے دیتا ہوں: متعارف پیری مریدی بذاتِ خود مقصد نہیں، اصل مقصد یہ ہے کہ اپنے بہت سے اَمراض کی آدمی خود تشخیص نہیں کرسکتا، اور بیماری کی تشخیص بھی کرلے تو اس کا خود علاج نہیں کرسکتا، مثلاً: مجھ میں کبر، یا عجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا علاج کس طرح کروں؟ تو کسی شخص محقق متبعِ سنت سے اصلاحی تعلق قائم کرنا اس مقصد کی تحصیل کے لئے ہے۔ اور بیعت، جس کو عرفِ عام میں پیری مریدی کہا جاتا ہے، محض اصلاحی تعلق کا معاہدہ ہے، مرید کی جانب سے طلبِ اصلاح کا، اور شیخ کی جانب سے اصلاح کا، اگر کوئی شخص ساری عمر بیعت نہ کرے، لیکن اصلاح لیتا رہے تو کافی ہے، اور اگر بیعت کرلے لیکن اصلاح نہ کرائے تو کافی نہیں۔ الغرض بیعت سے مقصد اصلاح ہے اور اصلاح کا واجبِ شرعی ہونا واضح ہے، اور مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں نفس کی مثال بچے کی ہے، چنانچہ اُستاذ اگر مکتب کے بچوں کے سر پر کھڑا رہے تو کام کرتے ہیں، ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو ذرا کام نہیں کرتے۔ اگر آدمی کسی شیخ محقق کو اپنا نگران مقرّر کرلے تو نفس کام کرے گا، اور اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو کام کے بجائے لہو ولعب میں لگا رہے گا۔

علاوہ ازیں سنت اللہ یہ ہے کہ آدمی صحبت سے بنتا ہے۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو صحبتِ نبوی کا شرف حاصل ہوا تو کیا سے کیا بن گئے۔ اگر کسی متبعِ سنت شیخ سے تعلق ہوگا تو اس کی صحبت اپنا کام کرے گی، اس لئے حضراتِ صوفیاء کی اصطلاح میں بیعت کو "سلسلۂ صحبت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا علم و عمل کے ساتھ صحبت کا سلسلہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلا آتا ہے۔ الغرض بیعت و اِرشاد کو بدعت سمجھنا صحیح نہیں، بلکہ یہ دِین پر پابند رہنے کا ذریعہ ہے، دیکھا جائے تو اِلتزامِ عمل کے لئے بیعت کرنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، واللہ اعلم! (۱)

---

(۱) عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ عنہ قال: کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسعة أو ثمانیة أو سبعة، فقال: ألَا تبایعون رسول اللہ؟ وکنا حدیث عهد ببیعة فقلنا: قد بایعنک یا رسول اللہ! فقال: ألَا تبایعون رسول اللہ؟ فقلنا: قد بایعناک یا رسول اللہ! ثم قال: ألَا تبایعون رسول اللہ؟ قال: فبسطنا أیدینا وقلنا: قد بایعنک یا رسول اللہ! فعلام نبایعک؟ قال: أن تعبدوا اللہ ولَا تشرکوا به شیئًا، والصلوٰت الخمس، وتطیعوا اللہ، واسر کلمة خفیة: ولَا تسئلوا الناس شیئًا، فلقد رأیت کان بعض أولٰئک النفر یسقط سوط أحدهم فما یسأل أحدا یناوله ایاہ. (صحیح مسلم ج:۱ ص:۳۳۴، جامع الاصول ج:۱ ص:۲۵۴، ۲۵۵)۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ: حدیث میں بیعت سے مراد نہ تو بیعتِ جہاد ہے اور نہ ہی بیعتِ اسلام، بلکہ بیعتِ التزام واہتمامِ اعمال مراد ہے، ورنہ تحصیلِ حاصل لازم آئے گا۔ (التکشف عن مہمات التصوف ص:۲۶۰، ۲۶۱)۔

مروّجہ دُرود و سلام کی شرعی حیثیت

سوال:... مسجد میں یا گھر میں یا کسی اور محفل میں میلاد شریف یا دُرود و سلام کرنا بدعت کس طرح ہے؟ کیا کراہت ہے؟ حدیث شریف یا قرآن میں اس کی ممانعت آئی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تحریر فرماویں۔ اگر ایک شخص کھڑے ہوکر سلام پڑھتا ہے تو کیا فرق ہے؟ اگر بیٹھ کر پڑھتا ہے تو کیا فرق ہے؟ الغرض یہ کہ دونوں صورتوں میں کسی نہ کسی ایک کو تو اپنائے گا۔ یہاں میں آپ کو اپنی سمجھ سے آگاہ کرتا چلوں کہ اگر کوئی شخص بعد اَز نمازِ جمعہ یا کسی اور موقع پر سلام پڑھتا ہے، نہ تو حاضر و ناظر سمجھتا ہے اور نہ ہی یہ سمجھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، یہاں تک کہ وہ خود اپنے عقیدے کا ذمہ دار ہے، نہ کہ دُوسروں کا، ایسی محفل میں شمولیت کرتا ہے، شریعت کی رُو سے کیا قباحت ہے؟ جب دُور سے سلام و دُرود فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں، تو کیا جو مسجدوں میں اور دیگر جگہ سلام پڑھا جاتا ہے، یہ نہیں پہنچاتے ہوں گے؟

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف پڑھنا اعلیٰ ترین عبادت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرۂ مقدس بھی بڑی سعادت ہے۔ دُرود شریف نہایت توجہ اور یکسوئی سے پڑھنا چاہئے، اور یہ اِنفرادی عمل ہے، اِجتماعی عمل نہیں۔ آج کی میلاد شریف کے نام پر جو محفلیں ہوتی ہیں، ان میں بہت سی چیزیں ایسی شامل ہوگئی ہیں جو شرعاً دُرست نہیں، مثلاً: نعتیں پڑھنے والے اکثر داڑھی منڈے ہوتے ہیں، نعتوں کے مضامین صحیح نہیں ہوتے، روایات غلط سلط بیان کی جاتی ہیں، اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ مردوں، عورتوں کا اِختلاط ہوتا ہے، بعض جگہ روشنی زائد اَز ضرورت کی جاتی ہے، بعض جگہ شیرینی تقسیم کرنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی جلسہ ان مفاسد سے خالی ہو، صحیح روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات بیان کئے جائیں اور سامعین پورے ادب و اِحترام سے سنیں، تو اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔ صلوٰۃ و سلام کا جو طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، اسی طریقے میں برکت و سعادت ہے، یہ جو نمازِ جمعہ کے بعد یا دُوسرے موقعوں پر لاؤڈ اسپیکر پر مل کر راگ گایا جاتا ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نہیں، بلکہ خالص ریاکاری ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھنا مقصود ہوتا تو ہر آدمی تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ بیٹھ کر دُرود شریف پڑھتا، مل کر گانے، لاؤڈ اسپیکر اِستعمال کرنے اور لوگوں کو سنانے کی کیا ضرورت تھی؟ بہرحال صدرِ اوّل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

میلاد کی شرعی حیثیت

سوال:... میلاد میں جو سلام پڑھا جاتا ہے اس کے بارے میں کچھ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کو کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے، کیونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تو تشریف نہیں لاتے، مگر عقیدت یہی ہے کہ سلام کو کھڑے ہوکر پڑھا جائے۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ میلاد کی شرعی حیثیت کیا ہے اور سلام کو کس طرح پڑھنا ٹھیک ہے؟

جواب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر تو عبادت ہے، لیکن آج کل جو میلاد کیا جاتا ہے اس میں بہت سی غلط باتیں

بھی شامل کرلی گئی ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ [۱]

میلاد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قرار نہیں دیا

سوال:... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے آیت: ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' تلاوت فرمائی، تو ایک یہودی نے کہا: اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی، تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ اس پر حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا: یہ آیت نازل ہی اُس دن ہوئی جس دن دو عیدیں تھیں، یومِ جمعہ اور یومِ عرفہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۱۲۱) اس حدیث کی تفسیر میں اہلِ بدعت کا نامور مولوی ابوداوٴد محمد صادق لکھتا ہے کہ: ''مقامِ غور ہے کہ جلیل القدر صحابہؓ نے تو یہ نہیں فرمایا کہ: اسلام میں صرف عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ مقرّر ہیں، اور ہمارے لئے کوئی تیسری عید منانا بدعت و ممنوع ہے، بلکہ یومِ جمعہ کے علاوہ یومِ عرفہ کو بھی عید قرار دے کر واضح فرمایا کہ واقعی جس دن اللہ کی طرف سے کوئی خاص نعمت عطا ہو، خاص اس دن بطور یادگار عید منانا، شکرِ نعمت اور خوشی و مسرّت کا اظہار کرنا جائز اور دُرست ہے''۔

جواب:... اگر بدعت و ممنوع نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور عید میلاد مناتے، جب انہوں نے نہیں بنائی اور نہ منائی تو کسی کو نئی شریعت تصنیف کرنے کا کیا حق ہے...؟ اور جمعہ کو تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قرار دیا، عید میلاد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں عید قرار نہیں دیا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ''خاص نعمت'' کی خوشی نہیں تھی...؟ [۲]

مروّجہ میلاد

سوال:... ہمارے ہاں یہ مسئلہ زیرِ بحث ہے کہ مروّجہ میلاد کیوں ناجائز ہے، حالانکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکارِ مقدس ہوتا ہے، پھر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے رسالہ ہفت مسئلہ میں اس کو جائز فرمایا ہے، جب کہ دیگر اکابر دیوبند مروّجہ میلاد کو بدعات اور مفاسد کی بنا پر اس کو بدعت کہتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب سے بھی رجوع کیا گیا، مگر ان کے جواب سے بھی تشفی نہیں ہوئی۔ آنجناب سے اس مسئلے کی تنقیح کی درخواست ہے کہ صحیح صورتحال کیا ہے؟

جواب:... محترمان و مکرمان بندہ! زیدت مکارمہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

نامہ کرم موصول ہوا، یہ ناکارہ از حد مصروف ہے، اور جس موضوع پر لکھنے کی آپ نے فرمائش کی ہے، اس پر صدیوں سے خامہ فرسائی ہورہی ہے، جدید فتنوں کو چھوڑ کر ایسے فرسودہ مسائل پر اپنی صلاحیتیں صرف کرنے سے دریغ ہے، اس لئے اس پر لکھنے کے لئے طبیعت کسی طرح آمادہ نہیں، خصوصاً جب یہ دیکھتا ہوں کہ حضرت مخدوم مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی (جن کے علم

---

(۱) وضع الحدود وإلتزام الكيفيات والهيئات المعينة فى أوقات معينة لم يوجد ذٰلك التعين فى الشريعة. (الإعتصام ج:۱ ص:۳۹، طبع دار الفكر بيروت).

(۲) ومنها إلتزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الإجتماع على صوت واحد واتخاذ يوم ولادة النبى صلى الله عليه وسلم عيدًا، وما اشبه ذٰلك ...الخ. (الإعتصام ج:۱ ص:۲۹).

وفضل اور صلاح وتقویٰ کی زکوٰۃ بھی اس ناکارہ کو مل جاتی تو بڑا غنی ہوجاتا) کی تحریر بھی شافی نہیں سمجھی گئی تو اس ناکارہ و ہیچ میرز کے بے ربط الفاظ سے کیا تسلی ہوگی؟ لیکن آپ حضرات کی فرمائش کا ٹالنا بھی مشکل، ناچار دو چار حروف لکھ رہا ہوں، اگر مفید ہوں تو مقام شکر، ''ورنہ کالائے بد بریش خاوند۔''

مسئلے کی وضاحت کے لئے چند امور ملحوظ رکھئے!

اوّل:... اس میں تو نہ کوئی شک وشبہ ہے نہ اختلاف کی گنجائش کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکارِ مقدس اعلیٰ ترین مندوبات میں سے ہے، اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ''میلاد'' کے نام سے جو محفلیں سجائی جاتی ہیں ان میں بہت سی باتیں ایسی ایجاد کرلی گئی ہیں جو حدودِ شرع سے متجاوز ہیں، یعنی مروجہ میلاد دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک مستحب ومندوب، یعنی تذکارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، دوم وہ خلاف شرع خرافات جو اس کے ساتھ چسپاں کردی گئی ہیں اور جن کے بغیر میلاد کو میلاد ہی نہیں سمجھا جاتا، گویا ان کو ''لازمۂ میلاد'' کی حیثیت دے دی گئی ہے۔

دوم:... جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے مباح یا مندوب ہو، مگر عام طور سے اس کے ساتھ قبیح عوارض چسپاں کرلئے جاتے ہوں، اس کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟ اس میں ذوق کا اختلاف ایک فطری چیز ہے، جس کی نظر نفسِ مندوب پر ہوگی اس کا ذوق یہ فیصلہ کرے گا کہ ان عوارض سے تو بے شک احتراز کرنا چاہئے، مگر نفسِ مندوب کو کیوں چھوڑا جائے، بخلاف اس کے جس کی نظر عوام کے جذبات ورُجحانات پر ہوگی اس کا فتویٰ یہ ہوگا کہ خواص تو ان عوارض سے بلاشبہ احتراز کریں گے، لیکن عوام کو ان عوارض سے روکنا کسی طرح ممکن نہیں، اس لئے عوام کو اس سیلاب سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے سامنے بند باندھ دیا جائے، یہ دونوں ذوق اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اور ان کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں، کیونکہ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ نفسِ مندوب کے قائل ہیں، خلافِ شرع عوارض کے جواز کے وہ بھی قائل نہیں، اور جو عدمِ جواز کے قائل ہیں وہ بھی نفسِ مندوب کو ناجائز نہیں کہتے، البتہ خلافِ شرع عوارض کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں۔

سوم:... اس ذوقی اختلاف کے رونما ہونے کے بعد لوگوں کے تین فریق ہوجاتے ہیں: ایک فریق تو ان بزرگوں کے قول و فعل کو سند بناکر اپنی بدعات کے جواز پر اِستدلال کرتا ہے۔ دُوسرا فریق خود ان بزرگوں کو مبتدع قرار دے کر ان پر طعن وملامت کرتا ہے۔ اور تیسرا فریق کتاب وسنت اور ائمہ مجتہدین کے اِرشادات کو سند اور حجت سمجھتا ہے، اور ان کے بزرگوں کے قول وفعل کی ایسی توجیہ کرتا ہے کہ ان پر طعن وملامت کی گنجائش نہ رہے، اور اگر بالفرض کوئی توجیہ سمجھ میں نہ آئے تب بھی یہ سمجھ کر کہ یہ بزرگ معصوم نہیں ہیں ان پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتا، پہلے دونوں مسلک افراط وتفریط کے ہیں اور تیسرا مسلک اعتدال کا ہے۔

ان امور کے بعد گزارش ہے کہ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ کے فعل سے اہلِ بدعت کا استدلال قطعاً غلط ہے، کیونکہ ہماری گفتگو ''میلاد'' کے ان طریقوں میں ہے جن کا تماشا دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس میلاد کو تو حضرت حاجی صاحبؒ بھی جائز نہیں کہتے، اور جس کو حاجی صاحبؒ جائز کہتے ہیں وہ اہلِ بدعت کے ہاں پایا نہیں جاتا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ ''مسیح موعود'' کا آنا مسلمان ہمیشہ مانتے آئے ہیں، اور میں ''مسیحِ موعود'' ہوں، لہٰذا قرآن وحدیث کی ساری

پیشگوئیاں میرے حق میں ہیں، پس اگر مرزا قادیانی، قرآن و حدیث والا ''مسیحِ موعود'' نہیں، اور اس کا قرآن و حدیث کو اپنی ذات پر چسپاں کرنا غلط ہے تو ٹھیک اسی طرح اہلِ بدعت کے ہاں بھی حضرت حاجی صاحبؒ والا ''میلاد'' نہیں، اس لئے حضرتؒ کے قول و فعل کو اپنے ''میلاد'' پر چسپاں کرنا محض مغالطہ ہے۔

بہرحال صحیح اور اِعتدال کا مسلک وہی ہے جو حضرات اکابر دیوبند نے اختیار کیا کہ نہ ہم مروجہ میلاد کو صحیح کہتے ہیں اور نہ ان اکابر کو مبتدع کہتے ہیں یہ تو مسئلے کی مختصر وضاحت تھی۔ آپ کے بارے میں میری مخلصانہ نصیحت یہ ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو دین کی سربلندی اور اپنی اصلاح پر صرف کریں، تاکہ ہم آخرت میں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخ رو ہوں، موجودہ دور میں حق طلبی کا جذبہ بہت کم رہ گیا ہے۔ جس شخص نے کوئی غلط بات ذہن میں بٹھالی ہے، ہزار دلائل سے اسے سمجھاؤ، وہ اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، بس آدمی کا مذاق یہ ہونا چاہئے کہ ایک بار حق کی وضاحت کرکے اپنے کام میں لگے، کوئی مانتا ہے یا نہیں مانتا؟ اس فکر میں نہ پڑے۔

حافظ وظیفۂ تو دُعا گفتن است و بس
دربند آں مباش کہ نہ شنید یا شنید

جشنِ ولادت یا وفات؟

سوال:... ہمارے ہاں ۱۲ربیع الاوّل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز یہ جشنِ ولادت ہے یا وفات؟

جواب:... ہمارے یہاں ربیع الاوّل میں ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ''جشنِ عید میلاد النبی'' بھی بڑی دُھوم دھام سے منایا جاتا ہے، چراغاں ہوتا ہے، جھنڈیاں لگتی ہیں، جلسے ہوتے ہیں، جلوس نکلتے ہیں، ان تمام اُمور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقِ محبت کی ادائیگی سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اہلِ فکر کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت میں مشہور قول ۱۲ربیع الاوّل کا ہے،[۱] لیکن محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۸ربیع الاوّل کو ہوئی،[۲] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ راجح اور مشہور قول کے مطابق ۱۲ربیع الاوّل کو ہوئی۔[۳] گویا

---

(۱) والمشهور أنه صلى الله عليه وسلم ولد يوم الإثنين ثانى عشر ربيع الأوّل وهو القول الثالث فى الكلام المصنف وهو قول محمد بن اسحاق بن يسار وإمام المغازى وقول غيره قال ابن كثير وهو المشهور عند الجمهور وبالغ ابن الجوزى وابن الجزار فنقلا فيه الإجماع وهو الذى عليه العمل. (المواهب اللدنيّة ج:۱ ص:۱۳۲ طبع دار المعرفة، بيروت).

(۲) وقيل لثمان خلت منه قال الشيخ قطب الدين القسطلانى وهو اختيار أكثر أهل الحديث ونقل عن ابن وجبير بن مطعم وهو اختيار أكثر من له معرفة بهٰذا الشأن يعنى التاريخ واختاره الحميدى وشيخه بن حزم وحكى القضاعى فى عيون المعارف إجماع أهل الزيج عليه ورواه الزهرى عن محمد بن جبير بن مطعم وكان محمد عارفًا بالنسب وأيام العرب أخذ ذٰلك عن أبيه جبير. (المواهب اللدنيّة مع شرحه ج:۱ ص:۱۳۱-۱۳۲ طبع دار المعرفة بيروت).

(۳) وكانت وفاته يوم الإثنين بلا خلاف من ربيع الأوّل وكاد يكون إجماعًا .... ثم عند إسحاق والجمهور أنها فى الثانى عشر منه. (فتح البارى، باب مرض النبى صلى الله عليه وسلم ووفاته ج:۸ ص:۱۲۹). فتوفى عليه الصلاة والسلام حين زاغت الشمس وذٰلك عند الزوال .... ثم الذى عند ابن اسحاق والجمهور ....(باقی اگلے صفحے پر)

ربیع الاوّل کا مہینہ اور اس کی بارہ تاریخ صرف آپ کا یومِ ولادت نہیں بلکہ یومِ وفات بھی ہے۔ جو لوگ اس مہینے اور اس تاریخ میں ''جشنِ عید'' مناتے ہیں، انہیں سو بار سوچنا چاہئے کہ کیا وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تو ''جشنِ عید'' نہیں منا رہے؟ مسلمان بڑی بھولی بھالی قوم ہے، دُشمنانِ دِین کے خوشنما عنوانات پر فریفتہ ہوجاتی ہے۔ صفر کے آخری بدھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرضِ وفات شروع ہوا،[۱] دُشمنوں کو اس کی خوشی ہوئی، اور اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹنا شروع کیں، اِدھر مسلمانوں کے کان میں چپکے سے یہ پھونک دیا کہ اس دن آنحضور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غسلِ صحت'' فرمایا تھا اور آپ سیر و تفریح کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ ناواقف مسلمانوں نے دُشمن کی اُڑائی ہوئی اس ہوائی کو ''حرفِ قرآن'' سمجھ کر قبول کرلیا اور اس دن گھر گھر مٹھائیاں بٹنے لگیں۔ جس طرح ''یومِ مرض'' کو ''یومِ صحت'' مشہور کرکے دُشمنانِ رسول نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کہلانے والوں سے اس دن مٹھائیاں تقسیم کرائیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''یومِ وفات'' کو ''یومِ میلاد'' مشہور کرکے مسلمانوں کو اس دن ''جشنِ عید'' منانے کی راہ پر لگا دیا۔ شیطان اس قوم سے کتنا خوش ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ موت پر مٹھائیاں تقسیم کرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ''جشن'' مناتی ہے...! کیا دُنیا کی کوئی غیرت مند قوم ایسی ہوگی جو اپنے مقتدا و پیشوا کے یومِ وفات پر ''جشنِ عید'' مناتی ہو؟ اگر نہیں، تو سوال یہ ہے کہ مسلمان ''بارہ وفات'' پر ''جشنِ عید'' کس کے اِشارے پر مناتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کا حکم دیا تھا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے فرماگئے تھے کہ میری وفات کے دن کو ''عید'' بنالینا؟ کیا خلفائے راشدینؓ، صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے اس دن ''جشنِ عید'' منایا؟ کیا حدیث و فقہ کی کسی کتاب میں مذکور ہے کہ ''بارہ وفات'' کا دن اسلام میں ''عید'' کی حیثیت رکھتا ہے؟ اور یہ کہ اس دن مسلمانوں کو سرکاری طور پر چھٹی کرنی چاہئے اور ''جشنِ عید'' منانا چاہئے...؟

''جشنِ عید'' منانا روافض کے ماتمِ محرّم کی تقلید ہے، اور کسی کی برسی منانا (خواہ پیدائش کی ہو یا وفات کی) خود خلافِ عقل و دانش ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ''تحفۂ اثنا عشریہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''نوع پانزدہم امثال متجددہ را یک چیز بعینہٖ دانستن، و ایں وہم خیلے بر ضعیف العقول غلبہ دارد حتیٰ کہ آب دریا و شعلہ و چراغ و آب فوارہ را اکثر اشخاص یک آب و یک شعلہ خیال کنند، و اکثر شیعہ در عادات خود منہمک ایں خیال اند، مثلاً روز عاشورا در ہر سال کہ بیاید آں را روزِ شہادت حضرت اِمامِ عالی مقام حسین علیہ السلام گمان برند و احکام ماتم و نوحہ و شیون و گریہ و زارے۔ و فغاں و بے قرارے آغاز نہند مثل زنان کہ ہر سال بر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)......... أنہ مات لِاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شھر ربیع الأوّل .... ثم ان وفاتہ علیہ الصلاۃ والسلام فی الیوم الإُثنین۔ (المواھب اللدنیّۃ مع شرحہ ج:۳ ص:۱۱۰-۱۱۱ طبع دار المعرفۃ، بیروت)۔

(۱) فصل فی حوادث السَّنَۃ الحادیۃ عشرۃ من الھجرۃ .... وفیھا مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی آخر الأربعاء من صفر وکان ذٰلک الیوم ثلاثین من شھر صفر المذکور۔ (بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص:۲۹۶ طبع جامعۃ السند، حیدرآباد، پاکستان، أیضًا البدایۃ والنہایۃ ج:۳ ص:۱۹۷، تاریخ طبری ج:۳ ص:۱۸۴، تاریخ ابن کثیر ج:۲ ص:۱۲۱)۔

میّت خود ایں عمل نمایند، حالانکہ عقل بالبداہت میداند کہ زمان امر سیال غیر قار ست ہرگز جزاو ثبات وقرار ندارد و اعادۂ معدوم محال وشہادت حضرت اِمام درروزے شدہ بود کہ ایں روز ازاں روز فاصلہ ہزار ودوصد سال دارد ایں روز را باآں روز چہ اتحاد وکدام مناسبت وروز عید الفطر وعید النحر رابریں قیاس نباید کرد کہ درآں جا مایہ سرور وشادے سال بسال متجد دست یعنی اداء روزہ رمضان وادائے حج خانہ کعبہ کہ (شکر النعمة المتجدّدة) سال بسال فرحت وسرور نو پیدا مے شود ولہٰذا اعیاد شرائع بریں وہم فاسد نیامدہ بلکہ اکثر عقلا نیز نوروز مہرجان وامثال ایں تجددات وتغیرات آسمانی راعید گرفتہ اند کہ ہر سال چیزے نو پیدا می شود وموجب تجدد اَحکام میباشد وعلیٰ ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین وتعید بعید غدیر وامثال ذالک مبنی برہمیں وہم فاسدست ازینجا معلوم شد کہ روز نزول آیۃ (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ) وروز نزولِ وحی وشبِ معراج راچرا درشرع عید قرار ندادہ اند وعید الفطر وعید النحر راقرار دادہ اند وروز تولد ووفات ہیچ نبے را عید نگردانیدند وچرا صوم یوم عاشورا کہ درسال اول بموافقت یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجا آوردہ بودند منسوخ شد دریں ہمہ ہمیں سرست کہ وہم را دخلے نباشد بدون تجدد نعمت حقیقة سرور وفرحت نمودن یا غم وماتم کردن خلافِ عقل خالص از شوائب وہم است۔‘‘

(تحفہ اثنا عشریہ، فارسی، ص:۳۵۱)

ترجمہ:...’’نوع پانزدہم نئی نئی اَمثال کو ایک چیز بعینہٖ جاننا اور یہ وہم کرنا ضعیف العقول پر بہت غلبہ رکھتا ہے، یہاں تک کہ دریا کے پانی اور شعلہ اور چراغ اور آب فوارہ کو اکثر لوگ ایک آگ اور ایک شعلہ خیال کرتے ہیں۔ اکثر شیعہ ان خیالات کے عادتوں میں ڈُوبے ہوئے ہیں، مثلاً ہر سال دسویں محرّم کی ہوتی ہے، ہر سال روزِ شہادت حضرت اِمامِ عالی مقام حسین علیہ السلام کا گمان کرتے ہیں اور احکامِ ماتم اور شیون اور گریہ وزاری اور فغاں وبے قراری شروع کرتے ہیں، عورتوں کی طرح کہ ہر سال اپنی میّت پر یہ عمل کرتے ہیں، حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا غیر قار ہے، یعنی قرار نہ پکڑنے والا، کوئی جز اس کا ثابت وقائم نہیں رہتا، اور اس زمانے کا لوٹنا بھی محال ہے، اور شہادت حضرت اِمام رضی اللہ عنہ کی جس دن ہوئی اُس دن سے اِس دن تک فاصلہ گیارہ سو پچاس برس کا ہوا، پھر یہ اور وہ دن کیسے ایک ہوگیا اور کونسی مناسبت ہوگئی؟

عید الفطر اور عیدِ قرباں کو اس پر قیاس کرنا نہیں چاہئے، کیونکہ اس میں خوشی اور شادی سال در سال نئی ہے، یعنی روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا بجالانا کہ شکر النعمة المتجدّدة (یعنی شکر ہے نئی نعمت کا) سال در سال فرحت وسرور نیا پیدا ہوتا ہے۔ اسی واسطے عیدین شریعت کی اس وہمِ فاسد پر مقرّر نہیں ہوئی ہیں، بلکہ اکثر عقلاء نے بھی نوروز اور مہرجان اور اَمثال اس کی نئی باتوں اور تغیرِ آسمانی کو خیال کرکے عید اِختیار کی ہے کہ ہر سال ایک چیز نئی پیدا ہوتی ہے، اس پر نئے نئے اَحکام کئے جاتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس بابا شجاع الدین کی عید منانا اور غدیرِ خم کی عید منانا اور مثل ان کے، سب کی بنا، وہمِ فاسد پر ہے، اور اسی موقع سے

معلوم ہوا کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی: ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' اور جس دن وحی نازل ہوئی اور شبِ معراج، ان دنوں کو شرع میں کیوں نہیں عید ٹھہرایا ہے اور عید الفطر اور عیدِ قرباں کو عید ٹھہرایا، وہ دن بھی تو بڑی خوشی کے تھے، ایسے کسی نبی کے تولد اور وفات کے دن کو عید نہ ٹھہرایا اور روزہ عاشورا کا کہ اوّل سال یہود کی موافقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا، کیوں منسوخ ہوا؟ ان سب باتوں میں یہی بھید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے بغیر کسی نئی نعمت حقیقیہ کے فرحت اور سرور کا ہونا یا غم اور ماتم کرنا، اس عقل کے خلاف ہے جو آمیزش وہم سے خالص ہے۔'' (ترجمہ تحفۂ اثناعشریہ ص:۲۷۶)

علاوہ ازیں اس قسم کے جشنوں میں وقت برباد ہوتا ہے، ہزاروں روپیہ ضائع ہوتا ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں، نمود و نمائش ہوتی ہے، مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، بے حجابی و بے پردگی ہوتی ہے۔ ذرا غور کیجئے! کیا ان تمام باتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے کوئی جوڑ ہے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر ان تمام چیزوں کا روا رکھنا کتنا بڑا ظلم ہے...؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ اور آپ کا وجودِ سامی سراپا رحمت ہے (حق تعالیٰ شانہ کی مزید عنایت در عنایت یہ کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں شامل ہونے کا شرف عطا فرمایا، اَللّٰھُمَّ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ) مگر اس رحمت سے فائدہ اُٹھانے والے وہی خوش قسمت ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت کو اپنانے اور آپ کے مقدس اُسوۂ حسنہ پر گامزن ہونے کی توفیق ارزانی کی جاتی ہے کہ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصدِ وحید ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہر اُمتی کے لئے مینارۂ نور ہے اور دِین و دُنیا کی فلاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام و ارشادات کے اِتباع پر موقوف ہے اور اس کی ضرورت صرف نماز روزہ وغیرہ عبادات تک محدود نہیں، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت، اخلاق و عادات اور شکل و شمائل الغرض! زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے۔

اُمتِ مسلمہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کا التزام متعدّد وجوہ سے ضروری ہے۔

اوّل:... حق تعالیٰ شانہ نے بار بار تاکیداتِ بلیغہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کا حکم فرمایا ہے، بلکہ اپنی اطاعت و بندگی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اِتباع کے ساتھ مشروط فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔'' (النساء:۸۰)

دوم:... ہم لوگ ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ'' کا عہد کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لائے ہیں اور ہمارے اس ایمانی عہد کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک فیصلے پر دِل و جان سے راضی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم کی تعمیل کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنائیں، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

”فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔“ (النساء:۶۵)

سوم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر اُمتی کے لئے محبوب ہیں اور یہ محبت شرطِ ایمان ہے، ارشادِ نبوی ہے:

”وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ۔“ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان ج:۱ ص:۶)

اور محبت کا خاصہ ہے کہ ایک محبِّ صادق اپنے محبوب کی ہر ہر اَدا پر مرمٹتا ہے، اور اسے محبوب کی تمام ادائیں محبوب ہوتی ہیں، یہ نہ ہو تو دعویٰ محبت محض لاف و گزاف ہے۔ پس ہماری ایمانی محبت کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھل جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا پر مرمٹیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو زندہ کریں، اس کے بغیر ہمیں بارگاہِ الٰہی سے محبتِ نبوی کی سند نہیں مل سکتی۔

چہارم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کمالِ انسانیت کا نقطۂ معراج ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ادائیں، تمام سنتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا اُسوۂ حسنہ مظہرِ کمال بھی ہے اور مظہرِ جمال بھی۔ پس جو شخص جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے گا اور اسے جس قدر اُسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا و اتباع نصیب ہوگی، اسی قدر کمالِ انسانیت سے بہرہ ور ہوگا، اور جس قدر اسے اُسوۂ نبوی سے بُعد ہوگا، اسی قدر وہ کمالاتِ انسانیت سے گرا ہوا ہوگا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ”انسانِ کامل“ کے لئے معیار اور نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ پس نہ صرف اہلِ ایمان کو بلکہ پوری انسانیت کو لازم ہے کہ کمالِ انسانی کی معراج تک پہنچنے کے لئے اس ”انسانِ کامل“، صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کرے، واللہ اعلم!

یہ اس اُمت پر حق تعالیٰ شانہ کا احسانِ عظیم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کا مکمل ریکارڈ اُمت کے سامنے اس طرح موجود ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ شمائل اور احادیث کا مستند ذخیرہ موجود ہے، اور ہر دور میں اکابرِ اُمت اور حضراتِ محدثینؒ نے اسے اپنے اپنے انداز میں مرتب فرمایا ہے، تاکہ اُمت ہر شعبۂ زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و ارشادات سے واقف ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی پیروی کو اپنا مقصدِ زندگی بنائے اور اُسوۂ نبوی کے قالب میں اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو ڈھالے۔

موجودہ دور میں جبکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے مغایرت بڑھتی جارہی ہے اور مسلمان اپنے دِین کی تعلیمات اور اپنے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر غیروں کے طور طریقے اپنارہے ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو چند روزہ جشن منانے کے بجائے ان کی متاعِ گم گشتہ کی طرف بار بار بلایا جائے اور انہیں اسلامی تعلیمات اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی دعوت دی جائے، کیونکہ مسلمانوں کی دُنیوی و اُخروی ہر طرح کی صلاح و فلاح اِتباعِ سنت ہی میں مضمر ہے۔

ماتمی جلوس کی بدعت

سوال:... ماتمی جلوس کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ کب اور کیسے ایجاد ہوئے؟ نیز یہ کہ حالیہ واقعات میں علمائے اہلِ سنت نے کیا تجاویز پیش کیں؟

جواب:... محرّم کے ماتمی جلوسوں کی بدعت چوتھی صدی کے وسط میں معزالدولہ دیلمی نے ایجاد کی۔ شیعوں کی مستند کتاب ''منتہی الآمال'' (ج:۱ ص:۴۵۳) میں ہے:

''جملہ (ای مؤرّخین) نقل کردہ اند کہ ۳۵۲ھ (سی صد و پنجاہ و دو) روز عاشور معزالدولہ دیلمی امر کرد اہلِ بغداد را بہ نوحہ و لطمہ و ماتم بر اِمام حسین و آنکہ زنہا مویہا را پریشان و صورتہا را سیاہ کنند و بازارہا را بہ بندند، و بردکانہا پلاس آویزاں نمائند، و طباخین طبخ نہ کنند، و زنہائے شیعہ بیروں آمدند در حالیکہ صورتہا را بہ سیاہی دیگ وغیرہ سیاہ کردہ بودند و سینہ می زدند، و نوحہ می کردند، سالہا چنیں بود۔ اہلِ سنت عاجز شدند از منع آں، لکون السلطان مع الشیعۃ۔''

ترجمہ:... ''سب مؤرِّخین نے نقل کیا ہے کہ ۳۵۲ھ میں عاشورہ کے دن معزالدولہ دیلمی نے اہلِ بغداد کو اِمام حسین رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرنے، چہرہ پیٹنے اور ماتم کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ عورتیں سر کے بال کھول کر اور منہ کالے کرکے نکلیں، بازار بند رکھے جائیں، دُکانوں پر ٹاٹ لٹکائے جائیں اور طباخ کھانا نہ پکائیں۔ چنانچہ شیعہ خواتین نے اس شان سے جلوس نکالا کہ دیگ وغیرہ کی سیاہی سے منہ کالے کئے ہوئے تھے اور سینہ کوبی و نوحہ کرتی ہوئی جارہی تھیں۔ سالہا سال تک یہی رواج رہا اور اہلِ سنت اس (بدعت) کو روکنے سے عاجز رہے، کیونکہ بادشاہ شیعوں کا طرف دار تھا۔''

حافظ ابنِ کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں ۳۵۲ھ کے ذیل میں یہی واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

''فی عاشر المحرّم من هٰذه السنة أمر معز الدولة بن بويه -قبحه الله- ان تغلق الأسواق، وان يلبس النساء المسوح من الشعر، وأن يخرجن فی الأسواق، حاسرات عن وجوههن، ناشرات شعورهن، يلطمن وجوههن، ينحن علی الحسين بن علی بن أبی طالب. ولم يكن أهل السنّة منع ذٰلک لكثرة الشيعة وظهورهم، وكون السلطان معهم۔''

(البدایہ والنہایہ ج:۱۱ ص:۲۴۳)

ترجمہ:... ''اس سال (۳۵۲ھ) کی محرّم دسویں تاریخ کو معزالدولہ بن بویہ دیلمی نے حکم دیا کہ بازار بند رکھے جائیں، عورتیں بالوں کے ٹاٹ پہنیں اور ننگے سر، ننگے منہ، بالوں کو کھولے ہوئے، چہرے پیٹتی ہوئی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرتی، بازاروں میں نکلیں، اہلِ سنت کو اس سے روکنا ممکن نہ ہوا، شیعوں

کی کثرت وغلبہ کی وجہ سے اور اس بنا پر کہ حکمران ان کے ساتھ تھا۔“

اس سے واضح ہے کہ چوتھی صدی کے وسط تک اُمت ان ماتمی جلوسوں سے یکسر ناآشنا تھی، اس طویل عرصے میں کسی سنی اِمام نے تو درکنار، کسی شیعہ مقتدا نے بھی اس بدعت کو رَوا نہیں رکھا، ظاہر ہے کہ ان ماتمی جلوسوں میں اگر ذرا بھی خیر کا پہلو ہوتا تو خیرالقرون کے حضرات اس سے محروم نہ رہتے، حافظ ابنِ کثیرؒ کے بقول:

”وھٰذا تکلف لَا حاجة إلیه فی الْإسلام، ولو کان ھٰذا أمرًا محمودًا لفعله خیر القرون وصدر ھٰذه الأُمَّة وخیرتھا۔ وھم أوْلٰی به ”لو کان خیر ما سبقونا الیه“ وأھل السنة یقتدون ولَا یبتدعون۔“ (البدایہ والنہایہ ج:۱۱ ص:۲۵۴)

ترجمہ:... ”اور یہ ایک ایسا تکلف ہے جس کی اسلام میں کوئی حاجت وگنجائش نہیں، ورنہ اگر یہ اَمرِ لائقِ تعریف ہوتا تو خیرالقرون اور صدرِ اوّل کے حضرات جو بعد کی اُمت سے بہتر وافضل تھے، وہ اس کو ضرور کرتے کہ وہ خیر وصلاح کے زیادہ مستحق تھے، پس اگر یہ خیر کی بات ہوتی تو وہ یقیناً اس میں سبقت لے جاتے۔ اور اہلِ سنت، سلف صالحین کی اقتدا کرتے ہیں، ان کے طریقے کے خلاف نئی بدعتیں اختراع نہیں کیا کرتے۔“

الغرض جب ایک خودغرض حکمران نے اس بدعت کو حکومت واقتدار کے زور سے جاری کیا اور شیعوں نے اس کو جزوِ ایمان بنالیا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اگلے ہی سال یہ ماتمی جلوس سنی شیعہ فساد کا اکھاڑا بن گیا اور قاتلینِ حسین نے ہر سال ماتمی جلوسوں کی شکل میں معرکۂ کربلا برپا کرنا شروع کردیا، حافظ ابنِ کثیرؒ ۳۵۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:

”ثم دخلت سنة ثلاث وخمسین وثلاث مائة، فی عاشر المحرّم منھا عملت الرافضة عزأ الحسین کما تقدم فی السنة الماضیة، فاقتتل الروافض وأھل السُّنَّة فی ھٰذا الیوم قتالًا شدیدًا وانتھبت الأموال۔“ (البدایہ والنہایہ ج:۱۱ ص:۲۵۳)

ترجمہ:... ”پھر ۳۵۳ھ شروع ہوا تو رافضیوں نے دس محرّم کو گزشتہ سال کے مطابق ماتمی جلوس نکالا، پس اس دن روافض اور اہلِ سنت کے درمیان شدید جنگ ہوئی اور مال لوٹے گئے۔“

چونکہ فتنہ وفساد ان ماتمی جلوسوں کا لازمہ ہے، اس لئے اکثر وبیشتر اسلامی ممالک میں اس بدعتِ سیئہ کا کوئی وجود نہیں، حتیٰ کہ خود شیعی اِیران میں بھی اس بدعت کا یہ رنگ نہیں جو ہمارے ہاں کربلائی ماتمیوں نے اختیار کر رکھا ہے، حال ہی میں ایران کے صدر کا بیان اخبارات میں شائع ہوا، جس میں کہا گیا:

”علَم اور تعزیہ غیرِاسلامی ہے۔ عاشورہ کی مروّجہ رُسوم غلط ہیں۔ ایران کے صدر خامنہ ای کی تنقید۔

تہران (خصوصی رپورٹ) ایران کے صدر خامنہ ای نے کہا ہے کہ یومِ عاشورہ پر اِمام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ کرنے کے مروّجہ طریقے یکسر غلط اور غیرِاسلامی ہیں۔ اسلام آباد کے انگریزی اخبار ”مسلم“ کی رپورٹ کے مطابق ایرانی سربراہِ مملکت نے نمازِ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ طریقہ نمود ونمائش

پر مبنی اور اِسلامی اُصولوں کے منافی ہے۔ فضول خرچی اور اِسراف ہمیں اِمام حسین رضی اللہ عنہ کے راستے سے دُور کردیتا ہے۔ انہوں نے علَم اور تعزیے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ خواہ یہ محراب و گنبد کی شکل میں ہی کیوں نہ ہوں، یادتازہ کرنے کی اسلامی شکل نہیں، ان نمائشی چیزوں پر رقم خرچ کرنا حرام ہے اور عاشورہ کی رُوح کے منافی ہے، کیونکہ یومِ عاشورہ تفریح کا دِن نہیں ہے۔ اِمام خمینی کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے صدر خامنہ ای نے کہا کہ مذہبی تقریبات کے دوران لاؤڈ اسپیکر کو بہت اُونچی آواز میں استعمال نہیں کرنا چاہئے اور عزاداری کے مقام پر بھی پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہئے۔ لوگوں کو ماتم کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس رسم کو لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہونا چاہئے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی پیر ۱۹؍محرم ۱۴۰۵ھ، ۱۵؍اکتوبر ۱۹۸۴ء)

ہندوپاک میں یہ ماتمی جلوس انگریزوں کے زمانے میں بھی نکلتے رہے اور ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں بھی ان کا سلسلہ جاری رہا۔ اہلِ سنت نے اکثر و بیشتر فراخ دِلی و رواداری سے کام لیا اور فضا کو پُرامن رکھنے کی کوشش کی، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود کبھی یہ بدعت فتنہ و فساد سے مبرا نہیں رہی۔ انگریزوں کے دور میں تو ان ماتمی جلوسوں کی اجازت قابلِ فہم تھی کہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' انگریزی سیاست کی کلید تھی، لیکن یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد اس فتنہ و فساد کی جڑ کو کیوں باقی رکھا گیا، جو ہر سال بہت سی قیمتی جانوں کے ضیاع اور ملک کے دو طبقوں کے درمیان کشیدگی اور منافرت کا موجب ہے...؟ بظاہر اس بدعتِ سیئہ کو جاری رکھنے کے چند اسباب ہوسکتے ہیں:

ایک یہ کہ ہمارے اربابِ حل و عقد نے ان ماتمی جلوسوں کے حسن و قبح پر نہ تو اسلامی نقطۂ نظر سے غور کیا اور نہ ان معاشرتی نقصانات اور مضرتوں کا جائزہ لیا جو اِن تمام ماتمی جلوسوں کے لازمی نتائج کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک نظام جو انگریزوں کے زمانے سے چلا آتا تھا، انہوں نے بس اسی کو جوں کا توں برقرار رکھنا ضروری سمجھا اور اس میں کسی تبدیلی کو شانِ حکمرانی کے خلاف تصوّر کیا۔ عاشورائے محرّم میں جو قتل و غارت اور فتنہ و فساد ہوتا ہے، وہ ان کے خیال میں کوئی غیرمعمولی بات نہیں، جس پر کسی پریشانی کا اظہار کیا جائے، یا اسے غور و فکر کے لائق سمجھا جائے۔

دُوسرا سبب یہ کہ اہلِ سنت کی جانب سے ہمیشہ فراخ قلبی و رواداری کا مظاہرہ کیا گیا، اور ان شرانگیز ماتمی جلوسوں پر پابندی کا مطالبہ نہیں کیا گیا، اور ہمارے حکمرانوں کا مزاج ہے کہ جب تک مطالبے کی تحریک نہ اُٹھائی جائے وہ کسی مسئلے کو سنجیدہ غور و فکر کا مستحق نہیں سمجھتے۔

جنابِ صدر کراچی تشریف لائے اور مختلف طبقات سے ملاقاتیں فرمائیں، سب سے پہلے شیعوں کو شرفِ باریابی بخشا گیا، آخر میں مولانا محمد بنوری، مولانا مفتی ولی حسن اور مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی باری آئی، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے نہایت متانت و سنجیدگی اور بڑی خوبصورتی سے صورتِ حال کا تجزیہ پیش کیا، لیکن اہلِ سنت کی اشک شوئی کا کوئی سامان نہ ہوا۔

اہلِ سنت بجا طور پر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ:

ا:... ان ماتمی جلوسوں پر پابندی عائد کی جائے۔

۲:...جن شرپسندوں نے قومی و نجی املاک کو نقصان پہنچایا ہے، ان کو رہزنی و ڈکیتی کی سزا دی جائے۔

۳:...اہلِ سنت کی جن املاک کا نقصان ہوا، ان کا پورا معاوضہ دِلایا جائے۔

۴:...اہلِ سنت کے جن رہنماؤں کو ''جرمِ بے گناہی'' میں نظر بند کیا گیا ہے، ان کو رہا کیا جائے۔

مخصوص راتوں میں روشنی کرنا اور جھنڈیاں لگانا

سوال:...کیا ستائیسویں رمضان کی شب اور بارہ ربیع الاوّل کی شب کو روشنیوں اور جھنڈیوں کا انتظام کرنا باعثِ ثواب ہے؟

جواب:...خاص راتوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کے انتظام کو فقہاء نے بدعت اور اِسراف (فضول خرچی) کہا ہے۔[1]

نعرۂ تکبیر کے علاوہ دُوسرے نعرے

سوال:...جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ افواجِ پاکستان کے جوان جذبہ جہاد، جذبہ شہادت اور حب الوطنی سے سرشار ہیں اور ملک کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے، جنگ ایک ایسا موقع ہے کہ اس میں موت یقینی طور پر سامنے ہوتی ہے اور ہر سپاہی کی خواہش شہادت یا غازی بننا ہوتی ہے۔

جنگ کے دوران اور مشقوں میں فوجی جوان جوش میں مختلف نعرے لگاتے ہیں، مثلاً: نعرۂ تکبیر: اللہ اکبر! نعرۂ حیدری: یا علیؓ مدد۔ اب اصل مسئلہ ''یا علی مدد'' کا ہے ملک بھر کے فوجی جوان ''یا علیؓ مدد'' پکارتے ہیں، لیکن اکثر علماء سے سنا ہے کہ شرکِ عظیم اور گناہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا، تو کیا ''یا علی مدد'' کا نعرہ دُرست ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس نعرے کے بعد اگر موت واقع ہوجائے اور یہ واقعی شرک ہو تو معمولی سی ناسمجھی کی وجہ سے کتنا بڑا نقصان ہوسکتا ہے؟

نیز اکثر مسجدوں اور مختلف جگہوں پر ''یا اللہ''، ''یا محمد''، ''یا رسول اللہ'' کے نعرے درج ہوتے ہیں، ان کے بارے میں بھی تفصیل سے بیان کریں۔

جواب:...اسلام میں ایک ہی نعرہ ہے، یعنی نعرۂ تکبیر: اللہ اکبر۔ باقی نعرے لوگوں کے خود تراشیدہ ہیں، نعرۂ حیدری شیعوں کی ایجاد ہے، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں خدائی صفات کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ نعرہ بلاشبہ لائقِ ترک ہے اور شرک ہے۔

''یا محمد'' اور ''یا رسول اللہ'' کے الفاظ لکھنا بھی غلط ہے، اس مسئلے پر میری کتاب ''اختلافِ اُمت'' میں تفصیل سے لکھا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمالیں۔

موت کی اطلاع دینا

سوال:...چند احادیث مبارکہ آپ کی خدمت میں ارسال ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں، ان کا مفہوم لکھ کر مشکور فرمائیے:

---

(۱) قال العلّامة الحموی رحمه الله: قوله: وفرشه وایقاده أی وقت الصلاة یقدر ما یدفع الظلمة ومن البدع المنکرة ما یفعل فی کثیر من البلدان من ایقاد القنادیل الکثیرة فی لیالی معروفة فی السّنة کَلیلة نصف من شعبان .... الخ۔ (غمز عیون البصائر ج:۲ ص:۲۳۵، القول فی اَحکام المساجد)۔

۱:... ”عَنْ عَبْدِاللهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: إِیَّاکُمْ وَالنَّعْیَ، فَإِنَّ النَّعْیَ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِیَّةِ“ (ترمذی ج:۱ ص:۱۹۲)۔

۲:... ”عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ: إِذَا مِتُّ فَلَا تُؤْذِنُوْا بِیْ اَحَدًا فَإِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّکُوْنَ نَعْیًا وَإِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَنْهٰی عَنِ النَّعْیِ۔“ (ترمذی ج:۱ ص:۱۹۲ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)۔

جناب مولانا صاحب! یہ تو احادیث مبارکہ ہیں اور ہمارے علاقہ میں یہ رسم و رواج ہے کہ جب کوئی بھی (چاہے امیر ہو یا غریب) مرجائے تو مسجد کے لاوٴڈ اسپیکر کے ذریعے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں فوت ہوا ہے، نمازِ جنازہ ۳ بجے ہوگا، یا جنازہ نکل گیا ہے، جنازہ گاہ کو جاوٴ، تو کیا یہ اعلان جائز ہے یا احادیث کے خلاف ہے؟ اگر خلاف و ناجائز ہو تو اِن شاء اللہ یہ اعلانات وغیرہ آئندہ نہیں کریں گے۔ مدلل جواب سے نوازیں۔ نیز یہ بھی سنتے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے؟

جواب:... عام اہلِ علم کے نزدیک موت کی اطلاع کرنا جائز بلکہ سنت ہے، ان احادیث میں اس ”نعی“ کی ممانعت ہے جس کا اہلِ جاہلیت میں دستور تھا کہ میّت کے مفاخر بیان کرکے اس کی موت کا اعلان کیا کرتے تھے۔

اعلانِ وفات کیسے سنت ہے؟

سوال:... آپ کا فتویٰ پڑھ کر تسلی نہیں ہوئی۔ آج کل ہمارے محلے میں یہ مسئلہ بہت ہی زیرِ بحث ہے، اس لئے اس کا فوٹو اسٹیٹ کرکے آپ کو دوبارہ بھیج رہا ہوں، تاکہ تفصیل سے دلیل سے جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ موت کی اطلاع کرنا سنت لکھا ہے تو مہربانی کرکے اس کی دلیل ضرور لکھئے گا۔

۱:... زمانۂ جاہلیت میں جو دستور تھا اعلان کا، تو وہ کن الفاظ سے اعلان کرتے تھے؟

۲:... مسجد کے اندر اذان دینا کیسا ہے؟ اس کا جواب شاید بھول گیا۔ مہربانی کرکے اس کا جواب جلدی دینا، تاکہ اُلجھن دُور ہو۔ بہت بہت شکریہ۔

جواب:... موت اور میّت کی اِطلاع دینا جائز بلکہ سنت ہے، اس سلسلے میں درج ذیل نصوص ملاحظہ ہوں:

۱:... ”فی الحدیث اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعٰی لِلنَّاسِ اَلنَّجَّاشِیَّ، اخرجه الجماعة۔“ (بخاری ج:۱ ص:۱۶۷، نسائی ص:۲۲۱، طبع دار السلام ریاض)

ترجمہ:... ”حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ نجاشی کی موت کا اعلان فرمایا تھا۔“

۲:... ”وفی فتح الباری (۳،۱۱۷): قال ابن العربی، یؤخذ من مجموع الأحادیث ثلاث حالَات: الأُولیٰ: اعلام الأهل والأصحاب واهل الصلاح فهذا سنة، الثانیة: دعوة الحفل للمفاخرة فهٰذه تکره، الثالثة: الإعلام بنوع آخر کالنیاحة ونحو ذالک فهٰذا یحرم، وقد نقله الشیخ فی الأوجز (۱،۴۴۳) عن الفتح۔“

ترجمہ:..."فتح الباری میں ہے کہ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ موت کی اطلاع دینے کی تین حالتیں ہیں: اوّل: اہل و عیال، احباب و اصحاب اور اہلِ صلاح کو اِطلاع کرنا یہ تو سنت ہے۔ دوم: فخر و مباحات کے لئے مجمع کثیر کو جمع کرنے کے لئے اعلان کرنا یہ مکروہ ہے۔ سوم: لوگوں کو آہ و بکا اور بین کرنے کے لئے اطلاع کرنا اور بلانا یہ حرام ہے۔"

۳:... "وفی العلائیة: ولَا بأس بنقله قبل دفنه وبالْإعلام بموته ...إلخ. وفی الشامية: قوله وبالْإعلام بموته: ای اعلام بعضهم بعضًا، ليقضوا حقه. هداية: وكره بعضهم ان ينادیٰ عليه فی الأزقة والأسواق، لأنه يشبه نعی الجاهلية، والأصح انه لَا يكره اذا لم يكن معه تنويه بذكره وتفخيم... فان نعی الجاهلية ماكان فيه قصد الدوران مع الضجيج والنياحة وهو المراد بدعوی الجاهلية فی قوله صلی الله عليه وسلم: "ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوی الجاهلية... شرح المنية (شامی ۲-۲۳۹) وكذا فی الفتح (۱-۴۶۳)."

ترجمہ:..."اور علائیہ میں ہے کہ میّت کو دفن کرنے سے پہلے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور موت کے اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں...الخ۔ اور فتاویٰ شامی میں ہے: "اور اس کی موت کی اطلاع دینا یعنی ایک دوسرے کو اس لئے اطلاع دینا تاکہ اس کا حق ادا کرسکیں، (جائز ہے) اور بعض حضرات نے بازاروں اور گلیوں میں کسی کی موت کے اعلان کو مکروہ کہا ہے، کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی موت کی اطلاع دینے کے مشابہ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے، جب کہ اس اعلان کے ساتھ زمانہ جاہلیت کا سا نوحہ اور مردے کی بڑائی کا تذکرہ نہ ہو.....پس بے شک جاہلیت کی سی موت کی اطلاع وہ ہے کہ جس میں دل کی تنگی اور بین کا تذکرہ ہو، اور یہی مقصود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ: وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے منہ کو پیٹا اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے دعوے کئے۔"

۲:... مسجد میں اذان کہنا مکروہِ تنزیہی ہے،[۱] البتہ جمعہ کی دُوسری اذان کا معمول منبر کے سامنے چلا آتا ہے۔[۲]

قبر پر اَذان دینا

سوال:... جناب میرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے آتے ہی ہمیں

(۱) وينبغی أن يؤذن علی المأذنة أو خارج المسجد ولَا يؤذّن فی المسجد كذا فی فتاویٰ قاضيخان. (عالمگيری ج:۱ ص:۵۵، الفصل الثانی فی كلمات الأذان والْإقامة وكيفيتهما).

(۲) وإذا جلس علی المنبر أذّن بين يديه فأقيم بعد تمام الخطبة بذٰلک جری التوارث، كذا فی البحر الرائق. (عالمگيری ج:۱ ص:۱۴۹، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة).

ایک نئی اُلجھن میں ڈال دیا ہے، وہ یہ کہ وہ میّت کو دفنانے کے بعد تلقین کے بعد بآوازِ بلند اذان دیتے ہیں۔

جواب:... علامہ شامیؒ نے حاشیہ درمختار میں دو جگہ[۱] اور حاشیہ بحر (ج:۱ ص:۲۶۹)[۲] میں اس کا بدعت ہونا نقل کیا ہے۔

سوال:... ہمارے ہاں میّت کے ہاتھ ناف پر رکھ دیتے ہیں، یہ طریقہ کس حد تک دُرست ہے؟ ہماری رہنمائی فرمائیں، ہم بڑی اُلجھن میں ہیں۔

جواب:... میّت کے دونوں ہاتھ اس کے پہلوؤں میں رکھے جائیں، سینے پر یا ناف پر نہیں۔[۳]

بزرگوں کے مزار پر عرس کرنا، چادریں چڑھانا ان سے منتیں مانگنا

سوال:... کئی جگہ پر کچھ بزرگوں کے مزار بنائے جاتے ہیں (آج کل تو بعض نقلی بھی بن رہے ہیں) اور ان پر ہر سال عرس ہوتے ہیں، چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب:... یہ بالکل ناجائز اور حرام ہے،[۴] بزرگوں کے عرسوں کے رواج کی بنیاد غالباً یہ ہوگی کہ کسی شیخ کی وفات کے بعد ان کے مریدین ایک جگہ جمع ہوجایا کریں اور کچھ وعظ و نصیحت ہوجایا کرے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ مقصد تو غائب ہوگیا اور بزرگوں کے جانشین باقاعدہ استخوان فروشی کا کاروبار کرنے لگے اور ''عرس شریف'' کے نام سے بزرگوں کی قبروں پر سینکڑوں بدعات و محرّمات اور خرافات کا ایک سیلاب اُمڈ آیا اور جب قبر فروشی کا کاروبار چمکتا دیکھا تو لوگوں نے ''جعلی قبریں'' بنانا شروع کردیں، انا للہ وانا الیہ راجعون!

بزرگوں کے مزارات پر جاکر مراقبہ کرکے ولایت سیکھنا

سوال:... بعض حضرات بزرگوں کے مزارات پر جاکر مراقبے کی حالت میں کشف کرتے ہیں اور ولایت سیکھتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:... جو حضرات رُوحانیت کے اتنے بلند مرتبے پر فائز ہوں، وہ فوت شدہ بزرگوں کی رُوحانیت سے استفادہ کرسکتے

---

(۱) (تنبیہ) فی الْاقتصار علٰی ما ذکر من الوارد وإشارة إلٰی أنه لَا یسن الأذان عند إدخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر فی فتاویه بأنه بدعة ...إلخ۔ (فتاویٰ شامی، باب صلاة الجنائز ج:۲ ص:۲۳۵، وأیضًا فتاویٰ شامی ج:۱ ص:۳۸۵)۔

(۲) ورأیت فی کتب الشافعیة أنه قد یسن الأذان لغیر الصلاة کما .... قیل وعند إدخال المیت القبر قیاسًا علٰی أوّل خروجه للدنیا لٰکن ردہ ابن حجر فی شر العباب۔ (منحة الخالق علی البحر الرائق ج:۱ ص:۲۶۹)۔

(۳) ویلین مفاصله ویردّ ذراعیه إلٰی عضدیه ثم یمدّھما ویردّ أصابع یدیه إلٰی کفیه ثم یمدّھا ویردّ فخذیه إلٰی بطنه وساقیه إلٰی فخذیه ثم یمدّھا کذا فی الجوھرة النیرة۔ (عالمگیری ج:۱ ص:۱۵۷، الفصل الأوّل فی المحتضر)۔

(۴) کرہ بعض الفقھاء وضع الستور والعمائم والثیاب علٰی قبور الصالحین والأولیاء۔ قال فی فتاوی الحجة وتکرہ الستور علی القبور۔ (شامی ج:۶ ص:۳۶۳، تتمة، فصل فی اللبس)۔

ہوں گے۔ مگر عام لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں، ان میں فسادِ عقیدہ کا اندیشہ ہے۔ (۱)

قبر پر پھول ڈالنا خلافِ سنت ہے

سوال:... اپنے عزیزوں کی قبر پر پانی ڈالنا، پھول ڈالنا، آٹا ڈالنا اور اگربتی جلانا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:... دفن کے بعد پانی چھڑک دینا جائز ہے، پھول ڈالنا خلافِ سنت ہے، آٹا ڈالنا مہمل بات ہے اور اگربتی جلانا مکروہ و ممنوع ہے۔ (۲)

قبروں پر پھول ڈالنے کے بارے میں شاہ تراب الحق کا مؤقف

گزشتہ جمعہ ۱۲/دسمبر ۱۹۸۰ء روزنامہ جنگ میں سوالات و جوابات کے کالم میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جناب محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے قبروں پر پھول ڈالنے کو خلافِ سنت قرار دیا ہے۔ بحیثیت ایک سنی مذہبی خیالات رکھنے کے پیشِ نظر ہمارا فرض ہے کہ ہم صحیح مسئلے کی نشاندہی کریں۔ واضح ہو کہ قبر پر پھول ڈالنا قطعی خلافِ سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ: ان دونوں قبروں پر عذاب ہو رہا ہے، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تر شاخ لی اور اس کو چیر کر دونوں قبروں پر ایک ایک گاڑ دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تک یہ تر رہیں گی، ان پر عذاب میں کمی رہے گی۔ (مشکوٰۃ شریف باب آداب الخلاء فصل اوّل) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ: اس حدیث سے ایک جماعت نے دلیل پکڑی ہے کہ قبروں پر سبزی، پھول اور خوشبو ڈالنے کا جواز ہے۔ مُلّا علی قاری نے مرقات میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔ نیز علامہ عبدالغنی نابلسیؒ نے بھی ''کشف النور'' میں اس کی تصریح فرمائی۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں صفحہ: ۳۶۴ میں ہے کہ: ہمارے بعض متأخرین اصحاب نے اس حدیث کی رُو سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول قبر پر چڑھانے کی جو عادت ہے، وہ سنت ہے۔ فقہ حنفیہ کی مشہور و معروف کتاب فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراہیت جلد پنجم، باب زیارت القبور میں قبروں پر پھول ڈالنے کو اچھا فعل لکھا ہے۔ نیز علامہ شامی نے

---

(۱) وأما الإستفادة من روحانية المشائخ الأجلة ووصول الفيوض الباطنية من صدورهم أو قبورهم فيصح على الطريقة المعروفة في أهلها وخواصها لا بما هو شائع في العوام. (المهند على المفند ملحقة به فتاوىٰ خليلية ج:۱ ص:۲۱۸ السؤال الحادي عشر، طبع مكتبة الشيخ كراچي). تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التكشف عن مهمات التصوّف ص:۴۱۱ طبع كتب خانه مظهري).

(۲) قوله ولا بأس برش الماء عليه بل أن يندب، لأنه صلى الله عليه وسلم فعله بقبر سعد كما رواه ابن ماجة، وبقبر ولده ابراهيم كما رواه ابوداؤد في مراسيله، وأمر به في قبر عثمان بن مظعون كما رواه البزار. (شامي ج:۲ ص:۲۳۷). واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الىٰ ضرائح الأولياء الكرام تقربًا اليهم فهو بالإجماع باطل وحرام .... الخ. (درمختار ج:۲ ص:۴۳۹، قبيل باب الإعتكاف).

بھی شامی میں جو فقہ حنفیہ کی معروف کتاب ہے، جلد اوّل بحث زیارت القبور میں اسے مستحب کہا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قبروں پر پھول ڈالنے کو خلافِ سنت کہنا سخت جہالت اور علمِ دِین کی کتب احادیث و کتب فقہ سے نابلد ہونے کی دلیل ہے۔ ہمارے خیال میں روزنامہ ''جنگ'' کو اس قسم کی دِل آزاری والی بحث سے بچنا چاہئے اور جواب دینے والوں کو بھی تنبیہ کردینا چاہئے۔ شاہ تراب الحق قادری

مسئلے کی تحقیق یعنی قبروں پر پھول ڈالنا بدعت ہے

سوال:... روزنامہ ''جنگ'' ۱۲ردسمبر کی اشاعت میں آپ نے جو ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ: ''قبروں پر پھول چڑھانا خلافِ سنت ہے'' ۱۹ردسمبر کی اشاعت میں ایک صاحب شاہ تراب الحق قادری نے آپ کو جاہل اور کتاب و سنت سے بے بہرہ قرار دیتے ہوئے اس کو سنت لکھا ہے، جس سے کافی لوگ تذبذب میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ براہ کرم یہ خلجان دُور کیا جائے۔

جواب:... اس مسئلے کی تحقیق کے لئے چند اُمور کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے:

۱:... ''سنت'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول کو کہتے ہیں۔[۱] خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ و تابعینؒ کے عمل کو بھی سنت کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔[۲] جو عمل خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا ہو وہ سنت نہیں کہلاتا۔ قبروں پر پھول ڈالنا اگر ہمارے دِین میں سنت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ اس پر عمل پیرا ہوتے، لیکن پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی خلیفہ راشد، کسی صحابیؓ یا تابعیؒ نے قبروں پر پھول چڑھائے ہوں، اس لئے یہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، نہ خلفائے راشدینؓ کی، نہ صحابہؓ کی، نہ تابعینؒ کی۔

۲:... ہمارے دِین میں قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت کے بعد ائمہ مجتہدین کا اِجتہاد بھی شرعی حجت ہے۔ پس جس عمل کو کسی اِمامِ مجتہد نے جائز یا مستحسن قرار دیا ہو، وہ بھی سنت ہی سے ثابت شدہ چیز سمجھی جائے گی۔ قبروں پر پھول چڑھانے کو کسی اِمامِ مجتہد نے بھی مستحب قرار نہیں دیا۔ فقہِ حنفی کی تدوین ہمارے اِمامِ اعظمؒ اور ان کے عالی مرتبت شاگردوں کے زمانے سے شروع ہوئی، اور ہمارے ائمہ فقہاء نے تمام سنن و آداب کو ایک ایک کرکے مدوّن فرمایا، مگر ہمارے پورے فقہی ذخیرے میں کسی اِمام کا یہ قول ذکر نہیں کیا گیا کہ قبروں پر پھول چڑھانا بھی سنت ہے یا مستحب ہے، اور نہ کسی اِمام و فقیہ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے کسی قبر پر پھول چڑھائے ہوں۔

۳:... جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے، تین صدیوں کے بعد سے متأخرین کا دور شروع ہوتا ہے، یہ حضرات خود مجتہد

---

(۱) السُّنَّة لغةً: العادة، وشريعة: مشترک بين ما صدر عن النبی صلی الله عليه وسلم من قول أو فعل أو تقرير، وبين ما وظب النبی صلی الله عليه وسلم عليه بلا وجوب. (التعريفات للجرجانی ص:۱۰۸، طبع المكتبة الحمادية، اُصول الفقه الإسلامی ج:۱ ص:۴۴۹).

(۲) السُّنَّة معناها فی اللغة: الطريقة والعادة .... واعلم ان لفظ السُّنَّة عند الإطلاق مثل قول الراوی السُّنَّة كذا لَا يفيد الإختصاص بسُنَّة رسول الله صلی الله عليه وسلم بل يحتمل سُنَّته وسُنَّة الصحابة ولَا يتعين احدهما إلّا بدليل عندنا لأن تقليد الصحابی لما كان واجبًا كانت طريقته متبعة كطريقة الرسول عليه السلام. (تيسير الوصول إلٰی علم الأُصول ص:۱۳۷، ۱۳۸).

نہیں تھے،[۱] بلکہ ائمہ مجتہدین کے مقلد تھے، ان کے اِستحسان سے کسی فعل کا سنت یا مستحب ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ اِمامِ ربانی مجدّد الف ثانیؒ مکتوباتِ شریفہ میں فتاویٰ غیاثیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:[۲]

"شیخ اِمام شہیدؒ نے فرمایا کہ: ہم مشائخ بلخ کے اِستحسان کو نہیں لیتے، بلکہ ہم صرف اپنے متقدمین اَصحاب کے قول کو لیتے ہیں، کیونکہ کسی علاقے میں کسی چیز کا رواج ہوجانا اس کے جواز کی دلیل نہیں۔ جواز کی دلیل وہ تعامل ہے جو صدرِ اوّل (زمانۂ خیر القرون) سے چلا آتا ہو، تاکہ یہ دلیل ہو اس بات کی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس عمل پر برقرار رکھا تھا، کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہی تشریع ہوگی، لیکن جو تعامل کہ صدرِ اوّل سے متواتر چلا نہ آتا ہو تو بعد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں، اِلَّا یہ کہ اس پر تمام ملکوں کے تمام انسانوں کا تعامل ہو، یہاں تک کہ اجماع ہوجائے اور اجماع حجت ہے۔ دیکھئے! اگر لوگوں کا تعامل شراب فروشی یا سودخوری پر ہوجائے تو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔" (مکتوب:۵۴ دفتر دوم)

اِمام شہیدؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اگر مشائخ متأخرین نے قبروں پر پھول چڑھانے کے اِستحسان کا فتویٰ دیا ہوتا، تب بھی ہم اس فعل کو "سنت" نہیں کہہ سکتے تھے۔ لیکن ہمارے متأخرین مشائخ میں سے بھی کسی نے کبھی قبروں پر پھول چڑھانے کے جواز یا اِستحسان کا فتویٰ نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مُلَّا علی قاریؒ اور علامہ شامیؒ نے متأخرینِ شافعیہ کا فتویٰ تو نقل کیا ہے (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا) مگر انہیں کسی حنفی فقیہ کا متأخرین میں سے کوئی بھی قول نہیں مل سکا۔ اب انصاف کیا جاسکتا ہے کہ جو عمل نہ تو صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، نہ صحابہؓ و تابعینؒ سے، نہ ہمارے ائمہ مجتہدینؒ سے، نہ ہمارے متقدمین و متأخرین سے، کیا اس کو سنت کہا جاسکتا ہے...؟

۴:...شاہ صاحب نے مشکوٰۃ آداب الخلاء[۳] سے جو حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر شاخیں گاڑی تھیں، اس سے عام قبروں پر پھول چڑھانے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ یہ شاخیں آنحضرت صلی

---

(۱) قال الذهبي: الحد الفاصل بين العلماء المتقدمين والمتأخرين رأس القرن الثالث وهو الثالث مأة، فالمتقدمون من قبله والمتأخرون من بعده. (شفاء العليل، ملحق رسائل ابن عابدين ج:۱ ص:۱۶۱، طبع سهيل اكيڈمی).

(۲) كما ذكر في الفتاوىٰ الغياثية قال الشيخ الإمام الشهيد رحمه الله سبحانه: لَا نأخذ باستحسان مشائخ بلخ وانما نأخذ بقول أصحابنا المتقدمين رحمهم الله سبحانه، لأن التعامل في بلدة لَا يدل على الجواز، وانما يدل على الجواز ما يكون على الإستمرار من الصدر الأوّل ليكون ذٰلك دليلًا علىٰ تقرير النبي عليه وعلىٰ آله الصلوٰة والسلام اياهم علىٰ ذٰلك فيكون شرعًا عنه عليه وعلىٰ آله الصلوٰة والسلام، واما إذا لم يكن كذٰلك لَا يكون فعلهم حجةً إلّا إذا كان ذٰلك من الناس كافةً في البلدان كلها ليكون إجماعًا، والإجماع حجة ألَا ترىٰ انهم لو تعاملوا علىٰ بيع الخمر وعلى الربوٰا لَا يُفتىٰ بالحل. (مكتوبات إمام رباني ص:۱۴۸، مكتوب:۵۴، دفتر دوم، طبع ایچ ایم سعید).

(۳) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباس قال: مر النبي صلى الله عليه وسلم بقبرين، فقال: انهما ليعذبان، وما يعذبان في كبير، أما أحدهما فكان لَا يستتر من البول .... وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة، ثم أخذ جريدة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز في كل قبر واحدة، قالوا: يا رسول الله! لم صنعت هٰذا؟ فقال: لعله ان يخفف عنهما ما لم ييبسا. (مشكوٰة ج:۱ ص:۴۲، باب آداب الخلاء).

اللہ علیہ وسلم نے کافروں یا گناہگار مسلمانوں کی ایسی قبروں پر گاڑی تھیں جو خدا تعالیٰ کے قہر و عذاب کا مورد تھیں۔ عام قبروں پر شاخیں گاڑنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا معمول نہیں تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ شاذ و نادر فساق کی مقہور و معذّب قبروں کے ساتھ فرمایا، وہی سلوک اولیاء اللہ کی قبورِ طیبہ کے ساتھ روا رکھنا، ان اکابر کی سخت اہانت ہے اور پھر اس کو ''سنت'' کہنا ستم بالائے ستم ہے۔ سنت تو جب ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ گاروں کی قبروں کے بجائے (جن کا معذّب ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحیٔ قطعی سے معلوم ہوگیا تھا) اپنے چہیتے چچا سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یا اپنے لاڈلے اور محبوب بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ یا کسی اور مقدس صحابیؓ کی قبر سے یہ سلوک فرمایا ہوتا۔

۵:... پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ان قبروں کا معذّب ہونا وحیٔ قطعی سے معلوم ہوگیا تھا، اور جیسا کہ صحیح مسلم (ج:۲ ص:۴۱۸) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصریح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے شفاعت فرمائی تھی اور قبولیتِ شفاعت کی مدّت کے لئے بطورِ علامت شاخیں نصب فرمائی تھیں۔[۱] اس لئے اوّل تو یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور اس کا شمار معجزاتِ نبوی میں کیا جاتا ہے۔[۲] بالفرض کوئی شخص اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور معجزہ تسلیم نہ کرے، تب بھی اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ جس شخص کو کسی قطعی ذریعے سے کسی قبر کا معذّب و مقہور ہونا معلوم ہوجائے اور وہ شفاعت کی اہلیت بھی رکھتا ہو، وہ بطورِ علامت قبر پر شاخیں نصب کرسکتا ہے، لیکن اس حدیث سے عام قبروں پر شاخیں گاڑنے اور پھول چڑھانے کا سنتِ نبوی ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، اور نہ اس مضمون کا اس حدیث سے کوئی دُور کا تعلق ہے۔ حافظ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

> ''اسی طرح جو فعل کہ اکثر لوگ کرتے ہیں یعنی پھول اور سبزہ وغیرہ رطوبت والی چیزیں قبروں پر ڈالنا، یہ کوئی چیز نہیں (لیس بشئ)، سنت اگر ہے تو صرف شاخ کا گاڑنا ہے۔''[۳]

۶:... شاہ صاحب نے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اشعۃ اللمعات کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''ایک جماعت نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ قبروں پر سبزی اور پھول اور خوشبو ڈالنے کا جواز ہے۔''

کاش! جناب شاہ صاحب یہ بھی لکھ دیتے کہ حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے اس قول کو نقل کرکے آگے اس کو اِمام خطابیؒ کے قول سے رَدّ بھی کیا ہے، حضرت شیخ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) قال: یا جابر! هل رأیت بمقامی؟ قلت: نعم یا رسول الله! قال: فانطلِقْ إلی الشجرتین فاقطع من کل واحدة منهما غصناً فأقبل بهما حتّٰی إذا قمت .... فقلتُ: قد فعلتُ یا رسول الله! فَعَمَّ ذاک، قال: إنی مررت بقبرین یعذبان فأحببتُ بشفاعتی ان یرفَّه ذاک عنهما ما دام الغصنان رَطْبین ...إلخ. (صحیح مسلم ج:۲ ص:۴۱۸، باب حدیث جابر الطویل).

(۲) وفی هٰذا الحدیث معجزات ظاهرات لرسول الله صلی الله علیه وسلم، والله أعلم. (شرح النووی علٰی مسلم ج:۲ ص:۴۱۸).

(۳) وکذٰلک ما یفعله أکثر الناس من وضع ما فیه رطوبة من الریاحین والبقول ونحوهما علی القبور لیس بشیء وإنما السُّنَّة الغرز. (عمدة القاری شرح بخاری ج:۳ ص:۱۲۱ طبع دار الفکر، بیروت).

''اِمام خطابیؒ نے، جو ائمۂ علم اور قدوۂ شراحِ حدیث میں سے ہیں، اس قول کو رَدّ کیا ہے اور اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے سے انکار کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ بات کوئی اصل نہیں رکھتی، اور صدرِ اوّل میں نہیں تھی۔''[۱] (اشعۃ اللمعات ج:۱ ص:۲۱۵ طبع رشیدیہ کوئٹہ)

پس شیخ رحمہ اللہ نے چند مجہول الاسم لوگوں سے جو جواز نقل کیا ہے، اس کو تو نقل کردینا اور ''ائمۂ اہلِ علم وقدوۂ شراحِ حدیث'' کے حوالے سے ''این سخن اصلے ندارد در صدرِ اوّل نبود'' کہہ کر جو اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے، اس سے چشم پوشی کرلینا، اہلِ علم کی شان سے نہایت بعید ہے...!

اور پھر حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے ''لمعات التنقیح'' میں حنفیہ کے اِمام حافظ فضل اللہ تورپشتیؒ سے اسی قول کے بارے میں جو یہ نقل فرمایا ہے:

''قول لَا طائل تحته، ولَا عبرة به عند أهل العلم۔'' (ج:۲ ص:۴۴)

ترجمہ:... ''یہ ایک بے مغز و بے مقصد قول ہے، اور اہلِ علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''

کاش! شاہ صاحب اس پر بھی نظر فرمالیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ حضرت محدث دہلویؒ قبروں پر پھول چڑھانے کا جواز نہیں نقل کرتے، بلکہ اسے بے اصل بدعت اور بے مقصد اور ناقابلِ اعتبار بات قرار دیتے ہیں۔

۷:...شاہ صاحب نے مُلَّا علی قاریؒ کی مرقات کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: ''مزاروں پر پھول ڈالنا سنت ہے'' یہاں بھی شاہ صاحب نے شیخ علی قاریؒ کی آگے پیچھے کی عبارت دیکھنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ مُلَّا علی قاریؒ نے مزاروں پر پھول چڑھانے کو سنت نہیں کہا، بلکہ اِمام خطابی شافعیؒ کے مقابلے میں ابنِ حجر شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: ''ہمارے (شافعیہ کے) بعض متأخرین اَصحاب نے اس کے سنت ہونے کا فتویٰ دیا ہے''[۲] اِمام خطابیؒ اور اِمام نوویؒ کے مقابلے میں ان متأخرین شافعیہ کی، جن کا حوالہ ابنِ حجر شافعیؒ نقل کر رہے ہیں، جو قیمت ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں، تاہم یہ شافعیہ کے متأخرین کا قول ہے، ائمہ حنفیہ میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، نہ متقدمین علمائے دِین نے اور نہ مُلَّا علی قاریؒ نے ہی کسی حنفی کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ متأخرین حنفیہ میں سے اِمام حافظ فضل اللہ تورپشتیؒ کا قول اُوپر گزر چکا ہے کہ یہ بے مغز بات ہے اور یہ کہ اہلِ علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز علامہ عینیؒ کا قول گزر چکا ہے کہ قبروں پر پھول وغیرہ ڈالنا کوئی سنت نہیں۔

۸:...شاہ صاحب نے ایک حوالہ طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح سے نقل کیا ہے۔ علامہ طحطاویؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ

---

(۱) خطابی کہ از ائمہ اہلِ علم وقدوۂ شراحِ حدیث ست ایں قول را رَدّ کردہ است و انداختن سبزہ وگل را بر قبور بہ تمسک بایں حدیث انکار نمودہ وگفتہ کہ ایں سخن اصلی ندارد ودر صدرِ اوّل نبودہ۔ (اشعۃ اللمعات ج:۱ ص:۲۱۵، طبع رشیدیہ)۔

(۲) ثم رأيت ابن حجر صرح به وقال: قوله لَا أصل له ممنوع بل هٰذا الحديث أصل أصيل له، ومن ثم أفتى بعض الأئمة من متأخرى أصحابنا بأن ما اعتيد من وضع الريحان والجريد سنة لهٰذا الحديث. (مرقاۃ، باب آداب الخلاء ج:۱ ص:۲۸۶)۔

''فی شرح المشکاۃ'' کہہ کر مُلّا علی قاریؒ کے حوالے سے لکھا ہے،[۱] اس لئے اس کو مستقل حوالہ کہنا ہی غلط ہے، البتہ اس میں یہ تصرف ضرور کردیا گیا ہے کہ شرحِ مشکوٰۃ میں ابنِ حجرؒ سے بعض متأخرین اَصحابِ شافعیہ کا قول نقل کیا ہے، جسے شاہ صاحب کے حوالے میں ''اسے ہمارے بعض متأخرین اصحاب نے اس حدیث کی رُو سے فتویٰ دیا'' کہہ کر اسے متأخرین حنفیہ کی طرف منسوب کردیا گیا، گویا شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے کچھ کا کچھ بنادیا ہے۔

۹:...شاہ صاحب نے ایک حوالہ علامہ شامیؒ کی ردّ المحتار سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو مستحب لکھا ہے۔ یہاں بھی شاہ صاحب نے نقل میں افسوس ناک تساہل پسندی سے کام لیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے ایک مسئلے کے ضمن میں حدیثِ جرید نقل کرکے لکھا ہے کہ:

''اس مسئلے سے اور اس حدیث سے قبر پر شاخ رکھنے کا استحباب بطورِ اتباع کے اخذ کیا جاتا ہے اور اس پر قیاس کیا جاتا ہے آس وغیرہ کی شاخیں رکھنے کو، جس کی ہمارے زمانے میں عادت ہوگئی ہے اور شافعیہ کی ایک جماعت نے اس کی تصریح بھی کی ہے اور یہ اَولیٰ ہے بہ نسبت بعض مالکیہ کے قول کے، کہ ان قبروں سے عذاب کی تخفیف بہ برکت دستِ نبوی کے تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے، پس اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔''[۲]

علامہ شامیؒ کی اس عبارت میں قبروں پر پھول ڈالنے کا استحباب کہیں ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ بطورِ اتباع کھجور کی شاخ گاڑنے کا استحباب اخذ کیا گیا ہے، اور آس وغیرہ کی شاخیں گاڑنے کو اس پر قیاس کیا گیا ہے، اور اس کی علت بھی وہی ذکر کی ہے، جو اِمام تورپشتیؒ کے بقول ''لاطائل اور اہلِ علم کے نزدیک غیر معتبر ہے''، پس جبکہ ہمارے ائمہ اس علت کو رَدّ کرچکے ہیں تو اس پر قیاس کرنا بھی مردود ہوگا۔

علامہ شامیؒ نے بھی بعض شافعیہ کے فتوے کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ائمہ اَحناف میں سے کسی کا فتویٰ علامہ شامیؒ کو بھی نہیں مل سکا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے ائمہ کے فتوے کے خلاف ایک غیر معتبر اور بے اثر تعلّل پر قیاس کرنا کس حد تک معتبر ہوگا۔

ایک حوالہ شاہ صاحب نے شیخ عبدالغنی نابلسیؒ کا نقل کیا ہے۔ ان کا رسالہ ''کشف النور'' اس ناکارہ کے سامنے نہیں کہ اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جاتا، مگر اتنی بات واضح ہے کہ علامہ شامیؒ ہوں یا شیخ عبدالغنی نابلسیؒ، یا بارہویں، تیرہویں صدی کے بزرگ، یہ سب کے سب ہماری طرح مقلد ہیں، اور مقلد کا کام اپنے اِمامِ متبوع کی تقلید کرنا ہے، پس اگر علامہ شامیؒ، شیخ عبدالغنی نابلسیؒ یا کوئی اور بزرگ ہمارے اَئمہ کا فتویٰ نقل کرتے ہیں تو سر آنکھوں پر، ورنہ حضرت اِمامِ ربانی مجدّد الف ثانیؒ کے الفاظ میں یہی عرض کیا جاسکتا ہے:

---

(۱) وفی شرح المشکوٰۃ وقد أفتی بعض الأئمة من متأخری أصحابنا بأن ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنة لهٰذا الحدیث۔ (حاشیه طحطاوی ص:۳۴۳ قبیل باب أحکام الشهید، طبع میر محمد کتب خانه)۔

(۲) فتاویٰ شامی ج:۲ ص:۲۴۵، باب زیارت القبور۔ ویوخذ من ذٰلک ومن الحدیث ندب وضع ذٰلک للاتباع، ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه وصرح بذٰلک أیضًا جماعة من الشافعیة، وهٰذا أولٰی مما قاله بعض المالکیة من أن التخفیف عن القبرین انما حصل ببرکة یده الشریفة صلی اللہ علیه وسلم أو دعائه لهما فلا یقاس علیه غیره۔

’’اینجا قول اِمام ابی حنیفہؒ و اِمام ابویوسفؒ و اِمام محمدؒ معتبر است، نہ عمل ابی بکر شبلی و ابی حسن نوری۔‘‘

(دفتر اوّل مکتوب:۲۶۶)

ترجمہ:… ’’یہاں اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام ابویوسفؒ اور اِمام محمدؒ کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل۔‘‘

۱۰:… جناب شاہ صاحب نے اس ناکارہ کی جانب جو اَلفاظ منسوب فرمائے ہیں، یہ ناکارہ ان سے بدمزہ نہیں، بقول عارف:

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

غالباً سنتِ نبوی کے عشق کی یہ بہت ہلکی سزا ہے جو شاہ صاحب نے اس ناکارہ کو دی ہے۔ اس جرمِ عظیم کی سزا کم از کم اتنی تو ہوتی کہ یہ ناکارہ بارگاہِ معلیٰ میں عرض کرسکتا:

بجرم عشق توام می کشند وغوغائیست
تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

بہرحال اس ناکارہ کو تو اپنے جہل در جہل کا اقرار واعتراف ہے، اور ’’بتر زانم کہ گوئی‘‘ پر پورا وثوق واعتماد۔ اس لئے یہ ناکارہ جناب شاہ صاحب کی قند وشکر سے بدمزہ ہو تو کیوں ہو؟ لیکن بہ ادب ان سے یہ عرض کرسکتا ہوں کہ اس ناکارہ نے تو بہت ہی محتاط الفاظ میں اس کو ’’خلافِ سنت‘‘ کہا تھا (جس میں سنتِ نبوی سے ثابت نہ ہونے کے باوجود جواز یا استحسان کی گنجائش پھر بھی باقی رہ جاتی تھی)، اس پر تو جناب شاہ صاحب کی بارگاہ سے جہالت اور نابلد ہونے کا صلہ اس ہیچ مدان کو عطا کیا گیا، لیکن اِمام خطابیؒ، اِمام نوویؒ، اِمام تورپشتیؒ، اِمام عینیؒ، جنھوں نے اس کو بے اصل، منکر، لاطائل، غیرمعتبر عند اہل العلم اور لیس بشیٔ فرمایا ہے، ان کے الفاظ تو اس ناکارہ کے الفاظ کی نسبت بہت ہی سخت ہیں۔ سوال یہ ہے کہ شاہ صاحب کی بارگاہ سے ان حضرات کو کس انعام سے نوازا جائے گا؟ اور پھر شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ جو ان بزرگوں کو ’’ائمہ اہلِ علم وقدوۂ شراحِ حدیث‘‘ کہہ کر خراجِ تحسین پیش کررہے ہیں اور ان کی توثیق وتائید فرماتے ہیں، ان کو کس خطاب سے نوازا جائے گا؟ کیا خیال ہے ان حضرات کو ’’علمِ دِین کی کتبِ احادیث وفقہ‘‘ کی کچھ خبر تھی، یا یہ بھی شاہ صاحب کے بقول ’’سخت جہالت میں مبتلا‘‘ تھے…؟

۱۱:… اس بحث کو ختم کرتے ہوئے جی چاہتا ہے کہ جناب شاہ صاحب کی خدمت میں دو بزرگوں کی عبارت ہدیہ کروں، جن سے ان تمام خلافِ سنت اُمور کا حال واضح ہوجائے گا، جن میں ہم مبتلا ہیں۔

پہلی عبارت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہے، وہ ’’شرح سفر السعادۃ‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’بہت سے اعمال وافعال اور طریقے جو سلف صالحین کے زمانے میں مکروہ وناپسندیدہ تھے، وہ آخری زمانے میں مستحسن ہوگئے ہیں۔ اور اگر جہال عوام کوئی کام کرتے ہیں تو یقین رکھنا چاہئے کہ بزرگوں کی اَرواحِ

طیبہ اس سے خوش نہیں ہوں گی، اور ان کے کمال و دیانت اور نورانیت کی بارگاہ ان سے پاک اور منزہ ہے۔“[۱]

(ص:۲۷۲)

اور حضرت اِمام ربانی مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جب تک آدمی بدعتِ حسنہ سے بھی، بدعتِ سیئہ کی طرح احتراز نہ کرے، اس دولت (اتباعِ سنت) کی بُو بھی اس کے مشامِ جان تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور یہ بات آج بہت ہی دُشوار ہے، کیونکہ پورا عالم دریائے بدعت میں غرق ہو چکا ہے، اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ کسی بدعت کے اُٹھانے میں دَم مارے، اور سنت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے؟ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعات پھیل جاتی ہیں تو مخلوق کا تعامل جان کر ان کے جواز بلکہ اِستحسان کا فتویٰ دے ڈالتے ہیں اور بدعت کی طرف لوگوں کی راہ نمائی کرتے ہیں۔“[۲]

(دفتر دوم مکتوب:۵۴)

دُعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ، ہم سب کو اِتباعِ سنتِ نبوی کی توفیق عطا فرمائے۔

قبروں پر پھول ڈالنا بدعت ہے، ”مسئلہ کی تحقیق“

روزنامہ ”جنگ“ ۱۲/دسمبر ۱۹۸۰ء کے اسلامی صفحے میں راقم الحروف نے ایک سوال کے جواب میں قبروں پر پھول چڑھانے کو ”خلافِ سنت“ لکھا تھا، توقع نہ تھی کہ کوئی صاحب جو ”سنت“ کے مفہوم سے آشنا ہوں، اس کی تردید کی زحمت فرمائیں گے، مگر افسوس کہ شاہ تراب الحق صاحب نے اس کو اپنے معتقدات کے خلاف سمجھا اور ۱۹/دسمبر کے جمعہ ایڈیشن میں اس کی پُرجوش تردید فرمائی، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس مسئلے پر دلائل کی روشنی میں غور کیا جائے، چنانچہ راقم الحروف نے ۲/جنوری ۱۹۸۱ء کے جمعہ ایڈیشن میں ”مسئلے کی تحقیق“ کے عنوان سے اس مسئلے پر طرفین کے دلائل کا جائزہ پیش کیا، جناب شاہ تراب الحق صاحب نے ۱۶/جنوری کی اشاعت میں ”مسئلے کی تحقیق کا جواب“ پھر رقم فرمایا ہے، جہاں تک مسئلے کی تحقیق کا تعلق ہے، بحمداللہ! میری سابق تحریر ہی اس کے لئے کافی وشافی ہے۔ تاہم شاہ صاحب نے جو نئے نکات اُٹھائے ہیں، ذیل میں ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱:... لفظِ ”سنت“ کی وضاحت پہلے بھی کر چکا ہوں، مگر شاہ صاحب نے اس اصطلاح کی اہمیت پر توجہ نہیں فرمائی۔ اس لئے

---

(۱) بسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمانِ سلف از مکروہات بودہ، در آخر زمان از مستحبات گشتہ و اگر جہال و عوام چیزے کنند یقین کہ ارواحِ بزرگان از اں راضی نخواہد بود، وساحتِ کمال و دیانت و نورانیت ایشاں منزہ است از اں۔ (شرح سفر السعادۃ ص:۲۷۲)۔

(۲) تا از بدعتِ حسنہ در رنگ بدعتِ سیئہ اِحتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جان او نرسد، و ایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلماتِ بدعت آرام گرفتہ، کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، و بہ اِحیائے سنت لب کشاید، اکثر علما ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند، ومحو کنند ہائے سنت، بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ مے دہند و مردم را بدعت دلالت مینمایند۔ (مکتوبات اِمام ربانی، دفتر دوم، مکتوب:۵۴ ج:۲ ص:۱۴۸ طبع ایچ ایم سعید)۔

اتنی بات مزید عرض کردینا مناسب ہے کہ جب ہم کسی چیز کو سنت کہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتے ہیں۔ کسی ایسی چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات سے منسوب کرنا جائز نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کی ہو، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہو، نہ صحابہؓ وتابعینؒ نے، جو اِتباعِ سنت کے سب سے بڑے عاشق تھے، اس پر عمل کیا ہو۔ ہمارے زیرِ بحث مسئلے میں شاہ صاحب بھی یہ ثابت نہیں کرسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنفسِ نفیس قبروں پر پھول چڑھاتے تھے یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُمت کو اس کی ترغیب دی ہے، یا صحابہؓ وتابعینؒ نے اس پر عمل کیا ہو، یا ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے قیاس واجتہاد ہی سے اس کے اِستحسان کا فتویٰ دیا ہو۔ یہ مسئلہ البتہ متأخرین کے زیرِ بحث آیا ہے اور بعض متأخرین شافعیہ نے حدیثِ جرید سے اس کا اِستحسان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مگر محققین شافعیہ وحنفیہ ومالکیہ نے شدّ ومدّ سے ان کے اِستدلال کی تردید کردی ہے اور اسے بے اصل بدعت اور غیرمعتبر عنداہل العلم قرار دیا ہے۔ اگر شاہ صاحب بنظرِ انصاف غور فرماتے تو ایسی چیز کو جسے ائمہ محققین بدعت فرمارہے ہیں، ''سنت'' کہنے پر اصرار نہ کرتے، کیونکہ ایک خودتراشیدہ بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی طرف منسوب کرنا سنگین جرم ہے۔

۲:... ہمارے شاہ صاحب نہ صرف یہ کہ اسے سنت کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ایک غلط بات منسوب کر رہے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ انہوں نے قبروں پر پھول چڑھانے کو عقائد میں شامل فرمالیا ہے، جیسا کہ ان کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے:

> ''حقیقتِ حال یہ ہے کہ اخبارات ورسائل میں ایسے اِستفسارات ومسائل کے جواب دیئے جائیں جس سے دُوسروں کے جذبات مجروح نہ ہوں اور ان کے معتقدات کو ٹھیس نہ پہنچے۔''

شاہ صاحب کا مشورہ بجا ہے، مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کسی کے نزدیک قبروں پر پھول چڑھانا بھی دِینِ حنیفی کے معتقدات میں شامل ہے یا اس کو ''خلافِ سنت'' کہنے سے اسلامی عقائد کی نفی ہوجاتی ہے۔ راقم الحروف نے اسلامی عقائد اور ملل ونحل کی جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، ان میں کہیں بھی یہ نظر سے نہیں گزرا کہ قبروں پر پھول چڑھانا بھی ''اہلِ سنت والجماعت'' کے معتقدات کا ایک حصہ ہے۔ یہ تو میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے نقل کرچکا ہوں کہ: ''ایں سخن اصلے ندارد در صدرِ اوّل نبود'' یعنی اس کی کوئی اصل نہیں، اور صدرِ اوّل میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ کیا میں شاہ تراب الحق صاحب سے بہ ادب دریافت کرسکتا ہوں کہ قبروں پر پھول چڑھانا دِینِ اسلام کے معتقدات میں کب سے داخل ہوا؟ اور یہ کہ کیا شاہ صاحب کے معتقدات صدرِ اوّل کے خلاف ہیں کہ جس چیز کا صدرِ اوّل میں کوئی وجود ہی نہ تھا، وہ ماشاء اللہ! آج شاہ صاحب کا جزوِ عقیدہ بن چکی ہے؟ قبروں پر پھول چڑھانے کو معتقدات میں داخل کرلینا افسوسناک غلوّ پسندی ہے اور یہ غلوّ پسندی بدعت کا خاصہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بدعت رفتہ رفتہ ''سنت'' کی جگہ لیتی ہے اور پھر آگے بڑھ کر لوگوں کا جزوِ ایمان بن جاتی ہے اور لوگ اس بدعت کو بڑی عقیدت سے اسلام کا عظیم شعار سمجھ کر بجالاتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اس بدعت کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص اسلام کی ایک سنت اور ایک عظیم شعار کی مخالفت کر رہا ہے۔ اِمام دارمیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے جو بدعت کی اس نفسیات کی تشریح کرتا

ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب فتنۂ بدعت تم کو ڈھانک لے گا؟ بڑے اسی میں بوڑھے ہوجائیں گے اور بچے اسی میں جوان ہوں گے، لوگ اسی فتنے کو سنت بنالیں گے، اگر اسے چھوڑا جائے تو لوگ کہیں گے سنت چھوڑ دی گئی۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ: اگر اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو لوگ کہیں گے کہ سنت تبدیل کی جارہی ہے)۔ عرض کیا گیا کہ: یہ کب ہوگا؟ فرمایا: جب تمہارے علماء جاتے رہیں گے، جہلا کی کثرت ہوجائے گی، حرف خواں زیادہ ہوں گے مگر فقیہ کم۔ اُمراء بہت ہوں گے، امانت دار کم۔ آخرت کے عمل سے دُنیا تلاش کی جائے گی اور غیرِ دِین کے لئے فقہ کا علم حاصل کیا جائے گا۔''[۱]

(مسند دارمی ج:۱ ص:۵۸، باب تغیر الزمان، طبع نشر السنۃ پاکستان)

اس لئے شاہ صاحب اگر قبروں پر پھولوں کو معتقدات میں شامل کرتے ہیں تو یہ وہی غلوّ پسندی ہے جو بدعت کی خاصیت ہے اور اس کی اصلاح پر شاہ صاحب کا ناراض ہونا وہی بات ہے جس کی نشاندہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے، حسبنا اللہ ونعم الوکیل!

۳:...مسئلے کی تحقیق کے آخر میں میں نے شاہ صاحب کو توجہ دِلائی تھی کہ قبروں کے پھولوں کو ''خلافِ سنت'' کہنے کا جرم پہلی بار مجھ سے ہی سرزد نہیں ہوا، مجھ سے پہلے اکابر ائمۂ اَعلام اس کے بارے میں مجھ سے زیادہ سخت الفاظ استعمال فرماچکے ہیں، اس لئے شاہ صاحب نے صرف مجھ ہی کو جاہل و نابلد نہیں کہا، بلکہ ان اکابر کے حق میں بھی گستاخی کی ہے۔

حق پسندی کا تقاضا یہ تھا کہ میرے اس توجہ دِلانے پر شاہ صاحب اس گستاخی سے تائب ہوجاتے اور یہ معذرت کرلیتے کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ پہلے اکابر بھی اس بدعت کو رَدّ کرچکے ہیں۔ لیکن افسوس! کہ شاہ صاحب کو اس کی توفیق نہیں ہوئی، البتہ میں نے اپنے الفاظ میں نرمی اور لچک کی جو تشریح بین القوسین کی تھی، اس کو غلط معنی پہنا کر مجھ سے سوال کرتے ہیں:

الف:...''جب آپ کے نزدیک پھولوں کا ڈالنا جائز یا مستحسن ہے یا اس کے ہونے کی گنجائش ہے تو اس موضوع پر طوفان برپا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

جنابِ من! اس تشریح میں، میں پھولوں کے جواز یا اِستحسان کا فتویٰ نہیں دے رہا، بلکہ اپنے پہلے الفاظ ''خلافِ سنت'' میں جو نرمی اور لچک تھی اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ کو سمجھانا مقصود تھا کہ آپ بھی اس کو عین ''سنتِ نبوی'' نہیں سمجھتے ہوں گے، زیادہ سے زیادہ اس کے جواز یا اِستحسان ہی کے قائل ہوں گے۔ یہ عقیدہ تو آپ کا بھی نہیں ہوگا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبروں پر پھول

---

(۱) عن عبدالله قال: قال: كيف أنتم إذا لبستكم فتنة يهرم فيها الكبير، ويربو فيها الصغير، إذا ترك منها شيء قيل تركت السُّنَّة (وفيه رواية متقدمة: فإذا غيرت قالوا: غيرت السُّنَّة) قال: ومتٰى ذاک؟ قال: إذا ذهبت علماؤكم وكثرت جهلاؤكم وكثرت قراؤكم، وقلت فقهاؤكم وكثرت أمراؤكم وقلت أمناؤكم والتمست الدنيا بعمل الآخرة وتفقه لغير الدين. (مسند دارمی ج:۱ ص:۵۸، باب تغير الزمان وما يحدث فيه، طبع نشر السُّنَّة ملتان، پاکستان).

چڑھایا کرتے تھے، اس لئے آپ میرے الفاظ ''خلافِ سنت'' میں یہ تأویل کرسکتے تھے کہ گویہ عمل سنت سے ثابت نہیں، مگر ہم اس کو مستحسن سمجھ کر کرتے ہیں، عین سنت سمجھ کر نہیں، مگر افسوس کہ آپ نے میری محتاط تعبیر کی کوئی قدر نہ کی، بلکہ فوراً اس کی تردید کے لئے کمربستہ ہوگئے اور بجائے علمی دلائل کے تجہیل وتحمیق کا طریقہ اپنایا۔ اب انصاف فرمایئے! کہ طوفان کس نے برپا کیا، میں نے یا خود آنجناب نے؟ اور جو عمل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ وتابعینؒ سے ثابت نہ ہو، اس کو خلافِ سنت لکھنے کو جناب کا پھلجڑی چھوڑنے سے تعبیر کرنا بھی سوقیانہ اور بازاری زبان ہے، جو اہلِ علم کو زیب نہیں دیتی۔

اسی ضمن میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

ب:... ''حیرت کی بات ہے کہ آپ اس اَمر کو خلافِ سنت قرار دے رہے ہیں اور دُوسری طرف آپ کو اس میں جائز بلکہ مستحب ہونے کی گنجائش نظر آتی ہے، اَزراہِ نوازش ایسی کوئی مثال پیش فرمائیں جس میں کسی اَمر کو باوجود خلافِ سنت ہونے کے مستحب قرار دیا گیا ہو۔''

گویا شاہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، وہ مستحب تو کیا جائز بھی نہیں۔ اس لئے وہ مجھ سے اس کی مثال طلب فرماتے ہیں۔ جناب شاہ صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو خلافِ سنت ہونے کے باوجود جائز ہیں۔ مثلاً: ترکی ٹوپی یا جناح کیپ سنت نہیں مگر جائز ہے، اور نماز کی نیت زبان سے کرنا خلافِ سنت ہے، مگر فقہاء نے اس کو مستحسن فرمایا ہے،[۱] لیکن اگر کوئی شخص اسی کو سنت کہنے لگے تو غلط ہوگا۔

۴:... آفتابِ سنت کے آگے بدعت کا چراغ بے نور ہوجاتا ہے۔ شاہ صاحب قبروں کے پھولوں کا کوئی ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ وتابعینؒ کے عمل سے پیش نہیں کرسکے، اور نہ میرے ان دلائل کا ان سے کوئی جواب بن پڑا جو میں نے اکابر ائمہ سے اس کے بدعت ہونے پر نقل کئے تھے، اس لئے شاہ صاحب نے اس ناکارہ کی ''کتاب فہمی'' کی بحث شروع کردی۔ علامہ عینیؒ کی ایک سطر کا جو ترجمہ میں نے نقل کیا تھا، شاہ صاحب اس کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

''راقم الحروف (شاہ صاحب) اہلِ علم کے سامنے اصل عربی عبارت پیش کر رہا ہے اور انصاف کا طالب ہے کہ لدھیانوی صاحب نے اس عبارت کا مفہوم صحیح پیش کیا ہے بلکہ ترجمہ بھی دُرست کیا ہے یا نہیں؟''

شاہ صاحب اپنے قارئین کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ایک ایسا اناڑی آدمی جو عربی کی معمولی عبارت کا مفہوم تک نہیں سمجھتا، بلکہ ایک سطری عبارت کا ترجمہ تک صحیح نہیں کرسکتا، اس نے بڑے بڑے اکابر کی جو عبارتیں قبروں پر پھول ڈالنے کے خلافِ سنت ہونے پر نقل کی ہیں، ان کا کیا اعتبار رہ ہے؟

راقم الحروف کو علم کا دعویٰ ہے نہ کتاب فہمی کا، معمولی طالب ہے، اور طالب علموں کی صفِ نعال میں جگہ مل جانے کو فخر وسعادت سمجھتا ہے:

---

(۱) النیة بالإجماع وھی الإرادة والتلفظ عند الإرادة بھا مستحب ھو المختار۔ (الدر المختار مع شرحه ج:۱ ص:۴۱۵)۔

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

مگر شاہ صاحب نے اصل موضوع سے ہٹ کر بلاوجہ ''کتاب فہمی'' کی بحث شروع کردی ہے، اس لئے چند اُمور پیش خدمت ہیں:

اوّل:... شاہ صاحب کو شکایت ہے کہ میں نے علامہ عینیؒ کی عبارت کا نہ مفہوم سمجھا، نہ ترجمہ صحیح کیا ہے۔ میں اپنا اور شاہ صاحب کا ترجمہ دونوں نقل کئے دیتا ہوں، ناظرین دونوں کا موازنہ کرکے دیکھ لیں کہ میرے ترجمہ میں کیا سقم تھا۔

شاہ صاحب کا ترجمہ:

''اور اسی طرح (اس کا بھی انکار کیا ہے) جو اکثر لوگ کرتے ہیں۔ یعنی تر اشیاء مثلاً: پھول اور سبزیاں وغیرہ قبروں پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں اور بے شک سنت گاڑنا ہے۔''

راقم الحروف کا ترجمہ:

''اسی طرح جو فعل کہ اکثر لوگ کرتے ہیں، یعنی پھول اور سبزہ وغیرہ رطوبت والی چیزیں قبروں پر ڈالنا، یہ کوئی چیز نہیں (لیس بشیٔ) سنت اگر ہے تو صرف شاخ کا گاڑنا ہے۔''

اس امر سے قطع نظر کہ ان دونوں ترجموں میں سے کون سا سلیس ہے اور کس میں گنجلک ہے؟ کون سا اصل عربی عبارت کے قریب تر ہے اور کون سا نہیں؟ آخر دونوں کے مفہوم میں بنیادی فرق کیا ہے؟ دونوں سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ شاخ کا گاڑنا تو سنت ہے مگر پھول اور سبزہ وغیرہ ڈالنا کوئی سنت نہیں، اس ہیچ مدان کے ترجمے میں شاہ صاحب کو کیا سقم نظر آیا؟ جس کے لئے وہ اہلِ علم سے انصاف طلبی فرماتے ہیں۔

دوم:... اس عبارت کے آخری جملے ''وانما السُّنّة الغرز'' کا ترجمہ موصوف نے یہ فرمایا: ''اور بے شک سنت گاڑنا ہے'' حالانکہ عربی کے طالب علم جانتے ہیں کہ ''انما'' کا لفظ حصر کے لئے ہے، جو بیک وقت ایک شے کی نفی اور دُوسری شے کے اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی حصر کے اظہار کے لئے راقم الحروف نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ: ''سنت اگر ہے تو صرف شاخ کا گاڑنا ہے'' جس کا مطلب یہ ہے کہ پھول اور سبزہ وغیرہ تر اشیاء ڈالنا کوئی سنت نہیں، صرف شاخ کا گاڑنا سنت ہے۔ لیکن شاہ صاحب ''انما'' کا ترجمہ ''بے شک'' فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ! اور لطف یہ کہ اُلٹا راقم الحروف کو ڈانٹتے ہیں کہ تو نے ترجمہ غلط کیا ہے۔

سوم:... جس عبارت کا میں نے ترجمہ نقل کیا تھا، شاہ صاحب نے اس کے ماقبل و مابعد کی عبارت بھی نقل فرمادی۔ حالانکہ اس کو ''قبروں پر پھول'' کے زیرِ بحث مسئلے سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن ان سے افسوسناک تسامح یہ ہوا کہ انہوں نے ''وکذٰلک ما یفعله أکثر الناس'' سے لے کر آخر عبارت ''فافهم'' تک کو اِمام خطابیؒ کی عبارت سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ اِمام خطابیؒ کی عبارت نہیں، بلکہ علامہ عینیؒ کی عبارت ہے۔ اِمام خطابیؒ کا حوالہ انہوں نے صرف ''وضع الیابس الجرید'' کے لئے دیا ہے۔ حدیث کے کسی طالبِ علم کے سامنے یہ عبارت رکھ دیجئے، اس کا فیصلہ یہی ہوگا۔ کیونکہ اوّل تو ہر مصنف کا طرزِ نگارش ممتاز ہوتا ہے، اِمام خطابیؒ جو چوتھی صدی کے شخص

ہیں، ان کا یہ طرزِ تحریر ہی نہیں، بلکہ صاف طور پر یہ علامہ عینیؒ کا اندازِ نگارش ہے۔ علاوہ ازیں اِمام خطابیؒ کی معالم السنن موجود ہے، جن جن حضرات نے اِمام خطابیؒ کا حوالہ دیا ہے وہ ”معالم“ ہی سے دیا ہے، شاہ صاحب تھوڑی سی زحمت اس کے دیکھنے کی فرمالیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ اِمام خطابیؒ نے کیا لکھا ہے اور حافظ عینیؒ نے ان کا حوالہ کس حد تک دیا ہے؟ ان تمام اُمور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر ”وکذٰلک ما یفعله أکثر الناس .... الخ“ کی عبارت کو ”انکر الخطابی“ کے تحت داخل کیا جائے (جیسا کہ شاہ صاحب کو خوش فہمی ہوئی ہے) تو عبارت قطعی بے جوڑ بن جاتی ہے، شاہ صاحب ذرا مبتدا و خبر کی رعایت رکھ کر اس عبارت پر ایک بار پھر غور فرمالیں اور حدیث کے کسی طالبِ علم سے بھی اِستصواب فرمالیں۔

چہارم:... یہ تو شاہ صاحب کے جائزہ کتاب فہمی کی بحث تھی، اب ذرا ان کے ”صحیح ترجمہ“ پر بھی غور فرمالیا جائے۔

حافظ عینیؒ کی عبارت ہے:

”ومنها: انه قیل هل للجرید معنی یخصه فی الغرز علی القبر لتخفیف العذاب؟ الجواب: انه لَا لمعنًی یخصه، بل المقصود ان یکون ما فیه رطوبة من ایّ شجر کان، ولهٰذا انکر الخطابی ومن تبعه وضع الجرید الیابس۔“

(عمدة القاری ج:۳ ص:۱۲۱ طبع دار الفکر، بیروت)

شاہ صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

”اس حدیث سے متعلق مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ بعض حضرات یہ دریافت کرتے ہیں کہ تخفیفِ عذاب کے لئے قبر پر خصوصی طور پر شاخ ہی کا گاڑنا ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ ہر وہ چیز جس میں رطوبت ہو، مقصود ہے۔ خطابیؒ اور ان کے متبعین نے خشک شاخ کے قبر پر رکھنے کا انکار کیا ہے.... الخ۔“

شاہ صاحب کا یہ ترجمہ کس قدر پُرلطف ہے؟ اس کا اصل ذائقہ تو عربی دان ہی اُٹھاسکتے ہیں! تاہم چند لطیفوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

الف:... علامہ عینیؒ نے اس حدیث سے متعلقہ احکام و مسائل ص:۱۱۸ سے ص:۱۲۱ تک ”بیان استنباط الأحکام“ کے عنوان سے بیان فرمائے ہیں، اور ص:۱۲۰ سے ص:۱۲۱ تک ”الأسئلة والأجوبة“ کا عنوان قائم کرکے اس حدیث سے متعلق چند سوال و جواب ذکر کئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک سوال و جواب وہ ہے جو شاہ صاحب نے نقل کیا ہے۔ آپ ”منها“ کا ترجمہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث سے متعلقہ مسائل میں سے یہ بھی ہے“ شاہ صاحب غور فرمائیں کہ کیا یہاں ”حدیث کے مسائل“ ذکر کئے جارہے ہیں...؟

ب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معذَّب قبروں پر ”جرید“ نصب فرمائی تھی، اور ”جرید“ شاخِ خرما کو کہا جاتا ہے۔ علامہ عینیؒ نے جو سوال اُٹھایا وہ یہ تھا کہ کیا شاخِ کھجور میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جو دفعِ عذاب کے لئے مفید ہے، جس کی وجہ سے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے اسے نصب فرمایا؟ یا یہ مقصود ہر درخت کی شاخ سے حاصل ہوسکتا تھا؟ علامہ عینیؒ جواب دیتے ہیں کہ: نہیں! شاخِ کھجور کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ تر شاخ ہو، خواہ کسی درخت کی ہو۔ یہ تو تھا علامہ عینیؒ کا سوال و جواب۔ ہمارے شاہ صاحب نے سوال و جواب کا مدعا نہیں سمجھا، اس لئے شاہ صاحب سوال و جواب کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

''بعض حضرات یہ دریافت کرتے ہیں کہ تخفیفِ عذاب کے لئے قبر پر خصوصی طور پر شاخ ہی کا گاڑنا ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ شاخ میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس میں رطوبت ہو، مقصود ہے۔''

اگر شاہ صاحب نے مجمع البحار یا لغتِ حدیث کی کسی اور کتاب میں ''جرید'' کا ترجمہ دیکھ لیا ہوتا یا شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ سے اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیا ہوتا تو ان کو علامہ عینیؒ کے سوال و جواب کے سمجھنے میں اُلجھن پیش نہ آتی، اور وہ یہ ترجمہ نہ فرماتے۔

اور اگر شدّتِ مصروفیت کی بنا پر انہیں کتابوں کی مراجعت کا موقع نہیں ملا تو کم از کم اتنی بات پر تو غور فرمالیتے کہ اگر علامہ عینیؒ کا مدعا یہ ہوتا کہ شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر رطوبت والی چیز سے یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے تو اگلے ہی سانس میں وہ پھول وغیرہ ڈالنے کو ''لیس بشیٴ'' کہہ کر اس کی نفی کیوں کرتے؟ ترجمہ کرتے ہوئے تو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ علامہؒ کے یہ دونوں جملے آپس میں ٹکرا کیوں رہے ہیں؟

ج:... چونکہ شاہ صاحب کے خیالِ مبارک میں علامہ عینیؒ شاخ کی خصوصیت کی نفی کرکے ہر رطوبت والی چیز کو مقصود قرار دے رہے ہیں، اس لئے انہوں نے علامہؒ کی عبارت سے ''من أی شجر کان'' کا ترجمہ ہی غائب کردیا۔

د:... پھر علامہ عینیؒ نے ''ولھٰذا أنکر الخطابی'' کہہ کر اپنے سوال و جواب پر تفریع پیش کی تھی، شاہ صاحب نے ''لھٰذا'' کا ترجمہ بھی حذف کردیا، جس سے اس جملے کا ربط ہی ماقبل سے کٹ گیا۔

ہ:... ''وکذٰلک ما یفعله أکثر الناس'' سے علامہ عینیؒ نے اس سوال و جواب کی دُوسری تفریع ذکر فرمائی تھی، ہمارے شاہ صاحب نے اسے اِمام خطابیؒ کے انکار کے تحت درج کرکے ترجمہ یوں کردیا: ''اور اسی طرح اس کا بھی انکار کیا ہے جو اکثر لوگ کرتے ہیں'' اس ترجمہ میں ''اس کا بھی انکار کیا ہے'' کے الفاظ شاہ صاحب کا خود اپنا اضافہ ہے۔

و:... علامہ عینیؒ نے قبروں پر پھول وغیرہ ڈالنے کو ''لیس بشیٴ'' (یہ کوئی چیز نہیں) کہہ کر فرمایا تھا: ''انما السُّنّة الغرز'' یعنی ''سنت صرف شاخ کا گاڑنا ہے'' اس پر ایک اعتراض ہوسکتا تھا، اس کا جواب دے کر اس کے آخر میں فرماتے ہیں: ''فافهم'' جس میں اشارہ تھا کہ اس جواب پر مزید سوال و جواب کی گنجائش ہے۔ مگر ہمارے شاہ صاحب چونکہ یہ سب کچھ اِمام خطابیؒ کے نام منسوب فرما رہے ہیں، اس لئے وہ بڑے جوش سے فرماتے ہیں:

''پھر بے چارے خطابی نے بحث کے اختتام پر ''فافهم'' کے لفظ کا اضافہ بھی کیا مگر افسوس کہ مولانا صاحب موصوف نے اس طرف توجہ نہ فرمائی۔''

یہ ناکارہ، جناب شاہ صاحب کے توجہ دِلانے پر متشکر ہے، کاش! شاہ صاحب خود بھی توجہ کی زحمت فرمائیں کہ وہ کیا سے کیا سمجھ اور لکھ رہے ہیں۔

شاید علامہ عینیؒ کا یہ "فافھم" بھی اِلہامی تھا، حق تعالیٰ شانہٗ کو معلوم تھا کہ علامہ عینیؒ کے ۵۴۵ سال بعد ہمارے شاہ صاحب، علامہؒ کی اس عبارت کا ترجمہ فرمائیں گے، اس لئے ان سے "فافھم" کا لفظ لکھوادیا، تاکہ شاہ صاحب، علامہؒ کی اس وصیت کو پیشِ نظر رکھیں اور ان کی عبارت کا ترجمہ ذرا سوچ سمجھ کر کریں۔

پنجم:... "کتاب فہمی" اور "صحیح ترجمہ" کے بعد اب شاہ صاحب کے طریقِ استدلال پر بھی نظر ڈال لی جائے، موصوف نے علامہ عینیؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے چند فوائد اس تمہید کے ساتھ اخذ کئے ہیں:

"مذکورہ بالا ترجمے سے لدھیانوی صاحب کی کتاب فہمی اور طریقِ استدلال کا اندازہ ہوجائے گا۔ لیکن ناظرین کے لئے چند اُمور درج ذیل ہیں۔"

۱:...شاہ صاحب نمبر:۱ کے تحت لکھتے ہیں:

"شاخ لگانا ہی مسنون نہیں، اس چیز کو تر ہونا چاہئے۔ لہٰذا خشک چیز کا لگانا مسنون نہیں، البتہ شاخیں سبز اور پھول تر ہونے کے باعث مسنون ہیں۔"

پھول ڈالنے کا مسنون ہونا علامہ عینیؒ کی عبارت سے اخذ کیا جارہا ہے، جبکہ ان کی عبارت کا ترجمہ خود شاہ صاحب نے یہ کیا ہے:

"اور اسی طرح اس کا بھی انکار کیا ہے جو اکثر لوگ کرتے ہیں یعنی تر اشیاء مثلاً پھول اور سبزیاں وغیرہ قبروں پر ڈال دیتے ہیں، یہ کچھ نہیں اور بے شک سنت گاڑنا ہے۔"

پھول اور سبزہ وغیرہ تر اشیاء قبر پر ڈالنے کو علامہ عینیؒ خلافِ سنت اور لیس بشیٴ فرماتے ہیں، لیکن شاہ صاحب کا اچھوتا طریقِ استدلال اس عبارت سے پھولوں کا مسنون ہونا نکال لیتا ہے۔ شاید شاہ صاحب کی اصطلاح میں "لیس بشیٴ" (کچھ نہیں، کوئی چیز نہیں) کے معنی ہیں: "مسنون چیز"۔

۲:... شاہ صاحب کا فائدہ نمبر:۲ اس سے بھی زیادہ دِلچسپ ہے کہ:

"وضع یعنی ڈالنا مسنون نہیں بلکہ غرز یعنی گاڑنا مسنون ہے، اور خطابی نے انکار پھولوں اور سبزیوں کے ڈالنے کا کیا ہے نہ کہ گاڑنے کا جیسا کہ اگلی عبارتوں سے ظاہر ہے، اس طرح دو بنیادی اشیاء مسنون ہیں: ایک تو رطب ہونا، دُوسرے غرز۔"

شاہ صاحب کی پریشانی یہ ہے کہ علامہ عینیؒ (اور شاہ صاحب کے بقول اِمام خطابیؒ) تو پھولوں کے ڈالنے کو لیس بشیٴ اور غیرمسنون فرمارہے ہیں، اور شاہ صاحب کو بہرحال پھولوں کا مسنون ہونا ثابت کرنا ہے، اس لئے اپنے مخصوص اندازِ استدلال سے ان کے قول کی کیا خوبصورت تأویل فرماتے ہیں کہ خطابیؒ کے بقول پھولوں کا ڈالنا تو مسنون نہیں، ہاں! ان کا گاڑنا ان کے نزدیک بھی مسنون ہے۔ اللہ الصمد!

شاہ صاحب نے کرنے کو تو تأویل کردی لیکن اوّل تو یہ نہیں سوچا کہ ہماری بحث بھی تو پھولوں کے ڈالنے ہی سے متعلق ہے، اور اس کا غیر مسنون ہونا جناب نے خود ہی رقم فرمادیا۔ پس اگر اس ناکارہ نے قبر پر پھول ڈالنے کو خلافِ سنت کہا تھا تو کیا جرم کیا...؟

پھر اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ جو حضرات اولیاء اللہ کے مزارات پر پھول ڈال کر آتے ہیں، وہ تو آپ کے ارشاد کے مطابق بھی خلافِ سنت فعل ہی کرتے ہیں، کیونکہ سنت ہونے کے لئے آپ نے دو بنیادی شرطیں تجویز فرمائی ہیں: ایک اس چیز کا رطب یعنی تر ہونا، اور دُوسرے اس کا گاڑنا، نہ کہ ڈالنا۔

پھر اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ قبر پر گاڑی تو شاخ جاتی ہے، پھولوں اور سبزیوں کو قبر پر کون گاڑا کرتا ہے؟ ان کو تو لوگ بس ڈالا ہی کرتے ہیں، پس جب پھولوں کا گاڑنا عادۃً ممکن ہی نہیں اور نہ کوئی ان کو گاڑتا ہے اور خود شاہ صاحب بھی لکھ رہے ہیں کہ کسی چیز کا قبر پر گاڑنا سنت ہے، ڈالنا سنت نہیں تو جناب کے اس فقرے کا آخر کیا مطلب ہوگا کہ:

''خطابی نے انکار پھولوں اور سبزیوں کے ڈالنے کا کیا ہے نہ کہ گاڑنے کا۔''

کیا کسی ملک میں شاہ صاحب نے قبروں پر پھولوں کے گاڑنے کا دستور دیکھا، سنا بھی ہے؟ اور کیا یہ ممکن بھی ہے؟ اگر نہیں تو بار بار غور فرمائیے کہ آخر آپ کا یہ فقرہ کوئی مفہومِ محصل رکھتا ہے...؟

پھر جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا، شاہ صاحب یہ ساری باتیں اِمام خطابیؒ سے زبردستی منسوب کر رہے ہیں، ورنہ اِمام خطابیؒ کی عبارت میں پھولوں کے گاڑنے اور ڈالنے کی ''باریک منطق'' کا دُور دُور کہیں پتا نہیں۔ مناسب ہے کہ یہاں اِمام خطابیؒ کی اصل عبارت پیشِ خدمت کروں، شاہ صاحب اس پر غور فرمالیں، حدیث ''جرید'' کی شرح میں اِمام خطابیؒ لکھتے ہیں:

''وأما غرسه شق العسيب على القبر وقوله ''لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا'' فانه من ناحية التبرک بأثر النبی صلی اللہ علیه وسلم ودعائه بالتخفيف عنهما، وكأنه صلی اللہ علیه وسلم جعل مدة بقاء النداوة فيهما حدًا لما وقعت به المسئلة من تخفيف العذاب عنهما، وليس ذٰلک من أجل أن فی الجريد الرطب معنی ليس فی اليابس، والعامة فی كثير من البلدان تفرش الخوص فی قبور موتاهم، وأراهم ذهبوا الٰی هٰذا، وليس لما تعاطوه من ذٰلک وجه، واللہ اعلم!''

(معالم السنن ج:۱ ص:۲۷ طبع المكتبة الأثرية، پاکستان)

ترجمہ:... ''رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاخِ خرما کو چیر کر قبر پر گاڑنا اور یہ فرمانا کہ: ''شاید کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک کہ یہ شاخیں خشک نہ ہوں'' تو یہ تخفیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائے تخفیف کی برکت کی وجہ سے ہوئی، اور ایسا لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اِن قبروں کے حق میں تخفیفِ عذاب کی دُعا کی تھی، ان شاخوں میں تری باقی رہنے کی مدّت کو اس تخفیف کے لئے حد مقرّر کردیا گیا تھا، اور اس تخفیف کی یہ وجہ نہیں تھی کہ کھجور کی تر شاخ میں کوئی ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو خشک میں نہیں پائی جاتی، اور بہت سے علاقوں کے عوام اپنے مُردوں کی قبروں میں کھجور کے پتے بچھادیتے ہیں

اور میرا خیال ہے کہ وہ اسی کی طرف گئے ہیں (کہ تر چیز میں کوئی ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے جو تخفیفِ عذاب کے لئے مفید ہے) حالانکہ جو عمل کہ یہ لوگ کرتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں، واللہ اعلم!''

۳:... شاہ صاحب نے تیسرا اِفادہ عینیؒ کی عبارت سے یہ اَخذ کیا ہے:

''قبروں پر پھول ڈالنے کا سلسلہ کوئی نیا نہیں، بلکہ خطابیؒ کے زمانے سے چلا آتا ہے، اور یہ بھی نہیں کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہوں بلکہ خطابیؒ کا بیان ہے کہ یہ فعل ''اکثر الناس'' کا ہے۔''

شاہ صاحب اس نکتہ آفرینی سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خطابیؒ کے زمانے سے قبروں پر پھول چڑھانے پر سوادِ اعظم کا اِجماع ہے، اور اس ''اِجماع'' کے خلاف لب کشائی کرنا گویا اِلحاد و زَندقہ ہے، جس سے سوادِ اعظم کے معتقدات کو ٹھیس پہنچی ہے، مگر قبلہ شاہ صاحب اس نکتہ آفرینی سے پہلے مندرجہ ذیل اُمور پر غور فرمالیتے تو شاید انہیں اپنے طرزِ استدلال پر افسوس ہوتا۔

اوّلاً:... وہ جس عبارت پر اپنے اس نکتے کی بنیاد جمارہے ہیں، وہ امام خطابیؒ کی نہیں بلکہ علامہ عینیؒ کی ہے، اس لئے قبروں پر پھول چڑھانے کو اِمام خطابیؒ کے زمانے کے ''اکثر الناس'' کا فعل ثابت کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے، ہاں! یوں کہئے کہ اِمام خطابیؒ کے زمانے کے ''عوام'' مُردے کی قبر میں کھجور کے تر پتے بچھایا کرتے تھے، علامہ عینیؒ کے زمانے تک یہ سلسلہ کھجور کے پتوں سے گزر کر پھول چڑھانے تک پہنچ گیا۔

ثانیاً:... جب سے یہ سلسلہ عوام میں شروع ہوا اسی وقت سے علمائے اُمت نے اس پر نکیر کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ خطابیؒ نے ''اس کی کوئی اصل نہیں'' کہہ کر اس کے بدعت ہونے کا اعلان فرمایا اور علامہ عینیؒ نے ''لیس بشیٔ'' کہہ کر اس کو خلافِ سنت قرار دیا۔ کاش! کہ جناب شاہ صاحب بھی حضرات علمائے اُمت کے نقشِ قدم پر چلتے، اور عوام کے اس فعل کو بے اصل اور خلافِ سنت فرماتے۔ بہرحال! اگر جناب شاہ صاحب خطابیؒ یا عینیؒ کے زمانے کے عوام کی تقلید فرمارہے ہیں تو اس ناکارہ کو بحول اللہ وقوتہ اکابر علمائے اُمت اور ائمہ دِین کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعادت حاصل ہے اور وہ اِمام خطابیؒ اور علامہ عینیؒ کی طرح اس عامیانہ فعل کے خلافِ سنت ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ جناب شاہ صاحب کو اگر تقلیدِ عوام پر فخر ہے تو یہ ہیچ مدان، اَئمہ دِین کے اِتباع پر نازاں ہے اور اس پر شکر بجالاتا ہے، یہ اپنا اپنا نصیب ہے کسی کے حصے کیا آتا ہے:

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ثالثاً:... جناب شاہ صاحب نے علامہ عینیؒ کی عبارت خطابیؒ کی طرف منسوب کرکے یہ سراغ تو نکال لیا کہ پھولوں کا چڑھانا خطابیؒ کے زمانے سے چلا آتا ہے، کاش! وہ کہیں سے یہ بھی ڈھونڈ لاتے کہ چوتھی صدی (خطابیؒ کے زمانے) کے عوام نے جو بدعتیں اِیجاد کی ہوں، وہ چودھویں صدی میں نہ صرف ''سنت'' بن جاتی ہیں، بلکہ اہلِ سنت کے عقائد و شعار میں بھی ان کو جگہ مل جاتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

جناب شاہ صاحب نے اگر میرا پہلا مضمون پڑھا ہے تو اِمام شہیدؒ کا ارشاد بھی ان کی نظر سے گزرا ہوگا جو اِمامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فتاویٰ غیاثیہ سے نقل کیا ہے کہ متأخرین (جن کا دور چوتھی صدی سے شروع ہوتا ہے) کے اِستحسان کو ہم نہیں لیتے۔ غور

فرمایئے! جس دور کے اکابر اہلِ علم کے اِستحسان سے بھی کوئی سنت ثابت نہیں ہوتی، شاہ صاحب اس زمانے کے عوام کی اِیجاد کردہ بدعات کو ''سنت'' فرمارہے ہیں اور اصرار کیا جارہا ہے کہ ان بدعات کے بارے میں اس زمانے کے اکابر اہلِ علم نے خواہ کچھ ہی فرمایا ہو، ہمیں اس کے دیکھنے کی ضرورت نہیں، چونکہ صدیوں سے عوام اس بدعت میں ملوّث ہیں، لہٰذا اس کو خلافِ سنت کہنا روا نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس ''لاجواب منطق'' سے شاہ صاحب نے اپنے ضمیر کو کیسے مطمئن کرلیا۔

رابعاً:... ہمارے شاہ صاحب تو اِمام خطابیؒ کے زمانے کے عوام کو بطورِ حجت و دلیل پیش فرمارہے ہیں اور علمائے اُمت کی نکیر کے علی الرغم ان کے فعل سے سند پکڑ رہے ہیں۔ آیئے! میں آپ کو اس سے بھی دو صدی پہلے کے ''عوام'' کے بارے میں اہلِ علم کی رائے بتاتا ہوں۔

صاحبِ درمختار نے باب الاعتکاف سے ذرا پہلے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اکثر عوام جو مُردوں کے نام کی نذر و نیاز مانتے ہیں اور اولیاء اللہ کی قبور پر روپے پیسے اور شمع، تیل وغیرہ کے چڑھاوے ان کے تقرّب کی غرض سے چڑھاتے ہیں، یہ بالاجماع باطل و حرام ہے، اِلَّا یہ کہ فقراء پر صَرف کرنے کا قصد کریں۔[۱] اس ضمن میں انہوں نے ہمارے اِمام محمد بن الحسن الشیبانی مدوّنِ مذہبِ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۸۹ھ) کا ارشاد نقل کیا ہے:

''ولقد قال الْإمام محمد: لو كانت العوام عبيدى لأعتقتهم وأسقطت ولَائى وذٰلک لأنهم لَا يهتدون فالكل بهم يتعيرون۔'' (درمختار ج:۲ ص:۴۴۰)

ترجمہ:... ''اور اِمام محمدؒ نے فرمایا کہ: اگر عوام میرے غلام ہوتے تو میں ان کو آزاد کردیتا اور ان کو آزاد کرنے کی نسبت بھی اپنی طرف نہ کرتا، کیونکہ وہ ہدایت نہیں پاتے، اس لئے ہر شخص ان سے عار کرتا ہے۔''

علامہ شامیؒ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اہلِ فہم پر مخفی نہیں کہ اِمامؒ کی مراد اس کلام سے عوام کی مذمت کرنا اور اپنی طرف ان کی کسی قسم کی نسبت سے دُوری اختیار کرنا ہے، خواہ ولاً (نسبت آزادی) کے ساقط کرنے سے ہو، جو قطعی طور پر ثابت ہے اور اس اظہارِ براءت کا سبب عوام کا جہلِ عام ہے، اور ان کا بہت سے اَحکام کو تبدیل کردینا، اور باطل و حرام چیزوں کے ذریعہ تقرّب حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ پس ان کی مثال اَنعام کی سی ہے کہ اَعلام و اکابر ان سے عار کرتے ہیں، اور ان عظیم شناعتوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں.....'' (فتاویٰ شامی ج:۲ ص:۴۴۰)[۲]

یہ اِمام محمدؒ کے زمانے کے عوام ہیں جن کے افعال و بدعات سے امام محمدؒ اور دیگر اَعلام و اکابر براءت کا اظہار فرماتے ہیں،

---

(۱) واعلم أن بالنذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع .... فهو بالْإجماع باطل .... الخ. (درمختار ج:۲ ص:۴۳۹، قبيل باب الْإعتكاف).

(۲) ولَا يخفى علٰى ذوى الأفهام أن مراد الْإمام بهٰذا الكلام انما هو ذم العوام والتباعد عن نسبتهم اليه بأى وجه يرام ولو باسقاط الولَاء الثابت الْانبرام وذٰلک بسبب جهلهم العام وتغييرهم لكثير من الأحكام، وتقربهم بما هو باطل وحرام، فهم كالأنعام يتعير بهم الأعلام، ويتبرؤن من شنائعهم العظام. (فتاویٰ شامی ج:۲ ص:۴۴۰، مطلب فى النذر الذى يقع للأموات ...إلخ).

لیکن اس کے دوصدی بعد کے عوام کی بدعات ہمارے شاہ صاحب کے لئے عین دِین بن جاتی ہیں اور بڑے اطمینان کے ساتھ فرماتے ہیں کہ پھول چڑھانے کا سلسلہ تو اِمام خطابیؒ کے دور سے چلا آتا ہے، اور یہ نہیں سوچتے کہ یہ وہی عوام ہیں جن کے جہلِ عام اور تغیرِ اَحکام کی شکوہ سنجی ہمارے اَعلام واکابر کرتے چلے آئے ہیں۔

یہ اس ناکارہ کے مضمون پر شاہ صاحب کی تنقیدات کے چند نمونے قارئین کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں، جن سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ شاہ صاحب اوران کے ہم ذوق حضرات بدعات کی ترویج واشاعت کے لئے کیسی کیسی تأویلات ایجاد فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ سنت کے نور سے ہمارے دِل ودِماغ اور رُوح وقلب کو منوّر فرمائیں اور بدعات کی ظلمت ونحوست سے اپنی پناہ میں رکھیں۔

کچھ ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے بارے میں

سوال:... علوی مالکی نام کے ایک مکی عالم کی کتاب کا اردو ترجمہ ''اِصلاحِ مفاہیم'' آج کل زیرِ بحث ہے، بعض حضرات اس کتاب کو دیوبندی بریلوی نزاع کے خاتمہ میں ممد ومعاون قرار دیتے ہیں، تو بعض دُوسرے اسے دیوبندی موقف کی تغلیط اور بریلوی موٴقف کی تائید اور تصدیق سمجھتے ہیں، صحیح صورتِ حال سے نقاب کشائی فرماکر ہماری راہ نمائی فرمائی جائے۔

جواب:... جی ہاں! مکہ مکرمہ کے ایک عالم شیخ محمد علوی مالکی کی کتاب ''مفاهيم يجب ان تصحح'' کافی دنوں سے معرکۃ الآراء بنی ہوئی ہے، پاکستان میں اس کا ترجمہ ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے نام سے شائع کیا گیا، اور اب ہمارے حلقوں میں اس پر اچھا خاصا نزاع برپا ہے۔ ''انوارِ مدینہ، لاہور''، ''الخیر، ملتان'' اور ''حق چاریار، چکوال'' میں اس سلسلہ میں کافی مضامین شائع ہوچکے ہیں۔ کتاب کے ناشر جناب پروفیسر الحاج احمد عبدالرحمٰن زید لطفہٗ نے اس سلسلہ میں اس ناکارہ کی رائے طلب فرمائی، راقم الحروف نے ان کے خط کے جواب میں اس کتاب پر مفصل تبصرہ کا ارادہ کیا، اور چند اوراق لکھے بھی، لیکن پھر خیال آیا کہ اس کے لئے طویل فرصت درکار ہوگی، اس لئے ایک مختصر سا خط ان کی خدمت میں لکھ دیا، چونکہ اس بارے میں استفسارات کا سلسلہ جاری رہتا ہے، چنانچہ حال ہی میں ایک صاحب کا خط آیا اور اس بارے میں اس ناکارہ سے مشورہ طلب کیا گیا، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کردیا جائے۔

لہٰذا ذیل میں پہلے وہ مختصر سا خط دیا جارہا ہے جو جناب پروفیسر احمد عبدالرحمٰن کے نام لکھا گیا تھا، اس کے بعد وہ مفصل خط پیشِ خدمت ہے، جو انہی کے نام لکھنے شروع کیا تھا، لیکن اسے اَدھورا چھوڑ کر مختصر خط لکھنے پر اکتفا کیا گیا، اور اس کی تکمیل بعد میں کی گئی اور آخر میں چند حضرات کے خطوط اور اس ناکارہ کی جانب سے ان کے جوابات درج کئے جارہے ہیں، واللہ الموفق لكل خير وسعادة!

پہلا خط

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مخدوم ومکرم جناب پروفیسر احمد عبدالرحمٰن صاحب زید لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نامہ کرم مع ہدیہ مرسلہ ''اِصلاحِ مفاہیم'' کافی دنوں سے آیا رکھا تھا، کثرتِ مشاغل نے کتاب اُٹھا کر دیکھنے کی بھی مہلت نہ دی، ادھر خود طبیعت بھی اس طرف مائل نہ ہوئی، یہ ناکارہ تو طاقِ نسیان میں بحفاظت رکھ چکا تھا، یکایک خیال آیا کہ آنجناب منتظرِ جواب ہوں گے، چنانچہ کتاب کو پڑھا، داعیہ پیدا ہوا کہ اس پر کسی قدر مفصل تبصرہ کروں، مگر مشاغل اس کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے مختصراً لکھتا ہوں کہ کتاب کے بعض مباحث تو بڑے ایمان افروز ہیں، مگر جنابِ مصنف نے جگہ جگہ مخمل میں ٹاٹ کی پیوندکاری کی ہے، اور شکر میں اپنے منفرد افکار و مفاہیم کا زہر ملا دیا ہے، لہٰذا کتاب کے بارے میں اس ناکارہ کی رائے جناب محترم مولانا الحاج الحافظ مفتی عبدالستار دام مجدہٗ (صدر مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان) کے ساتھ متفق ہے، یہ کتاب ہمارے اکابرِ دیوبند کے مسلک و مشرب کی ہرگز ترجمان نہیں، اور اس سے امت کے درمیان اتحاد و اتفاق کی جو اُمیدیں وابستہ کی گئی ہیں وہ نہ صرف موہوم بلکہ معدوم ہیں۔ اس کے برعکس اس ناکارہ کا احساس یہ ہے کہ امت تو امت، یہ کتاب ہمارے احباب کے درمیان منافرت و مغایرت اور تشتت و انتشار کی موجب ہوگی، اگر کتاب کے ترجمہ اور اس کی اشاعت سے قبل اس ناکارہ سے رائے لی جاتی تو یہ ناکارہ نہ ترجمہ کا مشورہ دیتا، نہ اشاعت کا۔ جن حضرات نے اس پر تقریظات ثبت فرمائی ہیں، اس ناکارہ کا احساس ہے کہ انہوں نے بے پڑھے محض مؤلف کے ساتھ حسنِ ظن اور عقیدت سے مغلوب ہوکر لکھ دی ہیں، اور اگر کسی نے پڑھا ہے تو اس کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں، نہ ہمارے اکابر کے مسلک کو صحیح طور پر ہضم کیا ہے، بلکہ اس ناکارہ کو یہاں تک ''حسنِ ظن'' ہے کہ بہت سے حضرات نے کتاب کے نام کا مفہوم بھی نہیں سمجھا ہوگا، اگر ان سے دریافت کرلیا جائے کہ ''مفاهيم يجب ان تصحح'' کا کیا مطلب ہے؟ تو شاید تیر نشانہ پر نہ لگاسکیں۔ چنانچہ اس کا اُردو نام ''اِصلاحِ مفاہیم'' غمازی کرتا ہے کہ فاضل مترجم اس کا مطلب نہیں سمجھے، اُمید ہے کہ ان اجمالی معروضات کے بعد مفصل تبصرے کی حاجت نہ ہوگی، دعواتِ صالحہ کا محتاج اور ملتجی ہوں، والسلام!

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴۱۵/۷/۲۰ھ

دوسرا خط

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

جناب مخدوم و مکرم زیدت الطافہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب کا گرامی نامہ موصول ہوئے کئی دن ہوئے، جس میں اس ناکارہ سے ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے بارے میں رائے طلب کی گئی تھی، مگر یہ ناکارہ جناب کے حکم کی تعمیل سے بوجوہِ چند قاصر رہا:

ا:... یہ ناکارہ اپنے مشاغل میں اس قدر اُلجھا ہوا تھا کہ ڈاک کا جواب نمٹانے سے بھی عاجز رہا، اور بعض سوالات ایسے تھے جو ایک مقالے کا موضوع تھے، یہ خیال رہا کہ ذرا ان مشاغل سے فرصت ملے تو کتاب کو دیکھوں تب ہی کوئی رائے عرض کرسکوں گا۔ ایسی عدیم الفرصتی میں ایک ضخیم کتاب کا سرسری پڑھنا بھی مشکل تھا، چونکہ آنجناب کا تقاضا بھی سوہانِ رُوح بنا ہوا ہے، اس لئے دُوسرے مشاغل سے صرفِ نظر کرکے کتاب کو دیکھا اور جواب لکھنے کی نوبت آئی۔

۲:...اس ناکارہ کو اکابرِ سلف کی کتابوں سے اُکتاہٹ نہیں ہوتی، نہ ان کے مطالعہ سے سیری ہوتی ہے، لیکن ہمارے جدید محققین کے اسلوب و انداز سے ایسی وحشت ہوتی ہے کہ ان کی کتابوں کے چند صفحے دیکھنا بھی اس ناکارہ کے لئے اچھا خاصا مجاہدہ ہے، اس لئے اس کتاب کو اُٹھا کر دیکھنے ہی کو جی نہیں چاہا۔

۳:...یہ ناکارہ، زندگی بھر ملحدین و مارقین سے نبرد آزما رہا، اور اس کا ہمیشہ یہ ذوق رہا کہ:

تیغ براں بہر ہر زندیق باش
اے مسلماں! پیرو صدیق باش!

لیکن اپنوں کی لڑائی میں "دخل در معقولات" سے یہ ناکارہ ہمیشہ کتراتا رہا، "اِصلاحِ مفاہیم" کے بارے میں بھی اپنی رائے ظاہر کرنے سے "پُر حذر" رہا، کیونکہ یہ کتاب خود ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے حلقہ میں بھی متنازع فیہ بنی ہوئی ہے۔ میرے محترم بزرگ جناب صوفی محمد اقبال مہاجر مدنی اس کے پُرزور حامی و مؤید ہیں، انہی کے حکم سے یہ کتاب عربی سے اُردو میں نقل کی گئی، اور انہی کے حکم سے پاکستان میں شائع کی گئی۔ دُوسری طرف حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے عقیدت مندوں کا ایک بڑا حلقہ اس کتاب کو "شکر میں لپٹا ہوا زہر" قرار دیتا ہے۔ اس ناکارہ کا یہ خیال رہا کہ تیری حیثیت "نہ تین میں، نہ تیرہ میں!"، اس لئے اگر تو اس معرکہ سے گریز ہی کرے تو بہتر ہے، بقول شاعر:

فقلت لمحرز لما التقينا
تجنب لَا يقطرك الزحام

چنانچہ قبل ازیں صوفی صاحب زید مجدہٗ کے احباب کی جانب سے ایک رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" شائع ہوا، اور پھر انہی مضامین کو "اسلامی ذوق" نامی رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، اور اس ناکارہ سے ان دونوں رسالوں کے بارے میں رائے طلب کی گئی، لیکن "ایاز! بقدرِ خویش بہ شناس" کے پیشِ نظر اس ناکارہ نے مہرِ سکوت نہیں توڑی، اور ان دونوں رسالوں کے بارے میں کچھ لکھنے سے اغماض کیا۔

۴:...دراصل سکوت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں کوئی کسی کی سننے کو تیار نہیں، ہر شخص اپنی رائے ایسے جزم اور اتنی پختگی کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ گویا ابھی ابھی جبریل علیہ السلام حکمِ خداوندی سے نازل ہوئے ہیں، جب اپنی رائے پر جزم و وثوق کا یہ عالم ہو تو دُوسرے کی رائے کو کون اہمیت دیتا ہے؟ اختلاف کرنے والا خواہ کتنا بڑا عالمِ ربانی ہو، اور نہایت اخلاص کے ساتھ اختلافِ رائے کا اظہار کرے اس کو- اِلَّا ما شاء اللہ- ہوائے نفس اور کبر و حسد پر محمول کیا جاتا ہے، ایسی فضا میں تنقیدی و اصلاحی رائے تو مفید و کارگر ہوگی نہیں، البتہ قلوب میں منافرت اور فتنہ میں اضافہ کا سبب ضرور بنے گی، اس لئے اس ناکارہ نے ایسے نزاعی اُمور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو حرزِ جان بنا رکھا ہے:

"بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا دُنْيَا مُؤْثَرَةً، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِىْ رَأْىٍ بِرَأْيِهٖ، وَرَأَيْتُ اَمْرًا لَا بُدَّ لَکَ مِنْهُ فَعَلَيْکَ

نَفْسَکَ، وَدَعْ اَمْرَ الْعَوَامِ!“ (مشکوٰۃ ص:۴۳۷)

ترجمہ:... ”نیکی کا حکم کرتے رہو، اور برائی سے بچتے رہو، یہاں تک کہ جب دیکھو کہ حرص و آز کی اطاعت اور خواہشات کی پیروی کی جارہی ہے، اور دنیوی مفاد کو ترجیح دی جارہی ہے، اور ہر صاحبِ رائے اپنی رائے پر نازاں ہے، اور تم دیکھو کہ کام ایسا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں، تو اپنی فکر کرو، اور عوام کے قصہ کو چھوڑ دو!“

حضراتِ سلف میں یہ مقولہ معروف تھا کہ اپنی رائے کو متہم سمجھو، یہ حضرات اپنی فہم کو ناقص اور اپنی رائے کو علیل جانتے تھے، اور ہمیشہ اس کے منتظر رہتے تھے کہ کوئی ان کو غلطی سے آگاہ کرے تو وہ اس سے رجوع کرلیں۔ حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: حضرت مولانا سیّد سلیمان ندویؒ اپنی جلالتِ قدر اور علوِ مرتبت کے باوصف فرماتے تھے کہ: ابتدائی دور میں (حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق سے قبل) مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ (حضرت بنوریؒ) جیسے حضرات میری کتابوں کو دیکھ کر غلطیوں کی نشاندہی کردیں تو میں اپنی زندگی میں ان سے رجوع کا اعلان کردوں۔

عارف باللہ حضرتِ اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ: ایک بار مولانا بنوریؒ نے ”بینات“ میں ایک مضمون لکھا، بعد میں مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو میں نے ان سے کہا کہ: یہ بات جو آپ نے لکھی ہے، یہ آپ کی شان کے خلاف ہے! فوراً کہنے لگے کہ: ”غلطی ہوئی، معاف کردیجئے! آئندہ نہیں ہوگی۔“ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اس بات کو نقل کرکے فرماتے تھے کہ: ”بھئی! مولانا بنوریؒ بڑے آدمی تھے!“ حضرتؒ بار بار یہ فقرہ دُہراتے۔

یہ ہمارے ان اکابرؒ کے واقعات ہیں جن کو ان گناہگار آنکھوں نے دیکھا، ہمارے شیخ برکۃ العصر، قطب العالم مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے یہاں تو مستقل اُصول تھا کہ جب تک ان کی تحریر فرمودہ کتاب کو دو محقق عالم دیکھ کر اس کی تصدیق و تصویب نہیں فرمادیتے تھے وہ کتاب نہیں چھپتی تھی۔ اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے اسلاف سلف صالحینؒ کی بےنفسی، اخلاص وللّٰہیت اور فنائیت کا کیا عالم ہوگا؟ لیکن اب ہمارے یہاں استبدادِ رائے کا ایسا غلبہ ہے کہ نہ کوئی کسی کی سننے کو تیار، نہ ماننے کو- اِلَّا ما شاء اللہ- اس لئے یہ ناکارہ اپنے احباب کے درمیان متنازع فیہ مسائل میں اظہارِ رائے سے ہچکچاتا ہے، کہ اوّل تو اس ناکارہ کی رائے کی کوئی قیمت ہی نہیں، پھر اظہارِ رائے سے اِصلاح کی توقع بہت کم ہوتی ہے، بلکہ اگر اپنی رائے کسی صاحب کے خلاف ہوئی تو قلوب میں منافرت پیدا ہونے کا خطرہ قوی ہے۔

حیاۃ الصحابہ (ج:۲ ص:۱۲۰) میں حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کا ایک خط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام نقل کیا ہے، جس کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ: ”ہمیں بتایا جاتا تھا کہ آخری زمانہ میں اس امت کا یہ حال ہوجائے گا کہ ظاہر میں بھائی بھائی ہوں گے، اور باطن میں ایک دُوسرے کے دشمن ہوں گے، ہم نے یہ خط آپ کی ہمدردی و خیرخواہی کے لئے لکھا، خدا کی پناہ! کہ آپ اس کو کسی اور چیز پر محمول کریں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"آخری زمانے کے بارے میں آپ حضرات نے جو کچھ لکھا ہے، آپ اس کے مصداق نہیں اور نہ یہ وہ زمانہ ہے، یہ وہ زمانہ ہوگا جس میں رغبت و رہبت ظاہر ہوجائے گی، اور لوگوں کی رغبت ایک دُوسرے سے دنیاوی مفادات کی غرض سے ہوگی، بلاشبہ آپ حضرات نے جو کچھ لکھا ہے وہ خیرخواہی و ہمدردی کے طور پر لکھا ہے، اور مجھے اس سے استغنا نہیں، اس لئے ازراہِ کرم مجھے لکھتے رہا کیجئے!"

الغرض! مذکورہ وجوہات کی بنا پر یہ ناکارہ "اِصلاحِ مفاہیم" کے بارے میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنے میں متأمل تھا، اور جی یہی چاہتا کہ میں کچھ نہ لکھوں، لیکن پھر خیال ہوا کہ آپ منتظرِ جواب ہوں گے، اور آپ کو جواب نہ ملنے کی شکایت ہوگی۔ اس لئے محض امتثالِ حکم کے لئے لکھتا ہوں، ورنہ میں جانتا ہوں کہ میں کیا اور میری تحریر کیا؟ دعا کرتا ہوں کہ میری یہ تحریر فتنہ میں اضافہ کا باعث نہ بنے۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من شر نفسی! وہ رحیم و کریم میری تحریر کے شر سے اپنے بندوں کو محفوظ فرمائے، اور میری غلطیوں کی پردہ پوشی فرمائے، انہ رحیم و دود!

کتاب "اِصلاحِ مفاہیم" کے سرسری مطالعہ سے اس ناکارہ نے جو اُمور نوٹ کئے، اگر ان پر مفصل گفتگو کی جائے تو اچھی ضخیم کتاب بن جائے گی، اس لئے جزئیاتِ مسائل پر گفتگو کرنے کے بجائے چند اُصولی اُمور کی نشاندہی پر اکتفا کروں گا، واللہ ولی التوفیق!

اوّل:... جناب مصنف سعودیہ میں اقامت پذیر ہیں، اور اس ماحول میں ایسے حضرات کی آواز غالب ہے جو ذرا ذرا سی باتوں پر شرک کا فتویٰ صادر کرتے ہیں، توسل کا شدّ و مدّ سے انکار کرتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کے ارادے سے سفر کرنے کو بھی روا نہیں سمجھتے، جناب مصنف کا مطمحِ نظر ان حضرات کی تشدد پسندی کی اصلاح ہے، اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ دلائل کے ساتھ ان حضرات کے رویہ میں لچک اور اعتدال پیدا کیا جائے۔ ہند و پاک کا خرافاتی ماحول جناب مصنف کے سامنے نہیں، اور وہ اس سے واقف نہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے عوام کیسی کیسی بدعات و خرافات میں مبتلا ہیں، اس لئے ان عوام کی اصلاح جناب مصنف کے پیشِ نظر نہیں۔ اس لئے فطری بات ہے کہ جناب مصنف کی تحریر میں سلفی حضرات کی شدتِ بے جا کی اصلاح کی کوشش تو نظر آتی ہے- کہ یہی ان کی کتاب کا اصل موضوع ہے- لیکن عوام کی غلط روی و کج فکری کی اصلاح ان کی تحریر میں نظر نہیں آتی۔ اس کے برعکس ہمارے اکابرِ دیوبند کو دونوں فریقوں کے افراط و تفریط سے واسطہ رہا، سلفی حضرات کی شدت و خشکی سے بھی، اور عوام کی عامیانہ رَوِش سے بھی، اس لئے ہمارے اکابرؒ افراط و تفریط کے درمیان راہِ اعتدال پر قائم رہے اور انہوں نے بڑی خوبصورتی و کامیابی کے ساتھ میزانِ اعتدال کے دونوں پلوں کو برابر رکھا:

در کفے جامِ شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

الغرض! ان متنازع فیہ مسائل میں جو اعتدال و توازن ہمارے اکابرؒ کے یہاں نظر آتا ہے، اسے یہ ناکارہ "لسان المیزان" سمجھتا ہے۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مصنف کی یہ کتاب ہمارے اکابرؒ کے ذوق و مسلک کی ترجمان نہیں، بلکہ اس کا پلہ اہلِ

بدعت کی طرف جھکا ہوا ہے، لہٰذا جن حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ مالکی صاحب کی یہ کتاب ہمارے اکابرؒ کے مسلک کی ترجمانی کرتی ہے، اس ناکارہ کے خیال میں ان حضرات نے نہ تو ہمارے اکابرؒ کے مسلک و مشرب کو ٹھیک طرح سے ہضم کیا ہے اور نہ انہوں نے مالکی صاحب کی کتاب ہی کو دقتِ نظر سے پڑھا ہے۔

دوم:... کتاب پر بہت سے بزرگوں کی تقریظیں ثبت ہیں، جن کو ایک نظر دیکھنے کے بعد قاری مرعوب ہوجاتا ہے، ان بزرگوں کی تقریظ و تصدیق کے بعد مجھ ایسے کم سواد کے لئے بظاہر اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی، لیکن اس ناکارہ کے خیال میں جن بزرگوں نے اس کتاب پر تقریظیں ثبت فرمائی ہیں، انہوں نے حرفاً حرفاً اس کتاب کا مسودہ پڑھنے اور جناب مصنف کے مقاصد تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی، یا تو ان بزرگوں نے کتاب کا مسودہ دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، یا ان کو غور و تأمل کا موقع نہیں ملا، محض جناب مصنف کی عقیدت و احترام میں یا بعض کسی لائقِ احترام بزرگ کی تقریظ دیکھ کر انہوں نے بھی کتاب پر صاد کردیا، ایسی تقریظیں لائقِ اعتنا نہیں۔

آج کل محض مصنف کے ساتھ حسنِ ظن کی بنیاد پر تقریظیں لکھنے کا عام رواج ہے، اور اس ناکارہ کے نزدیک یہ رَوِش لائقِ اِصلاح ہے، اور یہ رواج لائقِ ترک ہے۔ خود اس ناکارہ کو ذاتی طور پر اس کے ناخوشگوار نتائج کا تجربہ ہوا ہے، اس ناکارہ کا ذوق خود اپنی کتابوں کے بارے میں یہ رہا ہے کہ اپنی کسی کتاب پر اپنے بزرگوں کو بطورِ ''تبرک'' چند کلمات لکھنے کی کبھی زحمت نہیں دی، نہ اس کی فرمائش کی، کیونکہ ہمیشہ یہ خیال رہا کہ ان اکابر کے بے حد قیمتی اوقات میں اتنی گنجائش کہاں؟ کہ مجھ ایسے نابکار کی ژولیدہ تحریر پڑھیں اور اپنے قیمتی اوقات کا خون کریں۔ لامحالہ بغیر پڑھے ہی ''کلماتِ تبرک'' تحریر فرمائیں گے، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نادان کی غلطیاں میرے بزرگوں کے سر آن پڑیں گی۔ چنانچہ اس ناکارہ کا رسالہ ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' جو تمام اکابر نے پسند فرمایا، اور ہند و پاک کے بہت سے ناشرین نے ہزاروں کی تعداد میں اسے شائع کیا، مگر اس ناکارہ نے کسی بزرگ سے تقریظ نہیں لکھوائی، سنا ہے کہ ہمارے شیخ برکۃ العصر نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں بھی یہ پورا رسالہ حرفاً حرفاً پڑھا گیا، اور حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے سامعہ مبارک سے گزرا، لیکن اس ناکارہ کے دل میں کبھی اس کی ہوس پیدا نہیں ہوئی کہ کسی بزرگ سے اس پر تقریظ لکھوائی جائے، اور اپنے کھوٹے سکوں کو بزرگوں کی تقریظات کی مہر سے چالو کیا جائے (اس ناکارہ کی دو کتابوں پر میرے حضرت بنوریؒ نے مقدمہ تحریر فرمایا تھا، مگر میری خواہش اور فرمائش کے علی الرغم، اس کی تفصیل کا موقع نہیں)۔

الغرض کتاب پڑھے بغیر اس پر تقریظیں لکھوانے اور لکھنے کا رواج اس ناکارہ کے خیال میں صحیح نہیں، یہ رَوِش لائقِ اِصلاح ہے، اس ناکارہ کا خیال ہے کہ جناب علوی مالکی صاحب کی کتاب ''مفاهيم يجب أن تصحح'' (عربی) پر تقریظات کا جو انبار نظر آرہا ہے، یہ جناب مصنف کے احترام میں بغیر کتاب پڑھے لکھی گئی ہیں، یا کسی لائقِ احترام شخصیت کو دیکھ کر ان کی تقلید میں صاد کردیا گیا ہے، اس لئے اگر یہ ناکارہ اس کتاب کے بارے میں ایسی رائے کا اظہار کر رہا ہے جو تقریظ لکھنے والے بزرگوں کی توثیق و تصدیق کے خلاف ہو تو اس کو ان بزرگوں کے حق میں سوء ادب کا ارتکاب نہ سمجھا جائے، اور نہ ان اکابر کے علم و فضل کے منافی قرار دیا جائے، کیونکہ بزرگوں ہی کا ارشاد ہے کہ:

گاہ باشد کہ کودک ناداں

بہ غلط بر ہدف زند تیرے

سوم:... اُوپر عرض کرچکا ہوں کہ جناب مصنف کا اصل مدعا سلفی حضرات کے تشدد کی اِصلاح ہے، جو زیرِ بحث مسائل میں ان کے یہاں پایا جاتا ہے، اور جس میں وہ کسی نرمی اور لچک کے روادار نہیں، جناب مصنف ان کو اپنی اس شدت میں فی الجملہ معذور بھی سمجھتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''ان کو ہم اپنے حسنِ ظن کی بنا پر معذور سمجھیں گے، اور کہیں گے کہ نیت تو ان کی صحیح ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس طرح ان لوگوں نے کیا ہے، لیکن ہم کہیں گے کہ ان حضرات سے ایک بات رہ گئی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں حکمت و مصلحت اور عمدہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔''

(اِصلاحِ مفاہیم ص:۴۹)

یہ دو اُصول جو جناب مصنف نے کتاب کے آغاز ہی میں قلم بند کئے ہیں، بڑے ہی قیمتی اور زرّیں اُصول ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ داعیانہ اسلوب کی رُوحِ رواں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے مخالفین، ناقدین بلکہ مکفّرین تک کے بارے میں بھی یہ حسنِ ظن رکھا جائے کہ ان کی تنقید کا منشا اگر اخلاص ہے، اور وہ واقعتاً رضائے الٰہی کے لئے ایسا کر رہے ہیں، تو نہ صرف یہ کہ وہ معذور ہیں، بلکہ اِن شاء اللہ ماجور بھی۔

دوم یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے بلند پایہ کام میں بھی حکمت و مصلحت کے مطابق احسن طریق اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مجھے یہ توقع تھی کہ جناب مصنف نے جس داعیانہ اُسلوب کی نشاندہی فرمائی ہے، وہ خود بھی اس کی پابندی فرمائیں گے اور ان کی یہ کتاب اُسلوبِ دعوت کا شاندار مرقع ہوگی، اور وہ متنازع فیہ مسائل کو قلم بند کرتے ہوئے ایسا عمدہ طریق اپنائیں گے کہ ان کی بات بڑی خوشگواری سے ان کے قاری کے گلے سے اُتر جائے۔ بلاشبہ فطری طور پر ہماری یہ خواہش ہوگی کہ جس بات کو ہم حق اور صحیح سمجھتے ہیں، دُوسرے لوگ بھی اس کی حقانیت کے قائل ہوجائیں، لیکن ہم اپنی بات احسن طریق سے مخاطب کو سمجھانے کے مکلف ہیں، اس کو منوانے کے ہم مکلّف نہیں، ہم نے بڑی خوش اسلوبی سے اپنی بات مخاطب کے سامنے پیش کردی، ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئے، آگے اسے مخاطب مانتا ہے یا نہیں؟ یہ اس کی ذمہ داری ہے، اور اس کی صوابدید ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ جناب مصنف، جن حضرات کو حسنِ ظن کی بنا پر معذور سمجھتے ہیں، انہی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے داعیانہ اور مصلحانہ اندازِ تخاطب اختیار نہیں فرمایا، بلکہ مناظرانہ و مجادلانہ انداز اختیار کیا ہے۔ اور اگر یہ بات یہیں تک محدود رہتی تب بھی فی الجملہ اسے گوارا کیا جاسکتا تھا، مگر افسوس ہے کہ جناب مصنف نے اپنی تحریر میں ترشی بلکہ تلخی کا عنصر اس قدر تیز کردیا ہے کہ یہ توقع از بس مشکل ہے کہ ان کی بات ان کے مخاطب کے گلے سے بہ آسانی اُتر جائے گی، مصنف نے شاید ہی کوئی نکتہ ایسا اُٹھایا ہو جس میں انہوں نے اپنے مخالفوں کو جاہل، غبی، کم عقل، کم فہم، تنگ نظر، بدفہم جیسے ''خطابات'' سے نہ نوازا ہو۔

مثلاً: ’’خالق و مخلوق کا مقام‘‘ کے زیرِ عنوان یہ ذکر کرتے ہوئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی خصوصیات عطا فرمائی ہیں، جن کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُوسرے افرادِ بشر سے ممتاز ہیں، مصنف لکھتے ہیں:

’’یہ اُمور بہت لوگوں پر، ان کی کم عقلی، کم فہمی، تنگ نظری اور بدفہمی کی وجہ سے مشتبہ ہوگئے، تو انہوں نے جلدی سے ان اُمور کے قائلین پر کفر اور ملتِ اسلامیہ سے خروج کا حکم لگادیا۔‘‘ (اصلاحِ مفاہیم ص:۵۷)

ایک جگہ مخالفین کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

’’یہ واضح جہالت ہے۔‘‘ (اِصلاحِ مفاہیم ص:۶۵)

مترجم کا یہ ترجمہ اصل عربی متن کے مطابق نہیں، اصل متن کے الفاظ یہ ہیں: ’’وھذا جھل محض‘‘ (اور یہ ’’محض جہالت ہے‘‘ یا ’’خالص جہالت ہے‘‘)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

’’حالانکہ حقیقت میں یہ جہالت وتعنت ہے۔‘‘ (مفاہیم عربی ص:۹۲)

الغرض! کتاب میں مسلسل یہی انداز چلا گیا ہے، اور جناب مصنف نے اپنے موقف سے اختلاف رکھنے والوں کے بارے میں اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر جناب مصنف کے پیشِ نظر واقعی اس طبقہ کی اِصلاح ہے تو ان کی اِصلاح اس اندازِ گفتگو سے مشکل ہے، بقول غالب:

نکالا چاہتا ہے کام طعنوں سے تو اے غالب!
ترے بے مہر کہنے پر بھلا وہ مہرباں کیوں ہو؟

اس ناکارہ کا خیال ہے کہ سعودیہ کے جن متشدد حضرات کی اِصلاح کے لئے جناب مصنف نے خامہ فرسائی کی ہے، وہ اس کتاب کے مطالعہ سے اِصلاح پذیر نہیں ہوں گے بلکہ ان متوحش الفاظ وخطابات کو پڑھ کر ان کے موقف میں مزید شدت پیدا ہوجائے گی، اس کتاب کے خلاف جوابی کتب ورسائل کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوجائے گا، اِدھر کچھ عرب حضرات مصنف کی تائید وحمایت میں کھڑے ہوجائیں گے، اور قلمی جہاد کریں گے، یوں یہ کتاب متعلقہ حلقہ کی اِصلاح کے بجائے ایک نئے معرکۂ کارزار کی راہ ہموار کرے گی۔

یہ تو سعودی ماحول میں اس کتاب کے آثار ونتائج ظاہر ہوں گے، جہاں تک ہمارے ہندوپاک کے ماحول کا تعلق ہے! میں اُوپر ذکر کرچکا ہوں کہ ان متنازع فیہ مسائل میں یہاں تین فریق پہلے سے موجود ہیں، ایک گروہ انہی سلفی حضرات کا ہے جن کا تذکرہ اُوپر آچکا ہے، ان پر تو وہی اثرات ہوں گے جو ابھی ذکر کرچکا ہوں۔ دُوسرا گروہ ہمارے اکابرِ دیوبند کا ہے، میں بتاچکا ہوں کہ یہ کتاب ہمارے اکابرؒ کے ذوق ومشرب کے ساتھ کوئی میل نہیں کھاتی، دیوبندی حلقہ میں یہ کتاب افتراق وانتشار کو جنم دے گی، کچھ حضرات اس کتاب کی تائید وحمایت میں اکابرِ دیوبند کے مسلک کو اس کتاب کے مطابق ڈھالنے کی سعی فرمائیں گے، اور کچھ حضرات اس سے براءت کا اعلان واظہار فرمائیں گے۔ یوں اہلِ حق کے طبقہ میں ایک نئے انتشار وخلفشار کا دروازہ کھلے گا۔ البتہ تیسرا گروہ بریلوی حضرات کا

ہے، وہ اپنے موقف کی تائید وحمایت اور ہمارے اکابرؒ کی تجہیل وتحمیق کے لئے اس کتاب کے خوب حوالے دیں گے، اور کتاب پر ثبت شدہ بھاری بھرکم تقریظات کے ذریعہ ان کو دیوبندی حلقہ پر الزام قائم کرنے میں اچھی خاصی آسانی ہوجائے گی۔ کاش! کہ طباعت سے پہلے اس سلسلے میں مشورہ کرلیا جاتا تو اس ناکارہ کی رائے میں اس کی اشاعت آپ کی جانب سے نہ ہوتی۔

چہارم:... جس طرح ہر شیخ کی "نسبت" اپنا ایک خاص رنگ رکھتی ہے، جو اس شیخ کے حلقہ کے اکثر منتسبین پر نمایاں ہوتی ہے، مثلاً: رائے پوری حضرات کی نسبت کا رنگ ان کے حلقہ پر اس قدر نمایاں ہے کہ آدمی دور ہی سے دیکھ کر پہچان جاتا ہے کہ یہ حضرات رائے پوری سلسلہ سے منسلک ہیں۔ اسی طرح حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے حلقہ پر حضرتؒ کی نسبت کا رنگ اتنا نمایاں ہے کہ ایک صاحبِ بصیرت آسانی سے پہچان لیتا ہے کہ ان حضرات پر حضرت حکیم الامتؒ کا رنگ غالب ہے، وعلیٰ ہذا۔ الغرض! جس طرح ہر شیخ کی نسبت کا ایک رنگ ہوتا ہے، اسی طرح ہر مصنف کا بھی ایک خاص رنگ ہوتا ہے، جو اس کے حلقۂ عقیدت پر غالب اور نمایاں ہوتا ہے۔ مودودی صاحب کی تحریر کا ایک خاص رنگ ہے، ڈاکٹر اسرار صاحب کی تحریر کا ایک خاص رنگ ہے، وغیرہ، وغیرہ۔

جناب علوی مالکی صاحب نے بھی زیرِ گفتگو کتاب "مفاہیم" میں اپنا ایک خاص رنگ بھرا ہے، جس کی طرف اُوپر اشارہ کرچکا ہوں، یعنی اپنے موقف سے اختلاف رکھنے والوں کو کم عقل، کم فہم، تنگ نظر، جاہل، بدفہم اور متعنت سمجھنا، اب جو حضرات جناب مالکی صاحب سے عقیدت وارادت رکھتے ہوں گے وہ اسی رنگ کو اپنائیں گے، اور یہی رنگ ان پر غالب ہوجائے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جناب مصنف سے فرطِ عقیدت کی بنا پر ان سے ذرا سا اختلاف کرنے کو بھی تنگ نظری، جہالت وبدفہمی پر محمول کریں گے، یا اس اختلاف کا منشا ضد وعناد اور تعنت وہٹ دھرمی کو قرار دیں گے۔ ظاہر ہے کہ جن حضرات پر یہ رنگ غالب ہو وہ دُوسرے کی بات کو نہ تو صبر وتحمل سے سنیں گے، نہ مسئلے کے دلائل پر غور کریں گے، نہ ان کے لئے ہمارے اکابرؒ کا حوالہ مفید ہوگا، کیونکہ جب ان حضرات کے دل میں بطورِ عقیدت یہ بات جم گئی ہے کہ جناب محمد علوی مالکی صاحب ہی عاقل وفہیم ہیں، وہی عالم وخوش فہم ہیں، اور وہی منصف ووسیع النظر ہیں، تو ان کے مقابلہ میں دوسروں کی بات کیا وقعت رکھے گی؟

یہ ایک ایسی صورتِ حال ہے جس کے تصور ہی سے یہ ناکارہ پریشان ہے کہ جناب علوی صاحب کے عقیدت مندوں سے افہام وتفہیم کی کیا صورت کی جائے؟ اور ان کے دل پر کس طرح دستک دی جائے؟ واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ إلّا باللہ!

اور اس پریشانی میں اس وقت دوچند اضافہ ہوجاتا ہے جب دیکھتا ہوں کہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے حلقہ ہی کے حضرات، جناب مالکی صاحب کے دامِ عقیدت ومحبت کے اَسیر ہیں، اور اپنے اکابرؒ کے مسلک ومشرب کو علوی صاحب کے نظریات پر ڈھال رہے ہیں، فإلی اللہ المشتکی! کاش! اللہ تعالیٰ ہمیں تواضع اور فنائیت جو ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا خصوصی رنگ تھا، اس کا کوئی شمہ بھی نصیب فرمادے، تو آپس کے تشتت وانتشار کے منحوس سائے سے ہم محفوظ رہیں۔

پنجم:... اس ناکارہ نے یہاں تک جو کچھ لکھا وہ یہ سمجھ کر لکھا کہ جناب شیخ محمد علوی مالکی صاحب خوش عقیدہ عالم ہیں، اور ان کے پیشِ نظر صرف متشدد حضرات کی اِصلاح ہے، لیکن "حق چار یار" میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ العالی نے بریلوی مکتب کے رسالہ ماہنامہ "جہانِ رضا، لاہور" کے حوالہ سے یہ عجیب وغریب انکشاف کیا ہے کہ جناب مصنف محمد علوی مالکی دراصل بریلوی

عقیدہ کے حامل اور فاضل بریلوی جناب مولانا احمد رضا خان مرحوم کے بیک واسطہ خلیفہ ہیں، اور جناب علوی صاحب کی فاضل بریلوی سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ علوی صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"نحن نعرف تصنيفاته وتأليفاته فحبه علامة السنة، وبغضه علامة البدعة۔"

ترجمہ:... "ہم امام احمد رضا کو ان کی تصانیف اور تألیفات کے ذریعہ جانتے ہیں، پس ان سے محبت رکھنا سنت کی علامت، اور ان سے عناد، بدعت کی نشانی ہے۔"

(اس تحریر کے بعد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ العالی کے پورے مضمون کا فوٹو ماہنامہ "حق چار یار" سے نقل کیا جارہا ہے۔)

حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کے اس انکشاف کے بعد غور و فکر کا زاویہ یکسر بدل جاتا ہے، اور صاف نظر آنے لگتا ہے کہ:

۱:... "اِصلاحِ مفاہیم" دراصل بریلوی مکتبِ فکر کے ایک فاضل اور جناب مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم کے ایک غالی عقیدت مند کی تالیف ہے، جو بریلوی عقائد و نظریات کی نشر و اشاعت کے لئے مرتب کی گئی ہے۔

۲:... اس کتاب کا مدعا صرف سلفیوں کے تشدد کی اِصلاح نہیں (جیسا کہ میں نے بطورِ حسنِ ظن اس کا اُوپر اظہار کیا تھا) بلکہ اس کا اصل ہدف دیوبندی حضرات کے مقابلہ میں بریلوی حضرات کے نقطۂ نظر کی بھرپور حمایت و تائید ہے۔

۳:... جاہل، غبی، کم فہم، بدفہم اور متعنت وغیرہ الفاظ کی تکرار سے مقصود دراصل اکابرِ دیوبند (حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہمارے شیخ برکۃ العصر مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی تک تمام اکابر، نور اللہ مراقدہم) کی تجہیل و تحمیق ہے۔

۴:... جناب مصنف نے دیوبندی حضرات کی تقریظوں کا جو انبار لگایا ہے اس کی اصل غرض بھی ظاہر ہوتی ہے کہ تقریظات کا یہ اہتمام دراصل اکابرِ دیوبندؒ کے خلاف خود دیوبندی حضرات سے "اجتماعی فتویٰ" لینا ہے، تاکہ یہ تمام تقریظ کنندگان بھی اپنے اسلاف کو جاہل و نادان قرار دینے میں متفق ہوجائیں۔

۵:... بریلوی حضرات کے خیالات سعودی مشائخ کے بارے میں سب کو معلوم ہیں، لیکن جناب مصنف علوی مالکی نے ازراہ احتیاط شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا نام بڑے احترام سے لیا ہے، اور جگہ جگہ ان کے حوالوں سے اپنی کتاب کو مرصع و مزین کیا ہے۔

ایک ایسا شخص جو مولانا احمد رضا خان بریلوی کی محبت کو سنی ہونے کی اور ان کی مخالفت کو بدعتی ہونے کی علامت قرار دیتا ہو، اس سے ان سعودی اکابر کی مدح و تحسین کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ شاید ان کی مجبوری ہے کہ اس کے بغیر سعودی ماحول میں اس کتاب کا شائع ہونا مشکل تھا۔

۶:... میرے محترم بزرگ جناب صوفی اقبال صاحب زید مجدہٗ اور ان کے رفقا جو جناب مصنف علوی مالکی صاحب کی کتاب کے بے حد مداح ہیں، اور اس کی نشر و اشاعت میں سعیٔ بلیغ فرما رہے ہیں، ان کو بھی اس ناکارہ کی طرح جناب مصنف سے حسنِ ظن رہا ہوگا، اور یہ خیال ہوا ہوگا کہ یہ بزرگ (جو بہت سی نسبتوں کے جامع ہیں) سلفی تشدد کے مقابلہ میں "جہادِ کبیر" فرما رہے ہیں، اس لئے

حتی الامکان ان کی اعانت واجب ہے۔ ان حضرات کو جناب مصنف کی حقیقت معلوم نہیں ہوگی، کیونکہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ:

خبث باطن نہ گردد سالہا معلوم!

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ جناب صوفی صاحب زید مجدہٗ جناب علوی مالکی صاحب کے باقاعدہ حلقہ بگوش بن گئے ہیں، تو یہ بھی اسی ناواقفی اور حقیقت تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مجھے توقع ہے کہ جلد یا بدیر جیسا ان پر اصل حقائق منکشف ہوں گے تو یہ حضرات اپنے موقف پر نظرِ ثانی میں کسی پس و پیش کا اظہار نہیں فرمائیں گے۔

۷:... جب شیخ علوی مالکی صاحب کا بریلوی طبقہ سے منسلک ہونا عالم آشکارا ہوچکا ہے، تو ان کی کتاب کے نکات پر دیوبندی بریلوی اتحاد و مفاہمت کی دعوت دینا دراصل دیوبندیوں کو بریلوی حضرات کے موقف کی حقانیت کے تسلیم کرنے کی دعوت دینا ہے، اور یہ بات بھی کچھ کم اعجوبہ نہیں کہ یہ یک طرفہ دعوت دیوبندی اکابر کے منتسبین کی طرف سے دی جارہی ہے۔ مولانا احمد رضا خان مرحوم کی جماعت کا ایک فرد بھی اس دعوت میں نمایاں نہیں، اس لئے دُوسرے لفظوں میں بلاتکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دیوبندیوں کو بریلوی بن جانے کی دعوت ہے، اور یہ کہ ہمارے اکابر جو بدعات کے طوفان کے مقابلہ میں اب تک سدِّ سکندری بنے رہے ہیں، اب اس دیوار کو توڑ دیا جائے، اور عوام کو بدعات کی وادیوں میں بھٹکنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا جائے، ولا فعل اللہ ذالک!

یہ اس ناکارہ نے ارتجالاً چند نکات عرض کردیئے ہیں، دل کو لگیں تو قبول فرمایئے، ورنہ ”کلائے بد بریش خاوند!“ امید ہے مزاجِ سامی بعافیت ہوں گے۔

والسلام!

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

تیسرا خط

”جناب حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہٗ، اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی مبارک میں برکتیں عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کے بعد عرض ہے کہ میں یہ عریضہ نہایت دکھ کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ ایک عرصہ سے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا مرید ہوں اور حضرت سے محبت بھی ہے۔ ان کے بارے میں دل بالکل صاف ہے، لیکن کتاب ”اِصلاحِ مفاہیم“ کی تائید کی وجہ سے ایک عالم دین کہتے ہیں کہ: اب ان کا عقیدہ ٹھیک نہیں رہا، لہٰذا تمہاری بیعت درست نہیں، حضرت نے مجھے جو معمولات بتائے ان پر عمل کر رہا ہوں۔ آپ بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے عرض ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میرے لئے جو راستہ اختیار کرنا چاہئے، ارشاد فرمائیں! کیونکہ آپ کو بھی حضرت اقدس شیخ الحدیثؒ سے دولتِ خلافت نصیب ہوئی ہے، اس لئے بہتر رائے دیں گے، شکریہ! آپ بزرگوں کا عقیدت مند ایک بندۂ خدا

نوٹ:... یہ حضرات تبلیغی جماعت کے خلاف بھی ذہن بناتے ہیں، اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔“

جواب

محترم و مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن مدظلہٗ کے ساتھ اس ناکارہ روسیاہ کو بھی نیازمندی کا تعلق ہے، وہ میرے خواجہ تاش ہیں، اور اس ناکارہ سے کہیں بہتر و افضل ہیں، تاہم ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے مضامین سے اس ناکارہ کو اتفاق نہیں، اور یہ ہمارے اکابرؒ حضرت قطب العالم گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے لے کر ہمارے شیخ برکۃ العصر قطب العالم قدس سرہٗ تک کے مذاق و مشرب کے قطعاً خلاف ہے۔ اس ناکارہ نے کتاب کے ناشر مولانا احمد عبدالرحمٰن صدیقی زید لطفہٗ کے اصرار پر اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان کے نام ایک خط میں کردیا ہے۔

کتاب کے مصنف جناب علوی مالکی صاحب دراصل بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، سنا ہے کہ ہمارے صوفی محمد اقبال صاحب زید مجدہٗ ان سے باقاعدہ بیعت ہوگئے، اس لئے ان کی کتاب کی اشاعت کرنے لگے، واللہ اعلم! یہ روایت کہاں تک صحیح ہے؟ جناب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب زیدہ مجدہٗ صوفی صاحب سے بہت ہی اخلاص رکھتے ہیں، اس لئے وہ بھی اپنے رفقا کے ساتھ اس کے پُرزور مؤید ہوگئے، اور اس تحریک کا نام ''دیوبندی بریلوی اتحاد کی مخلصانہ کوشش'' رکھ لیا، حالانکہ ہمارے اکابرؒ کی طرف سے تو کبھی افتراق ہوا ہی نہیں تھا کہ ان کو اتحاد کی دعوت دی جائے، جن حضرات (بریلویوں) کی طرف سے افتراق ہوا تھا ان کو اتحاد کی دعوت و تلقین ہونی چاہئے۔

بہرحال اس ناکارہ کے خیال میں یہ بزرگ جو ''اِصلاحِ مفاہیم'' کی بنیاد پر ''دیوبندی بریلوی اتحاد'' کی دعوت لے کر اُٹھے ہیں، یہ بزرگ اپنی اس تحریک میں مخلص ہیں، تاہم ان کا موقف چند وجوہ سے درست نہیں، **والعلم عند اللہ!**

اوّل:... یہ کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں سالہا سال رہنے اور خلافت و اجازت کی خلعت سے سرفراز ہونے کے بعد ان کا کسی علوی مالکی سے رشتۂ عقیدت و بیعت استوار کرنا چہ معنی؟ کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے تھا، یہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے تعلق و وابستگی سے بے وفائی ہے۔

دوم:... ان حضرات نے جناب علوی مالکی صاحب کی حقیقت اور ان کے نظریات کی گہرائی کو نہیں سمجھا، اور یہ کہ ان صاحب کی شخصیت کی تکوین کن کے ہاتھ سے ہوئی؟ اگر ان حضرات کو علم ہوتا کہ یہ حضرت دراصل جناب مولانا احمد رضا خان کے خانوادہ کے ساختہ پرداختہ ہیں، تو مجھے یقین ہے کہ یہ حضرات ان صاحب کے حلقۂ عقیدت میں شامل نہ ہوتے، اور ان کے نظریات کی ترویج و تشہیر میں اپنی صلاحیتیں صرف نہ فرماتے۔

سوم:... ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے ذریعہ ان حضرات نے دیوبندی حلقہ کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف و نزاع کا جو میدانِ کارزار پون صدی سے گرم رہا ہے، اس میں غلطی اکابرِ دیوبند ہی کی تھی، اب یہ حضرات چاہتے ہیں کہ دیوبندیوں کو ان کی غلطی کا احساس دلاکر اس غلطی کی اصلاح پر آمادہ کیا جائے۔ دُوسری طرف بریلوی حضرات کی اصلاح کی کوشش نام کو بھی نہیں، گویا سارا قصور اکابرِ دیوبند کا تھا، اہلِ بدعت اپنے طرزِ عمل میں سراسر معصوم اور حق بجانب ہیں،

چنانچہ بریلوی حضرات اس کو اپنی فتح قرار دے رہے ہیں، اور رسائل میں اس کا برملا اظہار کرنے لگے ہیں، غور کیا جاسکتا ہے کہ اصلاح کی یہ یک طرفہ ٹریفک -خواہ وہ کتنے ہی جذبہ اخلاص پر مبنی ہو- کہاں تک مبنی برحق اور مثمرِ خیر ہوسکتی ہے؟

چہارم :... اصاغر کا کام اکابر کی اتباع و تقلید اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے، نہ کہ ان کی اصلاح! یہ ناکارہ اپنے اکابر کا کمترین نام لیوا ہے، اور اپنے اکابر کو اربابِ قوتِ قدسیہ سمجھتا ہے۔ دُوسرے لوگ برسوں کی جھک مارنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچیں گے، میرے یہ اکابرؒ اپنی فراست اور قوتِ قدسیہ کی برکت سے پہلے دن اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے، لیکن ''اِصلاحِ مفاہیم'' کی تحریک کی رُوح یہ ہے کہ ہمارے اکابرؒ نے غلطی کی تھی، اب ان کے اصاغر کو چاہئے کہ اپنے بڑوں کی غلطی کی اصلاح کریں،

إنا لله وإنا إليه راجعون!

پنجم ...ان حضرات نے یہ تو دیکھا کہ اگر دیوبندی، رَدِّ بدعات میں ذرا ڈھیلے ہوجائیں تو دونوں گروہوں کے درمیان اتفاق واتحاد کا خوشنما شیش محل تیار ہوسکتا ہے، مگر ان حضرات کی نظر اس طرف نہیں گئی کہ پھر تجدیدِ دین اور رَدِّ بدعات کا فرض کون انجام دے گا؟ اور سنت کے اسلحہ سے لیس ہوکر حریمِ دین کی پاسبانی کون کرے گا؟ پھر تو عرس، قوالی اور اس قسم کی چیزیں ہی دین کے بازار میں رہ جائیں گی، ولَا فعل الله ذالک!

ششم :...علوی مالکی نسبت ہی کا اثر ہے کہ یہ حضرات جلی یا خفی انداز سے تبلیغ کی مخالفت کرتے ہیں، اور لوگوں کو اس ''بیماری'' سے بچانے کے لئے فکرمند رہتے ہیں، حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہٗ تبلیغ کے ستونِ اعظم تھے، اور اہلِ تبلیغ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کی کتابوں اور آپ کی تعلیمات کو حرزِ جان بنائے ہوئے نقل و حرکت کر رہے ہیں، اگر علوی مالکی صاحب کی نسبت کے بجائے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کی نسبت کا رنگ غالب رہتا تو ان حضرات سے بڑھ کر تبلیغ کا کوئی مؤید نہ ہوتا۔

بہرحال یہ ناکارہ سمجھتا ہے کہ یہ حضرات اپنی جگہ مخلص ہیں، لیکن اس تحریک میں ان کی نظر سے کئی چیزیں اُوجھل ہوگئی ہیں، اور میں اب بھی توقع رکھتا ہوں کہ جلد یا بدیر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا۔

آپ کے لئے اس روسیاہ کا مشورہ یہ ہے کہ آپ، حضرت مولانا عزیزالرحمٰن صاحب کی بیعت میں بدستور شامل رہیں، اور ان کے بتائے ہوئے معمولات کو پوری پابندی سے بجالائیں، لیکن علوی مالکی نسبت کا رنگ قبول نہ کریں، بلکہ اپنے اکابر کے ذوق و مشرب پر رہیں، اگر مولانا موصوف آپ کو خود ہی اپنی بیعت سے خارج کردیں تو کسی دُوسرے بزرگ سے تعلق وابستہ کرلیں، اس کے بعد بھی مولانا موصوف کے حق میں ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی کا ارتکاب نہ کریں۔

بلاقصد جواب طویل ہوگیا، سمع خراشی پر معذرت چاہتا ہوں، اور کوئی لفظ آپ کے لئے یا آپ کے شیخ کے لئے ناگوار ہو تو اس پر بلاتکلف معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام!

محمد یوسف عفااللہ عنہ

۲۵/۱۲/۱۴۱۵ھ

ضمیمہ جات

ا:...قاضی مظہر حسین مدظلہٗ کے انکشافات

ماہنامہ ''حق چاریار'' کا عکس

''مکی مالکی کٹر بریلوی ہیں'':

مولانا محمد بن علوی مالکی موصوف کی تصانیف ''حول الإحتفال بالمولد النبوی الشریف'' اور زیرِ بحث کتاب ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ موصوف بریلوی مسلک کے عالم ہیں، یہی وجہ ہے کہ حول الاحتفال کا ترجمہ بھی ''میلادِ مصطفیٰ'' کے نام سے ایک بریلوی عالم نے لکھا ہے اور اس کتاب کی اشاعت بھی بریلوی مسلک والوں نے کی ہے۔ اسی طرح ان کی بعض دُوسری تصانیف کا ترجمہ بھی بریلوی علماء نے کیا ہے۔

۲:...لیکن بریلوی مسلک کے ماہنامہ ''جہانِ رضا'' فروری ۱۹۹۲ء کے مطالعہ سے تو اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ کٹر بریلوی عالم ہیں، چنانچہ اس شمارہ کے ص:۲۶ پر حسبِ ذیل عنوان سے مولانا مکی مالکی کے حالات بیان کئے گئے ہیں:

''خانوادۂ بریلی کا ایک عرب مفکر''
فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر محمد علوی الحسنی المالکی مدظلہٗ
از جناب مفتی محمد خان صاحب قادری مدظلہ العالی

آپ کا اسمِ گرامی محمد، والد کا نام علوی اور دادا کا نام عباس ہے، آپ کا تعلق خاندانِ سادات سے ہے، سلسلۂ نسب ۲۷ واسطوں سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ مسلکاً مالکی اور مشرباً قادری ہیں، کیونکہ آپ کے دادا اور والد گرامی دونوں شہزادہ اعلیٰ حضرت اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا تھے، اور آپ خلیفہ اعلیٰ حضرت خطیبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے ہیں، وہیں پرورش پائی، مسجد حرام مدرسۃ الفلاح اور مدرسہ تحفیظ القرآن الکریم سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت قدآور شخصیت کے مالک ہیں۔


بیادِ امام اہلِ سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز
بانیٔ مجلس تنظیم اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ
ماہنامہ
جہانِ رضا
لاہور

بارگاہ رضویت سے عقیدت علامہ سید محمد علوی مالکی کی اپنے علم و فضل کو نورانیت دینے کے لئے بارگاہ رضویت سے اپنا حصہ لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کو اسلاف کرام کی شان میں انگشت نمائی اور زبان درازی کرنے والوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں اور انہیں ان کی غلط حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش بھی فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے علم و فضل کے بڑے مداح ہیں۔ بیعت غالباً اپنے والد بزرگوار سے ہیں۔ حضور مفتی اعظم علامہ مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ تیسری بار جب حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے وہاں بہت سے علماء و مشائخ کو خلافت اجازت نے نوازا وہیں علامہ سید محمد علوی مالکی کو بھی تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی سے عقیدت مولانا غلام مصطفیٰ مدرس شرف العلوم (ڈھاکہ) حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں حضرت مولانا مفتی سعد اللہ مکی سے ملاقات کی مفتی سعد اللہ مکی کے ایماء پر ان کا وفد علامہ سید محمد علوی مالکی سے ملاقات کے لئے گیا دوران ملاقات مولانا غلام مصطفیٰ نے کہا ہم اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اتنا سنتے ہی علامہ مالکی سروقد اٹھ کھڑے ہوئے اور فرداً فرداً سبھی لوگوں سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا اور بے حد تعظیم کی شربت پلایا گیا، قہوہ پیش کیا گیا انہوں نے اپنی پوری توجہ مولانا غلام مصطفیٰ اور ان کے ہمراہیوں کی جانب فرما دی اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا "سیدی علامہ مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کو ہم ان کی تصنیفات اور تعلیقات کے ذریعے جانتے ہیں۔ وہ اہلسنت کے علامہ تھے۔ ان سے محبت کرنا سنی ہونے کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا اہل بدعت کی نشانی ہے" ۱

مولانا ضیاء الدین قادری سے تعلق:

خود مولانا مالکی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جن لوگوں سے میں نے سندِ حدیث حاصل کی ہے، ان میں سے ایک معمر ترین بزرگ جن کی عمر سو سال سے زائد ہے، مولانا ضیاء الدین قادری ہیں، ان کی سند نہایت اعلیٰ و افضل ہے، انہوں نے جن بزرگوں سے روایت کی ہے ان میں سے ہندوستان کی مشہور شخصیت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ ہے، جو شیخ زینی دحلان مفتی مکہ کے ہم عصر ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کی کتاب "الطالع السعید" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ (ص:۲۷)

یہ مولانا ضیاء الدین صاحب قادری جو مولانا احمد رضا خان کے شاگرد و مرید ہیں، وہی ہیں جن کے مکی مالکی صاحب خلیفہ ہیں۔

فنِ حدیث میں ڈاکٹریٹ:

آپ نے جامعہ ازہر مصر میں فنِ حدیث اور اُصولِ حدیث کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی۔ (ایضاً ص:۲۷)

آپ نے مختلف تعلیمی، تدریسی، تربیتی اور انتظامی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ تیس سے زائد کتب تصنیف کی ہیں، جو عالم اسلام کے لئے رہتی دُنیا تک رہنمائی کا کام دیں گی۔ (ایضاً ص:۳۰)

نمبر:۹... حول الإحتفال بالمولد النبوی الشریف، جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر لاجواب کتاب ہے۔ (ایضاً ص:۳۲)

نمبر:۲۲... مفاهيم يجب ان تصحح الذخائر المحمديه، پر لوگوں نے جو اعتراض وارد کر کے غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی، ان کا جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ (ایضاً ص:۳۵)

بارگاہِ رضویت سے عقیدت: علامہ سید محمد علوی مالکی مکی اپنے علم وفضل کو نورانیت دینے کے لئے بارگاہِ رضویت سے اپنا حصہ لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ اسلاف کرام کی شان میں انگشت نمائی اور زبان درازی کرنے والوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں اور انہیں ان کی غلط حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش بھی فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے علم وفضل کے بڑے مداح ہیں۔

بیعت غالباً اپنے والد بزرگوار سے ہیں، حضور مفتی اعظم علامہ مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ تیسری بار جب حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے وہاں بہت سے علماء ومشائخ کو خلافت اجازت سے نوازا وہیں علامہ سید محمد علوی مالکی کو بھی تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی۔ (ایضاً ص:۴۱)

نوٹ: یہ مولانا غلام مصطفیٰ رضا بریلوی، لڑکے ہیں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی سے عقیدت: مولانا غلام مصطفیٰ مدرس شرف العلوم (ڈھاکہ) حج و زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں حضرت مولانا مفتی سعد اللہ مکی سے ملاقات کی، مفتی سعد اللہ مکی کے ایما پر ان کا وفد علامہ سید محمد علوی مالکی سے ملاقات کے لئے گیا، دورانِ ملاقات مولانا غلام مصطفیٰ نے کہا ہم اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، اتنا سنتے ہی علامہ مالکی سروقد اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرداً فرداً سبھی لوگوں سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا اور بے حد تعظیم کی، شربت پلایا گیا، قہوہ پیش کیا گیا، انہوں نے اپنی پوری توجہ مولانا غلام مصطفیٰ اور ان کے ہمراہیوں کی جانب فرمادی اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا: ''سیدی علامہ مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کو ہم ان کی تصنیفات اور تعلیقات کے ذریعہ جانتے ہیں، وہ اہلسنّت کے علامہ تھے، ان سے محبت کرنا سنی ہونے کی علامت اور ان سے بغض رکھنا اہل بدعت کی نشانی ہے۔'' (ایضاً ص:۴۱)

تبصرہ

مندرجہ بالا حالات و واقعات سے واقف ہونے کے بعد تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ مولانا مکی مالکی جو فنافی البریلویت ہیں، آپ کو مولانا ضیاء الدین صاحب قادری کے علاوہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے لڑکے مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب سے بھی اجازت و خلافت حاصل ہے، اور آپ اس حد تک مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے عقیدت مند ہیں کہ ان کو اہلِ حق و اہلِ باطل اور

اہلِ سنت واہلِ بدعت کے لئے معیارِ حق قرار دیتے ہیں، اور غیرمبہم الفاظ میں کہتے ہیں کہ:

"ان سے محبت کرنا سنی ہونے کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا اہلِ بدعت کی نشانی ہے۔"

۲:...مولانا احمد رضا خان بریلوی کی علمِ غیب کے موضوع پر تصنیف "الدولة المكية بالمادة الغيبية" (عربی طبع جدید ۱۹۸۷ء) کے افتتاحیہ میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

"امام احمد رضا کی محبوبیت اور مرجعیت کا جو اس وقت عالم تھا اس کے کچھ آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔

آیئے مولانا غلام مصطفیٰ (مدرس مدرسہ عربیہ شرف العلوم راجشاہی بنگلہ دیش) کی زبانی سنئے:

"۱۳۷۲ء میں حج بیت اللہ شریف کے موقع پر چند رفیقوں کے ساتھ مولانا سید محمد علوی (مکہ معظمہ) کے در دولت پر حاضر ہوئے، جب اپنا تعارف ان الفاظ سے کرایا نحن تلاميذ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمة الله عليه (غلام مصطفیٰ، سفرنامہ حرمین شریفین، بنگلہ دیش مطبوعہ ۱۹۶۰ء ص:٦٦) تو سید محمد علوی سروقد کھڑے ہوگئے اور ایک ایک سے معانقہ ومصافحہ کیا اور پھر فرمایا:

"نحن نعرف تصنيفاته وتأليفاته فحبه علامة السنة وبغضه علامة البدعة."

ہم امام احمد رضا خان کو ان کی تصانیف اور تالیفات کے ذریعہ جانتے ہیں، ان سے محبت سنت کی علامت ہے، اور ان سے عناد بدعت کی نشانی ہے۔" (ایضاً ص:۳۲)

اکابرِ دیوبند، مولانا احمد رضا خان کی نظر میں

یہ حقیقت کسی اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنی کتاب "حسام الحرمین" میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، مؤلف "بذل المجهود" شرح ابی داؤد ومؤلف "براہینِ قاطعہ" حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، رحمہم اللہ، پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ چونکہ اکابر کی عبارتوں میں قطع و برید کرکے تکفیر کی مہم چلائی گئی تھی، اس لئے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے جواب میں "الشہاب الثاقب" لکھی، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علمائے دیوبند نے ان کے ردّ میں کتابیں لکھیں۔ "حسام الحرمین" کے تکفیری فتووں کی بنا پر ہی علمائے حرمین شریفین نے اکابر علمائے دیوبند کو ۲۶ سوالات بھیجے جن کے جوابات حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے لکھے، جن پر اس وقت کے اکابرِ دیوبند اور علمائے حرمین شریفین نے اپنی تصدیقات لکھی ہیں، ہم دیوبندی بریلوی محاذ آرائی نہیں چاہتے اور نہ ہی ہماری یہ بحث بریلوی علماء سے ہے۔

اس وقت ہماری بحث خصوصی طور پر جناب صوفی محمد اقبال صاحب (مقیم مدینہ منورہ)، مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی سے ہے، جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین اور خلفاء میں سے ہیں،

کیونکہ ان حضرات نے مولانا مکی مالکی کی کتاب مفاہیم کا اُردو ترجمہ ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے نام سے شائع کیا ہے، اور جناب صوفی محمد اقبال صاحب موصوف نے مولانا احمد عبدالرحمٰن صاحب صدیقی (نوشہرہ) کے نام بعنوان ''اُردو ترجمہ شائع کرنے کا مقصد'' اس کتاب کی مکمل تائید کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''زیرِ نظر کتاب ''المفاہیم'' کے اُردو ترجمہ میں فیصلہ ہفت مسئلہ اور المہند والے ہی مسائل کو علمی دلائل کے ساتھ خوب واضح کیا گیا ہے، جس کو عرب و عجم میں فریقین کے جید علمائے کرام نے خوب سراہا ہے۔''

(ص:۱۲)

اور مولانا عزیزالرحمٰن صاحب خطیب جامع مسجد صدیق اکبر، چوہڑ (راولپنڈی) نے بھی اپنی تقریظ میں لکھا ہے:

''ہم نے فضیلۃ العلامۃ الجلیل السید محمد بن العلوی المالکی الحسنی المکی دامت برکاتہم کی کتاب ''مفاهیم یجب ان تصحح'' کا مطالعہ کیا، ہم نے اس کو ماشاء اللہ ایسی تحقیقی کتاب پایا جس میں انہوں نے مختلف انواع کے فوائد کو علماء کے وقار اور حکماء کے انداز کا التزام کرتے ہوئے عمدہ انداز میں جمع کیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیرًا کثیرًا! اور ہم نے دیکھا کہ جو کچھ اس میں ہے وہ مکمل طور پر متقدمین و متأخرین جمہور اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے......الخ۔''

(ص:۲۱)

حالانکہ انہوں نے جو نظریات عرس، انعقادِ محفلِ میلاد اور روحِ نبوی کا ان مجالسِ مولود میں حاضر ہونے وغیرہ کے پیش کئے ہیں، ان کے ردّ میں اکابر علمائے دیوبند کتابیں شائع کرچکے ہیں، تو کیا مولانا عزیزالرحمٰن صاحب کے نزدیک یہ اکابر علمائے دیوبند، جمہور اہلِ سنت والجماعت میں شامل نہیں ہیں۔

۲:... مولانا مکی مالکی نے مولانا احمد رضا خان صاحب کی محبت کو اہلِ سنت کی، اور ان کے ساتھ بغض کو اہلِ بدعت کی نشانی قرار دیا ہے، ان کے نزدیک مولانا احمد رضا خان صاحب معیارِ حق ہیں اور مولانا احمد رضا صاحب اکابرِ دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں۔

قولِ فیصل

ہم دیوبندی، بریلوی تنازع بڑھانا نہیں چاہتے، لیکن جب کوئی مسئلہ درپیش آئے گا تو اس کو ہم اکابر علمائے دیوبند کی تحقیق کے مطابق حل کریں گے۔ ہم ان حضراتِ اکابر علمائے دیوبند کو، حضرات خاندان ولی اللّٰہی کے بعد مذہباً اہلِ سنت والجماعت کا ترجمان اور وارث تسلیم کرتے ہیں۔ اب آپ حضرات دو کشتیوں میں پاؤں نہ لٹکائیں، حق واضح ہے، ہم آپ حضرات کو اس وقت تک سابق دیوبندی قرار دیتے رہیں گے جب تک کہ آپ مولانا مکی مالکی موصوف کی کتاب ''المفاہیم'' اور ''حول الإحتفال بالمولد النبوی الشریف'' سے صاف طور پر براءت کا اعلان نہیں کرتے، وما علینا إلّا البلاغ!

خادمِ اہلِ سنت مظہر حسین غفرلہٗ
۲۶رشعبان ۱۴۱۵ھ۔''

۲:... فضیلة الشیخ ملک عبدالحفیظ مکی کا خط:

''مخدوم مکرم و محترم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، رزقکم اللہ وایانا محبتہ ورضوانہ، آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وبعد!

کچھ دنوں قبل لندن پہنچا تھا، وہاں کچھ دوستوں نے رسالہ ''بینات'' محرم الحرام ۱۴۱۶ھ کا دکھایا، جس میں آں مخدوم کا مضمون بعنوان'' کچھ اِصلاحِ مفاہیم کے بارے میں'' دیکھا پڑھا، اس کتاب اور اس کے مصنف سے متعلق کافی کچھ معلومات چونکہ اس سیاہ کار کے ذہن میں ہیں، آنجناب کا مضمون چونکہ کئی جگہ ایسا رُخ اختیار کرگیا ہے جو نہیں ہونا چاہئے تھا (اس سیاہ کار کے خیال میں)، اور وجہ اس کی بظاہر صحیح معلومات کی عدم دستیابی ہے۔ اس لئے خیر خواہی کے طور پر یہ سوچا کہ آں مخدوم کی وسیع النظری اور وسعتِ صدری و کریمانہ اخلاق سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ضرور یہ چیزیں خدمتِ عالی میں عرض کردوں، ویسے یہ سیاہ کار بھی ہمیشہ یہی کوشش کرتا رہا ہے کہ جھگڑوں میں نہ پڑے اور جو آپ نے اس بارے میں فرمایا ہے، آج کل کے حالات کے بارے میں پورا پورا اس کا مؤید ہے۔ مگر یہاں چونکہ مشکل یہ پڑگئی کہ بظاہر یہ معلومات شاید کسی اور ذریعہ سے آں مخدوم تک نہ پہنچ سکتیں اس لئے جلدی میں بے ترتیبی سے ہی سہی چند ملاحظات نمبروار عرض کروں گا۔ آنجناب اپنی عالی حوصلگی وقوی استعداد سے اِن شاء اللہ خود ہی اس کا منشا و مقصد حاصل کرلیں گے۔

۱:... آں مخدوم نے کئی جگہ پہلے دُوسرے اور تیسرے خط میں یہ اظہار فرمایا ہے کہ (جن حضرات نے اس پر تقریظات ثبت فرمائی ہیں، اس ناکارہ کا احساس ہے کہ انہوں نے بے پڑھے مؤلف کے ساتھ حسنِ ظن کی وجہ سے لکھ دی ہیں..... الخ) حالانکہ یہ بات واقعہ کے بالکل خلاف ہے، چونکہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مدظلہ العالی کے بارے میں بھی اس سیاہ کار کو یہ اندازہ ہوا تھا کہ ان کو بھی بعض لوگوں نے اس کے خلاف مختلف انداز سے اُبھارا اور یہی تأثر دیا تو انہوں نے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کے خلاف باقاعدہ بعض حضرات کو خط لکھا، جس کا اس سیاہ کار کو بہت افسوس ہوا۔ مگر حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب کو اس سیاہ کار نے معذور جانا کہ انہیں صحیح معلومات نہیں تھیں اور لوگوں نے غلط انداز سے بھڑکایا، لہٰذا حضرت کی خدمت میں اس سیاہ کار نے اس بارے میں مفصل عریضہ تحریر کیا، جس کی ایک فوٹو اسٹیٹ اس عریضے کے ساتھ ارسال ہے، آں مخدوم سے گزارش ہے کہ اس عریضے کو ضرور اہتمام سے پڑھ لیں، تاکہ تقریظات کے بارے میں حقیقتِ حال واضح ہوجائے۔

۲:... پہلے خط میں جو آنجناب نے اخیر میں لکھا ہے کہ (اگر کسی نے پڑھا ہے تو اس کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں، نہ ہمارے اکابر کے مسلک کو صحیح طور پر ہضم کیا ہے بلکہ اس ناکارہ کو یہاں تک ''حسنِ ظن'' ہے کہ بہت سے دُوسرے حضرات نے کتاب کے نام کا مفہوم بھی نہیں سمجھا ہوگا..... الخ) یہ سب کچھ آں مخدوم نے لکھ دیا۔ یاللعجب۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ مقرظین میں حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی، حضرت مولانا سید حامد میاں، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہم العالی جیسے حضرات ہیں۔ یہ سیاہ کار اس پر کیا تبصرے کرے...؟ بہرحال آنجناب جو کہ

مجسمہ تواضع ہیں، طبیعتِ مبارکہ کے لحاظ سے ایسے جملے ایسے حضرات کے بارے میں باعثِ حیرت و تعجب ہیں، اس لئے یہ شبہ پڑتا ہے کہ کسی نے آنجناب کو بھی اس بارے میں گرما نہ دیا ہو، ورنہ ایسے کیوں لکھا جاتا؟ واللہ اعلم! لندن میں ایک صاحبِ علم و تحقیق نے آں مخدوم کا مضمون پڑھ کر از خود اس سیاہ کار سے فرمایا مسکراتے ہوئے (ایسا لگتا ہے کہ کسی نے حضرت مولانا لدھیانوی کو بھڑکایا اور ان سے یہ مضمون لکھوایا ہے) واللہ اعلم!

۳:... آں مخدوم نے دُوسرے خط کے دُوسرے صفحہ پر ''اکابر کا مسلک و مشرب'' کا ذکر بھی فرمایا ہے، اس رسالے کا تازہ ایڈیشن بھی یہ سیاہ کار بھجوار ہا ہے، جس میں اس ناکارہ کا مفصل مقدمہ بھی ہے، اور وہ اسی غرض سے ارسال ہے کہ جیسے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب کی خدمت میں بھی عرض کیا ہے، اسی طرح آں مخدوم کی خدمت میں بھی عرض ہے کہ اسے بغور و اہتمام سے ملاحظہ فرمایا جائے اور مقدمہ یا اصل رسالہ میں جو اصلاحات آپ تجویز فرماویں گے، اِن شاء اللہ ان پر عمل کیا جائے گا، بشرطیکہ مقصودِ رسالہ کے خلاف نہ ہو۔ یہ بات حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سے بھی طے ہوچکی ہے، وہ بھی بالکل تیار ہیں کہ جو اصلاح و ردّ و بدل فرماویں گے اِن شاء اللہ کر دیا جائے گا، بشرطیکہ رسالہ کا مقصد فوت نہ ہو، اس سے متعلق اصلاحات کے بارے میں چاہے اس سیاہ کار کو مطلع فرمادیا جائے اور چاہے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کو راولپنڈی۔

۴:... آں مخدوم نے دُوسرے اور تیسرے خط میں حضرت صوفی محمد اقبال صاحب کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ سید علوی مالکی سے بیعت ہوگئے ہیں، تو اس بارے میں عرض ہے کہ اس سیاہ کار کے علم کے مطابق تو سید محمد علوی مالکی کسی کو بیعت ہی نہیں کرتے۔ اس سیاہ کار نے ایک دفعہ صراحتاً ان سے پوچھا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ: میں کسی کو بیعت نہیں کرتا، البتہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت صوفی صاحب کو سلسلہ شاذلیہ میں اجازت و خلافت دی ہے، اور یہ آنجناب کے علم میں ہوگا کہ حضرت صوفی صاحب کو کئی مشائخ نے حضرت کے بعد اجازت مرحمت فرمائی، اس سیاہ کار کے علم کے مطابق ان میں حضرت مولانا محمد میاں، حضرت مولانا فقیر محمد اور ایک نقشبندی بزرگ جو کہ غالباً ڈیرہ غازی خان میں تھے، اسی طرح ایک اور جگہ سے بھی غالباً ہوئی ہے، اور تصوف کے لحاظ سے اس میں بظاہر کوئی حرج بھی نہیں، جیسا کہ خود آں مخدوم کو حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہٗ نے اجازت مرحمت فرمائی، اسی طرح اور حضرات کو کئی اور حضرات نے۔

۵:... حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے ایک مرید نے آں مخدوم کو جو خط لکھا، اس میں انہوں نے نوٹ دیا کہ: ''یہ حضرات تبلیغی جماعت کے خلاف بھی ذہن بناتے ہیں، اس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے'' اور اس کو من و عن آں مخدوم نے مان کر یہ بھی بے چارے سید محمد علوی مالکی کے کھاتے میں ڈال دیا، حالانکہ اس سیاہ کار کے یقینی علم کے مطابق سید محمد علوی مالکی تبلیغی کام اور تبلیغی اکابرین سے قلبی تعلق رکھتے ہیں، اور خود وہ سعودی حضرات مکہ مکرمہ، جدہ و مدینہ منورہ والے جو پختگی سے تبلیغی کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ ہمیشہ ان کی مجلس میں پابندی و اہتمام سے آتے ہیں، بلکہ سید محمد علوی صاحب کے ہاں سبقاً سبقاً اور درساً درساً ''حیاۃ الصحابہ'' پڑھائی جاتی ہے، جسے سید صاحب طلبہ کو خود پڑھاتے ہیں۔

بہر حال حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم العالی کے متعلق یہ الزام کہ وہ تبلیغ کے خلاف ذہن بناتے ہیں، اس سیاہ کار

کے خیال میں غلط فہمی پر مبنی ہے۔ چونکہ رائے ونڈ والوں نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے انتقال کے فوراً بعد تبلیغی نصاب سے ''فضائلِ درود شریف'' کو نکال دیا تھا، اور جب ان کا محاسبہ کیا گیا تو ان میں سے ایک صاحب نے غلط بیانیوں سے پُر ایک خط لکھا، جس کے جواب میں ان کی غلط بیانیاں واضح کی گئیں اور یہ کہ یہ کام تبلیغی اُصول کے بھی خلاف ہے.....الخ۔ چونکہ ایسے عناصر کی مخالفت ہوگئی ہوگی، اس لئے اس مرید نے یہ سمجھ لیا کہ نعوذ باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ نے نفسِ تبلیغی کام کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ یہ سیاہ کار جانتا ہے کہ حضرت مولانا کے کتنے ہی مریدین اگر کہا جائے کہ ان کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مریدین تبلیغی جماعت میں اہتمام سے لگے ہوئے ہیں اور حضرت مولانا خود ان کا تعارف کئی بار اس سیاہ کار سے کرواچکے ہیں، کئی ان میں سے اپنے اپنے محلوں اور علاقوں کے امیر و ذمہ دار ہیں۔ یہ سیاہ کار یہ سب چیزیں خود دیکھ چکا ہے تو کیسے یقین کرلیا جائے اس الزام کا؟ ہاں! البتہ وہ بات برحق ہے کہ بعض ایسے افراد و عناصر کی ضرور مخالفت کرتے ہوں گے اور کی ہوگی جنھوں نے فضائلِ درود شریف نکالا یا اور کوئی بے اُصولی کی ہو، اور اس طرح کی تنقید و افراد کی مخالفت، جماعت کی مخالفت تو نہیں ہوتی، **وحاشا ان یکون ذالک!** اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب تو حضرت شیخ قدس سرہٗ کے عاشقِ صادق ہیں، ان سے کیسے ایسی توقع کی جاسکتی ہے؟ **نعوذ باللہ!**

۶:... آخری اور اہم بات یہ کہ آنجناب نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کے ''حق چار یار'' میں مضمون کی وجہ سے یہ طے کرلیا کہ ''سید محمد علوی مالکی دراصل بریلوی عقیدہ کے حامل اور فاضل بریلوی جناب مولانا احمد رضا خان مرحوم کے بیک واسطہ خلیفہ ہیں'' اھ۔

اس بارے میں یہ سیاہ کار اپنی معلومات آں مخدوم کی خدمت میں بھی اور آپ کے توسط سے حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں بھی پیش کرنا چاہتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں (پھر اس کے بعد اِن شاء اللہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ حوالہ جات و دلائل پر بھی کچھ عرض کروں گا):

عرض ہے کہ سید محمد علوی مالکی جن کی پیدائش غالباً ۱۳۶۴ھ یا ۱۳۶۵ھ کی ہے، مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے، سادات حسنی خاندان ہے، دسیوں پشتوں سے ان کے ہاں علم کا سلسلہ چلا آرہا ہے، علمی لحاظ سے نہایت وجیہ خاندان ہے، ان کے والد سید علوی بن عباس مالکی مرحوم کے ہمارے تمام اکابر سے تعلقات تھے، اور ہمارے اکابر کے بہت زیادہ مداح تھے۔ بچپن سے یہ سیاہ کار خود دیکھ رہا ہے کہ مدرسہ صولتیہ میں ان کا ہمیشہ آنا جانا رہتا تھا، ہمارے آقا حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں جب تک حیات رہے ہمیشہ بہت ہی محبت و تعلق سے آتے رہے، طرفین سے عجیب مودت و محبت کا معاملہ ہوتا، مرحوم سید علوی صاحب کی طرف سے بہت ہی زیادہ حضرت کا اکرام ہوتا، بالکل حضرت کے شایانِ شان۔ اسی طرح حضرت مولانا خیر محمد صاحب بہاولپوری مکی کے ہاں بھی ان سید علوی مالکی صاحب کی ہمیشہ آمد و رفت رہتی تھی، حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب کا ان کے ہاں ہمیشہ جانا اور ان کا بہت اہتمام سے ان کے ہاں آنا۔ ایک دفعہ یہ سیہ کار بھی حضرت مولانا کے ساتھ سید صاحب مرحوم کے ہاں تھا تو سید صاحب نے حضرت مولانا سعید صاحب کے بہت محبت سے ہاتھ پکڑے اور سب لوگوں کو (حاضرین کو) مخاطب کرکے فرمایا: **''اشھدوا انی احب ھذا الرجل!''** کئی بار جوش و جذبہ میں یہ جملے دُہرائے۔ اسی طرح جو بھی اپنے اکابر ہندو پاک سے مکہ مکرمہ جاتے سب ہی سے تعلق و محبت کا معاملہ

فرماتے، اسی وجہ سے جب ان کے بیٹے یہ سید محمد علوی مالکی مصنف ''مفاہیم''، تعلیم سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے ان کو دارالعلوم دیوبند تکمیلِ تعلیم کے لئے بھیجا اور جیسا کہ سید محمد علوی صاحب نے اس سیاہ کار کو خود سنایا کہ وہ چھ ماہ تک دارالعلوم دیوبند میں مقیم حضرت مولانا معراج الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مہمانی و نگرانی میں رہے اور سب اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب اور حضرت مولانا فخرالحسن وغیرہ سے استفادہ کیا، مگر وہاں طبیعت سخت خراب ہوگئی جس کی وجہ سے رہنا مشکل ہوگیا اور مجبوراً حسرت سے رخصت لے کر پاکستان سے ہوتے ہوئے واپس مکہ مکرمہ چلے گئے اور پھر جامعہ الازہر سے پی ایچ ڈی کیا۔

خود ان سید محمد علوی مالکی کا حال یہ ہے کہ بہت محبت سے اپنے دارالعلوم دیوبند کے قیام کے قصے سناتے ہیں، بلکہ جب رابطہ کی طرف سے ندوۃ العلماء کے پچاس سالہ جشن میں گئے تو اس کے بعد خاص طور سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم وہاں کے اکابر سے ملنے و استفادہ کرنے کے لئے گئے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب اور حضرت بنوری قدس سرہٗ سے بہت زیادہ تعلق تھا اور ہے، ہمیشہ ان کے تذکرے کرتے ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب نے اپنی تقریظ میں اس تعلق کا حوالہ بھی دیا ہے، جب حضرت بنوریؒ ختم نبوت کی تحریک سے قبل حرمین شریفین آئے تو اس وقت اس سیاہ کار نے خود دیکھا کہ مدینہ منورہ میں کئی روز تک لگاتار سید محمد علوی مالکی بڑے اہتمام سے حضرت بنوری قدس سرہٗ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

اسی طرح جتنے بھی اکابر علمائے دیوبند ہند و پاک سے حرمین میں آتے، سید محمد علوی کا معمول ہے کہ ان کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ رہا ہمارے حضرت شیخ کے ساتھ ان کا تعلق، تو وہ بیان سے باہر ہے، ہمیشہ اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد سے حضرت شیخ کو اپنے والد کی جگہ جاننا، بلکہ ''ابی'' کہہ کے ہی مخاطب کرتے، جب بھی حضرت کی خدمت میں آتے (اور اکثر آتے ہی رہتے تھے) ہمیشہ پہلے حضرت شیخ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیتے، پھر کبھی کندھے کو بوسہ دیتے، پھر ماتھے پر بوسہ دیتے، پھر کبھی گھٹنوں کو اور کبھی پاؤں کو بھی بوسے دے دیتے، اور حضرت اس پر محبت و شفقت سے ان کو لپٹا لیتے، حضرت شیخ ان سے بہت بے تکلف رہتے اور مزاح بھی فرماتے، بالکل جیسے اپنے خواص کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے تقریباً تمامی خدام اس بات کو جانتے ہیں کہ حضرت نے ہمیشہ سید محمد علوی مالکی کے ساتھ باپ کی طرح معاملہ فرمایا اور انہوں نے بیٹے کی طرح۔ حضرت ہی کی نسبت سے انہیں اس سیاہ کار اور دیگر حضرات کے خدام و متعلقین سے نہایت زیادہ اُنس و محبت ہے، ان کے اسباق میں ہمیشہ موقع بموقع اکابر علمائے حرمین و سلف صالحین کے ساتھ ساتھ ہمارے اکابر کا بھی تذکرہ آتا رہتا ہے، اسی ذیل میں ایک واقعہ سناتا جاؤں کہ کئی سال قبل مولانا سید عبدالقادر آزاد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ: سید محمد علوی مالکی صاحب سے وقت لے لیں، ہم نے ملاقات کرنی ہے اور چونکہ وقت تھوڑا ہے، اس لئے مختصر ملاقات ہوگی۔ میں نے وقت لے لیا مغرب سے عشاء تک، یہ حضرات یعنی مولانا آزاد صاحب اور ان کے ساتھی مولانا حنیف جالندھری، مولانا عبدالقوی ملتان اور مولانا ضیاء القاسمی عین مغرب کے قریب آئے، چائے کے بعد مولانا ضیاء القاسمی صاحب نے فرمایا کہ: آزاد صاحب فرما رہے ہیں کہ سید محمد علوی سے ملنے جانا ہے، اور میرا دل تو نہیں چاہ رہا چونکہ سنا ہے کہ وہ بریلوی ہے، اس کے ہاں مولود ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ: بریلوی دیوبندی جھگڑا ہند و پاک کا ہے! ایک بات یاد رکھیں کہ عرب نہ کوئی

پکا دیوبندی ہوتا ہے نہ بریلوی، البتہ اگر آپ مولود شریف کی مجلس ان کے ہاں ہونے کی وجہ سے انہیں بریلوی کہتے ہیں یا جس نے آپ کو بتایا ہے تو یہ بڑی مشکل پڑ جائے گی کیونکہ مولود تو عربوں میں عام ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بھی ان میں شریک ہوتے ہیں، شیخ محمد علی صابونی جن کی کتابیں مختصر تفسیر وغیرہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھائی جاتی ہیں، ان کے ہاں بھی مولود ہوتا ہے، اور شیخ زینی دحلان و شیخ سید برزنجی جن کی اسانیدِ حدیث ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے لی ہیں، ان کے ہاں بھی ہوتا تھا اور خود سید الطائفہ مکہ مکرمہ میں شرکت فرماتے تھے اور خود حضرت امام ربانی گنگوہی قدس سرہٗ کو مکہ مکرمہ کے مولود پر اشکال نہیں تھا، ہندوستان میں وہاں کے حالات کی وجہ سے منع فرمایا تھا..... الخ۔ اس طرح کی بات کی اور یہ صاف کہہ دیا کہ دیکھئے! بہر حال سید محمد علوی مالکی میری معلوماتِ یقینیہ کے مطابق بریلوی تو قطعاً نہیں ہیں، البتہ کٹر دیوبندی بھی نہیں ہیں، البتہ انہیں ہمارے حضراتِ اکابر و اصاغر سے خوب تعلق ہے، اگر شرحِ صدر سے جانا چاہیں تو بسم اللہ، ورنہ میں فون کرکے معذرت کرلیتا ہوں کہ یہ حضرات نہیں آرہے۔ انہوں نے آخر طے کیا کہ نہیں، چلتے ہیں، چلنے میں کیا حرج ہے؟ لہٰذا گئے، وہاں پہنچے مغرب کو تقریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا، سید محمد علوی صاحب ہمارے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے طلبہ کو درس دے رہے تھے، غالباً حدیث شریف ہی کا درس تھا، ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے اعلان کردیا کہ سبق ختم، چونکہ مہمان حضرات آگئے ہیں، طلبہ نے جو کہ تیس چالیس غالباً ہوں گے، تپائیاں اُٹھانی شروع کردیں۔

اور ہم لوگوں نے آگے بڑھ کر باری باری مصافحہ شروع کیا، سب سے پہلے سید عبدالقادر آزاد صاحب کا تعارف ہوا، پھر مولانا محمد حنیف جالندھری کا، جس پر خیرالمدارس کا بھی تذکرہ آیا اور ساتھ حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور حضرت اقدس تھانوی کا بھی، پھر اخیر میں مولانا ضیاء القاسمی صاحب نے مصافحہ کیا، جب اس سیاہ کار نے ان کا نام بتایا تو سید صاحب نے فرمایا: ”القاسمی نسبة الیٰ من؟“ تو عرض کیا گیا کہ: ”الیٰ قاسم العلوم مدرسة فی ملتان“ تو سید صاحب نے فرمایا: ”والمدرسة نسبة الی الشیخ محمد قاسم النانوتوی الیس ھٰکذا؟“ تو ہم نے کہا کہ: ”نعم!“ تو جھٹ سید صاحب نے اپنے ایک شاگرد کو جو تپائی اُٹھا رہا تھا پوچھا: ”تذکر الشیخ محمد قاسم النانوتوی این ذکرناہ الیوم فی الدرس؟“ تو طالب علم نے تپائی دُوسرے کو پکڑا کر کہا کہ: ”نعم....“ اور پھر تفصیل بتائی کہ فلاں مسئلہ چھڑا تھا تو آپ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی رائے بتائی تھی اور اس پر اعتراض اور پھر اس اعتراض کا جواب۔ یہ ساری بات ہو رہی تھی اور سید صاحب نے مولانا قاسمی کا ہاتھ محبت سے پکڑا ہوا تھا چھوڑا نہیں، سید صاحب نے پوچھا طالب علم سے کہ اور کن علماء و مشائخِ ہند کا ہم نے اس بحث میں تذکرہ کیا؟ تو انہوں نے حضرت انور شاہ صاحبؒ اور حضرت بنوریؒ کا بھی نام لیا تو اس پر پھڑک کر مولانا ضیاء القاسمی نے اپنے انداز میں ہاتھ لہرا کر فرمایا: ”واہ قاسم نانوتویؒ! تیرے ڈنکے مکے تے مدینے!“

سید صاحب نے قاسمی صاحب کا جوش دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ کیا کہا انہوں نے؟ تو میں نے ٹالا کہ ”انہوں نے خوشی کا اظہار کیا ہے!“ تو سید صاحب اَڑ گئے کہ انہیں ان کے جوش والے جملے کا لفظی ترجمہ کرکے بتائیں، تو اس سیاہ کار نے اس کا حرفاً حرفاً ترجمہ کردیا، تو اس پر سید صاحب سنجیدہ ہوگئے اور جوش میں فرمایا کہ: ”نعم! کیف لَا ھو الْامام الکبیر المجاھد العظیم الذی جمع بین العلم والعمل والجھاد والرد علی النصاریٰ والھندوس ..... الخ۔“ بہت کچھ تقریباً دو چار منٹ حضرت

نانوتوی قدس سرہٗ کی ہی سیرتِ مبارکہ، ان کے کارنامے، ان کے علوم و معارف کو ہی بیان کرتے رہے، جس کا ردّ عمل یہ ہوا کہ جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا ضیاء القاسمی مصر ہوئے کہ سید صاحب انہیں کوئی ہدیہ دیں اور انہوں نے اپنے سبز ردا جو کندھوں پر تھا (غالباً) وہی ان کو پیش فرمادیا۔

بہرحال یہ ایک واقعہ ہے جس کے گواہ سب کے سب زندہ سلامت ہیں، ان سے تحقیق کی جاسکتی ہے۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ چونکہ اس وقت سعودی عرب و خلیجی ممالک میں جو ایک فکری و عقائدی معرکہ برپا ہے، اس میں اگر سلفی حضرات کے بڑے شیخ بن باز ہیں تو اہلِ حق و جمہور اہلِ سنت کے بڑے سید محمد علوی مالکی ہی لوگوں کی نظروں میں شمار ہوتے ہیں، اس وجہ سے بریلوی حضرات کی یہ پوری کوشش ہے کہ وہ سید محمد علوی مالکی کو بریلوی ثابت کردیں، اس لئے بعض جگہ غلط بیانیاں بھی ہو رہی ہیں اور کہیں مبالغہ بھی (جیسے کہ اخیر میں یہ سیاہ کار ثابت کرے گا) لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ خود سید محمد علوی مالکی صاحب اپنے آپ کو کس پلڑے میں ڈالتے ہیں؟ اس سیاہ کار کی یقینی و حتمی معلومات کے مطابق وہ اکابرِ دیوبند کی طرف مائل ہیں، خود اسی تقاریظ کے مسئلے میں دیکھئے کہ انہوں نے صرف علمائے دیوبند ہی کی تقاریظ لی ہیں، یہ نہ کہا جائے کہ بریلوی علماء کی تقاریظ شاید اس لئے نہ لی ہوں کہ ”یہ نجدی سلفی علماء کے مخالف مشہور ہیں، تو اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتے“ چونکہ انہوں نے عرب کے کئی ملکوں کے ایسے علماء کی تقاریظ لی ہیں جو کہ بریلویوں ہی کی طرح ان حضرات نجدی سلفی علماء کے کٹر مخالف سمجھے جاتے ہیں۔

بلکہ اسی سیاہ کار کی قطعی رائے ہے کہ انہوں نے قصداً و عمداً ایسا کیا ہے، تاکہ عملاً وہ اکابر علمائے اہل سنت و جماعت (دیوبند) ہی کے پلڑے میں پڑیں، اس کی تائید میں عرض کروں کہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی تقریظ میں جو یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

”فقد رأينا دائمًا شيخنا الإمام القطب محمد زكريا الكاندهلوى المدنى قدس الله سرهٗ يحبه حبًّا شديدًا ويعتبره كأحد ابنائه وهو ايضًا من اعظم المحبين لشيخنا فى حياته وبعد مماته كما انه عظيم المحبة والتقدير لمشايخه ومشايخنا الذين استفاد من علومهم وفاضت عليه بركاتهم كإمام العصر المحدث الجليل السيد محمد يوسف البنورى الحسينى، والإمام المحدث الكبير السيد فخرالدين المرادآبادى شيخ الحديث بدار العلوم ديوبند، والإمام المفتى محمد شفيع الديوبندى المفتى الأعظم لباكستان، والإمام الداعية المحدث الشيخ محمد يوسف الكاندهلوى وامثالهم قدس الله سرهم، والأرواح جنود مجندة ما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف۔“

تو جب یہ جملے سید صاحب نے تقریظ میں پڑھے تو ہمارے سامنے تقریظ والے ورق کو محبت و عقیدت سے اپنے سر پر رکھا اور یہ الفاظ فرمائے: ”نعم! على الرأس والعين!“ تو بتائیے ایسے کوئی بریلوی کرسکتا ہے؟ ہاں! یہ ضرور ہے کہ چونکہ یہ دیوبندی بریلوی جھگڑا ہند و پاک کا ہے، انہیں ان زیادتیوں کی خبر نہیں جو بریلوی حضرات نے اکابرِ دیوبند کے ساتھ کی ہیں، اس لئے علمائے عرب کے دل میں بریلویوں کے بارے میں وہ حساسیت (الرجک) بھی نہیں جو عام طور پر دیوبندیوں میں ہوتی ہے، اور یہ ایک طبعی امر ہے، اس

لئے جب کوئی بریلوی عالم ان کے ہاں جاتا ہے تو وہ حضرات نقاءِ قلب سے اس سے ملتے ہیں اور اگر وہ عقیدت و محبت کا اظہار بھی کرے اور ان کے فکری و عقائدی مخالفین کے ساتھ اپنی بدعقیدگی اور دشمنی کا کھل کر اظہار بھی کرے تو وہ ان سے کھل جاتے ہیں۔

ہر علاقے کے کچھ معروضی حالات ہوتے ہیں، جن کے اثرات لازمی ہوتے ہیں، عرب علاقوں خصوصاً سعودیہ اور خلیجی علاقوں میں و مصر و شام میں تین مسائل میں اختلافات چوٹی پر ہیں:

۱:...سلفیت اور اس کے مقابل اشعریت و ماتریدیت۔

۲:...تقلید و عدمِ تقلید۔

۳:...تصوف کی حقانیت اور انکارِ تصوف۔

خود ہمارا حال یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس سیاہ کار کے پاس مصر و شام و عرب کا آتا ہے تو حکمتِ عملی سے ان تینوں چیزوں کے بارے میں تحقیق کرتا ہوں کہ وہ ہمارا موافق ہے یا مخالف؟ تو جب کوئی ان تینوں اُمور میں ہمارے اکابر کے موافق ہوتا ہے تو اگر ایسا شخص اجازتِ حدیث وغیرہ مانگتا ہے تو دے دیتا ہوں اور ایسوں سے بے تکلفی ہو جاتی ہے۔ اب کوئی مصر و شام وغیرہ ان ملکوں میں ان کا کوئی مقامی جھگڑا یا اختلافات ہوں اور ان میں سے کسی میں کوئی گمراہی ہونی بھی ممکن ہے تو یہ سیاہ کار معذور ہوگا کہ اس سے لاعلم تھا، اسی طرح وہاں کے علمائے حرمین شریفین کا عموماً حال ہے، گو اب بہت سی باتیں کھل کر سامنے آ رہی ہیں۔ سید محمد علوی مالکی کے بارے میں یہ سیاہ کار اپنی یقینی معلومات کے مطابق عرض کرتا ہے کہ وہ اپنے اکابر کے بہت ہی قریب اور انتہائی محبّ و چاہنے والے اور ان کے علم و بزرگی کے نہایت اعلیٰ درجے کے مداح، اور ان کے دین و معرفت میں قربِ خداوندی میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے مقر و معترف ہیں۔ دیوبندی بریلوی اختلافات کا کچھ ان کو علم ہے اور دل سے چاہتے ہیں کہ یہ اختلافات ختم ہونے چاہئیں اور ان حضرات (بریلویوں) کی طرف سے اکابرِ دیوبند کی تکفیر کا انہیں علم ہے، جس کی وجہ سے اس امر کی شدید اور پُرزور مذمت کرتے ہیں اور اس پر شدید ترین نکیر کرتے ہیں، البتہ یہ چاہتے ہیں دل سے کہ اس وقت جبکہ عالمی کفر، اسلام و مسلمانوں کے خلاف متحد ہو چکا ہے تو دیوبندی بریلوی اختلافات کو بھی ختم ہونا چاہئے (یہ ان کی خواہش ہے جس کا وہ ہمیشہ اس سیاہ کار سے اظہار کرتے رہتے ہیں)، گو اس کتاب مفاہیم میں یہ جذبہ کارفرما نہیں تھا، بلکہ یہ کتاب تو سلفی حضرات کی طرف سے جب تکفیر بازی کی گئی تو اس کے ردّ میں یہ لکھی گئی کہ تکفیر کرنی غلط ہے۔

اب یہ سیاہ کار حضرت قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کے دلائل کی طرف آتا ہے، جس سے انہوں نے سید محمد علوی مالکی کا بریلوی بلکہ ''کٹر بریلوی'' ہونا مستنبط فرمایا ہے۔ یہاں سفر میں یہ سیاہ کار اصل رسالہ ''حق چار یار'' کی طرف تو رجوع نہ کر سکا، البتہ آنجناب نے جو ''بینات'' میں ان کا پورا مضمون اس امر سے متعلق نقل فرمایا ہے، اسی پر اکتفا کیا گیا ہے، اور اسی لئے ''بینات'' ہی کے صفحات و سطور کے حوالے ہوں گے۔

دعویٰ نمبر ۱:... بینات ص:۴۸ سطر:۱۹ پر ہے کہ: ''آپ خلیفہ اعلیٰ حضرت خطیبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں..... الخ۔''

یہ تو دعویٰ ہے جناب مفتی محمد خان صاحب قادری کا، ماہنامہ ''جہانِ رضا'' میں، مگر اس دعویٰ کی دلیل جو چند سطروں کے بعد دی گئی ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیے ''بینات'' ص:۴۸ سطر:۲۴ جو بلفظہٖ یہ ہے:

''خود مولانا مالکی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جن لوگوں سے میں نے سندِ حدیث حاصل کی ہے، ان میں سے ایک معمر ترین بزرگ جن کی عمر سو سال سے زائد ہے مولانا ضیاء الدین قادری ہیں.....الخ۔''

تو قصہ اجازتِ طریق وخلافت کا نہیں ہے، بلکہ اجازتِ حدیث کا ہے، اور اس سے کوئی کسی کا خلیفہ نہیں بنتا، بلکہ اجازتِ حدیث کے لئے معتقد ہونا اور ہم مذہب اور ہم عقیدہ ہونا کچھ بھی ضروری نہیں ہے، جیسا کہ اہلِ فن سے مخفی نہیں، لہٰذا یہ دعویٰ تو باطل ہوگیا کہ سید محمد علوی مالکی صاحب مولانا ضیاء الدین قادری مدنی کے خلیفہ ہیں۔

دوسرا دعویٰ:... ملاحظہ ہو بینات ص:۵۰ سطر:۲۴:

''بیعت غالباً اپنے والد بزرگوار سے ہیں، حضور مفتی اعظم علامہ مولانا مصطفیٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ تیسری بار جب حج وزیارت کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں بہت سے علماء ومشائخ کو خلافت واجازت سے نوازا، وہیں علامہ سید محمد علوی مالکی کو بھی تمام سلاسل کی اجازت عطا فرمائی۔''

اس سیاہ کار کی رائے یہاں بھی یہی ہے کہ یا تو یہ بھی اجازتِ حدیث ہے، جس کو خلافت وطریقت پر محمول کیا گیا ہے، پھر یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے؟ اس کی بھی کچھ خبر نہیں، اور کیا نوعیت ہوئی؟ بہرحال دعوے کی کوئی دلیل نہیں ذکر کی گئی۔

بہرحال تیسرے دعوے و دلیل کو ملاحظہ فرمائیے اور بریلویوں کی غفلت اور ہمارے حضرت قاضی صاحب مدظلہٗ کی سادگی بھی ملاحظہ ہو:

تیسرا دعویٰ:... بینات ص:۵۱ سطر:۸ اور اسی طرح ص:۵۳ سطر:۸ پر اور ص:۴۹ سطر:۵ اپر یہ ہے کہ:

''مولانا غلام مصطفیٰ مدرس شرف العلوم ڈھاکہ حج وزیارت کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں حضرت مولانا مفتی سعد اللہ مکی سے ملاقات کی، مفتی سعد اللہ مکی کے ایما پر ان کا وفد علامہ سید محمد علوی مالکی سے ملاقات کے لئے گیا، دورانِ ملاقات مولانا غلام مصطفیٰ نے کہا کہ: ہم اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، اتنا سنتے ہی علامہ مالکی سروقد اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرداً فرداً سبھی لوگوں سے مصافحہ ومعانقہ فرمایا اور بے حد تعظیم کی، شربت پلایا گیا، قہوہ پیش کیا گیا، انہوں نے پوری توجہ مولانا غلام مصطفیٰ اور ان کے ہمراہیوں کی جانب فرمادی اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا:

سید علامہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کو ہم ان کی تصنیفات اور تعلیقات کے ذریعہ جانتے ہیں، وہ اہل سنت کے علامہ تھے، ان سے محبت سنی ہونے کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا اہلِ بدعت کی نشانی ہے۔''

اسی طرح ص:۵۱ اور ص:۴۹ پر ہے، مگر دیکھئے ص:۵۲ پر بعینہٖ یہی قصہ جب ڈاکٹر محمد سعود احمد صاحب ''الدولۃ المکیہ'' کے

افتتاحیہ میں نقل فرماتے ہیں تو ذرا تحقیقی انداز سے اس کا سن بھی درج فرماتے ہیں، تو لکھتے ہیں بلفظہٖ بینات ص: ۵۲ سطر: ۶ ملاحظہ ہو:

”آیئے مولانا غلام مصطفیٰ مدرسہ عربیہ اشرف العلوم راجشاہی بنگلہ دیش کی زبانی سنئے، ۱۳۷۲ھ میں حج بیت اللہ شریف کے موقع پر چند رفیقوں کے ساتھ مولانا سید محمد علوی مالکی (مکہ معظّمہ) کے در دولت پر حاضر ہوئے..... الخ۔“

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ حاضری ۱۳۷۲ھ میں ہوئی، یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ممکن ہے کہ سہو ہوگیا ہو اور یہ حاضری ۱۹۷۲ عیسوی سن میں ہوئی ہو، اس لئے کہ جس سفرنامہ سے یہ حکایت نقل کی جارہی ہے وہ ۱۹۰۶ء میں چھپا ہے جیسا کہ اسی بینات ص: ۵۲ سطر: ۱۱ پر مذکور ہے۔

اب آیئے دیکھئے ۱۳۷۲ھ میں سید محمد علوی مالکی کی عمر شریف مشکل سے آٹھ سال کی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں مذکورہ وفدان سے ملنے نہیں آیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ وفد ان کے والد بزرگوار سید علوی بن عباس مالکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے آیا ہوگا اور انہوں نے حرمین شریفین کے عام علماء و اشراف کے طریقہ پر جیسے ہر مہمان خصوصاً اگر علماء ہوں تو ان کا بھی اکرام شربت وقہوہ سے کیا، البتہ جو عبارت نقل کی گئی وہ ”اگر ثابت ہوجائے“ اور اس میں بھی مبالغہ نہ ہو تو اسی پر محمول کی جائے گی کہ اس سے مراد انہی مذکورہ تین مسائل ”سلفیت، تقلید، تصوف“ کی بنا پر، بربنائے مخاصمت سلفیوں غالیوں کے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہوں نہ کہ بمقابل اکابرِ دیوبند، چونکہ ۱۳۷۲ھ یعنی آج سے تقریباً چوالیس سال پہلے علمائے نجد وہابیین سلفیین اور علمائے حجاز اہل سنت و جماعت کا آپس میں اختلاف بہت زوروں پر نہایت گرم تھا۔ دیکھئے ”الشہاب الثاقب“ میں حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ کے قلمِ مبارک سے اس کا کچھ نمونہ مل جائے گا۔

بہرحال یہ ملاقات جو کہ سید محمد علوی کی طرف منسوب کی گئی اور حضرت قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ بھی اس کے دھوکے میں آگئے اور اس کی بنا پر سید محمد علوی پر کٹر بریلویت کا الزام لگاتے ہیں اور اپنی معلومات کے مطابق ”حق واضح“ قرار دیتے ہیں، یہ صاف صاف ثابت ہوگیا کہ نہ ملاقات ہمارے ان سید محمد علوی سے ہوئی اور نہ ہی وہ عبارت انہوں نے کہی۔

اس لئے اس سیاہ کار کا یہ پختہ خیال ہے کہ جیسے پہلے دعویٰ میں خلافت مولانا ضیاء الدین سے قطعاً غلط ہے، وہ صرف اجازتِ حدیث ہے، اور یہ تیسرا دعویٰ بھی قطعاً غلط ہے، اسی طرح دُوسرا دعویٰ بھی یا تو اجازتِ حدیث پر ہی محمول ہے اور یا وہ ان کے والد صاحب کا قصہ ہے، ان کا نہیں، اور ہے بھی اس زمانے کا جب سارے اُمور مخفی تھے اور وہ تین اُمور جو اُوپر اس سیاہ کار نے ذکر کئے ہیں کہ انہی کو اصل سب سمجھتے ہیں، چونکہ سید علوی کو پتہ چلا ہوگا کہ یہ لوگ (بریلوی) ۱:... غالی سلفی نہیں، اشعری یا ماتریدی ہیں۔ ۲:... حنفی کٹر ہیں۔ ۳:... تصوف کو مانتے ہیں بلکہ قادری ہیں، تو انہوں نے ان کو بتایا کہ ہم ان کو اہل سنت سمجھتے ہیں، یقین کرتے ہیں اور یہ سب کچھ بمقابل سلفی منکرینِ تصوف و تقلید کے، نہ کہ بمقابلہ اکابرِ دیوبند کے، چونکہ سید علوی مالکی مرحوم کی زندگی بھی ساری ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے اکابر کے ہمیشہ مداح و معترف و اکرام و تعظیم میں ہمیشہ مبالغہ کرنے والے رہے، خود اپنے بیٹے کو دارالعلوم دیوبند بھیجا، تو کیسے یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ عبارت انہوں نے مقابلہ علمائے دیوبند کہی ہوگی؟

یہ کچھ معلومات ہیں جو عرض کردی گئی ہیں، آں مخدوم سے گزارش ہے کہ اسے خالی الذہن ہوکر ماحول سے متأثر ہوئے بغیر پڑھیں، اور ارشادِ ربانی:

”یٰٓـأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔“ (الحجرات:۶)

کو ملحوظ رکھا جائے، مزید کسی استیضاح کی ضرورت سمجھیں تو یہ سیاہ کار حاضر ہے، البتہ جو کچھ غلط بنا پر لکھا گیا، گزارش ہے کہ احسن انداز سے اس کا تدارک ضرور فرمالیا جائے، یہی آں مخدوم سے اُمید ہے۔

وزادکم اللہ توفیقا لمحابہ وقربا لدیہ بفضلہ وکرمہ، آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبدالحفیظ، لندن

۱۹ر جولائی ۱۹۹۵ء۔“

راقم الحروف کا جواب

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی!

بخدمت عالی قدر مخدوم و معظم جناب الشیخ المحترم مولانا عبدالحفیظ مکی، حفظہ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کرامت نامہ بسلسلہ ”اِصلاحِ مفاہیم“ جناب محترم حافظ صغیر احمد زید لطفہ‘ کے ذریعہ موصول ہوا تھا، اور لندن سے واپسی پر اس کی نقل مولوی محمد رفیق میمن کے ہاتھ بھی موصول ہوئی، جواب لکھنے بیٹھا تو ہجومِ مشاغل نے آدبوچا، بقول صائب:

دیدن یک روئے آتشناک راصددل کم است
من بیک دل عاشق صد آتشیں رخسارہ ام

بہرحال مختصراً عرض کرتا ہوں:

۱، ۲:... آنجناب نے پہلے اور دُوسرے نمبر میں حصولِ تقریظات کی تفصیل (بحوالہ خط بنام مولانا عاشق الٰہی مدظلہ) درج فرمائی ہے، اسے پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ان تقریظات کا مہیا ہونا دراصل آنجناب کی جدوجہد اور وجاہت وشہامت کی کرامت ہے:

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

قارئین کی سہولت کے لئے مناسب ہوگا کہ آنجناب کے مکتوب بنام مولانا عاشق الٰہی مدظلہ کا وہ حصہ جس میں آپ نے حصولِ تقریظات کی تفصیل تحریر فرمائی ہے، یہاں نقل کردیا جائے:

’’......جس زمانے میں یہ سیاہ کار مدینہ منورہ میں مقیم تھا تو غالباً ربیع الاول یا ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ کے کسی دن سید محمد علوی مالکی کا لندن سے فون آیا کہ میں کچھ دن کے لئے لندن آیا ہوا ہوں، حضرت مولانا یوسف متالا صاحب کے ہاں دو روز دارالعلوم بری گزار کر آیا ہوں، انہوں نے جزاہ اللہ خیراً میری بہت خاطر مدارات کی، بڑا جلسہ بھی کرایا، جس میں ہزاروں کا مجمع ہوا، وغیرہ وغیرہ ...... پھر یہ بھی بتایا کہ میں نے اپنی کتاب ’’مفاهيم يجب ان تصحح‘‘ کا ایک نسخہ بھی انہیں ہدیہ دیا جسے پڑھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور خصوصاً جو عالم اسلام کے مختلف علمائے کرام نے تقاریظ لکھی ہیں، ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، تو میں نے کہا کہ: گویا یہ اجماع ہے علمائے اسلام کا نجدیوں کے غلط عقائد و نظریات کے خلاف۔ جس پر حضرت مولانا یوسف متالا نے ہنس کر کہا: مگر اس میں ایک کمی ہے! میں نے پوچھا: وہ کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ: اس میں علمائے اہل السنّت والجماعہ دیوبندی حضرات کی تقاریظ نہیں اور ان کے بغیر اجماع نہیں ہوسکتا، چونکہ ایک عالم ان کے علم کا لوہا مانتا ہے۔ جس پر میں نے کہا کہ: یہ آپ نے سچ کہا اور میں اب فوراً اس کی کوشش کروں گا۔ کچھ اور تفصیل بھی اس ذیل کی بتائی اور پھر یہ کہا کہ: میں ابھی تو فوراً انڈونیشیا، سنگاپور وغیرہ جارہا ہوں، غالباً ایک ڈیڑھ ماہ بعد فلاں فلاں تاریخوں میں چار پانچ دن میرے پاس ہیں، اگر تم بھی ان تاریخوں میں فارغ ہو تو میں سنگاپور سے کراچی آجاؤں گا اور کراچی سے لاہور اکٹھے چلیں گے، چونکہ مجھے تقاریظ میں زیادہ اہمیت ایک تو حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی کی ان کے علم کی وجہ سے، اور دُوسرے مولانا عبدالقادر آزاد کی ان کی سیاسی وجاہت کی بنا پر۔ میں (عبدالحفیظ) نے ان سے وعدہ کرلیا کہ آپ احتیاطاً ایک ہفتہ اس تاریخ سے قبل مجھے فون کرلیں تاکہ بات پکی ہونے پر ان شاء اللہ پاکستان پہنچ جاؤں گا۔

لہٰذا ایک ہفتہ قبل ان کا فون آگیا اور متعین تاریخ سے ایک روز قبل یہ سیاہ کار کراچی پہنچ گیا۔ معہد الخلیل میں حضرت مولانا یحییٰ مدنی مدظلہ کے ہاں مہمان رہے، وہاں سے میں نے سید محمد علوی مالکی سے کہا کہ یہاں کراچی میں ہمارے تین بڑے علمی مراکز ہیں (دارالعلوم، فاروقیہ، بنوری ٹاؤن)، ان کی بھی اگر تقاریظ لے لیں تو بہتر ہوگا، تو انہوں نے اس کو مناسب جانا، لہٰذا رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب تو وہاں نہیں ہیں، البتہ دونوں جگہ وقت طے کرکے ہم دونوں مع حضرت مولانا یحییٰ مدنی صاحب کے گئے، دونوں جگہ کے حضرات نے نہایت محبت و اکرام کا معاملہ فرمایا اور دونوں نے یہ مناسب سمجھا کہ کتاب ہمیں دے دی جائے، جب آپ پنجاب سے واپس آویں گے تو ہم اچھی طرح مطالعہ کرکے تقریظ لکھ دیں گے۔ سید صاحب اس پر راضی ہوگئے اور ہم لاہور روانہ ہوگئے، وہاں ہم رات کو پہنچے، حضرت حافظ صغیر احمد صاحب وغیرہ حضرات لینے آئے ہوئے تھے، مطار لاہور پر حضرت حافظ صاحب سے پتہ چلا کہ حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی تو اگلے دن کسی سفر پر جارہے ہیں، لہٰذا مطار لاہور سے سیدھا حضرت مولانا کاندھلوی کے گھر ہی گئے، وہ منتظر تھے کہ

انہیں خبر کردی گئی تھی، مل کر بہت خوش ہوئے، اور جب سید صاحب نے مقصود بتایا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ ابھی تو مجھے کتاب دے دیں رات کو اِن شاء اللہ مطالعہ کرلوں گا اور صبح آپ میرے ہاں ناشتہ کریں، اسی وقت تقریظ بھی دے دوں گا۔ صبح ہم لوگ ناشتہ کے لئے پہنچے تو حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی نے بہت ہی زیادہ اس کتاب پر خوشی کا اظہار فرمایا، وہاں کے بعض نجدیوں کے غلو کے کچھ لطیفے بھی سنائے اور کتاب کو بہت سراہا، پھر اپنے دست مبارک سے لکھی ہوئی تقریظ مرحمت فرمائی، جس کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

”وفی الحقیقة ان ھذا الکتاب یحتوی علٰی موضوع مبتکر ومضامین عالیة تحتاج الیه العلماء والطلاب، وفیه من حسن ذوق المؤلف وعلو فکرته ما تحل به المغلقات فی موضوعات کثیرة فی اصول الدین، ولَا شک ان ھذا الکتاب کشف الحجاب عن نکات مستورة وبعیدة عن انظار العلماء فجزاہ اللہ احسن الجزاء واسبغ علیه من نعمه الظاھرة وباطنة۔ نسأل اللہ تعالٰی ان یمتع المسلمین وخاصة اھل العلم به ویعلوہ دائما فی مشارق الأرض ومغاربھا۔“

یہ الفاظ اپنے قلمِ مبارک سے شیخ الحدیث علامۂ جلیل حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی قدس سرہٗ نے لکھے ہیں، اور خوشی و مسرت کے اس بارے میں جو آثار ان کے چہرے مبارک پر تھے وہ بیان سے باہر ہیں، اور بہت ہی محبت و شفقت اور اکرام و اعزاز کا معاملہ سید محمد علوی صاحب سے کیا جس سے سید صاحب بہت محجوب بھی ہوئے، پھر حضرت مولانا عبیداللہ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی کے ہاں دارالاہتمام میں گئے، انہوں نے بھی بہت زیادہ اعزاز و اکرام فرمایا، جامعہ اشرفیہ دکھایا اور دونوں حضرات نے حضرت کاندھلوی کی تقریظ کی تائید و تصدیق کی۔ پھر یہاں سے مولانا سید عبدالقادر آزاد صاحب سے وعدہ تھا، وہاں گئے، انہوں نے جب حضرت کاندھلوی کی تقریظ دیکھی تو بہت خوش ہوئے، اس وقت مولانا آزاد صاحب نے اپنے کچھ رفقاء و علماء کو بھی مدعو کر رکھا تھا، جن میں حضرت شاہ نفیس صاحب، مولانا عبدالغنی صاحب، مولانا علی اصغر صاحب اور مولانا عبدالواحد صاحب بھی تھے، مولانا آزاد صاحب نے سید صاحب کو پیشکش کی کہ جن الفاظ میں آپ چاہیں ہم تقریظ لکھنے کے لئے تیار ہیں۔ جب ہمارے علمی پیشوا حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی نے پوری رات مطالعہ کے بعد اس کتاب پر یہ تقریظ لکھ دی ہے تو پھر جو چاہیں اس کے بارے میں ہم سے لکھوالیں، مگر سید صاحب نے کہا کہ: نہیں! جس طرح آپ لوگ مناسب سمجھیں لکھ دیں، پھر سب نے مشورہ سے ایک مختصر جامع مضمون تیار کیا، جسے اسی وقت ہاتھوں ہاتھ حضرت نفیس شاہ صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرمادیا، جس کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

”بانّنی اصالة عن نفسی ونیابة عن مجلس علماء باکستان واعضائه المنتشرین بفضل اللہ فی کل مدینة من مدن باکستان وخارجھا والذی یضم نحو عشرین الف عالم

لقد اطلعنا علیٰ کتاب مفاهیم یجب ان تصحح الذی صنفه فضیلة العلامة السید الشریف محمد بن السید علوی مالکی المکی فوجدناه یحتوی علیٰ ما علیه اهل السنة والجماعة سلفًا وخلفًا، وقد اجاد فیه وافاد بالأدلة القرآنیة والحدیثیة ونرجوا من الله سبحانه وتعالیٰ ان یجمع کلمة المسلمین علی الحق المبین ونحن معه فی جهاده فی الدعوة الی الله ونصرة اهل الحق، اهل السنة والجماعة ..... الخ۔“

مولانا عبدالقادر آزاد صاحب نے تقریظ پر دستخط کئے اور اُوپر مذکورہ بالا چاروں حضرات نے اس پر تائید و تصدیق فرمائی.....“

نیز یہ بھی اندازہ ہوا کہ اس ناکارہ نے تقریظات کے بارے میں جو بات محض ظن و تخمین سے کہی تھی، وہ بڑی حد تک صحیح نکلی، چنانچہ جناب نے مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہٗ کی تقریظ کا بھی حوالہ دیا ہے، یہ اس ناکارہ کی نظر سے نہیں گزری، مگر اب ”البلاغ“ (ربیع الاول ۱۴۱۶ھ، اگست ۱۹۹۵ء) میں شائع ہوچکی ہے، اس کی تمہید سے واضح ہے کہ یکسوئی کے ساتھ کتاب کو دیکھنے کا موقع ان کو نہیں ملا، یہ ان کی ذہانت و دقیقہ رسی تھی کہ انہوں نے ایک شب کے طائرانہ مطالعے میں بھی کتاب کے اصلاح طلب چند پہلوؤں کی نشاندہی کردی، ورنہ ان کے لمحاتِ فرصت میں اس کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ”البلاغ“ ۱۴۱۶ھ میں شائع شدہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی تقریظ مع ترجمہ اور اس کے ملاحظات بھی یہاں نقل کردیئے جائیں۔

وہ لکھتے ہیں:

”بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شیخ محمد علوی مالکی کی عربی کتاب ”المفاهیم یجب ان تصحح“ آج کل بعض علمی حلقوں میں موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے، بالخصوص اس کے اُردو ترجمہ کی اشاعت کے بعد یہ بحث شدت اختیار کرگئی ہے، اس بحث کے دوران یہ حوالہ بھی دیا جارہا ہے کہ احقر نے اس کتاب پر کوئی تقریظ لکھی تھی، اس بنا پر صورتِ حال کی وضاحت کے لئے درج ذیل تحریر شائع کی جارہی ہے:

اس کتاب کے مصنف شیخ محمد علوی مالکی مکہ مکرمہ کے ایک ممتاز و مشہور عالم شیخ سید علوی مالکیؒ کے صاحبزادے ہیں، ان کے والد سے اکابر علمائے دیوبند مثلاً: احقر کے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب، حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب، رحمہم اللہ، کے تعلقات رہے ہیں، اور انہی تعلقات کی بنا پر ان کے صاحبزادے محمد علوی مالکی علومِ دین کی تحصیل کے لئے کچھ مدت پاکستان میں رہے، اور احقر کے والدِ ماجدؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحبؒ سے تلمذ اور استفادے کا شرف حاصل کیا۔ اس زمانہ میں ان سے احقر کی بھی ملاقاتیں رہیں، لیکن ان کے واپس سعودی عرب جانے کے بعد مدتوں ان سے کوئی رابطہ نہ ہوا۔

اب سے چند سال پہلے کی بات ہے کہ اچانک ان کا فون آیا کہ میں کراچی میں ہوں، اور انڈونیشیا سے سعودی عرب جاتے ہوئے صرف آپ سے ایک ضروری بات کرنے کے لئے کراچی میں ٹھہرا ہوں، اور ملاقات کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ وہ دارالعلوم تشریف لائے، ان کے ساتھ محترم مولانا ملک عبدالحفیظ صاحب بھی تھے، اس وقت انہوں نے ذکر کیا کہ نجد کے علماء جن مسائل میں غیر ضروری تشدد کرتے ہیں، ان کی وضاحت کے لئے انہوں نے "مفاهيم يجب ان تصحح" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کتاب پر برادرِ معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم اور احقر تقریظ لکھے، اتفاق سے اس وقت میں انتہائی مصروف تھا اور ایک دن بعد ایک سفر پر جانے والا تھا۔ احقر نے عذر کیا کہ اس مختصر وقت میں کتاب کو پڑھنا اور تقریظ لکھنا میرے لئے مشکل ہوگا، اس پر انہوں نے عالمِ عرب اور پاکستان کے بعض علماء کی تقریظات دکھائیں، جن میں کتاب کی بڑی تعریف کی گئی تھی، ان کا کہنا تھا کہ آپ ان تحریروں میں سے کسی پر دستخط کر سکتے ہیں، یا ان کی بنیاد پر چند تائیدی سطریں لکھ سکتے ہیں، جس کے لئے زیادہ وقت درکار نہ ہوگا۔

اس کے جواب میں احقر نے عرض کیا کہ: اگرچہ یہ حضراتِ علماء احقر کے لئے قابلِ احترام ہیں، لیکن تقریظ ایک امانت ہے، اور کتاب کو دیکھے بغیر اس کے بارے میں کوئی مثبت رائے ظاہر کرنا میرے لئے جائز نہیں! انہوں نے اس بات سے اتفاق کیا، لیکن ساتھ ہی یہ اصرار بھی فرمایا کہ میں کسی نہ کسی طرح کتاب پر نظر ڈال کر اس پر ضرور کچھ لکھوں۔

وقت کی تنگی کے باوجود میں نے ان کے اصرار کی تعمیل میں کتاب کے اہم مباحث کا مطالعہ کیا، اس مطالعہ کے دوران جہاں مجھے ان کی بہت سی باتیں درست اور قابلِ تعریف معلوم ہوئیں، وہیں بعض اُمور قابلِ اعتراض بھی نظر آئے، اس لئے میں نے انہیں فون کیا کہ میں کتاب کی کلی تائید و تقریظ سے قاصر ہوں، کیونکہ اس میں بعض اُمور ایسے موجود ہیں جو قابلِ اعتراض ہیں۔ فاضل مؤلف نے مجھ سے کہا کہ میں وہ قابلِ اعتراض اُمور بھی اپنی تقریظ میں شامل کردوں۔ احقر نے پھر یہ درخواست کی کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ میری تحریر پوری شائع کی جائے اور اس میں کوئی حصہ چھوڑا نہ جائے۔ انہوں نے اس بات کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد میں نے ایک تحریر لکھی جس میں کتاب کے قابلِ تعریف اور قابلِ اعتراض دونوں پہلوؤں کی ممکنہ حد تک وضاحت کی کوشش کی۔ میرے برادرِ بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے بھی کتاب کے متعلقہ حصوں کو دیکھنے کے بعد اس تحریر سے اتفاق کرتے ہوئے اس پر دستخط فرمائے، اور یہ تحریر مؤلف کے حوالے کردی گئی۔

اس کے بعد مجھے اس بات کا انتظار رہا کہ کتاب کے نئے ایڈیشن میں یہ تحریر شائع ہو، لیکن باوجودیکہ کتاب کے کئی ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں، غالباً اس کے کسی ایڈیشن میں میری یہ تحریر شامل نہیں کی گئی۔

اب جبکہ بعض حضرات نے اس کتاب کا اُردو ترجمہ کرکے اسے پاکستان میں شائع کیا تو میرے

بارے میں بعض جگہ یہ حوالہ بھی دیا گیا کہ ہم نے بھی اس کتاب پر تقریظ لکھی تھی۔ اس لئے عزیز گرامی قدر مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب سلّمہٗ نے ضرورت محسوس کی کہ ہماری اس تحریر کا اُردو ترجمہ شائع کردیا جائے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوسکے کہ ہماری تحریر میں کیا بات لکھی گئی تھی۔

چنانچہ انہوں نے ہماری اس عربی تحریر کا سلیس اور واضح ترجمہ کیا ہے، جو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے، اس کے ساتھ ہی شروع میں اہلِ علم کے لئے اصل عربی تحریر کا متن بھی شائع کیا جارہا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہنا ضروری ہے کہ جب میں نے یہ تحریر لکھی تھی تو کتاب عربی میں شائع ہورہی تھی، اور اس کے مخاطب اہلِ علم تھے، اس لئے کتاب کے اچھے یا بُرے پہلوؤں کی طرف مختصر اشارہ کرکے کتاب میں اس تحریر کی اشاعت میں ہم نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ لیکن چونکہ کتاب کے قابلِ اعتراض پہلو عوام کے لئے مضر اور مغالطہ انگیز ہوسکتے تھے، اس لئے ہماری رائے میں اس کے اُردو ترجمہ کی اشاعت مناسب نہیں تھی، لہٰذا اس تحریر کے اُردو ترجمہ کو کتاب کے اُردو ترجمہ پر تقریظ ہرگز نہ سمجھا جائے، اور نہ تقریظ کی حیثیت میں اسے شائع کرنے کی ہماری طرف سے اجازت ہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اصل عربی تحریر مصروفیت اور عجلت کی حالت میں لکھی گئی تھی، جس میں اشارے کافی سمجھے گئے۔ کتاب کے ہر ہر جز پر تبصرہ اس وقت پیشِ نظر نہیں تھا، لہٰذا یہ بات خارج از امکان نہیں کہ جن باتوں پر اس تحریر میں تنقید کی گئی ہے، کتاب میں اس کے علاوہ بھی قابلِ تنقید حصے موجود ہوں،

واللہ سبحانہ وتعالیٰ الموفق!

محمد تقی عثمانی

۵؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تقريظ علىٰ كتاب

"مفاهيم يجب ان تصحح"

الحمد لله رب العالمين، والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا ومولانا محمد النبى الأمين، وعلىٰ آله واصحابه اجمعين، وعلىٰ كل من تبعهم باحسان الىٰ يوم الدين.

وبعد! فقد طلب منا الأخ الكريم فضيلة العلامة المحقق الشيخ السيد محمد علوى المالكى، حفظه الله ورعاه، ان اتقدم اليه برأى فى كتابه "مفاهيم يجب ان تصحح" وما ذالك الّا من تواضعه لله، فانه من اسرة علمية نبيلة هى اجل من ان تحتاج الىٰ تقريظ مثلنا لمؤلفاته، وان والده رحمه الله تعالىٰ معروف فى عالم الإسلام بعلمه وفضله، وورعه

وتقواه، وانه بفضل الله تعالیٰ خير خلف لخير سلف، بارمه، ورجاء لدعواته، وابداء لما اخذنا من السرور والإعجاب بأكثر مباحثه، وما سنح لنا من الملاحظات فی بعضها۔

ان الموضوعات التی تناولها المؤلف بالبحث فی هذا الكتاب موضوعات خطيرة ظهر فيها من الإفراط والتفريط ما فرق كلمة المسلمين، وآثار الخلاف والشقاق بينهم بما يتألم له كل قلب مؤمن، وقلما يوجد فی هذه المسائل من ينقحها باعتدال واتزان، ويضع كل شیء فی محله، سالكا مسلک الإنصاف، محترزا عن الإفراط والتفريط۔

وان كثيرا من مثل هذه المسائل مسائل فرعية نظرية ليس مدارا للإيمان، ولَا فاصلة بين الإسلام والكفر، بل وان بعضها لَا يسئل عنها فی القبر، ولَا فی الحشر، ولَا عند الحساب، ولو لم يعلمها الرجل طول حياته لم ينقص ذالک فی دينه ولَا ايمانه حبة خردل، مثل حقيقة الحياة البرزخية وكيفيتها، وما الی ذالک من المسائل النظرية والفلسفية البحتة، ولكن من المؤسف جدا انه لما كثر حولها النقاش وطال الجدال، اصبحت هذه المسائل كأنها من المقاصد الدينية الأصلية، او من عقائد الإسلام الأساسية فجعل بعض الناس يتشدد فی امثال هذه المسائل، فيرمی من يخالف رأيه بالكفر والشرک والضلال، وان هذه العقلية الضيقة ربما تتسامح وتتغاضی عن التيارات الهدامة التی تهجم اليوم علیٰ اصول الإسلام واساسه، ولكنها تتحمس لهذه الأبحاث النظرية الفرعية اكثر من حماسها ضد الإلحاد الصريح، والإباحية المطلقة، والخلاعة المكشوفة، والمنكرات المستوردة من الكفار والأجانب۔

لقد تحدث اخونا العلامة السيد محمد علوی المالكی حفظه الله عن هذه العقلية بكلام موفق، واثبت ان من يؤمن بكل ما علم من الدين بالضرورة، فانه لَا يجوز تكفيره لِاختياره بعض الآراء التی وقع فيها الخلاف بين علماء المسلمين قديما۔

ثم تحدث عن بعض هذه المسائل الفرعية التی وقع فيها الخلاف بين المسلمين، وطعن من اجلها بعضها بعضا بالتكفير والتضليل، مثل مسئلة التوسل فی الدعاء، والسفر لزيارة قبر النبی صلی الله عليه وسلم، والتبرک بآثار الأنبياء والصحابة والصالحين، وحقيقة النبوة والبشرية، والحياة البرزخية، وان الموقف الذی اختاره فی هذه المسال موقف سليم مؤيد بالدلَائل الباهرة من الكتاب والسنة، وتعامل الصحابة والتابعين والسلف الصالحين، وقد اثبت بأدلة واضحة واسلوب رصين، ان من يجيز التوسل فی

الدعاء، او التبرک بآثار الأنبياء والصلحاء، او يسافر لزيارة روضة الرسول صلى الله عليه وسلم ويعتقده من اعظم القربات، او يؤمن بحياة الانبياء فى قبورهم حياة برزخية تفوق الحياة البرزخية الحاصلة لمن سواهم، فانه لَا يقترف اثما فضلا عن ان يرتكب شركا او كفرا، فان كل ذالک ثابت بأدلة القرآن والسنة، وتعامل السلف الصالح واقوال جمهور العلماء الراسخين فى كل زمان۔

وكذالک تحدث المؤلف عن الأشاعرة ومسلكهم فى تأويل الصفات، لَا شک ان الموقف الأسلم فى هذا هو ما يعبر عنه المحدثون بقولهم: "امرها بلا كيف" ولكن التأويل اتجاه ادّى اليه اجتهاد الأشاعرة حفاظا على التنزيه، ومعارضة للتشبيه، وما اداهم الىٰ ذالک الّا شدة تمسكهم بعقيدة التوحيد، وصيانتها عن شوائب التجسيم، وقد نحا هذا المنحى كثير من فطاحل العلماء المتقدمين الذين لَا ينكر فضلهم إلّا جاهل او مكابر، فكيف يجوز رمى هؤلَاء الأشاعرة بالكفر والضلال، واخراجهم من دائرة اهل السنة، واقامتهم فى صف المعتزلة والجهمية، اعاذنا الله من ذالک!

وما احسن ما قاله اخونا المؤلف فى هذا الصدد:

افما كان يكفى ان يقول المعارض: انهم رحمهم الله اجتهدوا فأخطاؤا فى تأويل الصفات، وكان الأولىٰ ان لَا يسلكوا هذا المسلک، يدل ان ترميهم بالزيغ والضلال، نغضب علىٰ من عدهم من اهل السنة والجماعة۔ (ص:۳۹)

وان هذا المنهج للتكفير الذى سلكه المؤلف سلمه الله فى امثال هذه المسائل، لمنهج عادل لو اختاره المسلمون فى خلافاتهم الفرعية بكل سعة فى القلب ورحابة فى الصدر، لَانحلت كثير من العقد، وفشلت كثير من الجهود التى يبذلها الأعداء فى التفريق بن المسلمين۔

ثم لَا بد من ذكر الملاحظات التى سنحت لنا خلال مطالعة هذا الكتاب، ولَا منشأ لها إلّا اداء واجب الود والنصح لله، وامتثال امر المؤلف نفسه، وهى كالتالى:

۱:... ان المباحث التى تكلم عنها المؤلف حفظه الله، مباحث خطيرة قد اصبحت حساسة للغاية ووقع فيها من الإفراط والتفريط ما وقع، وان ترميم ناحية ربما يفسد الناحية الأُخرىٰ والتركيز على جهة واحدة قد يفوت حق الجهة الثانية، فالمطلوب من المتكلم فى هذه المسائل ان يأخذ باحتياط بالغ، ورعاية للجانبين، ويكون علىٰ حذر

ممن يستغل عباراته لغير حق۔

وبما ان هذا الكتاب متجه الٰى ردّ الغلو فى تكفير المسلمين ورميهم بالشرك من اجل تعظيمهم ومحبتهم للرسول الكريم صلى الله عليه وسلم، او الأولياء والصلحاء، فمن الطبيعى ان لَا يكون فيه ردّ مبسوط علٰى من يغلو فى هذا التعظيم غلوا نهى عنه الكتاب والسنة، وعلماء الشريعة فى كل زمان ومكان، ومع ذالك، كان من الواجب فيها ارىٰ نظرا الٰى خطورة الموضوع، ان يكون فيه المام بهذه الناحية ايضا، فيرد فيه، ولو بايجاز، علٰى من يجاوز الحد فى هذا التعظيم بما يجعله موهما للشرك على الأقل۔

۲:... وجدنا فى بعض مواضع الكتاب اجمالًا فى بعض المسائل المهمة ربما يخطى بعض الناس فهمه، فيستدلون بذالك علٰى خلاف المقصود، ويستغلونه لتأييد بعض النظريات الفاسدة، ومنها مسئلة "علم الغيب"، فان المؤلف حفظه الله تعالٰى مر عليها مرا سريعا، فذكر ان علم الغيب لله سبحانه وتعالٰى، ثم اعقبه بقوله: "وقد ثبت ان الله تعالٰى علم نبيه من الغيب ما علمه، واعطاه ما اعطاه" وهذا كلام حق اريد به انباء الغيب الكثيرة التى اوحاها الله سبحانه وتعالٰى الٰى نبيه الكريم صلى الله عليه وسلم، ولكن من الناس من لَا يكتفى بنسبة هذه الأنباء اليه صلى الله عليه وسلم، بل يصرح بكونه عليه السلام عالم الغيب، علما محيطا بجميع ما كان وما يكون الى قيام الساعة، فنخشى ان يكون هذا الْاجمال موهما الى هذه النظرية التى طال رد جمهور علماء اهل السنة عليها۔

۳:... وكذالك قال المؤلف فى نبينا الكريم صلى الله عليه وسلم: "فانه حى الدارين دائم العناية بأُمّته، متصرف باذن الله فى شؤونها، خبير بأحوالها، تعرض عليه صلوات المصلين عليه من امته ويبلغه سلامهم علٰى كثرتهم۔" (ص:۹۱) والظاهر انه لم يرد من التصرف التصرف الكلى المطلق، ولَا من كونه "خبيرا بأحوالها" العلم المحيط التام بجميع الجزئيات، فان ذالك باطل ليس من عقائد اهل السنة، وانما اراد بعض التصرفات الجزئية الثابتة بالنصوص، كما يظهر من تمثيله بعرض الصلوات والسلام عليه، واجابته عليها، ولكن نخشى ان يكون التعبير موهما لخلاف المقصود، ومتمسكا لبعض المغالين فى الجانب الآخر۔

۴:... لقد احسن المؤلف، كما سبقت الْإشارة منا الٰى ذالك، فى تأكيده على الْإحتياط اللازم فى امر تكفير مسلم، فلا يكفر مسلم ما دام يوجد لكلامه محمل

صحیح، او محمل لَا یوجب التکفیر علی الأقل، ولکن التکفیر شیء، ومنع الرجل من استعمال الکلمات الباطلة او الموھمة شیء آخر، والْاحتیاط فی التکفیر الکف عنه ما وجد منه مندوحة، ولکن الْاحتیاط فی الأمر الثانی هو المنع من مثل هذه الکلمات بتاتا۔

ومن ذالک قول المؤلف: "فالقائل: یا نبی الله اشفنی واقض دینی، لو فرض ان احدا قال هذا، فانما یرید اشفع له فی الشفاء، وادع لی بقضاء دینی، وتوجه الی الله فی شأنی، فھم ما طلبوا منه الّا ما اقدرھم الله علیه وملکھم ایاه من الدعاء والتشفع، فالْاسناد فی کلام الناس من المجاز العقلی۔" (ص:۹۵) وھذا تأویل حسن للتخلص من التکفیر، وھو من قبیل احسان الظن بالمؤمنین، ولکن حسن الظن ھذا انما یتاتی فیمن لَا یرفض تأویل کلامه بذالک، اما من لَا یرضٰی بھذا التأویل بنفسه، کما ھو واقع من بعض الناس، فیما اعلم، فکیف یؤول کلامه بما لَا یرضٰی به ھو؟

وبالتالی، فان ھذا التأویل وان کان کافیا للکف عن تکفیر القائل، ولکنه ھل یشجّع علی استعمال ھذه الکلمات؟ کلا! بل یمنع من ذالک تحرزا من الْابھام والتشبه علی الأقل، کما نھی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن استعمال لفظ "عبدی" للرقیق لکونه موھما، فالواجب عندی علٰی من یلتمس التأویل لھٰؤلَاء القائلین ان یصرح بمنعھم عن ذالک، لئلا یشجعھم تأویله علی استعمال الکلمات الموھمة، فان من یرعی حول الحمٰی اوشک ان یقع فیه، ومثل ذالک یقال فی کل توسل بصورة نداء، وباطلاق "مفرج الکربات" و "قاضی الحاجات" علٰی غیر الله سبحانه وتعالٰی۔

۵:... قد ذکر المؤلف حفظه الله ان البدعة علٰی قسمین: حسنة وسیئة! فینکر علی الثانی دون الأول، وان ھذا التقسیم صحیح بالنسبة للمعنی اللغوی لکلمة البدعة، وبھذا المعنی استعملھا الفاروق الأعظم رضی الله عنه حین قال: "نعمت البدعة ھذه!" واما البدعة بمعناھا الْاصطلاحی، فلیست إلّا سیئة، وبھذا المعنی قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: کل بدعة ضلالة!"

۶:... لقد کان المؤلف موفقا فی بیان الخصائص النبویة حیث قال: "والأنبیاء صلوات الله علیھم وان کانوا من البشر یأکلون ویشربون ..... وتعتریھم العوارض التی تمر علی البشر من ضعف وشیخوخة وموت، إلّا انھم یمتازون بخصائص ویتصفون بأوصاف عظیمة جلیلة ھی بالنسبة لھم من الزم اللوازم ..... الخ۔" (ص:۱۲۷) ثم ذکر

عدة خصائص الأنبياء، ولَا سيما خصائص النبى الكريم صلى الله عليه وسلم لئلا يزعم زاعم انه عليه السلام يساوى غيره فى الصفات والأحوال، والعياذ بالله! والحق ان خصائصه صلى الله عليه وسلم فوق ما نستطيع ان نتصوره ولكننا نعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجل من ان نحتاج فى اثبات خصائصه الى الروايات الضعيفة، فان خصائصه الثابتة بالقرآن والسنة الصحيحة اكثر عددا، واعلٰى منزلة، واقوىٰ تأثيرا فى القلوب من الخصائص المذكورة فى بعض الروايات الضعيفة، مثل ما روى انه لم يكن له ظل فى شمس ولَا قمر، فانه رواية ضعيفة عند جمهور العلماء والمحدثين۔

۷:... يقول المؤلف سلمه الله تعالٰى: "ان الإجتماع لأجل المولد النبوى الشريف ما هو إلّا امر عادى، وليس من العبادة فى شىء، وهذا ما نعتقده وندين الله تعالٰى به۔" ثم يقول: "ونحن ننادى بأن تخصيص الإجتماع بليلة واحدة دون غيرها هو الجفوة الكبرىٰ للرسول صلى الله عليه وسلم۔"

ولَا شك ان ذكر النبى الكريم صلى الله عليه وسلم وبيان سيرته من اعظم البركات، وافضل السعادات اذا لم يتقيد بيوم او تاريخ، ولَا صحبه اعتقاد العبادة فى اجتماع يوم مخصوص بهيئة مخصوصة، فالإجتماع لذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم بهذه الشروط جائز فى الأصل، لَا يستحق الإنكار ولَا الملامة۔

ولكن هناك اتجاها آخر ذهب اليه كثير من العلماء المحققين المتورعين، وهو ان هذا الإجتماع، وان كان جائزا فى نفس الأمر، غير ان كثيرا من الناس يزعمون انه من العبادات المقصودة، او من الواجبات الدينية، ويخصون له اياما معينة، علٰى ما يشو به بعضهم باعتقادات واهية، واعمال غير مشروعة، ثم من الصعب علٰى عامة الناس ان يراعوا الفروق الدقيقة بين العادة والعبادة۔

فلو ذهب هؤلاء العلماء، نظرا اليه هذه الأمور التى لَا ينكر اهميتها، الٰى ان يمتنعوا من مثل هذه الإجتماعات رعاية لأصل سد الذرائع، وعلما بأن درء المفاسد اولٰى من جلب المصالح، فانهم متمسكون بدليل شرعى، فلا يستحقون انكارا ولَا ملامة۔

والسبيل فى مثل هذه المسائل كالسبيل فى المسائل المجتهد فيها، يعمل كل رجل ويفتى بما يراه صوابا ويدين الله عليه، ولَا يفوق سهام الملامة الى المجتهد الآخر الذى يخالفه فى رأيه۔

وبالجملة فان فضلية العلامة المحقق السيد محمد علوی المالكی حفظه الله تعالىٰ ونفع به الإسلام والمسلمين، علی الرغم من بعض هذه الملاحظات، نقح فی هذا الكتاب كثيرا من المسائل التی ساء عند بعض الناس فهمها، فاتی بمفاهيمها الحقيقة، وادلتها من الكتاب والسنة، فارجوا ان يدرس كتابه بعين الإنصاف، وروح التفاهم، لَا بعماس الجدل والمراء، واسأل الله تعالىٰ ان يوفقنا نحن وجميع المسلمين ان نكون قائمين بالقسط شهداء لله ولو علىٰ انفسنا، انه تعالىٰ سميع قريب مجيب الداعين، وصلی الله تعالىٰ علىٰ سيدنا ومولَانا محمد وآله واصحابه اجمعين!

مفتی محمد رفيع عثمانی — مفتی محمد تقی عثمانی

رئيس دارالعلوم كراتشی ۱۴ — خادم طلبه بدارالعلوم كراتشی

ترجمہ:...

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علی سيدنا ومولَانا محمد النبی الأمين، وعلی آله واصحابه اجمعين، وعلىٰ كل من تبعهم باحسان الی يوم الدين!

برادر مکرم، علامہ محقق جناب شیخ السید محمد علوی مالکی، حفظہ اللہ ورعاہ، نے خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ ان کی کتاب "مفاهيم يجب ان تصحح" پر ہم اپنی رائے تقریظ کی صورت میں پیش کریں، وہ جس شریف علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اس کی بنا پر وہ اپنی تصانیف میں ہم جیسوں کی تقریظ سے بے نیاز ہیں، ان کے والدؒ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بدولت عالم اسلام میں معروف شخصیت کے حامل تھے اور خود مصنف بحمداللہ اپنے والد گرامی کے جانشین ہیں۔ اس لئے ان کی یہ خواہش درحقیقت ان کی تواضع فی اللہ، علم اور طالبانِ علم سے ان کی محبت، اور ان کی طرف سے تلاشِ حق کی آئینہ دار ہے۔

بہرحال آئندہ سطور کی تحریر کا مقصد ان کی خواہش کی تکمیل بھی ہے اور ان کی دعاؤں کا حصول بھی، نیز جہاں اس تحریر کا مقصد اپنی مسرت کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ کتاب کے اکثر مباحث کو دیکھ کر ہمیں بہت مسرت ہوئی وہاں اس تحریر کے ذریعہ کتاب کے بعض مباحث کے بارے میں اپنا تبصرہ ظاہر کرنا بھی پیشِ نظر ہے۔

مؤلف نے اپنی کتاب میں جن مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے، بلاشبہ وہ نازک موضوعات ہیں، ان مباحث میں افراط و تفریط نے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان میں اختلاف و افتراق کی فضا کو جنم دیا ہے، جس سے آج ہر مؤمن کا دل دکھا ہوا ہے، ان مباحث میں ایسے افراد کی تعداد بہت کم ہے، جو اعتدال اور توازن کے ساتھ ان مسائل کو پرکھیں، ہر بات کو اپنی صحیح جگہ پر رکھیں، اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے انصاف کا

راستہ اختیار کریں۔

ان مسائل میں اکثر مسائل وہ ہیں جو فروعی بھی ہیں اور نظریاتی بھی، نہ ان پر ایمان کا دارومدار ہے، نہ یہ مسائل اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض مسائل تو وہ ہیں کہ ان کے بارے میں نہ قبر میں سوال ہوگا، نہ حشر میں، نہ حساب و کتاب کے وقت ان کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی۔ اگر کسی شخص کو عمر بھر ان مسائل کا علم نہ ہو تو نہ اس کے دین میں کوئی کمی آتی ہے اور نہ اس کے ایمان میں رائی برابر فرق آتا ہے، جیسے مثلاً: یہ مسئلہ کہ حیاتِ برزخی کی کیا حقیقت اور اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس جیسے مسائل محض نظریاتی اور فلسفیانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ انہی جیسے مسائل میں جب بحثیں کھڑی ہوجاتی ہیں اور طویل مناظرے کئے گئے تو یہی مسائل ''دین کے اصلی مقاصد'' یا ''اسلام کے بنیادی عقائد'' سمجھے جانے لگے اور کتنے ہی لوگ ان جیسے مسائل میں تشدد کی راہ اختیار کرکے اپنے مخالفین پر کفر، شرک اور گمراہی کے الزامات عائد کرنے لگے۔ بسااوقات اس انتہا پسندانہ تنگ نظری کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ ان جیسے فروعی نظریاتی مسائل میں تو بہت پرجوش ہوتی ہے، مگر اسلام کے اساسی اصولوں پر حملہ آور ان قوتوں کے مقابلہ میں چشم پوشی سے کام لے کر ان سے صرف نظر کرلیتی ہے جو کھلی دہریت، مادر پدر آزادی اور کھلی عریانی کو پھیلانا، اور کفار و اغیار سے درآمد شدہ منکرات کو فروغ دینا چاہتی ہوں۔

برادرم جناب علامہ سید محمد علوی مالکی -حفظہ اللہ- نے اس ذہنیت کے بارے میں خاص توفیق کے ساتھ گفتگو کی ہے اور یہ بات ثابت کی ہے کہ جو آدمی دین کی تمام ضروریات پر ایمان رکھتا ہو تو محض اس بنا پر اس کی تکفیر جائز نہیں کہ اس نے ان اختلافی مسائل میں کسی ایک جانب کی رائے کو اختیار کرلیا ہے، جن میں علمائے اسلام کے مابین شروع سے اختلاف رہا ہے۔

پھر مؤلف نے ان فروعی مسائل میں سے بعض کا ذکر کیا ہے، جن میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا، اور کچھ لوگوں نے محض ان مسائل کی وجہ سے دوسروں کو کافر یا گمراہ قرار دیا۔ ان مسائل میں دعا میں وسیلہ کا جواز، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کی نیت سے سفر کی اجازت، انبیائے کرامؑ، صحابہؓ اور صلحاء کی نشانیوں سے برکت حاصل کرنا، نبوت، بشریت اور حیاتِ برزخی کی حقیقت میں اختلاف جیسے مسائل شامل ہیں۔

مؤلف نے ان جیسے مسائل میں جو درست موقف اختیار کرلیا وہ بلاشبہ قرآن و سنت کے روشن دلائل، اور صحابہؓ اور سلف صالحینؒ کے تعامل سے ثابت ہے، مؤلف نے واضح دلائل اور قوی اسلوب کے ساتھ یہ بات ثابت کی ہے کہ جو شخص دعا میں توسل کو جائز سمجھتا ہو، یا انبیاء اور صلحاء کی باقی ماندہ نشانیوں کو باعثِ برکت جانتا

ہو، یا روضۂ اطہر کی زیارت کو باعثِ ثوابِ عظیم سمجھ کر اس کے لئے سفر کرتا ہو، یا انبیاء علیہم السلام کے لئے قبروں میں ایسی حیاتِ برزخی پر ایمان جو دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے، تو ایسا شخص کسی گناہ کا بھی مرتکب نہیں، چہ جائیکہ وہ شرک یا کفر میں مبتلا گردانا جائے، چونکہ یہ سب باتیں قرآن وسنت کے دلائل سے ثابت ہیں، سلف صالحین کا ان پر عمل رہا ہے، اور جمہور علمائے راسخین ہر زمانہ میں اس کے قائل رہے ہیں۔

اسی طرح مؤلف نے اشاعرہ اور ان کی جانب سے صفاتِ باری تعالیٰ میں تأویل کے مسلک پر بھی گفتگو کی ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سب سے بہتر سلامتی کا موقف تو وہی ہے جسے محدثین نے اپنے اس قول سے تعبیر کیا ہے: ''امروھا بلا کیف''، یعنی بلا کیفیت بیان کئے ان کے قائل رہو، لیکن بہر حال تأویل کا وہ مسلک جسے اشاعرہ نے تشبیہ کے بالمقابل تنزیہ باری تعالیٰ کے پیشِ نظر اجتہادی طور پر اختیار کیا ہے وہ بھی ایک جائز توجیہ ہے، جسے اشاعرہ نے محض عقیدۂ توحید پر مکمل تمسک اور تجیم کے شبہات سے بچنے کے لئے اختیار کیا، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ متقدمین میں سے بہت سے ایسے اکابر علماء نے اس مسلک کو اختیار فرمایا ہے، جن کے علم وفضل سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو یا جاہل ہو، یا حقائق کا منکر، اس لئے ان اشاعرہ پر کفر وگمراہی کی تہمت لگانا یا انہیں اہلِ سنت کے دائرہ سے نکال کر معتزلہ اور جہمیہ کی صف میں لاکھڑا کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

اعاذنا اللہ من ذالک!

برادر مؤلف نے اس سلسلہ میں کتنی اچھی بات کہی ہے:

'' کیا معترض کے لئے اتنا کافی نہیں کہ وہ یہ کہہ دے کہ ان (علمائے اشاعرہ) نے اجتہاد کیا تھا، جس میں ان سے تأویلِ صفات کے مسئلے میں چوک ہوگئی، اور بہتر یہ تھا کہ وہ یہ راستہ اختیار نہ کرتے، بجائے اس کے کہ ہم ان پر کجی اور گمراہی کی تہمتیں لگائیں اور جو شخص انہیں اہل سنت والجماعت میں سے سمجھتا ہو اس پر غضبناک ہوں۔'' (ص:۳۹)

ان جیسے مسائل میں مؤلف سلمہ اللہ نے جو فکری راستہ اختیار کیا ہے بلاشبہ وہ اعتدال کا راستہ ہے، جسے اگر مسلمان کشادہ قلبی اور وسعتِ صدر کے ساتھ اختیار کریں تو بہت سی اُلجھنیں دور ہوسکتی ہیں، اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والی دشمن کی کوششوں پر پانی پھیرا جاسکتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران بعض ایسے اُمور بھی سامنے آئے جن کے بارے میں اپنا تبصرہ پیش کرنا ضروری ہے اور اس کا مقصد بھی ادائیگیٔ محبت، جذبۂ خیر خواہی نیز مؤلف کے حکم کی اطاعت کے سوا کچھ اور نہیں ہے، وہ اُمور درج ذیل ہیں:

۱:... جن مباحث کے بارے میں مؤلف -حفظہ اللہ- نے گفتگو چھیڑی ہے، وہ مباحث نازک بھی ہیں اور انتہائی درجہ کے حساس بھی، ان مسائل میں افراط وتفریط کی بہت گرم بازاری ہوچکی ہے، ان مسائل

میں کسی ایک جانب کی اصلاح بعض اوقات دُوسری جانب میں فساد پیدا کردیتی ہے، اور کسی ایک جہت میں پوری توجہ مرکوز کرلینے سے بھی کبھی دُوسری جہت کا حق بالکل ضائع ہوجاتا ہے، لہٰذا ان مسائل میں گفتگو کرنے کے لئے لازم ہے کہ وہ دونوں جانب کا پورا خیال رکھتے ہوئے انتہائی احتیاط کو اپنائے تاکہ اس کی عبارات خلافِ حق میں استعمال نہ ہوسکیں۔

چونکہ اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ان لوگوں کے غلو پر رَدّ کیا جائے جو عام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، یا ان لوگوں کو مشرک قرار دیتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء و صلحاء کے ساتھ محبت و تعظیم کا معاملہ کرتے ہیں، اس لئے یہ فطری امر ہے کہ کتاب میں ان دُوسرے لوگوں پر تفصیلی رَدّ موجود نہ ہو جو اس تعظیم کے اندر ایسے غلو میں مبتلا ہیں، جس سے کتاب و سنت نے بھی منع کیا ہے، اور علمائے شریعت بھی ہر زمانے میں اور ہر جگہ اس پر رَدّ کرتے آئے ہیں، مگر اس کے باوجود ہمارے خیال میں موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ بات ضروری تھی کہ اس جانب بھی توجہ دی جاتی اور چاہے مختصراً ہی سہی، مگر ان لوگوں پر ضرور رَدّ کیا جاتا جو اس تعظیم میں ایسا غلو کرتے ہیں جو کم از کم موہمِ شرک ضرور ہوجاتا ہے۔

۲:... ہم نے محسوس کیا کہ بعض اہم مسائل میں اتنے اجمال سے کام لیا گیا ہے کہ جس سے لوگوں کو غلط فہمی ہوسکتی ہے، اور وہ اس سے خلافِ مقصود پر استدلال کرتے ہوئے (ان مجمل عبارات کو) اپنے فاسد نظریات کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ ان مسائل میں سے ایک ''علمِ غیب'' کا مسئلہ ہے، جس پر مؤلف -حفظہ اللہ- بہت تیزی سے گزر گئے ہیں، انہوں نے اتنا تو ذکر کیا کہ علمِ غیب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے (خاص) ہے، مگر اس کے فوراً بعد لکھا:

''یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو غیب کا جو حصہ سکھایا تھا وہ سکھادیا اور جو دینا تھا وہ دے دیا۔''

یہ بات تو حق ہے جس سے مؤلف کی مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی انباء الغیب کی ایک بڑی تعداد عطا فرمائی۔ لیکن بعض لوگ ان انباء الغیب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اس نسبت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ صراحتاً یہ بات کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''عالم الغیب'' تھے، اور انہیں قیامت تک کا جمیع ما کان وما یکون (جو کچھ ہوچکا اور جو کچھ ہونے والا ہے) کا علمِ محیط حاصل تھا۔ ہمیں ڈر ہے کہ مؤلف کا یہ اجمال کہیں اس نظریہ کا وہم نہ پیدا کردے جس کی جمہور علمائے اہلِ سنت تردید کرتے چلے آئے ہیں۔

۳:... اسی طرح مؤلف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

''بے شک وہ دارین میں زندہ ہیں، اپنی امت کی طرف مسلسل متوجہ ہیں، امت کے معاملات

میں اللہ کے حکم سے تصرف فرماتے ہیں، امت کے احوال کی خبر رکھتے ہیں، آپ کی امت کے درود پڑھنے والوں کا درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے، اور ان کی کثیر تعداد کے باوجود ان کا سلام آپ تک پہنچتا رہتا ہے۔'' (ص:۹۱)

ظاہر تو یہی ہے کہ تصرف سے مؤلف کی مراد تصرفِ کلی مطلق نہیں، اور نہ امت کے احوال سے باخبر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تمام جزئیات کا علمِ محیط حاصل ہے، کیونکہ ایسا سمجھنا بالکل باطل بھی ہے اور اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف بھی۔ بظاہر مؤلف کی مراد یہ ہے کہ آپ کے لئے بعض جزئی تصرفات، نصوص سے ثابت ہیں جیسا کہ خود مؤلف نے مثال میں صلاۃ وسلام کا پیش ہونا اور آپ کا جواب دینا ذکر کیا ہے۔ لیکن ہمیں ڈر ہے کہ یہ تعبیر بھی خلافِ مقصود کا وہم پیدا کرنے والی ہے، اور دُوسری جانب کے بعض غلو پسند افراد اس کو اپنا مستدل بنا سکتے ہیں۔

۴:... ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ مؤلف نے یہ موقف بہتر اختیار کیا ہے کہ کسی بھی مسلمان کی تکفیر میں پوری احتیاط لازم رکھی جائے، اور جب تک کسی مسلمان کے کلام کا صحیح محمل ممکن ہو یا کم از کم اس کے کلام کا ایسا مطلب مراد لینا ممکن ہو جو اسے کفر سے بچاتا ہو، حتی الامکان اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ لیکن (یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے) کہ کسی مسلمان کی تکفیر کرنا اور بات ہے اور مسلمان کو باطل کلمات یا موہم کلمات سے روکنا دُوسرا معاملہ ہے، تکفیر میں تو احتیاط یہ ہے کہ جب تک ممکن ہو سکے تکفیر سے بچا جائے، لیکن دُوسرے معاملے میں احتیاط ہی یہ ہے کہ ان کلمات کے استعمال سے بالکلیہ روکا جائے۔

مؤلف نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

''کہنے والے کا یہ کہنا کہ: ''اے اللہ کے نبی! مجھے شفا دے دے اور میرے قرض ادا کردے''، اگر فرض کرلیا جائے کہ کسی نے یہی کہا تو بھی تو اس کی یہی مراد ہوگی کہ اے نبی! آپ شفا کے لئے سفارش فرمادیں اور میرے قرض کی ادائیگی کے لئے دعا فرمادیں اور میرے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ فرمائیں، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف وہی چیز طلب کی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرت دی اور مالک بنایا ہے، یعنی دعا اور سفارش، تو عوام کے کلام میں یہ اسناد مجازِ عقلی کے قبیل سے ہے۔'' (ص:۹۵)

تکفیر سے بچنے کے لئے یہ اچھی تأویل ہے، اور یہ مؤمنین کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے پر مبنی ہے، مگر یہ حسنِ ظن وہیں کام دے سکتا ہے جہاں قائل خود اپنے کلام کی اس تأویل کو رَدّ نہ کرتا ہو، لیکن اگر کوئی قائل اس تأویل کو بذاتِ خود قبول نہ کرے، جیسا کہ ہمارے علم کے مطابق بعض حضرات کا یہی حال ہے تو پھر اس کے کلام کی وہ تأویل کیسے ممکن ہے جس پر وہ خود راضی نہیں۔

مزید برآں یہ تأویل اگر اس قائل کو تکفیر سے بچا بھی لے تو کیا ان جیسے کلمات کے استعمال کی حوصلہ

افزائی کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ ان جیسے کلمات سے اس قائل کو روکا جائے تاکہ ایہام شرک اور مشرکین کے ساتھ تشبیہ کم از کم پیدا نہ ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اپنے غلام کو ''عبدی'' کہنے سے صرف اس لئے منع فرمایا کہ یہ لفظ موہم تھا۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۴۰۷)

اس لئے ہمارے خیال کے مطابق جو شخص ان قائلین کے کلام میں تأویل کا خواہش مند ہو اس پر واجب ہے کہ وہ صراحتاً انہیں اس جیسے کلام سے روکے تاکہ موہم شرک کلمات کے استعمال کی حوصلہ افزائی نہ ہو، اس لئے کہ جو شخص حمی (سرکاری چراگاہ) کے گرد چراتا ہے اس کے حمی میں چلے جانے کا امکان بہت غالب ہے۔

(اشارة الى الحديث الذى اخرجه الشيخان وفيه: ''ومن وقع فى الشبهات وقع فى الحرام، كراعى يرعى حول الحمى يوشك ان يرتع فيه، الَا وان لكل ملك حمى الَا ان حمى الله محارمه!'' مشکوٰۃ المصابیح ص:۲۴۱)

اسی طرح ہر وہ توسل جس میں الفاظِ ندا اختیار کئے جائیں یا غیراللہ کے لئے ''مفرجِ مکروبات'' یا ''قاضی الحاجات'' جیسے الفاظ استعمال کئے جائیں، اسی حکم میں داخل ہیں۔

۵:... مؤلف -حفظہ اللہ- نے ذکر کیا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: حسنہ اور سیئہ، دُوسری قسم منکر ہے مگر پہلی نہیں۔ بدعت کے لغوی معنی کے اعتبار سے یہ تقسیم صحیح ہے، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے معروف قول: ''نعمت البدعة هذه!'' (رواہ البخاری، مشکوٰۃ المصابیح ص:۱۱۵) میں بدعت کو اسی لغوی معنی میں استعمال کیا ہے، لیکن بدعت اگر اپنے معنی اصطلاحی میں لی جائے تو وہ سیئہ ہی سیئہ ہے، اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''كل بدعة ضلالة!'' (رواہ مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ص:۲۷) یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔

۶:... مؤلف نے بتوفیقِ خداوندی اپنی کتاب میں خصائصِ نبویہ کا بھی ذکر کیا اور فرمایا:

''انبیائے کرام علیہم السلام اگرچہ انسانوں میں سے ہوتے ہیں، کھاتے اور پیتے ہیں...... اور ان پر بھی وہ تمام عوارض پیش آتے ہیں جو باقی انسانوں کو پیش آتے ہیں، کمزوری، بڑھاپا، موت وغیرہ، مگر وہ اپنی بعض خصوصیات کے ذریعہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں، اور ان جلیل القدر عظیم الشان صفات کے حامل ہوتے ہیں جو ان کے حوالہ سے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔'' (ص:۱۲۷)

پھر مؤلف نے انبیائے کرام علیہم السلام اور خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ذکر فرمائیں تاکہ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ العیاذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفات اور احوال میں دُوسرے عام انسانوں کے برابر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ہمارے تصورات سے بھی کہیں بالاتر ہیں، لیکن ساتھ ساتھ ہم یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کی ذاتِ مبارک اس سے بالاتر ہے کہ ہم ضعیف روایات سے آپ کی خصوصیات ثابت کریں۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے آپ کی جو خصوصیات

ثابت شدہ ہیں وہ تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور فضیلت میں بھی، نیز قلوبِ انسانی میں ان کی تأثیر، روایاتِ ضعیفہ سے ثابت ہونے والی خصوصیات کے مقابلے میں کہیں زیادہ قوی ہے، مثلاً: کتاب میں ذکر کردہ یہ روایت کہ آپ کا سایہ مبارک نہ تھا، جمہور علماء اور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

۷:... مؤلف سلمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولدِ نبوی شریف کے لئے اجتماعات عادت پر مبنی ایک معاملہ ہے، اس کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں، ہم اسی کا اعتقاد رکھتے ہیں اور فیما بیننا وبین اللہ اسی کے قائل ہیں۔''

پھر آگے لکھتے ہیں:

''ہم اعلان کرتے ہیں کہ صرف ایک رات کے ساتھ اجتماع کو مخصوص کرلینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی بے وفائی ہے۔'' (ص:۲۲۵)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذِکرِ مبارک اور آپ کی سیرتِ مبارکہ کا بیان انتہائی بابرکت اور اور باعثِ سعادتِ عمل ہے، جبکہ اسے کسی خاص دن یا خاص تاریخ کے ساتھ مقید نہ کیا جائے، اور یہ بھی اعتقاد نہ ہو کہ کسی خاص دن میں، کسی خاص ہیئت کے ساتھ اجتماع کرنا عبادت ہے، ان شروط کا لحاظ رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذِکرِ مبارک کے لئے اجتماع فی نفسہٖ جائز ہے، جو انکار یا ملامت کا مستحق نہیں۔

لیکن یہاں ایک اور نقطہ نظر ہے جسے محقق اور اہلِ تقویٰ علماء کی ایک بڑی جماعت نے اختیار فرمایا، اور وہ یہ کہ یہ اجتماع خواہ فی نفسہٖ جائز ہو، لیکن بہت سے لوگ اسے عباداتِ مقصودہ یا واجباتِ دینیہ میں سے سمجھتے ہیں، اور اس کے لئے مخصوص دنوں کو متعین کیا جاتا ہے، اور پھر اس میں غلط اعتقادات اور ناجائز افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے، مزید برآں عام لوگوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ عادت اور عبادت کے درمیان دقیق فرق کا خیال رکھیں گے، بڑا مشکل ہے، لہٰذا ان مذکورہ بالا اُمور کے پیشِ نظر کہ جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اگر ان متقی علمائے کرام نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ سدِّ ذرائع اور جلبِ مصالح پر دفعِ مفاسد کو مقدم رکھنے جیسے اُصولوں کی بنا پر ان جیسے اجتماعات سے رکنا ہی ضروری ہے، تو یقیناً ان کا موقف دلیلِ شرعی پر مبنی ہے اور ان پر انکار و ملامت بھی ہرگز جائز نہیں۔

ان جیسے مسائل میں وہی راستہ درست ہے جو مجتہد فیہ مسائل میں اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر آدمی اپنے عمل اور فتویٰ میں وہ راستہ اختیار کرے جو اس کی نگاہ میں درست ہے اور جس کا وہ فیما بینہ وبین اللہ جواب دہ ہوگا، اور اسے چاہئے کہ دُوسرے اجتہادی موقف کے قائل حضرات پر ملامت کے تیر برسانے سے گریز کرے۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے مذکورہ تبصرہ میں جو گزارشات پیش کی ہیں، ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے محترم جناب

علامہ محقق السید محمد علوی المالکی -حفظہ اللہ ونفع بہ الإسلام والمسلمین- نے اپنی کتاب میں ان بہت سے دلائل کو منقح کیا ہے جن کے سمجھنے میں لوگوں کو غلطی ہوتی ہے۔ مؤلف نے ان کا حقیقی مفہوم کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں ذکر کیا ہے۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ ان کی کتاب مخاصمت اور مخالفت کے جوش کے بجائے انصاف کی آنکھ سے مفاہمت کی فضا میں پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا کرے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے حق کی گواہی دیتے ہوئے انصاف قائم کرنے والے بنیں، اگرچہ ہمارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو؟ انہ تعالیٰ سمیع قریب مجیب الداعین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین!''

مفتی محمد رفیع عثمانی	مفتی محمد تقی عثمانی
رئیس جامعہ دار العلوم کراچی	خادم الطلبہ بدار العلوم کراچی

یہی قصہ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کے ساتھ ہوا، کہ ان کو بھی ایک رات کی مہلت ملی، چونکہ ان کو کتاب کے اصل ہدف سے پہلے ہی آگاہ کردیا گیا تھا کہ یہ کتاب تکفیر کرنے والے سلفی متشددین کی اصلاح کے لئے لکھی گئی ہے، اس لئے انہوں نے اسی نقطۂ نظر سے سرسری دیکھا اور راتوں رات تقریظ لکھ کر صبح ناشتہ پر آپ کے حوالہ کردی، مرحوم زندہ ہوتے اور متنازع فیہ نکات کے بارے میں ان سے رجوع کیا جاتا تو ان کی رائے مولانا محمد تقی صاحب سے مختلف نہ ہوتی، باقی بزرگوں نے مولانا مرحوم کی بھرپور تقریظ دیکھ کر ان کے احترام میں کتاب کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی، حد یہ کہ ایک بزرگ نے اپنی طرف سے اصالۃً اور بیس ہزار علماء کی جانب سے نیابتاً صاد کردیا، یہ شاید اپنی نوعیت کی منفرد اور بے نظیر مثال ہوگی۔

۳:... آنجناب نے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' نامی رسالہ کے بارے میں (جس کا ذکر میری تحریر میں استطراداً آگیا تھا) رائے طلب فرمائی ہے، اور یہ کہ ''جو اصلاحات تجویز کی جائیں ان پر عمل کیا جائے گا، بشرطیکہ مقصودِ رسالہ کے خلاف نہ ہو'' یہ ایک مستقل اور تفصیل طلب موضوع ہے، تاہم یہ ناکارہ اتنا عرض کردینا کافی سمجھتا ہے کہ اس ناکارہ کے خیال میں ''مقصودِ رسالہ'' ہی محلِ نظر ہے، جن حضرات نے ہمارے اکابر قدس اللہ اسرارہم کے خلاف فتوے لگائے (اور جن کا سلسلہ تادَمِ تحریر پوری حدت وشدت کے ساتھ جاری ہے) ان کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی، نہ کہ ہمارے اکابر کے حاشیہ برداروں کو ''ودوا لو تدھن فیدھنون'' کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی جاتی، اور اہلِ بدعت کو اہلِ سنت منوانے کی راہ اختیار کی جاتی، کیا ہمارے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' یہی تھا؟

۴:... جناب صوفی محمد اقبال دام اقبالہ کے بارے میں اس ناکارہ نے سماعی روایت نقل کردی تھی کہ وہ جناب سید علوی سے بیعت ہوگئے ہیں، میں آنجناب کا ممنون ہوں کہ آپ نے اس کی اصلاح فرمادی کہ سید علوی تو کسی کو بیعت ہی نہیں کرتے، ''البتہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت صوفی صاحب کو سلسلہ شاذلیہ میں اجازت وخلافت دی ہے'' انتھیٰ بلفظکم الشریف۔ جن صاحب نے

مجھ سے نقل کیا تھا، غالباً انہوں نے خلافت و اجازت ہی کو بیعت کرنے سے تعبیر کر دیا ہوگا، بہرحال اس اصلاح پر جناب کا تہِ دل سے ممنون ہوں، گو اس ناکارہ کی تفریع اب بھی صحیح ہے، یعنی شیخ علوی سے حضرت صوفی صاحب کی ہم مشربی و ہم رنگی، اور ان کے مسلک و مشرب کی اشاعت کا جذبہ۔

۵:... حضرت مولانا عزیز الرحمٰن کے مسترشد کا نوٹ کہ ''یہ حضرات تبلیغی جماعت کے خلاف ذہن بناتے ہیں'' آنجناب نے غلط فہمی قرار دیا ہے، کیونکہ ''حضرت موصوف کے ہزاروں مرید اس کام میں لگے ہوئے ہیں، ہاں البتہ یہ بات برحق ہے کہ بعض افراد وعناصر کی ضرور مخالفت کرتے ہوں گے، جنہوں نے فضائلِ درود شریف کو تبلیغی نصاب سے نکالا'' چلئے! یہ غلط فہمی ہی سہی، اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے لوگوں میں کوئی اس مبارک کام کی مخالفت کرنے والا نہ ہو، حضرتِ موصوف کو بھی اس غلط فہمی سے جوان کے مرید کو ہوئی، رنجیدہ نہ ہونا چاہئے کہ بقول عارف:

دریائے فراواں نشود تیرہ بہ سنگ
عارف کہ برنجد تنک آب است ہنوز

۶:... آنجناب نے شیخ علوی کا ہمارے اکابر خصوصاً ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ والہانہ تعلق بہت ہی تفصیل کے ساتھ زیبِ رقم فرمایا ہے، اور بریلویت کے ساتھ ان کے تعلق کی تردید فرمائی ہے، اور بریلوی ماہنامہ سے ''حق چاریار'' میں جو کچھ نقل کیا ہے، اس کی بھرپور تغلیط فرمائی ہے، اس سے اس ناکارہ کو بہت ہی انشراح ہوا، **فجزاکم اللہ احسن الجزاء!** چونکہ قاضی مظہر حسین صاحب اس ناکارہ کی طرح سید علوی کے حالات سے واقف نہیں ہوں گے اس لئے ان کا بریلوی پرچہ ''جہانِ رضا'' پر اعتماد کرکے ان کو بریلوی قرار دینا ایک فطری امر تھا۔ اس لئے ان کو (اور ان کی تقلید میں اس ناکارہ کو) تو معذور سمجھنا چاہئے۔ ''جہانِ رضا'' کا یہ پرچہ فروری ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا، جس میں بڑے دھڑلے سے سید علوی کو بریلوی ثابت کیا گیا، پورے تین سال کے عرصہ میں شیخ علوی کی جانب سے یا ان کے مداحوں کی جانب سے کوئی تردید نہیں آئی، نہ کسی وضاحت کی زحمت کی گئی، پھر سید علوی کے رسالہ **''حول الْاِحتفال بالمولد النبوی الشریف''** کا ترجمہ بریلوی حلقہ کی جانب سے ''میلادِ مصطفیٰ'' کے نام سے شائع کیا جاتا ہے، ادھر ان کی کتاب کا ترجمہ ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے نام سے ہمارے سامنے آتا ہے، جس میں متنازع فیہ مسائل میں مصنف کا جھکاؤ بریلویت کی طرف نظر آتا ہے، جبکہ ''جہانِ رضا'' میں ان کا فقرہ بلاخوفِ تردید نقل کیا جاچکا ہے کہ: ''سیدی علامہ احمد رضا خان فاضل بریلوی کو ہم ان کی تصنیفات وتعلیقات کے ذریعہ جانتے ہیں، وہ اہلِ سنت کے علامہ تھے، ان سے محبت کرنا سنی ہونے کی علامت ہے، اور ان سے بغض رکھنا اہلِ بدعت کی نشانی ہے'' اور یہ کہ: ''سید علوی کو فاضل بریلوی کے خلیفہ ضیاء الدین قادری سے، جو معمر ترین بزرگ تھے، اور جن کی عمر سو سال سے زائد ہے، تمام سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل ہے۔''

ان تمام اُمور کو پیشِ نظر رکھ کر انصاف کیجئے کہ ایک خالی الذہن آدمی کو جناب مصنف کے بارے میں کیا رائے قائم کرنی چاہئے؟ جناب قاضی مظہر حسین صاحب پر خفا ہونے کے بجائے ہونا یہ چاہئے تھا کہ خود شیخ علوی مالکی کی جانب سے ''جہانِ رضا'' کے

مندرجات کی تردید کرادی جاتی، اور انتساب الی البریلویت سے اظہارِ براءت کرادیا جاتا، جب تک یہ نہ ہو میں یا آپ اس کی ہزار تردید کریں اس کی کیا قیمت ہے...؟ تین سال سے علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کیا جارہا ہے کہ وہ بریلوی ہیں، اور جنابِ شیخ اپنے سکوت سے اس پر مہرِ تصدیق ثبت فرمارہے ہیں، آپ کی تردید کو کون مانے گا...؟ اس لئے اگر بریلویت کے انتساب سے ان کی براءت کرانی ہے تو خود انہی کی جانب سے براءت کا اعلان کرائیے، اگر شیخ علوی کی حیات میں یہ کام نہ ہوا تو نہ صرف یہ کہ ہماری توجیہات رائیگاں اور بے سود قرار پائیں گی، بلکہ اندیشہ ہے کہ آپ تینوں بزرگوں (قبلہ صوفی صاحب، آپ اور جناب مولانا عزیزالرحمٰن صاحب زید مجدہٗ) کو بھی یار لوگ اسی لپیٹ میں نہ ڈالیں کہ: ”یہ تینوں حضرت شیخ محمد مالکی بریلوی کے حلقہ نشین دراصل دیوبندی نما بریلوی تھے، اسی بنا پر دیوبندیوں کو بریلویوں کے ساتھ متحد ہوجانے کے داعی تھے، لہٰذا دیوبندیوں کے مقابلہ میں بریلوی مذہب برحق ہے۔“ یہ صرف خدشات نہیں بلکہ آپ حضرات کی دعوتِ اتحاد پر بریلوی صاحبان نے ایسے شوشے چھوڑنے شروع کردیئے، مرورِ ایام کے بعد نہ جانے اس کو کیا کیا رنگ دیا جائے گا؟ الغرض جناب کی یہ وضاحتیں ہم خدام کے تو سر آنکھوں پر! آمنا وصدقنا! لیکن جب تک آپ خود جناب شیخ علوی مالکی کی جانب سے بریلویت سے اظہارِ براءت نہیں کراتے، اور خصوصاً اس فقرے سے جو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کے بارے میں ”جہانِ رضا“ نے ان سے منسوب کیا ہے، تب تک مخالفوں پر حجت نہیں قائم ہوگی، اور وہ برابر یہ کہتے رہیں گے کہ فروری ۱۹۹۲ء میں شیخ موصوف کے بریلوی ہونے کا مدلل اعلان کیا گیا، لیکن شیخ نے خود خاموشی اختیار کرکے اس کی تائید کردی، اس کے بعد دوسروں کی وضاحت اور عذر، معذرت کا کیا اعتبار...؟

آخر میں گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر میرے کسی لفظ سے قبلہ صوفی صاحب کی، مولانا عزیزالرحمٰن صاحب کی، آپ کی یا کسی اور کی دل آزاری ہوئی ہو، اس سے بصد ندامت غیرمشروط معافی کا خواستگار ہوں، جن ایسے الفاظ کی نشاندہی کردی جائے، نشاندہی کے بعد ان کو قلم زد کردوں گا، حلفاً کہتا ہوں! مجھے نہ ان بزرگوں سے پرخاش ہے، نہ کدورت، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی لکھ چکا ہوں ان کو اپنے سے بدرجہا افضل جانتا ہوں۔

جہاں تک شیخ علوی کی کتاب ”اِصلاحِ مفاہیم“ کا تعلق ہے، وہ آپ کے عرب ماحول میں مفید ہو یا نہ ہو، مگر ہمارے یہاں کے ماحول میں مفید ہونے کے بجائے مضر ہے، کاش! کہ اسے یہاں شائع نہ کیا جاتا۔

آنجناب نے ایک بزرگ کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ لدھیانوی کو بھی کسی نے بھڑکا دیا ہے، یوں تو اس فقرہ کی کوئی اہمیت نہیں، بے چاری مٹی پر ہزار جوتے رسید کردو، اس کو شکایت نہیں ہوگی، تاہم یہ عرض کردینا بے جا نہیں ہوگا کہ مجھے میرے اکابرؒ کے تقدس نے بھڑکایا تھا، بقول عارف رومی:

گفتگوئے عاشقاں در امر ربّ
جوشش عشق است نے ترکِ ادب

جن ”اکابر“ کے انتساب سے ہماری دُنیا و آخرت وابستہ ہے، ایک طبقہ ان کی عزت و حرمت سے کھیل رہا ہو، اور ہم

بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے پلڑے میں اپنا وزن ڈال رہے ہوں، تو مجھ ایسی مٹی کے لئے بھڑکنا لازم ہے، آپ یا آپ کے محترم بزرگ اس بارے میں جو رائے بھی قائم فرمائیں، آپ کا حق ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

کراچی

۳:...مولانا نازرولی خان کا خط

محترم و مکرم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ کرے مزاج سامی بخیر ہوں، آنجناب کا بلادِ عرب کے مشہور اور محقق عالم شیخ محمد علوی مالکی پر تبصرہ اور ان کی کتاب مفاہیم اور اس کے ترجمہ اِصلاحِ مفاہیم پر مبسوط تبصرہ نظر سے گزرا، تبصرہ خالص مخلصانہ مگر حد درجہ غیر ناقدانہ اور غیر محتاط ہے، کیونکہ موصوف کی صرف ایک کتاب بلکہ اس کے ترجمہ کو دیکھ کر انہیں بریلوی اور رضاخانی سمجھنا کم از کم ہمارے بزرگوں کا اور آپ جیسے دانش مند شاہکار لکھنے والے کی شان کے لائق نہیں، یہ دیکھ کر حد درجہ حیرت ہوئی کہ تبصرہ نگار کو شیخ علوی اور ان کی مطبوعہ اور متداول کتب کے بارے میں معلومات نہیں ہیں یا ان کے تبصرہ میں کوئی کام نہیں لیا گیا۔ حضرت اقدس قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم بوجوہ ہم سب کے مخدوم اور کریم بزرگ ہیں، مگر ان کی تحریر اور مزاجِ اقدس کی پُرتشدد جولانیوں میں کبھی کبھی اپنے ہی زیرِ وزبر ہو جاتے ہیں۔ حضرت والا ہی کے فاضلانہ قلم سے قافلۂ حق کے سالار محمود الملۃ والدّین حضرت اقدس مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ''احتجاجی مکتوب بنام مولانا مفتی محمودؒ'' جیسا سوہانِ رُوح رسالہ شائع ہوا ہے، جس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ: ہم اہلِ باطل سے مقابلہ کرتے ہیں تو بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب ہوتے ہیں، لیکن اپنے جو پیچھے سے چھرا گھونپتے ہیں تو اس سے چلا نہیں جاتا۔ حضرت قاضی صاحب کا اخلاص، تدین، منصب احقاقِ حق و ابطالِ باطل ہم جیسے خوردہ نالائق تو کیا اکابر صلحاء کے ہاں مسلّمہ ہیں، مگر مسلسل ردّ و قدح کے میدان نے شاید ان کی تحریر میں کچھ اس طرح کی شدت بھی پیدا فرمائی ہے۔ آپ نے اپنی پوری تحریر کی اساس و بنیاد حضرت قاضی صاحب کے انکشافات جو مبتدعین کی جاہلانہ اور مقلوب حکایات پر مشتمل ہے، رکھی ہے۔ میرے خیال میں شیخ علوی کی کتاب آپ نے دیکھی ہی نہیں جس میں انہوں نے محدثِ کبیر حضرت اقدس الشیخ السید محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ اپنا شرفِ تلمذ بخاری و ترمذی میں اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے مؤطا امام مالک اور سنن ابی داؤد میں بلکہ صحیح مسلم میں بھی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر اجلہ علمائے دیوبند سے اپنا شرفِ تلمذ کا ذکر فرمایا ہے۔ شیخ کی کتاب کا نام ''الطالع السعيد المنتخب من المسلسلات والأسانيد'' ہے، نیز شیخ علوی جامعہ

ازہر جانے سے پہلے جامعہ اسلامیہ (مدرسہ عربیہ) میں سال دو پڑھ چکے ہیں، اور اس کا والہانہ عقیدت و محبت بھرا تذکرہ وہ اپنے حضرات میں اور مجالس میں کرتے رہتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے ”آپ بیتی“ وغیرہ میں ان کا محبت بھرا برتاؤ اور ان پر اعتماد کا اظہار فرمایا ہے، بلاشبہ شیخ علوی ہمارے علمائے دیوبند کی طرح محدثات مرسومہ میں متشدد نہیں ہیں، لیکن وہ رضاخانی یا بریلوی یا بدعتی ہرگز نہیں ہیں، انعقادِ میلاد کا مسئلہ خود اجلہ محدثین اور سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ بلکہ اوائل عمر میں خود حکیم الامتؒ کے ہاں بھی رہا ہے، علماء کو وسیع علم اور بسیط معلومات کے ساتھ کچھ علاقائی مسائل کا بھی کبھی ساتھ دینا ہوتا ہے جس میں خطا و صواب کا ایک پہلو غالب رہتا ہے، خدانخواستہ اگر اس قسم کے تبصرے ہمارے جانے پہچانے اور معروف معتمدین پر بغیر تحقیق اور چھان بین کے ہونے لگیں تو کہیں مولوی یونس سہارنپوری کی طرح شیخ ابوالوفاء افغانی اور اپنے زمانے کے امام شیخ زاہد الکوثریؒ جیسے اکابرِ امت پر بدعتی کے احکام صادر نہ ہونے لگیں، آنجناب کے بارے میں تو کبھی ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ صوفی اقبال صاحب یا مولوی عزیز الرحمٰن صاحب کی جماعت تبلیغ یا حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی نسبتِ کریمہ کے دُوسری طرف ملتفت ہونے سے متأثر ہوکر اس قدر غیر محتاط تبصرہ فرمائیں گے اور یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب اسکندر دامت برکاتہم اور خود حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب مدظلہٗ شیخ علوی اور ان کے نظریات مجھ سے زیادہ بہت قریب سے جانتے ہیں، کم از کم ان سے مشورہ ضروری تھا، ”بینات“ جو ملک و ملت کا نمائندہ شمارہ ہے اسے کسی ایک فردِ متشدد کے صرف اِخلاص اور تقدس کا سہارا لے کر ایسے رجال کے خلاف استعمال نہیں کرنا چاہئے جن پر ہمارے بڑے اعتماد کرچکے ہیں، میں نے یہ چند سطور حضرتِ والا سے قریبی عقیدت اور حضرت کی تحریر اور شوکت تنقید کا غیر مصیب پہلو دیکھ کر لکھی ہیں، اگر تیر نشانے پر بیٹھا تو مناسب اعتذار بینات میں کرنا ہمارے اسلاف کا وطیرۂ دیانت رہا ہے، ورنہ سقطۃ المتاع کی جگہ ردّی کی ٹوکری ہے:

بشنو دیا نشنو دمن ہائے ہوئی می کنم

قاضی صاحب دامت برکاتہم کا انکشاف کہ شیخ علوی بریلوی عقیدے کے حامل اور مولوی احمد رضا خان کے بیک واسطہ خلیفہ ہیں، اور جناب علوی کی فاضل بریلوی کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ وہ احمد رضا خان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”نحن نعرف تصنیفاته و تألیفاته فحبه علامة السنة و بغضه علامة البدعة.“

واقعی یہ انکشاف و تحقیق عجیب تو کچھ نہیں، غریب و مسکین ضرور ہے، کیونکہ اس کا حوالہ مولوی غلام مصطفیٰ مبتدع ہے، اگر واقعی شیخ علوی کو مولوی احمد رضا سے یہ عقیدت ہے تو اجلہ علمائے دیوبند کو انہوں نے مشائخِ حدیث کیسے تسلیم کیا ہے جن کے بارے میں مولوی احمد رضا خان لکھتے ہیں:

”دیوبندی عقیدہ رکھنے والے کافر اور اسلام سے خارج ہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ ج:۴ ص:۲۲۲)

اور ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ:

”مولوی خلیل احمد، رشید احمد اور غلام احمد اور اشرف علی من شک فی کفرھم وعذابھم فقد کفر!“

صرف ضیاء الدین مقدسی سے اوراد میں اجازت لینے سے علوی صاحب علمائے دیوبند کے مخالف اور رضاخانی بدعتی بنتے ہیں، تو حضرت بنوری، حضرت مفتی محمد شفیع اور حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا عبدالغفور مدنی رحمہم اللہ سے اسانیدِ حدیث اور اجازتِ اوراد سے اہلِ حق کے قریب کیوں نہیں مانے جاتے؟ امید ہے کہ ان مختصرات پر آپ غور فرمائیں گے:

اندک پیش تو گفتم غم دل ترسیدن
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

یہ خوش فہمیاں تو اہلِ حق کو بھی لاحق ہو جاتی ہیں، جیسے آپ کی تحریر میں اور قاضی صاحب کی تحریر میں احمد رضا کے لئے ''مولانا'' اور ''مرحوم'' کے الفاظ لکھنا بھی مبتدع کے ساتھ لائق برتاؤ روش کے خلاف ہے، جس کے ردّ میں بہت کچھ مواد موجود ہے، تاہم شیخ علوی کی ضیاء مقدسی بدعتی اور مولوی احمد رضا جیسے مبتدع کے بارے میں خوش فہمی اس درجہ کی ہے ورنہ وہ علمائے دیوبند کے شاگرد اور ان کے مستفید اور ان کے حد درجہ معتقد اور معترف ہیں، جو ان شاء اللہ العزیز آپ کے سامنے بتدریج آئے گی، والسلام مع التحیۃ والاکرام!

خادمکم الفقیر
محمد زرولی خان عفی عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

راقم الحروف کا جواب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بخدمت مخدوم و محترم جناب مولانا زرولی خان صاحب، زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۱:... ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے بارے میں اس ناکارہ و نابکار کی جو تحریر شائع ہوئی ہے، اس کے بارے میں آنجناب کا کرامت نامہ موصول ہو کر موجبِ امتنان ہوا، آنجناب کو اس ناکارہ کی ''غیر ناقدانہ و غیر محتاط'' تحریر سے اذیت پہنچی، اس پر نادم ہوں، میرے قلم سے جو لفظ ایسا نکلا جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو، اس پر بارگاہِ الٰہی سے صدقِ دل سے توبہ کرتا ہوں، اور آنجناب سے اور آپ کی طرح دیگر احباب سے، جن کو اس تحریر سے صدمہ پہنچا ہو، غیر مشروط معافی کا خواستگار ہوں۔

۲:... جو جو الفاظ آنجناب کو غیر ناقدانہ اور غیر محتاط محسوس ہوئے ہوں، ان کو نشان زدہ کر کے بھیج دیجئے، میں ان سے رجوع کا اعلان کردوں گا، اور ان کی جگہ جو محتاط الفاظ استعمال ہونے چاہئیں وہ بھی لکھ دیئے جائیں۔

۳:... شائع شدہ تحریر کے صفحہ: ۲۹ سے صفحہ: ۴۱ تک جو کچھ لکھا ہے، وہ جناب شیخ محمد علوی مالکی کو ''ایک خوش عقیدہ عالم'' سمجھ کر لکھا ہے، جس کی تصریح صفحہ: ۴۱ کے نکتہ: ۵ کی پہلی دو سطروں میں موجود ہے، البتہ نمبر: ۵ سے جو عبارت شروع ہوتی ہے، وہ جناب قاضی صاحب کے انکشافات پر مبنی ہے، یعنی صرف دو صفحے کی تحریر، لیکن آنجناب نے میری پوری تحریر ہی کو جناب قاضی

صاحب کی تقلید کا نتیجہ قرار دے دیا۔

۴:...قاضی صاحب نے ''جہانِ رضا'' کا حوالہ دیا ہے، جو فروری ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا، ساڑھے تین سال بعد اس ناکارہ نے قاضی صاحب کے حوالہ سے اس کا فوٹو شائع کردیا تو سارا نزلہ اس ''غریب مسکین'' پر آگرا، تین ساڑھے تین سال تک کسی عقیدت کیش کو خیال تک نہیں آیا کہ شیخ علوی کو خانوادۂ بریلویت سے منسلک کیا جارہا ہے۔

۵:...''جہانِ رضا'' میں ''خانوادۂ بریلی کا ایک عرب مفکر'' کے عنوان سے ''فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر محمد علوی الحسنی المالکی مدظلہ'' پر پورا ایک مضمون شائع ہوتا ہے، جس میں اعلان کیا جاتا ہے کہ: ''آپ کے دادا اور والدگرامی دونوں شہزادہ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا تھے، اور آپ، خلیفہ اعلیٰ حضرت، خطیبِ مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں'' پاکستان کے کسی دیوبندی حلقہ سے اس کے بارے میں ''صدائے برنخواست'' تین سال کے بعد اگر قاضی صاحب ''جہانِ رضا'' کے اس مضمون کا فوٹو شائع کررہے ہیں، اور یہ روسیاہ اس کا حوالہ دے ڈالتا ہے، تو یہ روسیاہ بھی مجرم اور قاضی صاحب بھی متشدد، إنا لله وإنا إليه راجعون!

۶:...شیخ علوی کی تالیفِ لطیف ''الطالع السعید'' کا مطالعہ واقعی اس مجہولِ مطلق نے نہیں کیا، اس میں ملاحظہ فرمالیا جائے، اس میں کسی بدعتی کا تذکرہ تو نہیں ہے؟ اگر واقعی ایسا ہو تو کیا تعجب کہ ''جہانِ رضا'' کی روایت (جس کی تردید آج تک اس روسیاہ کے علم میں نہیں آئی) بھی کچھ غلط نہ ہو، کیونکہ خواجہ حافظؒ بہت پہلے فرماگئے ہیں:

اے کبک خوش خرام کجا مے روی بناز
غرہ مشو کہ گربہ زاہد نماز کرد...

اور یہ بھی ممکن ہے کہ:

معشوق ما بہ مشرب باہر کس برابر است
با ما شراب خورد و با زاہد نماز کرد

۷:...جناب علوی صاحب کی دُوسری کتابوں میں ان کی کتاب ''حول الإحتفال النبوی'' بھی تو ہے، جس کو بریلوی حضرات نے اُردو میں شائع کیا ہے، آنجناب نے انعقادِ میلاد کے لئے ''سیّد الطائفہ'' کا حوالہ تو دے دیا، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ اعاظم خلفاء (اور ہمارے اکابرِ دیوبندؒ) کا طرزِ عمل اس بارے میں کیا رہا؟ اور آج شیخ علوی مالکی کی کتاب پر جو ''دیوبندی بریلوی اتحاد'' کی تحریک چل رہی ہے، اس کا انجام کیا ہوگا...؟

۸:...اس ناکارہ نے تو ''اِصلاحِ مفاہیم'' کے ایک دو حوالے، بطورِ نمونہ دیئے تھے، جس میں موصوف نے اپنے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے والوں پر کم عقلی، کم فہمی، تنگ نظری، بدفہمی اور جہالت وتعنت کے فتوے صادر فرمائے ہیں، کتاب کا خود مطالعہ فرمالیجئے اور پھر بتایئے کہ ہمارے اکابرؒ تو ان فتووں کی زد میں نہیں آئے؟

آخر میں سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے اصلاح کا طالب ہوں، یہ ناکارہ تو واقعی ''نہ تین میں ہے نہ تیرہ میں!'' میرے اکابرؒ جو فرمائیں ان کا مقلدِ محض ہوں، اور آپ حضرات جو اصلاح فرمائیں وہ سرآنکھوں پر!

اللّٰھم انی اعوذ بک من شر نفسی ومن شر الشیطان وشرکہ، ومن الفتن ما ظھر منھا وما بطن!

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۲۹/۱/۱۹۱۶ء

۴:...جناب محمد ابوزبیر سکھر کا خط

بخدمت اقدس حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون!

ماہنامہ بینات کا بندہ مستقل خریدار ہے، محرم الحرام کا رسالہ پڑھ کر بندہ حیران ہوا کہ اِصلاحِ مفاہیم کے سلسلے میں اختلاف کچھ کم ہوا تھا کہ جناب کے مضمون نے تیل چھڑکنے کا کام کیا، آپ تو جانتے ہیں کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی تڑپ خانقاہوں کو آباد کرنے کی تھی، اس کے لئے آپ نے آخری عمر میں مختلف سفر بھی کئے، حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ کی تڑپ کو لے کر چلنے والے اگر کوئی ہیں تو وہ یہ ہیں حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم، یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے خانقاہوں کو آباد کرنے کے لئے رات دن ایک کردیا اور اس اہم کام کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا اور پوری دُنیا میں جگہ جگہ اس کام کے لئے یہ حضرات سفر فرما رہے ہیں، اس وقت ان حضرات کے اخلاص کی برکت ہے کہ جگہ جگہ ذکر و درود شریف کی مجالس قائم ہوگئیں اور روزانہ لاکھوں مرتبہ درود شریف پڑھا جارہا ہے، غالی مماتیوں نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح ان کا راستہ بند کیا جائے، آخرکار ان کو یہ موقع ملا اور اصلاح مفاہیم کے اختلاف کو اتنا بڑھایا گیا گویا کہ کفر و اسلام کی جنگ ہو رہی ہے، اور ہمارے مخلص حضرات نے اپنے رسالے میں اس اختلاف کو بڑھانے کے لئے وقف کردیئے، اس کتاب کو مشہور کرنے والے درحقیقت یہی لوگ ہیں ورنہ اس کتاب کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ اصلاحِ مفاہیم پر تقریظیں لکھنے والے کئی ایک بزرگ ہیں، لیکن جب تبصرہ کیا جاتا ہے تو سب کو چھوڑ کر حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم پر نزلہ اُتارا جارہا ہے، اس کو ناانصافی نہ کہیں اور تو کیا کہیں آنجناب نے بھی اپنے تبصرہ میں اس ناانصافی کا مظاہرہ کیا ہے، آپ جیسے مخلصوں سے ایسی توقع نہ تھی، یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت شیخؒ کے مشن کو لے کر چلنے والوں کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کی جارہی ہے اور ان کو بدنام کیا جارہا ہے، اور اب تو ذاتیات تک نوبت پہنچ گئی ہے، جس کی لپیٹ میں آنجناب بھی ہیں کہ ایک نجی خط کو شائع کرکے عوام کو ان حضرات سے دور کرنے کی کوشش کی ہے، ایک نجی خط تھا اس کو ویسے ہی جواب دے دیا جاتا، آنجناب کا قلم غیروں کے مقابلے میں اپنوں کے لئے بہت سخت تھا۔

دُوسری بات یہ ہے کہ مکی مالکی صاحب نے وہ کتاب سلفیوں کے خلاف لکھی ہے، تبصرہ کے شروع میں آنجناب نے بھی یہی فرمایا لیکن آگے چل کر حضرت قاضی صاحب نے انکشاف فرمادیا کہ وہ ہمارے علماء کے بارے میں لکھا ہے، عجیب بات ہے کہ ہم خود اپنے اکابرین کو گالیاں دلوار ہے ہیں، مکی مالکی صاحب نے اپنی کتاب شفاء الفواد میں ہمارے اکابر کا تذکرہ بڑے عمدہ طریقہ سے کیا ہے، اور ''المہند'' سے تقریباً چھ صفحات اپنی کتاب میں ذکر کئے اور ہمارے اکابرین کا کبار محدثین فی الہند کے نام سے تذکرہ کیا۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب نے بتایا کہ مکی مالکی صاحب حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضری دیتے اور حضرت شیخؒ ان کو سید ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھ بٹھاتے تھے، اور آج بھی مالکی صاحب کے ہاں حیات صحابہ کی تعلیم کرائی جاتی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے بتایا کہ مکی مالکی صاحب جب پاکستان تشریف لائے تو میں خود ان کے ساتھ تھا، مختلف علمائے کرام سے انہوں نے اصلاح مفاہیم پر تقریظیں لکھوائیں، تو حضرت مکی صاحب نے عرض کیا کہ: کچھ تقریظیں بریلوی علماء سے بھی لکھوالیں، اس پر مکی مالکی صاحب نے فرمایا کہ: ان میں کوئی بڑا عالم نہیں ہے۔ اب آپ بتائیں ایسے شخص کو جو ہمارے اکابر کی خدمت میں بھی حاضری دے، ہمارے بزرگوں کا تذکرہ بھی کرے اور ہمارے حضرات کی کتاب کی تعلیم بھی کرائے، اس کو ہم زبردستی بریلوی بنانے کی کوشش کریں اور سلفیوں کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا، اس کو اپنے اکابر پر چسپاں کردیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ آنجناب کو اگر مالکی صاحب کے بارے میں کچھ معلوم ہی کرنا تھا تو وہ آپ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی سے معلوم کرتے، حضرت قاضی صاحب کو ان کے بارے میں کیا علم ہے؟ ان کے حالات تو وہی بتاسکتا ہے جو مکہ شریف میں ان کے قریب ہو، حضرت قاضی صاحب کا حال تو یہ ہے کہ بندہ کی پچھلے مہینہ ملاقات ہوئی، نعل شریف پر کچھ بحث چل پڑی، بندہ نے عرض کیا کہ: میرا تعلق حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ سے ہے، اور انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کے فوائد ذکر کئے ہیں، اس پر حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ: حضرت شیخؒ کو چھوڑ دو، ان کی بات کیوں مانتے ہو؟ حضرت تھانویؒ کی بات مانو! اب ان کو تو حضرت شیخؒ سے اتنا بغض ہے اور آنجناب ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

پھر مکی مالکی صاحب مکہ شریف میں ہیں، وہاں پر دُنیا بھر کے لوگ آتے ہیں، ہر مسلک والے آتے ہیں، اور ان سے بھی مل لیتے ہیں، اور ملاقات کے دوران مالکی صاحب ان کی تعریف فرمادیتے ہیں، تو کیا اس کی وجہ سے وہ کٹر بریلوی ہوگئے؟

آنجناب نے یہ بھی الزام لگایا کہ حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت شیخ رحمہ اللہ سے بے وفائی کی ہے کہ مالکی صاحب کے حلقہ میں داخل ہوگئے ہیں۔

کاش کہ آنجناب اس کی تحقیق فرمالیتے، مالکی صاحب کی کیا حیثیت ہے، حضرت صوفی صاحب زید مجدہٗ کے مقابلے میں یہ سراسر حضرت پر بہتان ہے، قیامت کے دن ان جھوٹے الزامات کا جواب دینا ہوگا، حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم پر ہزار مکی مالکی جیسے قربان ہوجائیں۔

ماہنامہ بینات کے مدیر حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب بھی مکی مالکی صاحب کے اور ان کی کتاب کے مداح ہیں، آنجناب ان سے تحقیق فرمالیتے۔

چند دن قبل بندہ کا صوبہ سرحد جانا ہوا، کئی علماء سے اس سلسلہ میں بات ہوئی، اکثر علماء کی رائے یہ تھی کہ آنجناب ایک بڑی

شخصیت ہیں، آپ کا ایک علمی مقام ہے، آپ کو ایسی باتیں نہیں لکھنی چاہئیں تھیں۔

تحریر کی طوالت کی معافی چاہتا ہوں، اگر کوئی سخت بات محسوس ہو تو اس کی معافی چاہتا ہوں، اللہ پاک تمام قلوب کو حق پر جمع فرمادے، امید ہے کہ دعواتِ صالحہ میں فراموش نہیں فرمائیں گے۔ والسلام محمد ابوزبیر سکھر۔‘‘

محمد ابوزبیر سکھروی کے خط کا جواب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مخدوم و مکرم! زید مکارکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نامہ کرم لائقِ صد احترام و اکرام ہوا، یہ ناکارہ تو واقعتاً ’’نہ آناں میں ہے نہ ایناں میں‘‘، ’’نہ تین میں، نہ تیرہ میں۔‘‘

آنجناب کا گرامی نامہ تین مضامین پر مشتمل ہے:

۱:... اکابر ثلاثہ (صوفی صاحب، مولانا مکی اور مولانا عزیز الرحمٰن دامت برکاتہم وزیدت فیوضہم) کا شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے فیض کو عام کرنا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اخلاص کے ساتھ مزید ترقیات سے نوازیں، یہ ناکارہ ان پر اسی طرح رشک کرتا ہے جس طرح ایک فقیرِ بے نوا کسی رئیس پر رشک کرے، اس لئے اس ناکارہ نے بلاتکلف اپنے خط میں لکھا ہے:

’’حضرت مولانا عزیز الرحمٰن مدظلہ کے ساتھ اس ناکارہ و روسیاہ کا بھی تعلق ہے، وہ میرے خواجہ تاش ہیں، اور اس ناکارہ سے کہیں بہتر و افضل ہیں۔‘‘

لہٰذا اس ضمن میں تو آنجناب نے میری معلومات، اور میرے حسنِ ظن میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔

۲:... شیخ علوی مالکی کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ بریلویوں کے پرچہ ’’جہانِ رضا‘‘ کے حوالے سے لکھا، اگر یہ غلط ہے تو بہت آسان بات ہے، شیخ علوی مالکی صاحب سے ’’جہانِ رضا‘‘ کے مندرجات کی تردید کرادی جائے، میں اس تردید کو شائع کرکے اپنی تفریعات واپس لے لوں گا۔

۳:... حضرت صوفی صاحب مدظلہٗ کے بارے میں ایک ثقہ راوی کی سماعی روایت درج کی ہے، اگر یہ غلط ہے تو اس سے توبہ کرتا ہوں، اور موصوف سے بھی معافی چاہتا ہوں، مناسب ہوگا کہ اس روایت کی تردید حضرت صوفی صاحب زید مجدہٗ ہی سے کرادی جائے تاکہ اس کو شائع کرکے اس کے ساتھ اپنا توبہ نامہ بھی شائع کردوں۔

ان اُمور کے علاوہ جو بات بھی اس ناکارہ نے غلط لکھی ہو اس کی نشاندہی فرمادی جائے، اس سے بلاتکلف رُجوع کرلوں گا، اُمید ہے مزاجِ بعافیت ہوں گے، دُعاؤں کا محتاج اور ملتجی ہوں۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴۱۶/۲/۲۱ھ

۵:...جناب اختر علی عزیزی کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند

محترمی جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج بخیر!

اگرچہ بندہ ماہنامہ ”بینات“ کا خریدار نہیں تاہم مستقل قاری ضرور ہے، اور آپ کے اداریے اور بیانات محبت سے دیکھتا ہے، لیکن اس شمارہ محرم الحرام میں آپ کا مضمون ”کچھ اِصلاحِ مفاہیم کے بارے میں“ نظر سے گزرا، اپنے پیرومرشد، ولی کامل، عالم باعمل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے باغِ تصوف اور چمنستانِ سلوک کے حقیقی وارث ونگران مجاہدِ ملت حضرت مولانا محمد عزیزالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے متعلق آپ کے تحریر کردہ مضمون کا مطالعہ کیا، فطری بات ہے کہ حزن وملال سے رنجیدہ اور غم وفکر سے نڈھال ہوا۔ جنابِ محترم! آپ نے ایک ایسے عظیم مجاہد کے خلاف (بدون تحقیق کے) اوراقِ کثیرہ سیاہ کئے ہیں جو کہ ہر باطل کے خلاف سیفِ بے نیام ہوکر میدانِ عمل میں کودتے ہیں۔ ردّ روافض کا فریضہ ہو، یا مودودی صاحب کے غلط نظریات پر ضربِ کاری کا، مرزائیت کا جنازہ نکالنا ہو یا توہینِ رسالت کیس، ڈاکٹر اسرار احمد کا تعاقب ہو یا پروفیسر طاہرالقادری کا مقابلہ ہر موقع پر یہ مجاہد فی سبیل اللہ اغیار اور اسلام دشمن قوتوں کا قلع قمع کرتے ہیں اور مع ہذا مثبت رویہ اور تعمیری سوچ رکھتے ہوئے اکابرِ دیوبند کے نقشِ قدم پر خصوصاً اپنے شیخ قدس سرہٗ کی نیابت کرتے ہوئے ہزاروں مخلوقِ خدا کو اللہ کا پیارا نام سکھایا اور ان کی وساطت سے ان بندگانِ خدا کا تعلق اپنے مولیٰ سے بن گیا (اگر اغماض نہ فرمائیں تو آپ بھی اس کے قائل ہوں گے)، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی توجہ و برکات سے اور اسلوبِ اکابر اپنانے کی وجہ سے راولپنڈی میں (اور جہاں جہاں ان کے مسترشدین ہیں، ان کے علاقوں میں بھی) کتنی مساجد بریلوی مکتبِ فکر والوں سے آزاد ہوکر دیوبندیوں کے ہاتھ آگئی ہیں، خود راقم سطور کا جو علاقہ ہے کاٹنگ ضلع مردان، پہلے بریلویوں کے قبضہ میں تھا، ہمارے پانچ چھ علمائے کرام (جو کہ جید مدرس عالم ہیں، اکوڑہ خٹک اور امداد العلوم پشاور سے فارغ التحصیل ہیں اور حضرت مولانا عزیزالرحمٰن صاحب زید مجدہٗ سے بیعت ہیں) نے یہاں اپنے شیخ کے اُصول پر کام شروع کیا، الحمدللہ کہ کافی علاقہ بریلویت کے زہر سے بچ گیا، لیکن نہ جھگڑا ہوا، نہ خون خرابہ، اپنے اکابر کے طرز پر ذکر و درود شریف اور تصوف کا راستہ اختیار کرکے بریلویت کا جنازہ نکل گیا، جس کی تصدیق آپ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب اور مولانا امداد اللہ صاحب مدرسین جامعہ بنوری ٹاؤن سے کرسکتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے علاقہ کے رہنے والے ہیں۔

میرے محترم! آپ نے کتاب ”اِصلاحِ مفاہیم“ اور اصل عربی کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے، عجیب ہے، آپ نے لکھا ہے: ”جن حضرات نے اس پر تقریظات ثبت کی ہیں، اس ناکارہ کا احساس ہے کہ انہوں نے بے پڑھے محض مؤلف کے ساتھ حسنِ ظن اور عقیدت

سے مغلوب ہوکر لکھ دی ہیں۔'' (ص:۳۰) بات یہ ہے کہ آپ نے صرف کتاب کو دیکھا ہے لیکن کتاب کے پسِ منظر اور پیشِ منظر سے اطلاع حاصل نہیں کی ہے، واقعہ اس کا شاہد ہے کہ جن حضرات نے تقریظات ثبت کی ہیں وہ بعد مطالعہ کتاب کی ہیں، مثلاً: شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی مرحوم نے بغیر مطالعہ کے تقریظ کرنے سے معذرت ظاہر کی تھی، پھر جب مطالعہ فرمایا تو تقریظ ثبت فرمائی (اس کی آپ معلومات کرسکتے ہیں)، اس طرح باقی حضرات کے تقاریظ بھی، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کا احساس مبارک مبنی بر غلط ہے اور ان حضرات نے تقریظات کتاب پڑھ کر عقیدہ رکھتے ہوئے اظہارِ حق کی بنیاد پر ثبت فرمائی ہیں۔ پھر آپ نے لکھا ہے: ''اگر کسی نے پڑھا ہے تو اس کو ٹھیک طرح سمجھا نہیں، نہ ہمارے اکابر کے مسلک کو صحیح طور پر ہضم کیا ہے.....الخ۔'' (بینات ص:۳۱) تو یہ بھی علم کے سمندر پر اجارہ داری اور ٹھیکیداری کا دعویٰ ہے کہ صرف آپ کا مطالعہ اور فہم ٹھیک ہے، باقی تمام حضرات (شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی، شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاں صاحب، خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ امیر جمعیت علمائے اسلام، جامعہ العلوم الاسلامیہ کے ناظم تعلیمات مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب، شیخ الحدیث مولانا عبدالکریم صاحب کلاچی، مولانا عبدالقادر آزاد، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور ان جیسے بیسیوں حضرات علمائے کرام کا ہاضمہ خراب ہے۔ نہ کتاب کے نام کا مفہوم سمجھتے ہیں اور نہ اکابر علمائے دیوبند (کثر اللہ جماعتہم) کے مذاق سے واقفیت، شاباش! بایں عقل و دانش بباید گریخت۔

پھر تو وہی بات ثابت ہوئی جس سے آپ انتہائی حد تک اظہارِ بیزاری کرچکے ہیں کہ ''اب ہمارے استبدادِ رائے کا ایسا غلبہ ہے کہ نہ کوئی کسی کے سننے کو تیار نہ ماننے کو.....الخ۔'' (بینات ص:۳۴)

لیکن اس تحریر کے باوجود آپ اپنی رائے کو حرفِ آخر اور وحدہٗ لاشریک لہٗ مانتے ہیں، باقی تمام اکابر علماء کا ہاضمہ خراب ہوگیا، بلکہ کتاب کے نام تک نہیں پہنچ سکے، پس مثل سائر صادق ہوا: ''**فر من المطر ووقع تحت المیزاب**''۔

آپ نے صاحبِ کتاب پر تنقید کی ہے کہ اس نے داعیانہ اسلوب اور مصلحانہ اندازِ تخاطب اختیار نہیں فرمایا.....الخ، (بینات ص:۳۸) تو راقم کہتا ہے:

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

آپ نے خود حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے محبوب خلیفہ سرحلقہ عشاق جناب حضرت صوفی اقبال صاحب زید مجدہٗ ہوشیارپوری ثم المدنی اور مجاہد ملت حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور داعی کبیر مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی اور دیگر خلفائے کرام کو (جو ابھی تک حقیقی طور پر حضرت قدس سرہٗ کے مشن کے نگہبان ہیں) اپنے شیخ کے ساتھ بے وفائی کا طعنہ دیا ہے اور اپنے شیخ سے بے وفائی نعوذ باللہ من ذالک وہ شخص ہی کرسکتا ہے جو کم عقل، کم فہم، تنگ نظر، جاہل، بدفہم اور متعنت ہو، تو جو الفاظ علوی مالکی نے اپنے مخالفین (متشدد سلفی حضرات) کے حق میں استعمال کئے ہیں وہ آپ نے حضرت شیخ کے محبوب خلفائے کرام کے حق میں لکھ دیئے، تو پھر کیوں آپ کا اندازِ تخاطب داعیانہ اور مصلحانہ ہے، اور شیخ علوی کا مناظرانہ ومجادلانہ؟

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

باقی ہمارے شیخ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کے کسی مرید کا خط جو آپ نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا تبلیغی جماعت کے خلاف ذہن بناتے ہیں (بینات ص:۴۵)۔تو یہ محض جھوٹ، بہتان اور ان پر افتراء ہے،لعنت اللہ علی الکاذبین! راقم کا تعلق حضرت مولانا کے ساتھ اس وقت سے قائم ہے جبکہ بندہ مختصر المعانی پڑھ رہا تھا، اور الحمدللہ! سالِ رواں بندہ کی تدریس کا چھٹا سال ہے، لیکن تاہنوز ہم نے حضرت مولانا صاحب سے اہلِ تبلیغ اور جماعت والوں کے متعلق سوائے خیر خواہی کے کچھ نہیں سنا۔ رہا بعض مبلغین کی کچھ خامیوں کی نشاندہی کرنا، تو اسے تبلیغ کی مخالفت کہنا اور حضرت شیخؒ کے مشن سے وفائی ٹھہرانا سوٴ ظن ہے، اگر بعض مفاد پرست علماء پر اِعتراض برداشت کیا جاتا ہے اور اسے علم اور علماء کی مخالفت سے تعبیر نہیں کیا جاتا، یا بعض جاہل متصوفین پر بغرضِ اصلاح طعن کی جاتی ہے اور اسے تصوف کی مخالفت نہیں سمجھا جاتا (بلکہ حق پرست لوگ خیر خواہی سمجھتے ہیں) تو پھر ناواقف مبلغین کی اصلاح کے لئے اگر ایک عالم باعمل (جو کہ حضرت شیخؒ کے مشن کا باغبان بھی ہو) کسی غلطی کی نشاندہی فرمائے تو وہ کیسے تبلیغی جماعت کی مخالفت اور حضرت شیخ رحمہ اللہ سے بے وفائی ہوگی؟ آپ نے بغیر تحقیق کئے ایک شخص کے خط پر (خدا جانے وہ کون ہے؟ اصدق و اکذب) ہمارے شیخ پر بے جا تنقیدات و اِعتراضات کا دروازہ کھولا ہے، اور اپنے دل کی بھاپ نکالی ہے، کاش کہ آپ اوراق لکھتے وقت **فتبینوا أن تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین** ذہن میں لاتے اور ایک مجہول شخص کی وجہ سے ایک معروف خدارسیدہ عالم پر نہ برستے، پھر ظلم یہ کہ اس شخص نے آپ سے استفسار کیا ہے، آپ اسے جواب دیتے، لیکن ماہنامہ ''بینات'' میں اس کے چھاپنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف حضرت مولانا صاحب کے متوسلین کے قلوب کو آزار؟

مع ہذا ستم بالائے ستم یہ کہ کتاب ''مفاہیم'' پر تقریظات تو مختلف علمائے کرام نے کی ہیں، لیکن ہدفِ اِعتراض صرف مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہیں، کیا انہوں نے کسی کا باپ مارا ہے؟ آپ کم از کم جامعہ کے ناظمِ تعلیمات سے نمٹ جائیں:

تمہاری زلفوں میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

باقی آپ نے جن اکابر کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اکابر کا مسلک صحیح طور پر ہضم نہیں کیا ہے، ان میں سے شیخ الحدیث حضرت مولانا حامد میاں صاحبؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اب اس دارِفنا سے تشریف لے جاچکے ہیں، اور آپ مکرر سہ کرر ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ: انہوں نے حسنِ ظن سے کام لیا ہے، مطالعہ نہیں کیا ہے، ایسا نہیں کرنا چاہئے وغیرہ وغیرہ، تو کیا اموات کے متعلق ایسے اقوال کہنا (جبکہ وہ مبنی بر حقیقت بھی نہیں جیسا کہ سابق میں گزرا) بے ادبی نہیں ہوگی؟ اگرچہ آپ کہتے ہیں کہ: ''اس کو ان بزرگوں کے حق میں سوٴ ادب کا اِرتکاب نہیں سمجھنا چاہئے۔'' (بینات ص:۷۳) لیکن یہ ضرور سوٴ ادب ہوگا جبکہ اکابر کے سروں پر ایسے اُمور تھوپ دیئے جائیں جن سے وہ بَری ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے ہم نے کتاب دیکھا مطالعہ کیا اور اسے معتدل اور جامع پایا وغیرہ، اور آپ اِحتمالات کا سہارا لے کر فرماتے ہیں محض حسنِ ظن ہے، تو آپ کی توجیہ برائے کلام اکابر **توجیہ الکلام بما لَا یرضٰی بہ قائلہٗ** کے قبیل سے ہے۔

یہ تمام اُمور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ قاضی مظہر حسین صاحب سے متأثر ہیں، اور ان کا پریشر آپ پر پڑا ہے، لیکن یاد

رہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے کسی کو معاف نہیں کیا ہے، پرائے تو پرائے ہیں، اپنوں پر ایسی یلغار کرتے ہیں جیسے کہ کفر و اسلام کی جنگ ہو۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے ساتھ ان کی لڑائی ہوتی رہی، اس کے بعد مولانا حق نواز شہیدؒ کے ساتھ، مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی، مولانا عبداللہ صاحب خطیبِ اسلام آباد، مولانا اعظم طارق، مولانا اسحاق سندیلوی اور ان کے علاوہ مختلف علمائے کرام کے ساتھ جہادِ کبیر کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ تحریک خدام اہل سنت سن صغر سے شروع ہوچکی ہے اور ابھی تک صرف چکوال اور جہلم کے مضافات سے باہر نہ نکل سکی، کیونکہ کل قاضی صاحب جن کے دوست تھے، آج ان کے دشمن، اور آج جن کے دوست ہیں کل ان کے ساتھ میدانِ کارزار میں ہوں گے۔

آپ لکھتے ہیں کہ: ”اگر حضرت شیخؒ کی نسبت کا رنگ غالب رہتا..... الخ۔“ (بینات ص:۷۴) تو جناب مکرم! حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت کا رنگ جتنا حضرت مولانا عزیز الرحمٰن زید مجدہٗ پر چڑھ گیا ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی، بلکہ کئی چیدہ چیدہ علمائے کرام سے سنا ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے حقیقی وارث اور نعم البدل حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہیں، اور جتنا کام ردّ فرقِ ضالہ و باطلہ کا ان سے اللہ تعالیٰ نے لیا وہ بھی قابلِ رشک ہے، لہٰذا ایسی شخصیت کے متعلق بدون تحقیق ایسی باتیں منسوب کرنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، ممکن ہے خط میں بعض جملے ناخوشگوار ہوں، لیکن مجروح قلب سے نکلے ہیں لہٰذا برداشت کیا جائے، مع ہذا معافی کا خواستگار ہوں۔

راقم السطور
بندہ اختر علی عزیزی
خادم دار العلوم عنا روقیہ کاٹنگ ضلع مردان
۲۳ر صفر ۱۴۱۶ھ۔“

جناب اختر علی عزیزی کے خط کا جواب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مخدوم و معظم زیدت الطافہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محبت نامہ موصول ہوکر موجبِ عزت افزائی ہوا، یہ ناکارہ اپنے اسی مضمون میں لکھ چکا ہے کہ یہ ”نہ تین میں ہے، نہ تیرہ میں!“ میں کیا، اور میری رائے کیا؟ کوئی لفظ صحیح لکھا گیا تو مالک کی عنایت، ورنہ اس روسیاہ کی تحریر حرفِ غلط کی طرح مٹادینے کے لائق ہے، اس ناکارہ کو علم کجا؟ انسانوں کی صف میں شمار کرنے کی گنجائش نہیں، کہ یہ خود اپنے کو بہائم سے بدتر سمجھتا ہے، إلّا أن یتغمدنی اللہ برحمته!

میرے اکابر، میری تحریر کے جس لفظ کے بارے میں فرمادیں کہ یہ غلط ہے، اس سے بغیر کسی بحث کے توبہ کرتا ہوں، اس ناکارہ نے کتاب کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ ہمارے اکابرؒ کے ذوق و مسلک کی ترجمان نہیں، دیوبندی بریلوی متنازع فیہ مسائل میں

ہمارے اکابرؒ کو مخالفین کی جانب سے جو کہا گیا، اور کہا جارہا ہے، ان مسائل میں ہمارے اکابرؒ حق پر تھے، یہ ناکارہ، کم فہم ان مسائل میں کسی لچک کو گوارا نہیں کرتا، نہ مصالحت کو صحیح سمجھتا ہے، جن بزرگوں نے اس کتاب کو ہمارے اکابرؒ کے مسلک کی ترجمان قرار دیا ہے، ان کے بارے میں اپنا احساس لکھا کہ یا تو انہوں نے اس کتاب کو ٹھیک طرح سے پڑھا نہیں یا اس کے مالۂ و ماعلیہ کا احاطہ نہیں کیا، آنجناب کے تیز و تند عنایت نامہ کے بعد بھی مجھے افسوس ہے کہ یہ ناکارہ اپنے اس احساس میں کوئی تبدیلی نہیں پاتا، ان تقریظ کنندگان کی بے ادبی مقصود نہیں تھی، بلکہ بقول عارف رومیؒ:

گفتگوئے عاشقاں در امر ربّ
جوشش عشق است نے ترکِ ادب

بہرحال اگر اس روسیاہ کا کتاب کے بارے میں یہ خیال غلط ہے تو اس سے سو بار توبہ کرتا ہوں، وما أبرئ نفسی ان النفس لأمارة بالسوء إلّا ما رحم ربی! اور جن بزرگوں کے بارے میں ”ترکِ ادب“ سمجھا گیا ہے، اس سے بھی توبہ کرتا ہوں۔

جن بزرگوں کے آنجناب نے فضائل و مناقب رقم فرمائے ہیں، اس ناکارہ کے علم میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا، کیونکہ یہ ناکارہ خود ان کو ”اپنے سے بدرجہا افضل“ لکھ چکا ہے، (اور اس ننگِ بہائم کا ان بزرگوں سے تقابل ہی کیا؟) سید علوی کے بارے میں ”جہانِ رضا“ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، مصنف ماشاء اللہ بقیدِ حیات ہیں، ان سے ”جہانِ رضا“ کے مضمون کی تردید کرادی جائے تو یہ ناکارہ اپنی تفریعات و نتائج کو بھی علی الاعلان واپس لے لے گا۔

آنجناب نے اس ناکارہ کے بارے میں جو تند و تیز الفاظ استعمال فرمائے ہیں، ان کے لئے حافظؒ بہت پہلے فرماگئے ہیں:

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

یہ میرے مالک کی ستاری ہے کہ اس رُوسیاہ کے سارے عیوب پر آنجناب کو مطلع نہیں فرمایا، ورنہ ”بتر زانم کہ گفتی“، اللہ تعالیٰ اس رُوسیاہ کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائیں، اور میرے اکابرؒ کے درجاتِ عالیہ کو بلند سے بلند تر فرمائیں۔

دعواتِ صالحہ کی درخواست ہے، اور کوئی لفظ جناب کی شان کے خلاف صادر ہوا ہو تو ندامت کے ساتھ معذرت اور معافی کی اِلتجا کرتا ہوں، والسلام!

محمد یوسف عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۲/۲۶

۶:...مولانا عزیز الرحمٰن کے ایک مرید کے خط کا جواب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محترم حضرت اقدس جناب مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خیریت کے بعد عرض ہے کہ بندہ آپ کی رہنمائی چاہتا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ بندہ کا اصلاحی تعلق مولانا عزیز الرحمٰن صاحب

دامت برکاتہم سے ہے، ان کا اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم کا اختلاف پیدا ہوا ہے، چنانچہ ان کی طرف سے میں نے خود سنا ہے کہ اب وہ فرماتے ہیں کہ یہ بدعتی ہے، فتنۂ اقبالیہ یا فتنۂ عزیزیہ کہہ کر پکارتے ہیں۔

یہ خط میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ایک بات کی تصدیق چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ کی مجلس میں میں خود بیٹھا ہوا تھا، تو انہوں نے یہ بات آپ کی طرف نسبت کرکے فرمائی کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم سے مسجدِ حرام میں معافی مانگی ہے، کیا آپ کے نزدیک ایسی کوئی بات ہوئی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی اس کی حقیقت سے بندہ کو مطلع فرمادیں کہ ایسا ہوا یا نہیں؟ اور قاضی صاحب کا ہر رسالہ میں ان کا تذکرہ کرنا کیسا ہے؟ اور اب ان میں سے حق پر کون ہے؟ یعنی کون اعتدال پر ہے؟ اور کون اپنے اکابرین کی اتباع کر رہا ہے؟ اور ان کو بدعتی کہنا اور سابق دیوبندی کہنا کیسا ہے؟ مہربانی فرماکر بندہ کی رہنمائی فرمائیں، بندہ بہت زیادہ پریشان ہے، کیونکہ اصلاحی تعلق کا معاملہ ہے اور اس میں آج کل کے دور میں دیر نہیں کرنی چاہئے، نیز بندہ کے لئے خصوصی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے ساتھ رکھے اور ان کے ساتھ اُٹھائے، ایمان پر خاتمہ فرمائے اور ہر بدعت سے بچائے، تحریر میں غلطی کی معافی چاہتا ہوں، والسلام!

دعاؤں کا محتاج
اجمل حسین

الجواب

برادرِ محترم ....السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سے اس بندہ کو اختلاف تھا، اور ہے، مگر اس ناکارہ کی عادت کسی کے پیچھے پڑنے کی نہیں ہے، اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ:

> ”حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ کی مجلس میں میں خود بیٹھا تھا، انہوں نے آپ کی طرف نسبت کرکے فرمایا کہ: محمد یوسف نے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن دامت برکاتہم سے مسجدِ حرام میں معافی مانگی ہے۔“

یہ واقعہ اُلٹ گیا ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ ہمارے دوستوں نے حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم سے گفتگو شروع کردی، اور یہ گفتگو بیت اللہ شریف کے دروازے تک جاری رہی، مولانا عزیز الرحمٰن پٹھان آدمی ہیں، انہوں نے غصہ سے کہہ دیا کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں، میں اس گفتگو سے لاتعلق تھا، لیکن جب انہوں نے مباہلہ کا تذکرہ کیا تو میں نے مولانا محترم کا دامن پکڑا اور کہا کہ: بیت اللہ شریف سامنے ہے، چلئے میں اسی وقت آپ سے مباہلہ کرتا ہوں! اس پر وہ ڈھیلے پڑ گئے اور بات گئی گزری ہوگئی، بعد میں انہوں نے اس پر معذرت کی، یہ خلاصہ ہے ساری کہانی کا۔

مولانا عزیز الرحمٰن میرے پیر بھائی ہیں، میں ان کا احترام کرتا ہوں اور ان کو اپنے سے ہزار ہا درجہ بہتر جانتا ہوں، لیکن مسلکِ علمائے دیوبند کے نام سے جو کچھ انہوں نے لکھا ہے، میں اس سے بیزار ہوں، اور اس کو اپنے شیخؒ کے مسلک کے خلاف سمجھتا ہوں۔

آپ ان سے اصلاحی تعلق رکھیں اور ان سے اکتسابِ فیض کریں، لیکن ان فضولیات اور لغویات میں اپنے اوقات کو ضائع مت کریں۔ میرا دین و عقیدہ یہ ہے کہ:

''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آئے، اور جو کچھ سلف صالحین، صحابہؓ و تابعینؒ، اور ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ تک ہمارے اکابرِ دیوبند نے سمجھا وہ برحق ہے، اگر میری رائے یا کسی اور کی رائے کسی مسئلے میں ان کے خلاف ہو تو وہ قابلِ ردّ ہے!''

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۲۰/۴/۱۴۱۸ھ

۷:...دیوبندی بریلوی اختلاف حقیقی یا فروعی؟

دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں ہمارے یہاں تقریباً دو تین سال سے یہ اختلاف روز افزوں ہوتا جارہا ہے اور ہمارے اکابرِ دیوبند کے منتسبین فریقین میں منقسم ہوتے جارہے ہیں، لہٰذا مندرجہ ذیل اُمور کا مفصل و مدلل بحوالہ کتب جواب باصواب تحریر فرماکر ہماری رہنمائی فرمائیں۔ بریلوی، دیوبندی اختلاف فروعی ہے یا اُصولی اور اعتقادی؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ فریقین کے درمیان یہ اختلاف فروعی ہے، اور ہمارے علمائے دیوبند اور اکابرِ دیوبند نے جو سختی اختیار کی تھی عارضی اور وقتی تھی، کیونکہ دونوں فریق اہلِ سنت والجماعت میں سے ہیں اور مسلکِ حنفی پر قائم ہیں، اشاعرہ اور ماتریدیہ کے بیان کردہ عقائد پر قائم ہیں، بیعت و ارشاد میں بھی دونوں فریق صحیح طریقہ پر موجود ہیں۔

اب چونکہ اسلام دشمن عناصر قوت سے اُبھر رہے ہیں، لہٰذا دیوبندیوں اور بریلویوں کو متحد ہوکر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے، ماضی کے تجربات کی روشنی میں بتلائیں کہ کیا ایسا اتحاد عملاً کامیاب ہوگا؟ کیا اس مقصد کے لئے دیوبندیوں کو اپنے اُصولی موقف اور مسائل سے ہٹنا اور عرس و میلاد اور فاتحہ وغیرہ میں شریک ہونا جائز ہے؟

دُوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اکابرِ دیوبند کا اختلاف بریلویوں سے فروعی ہی نہیں بلکہ اُصولی اور اعتقادی بھی تھا اور ہے، مثلاً: نور و بشر کا اختلاف، علمِ غیب کلی کا اختلاف، مختارِ کل ہونے کا اختلاف، حاضر و ناظر، قبروں پر سجود کا اختلاف وغیرہ وغیرہ اہم اور عظیم ہیں، نیز اکابرِ دیوبند کے بارے میں تکفیری فتاویٰ ان کی کتابوں میں ہیں، لہٰذا ان سے اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ اپنی کتابوں سے تکفیری فتاویٰ نکال دیں اور ان سے براءت ظاہر کریں اور اپنے عقائد درست کریں۔

اول الذکر حضرات میلاد شریف اور عرس وغیرہ کے جواز اور استحباب پر اکابرِ دیوبند کے بعض اقوال سے استدلال کرتے

ہیں، مثلاً: رسالہ ہفت مسئلہ مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اقوال سے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بریلویوں کی مجالسِ میلاد و عرس وغیرہ میں مصلحتاً شریک ہونا جائز ہے؟ کیا ان کے اعمال کو مصلحتاً برداشت کر کے متحد ہونے کی دعوت دینا جائز ہے؟ کیا یہ اختلاف اُصولی اور اعتقادی ہے یا فروعی؟ کیا بریلوی بھی اہل سنت والجماعت ہیں؟

کیا بریلویوں کی بدعات فی نفسہٖ ہمارے حضراتِ دیوبند کے یہاں بھی جائز ہیں اور مباح؟ نقشِ نعلین شریفین کی کیا حقیقت ہے؟ کیا اس سے استبراک، چومنا، سر پر رکھنا وغیرہ جائز ہے؟ یہ مسائل پاکستان میں بہت عام ہوتے جارہے ہیں، ابھی تک علمائے دیوبند کے فتاویٰ کو یہ لوگ اہمیت دیتے ہیں، اُمید ہے کہ یہ لوگ خلافِ شرع اُمور سے باز آجائیں، بینوا وتؤجروا! فقط والسلام!

المستفتی اسماعیل بدات

از مدینہ منورہ

۱۸/۱۰/۱۴۱۷ھ

الجواب ومن اللہ التوفیق

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا، اما بعد!

دُوسری جماعت کا خیال صحیح ہے کہ دیوبندیوں کا بریلویوں سے اختلاف فروعی نہیں بلکہ اُصولی اور اعتقادی بھی ہے، اور پہلی جماعت کا خیال صحیح نہیں ہے کہ فریقین کے درمیان صرف فروعی اختلاف ہے اور دونوں فریق اہل السنّت والجماعت میں سے ہیں اور مسلکِ حنفی پر قائم ہیں، نیز اشاعرہ و ماتریدیہ کے بیان کردہ عقائد پر قائم ہیں، بیعت وارشاد میں بھی دونوں فریق صحیح طریقہ پر موجود ہیں، کیونکہ بریلویوں (رضاخانیوں) نے اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں بھی اضافہ کیا ہے، اور ایسے فروعی مسائل کو بھی دین کا جزو بنایا ہے جن کی فقہ حنفی میں واقعی کوئی اصل نہیں ہے، مثلاً: عقائد میں چار اُصول اور بنیادی عقائد بڑھائے ہیں: ۱:... نور و بشر کا مسئلہ۔ ۲:... علمِ غیب کلی کا مسئلہ۔ ۳:... حاضر و ناظر کا مسئلہ۔ ۴:... مختارِ کل ہونے کا مسئلہ۔ اور فروعی مسائل میں غیراللہ کو پکارنا، قبروں پر سجدہ کرنا، قبروں کا طواف کرنا، غیراللہ کی منتیں ماننا، قبروں پر چڑھاوے چڑھانا، میلادِ مروّجہ اور تعزیہ وغیرہ سینکڑوں باتیں ان کی ایجاد ہیں، جو صریح بدعات ہیں۔ اور بیعت وارشاد میں بھی ان لوگوں نے بہت سی غیرشرعی چیزوں کی آمیزش کرلی ہے، مثلاً: قوالی اور وجد و سماع وغیرہ۔ نیز فریقِ اوّل کا یہ موقف خلافِ واقعہ ہے کہ ہمارے علمائے دیوبند اور اکابرِ دیوبند نے جو سختی اختیار کی تھی وہ عارضی اور وقتی تھی، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ دیوبندیت نام ہی تمسک بالسنہ اور تنفیر عن البدعہ کا ہے، اکابرِ دیوبند کا عمل ہمیشہ "فاصدع بما تؤمر" پر رہا ہے، انہوں نے کبھی دین کے معاملے میں مداہنت نہیں فرمائی، البتہ انہوں نے مقابلہ آرائی اور محاذ آرائی اور تکفیربازی سے بھی گریز کیا ہے، اور ہمیشہ نرمی اور حکمت سے اصلاحِ حال کی کوشش کی ہے، پس آج بھی ان کے اَخلاف کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

رسالہ ”فیصلہ ہفت مسئلہ“، ”مسلک منقح“ سے پہلے کی تصنیف ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، اور حضرت شیخ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے اقوال ہمارے علم میں نہیں۔ اور بریلویوں کی مجالسِ میلاد اور عرس وغیرہ میں مصلحتاً شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے، اور اس کی ممانعت ”ودوا لو تدهن فيدهنون“ میں مذکور ہے، اور ”لكم دينكم ولي دين“ میں اشارہ بھی اسی طرف ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ ج:۵ ص:۳۰۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”رسومِ بدعات کے مفاسد قابلِ تسامح نہیں!“

اور ج:۴ ص:۳۸۰ کے سوال و جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرس وغیرہ بدعات میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں، ان کی بے ضرورت تعظیم و تکریم کرنے والے بھی ”من وقر صاحب بدعة فقد أعان علىٰ هدم الإسلام“ کا مصداق ہیں۔

اور بعض بدعات کے فی نفسہٖ جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اُمور فی نفسہٖ تو جائز ہوتے ہیں، جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا تذکرہ، مگر التزام اور شرائط و قیود کی پابندی کی وجہ سے وہ چیزیں بدعت کے زمرہ میں داخل ہوجاتی ہیں، اور وہ ناجائز ہوجاتی ہیں۔

اور نقشہ نعل مبارک کی کوئی اصل نہیں ہے، اور استبراک اور اس کو چومنا، سر پر رکھنا بے اصل ہے، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ ج:۴ ص:۳۸۷ میں اپنے رسالہ ”نيل الشفاء بنعل المصطفىٰ“ سے رجوع فرمالیا ہے،

والله اعلم وعلمه اتم واحكم!

الجواب صحیح		حررہٗ
العبد نظام الدین	محمد ظفیر الدین	سعید احمد پالن پوری عفا اللہ عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند	مفتی دار العلوم دیوبند	خادم دار العلوم دیوبند
۲۵/۱۱/۱۴۱۷ھ	۲۵/ذو القعدہ ۱۴۱۷ھ	۲۳/ذو القعدہ ۱۴۱۷ھ

۸:...مظاہر العلوم سہارنپور کا فتویٰ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین (دیوبند) اس بارے میں کہ حضراتِ اکابرینِ دیوبند کا جماعتِ بریلویہ سے جو اَب تک اختلاف رہا ہے، یہ اختلاف فروعی ہے یا اُصولی و عقائد کا اختلاف ہے؟ اور جو بدعات بریلویوں نے اختیار کر رکھی ہیں، مثلاً: تیجہ، بیسواں، چالیسواں، برسی، قبروں پر سالانہ عرس، میلاد کا قیام، اجتماعی سلام وغیرہ ان اُمور کی اکابرِ دیوبند خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شیخ الاسلام سیّد حسین احمد مدنیؒ اور ان کے خلفاء و تلامذہ نے جو شدت سے ان کی تردید کی تھی، کیا موجودہ علمائے دیوبند اس پر قائم ہیں؟ یا اس میں کچھ خفت آگئی ہے؟ اور کیا جماعتِ بریلویہ کو کسی بھی اعتبار سے اہل سنت والجماعت میں شمار کیا جاسکتا ہے؟

کیا ان لوگوں کا مذہب حضراتِ اشاعرہ اور حضراتِ ماتریدیہ کے موافق ہے؟

بعض ایسے لوگ ہیں جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب کے مدعی ہیں، انہوں نے یوں کہنا شروع کیا ہے کہ: اکابرِ دیوبند جو بدعات سے منع فرماتے تھے وہ سدًّا للباب تھا، اور عارضی طور پر ان سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے، اور یہ کہ مصلحتوں کی بنا پر ان بدعات کو اختیار کرلینا چاہئے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی موجودہ حضرات علمائے دیوبند نے بریلویوں کی بدعات کی مخالفت میں کچھ ہلکا پن اختیار کرلیا ہے؟ اور کیا مصلحتاً ہلکا ہوجانا مناسب ہے؟

اور کیا حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کچے دیوبندی تھے؟ ان کے اکابرؒ نے جو سوچ سمجھ کر بدعات، بریلویہ کا سختی سے مقابلہ کیا تھا، کیا یہ شیخ الحدیثؒ کو گوارا نہیں تھا، ان سے انتساب رکھنے والے جو بعض لوگ بریلویوں کی بدعات (جیسا کہ حال ہی میں ایک پاکستانی صاحب نے ''اکابر کا مسلک و مشرب'' کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے) والے اعمال کو مصلحت کے نام سے اختیار کرنا مناسب سمجھتے ہیں، ان لوگوں کی رائے کا کیا وزن ہے؟ کیا ان لوگوں کے انتساب سے حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ کی شخصیت پر حرف نہیں آرہا ہے؟ بینوا توٴجروا!

السائل

اسماعیل بدات، مدینہ منورہ

الجواب

حضراتِ علمائے دیوبند جن کے اسمائے گرامی سوال میں مذکور ہیں، اور ان کے تلامذہ اور خلفاء سب پکے متبعِ سنت تھے، اور ہر ایسی چیز کے شدت کے ساتھ مخالف ہے جو شرعی اُصول کے مطابق بدعت کے دائرہ میں آتی ہو، چونکہ حسبِ فرمانِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بدعت گمراہی ہے، اس لئے اس گمراہی سے امت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، اس سلسلہ میں ان کی چھوٹی بڑی کتابیں معروف و مشہور ہیں، اور ان کے تردیدی مضامین اور فتاویٰ، اور ''البراہین القاطعہ''، ''المہند علی المفند'' اور ''الشہاب الثاقب''، ''امداد الفتاویٰ'' اور ''اصلاح الرسوم'' میں موجود ہیں، انہوں نے سوچ سمجھ کر اپنی عالمانہ ذمہ داری کو سامنے رکھ کر خوب کھل کر نہ صرف بریلویوں کی بدعات کی بلکہ ہر اس بدعت کی (جو اعتقادی ہو یا عملی) جس کا کسی بھی علاقہ میں علم ہوا، سختی سے تردید فرمائی، ان کی یہ تردید عارضی نہیں تھی۔

بدعت کبھی سنت نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس کی تردید بھی عارضی نہیں ہوسکتی، اور اس کی تردید میں ہلکا پن اختیار کرنے کی شرعاً کوئی اجازت نہیں۔

حضراتِ اکابرِ دیوبند نے جو بدعت کی تردید کی اور اس بارے میں جو مضبوطی کے ساتھ اہلِ بدعت کے ساتھ جم کر مقابلہ کیا، ان کی اس محنت اور کوشش سے کروڑوں افراد نے بدعتوں سے توبہ کی، اور سنتوں کے گرویدہ ہوئے۔

آج اگر کوئی شخص یوں کہتا ہے کہ اب بدعتوں کی تردید میں سختی نہ کرنی چاہئے یا مصلحتاً ان کو کسی تأویل سے اپنا لینا چاہئے، ایسا شخص دیوبندی نہیں ہے، اگرچہ اکابرِ دیوبند سے متعلق ہونے کا مدعی ہو۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ بہت ہی پکے دیوبندی تھے، اپنے اکابرؒ کے مسلک سے سرِمو انحراف کرنا انہیں گوارا نہ تھا، ان کی ساری زندگی اور ان کی کتابیں اس پر گواہ ہیں، جو کوئی شخص ان کی طرف بدعت کے بارے میں ڈھیلاپن منسوب کرتا ہے، وہ اپنی بات میں سچا نہیں ہے۔

لفظ ''اہلِ سنت والجماعت'' کا اطلاق حضراتِ اشاعرہ و ماتریدیہ پر ہوتا ہے، احمد رضا خاں بریلوی اور ان کی جماعت کا ان دو جماعتوں سے کوئی تعلق نہیں، احمد رضا خاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ غیب کلی مانتے ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے اختیارات سپرد کردیئے گئے تھے، یہ دونوں باتیں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے یہاں کہیں بھی نہیں، نہ کتبِ عقائد میں کسی نے نقل کی ہیں، اور نہ ان کی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر ہے، اور یہ دونوں باتیں قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہیں، یہ سب بریلویوں کی اپنی ایجاد ہیں، اگر کوئی شخص بریلوی فرقہ کو اہلِ سنت والجماعت شمار کرتا ہے تو یہ اس کی صریح گمراہی ہے۔

ہم سب دستخط کنندگان کی طرف سے تمام مسلمانوں پر واضح ہوجانا چاہئے کہ اب بھی ہم اسی دیوبندی مسلک پر شدت کے ساتھ قائم ہیں، جو ہمارے عہدِ اوّل کے اکابرؒ سے ہم تک پہنچا ہے، ہمیں کسی قسم کی خفت گوارا نہیں ہے، وباللہ التوفیق!

محمد عاقل عفا اللہ عنہ	محمد سلمان
صدر المدرسین	قائم مقام ناظم
مقصود علی	عبدالرحمٰن عفی عنہ
مفتی مدرسہ	مفتی مدرسہ

(مہر دارالافتاء مظاہر العلوم سہارنپور)

۹:...سبحانک ھٰذا بھتان عظیم!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میرے بعض مخلص احباب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ علوی مالکی صاحب کی کتاب ''اِصلاحِ مفاہیم'' پر میرے تأثرات اور ''بینات'' میں اس کی اشاعت کے بعد کچھ ناعاقبت اندیش حضرات سیدھے سادے مسلمانوں اور میرے احباب میں یہ غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں کہ میں نے اپنی تحریر سے براءت کا اعلان کردیا ہے، اور جناب علوی مالکی صاحب نے ''چشم بد دور!'' مجھے شاذلیہ سلسلہ میں خلافت دے دی ہے۔ سبحانک ھٰذا بھتان عظیم! میں اپنے شیخ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے بعد کسی دُوسرے سے بیعت و اجازت تو کجا، اس نیت سے کسی دُوسرے کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں! جو لوگ میری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں، میں ایسے حضرات کو اللہ سے ڈرنے اور عنداللہ مسؤولیت کی یاددہانی کراتے ہوئے عرض کروں گا کہ کل قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ آپ سے اس بہتان و افتراء کے بارہ میں پوچھ لیں تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا...؟

میں آج بھی علوی مالکی کو بریلوی عقیدہ کا حامل اور مبتدع سمجھتا ہوں، میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی، اور نہ ہی دیکھنا چاہتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے بدعت وہویٰ کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں، اور خاتمہ بالخیر کی دُعا کرتا ہوں۔

والسلام

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

۱۴۱۹/۸/۲۰ھ

منّت ماننا کیوں منع ہے؟

سوال:...بعض لوگوں سے سنا ہے کہ نذر کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:...حدیث میں نذر سے جو ممانعت کی گئی ہے، علماء نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں: ایک یہ کہ بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ نذر مان لینے سے وہ کام ضرور ہوجاتا ہے، حدیث میں اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا گیا ہے کہ نذر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر نہیں ٹلتی۔ دوم: یہ کہ بندے کا یہ کہنا کہ: اگر میرے مریض کو شفا ہوجائے تو میں اتنے روزے رکھوں گا، یا اتنا مال صدقہ کروں گا، یہ ظاہری صورت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودے بازی ہے، اور یہ عبدیت کی شان نہیں۔[۱]

کعبہ کی نیاز

سوال:...''وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ'' کعبے کی نیاز کے اُونٹ، ہر تفسیر اور ترجمے میں کعبہ کی نیاز یا کعبہ پر چڑھانے یعنی قربانی کرنے کے اُونٹ لکھا ہے، جو ترجمہ ہے: ''وَالْھَدْیَ وَالْقَلَائِدَ'' کا۔ سوال یہ ہے کہ کعبہ شریف بھی تو غیراللہ ہے پھر اس کی نیاز کیسے ہوسکتی ہے؟

جواب:...کعبہ بیت اللہ ہے، اس لئے کعبہ کی نیاز دراصل ربِّ کعبہ کی نیاز ہے۔

کیا نبی کی نیاز، اللہ کی نیاز کہلائے گی؟

سوال:...حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ان کی نیاز بھی ربِّ کعبہ ہی کی نیاز ہے۔ اسی طرح تمام اولیاء کی نیاز سے پھر کیوں منع کیا جاتا ہے؟

جواب:...بہت نفیس سوال ہے، ہدی کے جانور ربِّ کعبہ کی نیاز ہے، ان کی نیاز کی جگہ مشاعرِ حج یعنی حرم شریف ہے، اس

---

(۱) عن أبی هریرة وابن عمر قالَا: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا تنذروا فإن النذر لَا یغنی من القدر شیئًا، وإنما یستخرج به من البخیل. متفق علیه. وفی الشرح: قال القاضی عادة الناس تعلیق النذور علٰی حصول المنافع ودفع المضار فنهی عنه فإن ذٰلک فعل البخلاء .... والبخیل لَا تطاوعه نفسه بإخراج شیء من یده إلّا فی مقابلة عوض یستوفی اوّلًا فیلتزمه فی مقابلة ما سیحصل له ویعلقه علٰی جلب نفع أو دفع ضرّ وذٰلک لَا یغنی عن القدر شیئًا. (مرقاة شرح مشکٰوة ج:۳ ص:۵۶۳ باب فی النذور).

لئے مجازاً ان کو کعبہ کی نیاز کے جانور کہا جاتا ہے، بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرامؒ کے کہ ان کی نیاز اللہ کے لئے شرع میں معہود نہیں، اس لئے درمختار[1] میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو نذریں لائی جاتی ہیں، اگر اس سے مقصود وہاں کے فقراء پر صدقہ ہو تو یہ نذر اللہ کے لئے ہے، اس لئے جائز ہے اور اگر خود اولیاء اللہ کی نذر گزارنی مقصود ہو تو یہ حرام ہے، کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں، اس کی مثال بیت اللہ کی طرف سجدہ ہے کہ سجدہ تو حق تعالیٰ شانہ کو کیا جاتا ہے اور جہت سجدہ بیت اللہ ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ جائز نہیں۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر

سوال:... کعبہ کی نیاز کے اونٹ کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر اگر نذر سے مراد وہاں کے فقراء پر تصدق ہو اور ایصالِ ثواب صاحبِ مزار کو ہو تو یہ جائز ہے۔

بے شک ربطِ شیخ اور فیضانِ شیخ کے حصول کا یہ بہت بڑا ذریعہ ہے اور تمام مشائخ میں اس کا معمول ہے، مگر افسوس کہ ہمارے سلسلے میں اس کا فقدان ہے بلکہ منع کیا جاتا ہے، میں نے نہیں دیکھا اور سنا کہ کسی نے اپنے شیخ کے لئے صدقہ کیا ہو۔ نقد، کھانا، کپڑا کسی قسم کا بھی نہ گھر پر نہ مزار پر اور نہ دُوسرے اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کا اہتمام ہے، جب کہ حدیث شریف میں تو عام مؤمنین کی قبور کی زیارت کی تاکید کی گئی ہے، اسی طرح اور بہت سے طریقت کے اعمال جن سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب میں مدد ملتی ہے اور بغرضِ علاج ہر سلسلے میں رائج ہیں (بدعات کو چھوڑ کر) ہمارے سلسلے میں رائج نہیں، حلقہ بناکر ذکر کرنے سے بھی اجتناب کرتے ہیں، نماز، روزہ اور دُوسرے فرائض و واجبات تو سالک و غیر سالک دونوں میں مشترک ہیں، تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں، خالی نماز روزہ وغیرہ سے نفس کا تزکیہ اور وصول نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ باطنی اعمال، تصحیح نیت، غنیٰ، توکل ماسوا سے گریز اور دُوسری ریاضت و مجاہدات جو متقدمین میں رائج تھے، خصوصاً طعام، کلام، منام، اختلاطِ انام کی تقلیل وغیرہ نہ ہو۔ مختصر یہ کہ مشائخ ہیں، خلفاء کی لمبی فہرستیں ہیں، مریدین کی فوج کی فوج ہے، مگر وہ رُوح نہیں اور نہ وہ آثار کسی میں نظر آتے ہیں، جو مجاہدات سے مرتب ہوتے ہیں، اِلَّا ماشاء اللہ، جب کہ دُوسرے سلاسل مثلاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بہت سے بزرگوں میں وہ صفات دیکھی گئی ہیں جو اس طریق کے لوازم میں سے ہیں، بعد وفات بھی اپنے مریدین اور عقیدتمندوں پر بذریعہ خواب یا مراقبہ یا واقعہ اپنے فیضان جاری رکھتے ہیں اور ان کی نگہداشت کرتے رہتے ہیں، اس طرح جیسے ایک چرواہا اپنی بکریوں کی۔

دُوسری بات یہ کہ شیخ اور پیرِ طریقت بننے کے لئے جن شرائط اور اوصاف اور باطنی کمالات کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ تمام مستند کتبِ تصوف میں لکھا ہے اور خاص طور پر اِمدادُ السلوک میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر یہ اوصاف شیخ میں نہ ہوں تو اس کا شیخِ طریقت بننا حرام ہے، تو جناب! یہ باتیں آج کل اکثر مشائخ میں نہیں پائی جاتیں (آپ جیسے کچھ بزرگ یقیناً ان اوصاف کے حامل

---

(۱) وفی الدر المختار: اعلم ان النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلٰی ضرائح الأولیاء الکرام تقربًا إلیهم فهو بالإجماع باطل وحرام. وفی الشامیة: قوله باطل وحرام، لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لَا یجوز لأنه عبادة، والعبادة لَا تکون لمخلوق. (ردالمحتار ج:۲ ص:۴۳۹ مطلب فی النذر الذی یقع للأموات).

ہوں گے مگر میں اکثریت کی بات کر رہا ہوں)۔

جواب:... ربطِ شیخ بذریعہ ایصالِ ثواب اور بذریعہ زیارتِ قبور ضرور ہونا چاہئے، یہ کثیر النفع ہے، الحمدللہ! اس ناکارہ کو اس کا فی الجملہ اہتمام رہتا ہے۔

اِمدادُ السلوک کی شرط پر تو آج شاید ہی کوئی پورا اُترے، یہ ناکارہ حلفاً عرض کرے کہ اس شرط پر پورا نہیں اُترتا تو حانث نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ ناکارہ مشائخِ حقہ کی طرف محول کرنا ضروری سمجھتا ہے، پہلے تو مطلقاً انکار کر دیتا تھا کہ میں اہل نہیں ہوں، لیکن میرے بعض بڑوں نے مجھے بہت ڈانٹا کہ تم حضرت شیخؒ کی اجازت کی توہین کرتے ہو، تب سے اپنی نااہلی کے باوجود بیعت لینے لگا اور اب تو بلاشبہ اور ڈھیٹ ہوگیا ہوں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم فرمائے، جن میں پیر اور شیخ اس رُوسیاہ جیسے لوگ ہوں، بس وہی قصہ ہے جو تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ایک ڈاکو کے پیر بننے کا لکھا ہے۔ (۱)

---

(۱) ایک روز اِرشاد فرمایا کہ: ایک قزاق تھا، لوٹ مار میں بہت مشہور تھا، تمام عمر اس نے قزاقی میں گزاری، آخر جب بوڑھا اور ضعیف ہوگیا، تو دِل میں سوچا کہ اب اگر کہیں چوری کی تو پکڑا جائے گا، کوئی اور حیلہ ایسا کرنا چاہئے جس سے بڑھاپا آرام سے گزر جائے۔ بہت سوچا، آخر خیال آیا کہ سوائے پیری مریدی کے اور کوئی پیشہ ایسا نہیں جس میں یہ آخری عمر راحت سے کٹے۔ بس یہ سوچ کر وہ شخص ایک گاؤں کے قریب جنگل میں برلبِ دریا تسبیح ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا۔ پانچوں وقت فریضۂ نماز اَدا کرتا، لوگ جو اِدھر کو آتے جاتے، وہ اس کو دیکھا کرتے، آخر چند روز کے بعد گاؤں والوں میں اس کی عقیدت پیدا ہونے لگی، باہم تذکرے ہونے لگے کہ یہ کوئی بزرگ ہماری خوش نصیبی سے اِدھر آنکلے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد شروع ہوگئی، اور لگے اِن کی خاطر مدارات کرنے، یہاں تک کہ دونوں وقت کھانا آتا، اور ہر ایک یوں چاہتا کہ میں ان کی خدمت کروں۔ ایک جھونپڑا بھی ان کے رہنے کو لوگوں نے وہیں دریا کے کنارے پر بنادیا۔ اِس شخص نے کم گوئی اِختیار کرلی تھی، مشائخ کی سی صورت بنا کر کچھ وظیفہ بھی شروع کر دیا تھا۔ غرض لوگ زیارت کو آتے آتے بیعت کی خواہش بھی کرنے لگے، اِس نے ان کو مرید بنایا اور ذِکر کرنے کے لئے کلمۂ توحید تلقین کر دیا۔ مرید بیعت ہونے کے بعد اپنا کام کرنے لگے، اور یوں سوچ کر کہ میاں صاحب تنِ تنہا جنگل میں پڑے رہتے ہیں، رات برات کو تکلیف ہوتی ہوگی، لاؤ دریا کے کنارے ان کے قدموں میں رہائش اِختیار کریں۔ وہ بھی یہیں آپڑے۔ اب تمام شب نفی اِثبات کا ذِکر ہونے لگا، غرض کثرتِ ذِکر سے جنگل معمور و منور ہوگیا، لوگ دُور دَراز سے ان کی خدمت میں آتے اور نذریں پیش کیا کرتے، فتوحات کی جب زیادتی ہوئی تو خدام نے لنگر بنایا اور آئندو روند کو روٹی دینے لگے، پھر تو آنے والوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی۔ خدا کی شان! وہ دس بیس خدام بباعث اِعتقاد تھوڑے عرصے میں منزلِ مقصود کو پہنچ گئے، اس وقت ان خادموں نے مشورہ کیا کہ لاؤ خیال تو کریں کہ حضرت کس مرتبے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ لگے خوض کرنے، چھ ماہ تک فکر کیا، مگر پیر کے مقام کا پتا نہ لگا، آخر کہنے لگے کہ حضرت کے مقامات اس درجہ عالی ہیں کہ ہمارا کمندِ فکر وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ سب نے متفق ہوکر مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ: حضرت! ہم خدام نے چھ ماہ تک غور کیا، مگر آپ کے مقامات کا پتا نہ چلا، آپ ہم کو برائے خدا اپنے مرتبے سے مطلع فرمادیں۔ پیر صاحب میں نیک لوگوں کی صحبت اور کثرتِ نماز و روزہ سے حق گوئی کی خصلت پیدا ہوگئی تھی، اس لئے جواب دیا: ''بھائیو! میں ایک قزاق ہوں، عمر بھر لوٹ مار کر کھاتا رہا، اب بڑھاپے میں جب مجھ سے یہ پیشہ نہ ہوسکتا تو کھانے کا یہ حیلہ اِختیار کیا، باقی درویشی کے فن سے مجھے کچھ بھی مناسبت نہیں۔'' خادموں نے کہا: اجی نہیں! حضرت تو کسرِ نفسی سے ایسے الفاظ فرماتے ہیں، تب اس شخص نے قسم کھائی اور کہا: ''واللہ! میں نے جو کچھ کہا ہے، سچ کہا ہے، اس میں اِنکسار نہیں ہے، میں ہرگز اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی بیعت ہو، میں نہایت گنہگار اور نااہل شخص ہوں، تم لوگ محض حسنِ عقیدت کی بنا پر اس مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے ہو۔'' اس وقت ان لوگوں نے پیر کے اِرشاد کو حق سمجھ کر جنابِ باری تعالیٰ میں اِلتجا کی کہ: ''بارِ الٰہ! جن کے باعث تو نے اپنی رحمتِ کاملہ سے ہم کو ہدایت فرمائی ہے، اُن کو بھی اپنے خاص بندوں میں شامل فرمالے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی دُعا سن لی اور پیر کو بھی اپنے پاک لوگوں میں شامل فرمالیا۔ اس قصے کو نقل فرما کر حضرت اِمام ربانی قدس سرہٗ نے اِرشاد فرمایا: ''مجھے بھی کچھ آتا جاتا نہیں ہے، لوگوں کو توبہ کرادیا کرتا ہوں کہ یہی وسیلہ میری نجات کا ہو۔'' (تذکرۃ الرشید، حصہ دوم ص:۲۴۱، ۲۴۲ طبع مکتبہ بحر العلوم، جونا مارکیٹ، کراچی)۔

صرف دِل میں خیال آنے سے نذر نہیں ہوتی

سوال:... محترم مولانا صاحب! آپ کے جواب سے کچھ تشفی نہیں ہوتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے، ''جو کچھ تم مانو گے تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری نیت کا علم ہوجائے گا'' (سورہ بقرہ:۲۷۰) نیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''بے شک تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔'' لہٰذا ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی (حوالہ صحیح بخاری کتاب الایمان باب النیۃ)۔ دُوسری جگہ ایک اور ارشاد بھی ہے: ''اور تمہارے چہروں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے، آپ نے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خلوص نیت کا مقام دل ہے اور چونکہ سائلہ نے خلوص نیت سے دل میں اس کی منت مانی تھی اور جس کو پورا کرنے کے لئے ابھی تک وہ اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں، مگر اپنے حالات کی وجہ سے معذور ہیں اور خود اس کی ادائیگی نہیں کرسکتی ہیں، لہٰذا آپ سے اس کا حل پوچھا ہے، مگر آپ کا جواب ہے کہ دل میں خیال کرلینے سے نیت نہیں ہوتی، جب تک کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا نہ کئے جائیں۔

مندرجہ بالا قرآن کی آیت اور دونوں حدیثوں کی روشنی میں آپ کا جواب غیرتسلی بخش ہے، چونکہ سائلہ کی نیت سرسری نہ تھی اور حقیقی نیت تھی، جس کی ادائیگی یا متبادل حل کے لئے وہ بے چین ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نذر کسی ایسی چیز کو اپنے اُوپر واجب کرلینے کو کہتے ہیں جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب نہ ہو اور چونکہ سائلہ نے منّت مانی تھی، چاہے وہ دل میں خیال کرکے کی ہو، اس کی ادائیگی ان پر واجب ہوجاتی ہے، بصورت دیگر وہ گنہگار رہوتی ہیں۔

دُوسری ایک اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: نذر مت مانا کرو، اس لئے کہ نذر تقدیری اُمور میں کچھ بھی نفع بخش نہیں ہے، بس اس سے اتنا ہوتا ہے کہ بخیل کا مال نکل جاتا ہے (حوالہ صحیح مسلم کتاب النذر اور صحیح بخاری کتاب الأیمان والنذر)۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی نذر لایعنی اور ممنوع ہیں۔ اور اگر میرے سمجھنے میں کچھ غلطی ہے تو میری اصلاح فرمائیں۔

جواب:... نذر کے معنی ہیں کسی ایسی عبادت کو اپنے ذمہ لازم کرلینا جو اس پر لازم نہیں تھی، اور ''اپنے ذمہ کرلینا'' زبان کا فعل ہے، محض دل میں خیال کرنے سے وہ چیز اس کے ذمہ لازم نہیں ہوتی، جب تک کہ زبان سے الفاظ ادا نہ کرے۔[1] یہی وجہ ہے کہ نماز کی نیت کرلینے سے نماز شروع نہیں ہوتی، جب تک تکبیر تحریمہ نہ کہے۔ حج و عمرہ کی نیت کرنے سے حج و عمرہ شروع نہیں ہوتے، جب تک کہ تلبیہ کے الفاظ نہ کہے۔ طلاق کا خیال دِل میں آنے سے طلاق نہیں ہوتی، جب تک کہ طلاق کے الفاظ زبان سے نہ کہے۔ اور نکاح کی نیت کرنے سے نکاح نہیں ہوتا، جب تک کہ ایجاب و قبول کے الفاظ زبان سے ادا نہ کئے جائیں۔ اسی طرح نذر کا خیال دل

(۱) حقیقة النذر إلتزام الفعل بالقول مما یکون طاعة لله عزّ وجلّ ومن الأعمال قربة ...إلخ۔ (أحکام القرآن لِابن العربی ج:۲ ص:۱۸)۔

میں آنے سے نذر بھی نہیں ہوتی، جب تک کہ نذر کے الفاظ زبان سے نہ کہے جائیں۔ چنانچہ علامہ شامی نے کتاب الصوم میں شرح ملتقیٰ سے نقل کیا ہے کہ ”نذر زبان کا عمل ہے۔“[۱]

آپ نے قرآن پاک کی جو آیت نقل کی، اس میں فرمایا گیا ہے ”جو تم نذر مانو“ میں بتاچکا ہوں کہ نذر کا ماننا زبان سے ہوتا ہے، اس لئے یہ آیت اس مسئلے کے خلاف نہیں۔

آپ نے جو حدیث نقل کی ہے کہ ”اعمال کا مدار نیت پر ہے“ اس میں عمل اور نیت کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نیت کرنے سے عمل نہیں ہوتا، بلکہ عمل میں نیت کا صحیح ہونا شرطِ قبولیت ہے، لہٰذا اس حدیث کی رو سے بھی صرف نیت اور خیال سے نذر نہیں ہوگی، جب تک کہ زبان کا عمل نہ پایا جائے۔

دُوسری حدیث میں بھی دلوں اور عملوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف دل کے خیال کا نام عمل نہیں، البتہ عمل کے لئے دل کی نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے، اور آپ نے جو حدیث نقل کی ہے کہ ”نذر مت مانا کرو“ یہ حدیث صحیح ہے مگر آپ نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ”اس قسم کی نذر لایعنی اور ممنوع ہے“ یہ نتیجہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر حدیث شریف کا یہی مطلب ہوتا کہ نذر لایعنی اور ممنوع ہے تو شریعت میں نذر کے پورا کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، حالانکہ تمام اکابرِ امت متفق ہیں کہ عبادتِ مقصودہ کی نذر صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا لازم ہے۔

حدیث میں نذر سے جو ممانعت کی گئی ہے، علماء نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں،[۲] ایک یہ کہ بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ نذر مان لینے سے وہ کام ضرور ہوجاتا ہے، حدیث میں اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا گیا ہے کہ نذر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر نہیں ٹلتی، دوم یہ کہ بندے کا یہ کہنا کہ اگر میرے مریض کو شفا ہوجائے تو میں اتنے روزے رکھوں گا یا اتنا مال صدقہ کروں گا۔ ظاہری صورت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودے بازی ہے، اور یہ عبدیت کی شان نہیں۔

---

(۱) وفی ردالمختار: وفی شرح الملتقی والنذر عمل اللسان۔ (شامی ج:۲ ص:۴۳۳ طبع جدید)۔

(۲) یحتمل أن یکون سبب النهی عن النذر کون الناذر یصیر ملتزما له فیأتی به تکلفا بغیر نشاط ...إلخ۔ (شرح النووی علیٰ صحیح مسلم ج:۲ ص:۴۴، کتاب النذر)۔

غلط عقائد رکھنے والے فرقے

اُمت کے تہتر فرقوں میں کون برحق ہے؟

سوال:... خواجہ محمد اسلام کی کتاب ''موت کا منظر مع مرنے کے بعد کیا ہوگا؟'' کے اندر صفحہ:۳۳۵ پر عنوان ''اُمتِ محمدیہ، یہود و نصاریٰ اور فارس و رُوم کا اتباع کرے گی'' کی تفصیل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پڑھا، جس میں آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ بنی اسرائیل کے بہتر۷۲ فرقے ہوگئے تھے، اور میری اُمت کے تہتر۷۳ مذہبی فرقے ہوں گے جو ایک کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: وہ (جنتی) کون سا ہوگا؟ ارشاد فرمایا: (جو اس طریقے پر ہوگا) جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔'' میرا تعلق اہلِ سنت والجماعت سے ہے، دورِ حاضر میں کون سا مذہبی فرقہ نبی کے ارشاد کے مطابق صحیح ہے؟

جواب:... اس سوال کا جواب تو خود اسی حدیث میں موجود ہے، یعنی: ''ما انا علیہ واصحابی!''(۱) پس یہ دیکھ لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے طریقے پر کون ہے؟

جماعتِ حق سے کون سی جماعت مراد ہے؟

سوال:... اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ قیامت تک ایک جماعت ایسی ہوگی جو حق پر ہوگی، اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ جماعت کون سی ہوگی؟ جبکہ اس زمانے میں تو بہت سی جماعتیں ہیں جو اپنے آپ کو صحیح کہتی ہیں۔

جواب:... حدیث میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے: ''ما أنا علیہ وأصحابی'' جو لوگ میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر ہیں۔ تفصیل کے لئے میرا رسالہ ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' ضرور دیکھ لیجئے، واللہ اعلم!

حق پر قائم رہنے والی جماعت

سوال:... وہ کون سی جماعت ہے جو قیامت تک صرف اور صرف اللہ کے راستے میں جہاد کرے گی؟ آج کل کون اصل مجاہد ہے؟ اور ان میں شریک ہونے کا کیا راستہ ہے؟

جواب:... حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم اور غالب منصور رہے گی، اور وہ

---

(۱) عن عبداللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیأتین علیٰ اُمّتی کما أتیٰ علیٰ بنی اسرائیل ...... کلھم فی النار اِلّا ملّة واحدة، قالوا: من ھی یا رسول اللہ؟ قال: ما أنا علیہ وأصحابی۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰة ص:۳۰، باب الإعتصام)۔

اہلِ باطل سے برسرِ پیکار رہے گی۔ اس حدیث شریف کے مطابق الحمدللہ! ہمیشہ اہلِ حق کی جماعت اہلِ باطل کے مقابلے میں معرکہ آرا رہی ہے اور رہے گی۔ (۱)

گمراہ فرقوں کی نشاندہی

سوال:...ہم پاک سرزمین سے باہر رہنے والے لوگوں کو جب بھی کوئی پاکستانی رسالے، ڈائجسٹ پر نظر پڑے تو ہم ضرور خرید کر پڑھتے ہیں، اور پھر وہ ہاتھوں ہاتھ دیگر اَصحاب تک بھی پہنچ جاتا ہے، لیکن مقبولیت اس جریدے کو ملتی ہے جو سیاست کی غلاظت اور مذہبی فرقہ بازی سے پاک ہو۔ آپ سے صرف اتنی بات کہنی ہے کہ جب اللہ، رسول، کتاب اور کعبہ ایک ہے تو پھر صرف اسلام، دِین کی بات کریں، اس کے آگے یا پیچھے دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث وغیرہ کی اضافت لگاکر بات کو مشکوک نہ کریں۔ جب ہماری زندگی موت صرف اللہ کے لئے ہے تو صرف اللہ اور رسول اللہ کی بات لکھنا کافی ہے۔ فریق بنانا یا بننا پسندیدہ بات نہیں، ہم مسلم ہیں اور ہمارا ایک ہی فریق ہے، ایک ہی گروپ ہے، اور وہ مسلم ہے۔ اس سے آگے نفرت اور تفرقہ ہے۔ جسے نہ اللہ پسند کرتا ہے، نہ رسول اللہ اور نہ اللہ کے بندے۔ اُمید ہے کہ آپ بُرا منانے کے بجائے ایک مسلم اور اچھے مسلم کی حیثیت سے میری بات پڑھیں گے۔ اللہ ہمیں اِتحاد و اِتفاق کی برکات سے نوازے اور فرقہ بازی سے پاک رکھے۔

جواب:...ایک مسلمان کے لئے جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دُوسرے اَحکام پر عمل کرنا ضروری ہے، وہاں گمراہ اور باطل فرقوں سے بیزاری اور اہلِ حق کے ساتھ وابستگی بھی ضروری ہے، یہ بھی اللہ و رسول ہی کا حکم ہے:

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔“ (التوبۃ:۱۱۹)

ترجمہ:...”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہوجاؤ۔“

۷۲ ناری فرقوں کے نیک اعمال کا انجام

سوال:...کئی عالموں کی زبانی سنا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت تک مسلمانوں کے تہتر فرقے ہوں گے، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا جبکہ بقایا فرقے دوزخ میں داخل ہوں گے، تو اس حدیث کے متعلق مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ: اب جبکہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ تقریباً ہر ملک میں مسلمانوں کے کئی فرقے بن گئے ہیں، اور نہ جانے اور کتنے فرقے پیدا ہوں گے تو کیا ان سب فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا؟ نیز ایک کے علاوہ دیگر جو نیک کام کرتے ہیں کیا اس کا ان کو اَجر نہیں ملے گا؟ اگر ایک کے علاوہ باقی سب فرقے دوزخ میں جائیں گے تو وہ دوزخ سے کبھی نہیں نکلیں گے؟

جواب:...آپ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ صحیح ہے اور متعدّد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، اس حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے چند اُمور کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

---

(۱) وعن معاویة رضی الله عنه قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: لَا یزال من أُمّتی أُمّةٌ قائمةٌ بأمر الله لَا یضرهم من خذلهم ولَا من خالفهم حتّٰی یأتی أمر الله وهم علٰی ذٰلک. متفق علیه. (مشکوٰة ج:۲ ص:۵۸۳، باب ثواب هٰذه الأُمّة).

اوّل:... جس طرح آدمی غلط اعمال (زنا، چوری وغیرہ) کی وجہ سے دوزخ کا مستحق بنتا ہے، اسی طرح غلط عقائد ونظریات کی وجہ سے بھی دوزخ کا مستحق بنتا ہے۔ اس حدیث میں ایک فرقۂ ناجیہ کا ذکر ہے جو صحیح عقائد ونظریات کی وجہ سے جنت کا مستحق ہے، اور ۷۲ دوزخی فرقوں کا ذکر ہے جو غلط عقائد ونظریات رکھنے کی وجہ سے دوزخ کے مستحق ہوں گے۔

دوم:... کفر وشرک کی سزا تو دائمی جہنم ہے، کافر ومشرک کی بخشش نہیں ہوگی، اور کفر وشرک سے کم درجے کے جتنے گناہ ہیں، خواہ ان کا تعلق عقیدہ ونظریہ سے ہو یا اعمال سے، ان کی سزا دائمی جہنم نہیں بلکہ کسی نہ کسی وقت ان کی بخشش ہوجائے گی،[۱] خواہ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے یا کسی شفاعت سے، بغیر سزا کے معاف فرمادیں یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد معافی ہوجائے۔[۲]

سوم:... غلط نظریات وعقائد کو بدعات واہواء کہا جاتا ہے، اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ بعض تو حدِ کفر کو پہنچتی ہیں، جو لوگ ایسی بدعاتِ کفریہ میں مبتلا ہوں وہ تو کفار کے زُمرے میں شامل ہیں اور بخشش سے محروم۔ اور بعض بدعات حدِ کفر کو نہیں پہنچتیں، جو لوگ ایسی میں مبتلا ہوں وہ گناہ گار مسلمان ہیں اور ان کا حکم وہی ہے جو اُوپر گناہ گاروں کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے خواہ اپنی رحمت سے یا کسی کی شفاعت سے، بغیر سزا کے معاف فرمادیں یا سزا کے بعد بخشش ہوجائے۔[۳]

ان تینوں مقدمات سے ان ۷۲ فرقوں میں ہر ایک کے ناری ہونے کا مطلب ہوگا کہ جو فرقے بدعاتِ کفریہ میں مبتلا ہوں ان کے لئے دائمی جہنم ہے اور ان کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں، اور جو فرقے ایسی بدعات میں مبتلا ہوں گے جو کفر تو نہیں مگر فسق اور گناہ ہے، ان کے نیک اعمال پر ان کو اَجر بھی ملے گا۔ اور فرقۂ ناجیہ کے جو اَفراد عملی گناہوں میں مبتلا ہوں گے ان کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا، خواہ شروع ہی سے رحمت کا معاملہ ہو یا بدعملیوں کی سزا کے بعد رہائی ہوجائے۔

مسلمان اور کمیونسٹ

سوال:... ایک صاحب نے اخبار میں لکھا تھا کہ: خدانخواستہ ایک مسلمان کمیونسٹ بھی ہوسکتا ہے۔ پڑھ کر بہت دُکھ ہوا، میرا عقیدہ ہے کہ دِینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور کمیونزم ایک الگ عقیدہ اور ضابطۂ حیات ہے، اور اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مطلع فرمائیں کہ آیا کوئی شخص بیک وقت مسلمان اور کمیونسٹ ہوسکتا ہے؟

جواب:... مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے، اسلام اور کمیونزم الگ الگ نظام ہیں، اس لئے کوئی مسلمان کمیونسٹ نہیں ہوسکتا، اور نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان رہ سکتا ہے۔

---

(۱) ”اِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ“۔ (النساء:۱۱۶)۔

(۲) فان فاعل السيئات يسقط عنه عقوبة جهنم بنحو عشرة أسباب .... السبب العاشر شفاعة الشافعين، السبب الحادى عشر عفو أرحم الراحمين من غير شفاعة۔ (شرح عقیدہ طحاویہ ص:۳۶۷ تا ۳۷۱)۔

(۳) ایضاً حوالہ بالا۔

ذکری فرقے کے کفریہ عقائد

سوال:... میرا تعلق ایک ایسے فرقے سے ہے جس کا کلمہ، نماز اور دُوسرے ارکان عام مسلمانوں سے الگ ہیں، زکوٰۃ پر عقیدہ نہیں رکھتے، حج اور قربانی بھی نہیں کرتے، برائے مہربانی جواب دیں کہ:

۱:... اس فرقے کے ماننے والوں کی بخشش ہوگی کہ نہیں؟

۲:... اس فرقے کے ماننے والے مسلمانوں کے زُمرے میں آتے ہیں یا نہیں؟

دو روز قبل ایک دوست کی وساطت سے ایک پمفلٹ ملا جس میں درج ذیل عقائد تھے، وضو کی ہمیں ضرورت نہیں، اس لئے کہ دِل کا وضو ہوتا ہے۔ پانچ وقت فرض نماز کے بدلے میں تین وقت کی دُعا کافی ہے، اس میں قیام ورُکوع کی ضرورت نہیں ہے، قبلہ رُخ کی ضرورت نہیں ہے، ہر سمت رُخ کرکے پڑھ سکتے ہیں، جس کے لئے صرف تصوّر کافی ہے۔ روزہ تو اصل میں آنکھ، کان اور زبان کا ہوتا ہے، کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ہمارا روزہ سواپہر کا ہوتا ہے جو صبح دس بجے کھول لیا جاتا ہے، وہ بھی اگر کوئی رکھنا چاہے، ورنہ روزہ فرض نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے بجائے آمدنی پر روپیہ میں دو آنہ فرض ہے۔ حج فرض نہیں، عبادت مالی تصرفات کرکے معاف کرائی جاسکتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ کیا ایسے عقائد کے حامل لوگ مسلمان سمجھے جائیں گے۔

جواب:... جس فرد یا جماعت کے عقائد مسلمانوں کے نہیں اور دِینِ اسلام کے بنیادی ارکان (کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کو بھی وہ تسلیم نہیں کرتے، وہ مسلمانوں کے زُمرے میں کیسے شامل ہوسکتے ہیں؟ اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے نازل کردہ دِین کو نہ مانیں، ان کی بخشش کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ جو اسلام کی کسی بات کا بھی قائل نہ ہو، وہ مسلمان کیسے ہوسکتا ہے...؟ [1]

بہائی مذہب اوران کے عقائد

سوال:... ایک مسئلہ حل طلب ہے، یہ مسئلہ صرف میرا نہیں بلکہ تمام پاکستانی مسلمانوں کا ہے اور فوری توجہ طلب ہے، مسئلہ یہ ہے "اسلام اور بہائی مذہب" بہائی مذہب کے عقائد یہ ہیں:

۱:... کعبہ سے منحرف ہیں، ان کا کعبہ اسرائیل ہے، بہاء اللہ کی آخری آرام گاہ۔

۲:... قرآن پاک سے منحرف ہیں، ان کی مذہبی کتاب بہاء اللہ کی تصنیف کردہ "کتاب اقدس" ہے۔

۳:... ان کے ہاں وحی نازل ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔

۴:... جہاد اور جزیہ ناجائز اور حرام ہے۔

---

(۱) لَا نزاع فی تکفیر من أنکر من ضروریات الدین۔ (إکفار الملحدین ص:۱۲۱)۔ ان الْإیمان هو تصدیق النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورة مجیئه به من عند الله .... ثم المراد من المعلوم ضرورة کونه من الدین بحیث یعلمه العامة ...إلخ۔ (شرح فقه اکبر ص:۱۰۴)۔ فمنکر الضروریات الدینیة کالأرکان الأربعة التی بنی الْإسلام علیها: الصلٰوة والزکٰوة والصوم والحج وحجیة القرآن ونحوهما کافر آثم۔ (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص:۶۱۱ طبع لکهنؤ)۔

۵:... پردہ ناجائز ہے۔

۶:... بینکاری سود جائز ہے۔

۷:... بہائی مذہب کا عقیدہ ہے کہ حضرت بہاء اللہ ہی خدا کے کامل اور اکمل مظہر ظہور اور خدا کی مقدس حقیقت کے مطلع انوار ہیں۔

۸:... ان کے نام اسلامی ہوتے ہیں۔

۹:... کیا یہ دُرست ہے کہ بقول بہاء اللہ ایک ہی رُوح القدس ہے، جو بار بار پیغمبران کے جسد خاکی میں ظاہر ہوتا ہے۔

۱۰:... یہ ختمِ نبوّت اور ختمِ رِسالت سے منکر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ خدا ہر ایک ہزار سال کے بعد ایک مصلح پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا۔

جو مسلمان ان کا مذہب اختیار کر رہے ہیں وہ ملحد ہو رہے ہیں؟

جواب:... بہائی مذہب کے جو عقائد سوال میں درج کئے گئے ہیں ان کے اِلحاد و باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لئے کسی مسلمان کو ان کا مذہب اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ بہائی مذہب اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔[۱]

ذکری فرقہ غیرمسلم ہے

سوال:... میں ایک تعلیم یافتہ شخص ہوں۔ میرے آباء و اَجداد خود کو مسلمان کہلاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ''ذکری'' ہیں۔ میں نے اتنی ساری کتابیں پڑھی ہیں مگر کسی کتاب میں میں نے اس کا ذکر نہیں سنا۔ میں سعودیہ، کویت، قطر، دبئی بھی گیا ہوں، لیکن میں نے عربوں میں یہ فرقہ نہیں دیکھا۔ میں نے اپنی فٹ بال ٹیم کے ساتھ پنجاب، سرحد، بلوچستان اور اندرونِ سندھ کا بھی دورہ کیا ہے لیکن میں نے اس فرقے کا نام کہیں نہیں سنا۔ میں حیران ہوں کہ ہم قرآن مجید پر مکمل یقین رکھنے کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی کو ایک سچی کتاب تصوّر کرنے کے باوجود نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے انحرافی ہیں۔ میں نے اپنے والد، والدہ، بڑے بھائی اور دیگر افراد سے اس بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے، مگر کسی نے مجھے تسلی بخش جواب نہیں دیا ہے۔ میرے والد صاحب کا عنقریب انتقال ہوگیا ہے، میں نے والدہ صاحبہ سے کہا کہ یہ کوئی مذہب نہیں، میں نماز پڑھوں گا، لیکن وہ مجھے روک رہی ہیں۔ آپ سے اِستدعا ہے کہ تفصیلی جواب سے نوازیں، آیا والدہ صاحبہ کو چھوڑ دُوں یا نماز پڑھوں، جبکہ وہ مجھ سے ناراض ہوں گی۔ آخر میں کیا کروں؟

جواب:... ذکری فرقے کے لٹریچر کا میں نے مطالعہ کیا ہے، وہ اپنے اُصول و فروع کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں،[۲] بلکہ ان کا حکم قادیانیوں، بہائیوں اور مہدویوں کی طرح غیرمسلم اقلیت کا ہے۔ جو لوگ ذکریوں کو مسلمان تصوّر کرتے ہوئے ان میں شامل ہیں ان کو توبہ کرنی چاہئے اور اس فرقۂ باطلہ سے براءت کرنی چاہئے۔ آپ اپنی والدہ کی خدمت ضرور کریں، لیکن نماز روزہ اور دیگر

---

(۱) لَا نزاع فی تکفیر من أنکر من ضروریات الدین۔ (اکفار الملحدین ص: ۱۲۱)۔

(۲) صفحہ گزشتہ کا حوالہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

احکامِ خداوندی میں ان کی اطاعت نہ کریں۔[۱]

ذکری مسلمان نہیں، ان کا جنازہ، ذبیحہ جائز نہیں

سوال:... بلوچستان میں ایک قوم ''ذکری'' کے نام سے آباد ہے، یہ قوم اپنے آپ کو ''ذکری مسلم'' کہتے ہیں۔ یہ نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزے رکھتے ہیں، صرف پانچ وقت ذکر کرتے ہیں۔ یہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بھی مانتے ہیں، بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمارا نبی ''اِمام مہدی'' ہے، جو عنقریب آئے گا۔ یہ صرف فجر کے وقت ایک رُکوع، ایک سجدہ کرتے ہیں، اور صرف ذی الحجہ کے دس روزے رکھتے ہیں، ۲۷ رمضان کو حج کرتے ہیں، ان کا حج بلوچستان کے شہر تربت کی ایک پہاڑی ہے جس کا نام ''کوہِ مراد'' بتاتے ہیں۔ یہ قوم قرآنِ حکیم بھی پڑھتی ہے، یہ اپنے جنازے کو بھی ذکر دیتے ہیں، ان کے ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے عبادت خانے میں گول دائرے کی صورت میں بیٹھ کر بیچ میں ایک اِمام بیٹھتا ہے۔ یہ عیدالاضحیٰ کی قربانی فجر کی نماز سے پہلے کرتے ہیں، ان کا کلمہ بھی ہمارے کلمے سے الگ ہے۔ قربانی کرتے وقت بھی یہی کلمہ پڑھتے ہیں۔ اس خلاصے کو پڑھنے اور غور کرنے کے بعد میرے مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب دیجئے:

سوال:... ہم انہیں مسلمان کہہ سکتے ہیں؟

جواب:... ان کے عقائد مسلمانوں سے الگ ہیں، اس لئے ان کو مسلمان کہنا صحیح نہیں، بلکہ وہ قادیانیوں کی طرح غیرمسلم ہیں۔[۲]

سوال:... ان کے ساتھ کسی مسلمان مرد یا عورت کا بیاہ دینا صحیح ہے؟

جواب:... کسی مسلمان مرد و عورت کا ان کے ساتھ نکاح صحیح نہیں۔[۳]

سوال:... ان کے جنازے میں کوئی مسلمان شرکت کرسکتا ہے؟

جواب:... ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں۔[۴]

سوال:... ان کے جنازے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا دُرست ہے؟

جواب:... ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔[۵]

سوال:... ان کا ذبح کیا ہوا جانور کا گوشت کھانا صحیح ہے؟

---

(۱) ''وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ اِحۡسَانًا .... '' فأمر بمصاحبة الوالدين المشركين بالمعروف مع النهى عن طاعتهما فى الشرك، لأنه لَا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق. (احكام القرآن للجصاص ج:۳ ص:۱۹۶).

(۲) ورد النص بأن ينكر الأحكام التى دلّت عليها النصوص القطعية من الكتاب والسُّنّة كحشر الأجساد مثلًا كفر .... الخ. (شرح عقائد ص:۱۶۶).

(۳) وحرم نكاح الوثنية وفى الشامية: وفى شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده .... الخ. (شامى ج:۳ ص:۴۵).

(۴) الصلٰوة على الجنازة .... وشرطها اسلام الميّت .... الخ. (عالمگيرى ج:۱ ص:۱۶۲، الصلاة على الميت).

(۵) أما المرتد فلا يغسل ولَا يكفن وانما يلقٰى فى حفيرة كالكلب .... الخ. (البحر الرائق ج:۲ ص:۲۰۵).

جواب:...ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔[1]

ذکریوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرنا دُرست نہیں

سوال:...ہمارے بلوچوں میں ایک مذہب ہے ''ذکری''، یہ لوگ خود کو اِسلام کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں۔ باقی عقائد کو چھوڑ کر یہ لوگ رمضان المبارک کے روزوں کو فرض نہیں سمجھتے، اور ان کے مذہب کا مرکز ''کوہِ مراد'' تربت شہر کے قریب ہے، یہاں یہ ۲۷ویں رمضان کو ایک خاص فریضہ ادا کرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ یہاں دن دہاڑے کھاتے پیتے ہیں اور رمضان کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ یہ سب کچھ حکومتِ پاکستان کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ رمضان کی توہین و خلافِ ورزی بڑے پیمانے پر سرِ عام اور حکومت کی فورس کی باقاعدہ نگرانی میں ہر سال ہوتی ہے۔

جواب:...ان کے عقائد پر میرا ایک مستقل رسالہ موجود ہے، جو میرے مجموعہ رسائل کی پہلی جلد میں شامل ہے۔[2] خلاصہ یہ ہے کہ ان کے عقائد مسلمانوں کے نہیں، ان کو مسلمان سمجھنا، اور مسلمانوں کا سا برتاؤ ان کے ساتھ کرنا دُرست نہیں۔

تمام مسلمان اس بات سے واقف ہیں کہ اسلام کے ارکان پانچ ہیں، ان میں سے کسی ایک رُکن کا انکار بھی انسان کو کفر کی سرحد تک پہنچادیتا ہے۔[3] ذکری لوگوں کے بارے میں جہاں تک مجھے علم ہے وہ کلمۂ اِسلام کے بھی قائل نہیں، نماز روزے کے بھی منکر ہیں، زکوٰۃ کی جگہ اپنے ملائی کو پیسے دیتے ہیں، اور بیت اللہ کی جگہ ''کوہِ مراد'' کا حج کرتے ہیں، ان عقائد کے باوجود ان کا مسلمان ہونا عقل و فہم سے بالاتر ہے، واللہ اعلم!

ذکری فرقہ مسلمان نہیں، بلکہ زِندیق و مرتد ہے

سوال:...مسئلہ یہ ہے کہ ''ذکری'' فرقے سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ میل جول رکھنا اور شادی کرنا کیسا فعل ہے؟ واضح رہے کہ ''ذکری'' نماز نہیں پڑھتے، البتہ قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے ہیں، رمضان کے روزوں کے علاوہ ذی الحج کے ابتدائی دس دنوں میں بھی روزے رکھتے ہیں۔ ازراہِ کرم! قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بتائیے کہ ''ذکری'' فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ آیا مذکورہ فرقے کے لوگوں کا شمار ''اہلِ کتاب'' میں ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:...ذکری فرقہ مسلمان نہیں، ان کے ساتھ مسلمانوں کا بیاہ شادی جائز نہیں، اور وہ اہلِ کتاب نہیں، بلکہ قادیانیوں کی طرح زِندیق اور مرتد ہیں۔[4] ذکری مذہب پر مستقل رسالہ اس ناکارہ کی تالیف ہے، اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔[5]

---

(۱) فلا تو کل ذبیحة أهل الشرک والمرتد۔ (عالمگیری ج:۵ ص:۲۸۵)۔

(۲) بنام ''کیا ذکری مسلمان ہیں؟'' ''رسائل یوسفی'' میں شامل ہے، طبع مکتبہ لدھیانوی کراچی۔

(۳) ورد النصوص بأن ینکر الأحکام التی دلّت علیها النصوص القطعیة من الکتاب والسُّنّة کحشر الأجساد مثلًا کفر .... الخ۔ (شرح عقائد ص:۱۶۶)۔

(۴) وان اعترف به (الدین الحق) لٰکنه یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجتمعت علیه الأُمّة فهو الزندیق۔ (المسوّیٰ شرح المؤطا ج:۲ ص:۱۳)۔

(۵) رسائل یوسفی، طبع مکتبہ لدھیانوی۔

ذکری فرقے کے عقائد

سوال:...ذکری فرقہ اور اس کے عقائد کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔

جواب:...ذکری فرقہ جس کے افراد بلوچستان کے علاوہ کراچی میں بھی پائے جاتے ہیں اور جو ملا محمد اٹکی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے، اس فرقے کے بارے میں عام لوگوں کو، بلکہ خود اس فرقے کے لوگوں کو بھی معلومات بہت کم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فرقے کی مذہبی کتابیں مخطوطوں کی شکل میں ہیں اور وہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں۔ چونکہ اس فرقے کے لوگ اپنا تعارف ''مسلمان'' کی حیثیت سے کراتے ہیں، اس لئے بعض لوگ ناواقفی کی وجہ سے ان کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھ لیتے ہیں۔

جناب مولانا احتشام الحق آسیا آبادی بلوچستان کے ایک محقق عالم ہیں، موصوف نے برسہا برس تک اس فرقے کے بارے میں تحقیق کی اور اس فرقے کے مذہبی پیشواؤں کا قلمی لٹریچر فراہم کیا، جس کی روشنی میں انہوں نے ایک مفصل اِستفتاء مرتب فرمایا ہے، یہ اِستفتاء تمام تر ذکری لٹریچر کے حوالوں پر مشتمل ہے جس کے مطالعے سے واضح ہوجاتا ہے کہ:

۱:...ذکری فرقہ مُلّا محمد اٹکی کو مہدی معہود سمجھتا ہے۔

۲:...یہ فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا، بلکہ مُلّا محمد اٹکی کو خاتم النبیین سمجھتا ہے۔

۳:...اس فرقے کے نزدیک مُلّا محمد اٹکی نورِ خدا ہے، رسول و نبی ہے، سیّد المرسلین ہے اور تمام انبیائے کرام اور ملائکہ عظام مُلّا محمد اٹکی کے خدام ہیں۔

۴:...یہ فرقہ شریعتِ محمدیہ کو منسوخ سمجھتا ہے، یہ لوگ اسلام کے اہم ترین رکن نماز کی ادائیگی کو کفر سمجھتے ہیں اور نماز پڑھنے والوں کو ''چوتڑ اُٹھانے والے'' کہہ کر ان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ یہ لوگ روزۂ رمضان کے منکر ہیں، اس کے بجائے انہوں نے مختلف اوقات کے روزے تجویز کر رکھے ہیں۔ شرعی زکوٰۃ کا اِنکار کرتے ہیں، اس کے بجائے کم سے کم دس فیصد اپنے مذہبی پیشواؤں کو ٹیکس دیتے ہیں۔ حج اسلام کے منکر ہیں، اس کے بجائے تربت (بلوچستان) میں واقع کوہِ مراد کا حج کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک ''مقامِ محمود'' ہے۔

۵:...ذکریوں کے بقول قرآنِ کریم کے چالیس اجزاء تھے اور مُلّا محمد اٹکی کو یہ اِختیار دیا گیا کہ ان چالیس اجزاء میں سے جو چاہیں اپنے لئے انتخاب کرلیں، چنانچہ مُلّا محمد اٹکی نے ان میں سے دس اجزاء اپنے لئے منتخب کرلئے جو اسرارِ خداوندی پر مشتمل تھے، باقی اہلِ ظاہر کے لئے چھوڑ دیئے، اس موقع پر یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

من ز قرآن مغز را برداشتم
استخوان بہ پیش سگاں بگذاشتم

(میں نے قرآن کا مغز لے لیا اور ہڈیاں کتوں کے آگے چھوڑ دیں)

۶:...اس فرقے کے نزدیک ''محمد رسول اللہ'' سے مراد مُلّا محمد اٹکی ہے، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ''احمد'' تھا،

’’محمد‘‘ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مُلّا محمد اٹکی ہے)۔

۷:... یہ فرقہ تمام مسلمانوں کو جو مُلّا محمد اٹکی کو نہیں مانتے، کافر قرار دیتا ہے۔

یہ تمام عقائد اس اِستفتاء میں باحوالہ درج کئے گئے ہیں، مولانا موصوف نے اپنے اِستفتاء میں ذکریوں کے یہ تمام عقائد باحوالہ درج کرکے علمائے اُمت سے اِستفتاء کیا ہے کہ:

۱:... جو فرقہ اور جو فرد ایسے عقائد رکھتا ہو کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟

۲:... آیا ان سے رشتہ کرنا دُرست ہے یا نہیں؟

۳:... اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟

راقم الحروف نے اس اِستفتاء کے جواب میں قرآنِ کریم، احادیثِ نبوی اور اکابرِ اُمت کے فیصلوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ:

۱:... ایسے عقائد رکھنے والے لوگ قطعاً مسلمان نہیں، بلکہ ان کا حکم مرتدین کا ہے۔

۲:... کسی مسلمان کا ان کے ساتھ رشتہ ناتا جائز نہیں۔

۳:... ان کا ذبیحہ حلال نہیں، بلکہ مردار ہے۔

ذکری مذہب کے عقائد کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ عجیب انکشاف ہوا کہ ذکری مذہب اور قادیانی مذہب کے درمیان حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے، اتنی شدید مشابہت کہ گویا قادیانیت، ذکری مذہب کا نیا ایڈیشن یا اس کا چربہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان مشابہت کی تفصیلات ایک مستقل رسالے کا موضوع ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کو منظور ہوا تو اس موضوع پر مفصل لکھا جائے گا، سرِدست ان دونوں کے درمیان مشابہت کا ایک اِجمالی خاکہ پیشِ خدمت ہے:

۱:... ذکری مذہب مُلّا محمد اٹکی کو مہدیٔ آخرالزمان مانتا ہے، اور قادیانی مذہب مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدیٔ معہود اور مہدیٔ آخرالزمان قرار دیتا ہے۔

۲:... ذکری مذہب مُلّا محمد اٹکی کو اللہ تعالیٰ کا نور و ظہور مانتا ہے، اور قادیانی مذہب مرزا غلام احمد قادیانی کو خدا کا نور و ظہور مانتا ہے، چنانچہ مرزا قادیانی کا ایک اِلہامی نام ’’نور اللہ‘‘ ہے۔ (تذکرہ ص:۱۴۲) نیز مرزا قادیانی کا ایک اِلہام ہے: ’’ظہورک ظہوری‘‘ (تیرا ظہور میرا ظہور ہے) (تذکرہ ص:۷۰۰)۔

۳:... ذکری مذہب مُلّا محمد اٹکی کو تمام رسولوں سے افضل مانتا ہے، اور قادیانی مذہب مرزا غلام احمد قادیانی کے اس دعوے پر اِیمان رکھتا ہے:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفان نہ کمترم زکسے

آنچہ داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بہ تمام
زندہ شد ہر نبی بآمدنم
ہر رسولے نہاں بہ پیر ہنم

ترجمہ:... ''نبی اگرچہ بہت ہوئے ہیں، مگر میں معرفتِ الٰہی میں کسی نبی سے کم نہیں ہوں۔
جو جام کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو دیا ہے، وہ پورے کا پورا مجھے دے دیا ہے۔
میرے آنے سے ہر نبی زندہ ہوگیا، ہر رسول میرے کرتے میں پوشیدہ ہے۔''

۴:... ذکریوں کا عقیدہ ہے کہ قرآنِ کریم کے چالیس پارے تھے، جن میں سے دس پارے مُلّا محمد اٹکی کے ساتھ مخصوص کردیئے گئے، اور قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی وحی نے دس پاروں کا نہیں بلکہ بیس پاروں کا قرآنی وحی پر اضافہ کیا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

''اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو سے کم نہیں ہوگا۔''

(حقیقۃ الوحی ص:۳۹۱)

۵:... ذکری مذہب کے عقیدے میں نجات صرف مُلّا محمد اٹکی کی پیروی میں ہے، اور قادیانی عقیدہ ہے کہ نہیں بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی پیروی مدارِ نجات ہے۔

۶:... ذکری لوگ مُلّا محمد اٹکی کے نہ ماننے والے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، اور قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں، قادیانیوں کا خلیفۂ دوم مرزا محمود لکھتا ہے:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔''

(آئینۂ صداقت ص:۳۵)

مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے:

''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے، مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا، یا عیسیٰ کو تو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا، اور یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔''

(کلمۃ الفصل ص:۱۱۰)

۷:... ذکریوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دِین منسوخ ہے، اور قادیانیوں کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی کے بغیر دِینِ اسلام لعنتی، شیطان، قابلِ نفرت اور مردہ ہے (ضمیمہ براہین احمدیہ ص:۱۳۹، ۱۸۳)۔

ان چند کلمات سے اندازہ ہوگا کہ دسویں صدی کے جھوٹے مہدی مُلّا محمد اٹکی اور چودھویں صدی کے جھوٹے مہدی کے دعویٰ ونظریات کے درمیان کس قدر مشابہت ہے؟ پس جس طرح قادیانی اپنے عقائدِ کفریہ کی وجہ سے مسلمان نہیں، ٹھیک اسی طرح ذکری لوگ بھی مسلمان نہیں، حق تعالیٰ شانہٗ اُمتِ مسلمہ کو تمام فتنوں سے محفوظ رکھے۔

''بھائی، بھائی'' کہلانے والے پانچ نمازوں کے منکرین کا شرعی حکم

سوال:... ہمارے ضلع بدین میں ایک شہر ٹنڈو غلام علی کے نزدیک گاؤں حاجی محبّ علی لغاری ہے، ہمارے گاؤں میں بھیل ہندو مذہب کے لوگ رہتے ہیں، یہ لوگ اپنا مذہب تبدیل کرکے اپنے آپ کو ''بھائی، بھائی'' یا ''اشرفی'' کہلواتے ہیں، مسلمانوں سے ملتے ہیں تو مسلمان کہلواتے ہیں، وہ ہر ایک مذہب کے آدمی سے کھاتے پیتے ہیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ دُوسرے مذہب کے ہندوؤں میں کرتے ہیں، اور کوئی مسلمان ملتا ہے، اسے طرح طرح کی پیشکش کرتے ہیں، مثلاً: کہ ہمارے مذہب میں نماز کا ایک وقت، تمہارے مذہب میں پانچ وقت ہے۔ انہوں نے ایک مسلمان سے کہا: تم ہمارے ساتھ اِنڈیا چلو! اس نے پوچھا: کیسے؟ اس نے کہا: پاسپورٹ اور دُوسرے کاغذات میں تم لکھوانا کہ میں بھائی بھائی یا اشرفی ہوں، بس اتنا لکھوانا، رہو گے تم مسلمان، بس ہم گھوم کے آئیں گے۔ وہ آدمی تو کچھ پڑھا لکھا آدمی تھا اور جمعہ کی نماز پڑھتا تھا، اللہ کے کرم سے اس نے اس ہندو کو بھگا دیا، اس نے ہم لوگوں سے بات کی، ہم نے کہا: بھئی تو تو خدا کا شکر ادا کر کہ اس کافر کی چال سے بچ گیا۔

جواب:... جب وہ خود مانتے ہیں کہ مسلمانوں کے دِین میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے، اور ان کے دِین میں صرف ایک وقت کی نماز، تو گویا وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں۔ باقی رہا یہ کہ وہ کون لوگ ہیں؟ یہ بات آپ کی تحریر سے واضح نہیں ہوئی۔ (۱)

آغاخانی، بوہری شیعہ فرقوں کے عقائد

سوال:... آغاخانیوں کے عقائد کیا ہیں؟ نیز دیگر فرقوں یعنی جماعت المسلمین، بوہری اور شیعہ کے پس منظر اور غلط عقائد بھی بیان کیجئے۔

جواب:... آغاخانی فرقے کے عقائد پر ''آغاخانیت کی حقیقت'' کے نام سے ایک رسالہ شائع ہوچکا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیے۔ بوہری فرقہ بھی آغاخانیوں کی طرح اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے۔ ''جماعت المسلمین'' غیرمقلدوں کی ایک جماعت ہے، وہ ائمۂ اَربعہؒ کے مقلدین کو مشرک کہتے ہیں۔ شیعہ حضرات کے عقائد ونظریات عام طور پر معروف ہیں، خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ...نعوذ باللہ!... ظالم وغاصب اور منافق ومرتد سمجھتے ہیں اور قرآنِ کریم میں رَدّ وبدل کے قائل ہیں، اس کے لئے میرا رسالہ ''ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر'' دیکھ لیا جائے۔

---

(۱) لَا نزاع فی تکفیر من أنکر من ضروریات الدِّین۔ (اکفار الملحدین ص:۱۲۱ وایضًا فی اکفار الملحدین ص:۲، ۳)۔

آغا خانی، بوہری بھی قادیانیوں کی طرح ہیں

سوال:... جس طرح سے قادیانیوں سے ملنا، کھانا پینا منع ہے، کیا اسی طرح آغا خانیوں اور بوہریوں سے بھی منع ہے؟

جواب:... ان کا بھی وہی حکم ہے، اتنا فرق ہے کہ قادیانی لوگوں کو مرتد کرتے ہیں، آغا خانی اور بوہرے اپنے مذہب کی دعوت نہیں دیتے۔[۱]

خمینی انقلاب اور شیعوں کے ذبیحہ کا حکم

سوال:... آپ کا ایک مسئلہ جولائی ۱۹۸۶ء کے اقرأ ڈائجسٹ میں پڑھا کہ اہلِ تشیع کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں۔ قبلہ میں اپنے تعارف میں صرف یہ کہوں گا کہ میں ایک عالمِ دِین نہیں، لیکن ایک دِین دار مسلمان ضرور ہوں۔ آپ کے ان الفاظ کو اپنی عملی زندگی میں دیکھا تو یہ حقیقت سے بعید نظر آئے، جس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے کافی عرصہ عرب ممالک میں گزارا ہے اور اب بھی متحدہ عرب امارات میں ہوں۔ سعودیہ، عراق، شام، بحرین اور مسقط میں جو گوشت آتا ہے، وہ آسٹریلیا اور ڈنمارک سے آتا ہے۔ مرغی فرانس سے آتی ہے، میں نے ان کے ذبیحے پر شک کی بنا پر کئی علمائے کرام سے تحقیق کی، لیکن افسوس کہ کہیں سے بھی جواب تسلی بخش نہ مل سکا۔ بلکہ کئی حضرات نے کہا کہ ہم خود تو نہیں کھاتے لیکن کھانے میں حرج بھی نہیں ہے، کیونکہ اسلامی ملک ہے، سربراہ مسلمان ہے، کسی نے کہا کہ بس حلال سمجھ کر کھالو۔ لیکن میں علمائے کرام کے سامنے یہ کہنے کی گستاخی نہ کرسکا کہ حرام گوشت میرے حلال سمجھ کر کھانے سے حلال نہیں ہوسکتا، خدا جانے ہمارے علماء کی کسمپرسی تھی کہ وہ مسئلہ بتانے سے بھی گریز کرتے ہیں، یا یہ واقعی ہی حلال ہے۔ اسی تجسّس کی وجہ سے ایک دن ایک شیعہ ساتھی سے ملاقات ہوئی، ہوٹل میں کھانے کا سوچا تو وہ صاحب بولے کہ میں تو ہوٹل میں صرف دال کھاتا ہوں، وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ گوشت کا ذبیحہ مشکوک ہے، اس لئے اجتناب کرتا ہوں۔ خیر قصہ کوتاہ میں نے ان کی وساطت سے ان کے ایک نجفی عالمِ دِین سے رابطہ قائم کیا، ان سے یہی سوال پوچھا تو انہوں نے صاف حرام کہا۔ ان سے ان کی خوراک کے بارے میں پوچھا تو بولے کہ یہاں پر سمندر کے کنارے ہر روز کچھ دُنبے ذبح ہوتے ہیں، وہاں سے ہم گوشت لے آتے ہیں، اگرچہ اس میں دُشواری کافی ہے، لیکن حرام نہیں کھاتے، بلکہ سبزی دال اس کا نعم البدل موجود ہے۔ یہاں پر ایک یہ غلطی کرکے ان کو بتادیا کہ میرا تعلق فقہِ حنفی سے ہے، ان سے وہی آپ والا مسئلہ پوچھا تو فرمانے لگے کہ یہ ان صاحب کی اپنی تحقیق ہے، ممکن ہے ہمیں مسلمان نہ سمجھتے ہوں۔ البتہ ذبیحے کے لئے مسلمان کا تکبیر پڑھنا شرط ہے اور مسلمان کے اُصولِ دِین شرط ہیں۔ بہرحال کہانی بہت لمبی ہوگئی ہے، مجھے آپ سے جو شکایت ہے، اس کی گستاخی کی پہلے معافی چاہوں گا کہ آپ ایک غیرمسلم کے ذبیحے پر یقین کرتے ہیں حلال ہے، اور وہ بھی مشین سے ذبح کیا ہوا (حالانکہ پاکستان میں بھٹو دور میں یہ مذبح خانے علماء نے اسی لئے بند کرادیئے تھے)، اور ایک مسلمان کو غیرمسلم کہتے ہوئے اس کے ذبیحے کو حرام قرار دے رہے ہیں، حالانکہ ایک مسلمان کو غیرمسلم کہنا کتنا جرم ہے لیکن یہ عام ہوچکا ہے، ہم آپس میں بھی ایک دُوسرے کو غیرمسلم کہہ جاتے ہیں، مجھے یہ بات دُکھ دیتی ہے کہ

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: آغا خانی مذہب چند ضروری معلومات ص:۱۱، گمراہ کن عقائد و نظریات، طبع مکتبہ لدھیانوی۔

آپ جیسے جید عالم ایسے مسائل بیان فرمائیں کہ جب رُوس، امریکہ، افغانستان کے بہانے ہم کو مٹانے کی کوشش میں ہیں۔ بہرحال قبلہ مجھ نااہل اور جاہل کی سوچ کا جہاں تک تعلق ہے وہ یہ کہ میری عمر تقریباً پچاس سال ہوچکی ہے، یہ مسائل کبھی بھی پہلے نہیں اُٹھائے گئے، یہ اس وقت اُٹھے جب ایران میں اسلامی انقلاب آیا۔ مجھے یہ شک ہورہا ہے کہ وائٹ ہاؤس کا حکم سعودیہ کی سنہری تھیلی میں ہم تک پہنچایا جارہا ہو، اور امریکہ اپنی شکست کا بدلہ ایران کے بجائے مسلمانوں سے لینا چاہتا ہو اور اس میں ہماری غربت سے فائدہ اُٹھا رہا ہو، خدا کرے میرے خیالات غلط ہوں۔ قبلہ میری آخر میں گزارش ہے کہ مجھے معاف رکھنا، اور التماس ہے کہ ہمیں اُخوّت کا سبق دیں اور اگر آج یہ شیعہ سنی کی جنگ ہے تو کل یہ بریلوی دیوبندی تک پہنچے گی، تاوقتیکہ برِصغیر میں مسلمانوں کا نام ختم ہو۔ آپ کا اشارہ ہمارے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے، عرب کے مسلمانوں سے کفر خائف نہیں، ثبوت کے لئے سعودیہ کی حکومت اور عوام کی حالت سے آپ واقف ہیں، جو کہ عالمِ اسلام کا مرکز ہے، باقی اس شیعہ سنی جنگ میں کتنے مسلمان قتل ہوں گے، اس کے عذاب وثواب میں آپ برابر کے شریک ہوں گے۔

جواب:... جہاں تک آپ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ”میں غیرمسلم کے مشینی ذبیحے کو بھی حلال کہتا ہوں“ تو یہ آپ کا نرا حسنِ ظن ہے۔ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تو قرآن مجید میں حلال قرار دیا گیا ہے،[1] اور مشینی ذبیحے کو میں مردار سمجھتا ہوں۔ اسی طرح اہلِ کتاب کے علاوہ کسی دُوسرے غیرمسلم کا ذبیحہ بھی مردار ہے۔[2] جہاں تک آپ کے اس فقرے کا تعلق ہے کہ ”میں مسلمان کے ذبیحے کو حرام کہتا ہوں“ یہ بھی غلط ہے۔ شیعہ اثناعشری کے بارے میں میں نے یہ لکھا تھا کہ:

۱:... قرآنِ کریم کو تحریف شدہ سمجھتے ہیں۔

۲:... تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر و مرتد یا ان کے حلقہ بگوش سمجھتے ہیں۔

۳:... بارہ اماموں کا درجہ انبیائے کرام علیہم السلام سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

یہ تو آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ مجھ سے شیعوں کے ان عقائد کا ثبوت طلب کریں کہ میں نے ان پر بے بنیاد الزام لگایا ہے یا واقعی ان کی مستند کتابوں میں اور ان کے مجتہد علماء کے یہ عقائد ہیں۔ میں جب آپ چاہیں اس کا ثبوت ان کی تازہ ترین کتابوں سے جو اَب بھی ہندو پاک اور ایران میں چھپ رہی ہیں، پیش کرنے کو حاضر ہوں۔ اور جب ان کے یہ عقائد ثابت ہوجائیں تو آپ ہی فرمائیے کہ ان عقائد کے بعد بھی ان کو مسلمان ہی سمجھئے گا؟ اور آپ کا یہ خیال کہ ”یہ مسائل اس وقت اُٹھائے گئے ہیں جب ایران میں ”اسلامی“ انقلاب آیا“ یہ آنجناب کی غلط فہمی ہے، اس ناکارہ نے آج سے ۹، ۱۰ سال پہلے ”اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم“ لکھی تھی،

---

(۱) قال تعالىٰ: ”وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ“ (المائدة:۵). أيضًا ثم ذكر حكم ذبائح أهل الكتابين من اليهود والنصارىٰ فقال: ”وطعام الذين أُوتوا الكتٰب حِلٌّ لَّكم“ قال ابن عباس وأبو أُمامة ومجاهد وسعيد بن جبير وعكرمة وعطاء والحسن ومكحول وإبراهيم النخعي والسدي ومقاتل بن حيّان ”يعني ذبائحهم“ وهٰذا أمر مجمع عليه بين العلماء أن ذبائحهم حلال للمسلين، لأنهم يعتقدون تحريم الذبح لغير الله ولَا يذكرون علىٰ ذبائحهم إلّا اسم الله وإن اعتقدوا فيه تعالىٰ ما هو منزه عن قولهم تعالىٰ وتقدس. (تفسير ابن كثير ج:۲ ص:۲۸، ۲۹، ۳۰).

(۲) ولَا تحل ذبيحة غير كتابي من وثني ومجوسي ومرتد. (الدر المختار مع الرد ج:۶ ص:۲۹۸، كتاب الذبائح).

اس وقت ''خمینی انقلاب'' کا کوئی اتا پتا نہیں تھا، اس میں بھی میں نے شیعہ عقائد کے انہی تین نکات پر بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''شیعہ مذہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پہلے دن سے اُمت کا تعلق اس کے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دینا چاہا، اس نے اسلام کی ساری بنیادوں کو اُکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی، اور اسلام کے بالمقابل ایک نیا دِین تصنیف کر ڈالا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ شیعہ مذہب اسلام کے کلمے پر راضی نہیں، بلکہ اس میں کی پیوندکاری کرتا ہے۔ بتایئے! جب اسلام کا کلمہ اور قرآن بھی شیعوں کے لئے لائقِ تسلیم نہ ہو تو کس چیز کی کسر باقی رہ جاتی ہے؟ اور یہ ساری نحوست ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بغض و عداوت کی، جس سے ہر مؤمن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔'' (اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ص:۲۳، ۲۴ طبع مکتبہ لدھیانوی)

اسی میں شیعہ مذہب کی بنیاد ''بغضِ صحابہ'' کا تذکرہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

''الغرض یہ تھی وہ غلط بنیاد جس پر شیعہ نظریات کی عمارت کھڑی کی گئی، ان عقائد و نظریات کے اوّلین موجد وہ یہودی الاصل منافق تھے (عبداللہ بن سبا اور اس کے رُفقاء) جو اسلامی فتوحات کی یلغار سے جل بھن کر کباب ہوگئے تھے۔'' (ایضاً ص:۱۷)

آنجناب کا ''خمینی انقلاب'' کو ''اسلامی انقلاب'' کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ آنجناب کو خمینی صاحب کے عقائد و نظریات کا علم نہیں۔ میں آپ کو مشورہ دُوں گا کہ آپ مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب ''ایرانی انقلاب'' کا مطالعہ فرمالیں یا کم سے کم ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الاوّل اور ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ کے شماروں میں اس ناکارہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھ لیں، بشرطِ انصاف آپ کی غلط فہمی دُور ہوجائے گی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کیسا ''اسلامی انقلاب'' ہے جس میں حضرات خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ کو کافر و منافق اور مکار و خودغرض کہہ کر تبرا کیا جائے اور جس میں چالیس فیصد سنی آبادی کو کچل کر رکھ دیا جائے، نہ انہیں اپنے مسلک کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت ہو، اور نہ آواز اُٹھانے کی، اگر اس کا نام ''اسلامی انقلاب'' ہے تو شاید ہمیں ''اسلامی انقلاب'' کی تعریف بدلنی پڑے گی۔ آپ کا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ امریکہ بہادر کے اشارۂ چشم و ابرو پر ہو رہا ہے اور یہ کہ وہائٹ ہاؤس کا حکم سعودیہ کی سنہری تھیلیوں میں ہم تک پہنچایا جارہا ہے، یہ آنجناب کا حسنِ ظن ہے اور میں آپ کو اس میں معذور سمجھتا ہوں، اس لئے کہ یہ بات آپ کی سمجھ میں آہی نہیں سکتی کہ آج کے دور میں کوئی کام روپے پیسے کے لالچ کے بغیر محض رضائے الٰہی اور اُمتِ محمدیہ... علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات... کی خیرخواہی کی غرض سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال اس کا فیصلہ ''روزِ جزا'' میں ہوگا کہ اس ناکارہ پر آنجناب کا یہ الزام کس حد تک حق بجانب تھا...؟

کیا شیعہ اسلامی فرقہ ہے؟

سوال:... آپ کی تألیف کردہ کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' کی دونوں جلدوں کا مکمل مطالعہ کیا، کتاب بہت ہی

پسند آئی اور یہاں ریاض شہر میں اکثریت چونکہ حنابلہ کی ہے جو کہ آمین بالجہر، رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام سب کچھ کرتے ہیں، مگر اس کتاب کے مطالعے سے میں اپنے مذہب حنفیہ میں مزید پختہ ہوگیا ہوں اور چونکہ پاکستان میں بھی میرا تعلق قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی جیسے علماء کے ساتھ رہا ہے اور ان سے بحمد اللہ! بیعت کا سلسلہ بھی ہے اور انہوں نے اہلِ سنت والجماعت کا صحیح معنوں میں جو راستہ ہے وہ ہمیں بتایا اور مذہب شیعہ سے بھی کافی واقفیت ہے، کیونکہ حضرت قاضی صاحب نے روافض کے تقریباً ہر عقیدہ پر کتاب لکھی ہے اور آپ نے بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر شیعہ عقیدہ صحیح ہے تو اسلام معاذ اللہ! غلط ہے اور اگر اسلام حق ہے تو شیعہ مذہب کے غلط اور باطل ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہیں ہونا چاہئے، جس کا مطلب یہی ہے کہ شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اسلام کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے، اب میں آتا ہوں اپنی مقصودی بات کی طرف کہ شیعہ پکے کافر اور زندیق ہیں تو پھر ان کو اسلامی فرقوں میں شمار کرنا میرے ذہن کے مطابق درست نہیں ہے، جس طرح کہ آپ نے کتاب کے نام کے نیچے لکھا ہے کہ جس میں صراط مستقیم کی ٹھیک ٹھیک نشاندھی کرتے ہوئے مشہور اسلامی فرقوں شیعہ سنی... الخ یعنی شیعہ کے ساتھ ہمارا اصولی اختلاف ہے کہ جب ان کا کلمہ اور اذان، نماز دیگر عبادات سب کچھ ہم سے جدا ہے تو پھر اسلامی فرقہ کیسے ہوا، اور آپ نے بھی اپنی کتاب میں قوی دلائل سے اس فرقے کو کافر ثابت کیا ہے۔ اور عام لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ شیعہ مسلمان ہیں اور جب وہ کتاب کے پہلے صفحہ کو دیکھتے ہیں تو نہایت تعجب ہوتا ہے۔

جواب:... ماشاء اللہ! بہت نفیس سوال ہے، اس کا آسان اور سلیس جواب یہ ہے کہ ”اسلامی فرقوں“ سے مراد ہے، وہ فرقے جن کو عام طور سے مسلمان سمجھا جاتا ہے، یا اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

شیخ ابومنصور ماتریدیؒ، جو عقائد میں حنفیہ کے امام ہیں، ان کی کتاب کا نام ہے ”مقالات الاسلامیین“ یعنی ”اسلامی فرقوں کے عقائد“ اس میں شیعہ، خوارج وغیرہ ان تمام فرقوں کا ذکر آیا ہے جو اِسلام کی طرف منسوب ہیں، حالانکہ ان میں سے بہت سوں پر کفر کا فتویٰ ہے۔ میری جس تحریر کا آپ نے حوالہ دیا ہے اور جس پر اِشکال فرمایا ہے، وہ گویا شیخؒ کی کتاب کے نام کا ترجمہ ہے۔

اطلاع:... اور بھی بعض احباب نے یہی آپ والا اِشکال ذکر کیا تھا، اگرچہ اِشکال کا صحیح جواب موجود ہے جو اُوپر ذکر کرچکا ہوں، تاہم ہم نے کتاب کے نئے ایڈیشن میں ”اسلامی فرقوں“ کا لفظ حذف کردیا ہے۔

شیعوں کے تقیہ کی تفصیل

سوال:... شیعوں کی یہاں تقیہ کی کیا صورت ہے؟ شیعہ ایک مثال دیتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بادشاہِ وقت کے خلاف فتویٰ دیا، جب ان کو لوگ گرفتار کرنے کے لئے آئے تو وہ مسجد میں عبادت کر رہے تھے، جب ان سے پوچھا گیا تو دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ: ابھی یہاں تھے! یہ واقعہ میں نے اپنے کسی مولوی صاحب سے سنا ہے، شیعہ اس کو سنی حضرات کا تقیہ کہتے ہیں، لہٰذا آپ بتائیں کہ تقیہ کس کو کہتے ہیں؟

جواب:... شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا جو واقعہ آپ نے لکھا، اس کی تو مجھے تحقیق نہیں، البتہ اسی قسم کا واقعہ حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کا ہے، اور یہ تقیہ نہیں ''توریہ'' کہلاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا فقرہ کہا جائے کہ مخاطب اس کا مطلب کچھ اور سمجھے اور متکلم کی مراد دُوسری ہو، بوقتِ ضرورت جھوٹ سے بچنے کے لئے اس کی اجازت ہے۔[۱] رہا شیعوں کا تقیہ! وہ یہ ہے کہ اپنے عقائد کو چھپایا جائے اور عقائد و اعمال میں بظاہر اہلِ سنت کی موافقت کی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ۳۰ برس تک اہلِ سنت کے دِین پر عمل کرتے رہے اور انہوں نے شیعہ دِین کے کسی مسئلے پر بھی کبھی عمل نہیں فرمایا، یہی حال ان باقی حضرات کا رہا جن کو شیعہ ائمہ معصومین مانتے ہیں، تقیہ کی ایجاد کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ شیعوں پر یہ بھاری الزام تھا کہ اگر حضرت علیؓ اور ان کے بعد کے وہ حضرات جن کو شیعہ ائمہ معصومین کہتے ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان کے عقائد وہی تھے جو شیعہ پیش کرتے تھے تو یہ حضرات، مسلمانوں کے ساتھ شیر و شکر کیوں رہے؟ اور سوادِ اعظم اہلِ سنت کے عقائد و اعمال کی موافقت کیوں کرتے رہے؟ شیعوں نے اس الزام کو اپنے سر سے اُتارنے کے لئے ''تقیہ'' اور ''کتمان'' کا نظریہ ایجاد کیا۔ مطلب یہ کہ یہ حضرات اگرچہ ظاہر میں سوادِ اعظم (صحابہؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ) کے ساتھ تھے، لیکن یہ سب کچھ ''تقیہ'' کے طور پر تھا، ورنہ در پردہ ان کے عقائد عام مسلمانوں کے نہیں تھے، بلکہ وہ شیعی عقائد رکھتے تھے اور خفیہ خفیہ ان کی تعلیم بھی دیتے تھے، مگر اہلِ سنت کے خوف سے وہ ان عقائد کا برملا اظہار نہیں کرتے تھے۔ ظاہر میں ان کی نمازیں خلفائے راشدین (اور بعد کے ائمہ) کی اقتدا میں ہوتی تھیں، لیکن تنہائی میں جاکر ان پر تبرا بولتے تھے، ان پر لعنت کرتے تھے، اور ان کو ظالم و غاصب اور کافر و مرتد کہتے تھے، پس کافروں اور مرتدوں کے پیچھے نماز پڑھنا بربنائے ''تقیہ'' تھا، جس پر یہ اکابر اَباً عن جدٍ عمل پیرا تھے۔

یہ ہے شیعوں کے ''تقیہ'' اور ''کتمان'' کا خلاصہ۔ ہم اس طرزِ عمل کو نفاق سمجھتے ہیں، جس کا نام شیعہ نے تقیہ رکھ چھوڑا ہے، ہم ان اکابر کو ''تقیہ'' کی تہمت سے بَری سمجھتے ہیں اور ہمیں فخر ہے کہ ان اکابر کی پوری زندگی اہلِ سنت کے مطابق تھی، وہ اسی کے داعی بھی تھے، شیعہ مذہب پر ان اکابر نے ایک دن بھی عمل نہیں کیا۔[۲]

شیعوں کے بارہ اِماموں کے نام

سوال:... شیعوں کے بارہ اِمام کون کون سے ہیں؟ اور بارہویں اِمام کو جو نامعلوم غار میں دفن کردیا گیا ہے، وہ کون سے ہیں؟ ویسے تو سینکڑوں اِمام ہیں، ان بارہ کی تخصیص اہلِ تشیع نے کیوں کی ہے؟

جواب:... شیعہ ان بارہ بزرگوں کو اِمامِ معصوم مانتے ہیں: ۱-حضرت علی، ۲-حضرت حسن، ۳-حضرت حسین، ۴-حضرت زین العابدین، ۵-حضرت محمد باقر، ۶-حضرت جعفر صادق، ۷-حضرت موسیٰ کاظم، ۸-حضرت علی رضا، ۹-حضرت محمد تقی،

---

(۱) قوله: ويورى، التورية أن يظهر خلاف ما أضمر فى قلبه. اتقانى. قال فى العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب وأن يراد الاتيان بلفظ يحتمل معنيين. (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۱۳۴، مطلب بيع المكره فاسد ...إلخ).

(۲) تفصیل کے لئے حضرتِ شہیدؒ کی کتاب ''شیعہ سنی اختلاف'' دیکھئے۔

۱۰-حضرت محمد تقی، ۱۱-حضرت حسن عسکری، ۱۲-حضرت مہدی منتظر رضی اللہ عنہم، تخصیص کی وجہ تو شیعوں ہی کو معلوم ہوگی۔[۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''مشکل کُشا'' کہنا

سوال:... حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''مشکل کُشا'' کہنا جائز ہے؟

جواب:... ''مشکل کُشا'' کا لفظ جس معنی و مفہوم میں آج کل استعمال ہوتا ہے، وہ تو قطعاً جائز نہیں۔ لیکن ''حل مشکلاتِ بخاری''، ''حل مشکلاتِ قرآن''، ''حل مشکلاتِ حدیث''، ''حل مشکلاتِ فقہ'' وغیرہ وغیرہ کے الفاظ علمائے اُمت کے زبان زد ہیں۔ اور مسائلِ مشکلہ کے حل کرنے کے خاص ملکہ کی وجہ سے کسی نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو ''مشکل کُشا'' یعنی مشکل مسائل کی گرہ کشائی کرنے والے، کہا ہو تو اس میں کوئی اِشکال نہیں۔ اب روایت تو یاد نہیں، کہیں شاید پڑھا تھا کہ ''حل عویصات'' کا یہ لقب حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

بہرحال اگر کسی خوش عقیدہ عالم یا بزرگ نے یہ لقب استعمال کیا ہو تو اس کا یہی مفہوم ہے، اور عوام کالأنعام اگر استعمال کریں تو ان کی اور بات ہے۔

شیعہ اثنا عشری کے پیچھے نماز

سوال:... ہماری ایک تنظیم ہے جس کے اراکین کئی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں، ان اراکین کی کثیر تعداد (بڑی اکثریت) سنی ہے، یہ تنظیم لندن کے امپیریئل کالج میں ہے، کالج نے نماز کے لئے ایک کمرہ دیا ہے، طلبہ میں سے ہی کوئی پنج وقتہ نماز پڑھا دیتا ہے، جمعہ کی نماز کے لئے بھی طلبہ میں سے کوئی خطبہ پڑھتا ہے اور پھر نمازِ جمعہ کی اِمامت کرتا ہے، اب تک اِمامت اور خطبہ دینے والے طلبہ سنی ہی رہے ہیں، کچھ شیعہ (اثنا عشری) طلبہ کہتے ہیں کہ ہم بھی خطبہ دیں گے اور نماز پڑھائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اثنا عشری شیعہ طلبہ خطبہ دے سکتے ہیں اور کیا یہ نماز کی اِمامت کرسکتے ہیں، کیا ان کے پیچھے ہماری نماز ہوجائے گی، اگر فتویٰ کے کچھ دلائل بھی تحریر فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

جواب:... اثنا عشری عقیدہ رکھنے والے حضرات کے بعض عقائد ایسے ہیں جو اِسلام کے منافی ہیں، مثلاً:

۱:... ان کا عقیدہ ہے کہ تین چار اَشخاص کے سوا تمام صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوگئے تھے،[۲] اور یہ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کافر و منافق اور مرتد تھے۔ ۲۵ سال تک تمام اُمت کی قیادت یہی منافق و کافر اور مرتد کرتے رہے، حضرت علیؓ اور دیگر تمام صحابہؓ نے انہی مرتدوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔

---

(۱) زعمت الشيعة خصوصًا الإمامية منهم ان الإمام الحق بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم عليٌّ، ثم ابنه الحسن، ثم أخوه الحسين، ثم ابنه زين العابدين، ثم ابنه محمد الباقر، ثم ابنه جعفر الصادق، ثم ابنه موسى الكاظم، ثم ابنه على الرضا، ثم ابنه محمد التقى، ثم ابنه على النقى، ثم ابنه الحسن العسكرى، ثم ابنه محمد القاسم المنتظر المهدى وقد اختفى خوفًا من أعدائه وسيظهر. (شرح العقائد ص:۱۵۴-۱۵۵ طبع خير كثير).

(۲) تفصیل ملاحظہ فرمائیں: اُردو ترجمہ غنیة الطالبین ص:۱۲۵ تا ۱۳۲، طبع دارالاشاعت کراچی۔

۲:...اثنا عشری علمائے متقدمین ومتأخرین کا عقیدہ ہے کہ قرآنِ کریم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھپالیا تھا، اس کو صحابہؓ نے قبول نہیں کیا، اور موجودہ قرآن اُنہی خلفائے ثلاثہ کا جمع کیا ہوا ہے، اور اس میں تحریف کردی گئی ہے، اصلی قرآن اِمامِ غائب کے ساتھ غار میں محفوظ ہے۔[۱]

۳:...اثنا عشری عقیدہ یہ بھی ہے کہ بارہ اِماموں کا مرتبہ انبیاء سے بڑھ کر ہے، یہ عقائد اثنا عشری کتابوں میں موجود ہیں۔[۲]

ان عقائد کے بعد کسی شخص کو نہ تو مسلمان کہا جاسکتا ہے، اور نہ اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے، اس لئے کسی مسلمان کے لئے اثنا عشری عقیدہ رکھنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح نہیں، جس طرح کہ کسی غیرمسلم کے پیچھے نماز جائز نہیں، واللہ اعلم![۳]

''جماعت المسلمین'' اور کلمہ طیبہ

سوال:...آج کل ایک نئی جماعت ''جماعت المسلمین'' جو کہ کوثر نیازی کالونی میں ہے، یہ لوگ کلمۂ طیبہ کو نہیں مانتے کہ یہ قرآن شریف اور حدیث میں نہیں ہے، اس لئے آپ لوگ غلط پڑھتے ہیں، اصل کلمہ، کلمۂ شہادت ہے، جو لوگ کلمۂ طیبہ نہیں پڑھتے وہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، رشتہ داری، لینا دینا، کھانا پینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:...کلمۂ شہادت میں کلمۂ طیبہ ہی کی گواہی دی جاتی ہے، اگر کلمۂ طیبہ کوئی چیز نہیں تو گواہی کس چیز کی دی جائے گی؟[۴] دراصل مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے شیطان لوگوں کے دِل میں نئی باتیں ڈالتا رہتا ہے، یہ لوگ گمراہ ہیں ان سے محتاط رہنا چاہئے۔

جماعت المسلمین والوں سے رشتہ ناتہ؟

سوال:...مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اپنی بھانجی کا رشتہ جو کہ مسلمان ہے (دیوبندی) ''جماعت المسلمین'' کے ایک لڑکے کو دے دیا ہے، وہ لڑکا میرا سالہ ہے، اُس کا باپ میرا چچازاد بھائی ہے، وہ بھی ''جماعت المسلمین'' سے تعلق رکھتا ہے، اُن کے باقی گھر والے ہماری طرح مسلمان ہیں۔ گاؤں کے لوگ اس منگنی پر مخالفت کرتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارے اِمامِ مسجد بھی دبی آواز میں مخالفت کرتے ہیں، اور باقی لوگوں کی وجہ سے نکاح پڑھنے سے ہچکچاتے ہیں۔ ہم نے مولوی صاحب سے کہا ہے کہ آپ فتویٰ دیں کہ ''جماعت المسلمین'' والے غیرمسلم ہیں، اگر واقعی وہ غیرمسلم ہیں تو ہم ''جماعت المسلمین'' والوں کو رشتہ نہیں دیں گے۔ لیکن مولوی صاحب کہتے ہیں کہ: ہم ان کو غیرمسلم نہیں کہہ سکتے۔ پھر بھی مولوی صاحب نکاح پڑھنے میں ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں، اور ہمیں

---

(۱) الأنوار النعمانیة ص:۳۵۷ تا ۳۶۴ طبع ایران۔

(۲) وان من ضروریات مذھبنا أنّ لأئمتنا مقامًا لَا یبلغه مَلَک مقرّب ولَا نبیٌّ مُرسَلٌ۔ الحکومة الإسلامیة ص:۵۲ طبع تهران۔

(۳) والتفصیل فی خیر الفتاویٰ ج:۱ ص:۳۸۹ تا ۴۳۶، طبع مکتبه امدادیه، ملتان۔

(۴) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: بنی الْإسلام علٰی خمس: شهادة أن لَا اِلٰهَ اِلّا الله وأن محمدًا عبده ورسوله ...الخ۔ (مشکوٰة ص:۱۲)۔ أیضًا ''مکتوب علٰی العرش: لَا اِلٰهَ اِلّا الله محمد رسول الله، لَا أعذب من قالها۔'' (اسماعیل بن عبدالغفار الفارسی فی الأربعین عن ابن عباس، کنز العمال ج:۱ ص:۵۷)۔

کہتے ہیں کہ رشتہ دینے سے انکار کردیں۔ مذکورہ بالا حالات میں ہم کس طرح انکار کرسکتے ہیں؟ اس کے لئے ہمیں شرعی جواز درکار ہے۔ آپ سے اِستدعا ہے کہ آپ واضح فتویٰ دیں کہ آیا ''جماعت المسلمین'' کے لڑکے سے نکاح مسلمان لڑکی کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اُمید ہے کہ آپ جلد اس سلسلے میں ہماری راہنمائی فرمائیں گے، شکریہ۔

جواب:... ''جماعت المسلمین'' والے تو غیرمسلم نہیں، لیکن آپ کو، مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو کافر اور ''غیرمسلمین'' کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ نے یہ پوچھ لیا کہ ایسے لوگوں میں کیوں رشتہ کیا تھا؟ تو کیا جواب ہوگا...؟

شیعہ کو حدودِ حرم میں داخلے سے منع کرنا سعودی حکومت کی ذمہ داری ہے

سوال:... ایک دو ماہ قبل شیعہ رافضی، خمینی، پیروکاروں کے لئے ''الفرقان''، لکھنؤ، ''بینات''، ''اقرأ ڈائجسٹ'' کراچی اور ''المسلمون''، سعودی عرب کے شماروں میں متعدّد ممالک کے مفتیانِ کرام نے کفر کے فتوے صادر فرمائے، عالمِ اسلام کے شیخ الاسلام اور مفتیٔ اعظم سعودی عرب جناب الشیخ عبدالعزیز بن باز نے خمینی کے خارج از اسلام اور مرتد ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔ اور اس فتوے کی تائید رابطہ عالمِ اسلامی کے عالمی اجلاس منعقدہ اکتوبر ۱۹۸۷ء نے بھی کردی (بحوالہ ''المسلمون'' مکہ مکرّمہ)۔ قرآن و احادیثِ مبارکہ کے فرمان کے مطابق کسی کافر، مشرک، مرتد کو حدودِ حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہیں، جبکہ شیعہ ذُرّیت اس سال پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر حج کے بہانے حدودِ حرم میں داخل ہوکر اپنے کمینے پن کا مظاہرہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہے، جبکہ عالمِ اسلام پر شیعہ ذُرّیت کے کفر و گندے عزائم کھل چکے ہیں۔ پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ اب شیعہ لوگ کسی بہانے حدودِ حرم میں داخل ہوجائیں تو اس شدید گستاخی کے معاونین میں سے کس کو بڑا مجرم گردانا جائے گا؟ (الف) اس مسلم ملک کے سربراہ کو جس نے حج و عمرہ یا کسی بہانے شیعوں کو اپنے ملک سے مکہ مکرّمہ جانے کی اجازت دی؟ (ب) سعودی عرب کی حکومت و انتظامیہ کو جس نے حدودِ حرم میں شیعوں کو داخل ہونے کی اجازت دی؟ (ج) اس مسلم ملک کے عوام کو جو شیعہ کے کفر و گندے ارادوں سے باخبر ہوکر بھی اپنے ملک کے سربراہ کو مجبور کرکے شیعہ کافر لوگوں پر مکہ مکرّمہ جانے پر پابندی نہ لگوائیں؟ نیز جو مسلمان حکومت شیعوں کو حج پر جانے کی اجازت دے گی جبکہ کافروں کا نہ حج مقبول، نہ حدودِ حرم میں داخل ہونے کی اجازت، تو کیا وہ حکومت یہ عذر پیش کرکے کہ ملک کے قانون میں کوئی دفعہ ایسی نہیں جس کی گرفت سے ہم شیعوں کو حج سے روک سکیں، کیا شریعتِ مطہرہ اس حکومت کا یہ عذر قبول کرے گی؟ جو لوگ شیعوں کے کفر و ناپاک عزائم سے آگاہ ہوکر بھی ان کو کافر نہ سمجھیں یا علی الاعلان نہ کہہ دیں، غیرتِ اسلام ان بزدلوں کو کس نام سے پکارتی ہے؟

جواب:... شیعوں کے بہت سے کفریہ عقیدے ہیں، مثلاً: وہ تحریفِ قرآن کے قائل ہیں، کلمۂ اسلام میں ''علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفته بلا فصل'' کا اضافہ کرتے ہیں، جس کی کوئی اصل نہیں۔ کلمہ شریف صرف ''لا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے، اور بعد کے الفاظ بے اصل ہیں، اور ان بعد کے الفاظ کو مدارِ ایمان قرار دینا سخت ترین گناہ ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں، جن کی براءت سورۂ نور میں آئی ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے ہیں، بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کو کافر و مرتد کہتے ہیں۔ جبکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کی شہادت دی

ہے اور ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو قرآن پاک میں حضور علیہ السلام کا خاص صحابی قرار دیا ہے: ”اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ“ اس لئے یہ شیعہ قطعی طور پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں،[۱] ان کا داخلہ حدودِ حرم میں بند کرنا حکومتِ سعودیہ کی ذمہ داری ہے، کیونکہ یہ لوگ حج کی غرض سے بھی نہیں بلکہ دُوسرے مسلمانوں کا حج ہلڑبازی کرکے خراب کرنے کی غرض سے حجازِ مقدس جاتے ہیں، اور فسادی کا داخلہ کعبہ شریف بلکہ مسجدوں تک سے بند کرنا جائز ہے۔ ہر مسلمان حکومت اور علماء وعوام سب کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ذمہ داری ہے کہ ان کا حدودِ حرم میں داخلہ بند کریں اور کرائیں۔ ورنہ سب درجہ بدرجہ گناہگار رہوں گے۔[۲]

پاکستان کے علماء مودودی کے مخالف کیوں ہیں؟ نیز مودودی کی کتب کے حوالے کیوں نہیں ملتے؟

سوال:... مودودیت کے بارے میں علمائے کرام کے اور بھی بے شمار رسائل پڑھ چکا ہوں، واقعی مودودیت نہیں بلکہ یہودیت، مردودیت تو لائق اسی کے ہے۔ میرے یہاں چند دوست ذی فہم لیکچرار دینیات کے پروفیسر ڈاکٹر وغیرہ کچھ مودودیت کی حمایت میں ہیں، اس لئے کہ انہوں نے مودودیت کی کتابیں پڑھی ہیں، میرے اور ان کے درمیان کبھی نہ کبھی مودودیت پر اچھی خاصی بحث ہوجاتی ہے، یہ حضرات عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ علمائے کرام جو مودودی کی عبارات پر تنقید کرکے نام اور رسالہ صفحہ نمبر دیتے ہیں، ہم نے وہی رسالہ مودودی کا اُٹھایا یا وہی صفحہ دیکھا لیکن وہ تنقیدی عبارت نظر نہیں آئی۔ ایک لیکچرار صاحب نے مولانا مفتی محمد شفیع کا بحوالہ ”معارف القرآن“ کہا کہ معارف القرآن میں مودودیت پر جو تنقید درج تھی، مودودی کا وہی رسالہ وہی صفحہ دیکھا لیکن وہ تنقیدی عبارت اس میں نہیں تھی، ساتھ ہی یہ بھی بے لاگ کہہ دیتے ہیں کہ علمائے کرام کی مودودی سے ذاتی رنجش ہے، ناحق بہتان لگا رہے ہیں۔ میں ناچیز گناہگار تو اس اَمر کو بالکل تسلیم نہیں کرسکتا کہ ایسے علمائے حق کسی دُوسرے عالم پر خواہ وہ جیسا بھی ہو، یہ ناحق بہتان باندھتے رہیں، بلکہ جہاں تک اس ناکارہ کا مطالعہ ہے تو تقریباً پاکستان کے پچانوے فیصد علمائے کرام مودودی پر کفر وگمراہی کا فتویٰ دے چکے ہیں۔ ان حضرات کو کیا جواب دیا جائے؟ آیا مودودی آئندہ دُوسری طباعت میں اس عبارت کو حذف کردیتا ہے، یا چھاپے خانوں کی اپنی اپنی چھپائی کی وجہ سے صفحات آگے پیچھے ہوجاتے ہیں؟ نیز کچھ حضرات یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر مولانا مودودی ایسا

---

(۱) الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما ...العیاذ باللہ... فهو کافر ...... وهؤلَاء القوم خارجون عن ملّة الْإسلام وأحکامهم أحکام المرتدین۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۲ ص:۲۶۴ طبع بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ)۔

(۲) وقوله: أولٰئک ما کان لهم ان یدخلوها إلّا خائفین، یدل علٰی ان علی المسلمین إخراجهم منها إذا دخلوها لو لَا ذٰلک ما کانوا خائفین بدخلوها والوجه الثانی قوله وسعٰی فی خرابها وذٰلک یکون أیضًا من وجهین: احدهما ان یخربها بیده والثانی إعتقاده وجوب تخریبها لأن دیاناتهم تقتضی ذٰلک وتوجیه ثم عطف علیه قوله أولٰئک ما کان لهم یدخلوها إلّا خائفین وذٰلک یدل علٰی منعهم منها علٰی ما بینا۔ (أحکام القرآن للجصّاص ج:۱ ص:۶۱ طبع سهیل اکیڈمی)۔ أن قوله ما کان لهم أن یدخلوها إلّا خائفین وإن کان لفظه لفظ الخبر لٰکن المراد منه النهی عن تمکینهم من الدخول۔ (التفسیر الکبیر ج:۴ ص:۱۱ طبع دار إحیاء التراث العربی، بیروت)۔

ویسا گمراہ، غلط کار ہوتا تو ملکِ عرب خصوصاً حجاز میں اس کی عزّت نہ ہوتی، وہ سب اس کو بہت بڑا صحیح عالم تصوّر کرتے ہیں، لیکن پاکستان والے نہ سمجھے۔ ''فتنۂ مودودیت'' تو مشہور ہے، ہمارے پاس موجود ہے، کئی صاحبان سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ آخر پاکستان میں کئی بڑے بڑے عالم مودودی کی حمایت میں ہیں، آخر یہ بھی تو عالم ہیں، ان کو مودودیت کی غلطی نظر کیوں نہیں آتی؟ مذکورہ بالا اِعتراضات کا ان کو کیا جواب دیا جائے؟ اُمید ہے کہ تسلی کرائیں گے۔

جواب:... مودودی صاحب کی کتابوں کے صفحے نہ ملنا اس وجہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ کتابیں نئی چھپتی ہیں تو ان میں صفحات بدل جاتے ہیں، اور بعض اوقات عبارتیں بھی بدل دی جاتی ہیں۔ جناب مودودی صاحب سے علماء کو ذاتی رنجش نہیں، اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو اس کو جواب دینے کی ضرورت نہیں، کل قیامت میں حقیقت کھل جائے گی۔ اہلِ حجاز اگر مودودی صاحب کے معتقد ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ موصوف کی زیادہ تر کتابیں اُردو میں ہیں۔ بہرحال اگر کوئی بات غلط ہو تو بقول مودودی صاحب کے ''اس کو غلط ہی کہا جائے گا''۔

مودودی کو گمراہ کہنے والے جی ایم سیّد کے بارے میں کیوں خاموش ہیں؟

سوال:... مولانا صاحب! میں نے ایک معافی نامہ لکھا، مگر آپ نے اس کو طنز بنایا، آخر کیوں؟ میں نے ایک کتاب ''مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین'' تعجب ہے کہ آپ لوگوں نے تو مولانا مودودی کے لئے کفر کا فتویٰ صادر کردیا، مگر سندھ میں جی ایم سیّد بیٹھا ہے، اس نے لکھا ہے کہ نعوذ باللہ کہ: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب کا چالاک ترین انسان تھا، اس نے اپنی چالاکی سے کام لے کر معصوم عربوں کو اپنی مٹھی میں بند کرلیا'' اور یہ کہا کہ: ''مذہب، قیامت، حساب و کتاب نہیں ہے، انسان پیدا ہوا ہے، مرجائے گا، اور جب اس کے اعضاء کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں یا کوئی حادثہ ہوجائے تو آدمی مرجاتا ہے'' انسان کا ناتا بندر سے جوڑتا ہے۔ کیا ایسا شخص مسلمان کہلاتا ہے؟ مگر صد حیف! کہ آپ لوگوں نے اس کے نظریات کے بابت کوئی تنقید نہیں کی، میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ آپ کی جماعت کو اس سے کوئی خطرہ نہیں، ظاہر ہے وہ حکومت میں نہیں آسکتا، لیکن مودودی مرحوم کی چونکہ ایک منظّم تحریک ہے، اور وہ بالکل سیدھے راستے پر جارہی ہے، اور اِقامتِ دِین کی کوشش کررہی ہے، اس لئے آپ نے ہر دور میں سخت نقصان پہنچایا، گزارش ہے کہ جی ایم سیّد کے بارے میں اس پر کچھ روشنی ڈالئے، مشکور ہوں گا۔

جواب:... جہاں تک مجھے معلوم ہے، مودودی صاحب کو کافر تو نہیں کہا گیا، البتہ ان کے غلط نظریات کی تردید ضرور کی گئی ہے۔

جی ایم سیّد کے نظریات اس کے حلقے تک محدود ہیں، اس کی تردید کے معنی عام لوگوں میں اس کا تعارف کرانے کے ہوں گے! خدانخواستہ اس کے نظریات بھی مودودی صاحب کی طرح پھیلنے لگیں تو ان کی تردید اس سے بڑھ کر کرنی پڑے گی۔ (۱)

یہ جناب کا حسنِ ظن ہے کہ ''ہماری جماعت'' کو فلاں سے خطرہ ہے، اس لئے اس کی تردید کرتے ہیں، فلاں سے نہیں، اس

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: جی ایم سیّد کے ملحدانہ نظریات ص:۱۷۹ گمراہ کن عقائد و نظریات، طبع مکتبہ لدھیانوی۔

لئے اس کے درپے نہیں ہوتے۔ اختلاف الگ چیز ہے، مگر مجھے توقع نہ تھی کہ آپ علمائے اُمت کے بارے میں ایسے پاکیزہ خیالات رکھتے ہیں۔ دُعا کے سوا اور کیا عرض کرسکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اہلِ حق سے وابستہ کرے، اور دُنیا و آخرت میں اپنے نیک بندوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔ میرے خیال میں ہم اب بے کار مشغلے میں مبتلا ہوگئے ہیں، اس لئے اس کو ترک کردیا جائے۔

عیسائی بیوی کے بچے مسلمان ہوں گے یا عیسائی؟

سوال:... اگر کوئی مسلمان آدمی کسی عیسائی مذہب کی عورت سے محبت کرتا ہو اور پھر وہ اس عورت کے مذہب کا ہوکر شادی کرے اور جب شادی کے بعد بچے ہوں تو آدھے مسلمان اور آدھے عیسائی یعنی وہ عورت شادی سے پہلے کہہ دیتی ہے کہ دو بچے عیسائی ہوں گے اور دو بچے مسلمان۔ اب اس کے دو بچے عیسائی ہیں اور دو مسلمان۔ یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی عیسائی اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی مسلمان۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے کہ ایک ہی گھر میں دو بچے مسلمان اور دو بچے کافر ہوں؟ اور وہ آدمی اب شادی کے اتنے عرصہ بعد کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، یہ کہاں تک دُرست ہے کہ ایسی شادیاں ہوجاتی ہیں اور ان کی اولاد کہاں تک عیسائی اور کہاں تک مسلمان ہے؟

جواب:... اگر کسی مسلمان نے اہلِ کتاب سے شادی کی اور اس سے اولاد پیدا ہو تو وہ مسلمان ہوگی،[(۱)] یہ شرط کرنا کہ آدھی مسلمان ہوگی اور آدھی کافر، قطعاً غلط ہے۔ اور ایسی شرط کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے،[(۲)] کیونکہ اولاد کے کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے،[(۳)] اور اگر ایسی شرط نہ رکھی تب بھی اگر اولاد کے کافر ہوجانے کا خطرہ ہو تو عیسائی عورت سے شادی کرنا گناہ ہے۔[(۴)]

صابئین کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

سوال:... سورۃ البقرہ کی آیت: ۶۲ میں نصاریٰ اور صابئین کی بابت جو بیان کیا گیا ہے ذرا وضاحت فرمادیجئے، کیا یہ لوگ بھی جنت میں جاسکیں گے؟

جواب:... ان میں سے جو لوگ اسلام لے آئیں وہ جنت میں جائیں گے، اسلام لائے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے۔[(۵)]

---

(۱) والولد يتبع خير الأبوين دينًا ...... فانه باسلام احدهما يصير الولد مسلمًا۔ (فتاویٰ شامی ج:۳ ص:۱۹۶)۔

(۲) ومن أضمر الكفر أو همّ به فهو كافر ...... من عزم علىٰ أن يأمر غيره بالكفر كان بعزمه كافرًا ...... وقد عثرنا علىٰ رواية أبي حنيفة أن الرضا بكفر الغير كفر من غير تفصيل۔ وفی كتاب ”التخبير عن كلمات التكفير“ ان رضی يكفر غيره ليعذب على الخلود لَا يكفر، وان رضی بكفره ليقول فی الله ما لَا يليق بصفاته يكفر وعليه الفتوىٰ۔ (فتاویٰ تاتارخانية ج:۵ ص:۳۱۳)۔

(۳) والرضاء بالكفر، كفر۔ (قاضی خان علیٰ عالمگیری ج:۳ ص:۵۷۳)۔

(۴) ففی الفتح: ويجوز تزوّج الكتابيات، والأوْلىٰ أن لَا يفعل .... فقوله والأوْلىٰ أن لَا يفعل يفيد كراهة التنزيهية فی غير الحربية، وما بعدهٗ يفيد كراهة التحريم فی الحربية۔ (فتاویٰ شامی ج:۳ ص:۴۵ كتاب النكاح فصل فی المحرمات)۔

(۵) ”وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ .... الخ“ (البقرہ:۶۲)۔ أيضًا فمن لم يتبع محمدًا صلى الله عليه وسلم ويدع ما كان عليه من سنة عيسىٰ والْإنجيل كان هالكًا .... ومن يبتغ غير الْإسلام دينًا فلن يقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرين فإن هٰذا الذی قاله ابن عباس إخبار عن أنه لَا يقبل من أحد طريقة ولَا عملًا إلّا ما كان موافقًا لشريعة محمد صلى الله عليه وسلم بعد أن بعثه بما بعثه به۔ (تفسير ابن كثير ج:۱ ص:۲۵۵ طبع رشيديه)۔

نوٹ:... صابئین صابی کی جمع ہے اور "صابی" لغت میں اس کو کہتے ہیں جو ایک دِین کو چھوڑ کر دُوسرے دِین میں داخل ہوجائے، لہٰذا صابی وہ لوگ تھے جو اہلِ کتاب کے دِین سے نکل گئے تھے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ: صابی وہ لوگ تھے جنھوں نے اَدیانِ سماویہ میں سے ہر ایک سے کچھ نہ کچھ لے لیا، چنانچہ وہ زَبور پڑھتے تھے، ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور نماز کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرکے پڑھا کرتے تھے۔[۱]

فرقۂ مہدویہ کے عقائد

سوال:... فرقہ مہدویہ کے متعلق معلومات کرنا چاہتا ہوں، ان کے کیا گمراہ کن عقائد ہیں؟ یہ لوگ نماز، روزہ کے پابند اور شریعت کے دعویدار ہیں، کیا مہدویہ، ذکریہ ایک ہی قسم کا فرقہ ہے؟ مہدی کی تاریخ کیا اور مدفن کہاں ہے؟

جواب:... فرقہ مہدویہ کے عقائد ونظریات پر مفصل کتاب مولانا عین القضاۃ صاحب نے "ہدیہ مہدویہ" کے نام سے لکھی تھی، جو اَب نایاب ہے، میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔

فرقہ مہدویہ سیّد محمد جون پوری کو مہدیٔ موعود سمجھتا ہے، جس طرح کہ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی سمجھتے ہیں۔ سیّد محمد جون پوری کا انتقال افغانستان میں غالباً ۹۱۰ھ میں ہوا تھا۔

فرقہ مہدویہ کی تردید میں شیخ علی متقی محمد طاہر پٹنی اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے رسائل لکھے تھے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دیگر جھوٹے مدعیوں کے ماننے والے فرقے ہیں اور ان کے عقائد ونظریات اسلام سے ہٹے ہوئے ہیں، اسی طرح یہ فرقہ بھی غیرمسلم ہے۔ جہاں تک مختلف فرقوں کے وجود میں آنے کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ نئے نئے نظریات پیش کرتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کا ایک حلقہ بن جاتا ہے، اس طرح فرقہ بندی وجود میں آجاتی ہے۔ اگر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم رہتے اور صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دِین کے نقشِ قدم پر چلتے تو کوئی فرقہ وجود میں نہ آتا۔ رہا یہ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اس کا جواب اُوپر کی سطروں سے معلوم ہوچکا ہے کہ ہمیں کتاب وسنت اور بزرگانِ دِین کے راستے پر چلنا چاہئے اور جو شخص یا گروہ اس راستے سے ہٹ جائے، ہمیں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔

فرقۂ مہدویہ کا شرعی حکم

سوال:... میں مہدویہ فرقے سے تعلق رکھنے والے گھرانے میں پیدا ہوئی، میری شادی ایک سنی شخص سے ہوئی، میرے سسرال والے جانتے تھے، اس کے باوجود نکاح ہوا۔ بعد میں ان لوگوں نے میرے والدین اور نانا کے جنازوں میں شرکت نہ کی۔ اسی طرح میری دو چھوٹی بہنوں کی شادیوں میں بھی شرکت نہ کی۔ دارالعلوم کراچی سے فتویٰ منگواکر میرا تجدیدِ نکاح کردیا گیا۔ میری چھوٹی

---

(۱) فأما الصابئون .... قال الزجاج معنى الصابئين: الخارجون من دين إلى دين يقال صبأ فلان إذا خرج من دينه .... وفي الصابئين سبعة أقوال .... والسادس: قوم يصلون إلى القبلة ويعبدون الملائكة ويقرؤون الزبور قاله قتادة. (تفسير زاد المسير ج:۱ ص:۶۱، ۶۲).

بہنوں کی شادیاں مہدویوں میں ہوئی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی سے بالمشافہ گفتگو میں معلوم ہوا کہ یہ لوگ (فرقہ مہدویہ) ان معنوں میں کافر نہیں ہیں، اس لئے ان کو اِیصالِ ثواب کرسکتے ہیں۔ اس وقت سے اپنے بڑوں کو اِیصالِ ثواب کرنے لگی ہوں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ۱:...مہدویوں کی سنیوں سے شادی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ میرے نانا نے شروع سے ہم بہنوں کو اپنے فرقے کی تعلیم نہیں دی، بلکہ بہشتی زیور، قرآن اور نماز کی تعلیم دی ہے۔ ۲:...کیا میں اپنے والدین، دادا، دادی اور نانا، نانی کو اِیصالِ ثواب کرسکتی ہوں؟

جواب:... جن لوگوں کے عقیدے اسلام کے عقیدوں کے مطابق نہیں، وہ مسلمان نہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ" اس لئے جو لوگ صحیح اسلامی عقائد نہیں رکھتے، ارکانِ پنج گانہ کے قائل نہیں، ان کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔[1]

آپ ایسا کریں کہ قرآن مجید پڑھ کر اِیصالِ ثواب کریں تو یوں دُعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ کل مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس کا ثواب عطا فرمائے، واللہ اعلم!

مہدیٔ آخرالزماں اور فرقۂ مہدویہ

سوال:... اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیریت ہوں گے، ایک عرصے سے خیال تھا آپ کو خط لکھنے کا لیکن عمل کی توفیق آج ہوئی ہے۔ میں بڑے شوق و ذوق سے روزنامہ "جنگ" میں آپ کا دِینی کالم پڑھتا ہوں، اور آپ کی اسی سلسلے کی کتاب کی چھ جلدیں بھی میرے پاس ہیں۔

میرے نام اور ملازمت کا تو آپ کو اس لیٹر ہیڈ سے علم ہوگیا۔ مزید اپنا تعارف کرانے کے لئے عرض ہے کہ میں آپ کے ایک شاگرد (خود بقول ان کے) مولانا حافظ محمد اشرف عاطف صاحب سے میری بہت اچھی سلام دُعا ہے، اور ان سے یہاں ہفتہ وار ایک درس میں ان سے برابر ملاقات ہوتی ہے۔ یہ درس مفتی اشرف صاحب خود دیتے ہیں، جی ہاں! حضرت مفتی بھی ہیں۔ اُمید ہے آپ کو یاد آگئے ہوں گے، میں آپ دونوں کا مداح ہوں اور آپ حضرات کے علم سے بہت متأثر بھی۔

میرے دِماغ میں ایک مسئلہ بڑے عرصے سے کھلبلی مچائے ہوئے ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت امام مہدی سے متعلق کیا حقیقت ہے، میں نے آپ کی کتاب میں اس سلسلے کے سوال جواب پڑھے ہیں، جو میں اس خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں، تاکہ آپ کو زحمت نہ ہو تلاش کرنے کی۔ اسی کے ساتھ میں ایک کتاب "چراغ دین نبوی" کے ان صفحات کی کاپی بھی روانہ کر رہا ہوں، جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اِمام مہدی آئے اور چلے گئے، دونوں کو موازنہ کریں تو مجھ جیسے کم علم انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کس کو دُرست مانیں؟

آپ نے یقیناً فرقۂ مہدویہ کے بارے میں سنا اور پڑھا ہوگا، ان کے عقیدے کے مطابق اہلِ سنت والجماعت کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور بھی بہت سارے مسائل میں اِختلافات ہیں، اور سب سے بڑا تو یہی کہ سنی فرقے کے مطابق اِمام مہدی کا ظہور ابھی تک ہوا ہی نہیں ہے۔ میں آباوٴاجداد کے توسط سے اسی فرقے سے تعلق رکھتا ہوں، تاہم میں یہاں باجماعت نماز پڑھتا ہوں

(۱) لَا نزاع فی تکفیر من أنکر من ضروریات الدِّین۔ (اکفار الملحدین ص:۱۲۱)۔ من أنکر المتواتر فقد کفر۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۲ ص:۲۶۵، الباب التاسع فی أحکام المرتدین)۔

کیونکہ نماز میں دونوں فرقوں کا کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ مجھے ہر نماز میں ۲۶ نمازوں کا مفت ثواب گنوانا چاہئے۔

آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ان دنوں کسی کو قائل کرنے کے لئے ٹھوس دلائل درکار ہیں، لہٰذا ایسا کچھ مواد میرے پاس ہو تو میں اپنے خاندان اور پھر آگے یہ سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید اپنے فرقہ والوں کو بتا سکوں کہ حقیقت کیا ہے؟ آپ ملاحظہ کریں گے مذکورہ بالا ''چراغِ دینِ نبوی'' کے صفحات میں اِمام مہدی کی ولادت کے ثبوت میں قرآنی آیات کا حوالہ ہے۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ ایک اِنتہائی مصروف اِنسان ہیں، تاہم جب بھی آپ چند لمحات نکال سکیں تو ضرور میری مدد فرمائیے۔ آپ کی طرف سے کوئی جواب آئے تو میں اسے کتابِ مذکورہ کے مؤلف سے رابطہ کروں گا تاکہ ان کو قائل کیا جاسکے........''

آپ کا مخلص: معین ہاشمی

جواب:... جناب محترم سیّد ولی معین ہاشمی صاحب زیدت عنایاتہم۔ بعد اَز سلامِ مسنون گزارش ہے کہ آنجناب کا گرامی نامہ موصول ہوا، جس میں آپ نے حضرت مہدیٔ آخرالزماں کے بارے میں اِستفسار فرمایا ہے، اور اس کے ساتھ میری کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' جلد اوّل کے فوٹو بھیجے ہیں، جن میں اِمام مہدی کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ نیز فرقۂ مہدویہ کی کتاب ''چراغِ دینِ نبوی'' کے فوٹو بھی اِرسال فرمائے ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ مہدیٔ آخرالزماں سیّد محمد جونپوری تھے، جو ربیع الاوّل ۸۴۷ھ میں جونپور میں پیدا ہوئے، اور ۶۳ سال کی عمر پاکر ۹۱۰ھ میں اِنتقال کرگئے۔

آنجناب دریافت فرماتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات صحیح ہے؟ فرقۂ مہدویہ کے مطابق مہدیٔ آخرالزمان آئے اور چلے گئے؟ یا ان کو کسی آئندہ زمانے میں آنا ہے؟

جواباً گزارش ہے کہ فرقۂ مہدویہ کو مہدیٔ آخرالزمان کی تعیین میں غلط فہمی ہوئی ہے، سیّد محمد جونپوری مہدیٔ آخرالزمان نہیں تھے۔ یہ موضوع بہت تفصیل چاہتا ہے، لیکن میں چند واضح باتیں عرض کردیتا ہوں، اگر کوئی عاقل و فہیم حق طلبی کے جذبے سے ان پر غور کرے گا تو اس پر حقیقتِ حال عیاں ہوجائے گی، اور اس سے پہلے دو باتیں بطورِ تمہید عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اوّل:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ایک خلیفۃ المسلمین کے ظہور کی پیش گوئی فرمائی، جس کو ''الامام المہدی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھردیں گے، جیسا کہ ان سے پہلے ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔

گزشتہ صدیوں میں بہت سے طالع آزماؤں نے اس پیش گوئی کا مصداق بننے کے لئے مسندِ مہدویت بچھائی، لیکن چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا مصداق نہیں تھے، اس لئے بالآخر بصد ناکامی پردۂ عدم میں رُوپوش ہوگئے، ان مدعیانِ مہدویت کی ایک مختصر سی فہرست مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ کی کتاب ''ائمۂ تلبیس'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس قسم کے لوگوں میں کچھ تو عیار تھے، جن کا مقصد دامِ ہمرنگ زمین بچھاکر خلقِ خدا کو گمراہ کرنا تھا، اور کچھ لوگ پہلے بہت نیک تھے، ان کی نیکی و پارسائی کے حوالے سے شیطان نے ان کو دھوکا دِیا، اور انہوں نے اِلقائے شیطانی کو اِلہامِ رحمانی سمجھ لیا، اور غلط فہمی میں مہدیٔ آخرالزماں ہونے کا دعویٰ کردیا، ان کو مرتے وقت اپنی غلطی معلوم ہوئی ہوگی، مگر افسوس کہ اِصلاح کا وقت گزر چکا تھا۔ بہرحال ایسے لوگ بھی اپنے زُہد و تقدس کے فریب میں مبتلا ہوکر بہت سے لوگوں کا اِیمان برباد کرکے چلتے بنے۔

ان برخود غلط مدعیانِ مہدویت و مسیحیت کے دعووں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُمت اِفتراق و اِنتشار کا شکار ہوکر رہ گئی۔ کچھ تو ان مدعیوں کی ملمع کاری سے مسحور ہوگئے، اور ان کے دعوے کو زرِخالص سمجھ کر نقدِ ایمان ان کے ہاتھ فروخت کربیٹھے۔ کچھ جدید طبقے کے لوگوں کو ان جھوٹے مہدیوں کا طرزِ عمل دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی پر اِیمان نہ رہا، وہ ''ظہورِ مہدی'' کے عقیدے سے دستبردار ہوگئے، اور انہوں نے اس سلسلے کی تمام احادیث کو من گھڑت افسانہ قرار دے دیا۔ لیکن اُمتِ اسلامیہ کا سوادِ اعظم ... اہلِ سنت والجماعت ... جن کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ موجود تھی، وہ نہ تو جھوٹے مدعیوں کی ملمع کاریوں پر فریفتہ ہوا، اور نہ چند جھوٹوں کے دعووں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیش گوئی سے منکر ہوا۔

دوم :... کسی مدعیٔ مہدویت کے سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ کی کسوٹی پر پیش کرکے دیکھا جائے کہ مہدیٔ آخرالزماں کی علامات اس شخص میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اس معیار کو سامنے رکھا جائے تو حق و باطل کا فیصلہ بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے۔

مقامِ شکر ہے کہ فرقۂ مہدویہ کے حضرات بھی اسی معیارِ نبوی کو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ جناب کی مرسلہ کتاب ''چراغ دین نبوی'' کے صفحہ:۱۸۷ پر لکھتے ہیں:

> ''آیاتِ قرآنی کے علاوہ احادیث کے معتبر کتب میں تواترِ معنوی کو پہنچی ہوئی حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے وجود اور آپ کے پیدا ہونے سے متعلق صدہا صحیح احادیث موجود ہیں۔
>
> چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مہدیٔ موعود کا پیدا ہونا ضروریاتِ دِین سے ہے'' اور ''تاوقتیکہ مہدی پیدا نہ ہو، قیامت نہیں آئے گی۔'' اور ''ساری دُنیا ختم ہوکے اگر ایک بھی دن باقی رہے گا تو اس دن کو اللہ جل شانہٗ دراز کرے گا تاآنکہ اس میں ایسے شخص کا ظہور ہوجائے تو جو میرے اہلِ بیت سے ہو اور میرا ہم نام ہو اور اس کے ماں باپ کے نام میرے ہی ماں باپ کے نام ہوں۔'' (سنن ابوداوٗد)
>
> اور ''کیونکر ہلاک ہوگی میری اُمت کہ میں اس کے اوّل ہوں، اور عیسیٰ اس کے آخر اور مہدی میرے اہلِ بیت سے اس کے وسط میں۔'' (مشکوٰۃ شریف)
>
> اور ''مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے'' اور ''مہدیٔ موعود کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے موافق ہوگا۔'' اور ''مہدی خطا نہیں کریں گے۔'' ''مہدی مجھ سے ہے میرے قدم بقدم چلے گا اور خطا نہ کرے گا۔'' اور ''مہدی کی ذات معصوم عن الخطا ہوگی وہ کبھی خطا نہیں کریں گے۔'' (مصنف نے اس پیراگراف کی احادیث کے لئے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ناقل)
>
> اور ''مہدی دافع ہلاکت ہوں گے'' اور ''تم مہدی سے بیعت کرو گو تم کو ان کے پاس برف پر سے ہوکر گزرنا پڑے۔'' (ابنِ ماجہ)
>
> حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے مجیٔ کی خبر معجزے کے طور پر فرمائی ہے، جو مغیبات میں

سے ہے، اور ان اُمور کا وقوع میں آنا اَشد ضروری ہے جن کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیبات کے طور پر فرمایا ہے۔'' (چراغ دین نبوی ص:۱۸۷)

اس عبارت سے چند اُمور واضح ہوجاتے ہیں:

۱- حضرت مہدیؑ کے بارے میں جو اَحادیث وارِد ہوئی ہیں، وہ متواترِ معنوی ہیں۔

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہورِ مہدی کی جو پیش گوئی فرمائی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دی۔

۳- اور وہ تمام اُمور جن کے ظہور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی، ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق وقوع پذیر ہونا ضروری ہے۔

۴- اگر کوئی واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کے مطابق وقوع میں نہ آئے تو... نعوذ باللہ... معجزۂ نبوی باطل ہوجائے گا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی... نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ... غلط ٹھہرے گی، جو قطعاً محال ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ جس طرح اہلِ سنت کے نزدیک مہدیٔ آخرالزماں کی خبر متواتر ہے، اسی طرح حضراتِ مہدویہ بھی اس کو متواتر مانتے ہیں، اور جس طرح اہلِ سنت کے نزدیک مہدیٔ آخرالزماں کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق ہونا ضروری ہے، اسی طرح یہ بات فرقۂ مہدویہ کے نزدیک بھی ضروری ہے۔ اس تمہید کے بعد آیئے غور کریں کہ سیّد محمد جونپوری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی صادق آتی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ کیا موصوف کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق تھا یا نہیں؟

چونکہ آپ کی مرسلہ کتاب ''چراغ دین نبوی'' میں فرقۂ مہدویہ کے نظریے کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور اس کی منقولہ بالا عبارت میں حدیث کی تین کتابوں... ابوداوٴد، مشکوٰۃ شریف اور ابنِ ماجہ... کا حوالہ دِیا گیا ہے، اس لئے مناسب ہوگا کہ ہم بحث کا دائرہ سمیٹنے کے لئے انہی کتابوں کے حوالے پر اِکتفا کریں۔

مہدی کا نام ونسب:

ابوداوٴد شریف میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی روایت سے یہ حدیث ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ: میرا یہ بیٹا سیّد ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ نام رکھا تھا، اور اس کی پشت سے ایک شخص ظاہر ہوگا، جس کا نام تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا، وہ اَخلاق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوگا، مگر بدنی ساخت میں نہیں، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھردے گا۔''[۱]

---

(۱) عن أبی إسحاق قال قال علیّ ونظر إلٰی ابنه الحسن فقال: ان ابنی هٰذا سیّد کما سماه النبی صلی الله علیه وسلم وسیخرج من صلبه رجل یسمی بإسم نبیّکم صلی الله علیه وسلم یشبه فی الخُلق ولَا یشبه فی الخَلق ثم ذکر قصة یملأ الأرض عدلًا۔ (سنن أبی داوٗد ج:۲ ص:۲۳۳ کتاب المهدی، طبع ایچ ایم سعید)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اِمام مہدی کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوگا اور وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہوں گے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا سیّد محمد جونپوری کا نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے یا نہیں؟ ''چراغ دینِ نبوی'' میں سیّد محمد جونپوری کا نسب نامہ درج ذیل دیا ہے:

''حضرت علیہ السلام کا نسب''

''حضرت سیّد محمد مہدی موعود علیہ السلام بن سیّد عبداللہ المخاطب سیّد خان بن سیّد عثمان بن سیّد خضر بن سیّد موسیٰ بن سیّد قاسم بن سیّد نجم الدین بن سیّد عبداللہ بن سیّد یوسف بن سیّد یحییٰ بن سیّد جلال الدین بن سیّد نعمت اللہ بن سیّد اِسماعیل بن اِمام موسیٰ کاظم بن اِمام جعفر صادق بن اِمام محمد باقر بن اِمام زین العابدین بن ابی عبداللہ الحسین شہیدِ کربلا بن امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ۔'' (چراغ دینِ نبوی ص:۱۸۸، ۱۸۹)

اس نسب نامے سے معلوم ہوا کہ سیّد محمد جونپوری کا نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچتا، بلکہ نسب نامے کے مطابق وہ حضرت حسنؓ کے چھوٹے بھائی شہیدِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ چونکہ ان کا نسب پیش گوئی کے مطابق نہیں تھا، لہٰذا وہ مہدی نہیں۔

فائدہ:... یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضراتِ شیعہ جس اِمامِ غائب کو اِمام مہدی کہتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ اوّل تو یہ ایک فرضی شخصیت ہے، جس کا نام لینا بھی شیعہ عقیدہ کے مطابق گناہ تصوّر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے والدِ گرامی کا نام حسن عسکری ذِکر کیا جاتا ہے، جبکہ اِمام مہدی کے والد ماجد کا نام عبداللہ ہوگا، اور اس کا نسب بھی حضرت حسنؓ تک نہیں پہنچتا، میں اس بحث کو اپنی کتاب ''شیعہ سنی اِختلافات اور صراطِ مستقیم'' میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ اسی طرح قادیانی صاحبان جو مرزا غلام احمد قادیانی بن غلام مرتضیٰ کو مہدی مانتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اوّل تو مرزا قادیانی کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر نہیں تھا۔ دوم: اس کے والد کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے نام پر نہیں تھا۔ سوم: وہ حضرت حسنؓ کی اولاد سے نہیں، بلکہ مغل تھا، یعنی چنگیز خان کے خاندان سے۔

اِمام مہدیؑ خلیفہ وحکمران ہوں گے:

۱- ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: دُنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ عرب کا مالک (حکمران) ہو میرے اہلِ بیت میں سے ایسا شخص، جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۴۶، ابوداوٗد ج:۲ ص:۲۳۲، مشکوٰۃ شریف[1] ص:۴۷۰، اِمام ترمذیؒ نے اس کو ''حسن صحیح'' کہا ہے)

۲- ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دُوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) عن عبداللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا تذھب الدنیا حتّٰی یملک العرب رجل من أھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۴۷۰، الفصل الأوّل، باب اشراط الساعۃ)۔

نے ارشاد فرمایا کہ: اگر دُنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو طویل کردیں گے یہاں تک کھڑا کریں گے ایسے شخص کو جو میرے اہلِ بیت میں سے ہوگا، اس کا نام میرے نام کے اور اس کے والد کا نام میرے والد کے موافق ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھردے گا جیسا کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔''

(ابوداوٴد ج:۲ ص:۲۳۲، مشکوٰۃ[۱] ص:۴۷۰)

فائدہ:... یہ حدیث ''چراغ دین نبوی'' میں بھی نقل کی گئی ہے، مگر اس میں دو غلطیاں ہیں، ایک یہ کہ روایت پوری نقل نہیں کی، جس سے حدیث کی مراد واضح ہوجاتی۔ اور دُوسرے یہ ''اس کے ماں باپ کے نام میرے ہی ماں باپ کے نام ہوں'' کے الفاظ اپنی طرف سے نقل کردیئے ہیں، ابوداوٴد میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

۳- ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت سے پہلے اِمام مہدی حاکم ہوں گے۔''

(ترمذی[۲] ج:۲ ص:۴۶، اِمام ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

۴- فرقۂ مہدویہ کی کتاب ''چراغ دین نبوی'' کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد اُوپر گزر چکا ہے کہ: ''مہدی خلفیۃ اللہ ہوں گے۔''

۵- نیز اسی کتاب میں یہ حدیث بھی گزر چکی ہے کہ: ''مہدیٴ موعود کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے موافق ہوگا۔''

۶- نیز اسی کتاب میں ابنِ ماجہ کے حوالے سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ: ''تم مہدی سے بیعت کرو، گو تم کو ان کے پاس برف پر سے ہوکر گزرنا پڑے۔'' لیکن مصنف نے اس حدیث کا یہ آخری فقرہ چھوڑ دیا: ''کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔'' (ابنِ ماجہ[۳])۔

ان اَحادیث میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ حضرت مہدیٴ آخرالزماں مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے، رُوئے زمین پر ان کی حکومت ہوگی، وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے فیصلے کریں گے، اور ان کے فیصلے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہوں گے۔ الغرض ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ایسے اِمام مہدی کے بارے میں ہے جو مسلمانوں کے خلیفۂ برحق ہوں گے، ان کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوگی، اور وہ اپنی خلافت کے زمانے میں اپنے عدل و انصاف سے زمین کو بھردیں گے، جس طرح کہ ان سے پہلے اللہ کی زمین ظلم و بے انصافی سے بھری ہوئی ہوگی۔

سب جانتے ہیں کہ سیّد محمد جونپوری کو کبھی کسی ایک بستی کی بھی حکومت نصیب نہیں ہوئی، چہ جائیکہ تمام عرب ممالک کے یا

---

(۱) وفی روایة له قال: لو لم یبق من الدنیا إلّا یوم لطوّل الله ذالک الیوم حتّٰی یبعث الله فیه رجلًا منّی أو من أهل بیتی یواطئ اسمه اسمی واسم أبیه اسم أبی یملأ الأرض قسطًا وعدلًا کما ملئت ظلمًا وجورًا. (مشکٰوة ص:۴۷۰، باب أشراط الساعة).

(۲) عن أبی هریرة قال: لو لم یبق من الدنیا إلّا یومًا لطوّل الله ذالک الیوم حتّٰی یلی هٰذا حدیث حسین صحیح. (ترمذی ج:۲ ص:۴۶).

(۳) عن ثوبان قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم .... فقال: فإذا رأیتموه فبایعوه ولو حبوا علی الثلج فإنه خلیفة الله المهدی. (ابن ماجة ص:۳۰۰، باب خروج المهدی).

پوری دُنیا کے خلیفہ ہوتے؟ ثابت ہوا کہ سیّد محمد جونپوری کا دعویٰ مہدویت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق نہیں تھا، لہٰذا ان کو اِمام مہدیٔ آخرالزماں ماننا غلط ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد کہ: ''دُنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ان صفات کا خلیفہ ظاہر نہ ہو'' یا یہ کہ: ''اگر دُنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دراز کردیں گے یہاں تک کہ ان صفات کا خلیفہ پیدا ہو۔'' اس میں دو باتوں کی طرف اِشارہ ہے، ایک یہ کہ ایسی صفات کے خلیفہ (اِمام مہدی) کا ظہور قیامت سے پہلے ضروری ہے، جب تک ایسا خلیفہ ظاہر نہ ہو قیامت نہیں آسکتی۔ دوم یہ کہ اس خلیفہ (اِمام مہدی) کا ظہور قربِ قیامت میں ہوگا، جبکہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ قیامت کے ظہور میں بس ایک آدھ دن باقی رہ گیا ہے۔

اس سے ایک مرتبہ اور ظاہر ہوا کہ نویں صدی میں مہدی کا دعویٰ کرنے والی شخصیت (سیّد محمد جونپوری) کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق نہیں تھا، کیونکہ اس کے دعوے کے بعد پوری پانچ صدیاں گزر چکی ہیں، اور چھٹی صدی شروع ہے، اتنے طویل عرصے کو کوئی عاقل ان الفاظ سے تعبیر نہیں کرسکتا ہے کہ: ''قیامت میں اگر ایک دن بھی باقی ہو'' چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات اِرشاد فرمائیں؟

فائدہ:... ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا اِمام مہدی ہونے کا دعویٰ بھی غلط تھا، کیونکہ اس کو بھی حکومت نصیب نہیں ہوئی، نہ کسی نے اس کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی، اور اس کو گزرے ہوئے بھی ایک صدی گزر چکی ہے، لہٰذا اس کا دعویٰ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق نہ نکلا۔

اِمام مہدیؑ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہونا:

مشکوٰۃ شریف میں ابوداؤد کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

''حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد نقل کرتی ہیں کہ: ایک خلیفہ (بادشاہ) کی موت پر (ان کی جانشینی کے مسئلے پر) لوگوں میں اِختلاف ونزاع واقع ہوگا، پس اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص وہاں سے نکل کر مکہ مکرّمہ کی طرف بھاگ آئے گا (یہ شخص حضرت مہدی ہوں گے، اور اس اِختلاف ونزاع سے بچنے کے لئے مکہ مکرّمہ آکر رُوپوش ہوجائیں گے، کیونکہ مکہ مکرّمہ دارالامن ہے) پس اہلِ مکہ میں سے کچھ لوگ (ان کو پہچان لیں گے کہ یہی مہدی ہیں اور) ان کے پاس آئیں گے، اور ان کو (گھر سے) نکالیں گے، حالانکہ وہ صاحب قبولِ خلافت پر آمادہ نہیں ہوں گے، پس لوگ ان کو مجبور کرکے حجرِ اَسوَد اور مقامِ اِبراہیم کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، (اس طرح حضرت مہدیؑ مسلمانوں کے اِمام اور خلیفہ بن جائیں گے)۔

ان کے مقابلے میں ایک لشکر شام سے بھیجا جائے گا (یہ سفیانی کا بھیجا ہوا لشکر ہوگا، جو کہ اس وقت ملکِ شام کا بادشاہ ہوگا) پس اس لشکر کو مقامِ بیدا میں (جو مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) دھنسا دیا جائے

گا، (سفیانی کے لشکر کا زمین میں دھنسا دِیا جانا خروجِ مہدی کی علامتوں میں سے ایک اہم ترین علامت ہے، جس کے بارے میں بہت سی احادیث وارِد ہیں جو قریب تواتر کے ہیں) (کذا فی مظاہر حق ج:۴ ص:۳۴۴)۔

پس جب لوگ اس لشکرِ سفیانی کا دھنس کر ہلاک ہونا دیکھیں اور سنیں گے تو (سب کو یقین ہوجائے گا کہ یہی حضرت اِمام مہدیؓ ہیں، چنانچہ یہ سن کر) شام کے اَبدال اور عراق کے نیک لوگوں کی جماعتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گی۔

پھر قریش کا ایک شخص، جس کے ماموں قبیلہ بنوکلب کے لوگ ہوں گے، حضرت مہدیؓ کے مقابلے میں کھڑا ہوگا، پس یہ شخص بھی (اپنے ماموؤں کے قبیلے کی مدد سے) حضرت مہدیؓ اور ان کے لشکر کے مقابلے میں ایک لشکر بھیجے گا، پس حضرت مہدیؓ اور ان کا لشکر ان پر غالب آئیں گے، اور یہ بنوکلب کا فتنہ ہوگا (اور یہ ظہورِ مہدی کی دُوسری علامت ہوگی)۔

اور حضرت مہدیؓ لوگوں میں ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق عمل کریں گے، اور اِسلام اپنی گردن زمین میں ڈال دے گا (یعنی ثبات وقرار پکڑے گا، جس طرح کہ اُونٹ جب بیٹھتا اور آرام وقرار پکڑتا ہے تو اپنی گردن پھیلا دیتا ہے) پس حضرت مہدیؓ سات سال زمین میں (بحیثیت خلیفہ کے) رہیں گے، پھر ان کی وفات ہوگی، اور مسلمان ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔"[۱]

(مشکوٰۃ شریف ص:۴۷۱، ابوداؤد ج:۲ ص:۲۳۳، جامع الاصول ج:۱۰ ص:۲۷)

اس صحیح حدیث میں حضرت اِمام مہدیؓ کے ظہور کا پورا نقشہ کھینچا گیا ہے، خود اِنصاف کیجئے کہ کیا سیّد محمد جونپوری کے حق میں یہ علامات ظاہر ہوئی ہیں؟ یہاں ایک خاص نکتہ لائقِ توجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہدیؓ کے ظہور کی علامات اور ان کے زمانے کے واقعات متواتر اَحادیث میں بیان فرمائے ہیں، لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ وہ "انا المہدی!" کا نعرہ لگائیں گے، اور لوگوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کی دعوت دیں گے، بلکہ اس کے برعکس یہ فرمایا گیا ہے کہ لوگ ان کو بیعتِ خلافت کے لئے مجبور کریں گے، جبکہ وہ اس سے انکار کریں گے، لیکن اہلِ بصیرت حضرات ان کی ناگواری واِنکار کے باوجود ان کو بیعتِ خلافت پر مجبور کردیں گے، اس طرح ان کو خلیفہ منتخب کرلیا جائے گا۔ یہی ایک علامت ہے جو سچے مہدی اور جھوٹے دعوے داروں کے درمیان فرق کردیتی ہے۔ حضرت مہدیٔ برحق کو ایک دن بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، جبکہ سیّد محمد جونپوری سے لے کر غلام احمد قادیانی تک مہدویت کا دعویٰ کرنے والوں کے ہاتھ میں خالی دعوؤں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

---

(۱) عن اُمِّ سلمة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من أهل المدینة هاربًا إلٰی مکة فیأتیه ناس من أهل مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرّکن والمقام، ویبعث إلیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکة والمدینة، فإذا رأی الناس ذالک أتاه أبدال الشام وعصائب أهل العراق فیبایعونه ثم ینشأ رجل من قریش أخواله کلب فیبعث إلیهم بعثًا فیظهرون علیهم وذالک بعث کلب ویعمل فی الناس بسُنّة نبیّهم ویلقی الإسلام بجرانه فی الأرض فیلبث سبع سنین ثم یتوفّٰی ویصلّی علیه المسلمون. رواه أبو داوٗد. (مشکوٰة ص: ۴۷۱، باب أشراط الساعة)۔

حضرت مہدیؒ، نصاریٰ سے جہاد کریں گے:

حضرت اِمام مہدیؒ کا نصاریٰ کے ساتھ مقابلہ ہوگا، اور حضرت مہدیؒ اور ان کے لشکر کو نصاریٰ پر غلبہ حاصل ہوگا، احادیث میں ان لڑائیوں کی تفصیلات ذِکر کی گئی ہیں، جو مشکوٰۃ شریف کے باب الملاحم میں مذکور ہیں (دیکھئے: ص:۴۶۵ تا ۴۶۸) ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- ”نصاریٰ کے اَسّی جھنڈے ہوں گے، اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر، گویا نو لاکھ ساٹھ ہزار۔“

۲- ”حضرت مہدیؒ کے لشکر کا ایک تہائی حصہ شکست کھاکر بھاگ جائے گا، جن کی توبہ کبھی قبول نہیں ہوگی۔ ایک تہائی شہید ہوجائیں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل الشہداء شمار ہوں گے، اور ایک تہائی فتح پائیں گے، جو آئندہ کبھی کسی فتنے میں مبتلا نہیں ہوں گے۔“[۱]

۳- ”پہلے دن مسلمان یہ شرط لگاکر جائیں گے کہ یا تو مرجائیں گے، یا غالب ہوکر آئیں گے، سارا دن رات تک یہ لڑائی جاری رہے گی، لیکن فریقین میں سے کوئی غالب نہیں ہوگا، اس لئے دونوں فریق اپنی اپنی جگہ واپس آجائیں گے، لیکن فریقین کے علم بردار میدان میں کام آجائیں گے۔ اگلے دن پھر موت کی شرط لگاکر جائیں گے، سارا دن شام تک لڑائی ہوتی رہے گی، لیکن کوئی غالب نہیں آئے گا، پس دونوں فریق اپنی اپنی قیام گاہ میں لوٹ آئیں گے، اور دونوں کے علم بردار میدان میں کھیت رہیں گے۔ تیسرے دن پھر موت کی شرط لگاکر جائیں گے، لیکن نتیجہ پھر وہی رہے گا، ان تین دنوں میں بے شمار لوگ قتل ہوگئے ہوں گے، چوتھے دن بقیۃ السیف مسلمان حملہ آور ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ نصرانیوں پر شکست ڈال دیں گے، پس ایسی ہولناک جنگ ہوگی جس کی مثال نہ دیکھی، نہ سنی، اور اتنے آدمی قتل ہوجائیں گے کہ سو میں سے ایک آدمی زندہ بچے گا۔“[۲]

(مشکوٰۃ ص:۴۶۷)

---

(۱) عن عوف بن مالک قال .... ثم هدنة تكون بينكم وبين بنى الأصفر فيغدرون فيأتونكم تحت ثمانين غاية تحت كل غاية اثنا عشر ألفًا. رواه البخارى. وعن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَا تقوم الساعة حتّٰى ينزل الروم بالأعماق أو بدابق فيخرج إليهم جيش من المدينة من خيار أهل الأرض يومئذ، فإذا تصافوا قالت الروم: خلوا بيننا وبين الذين سبوا منا نقاتلهم، فيقول المسلمون: لَا والله! لَا نخلّى بينكم وبين إخواننا، فيقاتلونهم فينهزم ثلث لَا يتوب الله عليهم أبدًا، ويُقتل ثلثهم أفضل الشهداء عند الله، ويفتتح الثلث لَا يفتنون أبدًا ...إلخ. (مشکوٰۃ ص:۴۶۶، باب الملاحم).

(۲) عن عبدالله بن مسعود قال: ان الساعة لَا تقوم حتّٰى لَا يقسم ميراث ولَا يفرح بغنيمة ثم قال عدو يجمعون لأهل الشام ويجمع لهم أهل الْإسلام يعنى الروم فيتشرّط المسلمون شرطة للموت لَا ترجع إلّا غالبة فيقتتلون حتّٰى يحجز بينهم الليل فيفئ هٰؤلَاء وهٰؤلَاء كل غير غالب وتفنى الشرطة ثم يتشرط المسلمون شرطة للموت لَا ترجع إلّا غالبة فيقتتلون حتّٰى يحجز بينهم الليل فيفئ هٰؤلَاء وهٰؤلَاء كل غير غالب وتفنى الشرطة ثم يتشرط المسلمون شرطة للموت لَا ترجع إلّا غالبة فيقتتلون حتّٰى يمسوا فيفئ هٰؤلَاء وهٰؤلَاء كل غير غالب وتفنى الشرطة فإذا كان يوم الرابع نهد إليهم بقية أهل الْإسلام فيجعل الله الدابرة عليهم فيقتتلون مقتلة لم ير مثلها حتّٰى ان الطائر ليمرّ بجنباتهم فلا يخلفهم حتّٰى يخرج ميتا فيتعادّ بنو الأب كانوا مائة فلا يجدونه بقى منهم إلّا الرجل الواحد ...إلخ. (مشکوٰۃ ص:۴۶۷، باب الملاحم).

احادیث شریفہ میں حضرت مہدیؓ کے زمانے میں ہونے والی ''ملحمۂ کبریٰ'' (جنگِ عظیم) کا جو نقشہ ذِکر کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ میں نے اُوپر درج کیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا کسی مدعیٔ مہدویت کی قیادت میں مسلمانوں کی نصاریٰ کے مقابلے میں ایسی ہولناک جنگ ہوئی ہے؟ کیا سیّد محمد جونپوری نے ملکِ شام جاکر نصاریٰ کے خلاف لڑائی لڑی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق ان کو مہدیٔ آخرالزماں کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اور نصاریٰ کے خلاف حضرت مہدیؓ کی لڑائیوں کا نام سن کر مرزا غلام احمد قادیانی کے بدن پر تو لرزی طاری ہوجاتا تھا، اور وہ حضرت مہدیٔ آخرالزماں کو ''خونی مہدی'' کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات کا مذاق اُڑاتا تھا۔

خروجِ دجال:

حضرت مہدیؓ، نصاریٰ کے خلاف مذکورہ جہاد میں مشغول ہوں گے اور ان کو شکست دیتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جائیں گے، اتنے میں خبر آئے گی کہ دجال نکل آیا، حضرت مہدیؓ دس شہسواروں کو اس کی تحقیق کے لئے بھیجیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

''میں ان کے نام بھی جانتا ہوں، اور ان کے باپوں کے نام بھی، اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی، اور وہ اس وقت رُوئے زمین کے سب سے بہتر شہسوار ہوں گے۔''[1] (مشکوٰۃ ص:۴۶۷)

کیا سیّد محمد جونپوری کے زمانے میں دجال کے نکلنے کی خبر آئی تھی؟ اور کیا سیّد موصوف نے قسطنطنیہ کے محاذ سے دس شہسواروں کو دَجال کی تحقیق کے لئے بھیجا تھا؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو اِنصاف فرمایئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق مہدیٔ آخرالزماں کیسے ہوئے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور ان کا حضرت مہدیؓ کی اِقتدا میں نماز پڑھنا:

حضرت مہدیؓ خروجِ دجال کا سن کر اس کے مقابلے کے لئے ملکِ شام واپس آجائیں گے، دریں اثنا کہ وہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہوں گے، نماز کا وقت ہوجائے گا، نماز کے لئے صفیں دُرست کی جارہی ہوں گی، اتنے میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، اور اس نماز کی اِمامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم سے حضرت مہدیؓ کرائیں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس نماز میں حضرت مہدیؓ کی اِقتدا کریں گے۔[2] (مشکوٰۃ ص:۴۶۶ تا ۴۸۰)

کیا سیّد محمد جونپوری کے زمانے میں عین نماز کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوا؟ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

(۱) عن عبدالله بن مسعود .... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّي لأعرف أسمائهم وأسماء آبائهم وألوان خيولهم، هم خير فوارس أو من خير فوارس على ظهر الأرض يومئذ. رواه مسلم. (مشكوٰة ص:۴۶۷ باب الملاحم).

(۲) عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَا تزال طائفة من أُمّتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلٰى يوم القيامة، قال: فينزل عيسَى ابن مريم فيقول أميرهم: تعال صلّ لنا! فيقول: لَا! إن بعضكم على بعض أمراء، تكرمة الله هٰذه الأُمّة. رواه مسلم. (مشكوٰة ص:۴۸۰، باب نزول عيسٰى عليه السلام). عن أبي هريرة قال .... فإذا جاؤا الشام خرج فبينا هم يعدّون للقتال يسوون الصفوف إذا اقيمت الصلوٰة فينزل عيسَى بن مريم فأمّهم ..إلخ. رواه مسلم. (مشكوٰة :۴۶۶، باب الملاحم).

نے ان کی اِقتدا میں نماز پڑھی؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق مہدیٔ آخرالزماں کیسے ہوئے؟

حضرت مہدیؒ کی عمر اور زمانۂ خلافت:

حضرت مہدیؒ سے جب بیعتِ خلافت ہوگی تو ان کی عمر چالیس برس ہوگی، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالے ''العرف الوردی فی اخبار المہدی'' میں حافظ ابونعیمؒ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

''حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہارے درمیان اور رُومیوں کے درمیان چار مرتبہ مصالحت ہوگی، چوتھی مرتبہ یہ مصالحت رُومیوں کے بادشاہ کے اہل میں سے ایک شخص کے ہاتھ پر ہوگی، جو سات سال رہے گی، (بالآخر وہ بھی ختم ہوجائے گی، اور ان کے درمیان اور تمہارے درمیان حالتِ جنگ پیدا ہوجائے گی)۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اس وقت لوگوں کا اِمام کون ہوگا؟ فرمایا: مہدی ہوں گے، میری اولاد میں سے، چالیس سال کے، گویا ان کا چہرہ چمکدار ستارہ ہے، اور ان کے دائیں رُخسار پر سیاہ تل ہے۔'' (۱)

سات سال ان کی خلافت کا زمانہ ہے، جیسا کہ اُوپر حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے گزر چکا ہے، ان کی خلافت کے ساتویں سال میں دجال نکلے گا، اور اس کو قتل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد خلافت ان کے سپرد ہوجائے گی، اور حضرت مہدیؒ ان کے وزیر کی حیثیت سے دو سال رہیں گے، گویا ان کی کل عمر ۴۹ سال ہوگی۔

اس کے برعکس سیّد محمد جونپوری کے بارے میں ''چراغِ دینِ نبوی'' وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کی عمر ۶۳ برس ہوئی، کیونکہ وہ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عمر بھی اس سے مطابقت نہیں رکھتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدیٔ آخرالزماں کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔

میں نے یہ چند موٹی موٹی باتیں عرض کردی ہیں، جن کو تھوڑا پڑھا لکھا آدمی بھی باآسانی سمجھ سکتا ہے، ان کی روشنی میں ہر اِنصاف پسند آدمی فیصلہ کرسکتا ہے کہ مہدوی فرقے کے حضرات کو مہدیٔ آخرالزماں کے پہچاننے میں غلطی لگی ہے، جس طرح کہ قادیانیوں نے مرزا غلام احمد آنجہانی کو مہدیٔ معہود اور مہدیٔ آخرالزماں قرار دینے میں غلطی کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ان تمام بھائیوں کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پر اِیمان لانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

---

(۱) وأخرج أبو نُعيم عن أبي أُمامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (سيكون) بينكم وبين الروم أربع هدن يوم الرابعة علٰى يدي رجل من أهل هرقل يدوم سبع سنين فقال له رجل (من عبدالقيس يقال له المستورد بن خيلان) يا رسول الله! من إمام المسلمين يومئذ؟ قال: المهدي من ولدي ابن أربعين سنة، كأن وجهه كوكب دري، في خده الأيمن خال أسود. (العرف الوردي في أخبار المهدي ص:۵۳، طبع بيروت).

تکمیل:

آخر میں امامِ ربانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی شہادت پیش کرتا ہوں، وہ مکتوباتِ شریفہ دفتر دوم کے مکتوب ۶۷ میں لکھتے ہیں:

''علاماتِ قیامت کہ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ازاں خبر دادہ است حق ست، احتمالِ تخلف ندارد، مثل طلوعِ آفتاب از جانبِ مغرب برخلافِ عادت، وظہور حضرت مہدی علیہ الرضوان، ونزول حضرت رُوح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، وخروجِ دجال، وظہورِ یاجوج وماجوج، وخروج دابۃ الارض، ودُخانے کہ از آسمان پیدا شود وتمام مردم را فرو گیرد وعذاب دردناک کند، مردم از اضطراب گویند ''اے پروردگار! ماایں عذاب را از ما دُور کن کہ ما ایمان مے آریم'' وآخر علامات آتش ست کہ از عدن خیزد۔

وجماعہ از نادانی گمان کنند شخصے را کہ دعویٰ مہدویت نمودہ بود از اہلِ ہند، مہدیٔ موعود بودہ است، پس بزعمِ ایناں مہدی گزشتہ است وفوت شدہ، ونشان میدہند کہ قبرش درفرہ است، دراحادیث صحاح کہ بحد شہرت بلکہ بحد تواتر معنے رسیدہ اند تکذیب ایں طائفہ است، چہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام مہدی را علامات فرمودہ است دراَحادیث کہ درحق آں شخص کہ معتقد ایشانست آن علامات مفقود اند۔

دراحادیثِ نبوی آمدہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ مہدیٔ موعود بیرون آید وبرسروے پارہ ابر بود کہ دراں ابر فرشتہ باشد کہ ندا کند کہ ایں شخص مہدی است اورا متابعت کید۔

وفرمودہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ تمام زمین را مالک شدند چار کس با دوکس از مؤمناں ودوکس از کافراں، ذُوالقرنین وسلیمان از مؤمناں ونمرود وبخت نصر اَز کافراں، ومالک خواہد شد آں زمین را شخص پنجم از اہلِ بیت من یعنی مہدی۔

وفرمودہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام دُنیا نرود تا آنکہ بعث کند خدائے تعالیٰ مردے را اَز اہلِ بیت من کہ نام او موافق نام من بود ونام پدر او موافق نام پدر من باشد، پس پرسازد زمین را بداد وعدل چنانچہ پرشدہ بود بجور وظلم۔

ودرحدیث آمدہ است کہ اصحابِ کہف اعوان حضرت مہدیؑ خواہند بود۔ وحضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام درزمان وے نزول خواہد کرد، واو موافقت خواہد کرد با حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام در قتالِ دجال، ودرزمان ظہور سلطنت او درچہاردہم شہر رمضان کسوفِ شمس خواہد شد ودراوّل آں ماہ خسوفِ قمر برخلافِ عادتِ زمان وبرخلاف حسابِ منجمان۔

بنظرِ انصاف باید دید کہ ایں علامات دراں شخص میت بودہ است یانہ؟ وعلامات دیگر بسیار ست کہ مخبر

صادق فرمودہ است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام، شیخ ابنِ حجرؒ رسالہ نوشتہ است در علاماتِ مہدی منتظر کہ بہ دویست علامت میکشد، نہایت جہل ست کہ با وجود وضوح امر مہدی موعود جمعے در ضلالت مانند، ہداہم اللہ سبحانہ سواء الصراط۔‘‘ (مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب:۶۷ ص:۱۸۹ تا ۱۹۱ مطبوعہ کراچی)

ترجمہ:...’’(عقیدہ ۱۹) اور علاماتِ قیامت جن کی مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے خبر دی ہے سب حق ہیں، ان میں تخلف کا کوئی اِحتمال نہیں، مثلاً خلافِ عادت مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع ہونا، ظہورِ حضرت مہدی علیہ الرضوان، نزول حضرت رُوح اللہ (عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، خروجِ دجال، ظہورِ یأجوج ومأجوج، خروج دابۃ الارض، اور ایک دُھواں جو آسمان سے اُٹھ کر تمام اِنسانوں کو گھیر لے گا اور لوگوں کو دردناک عذاب میں مبتلا کردے گا، اس وقت لوگ مضطرب ہوکر (حق تعالیٰ شانہٗ سے) عرض کریں گے: ’’اے ہمارے رَبّ! اس عذاب کو ہم سے دُور فرمادے کہ ہم اِیمان لاتے ہیں) اور آخری علامت آگ ہے جو عدن سے اُٹھے گی۔

ایک گروہ (مہدویہ) اپنی نادانی کی وجہ سے ایک شخص کے متعلق، جس نے اہلِ ہند میں سے ہوتے ہوئے ’’مہدیٔ موعود‘‘ ہونے کا دعویٰ کیا تھا، یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مہدی ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے زعم میں وہ مہدی گزر چکا ہے اور فوت ہوچکا، اور اس کی قبر کا نشان بتاتے ہیں کہ وہ فرہ میں ہے۔ (لیکن) وہ صحیح احادیث جو بحدِ شہرت بلکہ معنی کے لحاظ سے حدِ تواتر کو پہنچ چکی ہیں، وہ اس گروہ (مہدویہ) کی تکذیب کرتی ہیں، کیونکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے جو علامتیں ’’مہدی‘‘ کی بیان فرمائی ہیں، وہ علامات ان لوگوں کے معتقد فیہ شخص کے حق میں مفقود ہیں، احادیثِ نبوی میں آیا ہے کہ ’’مہدیٔ موعود‘‘ جب ظاہر ہوں گے تو ان کے سر پر بادل کا ایک ٹکڑا ہوگا اور اس اَبر میں ایک فرشتہ ہوگا جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے، اس کی متابعت کرو۔ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: چار آدمی پوری رُوئے زمین کے مالک (بادشاہ) ہوئے ہیں، ان میں دو مؤمن اور دو کافر ہیں، ذُوالقرنین اور سلیمان، مؤمنوں میں سے تھے، اور نمرود اور بخت نصر کافروں میں سے، اور اس زمین کا پانچواں مالک میرے اہلِ بیت میں سے ہوگا، یعنی مہدی۔ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: دُنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک کہ خدائے تعالیٰ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص کو پیدا نہ فرمالے کہ اس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام بھی میرے والد کے نام کے موافق ہوگا، اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھردے گا جس طرح کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی، اور حدیث میں وارِد ہے کہ اَصحابِ کہف حضرت مہدی کے معاونین میں سے ہوں گے، اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ان (مہدی) کے زمانے میں نزول فرمائیں گے، اور وہ (مہدی) دجال کے قتل کرنے میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کریں گے، اور ان (مہدی) کی سلطنت کے ظہور کے زمانے میں زمانے کی عادت

کے برخلاف اور نجومیوں کے حساب کے بھی برخلاف چودہ ماہ رمضان کو سورج گہن ہوگا اور اسی ماہ کے شروع میں چاند گہن ہوگا۔

اب انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ یہ علامات جو بیان کی گئی ہیں اس فوت شدہ شخص (سیّد محمد جونپوری یا مرزا غلام احمد قادیانی) میں موجود ہیں یا نہیں؟ (ان کے علاوہ) اور بھی بہت سی علامات ہیں جو مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہیں، شیخ ابنِ حجرؒ نے ''علاماتِ مہدی منتظر'' کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں دوسو کے قریب علامات بیان کی گئی ہیں۔ بڑی نادانی اور جہالت کی بات ہے کہ مہدیٔ موعود کا معاملہ اتنا واضح ہونے کے باوجود ایک گروہ گمراہی میں مبتلا ہے۔ اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔'' (مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ، دفتر دوم، مکتوب:۶۷ ص:۲۴۶)

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

''ضربِ حق'' رسالے کی شرعی حیثیت

سوال:... گزشتہ دنوں ''ضربِ حق'' نامی ایک ماہنامہ میرے ہاتھ لگا، جس کے مدیر کوئی نادر شاہ اور مدیرِ اعلیٰ سیّد عتیق الرحمٰن گیلانی ہیں، اس رسالے میں حدیث لکھی ہے، جس کے متعلق ہے، لکھا ہے کہ: جامعہ بنوری ٹاؤن والوں نے اس حدیث میں تحریف کی ہے، اس کا عکس بھی انہوں نے اپنے رسالے میں دیا ہے۔ یہ حضرات تمام اکابر علمائے کرام کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں وضاحت مطلوب ہے کہ سیّد عتیق الرحمٰن گیلانی کون ہے؟ اور اس کے نظریات کی کیا شرعی حیثیت ہے؟

جواب:... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ان صاحب کے عقائد ونظریات تو اس کی تحریر سے واضح ہوجاتے ہیں، جب یہ تمام اکابر علماء پر تنقید کرتا ہے۔ دراصل یہ شخص اِمام مہدی ہونے کا مدعی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں تمام فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آپ علمائے دیوبند میں سے کسی بزرگ کے ساتھ بیعت کا تعلق رکھیں، اور ان کی ہدایت پر عمل کرتے رہیں، یہ فتنوں کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام فتنوں سے محفوظ فرمائے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی نصیب فرمائے، اور اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائے۔

اِمام کو خدا کا درجہ دینے والوں کا شرعی حکم

سوال:... میرا تعلق ایک خاص فرقے سے رہا ہے، لیکن اب خدا کے فضل سے میں نے اس مذہب کو چھوڑ دیا ہے، میں اس مذہب کے چند عقائد یہاں لکھ رہا ہوں۔

عقائد:... اس مذہب میں اِمام کو خدا کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور اپنی تمام حاجات وخواہشات حتیٰ کہ گناہوں کی معافی بھی انہی سے مانگی جاتی ہے۔ پانچ وقت کی نماز کی بجائے تین وقت کی ''دُعا'' پڑھی جاتی ہے، جو اِسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے بالکل مختلف ہے، نہ تو وضو کا کوئی تصوّر ہے اور نہ رُکوع وسجود کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، اور

جس طرح ان کے مرد اور عورتیں سج دھج کر کے جماعت خانے جاتے ہیں، وہ تو آپ نے خود بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ روزہ، زکوٰۃ اور حج اس مذہب کے ماننے والوں پر فرض ہی نہیں۔ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا ان عقائد کے ساتھ کوئی شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟

جواب:... آپ نے جو عقائد لکھے ہیں، وہ اسلام سے یکسر مختلف ہیں۔[1] میرا خیال ہے کہ ان میں سے بہت سے سمجھدار اور پڑھے لکھے حضرات خود بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ ان کے عقائد اسلام سے قطعی الگ ہیں، لیکن ایک خاندانی روایت کے طور پر وہ ان عقائد کو اَپنائے چلے آتے ہیں، جن لوگوں کے دِل میں آخرت کی فکر اور صحیح دِین اختیار کرنے کی خلش پیدا ہوجاتی ہے، ان کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے دُوسرے بھائیوں کی بھی اس ہدایت کی طرف رہنمائی کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیب فرمائی ہے۔

ڈاکٹر عثمانی گمراہ ہے

سوال:... ڈاکٹر عثمانی جو کراچی میں رہتے ہیں اور مختلف قسم کے پمفلٹ، لٹریچر شائع کرتے ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب:... ڈاکٹر عثمانی گمراہ ہے، اس کے نزدیک (سوائے اس کی ذات اور اس کے ہم نواوٴں کے) کوئی بھی صحیح مسلمان نہیں، سب... نعوذ باللہ!... مشرک ہیں، تمام اکابرِ اُمت کو اس نے گمراہ کہا ہے۔

ڈاکٹر عثمانی نے دِین کی حقیقت کو نہیں سمجھا

سوال:... میں بہت اُلجھا ہوا شخص ہوں، عقائد بھی موروثی ہیں، جو کہ محدود ہیں، اب دِلچسپی جناب محترم ڈاکٹر عثمانی صاحب کے ساتھ ہے، وہ بھی اسلام کی حد تک۔ سوائے آپ کے دیگر مولاناوٴں نے میری مشکل حل تو اپنی جگہ، جواب بھی نہیں دیئے۔ اب مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ عثمانی صاحب کے خلاف ہیں، ماہنامہ ”بینات“ میں معجزات وکرامات کا ڈاکٹر صاحب کے خلاف پڑھا تھا۔

جواب:... اس ناکارہ کا وجود اگر کسی مسلمان بھائی کی خیرخواہی میں کام آجائے تو شاید یہ میرے لئے ذریعۂ نجات بن جائے، اس لئے بے پناہ مصروفیت کے باوجود میں ہر خط کا جواب دینے کا اہتمام کرتا ہوں، آنجناب کوئی بات دریافت فرمائیں تو اِن شاء اللہ اپنی محدود فہم وبصیرت کے مطابق ضرور جواب دُوں گا۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب محترم ہمارے ہی دارالعلوم کے پڑھے ہوئے ہیں، مگر ان کو یہ خیال ہوگیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دِین کو پہلی بار انہوں نے سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے بڑے اکابرِ اُمت کو... جن کے ذریعے علومِ نبوّت ہم تک پہنچے ہیں... گمراہ سمجھتے ہیں۔ اور میں ایسے خیال سے اللہ کی سو بار پناہ مانگتا ہوں۔ کسی جزوی مسئلے میں اُونچ نیچ ہوجانا، قابلِ برداشت ہے، لیکن یہ قابلِ برداشت نہیں کہ کوئی شخص ”توحیدِ خالص“ کے نام پر پوری اُمت کا صفایا کرڈالے۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں میرے

---

(۱) ولَا نزاع فی اکفار منکر شیء من ضروریات الدّین۔ (کلیات ابوالبقاء ص:۵۵۴، واکفار الملحدین ص:۱۲۱)۔

پاس بہت سے سوالات آتے ہیں، اور جی چاہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے نظریات پر تفصیل کے ساتھ لکھوں، تاکہ آپ ایسے جو حضرات دِین کی طلبِ صادق کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے گرویدہ ہیں، ان کو صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہو، مگر ایک تو فرصت نہیں مل سکتی، دُوسرے میں چاہتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہوجائے تو شاید اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے، مگر اس کا بھی موقع نہیں ملا۔ ڈاکٹر صاحب نے دِین کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔

علامہ مشرقی اور خاکسار تحریک؟

سوال:... علامہ مشرقی کون ہے؟ اور ''خاکسار تحریک'' کیا ہے؟ نیز ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ وضاحت سے جواب دیں۔

جواب:... علامہ عنایت اللہ مشرقی کے حالات تو انسائیکلوپیڈیا میں دیکھ لئے جائیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ کچھ زیادہ ہی پڑھ لکھ گئے تھے، اور ان کو یہ خیال ہوا کہ شاید وہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے کچھ عقل سیکھی ہے، ورنہ پہلے کے سب لوگ بے عقل تھے۔ ''مولوی کا مذہب غلط'' نام سے انہوں نے نمبر ا، نمبر ۲..... وغیرہ بہت سے ٹریکٹ میں شائع کئے تھے۔ انگریزوں کو مسلمانوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار کہتے تھے، اور یوں سمجھتے تھے کہ قرآن مسلمانوں نے نہیں، انگریزوں نے سمجھا ہے۔ ایک عسکری تنظیم بھی بنائی تھی، اسی کا نام ''خاکسار تحریک'' تھا، ان کے نظریات کے حامل لوگ شاید اب بھی کچھ ہوں، ورنہ اب صرف ''خاکسار'' کا نام باقی ہے،[۱] واللہ اعلم!

ڈارون کا نظریۂ اِرتقا اور اِسلام

''گزشتہ دنوں یہاں کے ایک ڈاکٹر صاحب نے جو ''تنظیمِ اسلامی'' کے بانی ہیں، امریکہ جاکر اپنے خطبات میں یہ فرمایا کہ: ''حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا (اور جو اَحادیثِ صحیحہ میں محفوظ ہے) وہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان نہیں تھا، اس لئے اس مسئلے میں اُمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائقِ التفات نہیں، بلکہ فلاسفہ طبیعیین (ڈارون واَتباعہٗ) نے جو نظریۂ اِرتقا پیش کیا ہے وہ صحیح ہے۔'' اس سلسلے میں متعدّد حضرات نے ہمیں خطوط بھیجے، ان میں سے ایک کا جواب مع اصل خط کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔'' (سعید احمد جلال پوری)

سوال:... کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے میں کہ ایک شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام رُوح ڈالے جانے سے پہلے بھی زندہ تھے مگر حیوان کی شکل میں، اور اس حیوانی شکل میں بھی وہ جمادات ونباتات کے مراحل سے گزر کر پہنچے تھے۔ واللہ أنبتکم من الأرض نباتا۔ الآیۃ۔ اس آیتِ کریمہ سے وہ شخص اپنے اسی عقیدہ پر استدلال لیتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح ڈالے جانے سے پہلے کی کیفیت کو وہ شخص ''حیوانِ آدم'' قرار دیتا ہے۔

یہ شخص حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کی بابت انہی مراحل سے گزر کر حیوان کی شکل تک پہنچنے کا عقیدہ رکھتا ہے، جن

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: کفایۃ المفتی ج:۱ ص:۳۰۲ طبع دار الإشاعت کراچی۔

مراحل کا تذکرہ ڈارون نے اپنے ''نظریۂ اِرتقا'' میں کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح صحیح اور واضح احادیثِ مبارکہ کو یہ شخص درخورِ اِعتنا نہیں سمجھتا، چونکہ اس کے نزدیک صرف وہ احادیث قابلِ اتباع ہیں جو علم الاحکام یا حلال وحرام سے متعلق ہوں، علم الحقائق اور حکمت سے متعلق احادیث کی بات ان کے نزدیک دُوسری ہے۔

یہ شخص کہتا ہے کہ جو کوئی سمجھتا ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مٹی کا پُتلا بنایا گیا تھا اور پھر اس بے جان پُتلے میں رُوح پھونکی گئی تھی تو یہ کفر تو نہیں، ناسمجھی ضرور ہے۔

یہ شخص حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق تفصیل وتحقیق کو ''اُمورِ دُنیا'' میں سے قرار دیتا ہے، پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھجوروں کی پیوندکاری کے بابت: ''أنتم أعلم بأمور دُنیاکم!'' والی حدیث کو اپنے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا تو کوئی بات نہیں کہ یہ معاملہ اُمورِ دُنیا میں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میدانِ کار نہیں۔

یہ شخص مذکورہ تمام باتیں برسرِ منبر جمعہ کے خطبے میں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، اس شخص کی متذکرہ بالا باتوں کی روشنی میں دریافت طلب اُمور یہ ہیں:

* :...کیا اس شخص کے مذکورہ بالا عقائد کو اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کہا جاسکتا ہے؟
* :...حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق احادیث کے بارے میں اس شخص کا رویہ گستاخی اور گمراہی نہیں ہے؟
* :...حضرت آدم علیہ السلام کو ''حیوان آدم'' کہنا گستاخی نہیں ہے؟
* :...کیا یہ شخص تفسیر بالرائے کا مرتکب نہیں ہوا؟
* :...آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلافِ اُمت کا عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پُتلے سے بنائے جانے کا ہے یا نہیں؟
* :...اس شخص کی بیعت یا کسی قسم کا تعلق اس کے ساتھ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں تفصیلات سے آگاہ فرماکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جواب:...آنجناب نے ان صاحب کے جو اَفکار وخیالات نقل کئے ہیں، مناسب ہوگا کہ پہلے ان کا تنقیدی جائزہ لیا جائے، بعد ازاں آپ کے سوالوں کا جواب عرض کیا جائے۔

آنجناب کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ان صاحب کے علم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں کچھ تصریحات فرمائی ہیں، جن کو یہ صاحب ''اُمورِ دُنیا'' قرار دیتے ہوئے لائقِ توجہ اور درخورِ اِعتنا نہیں سمجھتے، اس لئے یہاں دو باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

اوّل:...یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں اُمت کو کیا بتایا ہے؟

دوم:...یہ کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اُمت کے لئے لائقِ توجہ نہیں؟

اَمرِ اوّل:

تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بارے میں تصریحاتِ نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیقِ جسمانی کی کیفیت اور اس تخلیق کے مدارج کے سلسلے میں جو تصریحات فرمائی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو تمام رُوئے زمین سے مٹی کا خلاصہ لیا، پھر اس میں پانی ملا کر اس کا گارا بنایا گیا، پھر اسے ایک مدّت تک پڑا رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ وہ گارا سیاہ ہوگیا، اس سے بو آنے لگی اور اس میں چپکاہٹ کی کیفیت پیدا ہوگئی، پھر اس گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کا ساٹھ ہاتھ لمبا قالب بنایا گیا، پھر یہ قالب کچھ عرصہ پڑا رہا، یہاں تک کہ خشک ہوکر اس میں کھنکھناہٹ پیدا ہوگئی اور وہ ٹھیکری کی طرح بجنے لگا، اس دوران شیطان اس قالب کے گرد گھومتا تھا، اسے بجا بجا کر دیکھتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ: اس مخلوق کے پیٹ میں خلا ہے، اس لئے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔

پھر اس بے جان قالب میں رُوح پھونکی گئی اور وہ جیتے جاگتے انسان بن گئے، جب ان کے نصفِ اعلیٰ میں رُوح داخل ہوئی تو انہیں چھینک آئی اور ان کی زبانِ مبارک سے پہلا کلمہ جو نکلا وہ "الحمدللہ" تھا، جس پر حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو جواب میں فرمایا: "یرحمک ربک!" (تیرا ربّ تجھ پر رحم فرمائے)۔ حضرت آدم علیہ السلام جس وقت پیدا کئے گئے اس وقت ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا، اور ان کے تمام جسمانی اعضا اور ظاہری و باطنی قویٰ کامل و مکمل تھے، ان کو نشوونما کے ان مراحل سے گزرنا نہیں پڑا جن سے اولادِ آدم گزر کر اپنے نشوونما کے آخری مدارج تک پہنچتی ہے۔

یہ خلاصہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بہت سے ارشادات کا جو حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں مروی ہیں۔ میں ان بہت سی احادیث میں سے یہاں صرف چار احادیث کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حدیثِ اوّل:

"عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ، طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا، فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ: إِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى أُولٰئِکَ النَّفَرِ! وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰئِکَةِ جُلُوْسٌ، فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَکَ بِهٖ؟ فَإِنَّهَا تَحِیَّتُکَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِکَ. قَالَ: فَذَهَبَ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ! فَقَالُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللهِ! قَالَ: فَزَادُوْهُ "وَرَحْمَةُ اللهِ". قَالَ: فَکُلُّ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ آدَمَ وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا، فَلَمْ یَزَلِ الْخَلْقُ یَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتَّى الْآنَ."

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۱۹، صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۸۰ واللفظ لہٗ، مسند احمد ج:۲ ص:۲۴۴)

ترجمہ:... "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا تھا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا، جب ان کو پیدا کیا گیا تو ان سے

فرمایا کہ: جاؤ! اس جماعت کو جاکر سلام کہو۔ یہ فرشتوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ پس سنو! کہ یہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں؟ کیونکہ یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے جاکر ان فرشتوں کو ''السلام علیکم'' کہا، انہوں نے جواب میں کہا: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ'' فرشتوں نے جواب میں ''ورحمۃ اللہ'' کے لفظ کا اضافہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہ آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا ہوگا، بعد میں انسانوں کے قد چھوٹے ہوتے رہے، جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔''

حافظ الدنیا ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والمعنٰی ان اللہ تعالٰی أوجدہ علی الھیئۃ التی خلقہ علیھا لم ینتقل فی النشأۃ أحوالًا، ولَا تردّد فی الأرحام أطوارًا کذریتہ، بل خلقہ اللہ رجلًا کاملًا سویًّا من أوّل ما نفخ فیہ الروح، ثم عقب ذٰلک بقولہ: وطولہ ستون ذراعًا۔''

(فتح الباری ج:۶ ص:۳۶۶، کتاب الأنبیاء باب خلق آدم وذریتہ)

ترجمہ:... ''اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جس شکل و ہیئت میں پیدا فرمایا، ان کو اسی ہیئت و شکل میں وجود بخشا، وہ اپنی ذُرّیت کی طرح پیدائش کے مختلف حالات سے نہیں گزرے، نہ شکمِ مادر میں ایک حالت سے دُوسری حالت کی طرف منتقل ہوئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق اس طرح فرمائی کہ نفخِ رُوح کے وقت ہی سے وہ مردِ کامل تھے، اور ان کی تمام جسمانی قوّتیں بدرجۂ کمال تھیں، اسی بنا پر اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔''

اس حدیث کی یہی تشریح اور بہت سے اکابر نے فرمائی ہے۔

حدیثِ دوم:

''عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْأَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللہَ تَعَالٰی خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَۃٍ قَبَضَھَا مِنْ جَمِیْعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ مِنْھُمُ الْأَبْیَضُ وَالْأَحْمَرُ وَالْأَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ۔''

(ترمذی ج:۲ ص:۱۲۰، ابوداؤد ج:۲ ص:۲۴۴، مسند احمد ج:۴ ص:۴۰۰، مستدرک حاکم ج:۲ ص:۲۶۱، صحیح ابن حبان، الإحسان ج:۹ ص:۱۱)

ترجمہ:... ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا مٹی کی مٹھی سے، جس کو تمام زمین سے لیا تھا،

چنانچہ اولادِ آدم زمین کے اندازے کے مطابق ظاہر ہوئی، ان میں کوئی سفید ہے، کوئی سرخ، کوئی کالا اور کوئی ان رنگوں کے درمیان، کوئی نرم، کوئی سخت، کوئی خبیث، کوئی پاکیزہ۔‘‘

حدیثِ سوم:

’’عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا صَوَّرَ اللهُ آدَمَ فِی الْجَنَّةِ تَرَکَهٗ مَا شَاءَ اللهُ اَنْ یَّتْرُکَهٗ، فَجَعَلَ إِبْلِیْسُ یَطِیْفُ بِهٖ یَنْظُرُ مَا هُوَ، فَلَمَّا رَاٰهُ أَجْوَفَ عَرَفَ أَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقًا لَا یَتَمَالَکُ۔‘‘ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۲۷، مسند احمد ج:۳ ص:۲۴۰، مسند طیالسی ص:۲۷۰ حدیث:۲۰۳۴)

ترجمہ:... ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ بنایا تو اس کو اسی حالت میں رہنے دیا جتنی مدّت کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، تو شیطان اس کے گرد گھومنے لگا یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کیا چیز ہے؟ پس جب اس نے دیکھا کہ اس کے پیٹ میں خلا ہے تو اس نے پہچانا کہ اس کی تخلیق ایسی کی گئی ہے کہ یہ اپنے اُوپر قابو نہیں رکھ سکے گا۔‘‘

حدیثِ چہارم:

’’عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ، ثُمَّ جَعَلَهٗ طِیْنًا، ثُمَّ تَرَکَهٗ حَتّٰی إِذَا کَانَ حَمَأً مَّسْنُوْنًا خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ، ثُمَّ تَرَکَهٗ حَتّٰی إِذَا کَانَ صِلْصَالًا کَالْفَخَّارِ، قَالَ: فَکَانَ إِبْلِیْسُ یَمُرُّ بِهٖ فَیَقُوْلُ: ’’لَقَدْ خُلِقْتَ لِأَمْرٍ عَظِیْمٍ!‘‘ ثُمَّ نَفَخَ اللهُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ، فَکَانَ أَوَّلُ شَیْءٍ جَرٰی فِیْهِ الرُّوْحُ بَصَرَهٗ وَخَیَاشِیْمَهٗ، فَعَطَسَ فَلَقَّاهُ اللهُ حَمِدَ رَبَّهٗ، فَقَالَ الرَّبُّ: یَرْحَمُکَ رَبُّکَ! ..... الخ‘‘ (فتح الباری ج:۶ ص:۳۶۴، مسند ابویعلیٰ ج:۶ ص:۹۷ حدیث:۶۵۴۹ واللفظ لهٗ، مجمع الزوائد ج:۸ ص:۱۹۷)

ترجمہ:... ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے بنایا آدم علیہ السلام کو مٹی سے، پھر اس مٹی میں پانی ڈال کر اس کو گوندھ دیا، پھر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ سیاہ گارا بن گیا تو اس کا قالب بنایا، پھر اس کو چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ آگ میں پکی ہوئی چیز کی طرح کھنکھنانے لگا، اِبلیس اس کے پاس سے گزرتا تو کہتا کہ: ’’تجھے کسی بڑے کام کے لئے بنایا گیا ہے!‘‘ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قالب میں اپنی رُوح ڈالی، پس سب سے پہلی چیز جس میں رُوح جاری ہوئی وہ حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھیں اور نتھنے تھے، پس ان کو چھینک آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ’’الحمدللہ‘‘ کہنے کا اِلہام فرمایا، انہوں نے الحمدللہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ’’یرحمک ربّک!‘‘ (تیرا ربّ تجھ پر رحم فرمائے)۔‘‘

ان احادیثِ شریفہ کا خلاصہ و مضمون پہلے ذکر کرچکا ہوں، اب اس پر غور فرمایئے کہ ان احادیثِ مقدسہ میں تخلیقِ آدم علیہ

السلام کے جو مدارج ذکر کئے گئے اور اس تخلیق کی جو کیفیت بیان فرمائی گئی ہے، قرآنِ کریم کی بہت سی آیات میں اس کی تصدیق و تصویب فرمائی گئی ہے۔

اوّل:... یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بلاواسطہ مٹی سے ہوئی اور یہ ان کی تخلیق کا نقطۂ آغاز اور مبداءِ اوّل ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

”اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ، خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔“

(آل عمران:۵۹)

ترجمہ:... ”بے شک حالتِ عجیبہ (حضرت) عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشابہ حالتِ عجیبہ (حضرت) آدم کے ہے کہ ان (کے قالب) کو مٹی سے بنایا، پھر ان کو حکم دیا کہ (جاندار) ہو جا، پس وہ (جاندار) ہو گئے۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

دوم:... یہ کہ اس مٹی کو پانی سے گوندھا گیا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔“ (صٓ:۷۱)

ترجمہ:... ”جب آپ کے ربّ نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ: میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

سوم:... یہ کہ گارا ایک عرصہ تک پڑا رہا، یہاں تک کہ سیاہ ہو گیا، اور اس میں سے بو آنے لگی، چنانچہ ارشاد ہے:

”وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔“ (الحجر:۲۶)

ترجمہ:... ”اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے، جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی تھی پیدا کیا۔“

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

چہارم:... یہ کہ مزید پڑا رہنے سے اس گارے میں چپکنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، ارشاد ہے:

”اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ۔“ (الصافات:۱۱)

ترجمہ:... ”ہم نے ان لوگوں کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

پنجم:... یہ کہ اس گارے سے قالب بنایا جو خشک ہو کر بجنے لگا، ارشاد ہے:

”وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔“ (الحجر:۲۸)

ترجمہ:... ”اور جب آپ کے ربّ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوگی، پیدا کرنے والا ہوں۔“

”خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ“ (الرحمٰن:۱۴،۱۵)

ترجمہ:... ”اس نے انسان کو ایسی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی، پیدا کیا، اور جنات کو خالص

آگ سے پیدا کیا۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ششم:... یہ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مندرجہ بالا مدارج سے گزر چکا تو اس میں رُوح پھونکی گئی اور یہ ان کی تخلیق کی تکمیل تھی، ارشاد ہے:

”اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔“ (صٓ:۷۱، ۷۲)

ترجمہ:... ”جب آپ کے رَبّ نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں، سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے رُوح ڈال دُوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا

قرآنِ کریم میں یہ بھی صراحت فرمائی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے فرمائی، چنانچہ ارشاد ہے:

”قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔“ (صٓ:۷۵)

ترجمہ:... ”حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے اِبلیس! جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھ کو کون سی چیز مانع ہوئی؟“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ تو ظاہر ہے کہ ساری کائنات حق تعالیٰ شانہٗ ہی کی پیدا کردہ ہے، مگر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو اِرشاد فرمایا کہ: ”میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا“ اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت و شرف کا اظہار مقصود ہے۔ یعنی ان کی تخلیق توالد و تناسل کے معروف طریقے سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدستِ خود مٹی سے بنایا اور ان میں رُوح پھونکی، چنانچہ اِمام ابوالسعود رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”ای خلقه بالذات من غیر توسط أب و أم۔“ (تفسیر ابی السعود ج:۷ ص:۳۲۶)

ترجمہ:... ”یعنی میں نے ان کو ماں باپ کے واسطے کے بغیر بذاتِ خود پیدا فرمایا۔“

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں: ”خَلَقْتُ بِیَدَیَّ“ (بنایا میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے) فرمانا، اس حقیقتِ کبریٰ کا اظہار ہے کہ ان کی تخلیق تولید و تناسل کے معروف ذرائع سے نہیں ہوئی، یہیں سے اہلِ عقل کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جس شخصیت کی تخلیق میں ماں اور باپ کا واسطہ بھی قدرت کو منظور نہ ہوا، اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ: ”وہ جمادات، نباتات، حیوانات اور بندروں کی ”جون“ تبدیل کرتے ہوئے انسانی شکل میں آیا“ کتنی بڑی ستم ظریفی ہوگی...! الغرض ”خَلَقْتُ بِیَدَیَّ“ کے قرآنی الفاظ سے جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے توالد و تناسل کے ذریعہ پیدا ہونے کی نفی ہوتی ہے، وہاں ان کے جمادات، نباتات اور حیوانوں اور بندروں سے اِرتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان بننے کی بدرجہ اَولیٰ نفی ہوتی ہے، اس لئے اہلِ

ایمان کے نزدیک حق وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں انبیائے کرام علیہم السلام کا عقیدہ

قرآنِ کریم کے ارشاد: ’’خَلَقْتُ بِیَدَیَّ‘‘ (بنایا میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے) کے مفہوم کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد اب اس پر بھی غور فرمائیے کہ اس بارے میں حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا عقیدہ کیا تھا؟

حدیث کی قریباً تمام معروف کتابوں (صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، مؤطا اِمام مالک اور مسندِ احمد وغیرہ) میں حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام کا مباحثہ مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

’’أَنْتَ آدَمُ الَّذِیْ خَلَقَکَ اللّٰہُ بِیَدِہٖ وَنَفَخَ فِیْکَ مِنْ رُّوْحِہٖ وَأَسْجَدَ لَکَ مَلٰئِکَتَہٗ وَأَسْکَنَکَ فِیْ جَنَّتِہٖ۔‘‘ (مشکوٰۃ ص:۱۹)

ترجمہ:... ’’آپ وہی آدم (علیہ السلام) ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے رُوح ڈالی اور آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ٹھیک وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو مذکورۃ الصدر آیتِ شریفہ میں وارد ہوئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنانا اور ان کے قالب میں اپنی جانب سے رُوح ڈالنا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قالب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس میں رُوح ڈالی، وہ توالد و تناسل کے معروف مراحل سے گزر کر انسان نہیں بنے، نہ جمادات و نباتات اور حیوانوں اور بندروں سے شکل تبدیل کرتے ہوئے آدمی بنے۔

محشر کے دن اہلِ ایمان بھی اسی عقیدے کا اظہار کریں گے

حدیثِ شفاعت میں آتا ہے کہ اہلِ ایمان قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ کے لئے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان سے عرض کریں گے:

’’أَنْتَ آدَمُ أَبُو النَّاسِ خَلَقَکَ اللّٰہُ بِیَدِہٖ وَأَسْکَنَکَ جَنَّتَہٗ وَأَسْجَدَ لَکَ مَلٰئِکَتَہٗ وَعَلَّمَکَ أَسْمَاءَ کُلِّ شَیْءٍ۔‘‘ (مشکوٰۃ ص:۴۸۸)

ترجمہ:... ’’آپ آدم ہیں، تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا، اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، اور آپ کو تمام اشیاء کے ناموں کی تعلیم فرمائی۔‘‘

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان بھی اسی عقیدے کا اظہار کریں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق حق تعالیٰ شانہٗ نے براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے فرمائی۔ مٹی سے ان کا قالب بنا کر اس میں رُوح پھونکی اور ان کو جیتا جاگتا

انسان بنایا، ان کی تخلیق میں نہ توالد وتناسل کا واسطہ تھا، اور نہ وہ جمادات سے بندریج اِرتقائی مراحل سے گزر کر ”انسانِ آدم“ بنے۔

قرآنِ کریم کی آیاتِ بینات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ طیبات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمودات، اور میدانِ محشر میں اہلِ ایمان کی تصریحات آپ کے سامنے موجود ہیں، جو شخص ان تمام اُمور پر بشرطِ فہم وانصاف غور کرے گا اس پر آفتابِ نصف النہار کی طرح یہ حقیقت روشن ہوجائے گی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کے بارے میں حقیقتِ واقعیہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور ان صاحب کا فلاسفہ طبیعیین کی تقلید میں تخلیقِ آدم علیہ السلام کو کرشمۂ اِرتقا قرار دینا، صریح طور پر غلط اور نصوصِ قطعیہ سے انحراف ہے، وَاللهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ!

اَمرِ دوم

احادیثِ نبویہ کے بارے میں اس شخص کے خیالات کا جائزہ

اس شخص کا یہ کہنا کہ: ”اس مسئلے میں احادیثِ نبویہ لائقِ توجہ اور درخورِ اِعتنا نہیں“ چند وجوہ سے جہلِ مرکب کا شکار ہے:

اوّلاً:... اُوپر قرآنِ کریم کی جو آیاتِ بینات ذکر کی گئی ہیں انہیں ارشاداتِ نبویہ کے ساتھ ملاکر پڑھئے تو واضح ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیقِ آدم علیہ السلام کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے، وہ ان آیاتِ بینات ہی کی شرح وتفصیل ہے، اور جس مسئلے میں قرآن وحدیث دونوں متفق ہوں، کسی مؤمن کے لئے اس سے انحراف کی گنجائش نہیں رہتی، اور جو شخص فرمانِ اِلٰہی اور ارشادِ نبوی کو تسلیم کرنے سے ہچکچاتا ہے، انصاف فرمائیے کہ ایمان واسلام میں اس کا کتنا حصہ ہے...؟

ثانیاً:... بالفرض قرآنِ کریم سے ان احادیث کی تائید نہ ہوتی تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کو سن کر یہ کہنا کہ: ”یہ لائقِ توجہ اور درخورِ اِعتنا نہیں!“ بارگاہِ رسالت میں نہایت جسارت اور حد درجے کی گستاخی ہے، جس کے سننے کی بھی کسی مؤمن کو تاب نہیں ہوسکتی کہ اس کے سنتے ہی رُوحِ ایمان لرز جاتی ہے! کجا کہ کوئی مسلمان ایسے موذی الفاظ زبان پر لانے کی جرأت کرے، ذرا سوچئے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بارے میں ان حقائق کو بیان فرما رہے تھے، کوئی شخص (بالفرض یہی صاحب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہہ دیتا کہ: -نعوذ باللہ- ”یہ آپ کا میدانِ کار نہیں، بلکہ یہ ڈارون کا میدانِ تحقیق ہے!“ تو فرمائیے کہ ایسا شخص کس صف میں شمار کیا جاتا...؟

حافظ ابنِ حزمؒ لکھتے ہیں:

”وکل من یکفر بما بلغه وصح عنده عن النبی صلی الله علیه وسلم أو جمع علیه المؤمنون مما جاء به النبی علیه السلام فهو کافر! کما قال الله تعالیٰ: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔“

(المحلّٰی ج:۱ ص:۱۲)

ترجمہ:... ”اور ہر وہ شخص جس نے کسی ایسی بات کا انکار کیا جو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی

اور اس کے نزدیک اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تھا، یا اس نے ایسی بات کا انکار کیا جس پر اہلِ ایمان کا اِجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، تو ایسا شخص کافر ہے! چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

اور جس نے مخالفت کی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی، بعد اس کے کہ اس پر صحیح بات کھل گئی اور وہ چلا اہلِ ایمان کا راستہ چھوڑ کر، تو ہم اسے پھیر دیں گے جدھر پھرتا ہے، اور ہم اسے جھونک دیں گے جہنم میں۔''

ثالثاً:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان کے بارے میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم کس ذریعے سے ہوا؟ ظاہر ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحیٔ اِلٰہی کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں، لہٰذا دلیلِ عقل سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں جو کچھ بیان فرمایا اس کا سرچشمہ وحیٔ اِلٰہی ہی ہوسکتا ہے، اور اس کو رَدّ کرنا گویا وحیٔ خداوندی کو رَدّ کرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ شیوہ کسی کافر و منافق کا ہوسکتا ہے، کسی مسلمان کا نہیں! خصوصاً جب یہاں اس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ اس دور کا ہے جس کو مؤرخین ''قبل اَز تاریخ'' سے تعبیر کرتے ہیں، جب اس وقت کوئی انسانی وجود ہی نہیں تھا تو اس دور کی تاریخ اور اس واقعے کی تفصیلات کون قلم بند کرتا؟ ہاں! اللہ تعالیٰ جو آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما رہے تھے، یہ پورا واقعہ ان کے سامنے تھا اور اس کی ضروری تفصیلات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تفصیلات سے اُمت کو آگاہی بخشی، اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشاداتِ صحیحہ کو رَدّ کردینا اور فلاسفہ کی ہفوات کی تقلید کرنا، کیا کسی صاحبِ ایمان کی شان ہوسکتی ہے...؟

رابعاً:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: ''حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس طرح ہوئی'' یہ ایک خبر ہے، اور خبر یا تو واقعے کے مطابق ہوگی، یا واقعے کے خلاف ہوگی، جو خبر واقعے کے مطابق ہو وہ سچی کہلاتی ہے، اور خبر دینے والا سچا سمجھا جاتا ہے، اور جو خبر واقعے کے خلاف ہو وہ جھوٹی کہلاتی ہے، اور خبر دینے والا جھوٹا قرار پاتا ہے۔ اب یہ صاحب جو کہہ رہے ہیں کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں جو خبریں دی ہیں، وہ واقعے کے خلاف ہیں'' اہلِ عقل غور فرمائیں کہ اس کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟ کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح تکذیب نہیں؟ اور کیا یہ بات عقلاً ممکن ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کو غلط بھی سمجھتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان بھی رکھتا ہو...؟ ہرگز نہیں! ''ضدان لا یجتمعان!'' (یہ دونوں ضدیں ہیں، جو کبھی جمع نہیں ہوسکتیں)۔

خامساً:... ان صاحب کا یہ کہنا کہ: ''حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ اُمورِ دُنیا میں سے ہے، اس لئے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائقِ التفات نہیں!'' ان کی دلیل کا صغریٰ و کبریٰ دونوں غلط ہیں، اس لئے کہ گفتگو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں ہے، اور ہر شخص جانتا ہے کہ تخلیق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور خالقیت اس کی صفت ہے۔ اب ان صاحب سے دریافت کیا جائے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی صفات واَفعال کو بیان کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے یا... نعوذ باللہ... ڈارون کا میدانِ کار...؟ اور یہ کہ اگر صفاتِ اِلٰہیہ کے بیان میں بھی... بقول اس کے... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ لائقِ

التفات نہیں تو پھر اور کس چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لائقِ اعتماد ہوگی؟ نعوذ باللہ من سوء الفهم وفتنة الصدر!

حق تعالیٰ شانہٗ کی صفات و افعال وہ میدان ہے جہاں دانش و خرد کے پاؤں شل ہیں، یہ وہ فضا ہے جہاں عقل و فکر کے پَر جلتے ہیں، اور عقلِ انسانی ان حقائقِ اِلٰہیہ کا ٹھیک ٹھیک اِدراک کرنے سے عاجز و درماندہ ہے، جہاں سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ فرمانے پر مجبور ہوں:

"اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ!"

ترجمہ:... "یا اللہ! میں تیری تعریف کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں، آپ بس ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اپنی ثنا فرمائی ہے۔"

وہاں کسی دُوسرے کی عقلِ نارسا کے عجز و درماندگی کا کیا پوچھنا؟ یہی وجہ ہے کہ جن فلاسفہ نے انبیائے کرام علیہم السلام کا دامن چھوڑ کر محض اپنی عقلِ نارسا کے گھوڑے پر سوار ہوکر اس میدان میں ترکتازیاں کیں، حیرت و گمراہی کے سوا ان کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا اِنعام ہے کہ اس نے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے ان حقائقِ اِلٰہیہ میں سے اتنے حصے کو بیان فرمادیا جس کا انسانوں کی عقل تحمل کرسکتی تھی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک مسلمانی کا دعویدار اس انعامِ اِلٰہی کا یہ شکر ادا کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نالائقِ التفات قرار دے کر فلاسفۂ ملحدین کی دُم پکڑنے کی تلقین کر رہا ہے۔

سادساً:... ان صاحب کا یہ کہنا کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا" خالص جھوٹ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِفتراء ہے، کیونکہ گزشتہ سطور میں آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت اور کامل تشریح کے ساتھ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رُوئے زمین کی مٹی لے کر اس کو پانی سے گوندھا، پھر اس گارے سے آدم علیہ السلام کا ساٹھ ہاتھ کا قالب بنایا، پھر اس قالب میں رُوح ڈالی، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام صراحتوں اور وضاحتوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ: "اس مسئلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا"، اور اگر اتنی صراحت و وضاحت اور تاکید و اِصرار کے ساتھ بیان فرمائے ہوئے مسئلے کے بارے میں بھی یہ کہا جائے کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی واضح موقف اختیار نہیں فرمایا" تو بتایا جائے کہ اس سے زیادہ "واضح موقف" کن الفاظ میں بیان کیا جاتا...؟

"أنتم أعلم بأمر دُنیاکم!" کی تشریح

ان صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "أنتم أعلم بأمر دُنیاکم!" سے یہ کلیہ کشید کرلیا کہ دُنیا کے کسی کام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائقِ التفات نہیں، اس سلسلے میں بھی چند گزارشات گوش گزار کرتا ہوں:

اوّل:... ان صاحب نے اس حدیث کو دیکھنے اور اسے غلط معنی پہنانے سے پہلے اگر قرآنِ مبین کو اُٹھاکر دیکھنے کی زحمت کی ہوتی تو اسے اس حدیث کو غلط معنی پہنانے کی جرأت نہیں ہوتی۔

قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔'' (الاحزاب:۳۶)

ترجمہ:...''اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان (مؤمنین) کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ آیتِ شریفہ ایک دُنیوی معاملے کے بارے میں نازل ہوئی، جس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا، چونکہ زید غلام رہ چکے تھے، ادھر حضرت زینب بنت جحشؓ قریش کے اعلیٰ ترین خاندان کی چشم و چراغ تھیں، اس لئے ان کے خاندان والوں کو خاندانی وقار کے لحاظ سے یہ رشتہ بے جوڑ محسوس ہوا، اور حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس رشتے کی منظوری سے عذر کر دیا، اس پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو دونوں بہ جان و دِل سمع و طاعت بجالائے۔

یہاں دو باتیں بطورِ خاص لائقِ غور ہیں، ایک یہ کہ کسی لڑکی کا رشتہ کہاں کیا جائے اور کہاں نہ کیا جائے؟ ایک خالص ذاتی اور نجی قسم کا دُنیوی معاملہ ہے، لیکن کسی شخص کے خالص ذاتی اور نجی معاملے میں دخل دیتے ہوئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ رشتہ منظور فرمادیا تو قرآنِ کریم کی اس نصِ قطعی کی رُو سے اس خاندان کو اپنے ذاتی دُنیوی معاملے میں بھی اختیار نہیں رہا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کو بہ دِل و جان منظور کرلینا شرطِ ایمان قرار پایا۔

دُوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتے کی جو تجویز فرمائی تھی، کسی روایت میں نہیں آتا کہ یہ تجویز وحیٔ اِلٰہی سے تھی، لیکن قرآنِ کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ذاتی تجویز کو ''اللہ و رسول کا فیصلہ'' قرار دے کر تمام لوگوں کو آگاہ کردیا کہ کسی دُنیوی معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تجویز بھی فیصلہ خداوندی ہے، جس سے اِنحراف کرنا کسی مسلمان کے لئے روا نہیں!

قرآنِ کریم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے کو بھی اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ قرار دیتا ہے، مگر اس بدمذاقی کی داد دیجئے کہ کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کسی دُنیوی کام میں معتبر نہیں!''

پھر قرآنِ کریم اُمت کو تلقین کرتا ہے:

''وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ، وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' (الحشر:۷)

ترجمہ:...''رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں جو کچھ دے دیں اسے لے لو، اور جس سے روک دیں رُک جاؤ!''

لیکن آج بتایا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو خبر دیں اسے قبول

نہ کرو، بلکہ ڈارون کی تقلید میں انسان کو بندر کی اولاد قرار دو، انا للہ وانا الیہ راجعون!

دوم:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے بے شمار پہلوؤں میں انسانیت کی راہ نمائی کی اور اُمورِ دُنیا کی ہزارہا ہزار گتھیوں کو سلجھایا، جس کو علمائے اُمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ "الشفاء" میں لکھتے ہیں:

"ومن معجزاته الباهرة ما جمعه الله له من المعارف والعلوم وخصه به من الإطلاع على جميع مصالح الدُّنيا والدِّين .... الخ۔" (شرح الشفاء للقاضی عیاض ص:۲۹۸)

ترجمہ:... "اور من جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن معجزات کے ایک وہ علوم و معارف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (انسانی ضرورت کے) تمام مصالح دُنیا و دِین کی اطلاع کے ساتھ مخصوص فرمایا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں جو ہمہ گیر تعلیمات فرمائی ہیں، بلاشبہ اسے معجزۂ نبوّت اور تعلیمِ الٰہی ہی کہا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر طب و معالجات کا باب لیجئے! ظاہر ہے کہ علاج معالجہ ایک خالص بدنی و جسمانی اور دُنیوی چیز ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طب کے ایسے اُصول و کلیات اور فروع و جزئیات بیان فرمائے ہیں کہ عقل حیران ہے، حافظ شیرازی رحمہ اللہ کے بقول:

نگارِ من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

اہلِ علم نے طبِ نبوی کے نام سے ضخیم کتابیں لکھی ہیں، اور حافظ ابنِ قیمؒ نے "زاد المعاد" میں اس کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کردیا ہے، یہاں بے ساختہ اس واقعے کا ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے، جو صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی اور حدیث کی بہت سی کتابوں میں مروی ہے کہ: ایک صاحب آئے اور عرض کیا کہ: میرے بھائی کو اِسہال کی تکلیف ہے۔ فرمایا: اسے شہد پلاؤ! اس نے شہد پلایا اور آکر عرض کیا کہ: میں نے شہد پلایا تھا مگر اس سے اِسہال اور بڑھ گئے۔ فرمایا: اس کو شہد پلاؤ! چار بار یہی قصہ پیش آیا کہ اس کے اِسہال میں اضافہ ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ فرمایا کہ:

"صدق الله وكذب بطن أخيك!" (جامع الاصول ج:۷ ص:۵۱۷)

ترجمہ:... "اللہ کا کلام سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے!"

اس نے پھر شہد پلایا تو اِسہال بند ہوگئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی آیات کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا جو واقعہ ارشاد فرمایا، اس کے مقابلے میں ان صاحب کا یہ کہنا کہ: "حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی" اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

"صدق الله ورسوله! وكذب داروين والدكتور!"

ترجمہ:... ''اللہ و رسول کا فرمان برحق ہے! اور ڈارون اور ڈاکٹر جھوٹ بولتے ہیں!''

اور ایک طب اور معالجے پر ہی کیا منحصر ہے، زندگی کے کسی ایک شعبے کا تو نام لیجئے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ نمائی نہ فرمائی ہو، اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے محروم رہا ہو، چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، بیوی بچوں، عزیز و اقارب اور دوست احباب سے ملنا جلنا، صلح و امن، حرب و ضرب، نکاح و طلاق، بیع و شراء، سیاست و ادب، الغرض دُنیوی اُمور میں سے کون سا امر ایسا ہے جس میں معلّمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات کے نقوش ثبت نہ ہوں؟ صحیح مسلم ابوداؤد، نسائی اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ: یہود اور مشرکین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا:

''قد علمکم نبیکم کل شیء حتی الخراءة؟ قال: أجل!'' (جامع الاصول ج:۷ ص:۱۳۳)

ترجمہ:... ''تمہیں تو تمہارا نبی ہر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ ہگنا موتنا بھی؟ فرمایا: ہاں! (ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بول و براز کے یہ آداب سکھائے ہیں)۔''

اس اعتراض سے یہودی کا مقصود... واللہ اعلم... یا تو مسلمانوں پر نکتہ چینی کرنا تھا کہ تم ایسے نادان اور کودن ہو کہ تمہیں ہگنا موتنا بھی نہیں آتا، تم اس کے لئے بھی نبی کی تعلیم کے محتاج ہو؟ یا اس لعین کا مقصد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنا تھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام علومِ عالیہ سکھانے کے لئے آتے ہیں، یہ کیسا نبی ہے کہ لوگوں کو ہگنے موتنے کے طریقوں کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس کے اس بے ہودہ اعتراض سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ یہ فرمایا کہ: ''ہاں! ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بول و براز کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں فلاں فلاں آداب کی تعلیم دی ہے۔''

اگر اس کا مقصود مسلمانوں پر اعتراض کرنا تھا تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت الخلاء میں جانے کا طریقہ سیکھ لیا، تم اپنی فکر کرو کہ تم جانوروں کی طرح یہ طبعی حوائج پوری کرتے ہو، مگر تم انسانوں کے طریقے سے ابھی تک محروم ہو۔ اور اگر اس کا مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرنا تھا تو جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ ان طبعی انسانی ضرورتوں کی ایسی تعلیم فرماتے ہیں کہ انسان کی یہ طبعی حاجات بھی تقرّب الی اللہ کا ذریعہ بن جائیں، اور یہ چیزیں بھی عبادات کے زُمرے میں شمار ہونے لگیں، بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی رعایت کرتے ہوئے استنجا خانے میں جانا بھی عبادت کے زُمرے میں آتا ہے۔ چنانچہ ہمارے شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی مجدّدی دہلوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ حاشیہ ابنِ ماجہ میں لکھتے ہیں:

''قال علماءنا ان اتیان السنة ولو کان أمرًا یسیرًا کإدخال الرِّجل الأیسر فی الخلا ابتداء أوْلٰی من البدعة الحسنة وان کان أمرًا فخیمًا کبناء المدارس'' (حاشیہ ابنِ ماجة ص:۳)

ترجمہ:... ''ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ: سنت کا بجالانا اگرچہ وہ معمولی بات ہو، مثلاً: بیت الخلا میں جاتے ہوئے بایاں پاؤں پہلے رکھنا، بدعتِ حسنہ سے بہتر ہے، اگرچہ وہ عظیم الشان کام ہو، جیسے مدارس کا بنانا۔''

خلاصہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کی راہ نمائی نہ

فرمائی ہو، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

"إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ!" (ابوداوٗد ص:۳)

ترجمہ:... "میں تو تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں، میں تم کو تعلیم دیتا ہوں!"

اس لئے ان صاحب کا یہ کہنا کہ: "اُمورِ دُنیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان نہیں تھا، اس لئے اُمورِ دُنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول... نعوذ باللہ... لائقِ التفات نہیں" قطعاً غلط در غلط ہے...!

سوم:... یہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "أنتم أعلم بأمر دُنیاکم" کا مدعا ہی نہیں سمجھے، اس لئے اس سے کشید کرلیا کہ دُنیوی معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لائقِ التفات نہیں۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ اس واقعے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بطور مشورہ کے تھا، شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ ابنِ ماجہ میں اس سلسلے کی روایات کو جمع کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"فعلم أن هذا الأمر منه صلى الله عليه وسلم كان بطريق الْإجتهاد والمشورة، فما كان واجب الْإتباع۔" (حاشيه ابن ماجة ص:۱۷۸)

ترجمہ:... "پس معلوم ہوا کہ اس واقعے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ بطورِ رائے اور مشورہ کے تھا، اس لئے واجب الاتباع نہیں تھا۔"

مشورہ اور حکم کے درمیان فرق حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصے سے واضح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہؓ کو آزاد کردیا، یہ شادی شدہ تھیں، آزادی کے بعد انہوں نے اپنے شوہر مغیثؓ کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش فرمائی کہ: بریرہ! تم مغیث کو قبول کرلو! انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ حکم ہے یا مشورہ؟ فرمایا: حکم تو نہیں، مشورہ ہے! عرض کیا کہ: اگر مشورہ ہے تو میں قبول نہیں کرتی![1]

اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم خواہ کسی دُنیوی اَمر میں ہو، واجب التعمیل ہے۔ البتہ اگر بطورِ مشورہ کچھ ارشاد فرمائیں تو اس کا معاملہ دُوسرا ہے۔

آیت سے غلط استدلال

اس شخص کا آیتِ شریفہ: "وَاللهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا" سے ڈارون کے نظریۂ اِرتقا پر استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا

---

(۱) عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لها في بريرة خذيها فاعتقيها وكان زوجها عبدًا فتخيّرها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاختارت نفسها ولو كان حرًّا لم يخيّرها۔ متفق عليه۔ وعن ابن عباس قال: كان زوج بريرة عبدًا أسود يقال له مغيث كأني أنظر إليه يطوف خلفها في سكك المدينة يبكي ودموعه تسيل علٰى لحيته فقال النبي صلى الله عليه وسلم للعباس: يا عبّاس! أَلَا تعجب من حبّ مغيث بريرة، ومن بغض بريرة مغيثًا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لو راجعتيه، فقالت: يا رسول الله! تأمرني؟ قال: إنما أشفع! قالت: لَا حاجة لي فيه۔ رواه البخاري۔ مشكوٰة، كتاب النكاح، بابٌ الفصل الأوّل ص:۲۷۶۔

کہ: ''حضرت آدم علیہ السلام بھی جمادات ونباتات اور حیوانات کے مراحل سے گزر کر ''انسان آدم'' بنے تھے''، سراسر مہمل اور لایعنی ہے، کیونکہ:

اوّلاً:... یہ شخص خود تسلیم کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیقِ جسمانی کی ایک کیفیت بیان فرمائی ہے، جو ان صاحب کے ذکر کردہ نظریے سے متضاد ہے۔ اب ان صاحب کو دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کرنی ہوگی۔ یا تو یہ کہ خود صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ...نعوذ باللہ... قرآن کی اس آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھے، کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت کا وہ مفہوم منکشف ہوگیا ہوتا جو ان صاحب کو اِلقا ہوا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیقِ جسمانی کے بارے میں اس سے متضاد اور مختلف کیفیت بیان نہ فرماتے۔ یا ان صاحب کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے ذہن سے تراش کر جو معنی قرآنِ کریم کو پہنانا چاہتے ہیں وہ سراسر لغو و لایعنی ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بَری ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ شخص بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ قرآن کے حقائق و معارف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر بیان کرسکتا ہے، چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

''پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کے بارے میں بیان فرمایا اس سے بڑھ کر ممکن نہیں، بدیہی البطلان ہے۔'' (کرامات الصادقین ص:۱۹، مندرجہ رُوحانی خزائن ج:۷ ص:۶۱)

الغرض کسی آیتِ شریفہ سے کسی ایسے نظریے کا اِستنباط کرنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کے خلاف ہو، اس سے دو باتوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے، یا تو اس سے ...نعوذ باللہ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیل لازم آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کا مطلب نہیں سمجھے۔ یا اپنی خام خیالیوں کو قرآنِ کریم میں ٹھونسنا لازم آتا ہے، جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ!'' (مشکوٰۃ ص:۳۵)

ترجمہ:... ''جس شخص نے اپنی رائے سے کوئی مفہوم قرآن میں ٹھونسا، اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے!''

ثانیاً:... یہ آیتِ شریفہ، جس سے ان صاحب نے نظریۂ اِرتقا کو حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے، سورۂ نوح کی آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا وہ خطاب نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کے کافروں سے فرمایا تھا۔ جو شخص معمولی غور و فکر سے بھی کام لے گا، اس سے یہ بات مخفی نہیں رہے گی کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے افراد کو ڈارون کے نظریۂ اِرتقا کی تعلیم و تلقین نہیں فرما رہے، بلکہ ان لوگوں میں سے ایک ایک فرد کی تخلیق میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت کے جن عجائبات کا اظہار فرمایا ہے اس کو ذکر فرما رہے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے زمین کی مٹی سے غذائیں پیدا فرمائیں، ان غذاؤں سے اس قطرۂ آب کی تخلیق ہوئی جس سے تم پیدا ہوئے ہو، پھر اس قطرۂ آب کو شکمِ مادر میں مختلف شکلوں میں تبدیل کرکے اس میں رُوح ڈالی اور تم زندہ انسان بن گئے، پھر نفخِ رُوح کے بعد بھی شکمِ مادر میں زمین سے پیدا شدہ غذاؤں کے

ذریعے تمہارے نشو و نما کا عمل جاری رہا، یہاں تک کہ شکمِ مادر سے تمہاری پیدائش ہوئی اور پھر پیدائش کے بعد بھی تمہارے نشو و نما کا سلسلہ جاری رہا، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے زمین کی مٹی اور اس سے پیدا شدہ غذاؤں کے ذریعہ کیا۔ الغرض ''وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا'' میں انسانی افراد کے اس طویل سلسلۂ نشو و نما کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے جس سے گزرتے ہوئے ہر اِنسان نشو و نما کے مدارج طے کرتا ہے، اس سلسلے کی ابتدا مٹی سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا نشو و نما کی تکمیل پر۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں ''خلاصۂ تفسیر'' کے عنوان سے اس آیتِ شریفہ کی حسبِ ذیل تفسیر فرمائی ہے، جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی ''بیان القرآن'' سے مأخوذ ہے:

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے ایک خاص طور پر پیدا کیا، (یا تو اس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے اور یا اس طرح کہ انسان نطفہ سے بنا، اور نطفہ غذا سے، اور غذا عناصر سے بنی اور عناصر میں غالب اجزا مٹی کے ہیں)۔'' (معارف القرآن ج:۸ ص:۵۶۲)

لہٰذا اس آیتِ شریفہ سے (یا دُوسری آیاتِ کریمہ سے) ڈارون کے نظریۂ ارتقا کو کشید کرنا اپنی عقل و فہم سے بھی زیادتی ہے اور قرآنِ کریم کے ساتھ بھی بے انصافی ہے۔

ان صاحب کے جو دلائل آپ نے ذکر کئے ہیں، ان کی علمی حیثیت واضح کرنے کے بعد اب میں آپ کے سوالات کے جواب عرض کرتا ہوں، چونکہ بحث طویل ہوگئی، اس لئے نمبروار آپ کا سوال نقل کرکے اس کے ساتھ مختصر سا جواب لکھوں گا۔

سوال ۱:... کیا اس شخص کے مذکورہ بالا عقائد کو اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کہا جاسکتا ہے؟

جواب:... اس شخص کے یہ عقائد اہلِ سنت والجماعت کے عقائد نہیں، ائمۂ اہلِ سنت بالاجماع اسی کے قائل ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیقِ جسمانی کے بارے میں احادیثِ نبویہ میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے اس شخص کا یہ نظریہ بدترین بدعت ہے۔

سوال ۲:... حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق احادیث کے بارے میں اس شخص کا رویہ گستاخی اور گمراہی ہے؟

جواب:... حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق سے متعلق وارِدشدہ احادیث کے بارے میں اس شخص کا رویہ بلاشبہ گستاخانہ ہے، جس کی تفصیل اُوپر عرض کرچکا ہوں، اور یہ رویہ بلاشبہ گمراہی و کج روی کا ہے۔

سوال ۳:... حضرت آدم علیہ السلام کو ''حیوان آدم'' کہنا گستاخی نہیں ہے؟

جواب:... حضرت آدم علیہ السلام کو نصوصِ قطعیہ اور اجماعِ سلف کے علی الرغم ''حیوان آدم'' کہنا اور ان کا سلسلۂ نسب بندروں کے ساتھ ملانا ''اشرف المخلوقات'' حضرتِ انسان کی توہین ہے، اور یہ نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے، بلکہ ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی توہین و تنقیص ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں، اب اگر کسی کے باپ کو ''جانور'' یا ''بندر'' کہا جائے تو سوچنا چاہئے کہ یہ گالی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی (مثلاً: انہی صاحب کو) ''جانور کی اولاد'' یا ''بندر کی اولاد'' کہا جائے تو یہ صاحب اس کو گالی سمجھیں گے یا نہیں؟ اور اس کو اپنی توہین و تنقیص تصوّر کریں گے یا نہیں؟

سوال ۴:... کیا یہ شخص تفسیر بالرائے کا مرتکب نہیں؟

جواب:... اُوپر ذکر کرچکا ہوں کہ اپنے مزعومہ نظریہ پر قرآنِ کریم کی آیاتِ شریفہ کا ڈھالنا تفسیر بالرائے ہے اور یہ شخص، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی: ''فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ!'' (مشکوٰۃ ص:۳۵) کا مستحق ہے، یعنی اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

سوال ۵:... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلافِ اُمت کا عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پُتلے بنائے جانے کا ہے یا نہیں؟

جواب:... اُوپر ذکر کرچکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تمام سلف صالحین کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قالب مٹی سے بنایا گیا، پھر اس قالب میں رُوح ڈالی گئی تو وہ جیتے جاگتے انسان بن گئے، فلاسفہ طبیعیین نے اس بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ محض اَٹکل مفروضے ہیں، جن کی حیثیت اَوہام وظنون کے سوا کچھ نہیں، اور ظن وتخمین کی حق وتحقیق کے بازار میں کوئی قیمت نہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَمَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ، اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ، وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔'' (النجم:۲۸)

ترجمہ:... ''اور ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں، اور یقیناً بے اصل خیالات اَمرِ حق کے مقابلے میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے۔''

جو قومیں نورِ نبوّت سے محروم ہیں، وہ اگر قبل اَز تاریخ کی تاریک وادیوں میں بھٹکتی ہیں تو بھٹکا کریں، اور ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتی ہیں تو دوڑایا کریں، اہلِ ایمان کو ان کا پس خوردہ کھانے اور ان کی قے چاٹنے کی ضرورت نہیں! ان کے سامنے آفتابِ نبوّت طلوع ہے، وہ جو کچھ کہتے ہیں، دن کی روشنی میں کہتے ہیں۔ ان کو قرآن وسنت کی روشنی نے ظن وتخمین سے بے نیاز کردیا ہے۔

سوال ۶:... اس شخص کی بیعت یا کسی قسم کا تعلق اس کے ساتھ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

جواب:... اُوپر کی تفصیل سے واضح ہوچکا ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی برحق ہے، اور اس شخص کا فلاسفہ کی تقلید میں ارشاداتِ نبویہ سے اِنحراف، اس کی کج روی وگمراہی کی دلیل ہے، اس لئے اس شخص کو لازم ہے کہ اپنے عقائد ونظریات سے توبہ کرکے رُجوع الی الحق کرے اور ندامت کے ساتھ تجدیدِ ایمان کرے، اور کسی شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان رکھتا ہو، اس شخص کی ہم نوائی جائز نہیں، اگر کوئی مسلمان اس کی بیعت میں داخل ہے تو اس کے خیالات ونظریات کا علم ہوجانے کے بعد اس کی بیعت کا فسخ کردینا لازم ہے۔

ڈارون کا نظریہ نفیٔ خالق پر مبنی ہے

سوال:... درندے پرندے اور ہزارہا مخلوق اللہ کی کس طرح پیدا ہوئی، آپ نے جواب میں فرمایا کہ: ''اس بارے میں کوئی تصریح نظر سے نہیں گزری۔'' تو اس بارے میں عقیدہ کیا رکھا جائے؟ اگر مذہب اس بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کرتا تو مخلوق کے بارے میں ڈارون کے نظریۂ اِرتقاء کو تقویت ملتی ہے۔

جواب:... ڈارون کا نظریہ تو نفیٔ خالق پر مبنی ہے، اتنا عقیدہ تو لازم ہے کہ تمام اَصنافِ مخلوق کو تخلیقِ اِلٰہی نے وجود بخشا ہے، لیکن کس طرح؟ اس کی تفصیل کا علم نہیں۔ [۱]

انسان کس طرح وجود میں آیا؟

سوال:... جناب مولانا صاحب قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان میں حضرت آدمؑ کو بنایا اور ہم سب ان کی اولاد ہیں۔ مگر ۱۵/۴/۱۹۸۹ء بروزِ جمعہ کو ہم نے ٹی وی پر دن کے ۱۰ بجے ایک فلم دیکھی جس میں یہ بتایا گیا کہ انسان مرحلہ وار اس شکل میں آیا یعنی پہلے جراثیم، پھر مچھلی، بندر وغیرہ اور اس کی آخری شکل آج کے انسان کی ہوئی۔ اب آپ وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ شریعت کا اس بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ اور ایک مسلمان کا اس بارے میں کیا ایمان ہونا چاہئے؟ اگر یہ ٹی وی والی فلم غلط ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟

جواب:... یہ ڈارون کا نظریۂ اِرتقاء ہے کہ سب سے پہلا انسان (حضرت آدم علیہ السلام) یکایک قائم وجود میں نہیں آیا، بلکہ بہت سی اِرتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے بندر کی شکل وجود میں آئی، اور پھر بندر نے مزید اِرتقائی جست لگاکر انسان کی شکل اختیار کرلی، یہ نظریہ اب سائنس کی دُنیا میں بھی فرسودہ ہوچکا ہے، اس لئے اس طویل عرصے میں انسان نے کوئی اِرتقائی منزل طے نہیں کی، بلکہ ترقیٔ معکوس کے طور پر انسان تدریجاً "انسان نما جانور" بنتا جارہا ہے۔

جہاں تک اہلِ اسلام کا تعلق ہے ان کو ڈارون کے نظریۂ اِرتقا پر اِیمان لانے کی ضرورت نہیں، ان کے سامنے قرآنِ کریم کا واضح اعلان موجود ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مٹی سے آدم کا قالب بنایا، اسی میں رُوح پھونکی، اور وہ جیتے جاگتے انسان بن گئے۔" [۲]

جس فلم کا آپ نے ذکر کیا ہے ممکن ہے کہ ان کا قرآن و حدیث پر اِیمان نہ ہو، اور جن لوگوں نے ٹی وی پر یہ فلم دِکھائی وہ بھی قرآن و حدیث کے بجائے ڈارون پر اِیمان رکھتے ہوں گے، لیکن جس چیز پر مجھے تعجب ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان میں اس فلم کے دِکھائے جانے پر کسی نے احتجاج نہیں کیا، ایسا لگتا ہے کہ وطنِ عزیز کو غیرشعوری طور پر لادِین اور ملحد بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مذہب اور سائنس میں فرق

سوال:... مولانا صاحب! گزارش یہ ہے کہ جو طلبہ سائنس پڑھتے ہیں ان کی نظر میں مذہب کے بارے میں عجیب کشمکش پیدا ہوجاتی ہے، اگر وہ سائنس کو مانتے ہیں تو مذہب کو جھٹلا بھی نہیں سکتے، لیکن سائنس میں بعض ایسے مظاہر ہیں جو ایک شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اب ہم سائنس میں سب سے پہلے نظریۂ ارتقا کو لیتے ہیں کہ انسان نے بندروں اور بن مانسوں سے ترقی پائی ہے، لیکن قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ پہلے خدا نے انسان کا مٹی کا بت بنایا، پھر جان ڈالی اور حوا کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا، جبکہ سائنس کہتی ہے کہ جب سے آدم بنا ہے تو حوا اس کے ساتھ ہے بلکہ اسی نے اس کو جنم دیا ہے، اور آدم کو بہشت سے زمین پر نہیں اُتارا گیا، بلکہ

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیں: "خطباتِ بہاول پور کا علمی جائزہ" مطبوعہ مکتبہ لدھیانوی کراچی۔

(۲) "اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ" (آل عمران: ۵۹)۔

اسے پیدا ہی زمین پر کیا گیا ہے۔ اس سے سوال یہ اُبھرتا ہے کہ کیا نعوذ باللہ بندر اور بن مانس یا دُوسرے جانور بھی جنت یا دوزخ میں جائیں گے؟ کیونکہ سائنس کے مطابق ان کی جان بھی تو ہماری جیسی ہے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ رات کو سورج اللہ تعالیٰ کے پاس سجدے میں گر جاتا ہے، اور صبح کو اسے مشرق کی طرف سے نکلنے کا حکم ہوتا ہے، لیکن ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ رات کو سورج امریکہ میں ہوتا ہے، یعنی زمین کی دُوسری طرف۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ ستارے آسمان کی چھت کے ساتھ رسوں سے باندھے گئے ہیں، قبلہ! اگر خلا میں جاکر دیکھا جائے تو زمین بھی چاند کی طرح آسمان پر نظر آتی ہے، یعنی ہر طرف آسمان ہی آسمان نظر آتا ہے۔ اور سائنس دان کہتے ہیں کہ کوئی چھت نہیں۔ یہ سب باتیں شک میں مبتلا کردیتی ہیں۔

اور ''جن'' کے بارے میں یہ عرض ہے کہ کیا ''جن'' صرف ''جنوں'' کو ماننے والوں ہی کو کیوں پڑتے ہیں؟ انگریز اور رُوسی وغیرہ جو کہ شراب اور دُوسری چیزیں جو کہ انسان کے لئے ناپاک سمجھی جاتی ہیں، استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کو ''جن'' نہیں پڑتے۔ کیا یہ تمام خیالات ایک انسان کے دماغ کو منجمد نہیں کردیتے اور وہ بلاوجہ خوف و ہراس کی کیفیت میں رہتا ہے؟ کیا مذہب اور سائنس ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟ اگر آپ نے جواب نہ دیا تو میں سمجھوں گا کہ آپ بھی شک میں پڑ گئے ہیں۔

جواب:... آپ کا خط تفصیلی جواب کا متقاضی ہے، جبکہ میں فرصت سے محروم ہوں، تاہم اشارات کی زبان میں مختصراً عرض کرتا ہوں۔ پہلے چند اُصول ذہن نشین کرلیجئے:

۱:... سائنس کی بنیاد مشاہدہ و تجربہ پر ہے، اور جو چیزیں مشاہدہ یا تجربہ سے ماورا ہیں وہ سائنس کی دسترس سے باہر ہیں، ان کے بارے میں سائنس دانوں کا کوئی دعویٰ لائقِ التفات نہیں، جبکہ وحی اور نبوّت کا موضوع ہی وہ چیزیں ہیں جو انسانی عقل، تجربہ اور مشاہدہ سے بالاتر ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے اُمور میں وحی کی اطلاع قابلِ اعتبار ہوگی۔

۲:... بہت سی چیزیں ہمارے مشاہدے سے تعلق رکھتی ہیں مگر ان کے مخفی علل و اسباب کا مشاہدہ ہم نہیں کرسکتے بلکہ ان کے علم کے لئے ہم کسی صحیح ذریعہ علم کے محتاج ہوتے ہیں، ایسے اُمور کا محض اس بنا پر انکار کردینا حماقت ہے کہ یہ چیزیں ہمیں نظر نہیں آرہیں۔

۳:... دو چیزیں اگر آپس میں اس طرح ٹکراتی ہوں کہ دونوں کو بیک وقت تسلیم کرنا ممکن نہ ہو تو یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ دونوں صحیح ہوں، لامحالہ ایک صحیح ہوگی اور ایک غلط ہوگی۔ ان میں سے کون صحیح ہے اور کون غلط ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کا ثبوت یقینی و قطعی ذریعہ سے ہوا ہے؟ اور کس کا ظن و تخمین کے ذریعہ؟ پس جس چیز کا ثبوت کسی یقینی ذریعہ سے ہو وہ حق ہے اور دُوسری باطل یا مؤوّل۔

۴:... جو بات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن ہو اور کسی سچے خبر دینے والے نے اس کی خبر دی ہو، اس کو تسلیم کرنا لازم ہے، اور اس کا انکار کرنا محض ضد و تعصب اور ہٹ دھرمی ہے، جو کسی عاقل کے شایانِ شان نہیں۔

۵:... انسانی عقل پر اکثر و بیشتر وہم کا تسلط رہتا ہے، بہت سی چیزیں جو قطعاً صحیح اور بے غبار ہیں، لوگ غلبۂ وہم کی بنا پر ان کو خلافِ عقل تصوّر کرنے لگتے ہیں، اور بہت سی چیزیں جو عقلِ صحیح کے خلاف ہیں، غلبۂ وہم کی وجہ سے لوگ ان کو نہ صرف صحیح مان لیتے ہیں

بلکہ ان کو مطابقِ عقل منوانے پر اصرار کرتے ہیں۔

یہ پانچ اُصول بالکل فطری ہیں، ان کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، ان میں سے اگر کسی نکتے میں آپ کو اختلاف ہو تو اس کی تشریح کردُوں گا۔ اب میں ان اُصول کی روشنی میں آپ کے سوالات پر غور کرتا ہوں۔

نظریۂ ارتقا

مسٹر ڈارون کا نظریۂ ارتقا تو اَب خود سائنسی دُنیا میں دَم توڑ رہا ہے اور سائنس دانوں میں بدنام ہوچکا ہے، لیکن آپ اسے قرآنی وحی کے مقابلے میں پیش کرکے شبہ کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ سوال کہ انسان کی آفرینش کا آغاز کیسے ہوا؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور کسی اندازے اور تخمینے کی بنا پر اس بارے میں کوئی دوٹوک بات نہیں کہی جاسکتی۔ موجودہ دور کا انسان نہ تو ابتدائے آفرینش کے وقت خود موجود تھا کہ وہ جو کچھ کہتا چشمِ دیدہ مشاہدہ کی بنا پر کہتا، نہ یہ ایسی چیز ہے کہ انسانی تجربے نے اس کی تصدیق کی ہو، ورنہ ہزاروں برس میں کسی ایک بندر کو انسان بنتے ہوئے ضرور دیکھا ہوتا، یا کسی ایک بندر کو انسان بنا دینے کا اس نے تجربہ ضرور کیا ہوتا۔ پس جب یہ نظریہ مشاہدہ اور تجربہ دونوں سے محروم ہے تو اس کی بنیاد اَٹکل پچو تخمینوں، اندازوں اور وہم کی کرشمہ سازیوں پر ہی قائم ہوگی۔ اس کے مقابلے میں خود خالقِ کائنات کا قطعی، غیر مبہم اور دوٹوک ارشاد ہے جسے آپ نے سوال میں نقل کیا ہے۔ اب دادِ انصاف دیجئے کہ ایک مسئلے میں، جو انسانی مشاہدہ و تجربہ سے ماورا ہے، مسٹر ڈارون اور ان کے مقلدوں کا اَٹکل پچو تخمینہ لائقِ اعتبار ہے یا خدائے علام الغیوب کا ارشاد...؟ اگر وحیٔ اِلٰہی نے اس مسئلے میں ہماری کوئی راہ نمائی نہیں کی ہوتی تب بھی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ ہم ڈارون کے غیر مشاہداتی اور غیر تجرباتی تیرتکوں کو قبول نہ کرتے، کیونکہ اہلِ عقل، عقل کی مانا کرتے ہیں، غیر عقلی قیاسات اور تخمینوں پر اندھا دُھند ایمان نہیں لایا کرتے۔ پس نظریۂ ارتقا کے حامیوں کا انسان کے سلسلۂ نسب کو بندر سے ملانا، جبکہ وحیٔ اِلٰہی اور مشاہدہ و تجربہ اس کی تکذیب کرتے ہیں، تو یہ نظریہ اہلِ عقل کے نزدیک کیسے لائقِ التفات ہوسکتا ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام اور جنت

نظریۂ ارتقا کے موجدوں نے انسان کا سلسلۂ نسب بندر تک پہنچا کر انسانی عقل کی جو مٹی پلید کی ہے، اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ انسانِ اوّل کے بارے میں ان کے دیگر تخمینوں اور قیاسات میں کتنی جان ہوگی، خصوصاً ان کا یہ کہنا کہ: ''انسانِ اوّل کو جنت سے نہیں اُتارا گیا تھا، بلکہ اسی زمین پر بندر سے اس کی جنس تبدیل ہوئی تھی''، یا یہ کہ: ''حوا اس کی بیوی نہیں بلکہ ماں تھی''۔ کون نہیں جانتا کہ جنت و دوزخ عالمِ غیب کے وہ حقائق ہیں جو اس عالم میں انسانی مشاہدہ و تجربہ سے بالاتر ہیں، اور جن کے بارے میں صحیح معلومات کا ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل شدہ وحی۔ پس جو غیبی حقائق کہ انسان کے مشاہدہ و تجربہ کی دسترس سے قطعاً باہر ہیں اور مشاہدہ کی کوئی خوردبین ان تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی، خود ہی سوچئے کہ ان کے بارے میں وحیٔ اِلٰہی پر اعتماد کرنا چاہئے یا ان لوگوں کی لاف گزاف پر جو وہم و قیاس کے گھوڑے پر سوار ہوکر ایک ایسے میدان میں ترکتازیاں کرنا چاہتے ہیں جو ان کے احاطۂ عقل و ادراک سے ماورا ہے...؟ سائنس کے دقیق اسرار و رموز کے بارے میں ایک گھسیارے کا قول جس قدر مضحکہ خیز ہوسکتا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر ان لوگوں کے اندازے اور تخمینے مضحکہ خیز ہیں جو وحیٔ اِلٰہی کی روشنی کے بغیر اُمورِ الٰہیہ میں تگ و

تا ز کرتے ہیں۔ یہ مسکین نہیں سمجھتے کہ ان کی تحقیقات کا دائرہ مادّیات ہیں، نہ کہ مابعد الطبعیات، جو چیز ان کے دائرۂ عقل و ادراک سے ماورا ہے اس کے بارے میں وہ جو قیاس آرائی کریں گے اس کی حیثیت رجم بالغیب اور اندھیرے میں تیر چلانے کی ہوگی۔ قطعاً ممکن نہیں کہ ان کا تیر صحیح نشانے پر بیٹھے، وہ خود بھی مدۃ العمر وادیٔ ضلالت کے گم گشتہ مسافر رہیں گے اور ان کے مقلدین بھی۔ مسلمانوں کو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے اور ان وادیوں میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں، بحمداللہ ان کے پاس آفتابِ نبوّت کی روشنی موجود ہے، اور وہ ان اُمورِ الٰہیہ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں، دن کی روشنی میں کہتے ہیں۔

سورج کا سجدہ کرنا

سورج کے سجدہ کرنے کی جو حدیث آپ نے نقل کی ہے، وہ صحیح ہے، اور وہ کسی سائنسی تحقیقات یا عام انسانی مشاہدے کے خلاف نہیں۔ انسانی مشاہدہ یہ ہے کہ سورج چلتا ہے، لیکن اس کی رفتار خود اس کی ذاتی ہے یا کسی قادرِ مطلق ہستی کی حکمت و مشیت کے تابع ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب اس حدیثِ پاک میں دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کا نظام خودکار مشین کی طرح نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے ماتحت ہے، اور وہ اپنے طلوع و غروب کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے اجازت لیتا ہے، ایک وقت آئے گا کہ حسبِ دستور طلوع کی اجازت لے گا، مگر اس کو اجازت نہیں ملے گی، بلکہ اُلٹی سمت چلنے کا حکم ہوگا، چنانچہ اس دن آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہوگا اور قریباً چاشت کے وقت جتنا اُونچا ہوجانے کے بعد پھر مغرب کی جانب لوٹ جائے گا اور اس کے بعد قیامت برپا ہونے تک پھر حسبِ معمول طلوع و غروب ہوتا رہے گا۔

اب یہاں چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

اوّل:... یہ کہ نظامِ شمسی کا حق تعالیٰ شانہ کی مشیت کے تابع ہونا تمام ادیان و مذاہب کا مُسلَّمہ عقیدہ ہے، اور جو سائنس دان خدا تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتے ہیں انہیں بھی اس عقیدے سے انکار نہیں ہوگا۔ جو لوگ اس کارخانۂ جہان کو خودکار مشین سمجھتے ہیں اور اسے کسی صانع حکیم کی تخلیق نہیں سمجھتے، ان کا نظریہ عقل و حکمت کی میزان میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ صانعِ عالم کے وجود پر دلائل کا یہ موقع نہیں کیونکہ میرا مخاطب بحمداللہ مسلمان ہے، اس لئے اس کے سامنے وجودِ باری کی بحث لے بیٹھنا غیرضروری ہی نہیں، بے موقع بھی ہے۔ یہاں صرف اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب یہ مُسلَّم ہے کہ نہ صرف نظامِ شمسی بلکہ پورا کارخانۂ عالم ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے تابع ہے تو آفتاب کے روزمرّہ طلوع و غروب کو بھی اسی مشیت کے تابع تسلیم کرنا ہوگا۔ اسی نکتے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے روزمرّہ سجدہ کرنے اور آئندہ دن میں طلوع کی اجازت لینے سے تعبیر فرمایا ہے۔

دوم:... جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے، مشاہدہ یہ ہے کہ ہر آن اور ہر لحہ سورج کے طلوع و غروب کا عمل جاری ہے، اگر ایک اُفق پر ڈُوبتا ہے تو دُوسرے سے نکلتا ہے، اگر ایک جگہ سفیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے تو دُوسری جگہ تاریکیٔ شب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لئے حدیثِ پاک میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص اُفق (مثلاً مدینہ طیبہ کا اُفق، یا عام آبادی کا اُفق) کو مراد لیا ہو۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جب آفتاب اس خاص اُفق میں غروب ہوتا ہے تو اگلے دن کے طلوع کے لئے اجازت طلب کرتا ہے، اور اجازت ملنے پر طلوع ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اہلِ ریاضی نے ہفتہ کے دنوں کی تعیین کے لئے آفتاب کا

ایک خاص اُفق مقرّر کر رکھا ہے جسے ’’ڈیٹ لائن‘‘ کہا جاتا ہے۔ اس خطِ فاصل سے اس طرف جمعہ کا دن ہوتا ہے تو دُوسری طرف ہفتہ کا دن، اگر یہ صورت اختیار نہ کی جاتی تو دنوں کا تعین ہی ممکن نہ ہوتا، کیونکہ آفتاب تو دُنیا میں کبھی غروب ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے ’’ڈیٹ لائن‘‘ کے بغیر تاریخ اور دن کے تعین کی کوئی صورت نہیں تھی۔ پس جس طرح اہلِ فن کو دنوں کی تعیین کے لئے ایک خاص اُفق مقرّر کئے بغیر کوئی چارہ نہیں، اسی طرح اگر اس کے طلوع وغروب کے لئے بھی علمِ الٰہی میں اُفق کا کوئی خاص نقطہ متعین ہو جس پر پہنچنے کے بعد اسے اگلے دن کے لئے نئی اجازت لینی پڑے تو اس پر کوئی عقلی اِشکال نہیں۔

دُوسرا احتمال یہ ہے کہ اس اجازتِ طلوع کے لئے کوئی خاص اُفق متعین نہ کیا جائے، بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کا کسی بھی اُفق سے طلوع ہونا اجازت کے بعد ہوتا ہے، اور چونکہ اس کا طلوع ہر لحہ کسی نہ کسی اُفق سے ہوتا رہتا ہے اس لئے حدیثِ پاک کا منشا یہ ہوگا کہ آفتاب کی حرکت کا ایک ایک لمحہ خدا تعالیٰ کی اجازت ومشیت کا مرہونِ منّت ہے اور ایک لمحے کے لئے بھی اس کی حرکت (جس پر طلوع وغروب کا نظام قائم ہے) اجازت کے بغیر جاری نہیں رہ سکتی۔

سوم:... رہا سورج کا سجدہ کرنا، سو یہ چیز اگرچہ ہم ایسے عامیوں کے لئے اچھوتی اور اچنبھا معلوم ہوتی ہے لیکن اہلِ عقل جانتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہے اور ہر چیز اس کی عظمت وتقدس کی تسبیح پڑھتی ہے۔ لیکن ہر چیز کی سجدہ ریزی وتسبیح خوانی اس کی حالت وفطرت اور شان کے مطابق الگ نوعیت کی ہے، ہم لوگ چونکہ ان کی ’’زبانِ بے زبانی‘‘ سمجھنے سے قاصر ہیں، اس لئے ہمیں یہ بات ایک اعجوبہ معلوم ہوتی ہے، اسی کی طرف قرآنِ کریم میں یہ کہہ کر اشارہ فرمایا گیا ہے: ’’وَلٰـکِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ‘‘ (مگر تم ان چیزوں کی تسبیح کو نہیں سمجھتے)۔ ہم لوگ جو عقل وادراک اور شعور وفہم کا ایک عام درجہ رکھتے ہیں، یہ کہہ کر دِل کو سمجھا لیتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز خدا تعالیٰ کے قبضہ وتصرف میں مسخر ہے، اور ان کا مسخر ہونا ہی ان کا سجدہ وتسبیح ہے۔ لیکن جو حضرات علم وادراک اور عقل وفہم میں عام انسانوں سے بالاتر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ کائنات صرف زبانِ حال ہی سے خدا تعالیٰ کی تسبیح خوانی اور اس کے سامنے سجدہ ریزی کے فرائض انجام نہیں دیتی بلکہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس کے حسبِ حال شعور وادراک کی نعمت عطا کر رکھی ہے، اور ہر ایک کو اس کے مناسب زبانِ گویائی بھی عطا فرمائی ہے، اس لئے ہر چیز اپنے اپنے شعور وادراک کے مطابق خدا تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح پڑھتی ہے:

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

بہرحال! آفتاب کا حق تعالیٰ کو سجدہ کرنا بلاشبہ حق اور صحیح ہے، خود قرآنِ کریم میں اس کی تصریح موجود ہے، اب وہ سجدہ زبانِ حال سے ہے یا زبانِ مقال سے؟ اس کی توجیہ ہر شخص اپنے اندازۂ عقل و پیمانۂ فکر کے مطابق کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی کی عقل اس کو محض اس لئے نہ مانتی ہو کہ یہ اعجوبہ ہے، تو اس سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دُنیا عجائبِ قدرت ہی کا نام ہے۔

یہ آتشیں کرہ، جسے ہم آفتاب کہتے ہیں، اس کا وجود بجائے خود عجائبِ قدرت کا ایک نمونہ ہے، اور پھر اس کے طلوع وغروب کا نظام ایک مستقل اعجوبہ ہے، اگر خدانخواستہ سورج کبھی ایک آدھ بار ہی طلوع ہوا ہوتا تو دُنیا اس اعجوبہ کے مشاہدہ کی بھی شاید تاب نہ

رکھتی، پس جب دُنیا میں ہزاروں اعجوبے ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور ہم بغیر کسی ہچکچاہٹ اور شرمندگی کے ان عجائبات پر یقین رکھتے ہیں اور محض ان کا اعجوبہ ہونا ہمارے انکار کے لئے وجہِ جواز نہیں بنتا، اور اس کے انکار کرنے والے کے حق میں دیوانہ اور پاگل ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ جو چیز ہمارے مشاہدہ وتجربہ، ہمارے علم وادراک اور ہماری عقل وشعور سے بالاتر ہو اور ایک شناسائے راز اور دانائے رموز ہمیں اس کی اطلاع دے، ہم محض اعجوبہ ہونے کی بنا پر اس کا انکار کرڈالیں، کیا موجودہ دور کی سائنسی ایجادات ایک عام عقل وفہم کے آدمی کے لئے کم اعجوبہ ہیں...؟ کیا ایک سادہ لوح آدمی کے لئے ان کا انکار کردینا محض اس بنا پر جائز ہوگا کہ اس کی عقل ان عجائب کی گرفت سے قاصر ہے...؟ نہیں...! بلکہ جو شخص اس کی جرأت کرے گا آپ اسے انتہائی درجے کا احمق قرار دیں گے۔ ٹھیک اسی طرح جو لوگ ان عجائباتِ قدرت کا انکار کرتے ہیں جو صرف نبوّت کے علم وادراک میں آسکتے ہیں، یہ لوگ بھی اپنی عقل کی پستی کا اظہار کرتے ہیں۔

چہارم:... آفتاب کا طلوع وغروب کے لئے اجازت لینا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی حرکت میں ٹھہراؤ پیدا ہوجائے، بلکہ یہ دونوں چیزیں بیک وقت جمع ہوسکتی ہیں کہ اس کی حرکت بھی جاری رہے اور وہ اپنی حرکت جاری رکھنے یا بند کردینے کے لئے اجازت بھی لیتا ہو۔ ہماری جدید دُنیا میں اس کی بہت سی مشاہداتی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر میں اس نکتے کی مزید وضاحت و تشریح ضروری نہیں سمجھتا، اہلِ فہم کے لئے صرف اشارہ کافی ہے۔

ایک حدیث کا حوالہ

آپ نے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ: ''ستارے آسمان کی چھت کے ساتھ رسوں سے باندھے گئے ہیں''۔ مجھے ایسی کوئی حدیث یاد نہیں جس کا یہ مضمون ہو، اگر آپ اس کا حوالہ دے سکیں تو اس کے الفاظ ومفہوم ومطالب کے بارے میں کچھ عرض کیا جاسکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں دو جگہ (الاعراف:۵۴، النحل:۱۲) ستاروں کو ''مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِہٖ'' فرمایا گیا ہے، یعنی ستارے حکمِ خداوندی کے مسخر ہیں۔ ان کا فضا میں معلق ہونا اسی تسخیر کا ایک مظہر ہے، یہی وہ رسے ہیں جن سے یہ فضائی کرّے بندھے ہوئے ہیں، اور جب اس کائنات کو درہم برہم کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا تو ان کے یہ رسے کھول دیئے جائیں گے اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر جھڑ جائیں گے، ان کا آپس میں تصادم قیامتِ کبریٰ کا پیش خیمہ ہوگا۔ پس اگر کسی حدیث میں ستاروں کے رسوں سے بندھے ہوئے ہونے کا ذکر آتا ہے تو اس سے ارادۂ الٰہی کی یہی آہنی زنجیریں مراد ہیں جنھوں نے فضا میں ان محیر العقول ستاروں کو تھام رکھا ہے، مادّی رسوں کی تلاش کی زحمت کیوں اُٹھائی جائے؟ اور اگر سائنس ان خلائی کروں کے استقرار واستحکام کے لئے کششِ ثقل کا کوئی اُصول پیش کرتی ہے تو ہمیں اسے جھٹلانے کی ضرورت نہیں۔ ظاہر بیں نگاہیں تحریر کو دستِ کاتب کی حرکت کا کرشمہ دیکھتی ہیں لیکن ہاتھ کی حرکت دماغ کی ارتعاشی لہروں کے تابع ہے اور دماغ، رُوح کی حس وحرکت کے تابع ہے، اور رُوح کی رُوح ارادۂ خداوندی ہے۔ اسی طرح ان خلائی سیاروں کے لئے سائنسی دُنیا میں جو اُصول ونظریات پیش کئے جاتے ہیں وہ اس کی اپنی حدِ پرواز تک صحیح ہیں، اسلام ان کی نفی نہیں کرتا، بلکہ ان اُصولوں میں ارادۂ الٰہی کی کارفرمائی کا عقیدہ پیش کرتا ہے، اور اگر کوئی سائنس دان سلسلۂ اسباب وعلل کی کڑیوں کو درمیان میں ختم کردینے پر اصرار کرتا ہے تو یہ اس کی بصیرت ومشاہدہ کا قصور ہے۔

جنات کے بارے

جنات کے بارے میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں، ایک یہ کہ آیا جنات کا وجود ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ جنات آدمی کو کوئی تکلیف پہنچاسکتے ہیں یا نہیں؟ جس کو عرفِ عام میں ''جن لگنا'' کہا جاتا ہے۔

جہاں تک جنات کے وجود کا تعلق ہے، قرآنِ کریم میں جنات کا ذکر (''جن'' یا ''جان'' کے عنوان سے) ۲۹ جگہ آیا ہے، اور ''سورۃ الجن'' کے نام سے قرآنِ کریم کی ایک مستقل سورت ہے۔ سورۃ الانعام آیت:۱۲۸ میں صرف جنوں کو اور سورۃ الانعام آیت:۱۳۰، اور سورۃ الرحمٰن آیت:۳۳ میں ''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ'' کہہ کر ''جن'' اور ''انسان'' کو خطاب ہے۔ سورۃ الرحمٰن کی آیت ''فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ'' میں بھی، جو ۳۱ بار دُہرائی گئی ہے، دونوں کو خطاب ہے۔ سورۃ الجن آیت:۱، اور سورۃ الاحقاف آیت:۲۹ میں جنات کی ایک جماعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ایمان لانے کا تذکرہ موجود ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ طیبہ میں بہت سی جگہ جنات کا ذکر آتا ہے، جس کی تفصیل غیرضروری ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ سے واضح ہوتا ہے کہ:

۱:... جنات ایک مستقل مخلوق ہے۔

۲:... ان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔

۳:... انسانوں کی طرح ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔

۴:... انسان کی طرح وہ بھی اَحکامِ الٰہیہ کے مکلّف ہیں۔

۵:... انسان کی طرح ان میں بھی بعض مؤمن ہیں اور بعض کافر۔

۶:... وہ انسان کی نظر سے اوجھل رہتے ہیں۔

۷:... ان میں سے جو کافر اور سرکش ہوں انہیں ''شیطان'' یا ''مردۃ الجن'' کہا جاتا ہے۔

۸:... ان کا جدِ اَبعد ابلیس ہے۔

قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں جنات کے بارے میں جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے اسے سامنے رکھ کر ایک مستقل کتاب تألیف کی جاسکتی ہے، اور علمائے اُمت نے اس موضوع پر کتابیں لکھی بھی ہیں، جن میں ''آكام المرجان فی أحكام الجان'' عربی میں مشہور کتاب ہے۔ جو لوگ قرآنِ کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تو جنات کا وجود تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں، اور جو لوگ ان کے وجود کی نفی کرتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ یہ مخلوق ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اس لئے اگر یہ اُصول صحیح ہے کہ جو چیز نظر نہ آئے اس کا انکار کردیا جائے تو صرف جنات کے وجود ہی کا نہیں بلکہ ان بے شمار چیزوں کے وجود کا بھی انکار کرنا ہوگا جو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، ان میں سرِفہرست انسان کی اپنی رُوح ہے جسے کسی نے آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ موجودہ سائنس نے ایسے جراثیم کا انکشاف کیا ہے جن کو ایک لاکھ گنا بڑا کردیا جائے تب بھی ان کا نظر آنا مشکل ہے۔ پس اگر یہ اُصول صحیح ہے تو لوگوں کو مشورہ دینا چاہئے کہ تمام غیرمرئی چیزوں کا انکار کیا کریں، لیکن میں جانتا ہوں کہ ایسے مشورے کو آپ احمقانہ مشورہ کہیں گے،

اس لئے کہ اگرچہ یہ چیزیں عام انسانوں کو نظر نہیں آتیں، لیکن آثار و قرائن ان کے وجود کا پتہ دیتے ہیں، اور سائنسی ایجادات نے ایسی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرادیا ہے، میں بہ ادب گزارش کروں گا کہ اگر سائنسی دُوربین یا خوردبین سے نظر آنے والے کسی ننھے منے جرثومے پر "ایمان" لانا واجب ہے اور اس کو جھٹلانے والا احمق ہے تو نبوّت کی دُوربین اور خوردبین جن چیزوں کا مشاہدہ کرکے ان کے وجود کی خبر دیتی ہیں ان کے وجود پر ایمان لانا کیوں ضروری نہیں...؟ اور ان کو جھٹلانا کیوں حماقت نہیں...؟ جبکہ جھٹلانے والوں کے ہاتھ میں اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ ان کی نظرِ کوتاہ ان چیزوں کے مشاہدے سے قاصر ہے۔

مجھے آپ سے شکایت ہے کہ جنات کے وجود کی بحث کو آپ نے سائنس سے پیدا شدہ اِشکالات میں کیوں جگہ دی؟ سائنس تو (مادّیات کی حد تک) علم و تحقیق کا نام ہے، جبکہ جنات کے وجود کی نفی کسی علم و تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ ناواقفی و جہل پر اس کی بنیاد ہے۔ جنات کا وجود کسی سائنسی اُصول سے نہیں ٹکراتا، اور نہ کوئی سائنسی اُصول جنات کے وجود کی نفی کرتا ہے۔ ہمارے اس دورِ جدید کی ایک مصیبت یہ ہے کہ اس میں "جہل" کا نام "علم" رکھ لیا گیا ہے، اور "یہ بات میرے علم میں نہیں" کو اس کے وجود کی نفی پر دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ گویا یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے علم کے تابع ہے، ہمیں کسی چیز کا علم ہے تو وجود بھی رکھتی ہے، اور اگر ہمیں علم نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ واقعے میں وہ اپنے وجود سے بھی محروم ہے۔ یہ ہے دورِ جدید کا وہ منفرد اُصول جس کے ذریعہ حقائق و واقعات کو بڑی جرأت سے جھٹلایا جاتا ہے۔

دُوسری بحث یہ کہ آیا جنات آدمی کو لگ سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عقلاً کوئی چیز اس سے مانع نہیں۔ آج مسمریزم اور عملِ تنویم کے ذریعہ دُنیا جن عجائبات کا مشاہدہ کر رہی ہے وہ کسی صاحبِ عقل سے مخفی نہیں۔ پس اگر ایک آدمی اپنے خاص مشقی عمل سے معمول کو مسخر اور کچھ دیر کے لئے اسے آپے سے باہر کرسکتا ہے، اس کی رُوح سے گفتگو کرسکتا ہے اور اس سے جو چاہے اُگلواسکتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اس امکان کا انکار کیا جائے کہ یہی سب کچھ جنات بھی کرسکتے ہیں، جبکہ آدمی اور جن کی قوّت کا مقابلہ چیونٹی اور ہاتھی کا مقابلہ ہے۔ پس جو تصرف مسکین چیونٹی کرسکتی ہے کیوں انکار کیا جائے کہ وہی تصرف ہاتھی نہیں کرسکتا...؟

یہ گفتگو تو امکان پر تھی، جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے، اس میں شبہ نہیں کہ اس بارے میں بہت سے لوگ توہم پرستی کا شکار ہیں، اور وہ معمولی طبّی امراض پر بھی "آسیب زدگی" کا شبہ کرنے لگتے ہیں، کسی صحیح معالج کی طرف رُجوع کرنے کے بجائے وہ غلط قسم کے عاملوں کے چکر میں ایسے پھنستے ہیں کہ مدة العمر انہیں اس جال سے رہائی نصیب نہیں ہوتی، لیکن عوام کی فضول توہم پرستی کا علاج یہ نہیں کہ واقعات کا بھی انکار کردیا جائے۔ واقعہ یہی ہے کہ بعض شاذونادر حالات میں آسیب کا اثر ضرور ہوتا ہے، قرآنِ کریم میں دو جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔

ایک جگہ سورۂ بقرہ میں سودخوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔"

(البقرہ:۲۷۵)

ترجمہ:... "جو لوگ کھاتے ہیں سود، نہیں اُٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اُٹھتا ہے وہ شخص، جس کے

حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ارشاد ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ آدمی جس کو شیطان جن نے لپٹ کر خبطی بنادیا ہو۔ حدیث میں ہے کہ کھڑے ہونے سے مراد محشر میں قبر سے اُٹھنا ہے کہ سود خور جب قبر سے اُٹھے گا تو اس پاگل اور مجنون کی طرح اُٹھے گا جس کو کسی شیطان جن نے خبطی بنادیا ہو۔

اس جملے سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جنات وشیاطین کے اثر سے انسان بیہوش یا مجنون ہوسکتا ہے اور اہلِ تجربہ کے متواتر مشاہدات اس پر شاہد ہیں۔ اور حافظ ابنِ قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اطباء وفلاسفہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ صرع، بیہوشی یا جنون مختلف اسباب سے ہوا کرتا ہے، ان میں بعض اوقات جنات وشیاطین کا اثر بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے ان کے پاس بجز ظاہری استبعاد کے کوئی دلیل نہیں۔" (معارف القرآن ج:۱ ص:۶۴۷)

دُوسری جگہ سورۃ الانعام میں ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنے والوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"کَالَّذِی اسْتَھْوَتْہُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ لَہٗٓ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَہٗٓ اِلَی الْھُدَی ائْتِنَا۔" (الانعام:۷۱)

ترجمہ:... "مثل اس شخص کے کہ راستہ بھلا دیا ہو اس کو جنوں نے جنگل میں، جبکہ حیران ہو، اس کے رفیق بلاتے ہوں اس کو راستے کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس۔"

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ جنات لپٹ کر آدمی کو مخبوط الحواس بنادیتے ہیں، اور دُوسری آیت میں اسی مخبوط الحواسی کی ایک مثال ذکر کی گئی ہے کہ شیطان اس کو راستے سے بہکا دیتے ہیں، وہ حیران وسراسیمہ ہوکر مارا مارا پھرتا ہے، اس کے رفقاء اس کو آواز دیتے ہیں کہ ہم اِدھر ہیں، ہمارے پاس آجاؤ، مگر وہ اپنی اس مخبوط الحواسی کی بنا پر ان کی آواز پر بھی توجہ نہیں دیتا۔

رہا آپ کا یہ شبہ کہ: "جن صرف ماننے والوں کو کیوں لگتے ہیں؟" آپ کا یہ شبہ بھی اصل حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ تقریبِ فہم کے لئے عرض کرتا ہوں کہ بطور مثال کسی دُور افتادہ بادیہ نشین صحرائی کا تصوّر کیجئے، اسے کوئی خطرناک مرض لاحق ہوتا ہے مگر وہ مسکین اپنی ناواقفی کی بنا پر نہیں سمجھتا کہ اس مرض کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ اور اس کے علاج کی صحیح تدبیر کیا ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کے اس جہل کی وجہ سے مرض کے اسباب وعلل کی نفی کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوگا۔ اس مثال کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ امریکہ اور یورپ میں نفسیاتی مریضوں کی جو بہتات ہے وہ ہمارے ہاں بحمداللہ نہیں۔ ان ممالک میں ایسے مریضوں کے لئے بڑے بڑے شفاخانے بھی موجود ہیں، علاج معالجے کی سہولتوں کی بھی فراوانی ہے، ہر مرض کے لئے اعلیٰ درجے کے ماہرین اور متخصّصین بھی موجود ہیں، نفسیاتی معالج بھی ایک سے بڑھ کر ایک موجود ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ان کے ہاں نفسیاتی مریضوں کی تعداد روز افزوں ہے، جن پر کوئی علاج کارگر نہیں ہو پاتا۔ اور آپ، ابنِ قیمؒ کی زبانی اطباء وفلاسفہ کا فیصلہ سن چکے ہیں کہ ان نفسیاتی امراض کے

اسباب میں سے ایک سبب آسیب کا اثر بھی ہوسکتا ہے، جبکہ جدید مغرب اس سبب کا ہی منکر ہے۔ اور عرض کرچکا ہوں کہ اس کے اس انکار کا منشا جہل کے سوا کچھ نہیں۔ اندریں صورت مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جدید مغرب کی مثال اس بادیہ نشین صحرائی کی ہے جو مرض کے اصل سبب سے بے خبر اور جاہل ہے۔ لطیفہ یہ کہ جو لوگ مرض کے اصل سبب کی نشاندہی کرتے ہیں، یہ جاہل ان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ فرمائیے! کہ ایسی صورت میں اس کے نفسیاتی مریض لاعلاج نہ ہوں تو اور کیا ہو؟ پس یہ کہنا کہ: ”انگریز اور رُوسی چونکہ جنات کے وجود ہی سے منکر ہیں اس لئے ان کو جنات بھی نہیں لگتے“ حقیقت پسندانہ بات نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ مشرق میں تو جنات ہزاروں لاکھوں میں سے کسی ایک آدھ کو لگتے ہیں، لیکن مغرب میں بڑی کثرت سے لگتے ہیں اور بے شمار لوگوں کو مخبوط الحواس اور نفسیاتی مریض بناتے ہیں۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ مشرق، جنات کے وجود کا قائل ہے اور نفسیاتی مرض کے اسباب کی فہرست میں ”جن“ لگنے کو بھی شمار کرتا ہے، اس صحیح تشخیص کی بنا پر وہ علاج میں بھی کامیاب ہوجاتا ہے، اِلَّا ماشاء اللہ۔ اس کے برعکس مغرب اپنی ناواقفی، تعصب اور جہل کی بنا پر نفسیاتی امراض کے اس اہم سبب کی نہ تشخیص کرسکتا ہے، نہ اس کے علاج و مداوا کی قدرت رکھتا ہے۔ لیکن کیسی ستم ظریفی ہے کہ آپ قصوروار ”مشرق“ کو سمجھتے ہیں، اور مغرب کے جہل کو بھی ہنر تصوّر فرماتے ہیں، اور یہ کھلی ہوئی بات نہیں سوچتے کہ اگر مغرب کو جن نہیں لگتا تو مشرق کے مقابلے میں اس کے لاعلاج نفسیاتی مریضوں کی اتنی بہتات کیوں ہے؟

مذہب اور سائنس میں تصادم

رہا آپ کا یہ سوال کہ: ”کیا مذہب اور سائنس ایک ساتھ چل سکتے ہیں؟“ کاش! فرصت ہوتی تو اس نکتے پر تفصیل سے لکھتا، مگر یہاں صرف آپ کے جواب میں اتنا عرض کروں گا کہ مذہب سے مراد اگر وہ غیرفطری اور باطل مذاہب ہیں جو (بطور مثال) ”تین ایک اور ایک تین“ جیسے نظریات پر اپنی بنیادیں استوار کرتے ہیں تو میرا جواب نفی میں ہے۔ سائنس کے مقابلے میں ایسے فرسودہ و بوسیدہ مذاہب نہیں ٹھہر سکتے، نہ اس کے ساتھ چل سکتے ہیں، اور اگر مذہب سے مراد وہ دینِ فطرت ہے جس کا اعلان خالقِ فطرت نے ”اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَام“ میں فرمایا ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ مذہب سائنس کے ساتھ چل سکتا ہے، چلتا ہے اور ان شاء اللہ چلے گا، کیونکہ ”سائنس“ (اگر واقعتاً سائنس ہو) رموزِ فطرت کی نقاب کشائی کا نام ہے اور اسلام خود فطرت ہے: ”فِطْرَةَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا“۔

فطرت کبھی فطرت سے نہیں ٹکراتی، اس لئے اسلام کو سائنس سے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سائنس نے بہت سے ان اسلامی نظریات کو قریب الفہم کردیا ہے جن کو قرونِ وسطیٰ کا انسان حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھتا تھا۔ یہیں سے ہمارے اس یقین میں اضافہ ہوجاتا ہے کہ اسلام بلاشبہ خالقِ فطرت کا نازل کردہ دینِ فطرت ہے، اور اگر سائنس دان کوئی ایسا راگ الاپتے ہیں جو اسلام کے قطعی نظریات سے ٹکراتا ہے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ فطرت کے خلاف کہتے ہیں۔ اگر آج نہیں تو کل ان کے نظریہ کا غلط اور باطل ہونا ان پر آشکار ہوجائے گا۔ بادل کے سیاہ ٹکڑے آفتاب کو تھوڑی دیر کے لئے نظروں سے اوجھل ضرور کرسکتے ہیں مگر وہ نہ اس کے وجود کو ختم کرسکتے ہیں، نہ اس کی روشنی کو غائب کرسکتے ہیں۔ اسلام، پوری انسانیت کے لئے آفتابِ ہدایت ہے، اندھے اس سے آنکھیں بند کرسکتے ہیں، گمراہ اور کج رو لوگ اپنے نظریات کے بادل اُٹھاسکتے ہیں لیکن ان بادلوں کو بہرحال چھٹنا ہوگا اور آفتابِ اسلام کی تابانی کو

بہرحال چمکنا ہوگا۔

الغرض! سائنس کا کوئی صحیح نظریہ اسلام سے نہیں ٹکراتا، اور جو نظریات بظاہر اسلام سے متصادم نظر آتے ہیں وہ سائنس کے فطری نظریات نہیں بلکہ یا تو خام عقل لوگوں کی ہوا و ہوس کو ''سائنسی نظریہ'' کا نام دے دیا گیا ہے یا وہ تحقیق و تجسّس کے خلانوردوں کے سفر کی درمیانی منزلیں ہیں جنھیں غلط فہمی و عجلت پسندی سے ''حرفِ آخر'' سمجھ لیا گیا ہے۔ اس لئے ہمارے نوجوانوں کو ان نظریات سے خائف ہونے یا شکوک و شبہات کی تاریکیوں میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں، ان کے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا قطعی پیغامِ ہدایت اور دینِ فطرت موجود ہے، آسمان و زمین اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر پیغامِ محمدی میں بال برابر بھی اُونچ نیچ کی گنجائش نہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے نوجوان ایمان و یقین کی غیر متزلزل قوت سے آراستہ ہوکر آگے بڑھیں، خود مسلمان بنیں، اور سائنس کو مسلمان بنائیں۔ سائنس کی مثال تلوار کی ہے، اگر وہ غازیانِ اسلام کے ہاتھ میں ہوگی تو جہاد فی سبیل اللہ کا کام دے گی، اور اگر رہزنوں کے ہاتھ میں ہوگی تو فساد فی الارض میں اضافہ کرے گی، والسلام!

سائنس دانوں کے اِلحاد کے اسباب

سوال:... ماہنامہ ''بینات'' کراچی بابت ماہ جمادی الاُولیٰ ۱۳۹۳ھ میں جناب پروفیسر مجتبیٰ کریم صاحب کا ایک مضمون سائنس کی ابتدائی معلومات پر شائع ہوا ہے، موصوف نے پہلے پیراگراف میں لکھا ہے:

> ''کہا جاتا ہے کہ سائنس پڑھنے والا دہریہ ہوتا ہے، مگر یہ واقعہ نہیں ہے، سائنس کے اُصولوں کو غور سے دیکھا جائے تو خداوندِ قدوس کے کرشموں کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا، سائنس دانوں پر دہریہ ہونے کا اِلزام غلط ہے۔''

جواب:... راقم الحروف کے خیال میں یہ بات جزوی طور پر تو صحیح ہے، لیکن امریکہ، یورپ، رُوس اور کمیونسٹ ممالک کے سائنس دان اکثر و بیشتر نیم ملحد اور دہریے نظر آئیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ سائنسی ایجادات نے عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، اور مادّی سطح پر انسان کی راحت و سہولت کی وہ صورتیں وجود میں آئیں جن کا کچھ مدّت پہلے تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، مگر سائنس دان حقیقتِ کبریٰ تک رسائی سے محروم رہے۔

''ایٹم'' کا جگر چیر کر اس کے بنیادی عناصر اور اس کی پنہاں قوّت کی دریافت میں وہ ضرور کامیاب ہوئے مگر انسانیت کے اجزائے ترکیبی اور اس کی قدر و قیمت کا معما ان سے حل نہ ہوسکا۔ انہوں نے تمام علویات و سفلیات کے نظامِ ارتقا کی کڑیاں بڑی محنت سے تلاش کیں، مگر خود انسان کی معراجِ ارتقا اور اس کا مبداء و منتہیٰ کیا ہے؟ اس کا جواب ان سے نہ بن پڑا۔ وہ کائنات کی ایک ایک چیز کے اوصاف و خواص کو ڈھونڈتے پھرے، مگر انسانیت کے اخلاق و اقدار، اور اس کے بننے اور بگڑنے کے اسباب کی جستجو سے وہ ہمیشہ عاجز رہے۔ انہوں نے مختلف اعراض و جواہر کی پیمائش کے مختلف آلات ایجاد کئے، مگر پیمائشِ انسانیت کا پیمانہ ان کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ انہوں نے بڑی حساس خوردبینوں کے ذریعہ چھوٹے سے چھوٹے جراثیم تک دیکھ ڈالے، مگر انہیں ''خود شناسی'' کی کوئی

خوردبین میسر نہ آئی، جس سے انہیں خود اپنے نفس کا کوئی جرثومہ نظر آتا۔ الغرض! سائنس کی ترقی نے ایک دُنیا بدل کر رکھ دی، مگر افسوس کہ مشرق و مغرب کے ملحد سائنس دان ''خداشناسی'' اور ''انسان شناسی'' کی دولت سے تہی دامن ہی رہے۔ بلاشبہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا، مگر ہوا، اور سب کے سامنے ہو رہا ہے، ایسا کیوں ہوا؟ آیئے اس ''کیوں'' کا جواب کسی ''خضرِ راہ'' سے دریافت کریں۔ حضرت موسیٰ و خضر (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کا جو قصہ قرآن مجید میں ذکر کیا گیا، اسی قصے میں حضرت خضر علیہ السلام کا ایک ایسا فقرہ صحیح بخاری کی حدیث میں مروی ہے، جس سے یہ عقدہ حل ہوجاتا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب طالبِ علمانہ حیثیت میں حضرت خضر علیہ السلام کی رفاقت کی درخواست کی تو اس کے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

''یَا مُوْسٰی! اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِیْهِ لَا تَعْلَمُهٗ أَنْتَ، وَأَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ مِّنَ اللهِ عَلَّمَکَ اللهُ، لَا أَعْلَمُهٗ۔'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۸۸)

ترجمہ:... ''اے موسیٰ! میں اللہ کی جانب سے (عطا کردہ) ایک ایسے علم پر ہوں، جس کو آپ نہیں جانتے، اور آپ اللہ کی جانب سے (عطا شدہ) ایک ایسے علم پر (حاوی) ہیں جس کو میں نہیں جانتا۔''

اور دُوسری روایت میں اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں:

''أَمَا یَکْفِیْکَ أَنَّ التَّوْرَاةَ بِیَدَیْکَ؟ وَأَنَّ الْوَحْیَ یَأْتِیْکَ؟ یَا مُوْسٰی! إِنَّ لِیْ عِلْمًا لَا یَنْبَغِیْ لَکَ أَنْ تَعْلَمَهٗ وَإِنَّ لَکَ عِلْمًا لَا یَنْبَغِیْ لِیْ أَنْ أَعْلَمَهٗ۔'' (ج:۲ ص:۶۸۹)

ترجمہ:... ''کیا آپ کو اتنا کافی نہیں کہ آپ کے ہاتھوں میں توراۃ موجود ہے، نیز آپ کے پاس وحی آتی ہے؟ اے موسیٰ! میرے پاس جو علم ہے اس کا سیکھنا آپ کے شایانِ شان نہیں، اور آپ کے پاس جو علم ہے اس پر حاوی ہونا میرے بس کی بات نہیں۔''

حضرت خضر علیہ السلام کے اس حکیمانہ فقرے میں جو کچھ سمجھایا گیا، اس کی تشریح کے لئے مندرجہ ذیل نکات ملحوظ رکھے جائیں:

۱:... حق تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کو دو قسم کے علم عطا کئے گئے ہیں، ایک کائنات کے اسرار و رموز، اشیاء کے اوصاف و خواص اور فوائد و نقصانات کا علم جسے ''علمِ کائنات'' یا ''تکوینی علم'' کہا جاتا ہے، تمام انسانی علوم اور ان کے سینکڑوں شعبے اسی ''علمِ کائنات'' کی شاخیں ہیں، مگر معلوماتِ خداوندی کے مقابلے میں انسان کا یہ کائناتی علم سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے کی اور پہاڑ کی مقابلے میں ایک ذرّہ کی نسبت بھی نہیں رکھتا۔ اور دُوسرا وہ علم جو خالقِ کائنات کی ذات و صفات، اس کی مرضیات و نامرضیات اور انسان کی سعادت و شقاوت کی نشاندہی کرتا ہے، اسے ''علم الشرائع'' یا ''تشریعی علوم'' سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

۲:... یہ دونوں علم حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے ہی بندوں کو عطا کئے جاتے ہیں، مگر دونوں کے ذرائع الگ الگ ہیں۔ قسمِ اوّل کے لئے احساس، عقل، تجربہ اور فہم و فراست عطا کئے گئے ہیں، اور جہاں انسانی عقل و خرد کی رسائی نہیں ہوسکتی، وہاں وحی اور اِلہام سے اس کی راہ نمائی کی جاتی ہے، چنانچہ انسان کی دُنیوی زندگی سے متعلقہ تمام علوم کے مبادیات وحی و اِلہام کے ذریعہ سکھائے گئے: ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَآءَ کُلَّهَا''۔ مزید براں انسان کی فطرت میں عقلی و تجرباتی علوم میں ترقی کی وافر استعداد رکھی گئی۔ اسی علم کا ایک

شعبہ حضرت خضر علیہ السلام کو وہبی طور پر عطا کیا گیا، اور خالقِ کائنات کی ذات وصفات کی معرفت اور اس کی مرضیات و نامرضیات کی پہچان چونکہ انسانی ادراک سے بالاتر تھی، بنابریں اس کا مدار محض عقل و تجربے پر نہیں رکھا گیا، بلکہ اس کی تعلیم کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کا ایک مستقل سلسلہ جاری کیا گیا، جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور انتہاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو معرفتِ ذات وصفات، مبداء ومعاد، سعادت وشقاوت، فضائل ورذائل، عذاب وثواب کی تفصیلات سے بذریعہ وحی مطلع کیا گیا۔ ان کے سامنے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا صاف ستھرا راستہ کھولا گیا، ان کو اس صراطِ مستقیم کی دعوت پر مأمور کیا گیا، اور ان حضرات کو اولادِ آدم کا مقتدا بناکر پوری انسانیت کی سعادت وشقاوت کو ان کے قدموں سے وابستہ کردیا گیا، یہی وہ علم تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔

۳:... انبیائے کرام (علیہم السلام) بھی چونکہ انسانی برادری کا ایک معزّز گروہ ہے اور انہیں بھی اس ناسوتی زندگی کی ضروریات بہرحال لاحق ہیں، اس لئے وہ انسان کی دُنیوی حاجات سے بے خبر نہیں، نہ کسبِ معاش کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں، نہ اس زندگی سے متعلقہ علوم کی نفی کرتے ہیں، بلکہ بشرطِ ضرورت خود بھی کسبِ معاش کرتے ہیں۔ البتہ زندگی کی حرکت وسکون اور کسبِ معاش کے ہر طور وطریق پر وہ اس نقطۂ نظر سے بحث کرتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا نہیں؟ اور یہ مسافرِ آخرت کے لئے زادِ راہ ہے یا اس کی منزل کو کھوٹا کرتا ہے؟ الغرض! وہ ہر شعبۂ زندگی کے متعلق ہر شخص کو ہدایات دیتے ہیں، جائز وناجائز بتاتے ہیں، اچھے اور بُرے کی نشاندہی کرتے ہیں، مگر خود کسی علم اور فن کو اپنا موضوع نہیں بناتے، بلکہ ”أنتم أعلم بأمور دُنیاکم“ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں، گویا دُنیا کے کسی علم وفن اور فلسفہ وسائنس کو موضوع بنانا ان کی اعلیٰ وارفع شان سے فروتر چیز ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت خضر علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ: ”اے موسیٰ! میرے پاس جو علم ہے اس کا سیکھنا آپ کے شایانِ شان نہیں۔“ یہی وجہ ہے کہ مادّیات کی جو ترقی ان کے اُمتیوں کے ہاتھوں ہوئی خود ان حضرات کے ہاتھ اس سے ملوّث نہیں ہوئے، اور غالباً یہی نکتہ ہے کہ جہاں تک دین کی ترقی کا تعلق تھا ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی محنت کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور جب اس پر فتوحات کا دروازہ کھلا تو ہاتھ جھاڑ کر دُنیا سے تشریف لے گئے، اور یہ کام اپنے خلفاء کے سپرد فرمایا۔

۴:... انبیائے کرام علیہم السلام پر جو علوم کھولے گئے ہیں، وہ صرف انہیں کے لئے نہیں ہیں بلکہ تمام انسانیت ان کی محتاج ہے، اس لئے کہ دُنیا کا کوئی بڑے سے بڑا دانشور، حکیم، سائنس دان اور فلاسفر ان علوم کو انبیاء علیہم السلام کی وساطت کے بغیر حاصل نہیں کرسکتا۔ عام انسانوں کا کمال یہی ہے کہ وہ ان علومِ نبوّت کا کچھ حصہ ان حضرات کے ذریعہ حاصل کرسکیں، نہ وہ تمام علومِ نبوّت کا احاطہ کرسکتے ہیں، اور نہ انبیاء علیہم السلام سے مستغنی ہوکر انہیں علومِ نبوّت کا کوئی شمہ نصیب ہوسکتا ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت خضر علیہ السلام کے ارشاد کا کہ: ”اور آپؑ کے پاس جو علم ہے اس پر حاوی ہوجانا میرے بس کی بات نہیں۔“ اگر پرائمری کا طالبِ علم ریاضی کے دقیق مسائل یا ایٹمی نظریہ کی تشریحات سمجھنے سے قاصر ہے تو اس میں قصور ان مسائل کا نہیں بلکہ طالبِ علم کی پست ذہنی کا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے دُنیا بھر کے عقلاء وحکماء اور افلاطون وجالینوس طفلِ مکتب ہیں، نہ وہ ان اساتذۂ فطرت (علیہم السلام) سے مستغنی ہوسکتے ہیں، نہ ان کے علوم پر حاوی ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

فلسفہ وسائنس کے ماہرین، علم ودانش اور عقل وفہم کے جس مرتبے پر فائز ہیں اس کی وجہ سے کائنات کی بوقلمونیوں سے بہ نسبت دُوسروں کے زیادہ واقف اور فطرت کی نیرنگیوں کے سب سے زیادہ شناسا ہیں، ان سے یہ توقع بے جا نہیں تھی کہ وہ قدرتِ خداوندی کے سامنے سب سے زیادہ سرنگوں ہوں گے، رسالت ونبوّت کی ضرورت واہمیت اور انبیائے کرام علیہم السلام کی قدر ومنزلت سب سے زیادہ انہی پر کھلے گی، وحیٔ الٰہی سے - جو انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوتی ہے - سب سے زیادہ استفادہ وہی کریں گے، انبیائے کرام علیہم السلام سے وفاداری وجاں نثاری اور اطاعت وفرمانبرداری کا مظاہرہ سب سے بڑھ کر انہی کی جانب سے ہوگا، لیکن بدقسمتی سے سائنس کی قیادت جن ہاتھوں میں آئی وہ معرفت کے دروازے پر پہنچ کر واپس لوٹ آئے، انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی اطاعت کو عار سمجھا اور تعلیماتِ نبوّت سے استغنا کا مظاہرہ کیا، یوں ارشادِ خداوندی: ''وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ'' (اور گمراہ کردیا اس کو اللہ تعالیٰ نے باوجود علم کے) ان پر صادق آیا۔ دورِ قدیم کے فلاسفہ، انبیائے کرام علیہم السلام کی عظمت کے قائل تھے، مگر ان کا کہنا تھا کہ یہ حضرات تو عوام کی اصلاح کے لئے تشریف لائے ہیں جبکہ ہم تہذیب وتربیت کے اس مرتبے پر فائز ہیں جہاں سے نبوّت سے استفادہ کی ضرورت نہیں رہ جاتی: ''ونحن قوم هذبنا أنفسنا''۔ اِدھر دورِ جدید کے فلاسفہ (سائنس دان) غرور وتکبر میں ان سے ترقی یافتہ ثابت ہوئے، انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے مشن کو بنظرِ حقارت دیکھا، انبیائے کرام علیہم السلام کے زُہد وقناعت اور دُنیا سے بے رغبتی، جس کی دعوت انبیائے کرام علیہم السلام کا خاص موضوع ہے، اس سے نفرت وبیزاری کا اظہار کیا، اور وہ مخصوص علوم، جو انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں نہ صرف شک وشبہ بلکہ ضد وعناد کا مظاہرہ کیا، نتیجتاً وہ نہ صرف نورِ ایمان سے محروم رہے بلکہ انسانیت کے اعلیٰ اخلاق واقدار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب ان کی محنت ''انسان'' اور ''انسانیت'' کے بجائے مٹی اور مٹی سے نکلنے والی چیزوں پر صَرف ہو رہی ہے، چیزیں بن رہی ہیں اور انسانیت بگڑ رہی ہے۔

سائنس اپنی تمام ترافادیت کے باوجود ان مغرور سائنس دانوں کو دہریت والحاد کے بھنور سے نہ نکال سکی، بلکہ اس کے برعکس وہ سائنس کو ملحد اور دہریہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ سائنس کے ان نیم پختہ ادھورے نظریات کی بنا پر (جن کو آج شد ومد سے ثابت کیا جاتا ہے، اور کل ان کے غلط ثابت کرنے پر دلائل دیئے جاتے ہیں) سائنس کے بہت سے مسلم طلبہ نے اسلام کے مقابلے میں دہریت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا شروع کردیا، یوں دہریت اور بددِینی سائنسی دور کا فیشن بن کر رہ گئی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلے میں سائنس دانوں کی اس متکبرانہ رَوِش کا سبب مادّیت کا غلط نشہ تھا، علمائے سائنس نے یہ فرض کرلیا کہ مادّیت کا یہ عروج، یہ برق اور بھاپ، یہ سیارے اور طیارے، یہ ایٹم اور قوّت انسانیت کا کمال بس انہی چیزوں کی خیرہ سامانی ہے، فضاؤں میں اُڑنا، دریاؤں میں تیرنا، چاند پر پہنچنا، سورج کے طول وعرض کو ناپنا اور زہرہ ومشتری کی خبریں لانا، بس یہی انسانیت کی آخری معراج ہے، اور یہ ترقی چونکہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں نہیں ہوئی اس لئے نہ صرف یہ کہ سائنسی دور، دورِ نبوّت سے افضل ہے، بلکہ یہ ترقی یافتہ لوگ خود تمام انسانوں سے بڑھ کر ہیں، اور اس کا پروپیگنڈا اس شدت سے کیا گیا کہ آج بہت سے مسلمان بھی موجودہ دور کو ''مہذب دور'' سے اور دورِ قدیم کو (جو انبیاء علیہم السلام کا دور تھا) ''تاریک دور'' سے تعبیر کرتے ہوئے نہیں شرماتے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

حالانکہ نبوّت سے کٹ کر جس ترقی پر آج کی دُنیا پھولی نہیں سماتی انبیائے کرام علیہم السلام کی نظر میں اس کی قیمت پرکاہ کے برابر بھی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّا سَقٰی کَافِرًا مِّنْهَا شربةً۔''

(مشکوٰۃ ص:۴۴۱ کتاب الرقاق)

ترجمہ:... ''اگر اللہ کے نزدیک پوری دُنیا کی قیمت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے پانی کا ایک گھونٹ تک نہ دیتے۔''

انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے آخرت کی لامحدود زندگی ہے، جہاں کی نعمت و لذّت اور راحت و آرام کا تصوّر بھی یہاں نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کی کوئی چاہت ایسی نہیں جو وہاں پوری نہ کی جائے، اور کسی قسم کا غم اور اندیشہ ایسا نہیں جس کے لاحق ہونے کا خطرہ وہاں درپیش ہو، زندگی ایسی کہ موت کا احتمال تک نہیں، صحت ایسی کہ مرض کا اندیشہ تک نہیں، جوانی ایسی کہ پیری کا تصوّر تک نہیں، راحت ایسی کہ کلفت کا نام و نشان تک نہیں، سلطنت اتنی بڑی کہ اس کے مقابلے میں یہ زمین و آسمان بیضۂ مور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے جس کی آنکھوں کے سامنے آخرت کی یہ بے حد و نہایت زندگی اپنی تمام تر جلوہ افروزی و نعمت سامانی کے ساتھ پھیلی ہوئی ہو وہ ہماری مکروہات و حوادث سے بھرپور زندگی کو کھیل تماشے سے تعبیر نہ کرے تو اس سے زیادہ صحیح تعبیر اور کیا ہوسکتی ہے...؟ قرآنِ کریم نے بار بار یہ کہہ کر خوابیدہ انسانیت کو خوابِ غفلت سے چونکایا ہے:

''وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ، لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔'' (العنکبوت:۶۴)

ترجمہ:... ''اور یہ دُنیوی زندگی (فی نفسہٖ) بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالمِ آخرت ہے، اگر ان کو علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے (کہ فانی میں منہمک ہوکر باقی کو بھلا دیتے اور اس کے لئے سامان نہ کرتے)۔'' (بیان القرآن)

چار پانچ سالہ بچہ اگر لکڑی کے چند ٹکڑے اِدھر اُدھر جمع کرکے اور انہیں کیف ما اتفق جوڑ کر ''چاند گاڑی'' بنالے تو یہ کھیل اس کی ذہانت کی دلیل ہے، اور اگر ابا میاں بھی صاحبزادے کی نقالی میں اس طرح کی ''گاڑیاں'' بنانے کو زندگی کا موضوع بنالیں تو یہ ذہانت کی نہیں، بلکہ دماغ چل نکلنے کی علامت ہے۔ آپ ننھے بچوں کو ریت اور مٹی کے گھروندے بناتے روزانہ دیکھتے ہیں، اور اگر آپ کسی دن کسی ''بڑے صاحب'' کو یہی شغل فرماتے دیکھ لیں تو ان صاحب کے بارے میں آپ کی رائے کچھ اور ہوگی۔ کپڑوں کی کترنیں جمع کرکے گڑیاں بنانا ننھی بچیوں کا پسندیدہ مشغلہ ہے، اور ان کی حوصلہ افزائی کے لئے کبھی ان کی امی جان بھی ان کی راہ نمائی فرماتی ہیں، لیکن اگر بیگم صاحبہ تمام کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر گڑیوں کے کھیل ہی کو زندگی کا مشن بنالیں تو علاج کی ضرورت ہے۔

ٹھیک اسی طرح دُنیا کی پوری زندگی اپنی دِل فریبیوں اور فتنہ سامانیوں کے باوجود انبیائے کرام علیہم السلام کی نظر میں ایک کھیل ہے، اور جن لوگوں نے اسی کھیل کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنالیا ہے، جن کی ساری محنت اسی پر صَرف ہو رہی ہے، اور جو اسی کے

لئے چلتے پھرتے اور جیتے مرتے ہیں، وہ اگرچہ بزعم خویش بہت بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں، نئی نئی ایجادیں کررہے ہیں، یا بڑی بڑی جمہوریتیں چلارہے ہیں، مگر انبیائے کرام علیہم السلام کے نزدیک ان کی انسانیت قابلِ علاج ہے۔

فرمایا گیا ہے:

”قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔“ (الکہف:۱۰۳، ۱۰۴)

ترجمہ:... ”آپ (ان سے) کہئے کہ کیا تم کو ایسے لوگ بتائیں جن کے کارنامے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں؟ (لوسنو!) یہ وہ لوگ ہیں جن کی دُنیا میں کی کرائی ساری محنت (یہیں) ضائع ہوکر رہ گئی، اور وہ (بربنائے جہل) اسی خیال میں ہیں کہ وہ (بڑا) اچھا کام کررہے ہیں۔“

الغرض! انبیائے کرام علیہم السلام کے دور میں خود ان کے ہاتھوں مادّی ترقی کے نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کا دور آج کے دور کی بہ نسبت – معاذ اللہ – تاریک اور غیر مہذب تھا اور انسانیت نے ارتقا کی ابتدائی منزلیں ابھی طے نہیں کی تھیں، بلکہ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کے بلند ترین منصب اور عظیم تر مشن کے مقابلے میں مادّیت کا یہ سارا کھیل بازیچۂ اطفال کی حیثیت رکھتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام ”ایٹم“ کی دریافت کے لئے نہیں آتے، بلکہ وہ اس ذاتِ عالی سے انسانیت کو آشنا کرتے ہیں جن کے ادنیٰ اشارہ ”کُـــنْ“ میں ہزاروں ”ایٹم“ پوشیدہ ہیں، ان کی نگہِ بلند صرف کائنات کے باہمی ربط میں کھوکر نہیں رہ جاتی، بلکہ وہ اس پر غور کرتے ہیں کہ کائنات کا، خالق کی قدرت سے کیا ربط ہے؟ ان کا موضوع چیزوں کی محنت نہیں ہوتا، بلکہ انسان سازی کی محنت ہوتا ہے، ان کے نزدیک ان چیتھڑوں کی کوئی اہمیت نہیں جن کو دُنیا کے نابالغوں نے بڑی خوبصورتی سے الماریوں میں سجا رکھا ہے، ان مٹی کے گھروندوں کی کوئی قیمت نہیں جن کو یہ نادان بچے نقش و نگار سے آراستہ کرتے ہیں، اور دُنیا کی ظاہری زرق برق میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں جس پر یہ طفلانِ بےشعور ریجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک فناپذیر تودۂ خاک کے سوا کچھ نہیں، اسی حقیقت کا اظہار بھی وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”مَا لِىْ وَلِلدُّنْيَا؟ وَمَا أَنَا وَالدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ إِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۴۲، کتاب الرقاق)

ترجمہ:... ”مجھے دُنیا سے کیا واسطہ؟ اور میری اور دُنیا کی مثال تو ایسی ہے کہ ایک راہ رو کسی درخت کے سائے میں اُترا، تھوڑی دیر سستایا، پھر اسے چھوڑ کر چل پڑا (اور پھر اسے دوبارہ وہاں لوٹ کر آنے کی نوبت کبھی نہیں آئی)۔“

اور کبھی لوگوں کو اس حقیقتِ کبریٰ سے یوں آگاہ کرتے ہیں:

”كُنْ فِى الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ فِىْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ۔“

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۴۹ کتاب الرقاق)

ترجمہ:...'' دُنیا میں ایسے رہو گویا تم یہاں چند روزہ مسافر ہو یا راہ نورد۔ اور یوں سمجھو کہ تم اہلِ قبور کی صف میں شامل ہو (آج نہیں تو کل تمہارا نام بھی پکارا جائے گا)۔''

مابعد الطبعیات سے اندھی بہری سائنس، جس کے نزدیک کسی چیز کو تسلیم کرنے کے لئے اس کو مشاہدے کے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھنا شرط ہے، چونکہ اس حقیقت کو سمجھنے سے عاجز ہے اس لئے وہ ''ایمان بالغیب'' کے تمام سرمایۂ نبوّت کو ایک خندۂ استہزاء کی نذر کردیتی ہے، اور یہاں سے اس کی ملحدانہ شفقت کا آغاز ہوتا ہے۔

الغرض سائنس دانوں کی تمام تر محرومی کا باعث ''نبوّت'' سے انحراف ہے، اور اس انحراف کا باعث جہل و غرور۔ اگر ان پر کائنات کی اندرونی حقیقت کھل جاتی تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ کائنات صرف یہی نہیں جس کا تعلق موت سے قبل کے مشاہدے سے ہے، بلکہ یہ تو اصل کائنات کا ایک حقیر ذرّہ ہے، اور اس ایک ذرّہ کی حقیقت کا بھی ایک ذرّہ آج تک ان پر منکشف نہیں ہوا، اگر اصل کائنات اور پھر کائنات سے آگے خالقِ کائنات کا راز ان پر کھل جائے تو انہیں معلوم ہوجائے کہ کھربوں ڈالر خرچ کرکے چاند سے چار سیر مٹی لے آنا ترقی کی علامت نہیں، بلکہ سفاہت و کم عقلی کا نشان ہے۔ دامنِ نبوّت سے کٹ کر سائنس کی اس ''سفیہانہ محنت'' نے انسانیت کو بے قراری و بے چینی اور کرب و اضطراب کا ''تحفہ'' عطا کیا، اور اس بے چینی کی وقتی تسکین کے لئے مختلف قسم کی مصنوعی تفریحات اور منشیات کا نسخہ تجویز کیا۔ آج کا مفلوج انسان جن اخلاقی، رُوحانی، نفسیاتی اور جسمانی امراض کا تختۂ مشق بن کر رہ گیا ہے، اہلِ عقل کو تجزیہ کرنا چاہئے کہ ان میں ''سائنسی ترقی'' کا حصہ کتنا ہے...؟ راقم الحروف کا ایمان ہے کہ جب تک سائنس کی تگ و دو نبوّت کے تابع نہیں ہوجاتی، جب تک سائنس کا رُخ دُنیا سے آخرت کی طرف نہیں مڑ جاتا اور جب تک سائنس دان انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے اپنے علمی عجز کا اعتراف نہیں کرتے، تب تک سائنس بدستور ملحد رہے گی اور اس کا سارا ترقیاتی کارنامہ انسانیت کی ہلاکت اور بربادی کے کام آئے گا۔ رہا یہ سوال کہ کیا سائنس کو نبوّت کے دامن سے وابستہ کرنا ممکن ہے؟ اس کا جواب مسلم سائنس دانوں کی جرأت و ہمت اور فہم و فراست کا منتظر ہے۔

سائنس کے جدید نظریات نے کٹر سے کٹر دہریت نواز سائنس دانوں کو بھی ''وجودِ خدا'' کے اعتراف پر مجبور کردیا ہے (اگرچہ وہ اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ کھل کر اس کا اعلان کریں)، مگر یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ صرف ''وجودِ خدا'' کا مبہم تصوّر دہریت کے مارگزیدوں کا تریاق نہیں ہے، نہ محض اس تصوّر سے ایک آدمی ''خداپرست'' کہلانے کا مستحق قرار پاتا ہے، بلکہ اسے یقین و ایمان کی روشنی میں اس سے آگے کے مراحل طے کرنا ہوں گے، یعنی خدا کی صفات کیا ہیں؟ اس عالم کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اس نے انسان کی اچھائی اور بُرائی کے کیا معیار تجویز کئے ہیں؟

القرآن ریسرچ سینٹر تنظیم اور اس کے بانی محمد شیخ کا شرعی حکم

سوال:... مولانا صاحب! آج کل ایک نیا فتنہ قرآن سینٹر کے نام سے بہت زوروں پر ہے، اس کا بانی محمد شیخ انگلش میں بیان کرتا ہے اور ضروریاتِ دِین کا انکار کرتا ہے۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں آپ کی کوئی مفصل تحریر

شائع ہوگی، مگر آپ کے مسائل میں ایک خاتون کے سوال نامے کے جواب میں آپ کا مختصر سا جواب پڑھا، اگرچہ وہ تحریر کسی حد تک شافی تھی مگر اس سلسلے کی تفصیلی تحریر کی اب بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ نے ایسی کوئی تحریر لکھی ہو یا کہیں شائع ہوئی ہو تو اس کی نشاندہی فرمادیں، یا پھر اَزراہِ کرم اُمتِ مسلمہ کی اس سلسلے میں راہ نمائی فرمادیں۔

جواب:... آپ کی بات دُرست ہے، ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں میرا نہایت مختصر سا جواب شائع ہوا تھا، اور احباب کا اصرار تھا کہ اس سلسلے میں کوئی مفصل تحریر آنی چاہئے، چنانچہ میری ایک مفصل تحریر ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے ''بصائر و عبر'' میں شائع ہوئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے افادۂ عام کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے، جو حسبِ ذیل ہے۔

مسلمانانِ ہندوستان کی دِلی خواہش اور چاہت تھی کہ ایک ایسی آزاد ریاست اور ملک میسر آجائے جہاں مسلمان آزادی سے قرآن وسنت کا آئین نافذ کرسکیں اور انہیں دِین اور دِینی شعائر کے سلسلے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو، چونکہ مسلمانوں کا جذبہ نیک تھا، اس لئے اس میں جوان، بوڑھے، عوام وخواص اور عالم وجاہل سب برابر کے متحرک وفعال تھے۔ بالآخر لاکھوں جانوں اور عزتوں کی قربانی کے بعد ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ قیامِ پاکستان کا مقصد اسلامی نظامِ حکومت یعنی حکومتِ اِلٰہیہ کا قیام باور کرایا گیا تھا، جس کا عنوان تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!'' اور یہ ایسا نعرہ تھا جس کے زیرِ اثر تمام مسلمان مرمٹنے کے لئے تیار تھے، حتیٰ کہ وہ مسلمان جن کے علاقے تقسیمِ ہند کے بعد ہندوستان کی حدود میں آتے تھے وہ بھی اس کے قیام میں پیش پیش تھے، لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی!'' کے مصداق، آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بھی پاکستانی مسلمانوں کو اسلامی نظامِ حکومت نصیب نہیں ہوا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون!

اُلٹا پاکستان روز بروز مسائلستان بنتا چلا گیا، اس میں مذہبی، سیاسی، رُوحانی غرض ہر طرح کے فتنے پیدا ہوتے چلے گئے، ایک طرف اگر انگلینڈ میں مرتد رُشدی کا فتنہ رُونما ہوا، تو دُوسری طرف پاکستان میں یوسف کذّاب نام کا ایک بدباطن دعویٔ نبوّت لے کر میدان میں آگیا، اسی طرح بلوچستان میں ایک ذکری مذہب اِیجاد ہوا، جس نے وہاں کعبہ اور حج جاری کیا، یہاں رافضیت اور خارجیت نے بھی پَر پُرزے نکالے، یہاں شرک وبدعات والے بھی ہیں اور طبلہ وسارنگی والے بھی، اس ملک میں ایک گوہر شاہی نام کا ملعون بھی ہے جن کے مریدوں کو چاند میں اس کی تصویر نظر آتی ہے، اور خود اس کو اپنے پیشاب میں اپنے مصلح کی شبیہ دِکھائی دیتی ہے، اس میں ایک بدبخت عاصمہ جہانگیر بھی ہے جو تحفظِ حقوقِ انسانیت کی آڑ میں کتنی لڑکیوں کی چادرِ عفت کو تار تار کرچکی ہے۔

اسی طرح اس ملک میں ''جماعت المسلمین'' نامی ایک جماعت بھی ہے جو پوری اُمت کی تجہیل وتحمیق کرتی ہے، یہاں ڈاکٹر مسعود کی اولاد بھی ہے جو اپنے علاوہ کسی کو مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں، یہاں غلام احمد پرویز کی ذُرّیت بھی ہے جو اُمت کو ذخیرۂ احادیث سے بدظن کرکے اپنے پیچھے لگانا چاہتی ہے، اور ان سب سے آگے اور بہت آگے ایک نیا فتنہ اور نئی جماعت ہے جس کے تانے بانے اگرچہ غلام احمد پرویز سے ملتے ہیں، مگر وہ کئی اعتبار سے غلام احمد پرویز کو پیچھے چھوڑ گئی ہے، غلام احمد پرویز نے اُمت کو احادیث سے برگشتہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی، ہاں! البتہ اس نے چند آیاتِ قرآنی پر بھی اپنی تأویلاتِ باطلہ کا تیشہ چلایا تھا، مگر اس نئی جماعت اور نئے فتنے کے سربراہ محمد شیخ نامی شخص نے تقریباً پورے اسلامی عقائد کی عمارت کو منہدم کرنے کا تہیہ کرلیا ہے، چنانچہ وہ توراۃ، زبور،

اِنجیل اور دُوسرے صحفِ آسمانی کے وجود اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُوسرے انبیاء پر فضیلت و برتری اور انبیائے کرام کے مادّی وجود کا منکر ہے، بلکہ وہ بھی اصل میں تو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مدعیٔ نبوّت ہے، مگر وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ناکام حکمتِ عملی کو دُہرانا نہیں چاہتا، کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح براہِ راست نبوّت اور عقیدۂ اِجرائے وحی کا دعویٰ کرکے قرآن و سنت اور علمائے اُمت کے شکنجے میں نہیں آنا چاہتا، یہ تو وہ بھی جانتا ہے کہ وحیٔ نبوّت بند ہوچکی ہے، اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے لئے اِجرائے وحیٔ نبوّت کا دعویٰ کرے وہ دجال و کذاب اور واجب القتل ہے۔ اس لئے محمد شیخ نامی اس شخص نے اس کا عنوان بدل کر یہ کہا کہ: ''جو شخص جس وقت قرآن پڑھتا ہے، اس پر اس وقت قرآن کا وہ حصہ نازل ہو رہا ہوتا ہے، اور جہاں قرآن مجید میں ''قل'' کہا گیا ہے، وہ اس انسان ہی کے لئے کہا جارہا ہے۔'' یوں وہ ہر شخص کو نزولِ وحی کا مصداق بتاکر اپنے لئے نزولِ وحی اور اِجرائے نبوّت کے معاملے کو لوگوں کی نظروں میں ہلکا کرنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ وہ اس کو یوں بھی تعبیر کرتا ہے:

> ''انبیاء، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں اور میں بھی یہی کام انجام دے رہا ہوں۔''

نعوذ باللہ! منصبِ نبوّت کو اس قدر خفیف اور ہلکا کرکے پیش کرنا اور یہ جرأت کرنا کہ میں بھی وہی کام کر رہا ہوں جو ...نعوذ باللہ... انبیائے کرام کیا کرتے ہیں، کیا یہ دعویٔ نبوّت اور منصبِ نبوّت پر فائز ہونے کی ناپاک کوشش نہیں...؟

لوگوں کی نفسیات بھی عجیب ہیں، اگر وہ ماننے پر آئیں تو ایک ایسا شخص جو کسی اعتبار سے قابلِ اعتماد نہیں، جس کی شکل و شباہت مسلمانوں جیسی نہیں، جس کا رہن سہن کسی طرح اسلاف سے میل نہیں کھاتا، اِبلیسِ مغرب کی نقالی اس کا شعار ہے، اُسوۂ نبوی سے اسے ذرّہ بھر مناسبت نہیں، اس کی چال ڈھال، رفتار و گفتار اور لباس و پوشاک سے کوئی اندازہ نہیں لگاسکتا کہ یہ شخص مسلمان بھی ہے کہ نہیں؟ پھر طرہ یہ کہ وہ نصوصِ صریحہ کا منکر ہے، اور تأویلاتِ فاسدہ کے ذریعے اسلام کو کفر، اور کفر کو اسلام باور کرانے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے کان کاٹتا ہے، فلسفۂ اِجرائے نبوّت کا نہ صرف وہ قائل ہے، بلکہ اس کا داعی اور منادی ہے۔

وہ تمام آسمانی کتابوں کا یکسر منکر ہے، وہ انبیاء کے مادّی وجود کا قائل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی وجود کی بھول بھلیوں کے گورکھ دھندوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت اور مادّی وجود کا انکاری ہے، انبیائے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دیتا ہے۔

ذخیرۂ احادیث کو من گھڑت کہانیاں کہہ کر ناقابلِ اعتماد گردانتا ہے، غرضیکہ عقائدِ اسلام کے ایک ایک جز کا انکار کرکے ایک نیا دِین و مذہب پیش کرتا ہے، اور لوگ ہیں کہ اس کی عقیدت و اطاعت کا دَم بھرتے پھرتے ہیں، اور اس کو اپنا پیشوا اور راہنما مانتے ہیں۔

اس کے برعکس دُوسری جانب اللہ کا قرآن ہے، نصوصِ صریحہ اور اَحادیثِ نبویہ کا ذخیرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت و کردار کی شاہراہ ہے، اور اِجماعِ اُمت ہے، جو پکار پکار کر انسانوں کی ہدایت و راہنمائی کے خطوط متعین کرتے ہیں، مگر ان اَزلی محروموں کے لئے یہ سب کچھ ناقابلِ اعتماد ہے۔

کس قدر لائقِ شرم ہے کہ یہ حرماں نصیب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری کی بجائے اپنے گلے میں اس ملحد و بے دِین کی غلامی کا پٹہ سجانے اور اس کی اُمت کہلانے میں "فخر" محسوس کرتے ہیں۔ حیف ہے اس عقل و دانش اور دِین و مذہب پر! جس کی بنیاد اِلحاد و زَندقہ پر ہو، جس میں قرآن وسنت کی بجائے ایک جاہلِ مطلق کے کفریہ نظریات وعقائد کو درجۂ اِستناد حاصل ہو، سچ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں تو عقل وخرد چھین لیتے ہیں، جھوٹ سچ کی تمیز ختم ہوجاتی ہے اور ہدایت کی توفیق سلب ہوجاتی ہے...!

گزشتہ ایک عرصے سے اس قسم کی شکایات سننے میں آرہی تھیں کہ سیدھے سادے مسلمان اس فتنے کا شکار ہورہے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں کچھ لکھنے کا خیال ہوا تو ایک صاحب راقم الحروف اور دارالعلوم کراچی کے فتاویٰ کی کاپی لائے اور فرمائش کی کہ اس فتنے کے خلاف آواز اُٹھائی جائے، اس لئے کہ حکومت اور انتظامیہ اس فتنے کی روک تھام کے لئے نہایت بے حس اور غیرسنجیدہ ہے، جبکہ یہ فتنے روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ کس قدر لائقِ افسوس ہے کہ اگر کوئی شخص بانیٔ پاکستان یا موجودہ وزیرِاعظم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوجائے تو حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آجاتی ہے، لیکن یہاں قرآن وسنت، دِینِ متین اور حضراتِ انبیاء اوران کی نبوّت کا انکار کیا جاتا ہے، ان کی شان میں نازیبا کلمات کہے جاتے ہیں، مگر حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی، اور انتظامیہ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان ہر دو تحریروں کو یکجا شائع کردیا جائے، تاکہ مسلمانوں کا دِین وایمان محفوظ ہوجائے، اور لوگ اس فتنے کی سنگینی سے واقف ہوکر اس سے بچ سکیں۔

راقم الحروف کا مختصر جواب اگرچہ روزنامہ جنگ کے کالم "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں شائع ہوچکا ہے، مگر دارالعلوم کراچی کا فتویٰ شائع نہیں ہوا، چنانچہ سب سے پہلے ایک ایسی خاتون کا مرتب کردہ سوال نامہ ہے جو براہِ راست اس فتنے سے متأثر رہی ہے، اس کے بعد راقم الحروف کا جواب ہے، اور آخر میں دارالعلوم کراچی کا جواب ہے، اور سب سے آخر میں اختتامیہ کلمات ہیں، چونکہ دارالعلوم کراچی کے فتویٰ میں قرآنی آیات اور دُوسری نصوص کے ترجمے نہیں تھے، اس لئے افادۂ عام کی خاطر قرآنی آیات اور عربی عبارتوں کے ترجمے کردیئے گئے ہیں، قرآنی آیات کا ترجمہ حضرت تھانویؒ کے ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے۔

سوال نامہ

سوال:... محترم مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

احوال حال کچھ اس طرح ہے کہ بحیثیت مسلمان میں اپنا دِینی فریضہ سمجھتے ہوئے دِین کو ضرب پہنچانے اور اس کے عقائد کی عمارت کو مسمار کرنے کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، اس کے متعلق غلط فہمیوں کو دُور کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنا چاہتی ہوں۔

محترم! یہاں پر چند تنظیموں کی جانب سے نام نہاد پمفلٹ آڈیو/ ویڈیو کیسٹس کے ذریعے ایسا لٹریچر فراہم کیا جارہا ہے جس سے بڑا طبقہ شکوک وشبہات اور بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہورہا ہے۔ پاکستان، جسے اسلامی فلسفہ وفکر کے ذریعے حاصل کیا گیا، اس کے شہر کراچی میں ایک تنظیم "القرآن ریسرچ سینٹر" کے نام سے عرصہ چھ سات سال سے قائم ہے، اس تنظیم کے بنیادی عقائد مندرجہ ذیل ہیں:

۱:...دُنیا کے وجود میں آنے سے پہلے انسانیت کی بھلائی کے لئے قرآن پاک معجزانہ طور پر اِکٹھا دُنیا میں موجود تھا، مختلف انبیاء پر، مختلف ادوار میں، مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئیں، بلکہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی توریت، کبھی اِنجیل اور کبھی زَبور کے نام سے۔

قرآن جو جہاں اور جس وقت پڑھ رہا ہے، اس پر اسی وقت نازل ہو رہا ہے، اور جہاں ''قل'' کہا گیا ہے، وہ اس انسان کے لئے کہا جارہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔

۲:...انبیاء کا کوئی مادّی وجود نہیں رہا، اس دُنیا میں وہ نہیں بھیجے گئے، بلکہ وہ صرف انسانی ہدایت کے لئے Symbols کے طور پر استعمال کئے گئے اور موجودہ دُنیا سے ان کا کوئی مادّی تعلق نہیں۔ قرآن شریف کے اندر وہ انسانی رہنمائی کے لئے صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں۔

۳:...قرآن شریف میں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانۂ حال یعنی Present میں پکارا گیا ہے، لہٰذا حضور بحیثیتِ رُوح ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہیں، اور وہ مادّی وجود سے مبرا ہیں اور نہ تھے۔

۴:...حضور کی دیگر انبیاء پر کوئی فضیلت نہیں، وہ دیگر انبیاء کے برابر ہیں، بلکہ حضرت موسیٰ بعض معنوں اور حیثیتوں میں یعنی قرآن پاک نے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کا کثرت سے ذکر کیا، جس کی وجہ سے ان کی فضیلت حضور پر زیادہ ہے، حضور کے متعلق جتنی بھی احادیث تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں، وہ انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔

ان تمام عقائد کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ قرآن وسنت کے مطابق یہ فتویٰ دیں کہ:

۱:...یہ عقائد اسلام کی رُو سے دُرست ہیں یا نہیں؟

۲:...اس کو اَپنانے والا مسلمان رہے گا؟

۳:...ایسی تنظیموں کو کس طرح روکا جائے؟

۴:...ایسے شخص کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے، جس کے عقائد قرآن وسنت کے مطابق ہیں، جو تمام انبیاء، تمام کتابوں، آخرت کے دن اور احادیث پر مکمل یقین اور ایمان رکھتی ہو؟

۵:...آخر میں مسلمانیت کے ناطے اپیل ہے کہ ایسے اشخاص سے بھرپور مناظرہ کیا جائے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سے کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا، کیونکہ ہم سچے مسلمان ہیں۔

ایک خاتون۔ کراچی

راقم الحروف کا جواب

جواب:...السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میری بہن! یہ فتنوں کا زمانہ ہے اور جس شخص کے ذہن میں جو بات آجاتی ہے، وہ اس کو بیان کرنا شروع کردیتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سلف بیزاری اور اِنکارِ حدیث کا نتیجہ ہے، اور جو لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ پورے دِین کا انکار کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں، میں اپنے رسالہ ''انکارِ حدیث کیوں؟'' میں لکھ چکا ہوں کہ:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کے ساتھ بے اعتنائی برتنے والوں اور آپ کے اقوالِ شریفہ کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ ان کے قلوب پر خدائی مہر لگ چکی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان ویقین اور رُشد و ہدایت کی اِستعداد گم کرچکے ہیں، اور ان لوگوں کی ساری تگ ودو خواہشِ نفس کی پیروی تک محدود ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ، حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔'' (محمد:۱۶)

ترجمہ:... ''اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کر باہر جاتے ہیں تو دُوسرے اہلِ علم سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تحقیر کے طور پر) کہتے ہیں کہ: حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر مہر کردی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

قرآنِ کریم نے صاف صاف یہ اعلان بھی کردیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو صرف اسی مقصد کے لئے بھیجا جاتا ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انکار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے سرتابی کرنا گویا انکارِ رسالت کے ہم معنی ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے منکرین، انکارِ رسالت کے مرتکب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو جب قرآن ہی وحیٔ خداوندی بتلاتا ہے (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) (النجم:۳،۴)، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ طیبات کو جب قرآن ہی ''گفتۂ او گفتۂ اللہ بود'' کا مرتبہ دیتا ہے، تو بتلایا جائے کہ حدیثِ نبوی کے حجتِ دِینیہ ہونے میں کیا کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے...؟ اور کیا حدیثِ نبوی کا انکار کرنے سے، خود قرآن ہی کا انکار لازم نہیں آئے گا؟ اور کیا فیصلۂ نبوّت میں تبدیلی کے معنی خود قرآن کو بدل ڈالنا نہیں ہوں گے؟ اور اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ قرآنِ کریم بھی تو اُمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبانِ مبارک سے سنا، اور سن کر اس پر ایمان لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: ''یہ قرآن ہے'' یہ ارشاد بھی تو حدیثِ نبوی ہے۔ اگر حدیثِ نبوی حجت نہیں تو قرآنِ کریم کا ''قرآن'' ہونا کس طرح ثابت ہوگا؟ آخر یہ کون سی عقل و دانش کی بات ہے کہ اس مقدس و معصوم زبان سے صادر ہونے والی ایک بات تو واجب التسلیم ہو اور دُوسری نہ ہو...؟

اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

''یہ تو میرے میاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور یہ میرا کلام ہے'' ورنہ ہم نے تو دونوں کو ایک ہی زبان سے صادر ہوتے ہوئے سنا تھا۔''

جولوگ یہ کہتے ہیں کہ: ''قرآن تو حجت ہے، مگر حدیث حجت نہیں ہے۔'' ان ظالموں کو کون بتلائے کہ جس طرح ایمان کے معاملے میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی کہ ایک کو مانا جائے اور دُوسرے کو نہ مانا جائے۔ ٹھیک اسی طرح کلام اللہ اور کلامِ رسول کے درمیان بھی اس تفریق کی گنجائش نہیں کہ ایک کو واجب الاطاعت مانا جائے اور دُوسرے کو نہ مانا جائے، ایک کو تسلیم کرلیجئے تو دُوسرے کو بہرصورت تسلیم کرنا ہوگا۔ اور ان میں سے ایک کا انکار کردینے سے دُوسرے کا انکار آپ سے آپ ہوجائے گا۔ خدائی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اس کے کلام کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کیا جائے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ٹھکرادیا جائے، وہ ایسے ظالموں کے خلاف صاف اعلان کرتا ہے:

''.... فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللهِ یَجْحَدُوْنَ۔'' (الانعام:۳۳)

ترجمہ:... ''پس اے نبی! یہ لوگ آپ کے کلام کو نہیں ٹھکراتے، بلکہ یہ ظالم، اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں۔''

لہٰذا جولوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے اور کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں لامحالہ رسول اور کلامِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی ایمان لانا ہوگا، ورنہ ان کا دعویٔ ایمان حرفِ باطل ہے۔''

جس تنظیم کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، ان عقائد کے رکھنے والے مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے دِین کی پوری عمارت کو مسمار کردینے کا عزم کرلیا ہے، نیز انہوں نے تمام شعائرِ اسلام اور قرآن وحدیث اور انبیاء اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا انکار کیا ہے، اور جولوگ اسلامی معتقدات کا انکار کریں، ان میں تأویلاتِ باطلہ کریں، اور اپنے کفر کو اسلام باور کرائیں، وہ ملحد و زِندیق ہیں،[1] اور زِندیق، کافر و مرتد سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ وہ بکرے کے نام پر خنزیر کا گوشت فروخت کرتا ہے، اور اُمتِ مسلمہ کو دھوکا دے کر ان کے ایمان واسلام کو غارت کرتا ہے، اسی بنا پر اگر زِندیق گرفتار ہونے کے بعد توبہ بھی کرلے تو اس کی توبہ کا اعتبار نہیں،[2] اس لئے حکومتِ پاکستان کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اس اِلحاد و زَندقہ سے روکے، اگر رُک جائیں تو فبہا، ورنہ ان پر اسلامی آئین کے مطابق اِرتداد و زَندقہ کی سزا جاری کرے۔

اہلِ ایمان کا ان سے رشتہ ناطہ بھی جائز نہیں، اگر ان میں سے کسی کے نکاح میں کوئی مسلمان عورت ہو تو اس کا نکاح بھی فسخ ہوجاتا ہے۔[3]

جہاں تک مناظرے کا تعلق ہے، ان حضرات سے مناظرہ بھی کرکے دیکھا، مگر ان کے دِل میں جو بات بیٹھ گئی ہے، اس کو قبر کی مٹی اور جہنم کی آگ ہی دُور کرسکتی ہے، واللہ اعلم!

---

(۱) قد ظهر ان الكافر اسم لمن لَا ايمان له ..... وان كان مع اعترافه بنبوة النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم واظهاره شعائر الْإسلام ببطن عقائد هي كفر بالْإتفاق خص باسم الزنديق۔ (شرح مقاصد ج:۲ ص:۲۶۸)۔

(۲) ان الزنديق لو تاب قبل اخذه، اى: قبل أن يرفع الى الحاكم تقبل توبته عندنا وبعده لَا اتفاقًا۔ (فتاوىٰ شامى ج:۴ ص:۲۳۶، مطلب مهم فى حكم ساب الأنبياء)۔

(۳) ما يكون كفرًا اتفاقًا يبطل العمل والنكاح ....الخ۔ (فتاوىٰ شامى ج:۴ ص:۲۴۶، عالمگيرى ج:۲ ص:۲۸۳)۔

دارالعلوم کراچی کا جواب

الجواب حامدًا و مصلیًا

۱:... ۲:... سوال میں ذکر کردہ اکثر عقائد قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت کی تصریحات اور موقف کے بالکل خلاف ہیں، اس لئے اگر کسی شخص کے واقعتاً یہی عقائد ہیں تو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اور اس کے ماننے والے بھی کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

مذکورہ نظریات وعقائد کا قرآن وسنت کی رُو سے باطل ہونا ذیل میں ترتیب وار تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں:

۱:... یہ (کہنا کہ قرآن پاک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا، کبھی تورات، کبھی اِنجیل اور کبھی زَبور، اور مختلف ادوار میں مختلف کتابیں نازل نہیں ہوئی) کفریہ عقیدہ ہے، کیونکہ پوری اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحفِ آسمانی کے علاوہ آسمانی کتابیں چار ہیں، اور قرآنِ کریم میں اس کی تصریح ہے کہ قرآن کے علاوہ تین آسمانی کتابیں اور ہیں، جن میں سے توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، اِنجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور زَبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی، لہٰذا قرآن کے علاوہ مذکورہ تین کتب کے مستقل وجود کا انکار کرنا درحقیقت قرآنِ کریم کی ان آیات کا انکار کرنا ہے جن میں ان کتابوں کے مستقل وجود کا ذکر ہے، درج ذیل آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

”وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔“ (آل عمران:۳،۴)

ترجمہ:... ”اور (اسی طرح) بھیجا تھا توراۃ اور اِنجیل کو اس کے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے۔“

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ۔“ (آل عمران:۶۵)

ترجمہ:... ”حالانکہ نہیں نازل کی گئی توراۃ اور اِنجیل مگر ان کے (زمانے کے بہت) بعد۔“

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ۔“ (المائدۃ:۴۶)

ترجمہ:... ”اور ہم نے ان کو اِنجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا۔“

”وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ۔“ (المائدۃ:۴۷)

ترجمہ:... ”اور اِنجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے، اس کے موافق حکم کیا کریں۔“

”وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔“ (المائدۃ:۱۱۰)

ترجمہ:... ”اور جبکہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توارۃ اور اِنجیل تعلیم کیں۔“

”اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ

"وَالْاِنْجِیْلِ۔" (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ:... "جو لوگ ایسے رسول نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توراۃ اور اِنجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔"

"وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔" (الانبیاء:۱۰۵)

ترجمہ:... "اور ہم (سب آسمانی) کتابوں میں لوحِ محفوظ (میں لکھنے) کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین (جنت) کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔"

"وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔" (الاسراء:۵۵)

ترجمہ:... "اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور ہم داؤد (علیہ السلام) کو زبور دے چکے ہیں۔"

"فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَا اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔" (آل عمران:۹۳)

ترجمہ:... "پھر توراۃ لاؤ، پھر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔"

"وَکَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِیْهَا حُکْمُ اللهِ۔" (المائدۃ:۴۳)

ترجمہ:... "اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توراۃ ہے، جس میں اللہ کا حکم ہے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

"اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ۔" (المائدۃ:۴۴)

ترجمہ:... "ہم نے توراۃ نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا۔"

"وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰةِ۔" (المائدۃ:۴۶)

ترجمہ:... "اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توراۃ کی تصدیق فرماتے تھے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

"اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ۔" (الصّف:۶)

ترجمہ:... "میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توراۃ (آچکی) ہے، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

"وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِیْدًا۔" (النساء:۱۳۶)

ترجمہ:... "اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، اور اس کے فرشتوں کا، اور اس کی کتابوں کا، اور اس کے رسولوں کا، اور روزِ قیامت کا، تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

"کُلٌّ اٰمَنَ بِاللهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔" (البقرۃ:۲۸۵)

ترجمہ:...''سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ، اور اس کے فرشتوں کے ساتھ، اور اس کی کتابوں کے ساتھ، اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ۔''

اور یہ کہنا کہ: ''قرآن جو جس وقت پڑھ رہا ہے، اس پر اسی وقت نازل ہو رہا ہے، اور ''قل'' اسی کے لئے کہا جارہا ہے جو پڑھ رہا ہے۔'' یہ بھی تعبیر کے لحاظ سے غلط ہے، کیونکہ قرآنِ کریم ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا نازل ہوچکا ہے، اس کے اوّلین اور آخرین براہ راست مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اب جو شخص پڑھ رہا ہے وہ قرآن کا اوّلین اور براہِ راست مخاطب نہیں ہے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے مخاطب ہے اور اس اعتبار سے اپنے آپ کو مخاطب سمجھنا بھی چاہئے۔

۲:... یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے (کہ انبیاء کا مستقل کوئی وجود نہیں تھا)، کیونکہ قرآنِ کریم کی متعدّد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء کا مستقل وجود تھا، وہ دُنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے اور وہ بشریت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، انہوں نے عام انسانوں کی طرح دُنیا میں زندگی گزاری، ان میں بشری حوائج اور مادّی صفات پائی جاتی تھیں، چنانچہ وہ کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے اور انہوں نے نکاح بھی کئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ سے معجزات بھی ظاہر فرمائے، انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو اپنے وجود کے لئے مادّہ اور مستقل وجود کا تقاضا کرتی ہیں، اس کے بغیر ان کا وجود اور ظہور ہی محال ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ: ''انبیاء کا مادّی وجود نہیں رہا، قرآن میں وہ صرف فرضی کرداروں اور کہانیوں کی صورت میں موجود ہیں'' بالکل غلط اور قرآن وسنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے، اس سلسلے میں درج ذیل آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں:

''كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔'' (البقرة:۲۱۳)

ترجمہ:...''سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں، اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے اُمورِ اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمادیں۔''

''وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ۔'' (الانعام:۴۸)

ترجمہ:...''اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈراویں۔''

''يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا۔'' (الانعام:۱۳۰)

ترجمہ:...''اے جماعت جنات اور انسانوں کی! کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے؟ جو تم سے میرے اَحکام بیان کرتے تھے اور تم کو آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔'' (الرعد:۳۸)

ترجمہ:...''اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی

دیئے۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔“ (النحل:۳۶)

ترجمہ:...”اور ہم ہراُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔“ (الاسراء:۱۵)

ترجمہ:...”اور ہم (کبھی) سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج دیتے۔“

”وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَأْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ۔“ (الفرقان:۲۰)

ترجمہ:...”اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”وَکَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ۔ وَمَا یَأْتِیْھِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ۔“ (الزخرف:۶،۷)

ترجمہ:...”اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں، اور ان لوگوں کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے اِستہزا نہ کیا ہو۔“

”کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔“ (البقرة:۱۵۱)

ترجمہ:...”جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات (واَحکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور (جہالت سے) تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب (الٰہی) اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”وَقَالُوْا مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَأْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ۔“ (الفرقان:۷)

ترجمہ:...”اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔“ (آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ:...”حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے

پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔“

”هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔“ (الفتح:۲۸)

ترجمہ:... ”وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی، اور سچا دِین (یعنی اسلام) دے کر دُنیا میں بھیجا ہے، تاکہ اس کو تمام دِینوں پر غالب کرے۔“ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

”رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔“ (الطّلاق:۱۰)

ترجمہ:... ”ایک ایسا رسول (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف اَحکام پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، تاکہ ایسے لوگوں کو کہ جو ایمان لاویں اور اچھے عمل کریں (کفر و جہل کی) تاریکیوں سے نور کی طرف لے آویں۔“

”لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔“ (التوبۃ:۱۲۸)

ترجمہ:... ”(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔“

”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ“ (الحجرات:۲)

ترجمہ:... ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دُوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو۔“

قرآنِ کریم میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانۂ حال میں جو خطاب کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت قرآنِ کریم کا نزول آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو رہا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مادّی وجود کے ساتھ دُنیا میں موجود تھے، اس لئے زمانۂ حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا، یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رُوح ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں۔

یہ عقیدہ (رکھنا کہ چونکہ قرآن شریف میں صیغۂ حال سے پکارا گیا ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ رُوح ہر جگہ موجود ہیں، اور وہ مادّی وجود سے مبرا ہیں) قرآن وسنت کی صریح نصوص اور اہلِ السنۃ والجماعۃ کے موقف کے خلاف ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں، تو یہ کھلا ہوا شرک ہے، اور نصاریٰ کی طرح رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے، اور اگر کوئی شخص کسی تأویل کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتا ہے تب بھی اس عقیدہ کے غلط اور فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور ایسا شخص گمراہ ہے۔ ملاحظہ ہو: جواہر الفقہ ج:۱ ص:۱۱۵، تبرید النواظر

مصنفہ مولانا سرفراز صفدر صاحب مدظلہم۔

۴:... اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ مجموعی تمام انبیاء سے افضل ہیں،[۱] البتہ بعض جزئیات اور واقعات میں اگر کسی نبی کو کوئی فضیلت حاصل ہے تو وہ اس کے معارض نہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ کلام حاصل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفت ''خلت'' حاصل ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ تمام جزئی فضیلتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعی فضیلت کے منافی اور اس کے معارض نہیں ہیں۔

اور یہ کہنا کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جتنی بھی احادیث، تاریخ اور تفسیر میں موجود ہیں، وہ انسانوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں'' درحقیقت احادیثِ نبویہ کا انکار ہے، جو کہ موجبِ کفر ہے۔[۲] پوری اُمتِ محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث، قرآنِ کریم کے بعد دِین کا دُوسرا اہم مأخذ ہے،[۳] قرآنِ کریم نے جس طرح اللہ ربّ العزّت کے اَحکام کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے، اسی طرح جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کی بھی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے،[۴] لہٰذا قرآن میں بہت سے ایسے اَحکام ہیں جن کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں، بلکہ ان کی تفصیلات اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور عمل پر چھوڑ دی ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان کی تفصیلات اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ اپنے قول و فعل سے بیان کیا، اگر احادیث انسانوں کی من گھڑت ہیں تو قرآنِ کریم کے ایسے اَحکام پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور یہ ہمیں کیسے معلوم ہوں گے؟

اور اللہ ربّ العزّت نے جس طرح قرآنِ کریم کے الفاظ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اسی طرح قرآنِ کریم کے معانی کی بھی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور معانیٔ قرآن کی تعلیم حدیث ہی میں ہوئی، اور جن ذرائع سے قرآنِ کریم ہم تک پہنچا ہے، انہی ذرائع سے احادیث بھی ہم تک پہنچی ہیں، اگر یہ احادیث من گھڑت ہیں اور ذرائع قابلِ اعتماد نہیں، تو یہ امکان قرآنِ کریم میں بھی ہوسکتا ہے، تو پھر قرآنِ کریم کو بھی... نعوذ باللہ... من گھڑت کہنا لازم آتا ہے، لہٰذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح قرآنِ کریم اب تک محفوظ چلا آرہا ہے، اسی طرح احادیث بھی محفوظ چلی آرہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا بے نظیر انتظام فرمایا ہے، جس کی تفصیل تدوینِ حدیث کی تاریخ سے معلوم ہوسکتی ہے، لہٰذا اَحادیث کو انسانوں کی من گھڑت کہانیاں قرار دینا صریح گمراہی اور موجبِ کفر ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ''حجیتِ حدیث'' مصنفہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ''کتابتِ حدیث عہدِ رسالت وعہد

---

(۱) وأفضل الأنبياء محمد عليه السلام، لقوله تعالىٰ: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ ..... وذٰلك تابع لكمال نبيهم الذى يتبعونه ...الخ. (شرح عقائد ص:۲۱۵ طبع ایچ ایم سعید)۔

(۲) من أنكر المتواتر فقد كفر ومن أنكر المشهور يكفر عند البعض وقال عيسىٰ بن أبان يضلل ولَا يكفر وهو الصحيح ومن أنكر خبر الواحد لَا يكفر غير أنه يأثم بترك القبول هٰكذا فى الظهيرية. (عالمگیری ج:۲ ص:۲۶۵)۔

(۳) واعلم ان من يعتد بعلمه من العلماء قد اتفق علىٰ ان السُّنَّة المطهّرة مستقلة بتشريع الأحكام وانها كالقرآن فى تحليل الحلال وتحريم الحرام، وقد ثبت أنه عليه السلام قال أوتيت القرآن ومثله معه أى وأُوتيت مثله من السُّنَّة التى لم ينطق بها القرآن. (تيسير الوصولى إلىٰ علم الأُصول ص:۱۳۷ طبع إدارة الصديق، ملتان)۔

(۴) ''قُلْ اَطِيْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ'' (آل عمران:۳۲)، ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' (النساء:۵۹)، ''اَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ'' (الأنفال:۲۰)۔

صحابہ میں'' مصنفہ مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم ''حفاظت و حجیتِ حدیث'' مصنفہ مولانا فہیم عثمانی صاحب۔

۳:... مسلمانوں کو چاہئے کہ جو شخص یا تنظیم ایسے عقائد کی حامل ہو، اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں، اور ان کے لٹریچر اور کیسٹ وغیرہ سے مکمل احتراز کریں، خود بھی بچیں اور دُوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کریں، اور اربابِ حکومت کو بھی ایسی تنظیم کی طرف توجہ دِلائیں تاکہ ان پر پابندی لگائی جاسکے۔

۴:... جو شخص مذکورہ عقائد کو بغیر کسی مناسب تأویل کے مانتا ہے، وہ شخص مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس کی مسلمان بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی، اب اس کے عقد میں کوئی مسلمان عورت نہیں رہ سکتی، اور نہ کسی مسلمان عورت کا اس سے نکاح ہوسکتا ہے۔

مذکورہ بالا شخص کے عقائد قرآن و سنت، اِجماعِ اُمت اور اکابر علمائے اہلِ سنت والجماعت کی تصریحات کے خلاف ہیں، اس کے لئے درج ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:

''فی شرح العقائد ص:۱۷: ولله تعالٰی کتب انزلها علٰی أنبیاءہ، وبین فیها أمره ونهیه ووعده ووعیده، وکلها کلام الله تعالٰی ..... قد نسخت بالقرآن تلاوتها وکتابتها بعض أحکامها۔ وفی الحاشیة قوله ''ولله کتب'' رکن من أرکان ما یجب به الإیمان مما نطقت النصوص القرآنیة والأخبار النبویة۔''

ترجمہ:... ''شرح عقائد ص:۱۷ میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی (قرآن کے علاوہ) کئی کتابیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء پر نازل فرمایا اور ان کتابوں میں اَمر و نہی، وعدہ و وعید کو بیان فرمایا اور یہ تمام کتابیں کلامِ الٰہی ہیں.....اور قرآن مجید کے نازل ہونے پر ان سابقہ کتب کی تلاوت اور کتابت اور ان کے بعض اَحکام کو منسوخ کیا گیا۔ اور حاشیہ میں ہے: قولہ ''وللہ کتب'' یعنی ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن یہ بھی ہے کہ ان سابقہ کتب پر ایمان لایا جائے، جن کے بارے میں نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ شہادت دیتی ہیں۔''

''وفیه ص:۴۵: والرسول انسان بعثه الله تعالٰی الی الخلق لتبلیغ الأحکام۔''

ترجمہ:... ''اور شرح عقائد ص:۴۵ میں ہے: اور رسول وہ انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف تبلیغِ اَحکام کے لئے مبعوث فرماتے ہیں۔''

''وفی شرح المقاصد ج:۲ ص:۱۷۳: النبی انسان بعثه الله تعالٰی لتبلیغ ما أوحی الیه وکذا الرسول۔''

ترجمہ:... ''اور شرح مقاصد ج:۵ ص:۵ میں ہے کہ: نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ ان احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجتے ہیں جو ان کی طرف وحی فرماتے ہیں اور رسول کی تعریف بھی یہی ہے۔''

''وفی شرح العقیدة الطحاویة لِابن أبی العز ص:۳۳۲: قوله: ونؤمن بالملٰئکة والنبیین والکتب المنزلة علی المرسلین نشهد انهم کانوا علی الحق المبین۔ هٰذه الأمور

من أركان الْإيمان، قال تعالىٰ: ”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرة:۲۸۵)۔“

وقال تعالىٰ: ”لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرة:۱۷۷)۔“

فجعل الله سبحانه وتعالىٰ الْإيمان هو الْإيمان بهٰذه الجملة، وسمى من آمن بهٰذه الجملة مؤمنين، كما جعل الكافرين من كفر بهٰذه الجملة بقوله: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (النساء:۱۳۶)۔“

ترجمہ:... ”اور ابن ابوالعزؒ کی شرح عقیدۂ طحاویہ کے ص:۳۳۲ میں ہے کہ: ہم ایمان لاتے ہیں ملائکہ پر، نبیوں پر اور ان پر نازل ہونے والی تمام کتابوں پر اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ (رسول) سب کے سب حق پر تھے۔ اور یہ تمام اُمور ارکانِ ایمان میں سے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور مؤمنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ، اور اس کے فرشتوں کے ساتھ، اور اس کی کتابوں کے ساتھ، اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ، اور اس کے پیغمبروں میں سے کسی سے تفریق نہیں کرتے۔“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”کچھ سارا کمال اس میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر، اور فرشتوں پر اور کتب پر اور پیغمبروں پر۔“

(ان دلائل سے معلوم ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے ایمان ہی اس چیز کو قرار دیا ہے کہ ان تمام چیزوں پر ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ”مؤمنین“ نام ہی ان لوگوں کا رکھا ہے جو اِن تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں، جیسا کہ ”کافرین“ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو اِن تمام چیزوں کا انکار کرتے ہیں، جیسے کہ ارشادِ اِلٰہی ہے: ”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، اور اس کے فرشتوں کا، اور اس کی کتابوں کا، اور اس کے رسولوں کا، اور روزِ قیامت کا، تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔“

”وقال صلى الله عليه وسلم فى الحديث المتفق على صحته، حديث جبريل، وسؤاله للنبى صلى الله عليه وسلم عن الْإيمان فقال: أن تؤمن بالله وملٰئكته وكتبه ورسله .... الخ۔ فهٰذه الأصول التى اتفقت عليها الأنبياء والرسل صلوات الله عليهم وسلامه، ولم يؤمن بها حقيقة الْإيمان إلّا اتباع الرسل۔“ (شرح عقيدة طحاوية ص:۳۳۳)

ترجمہ:... ”اور حدیثِ جبریلؑ (جس کی صحت پر بخاری و مسلم متفق ہیں) میں ہے کہ: حضرت جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی تمام کتابوں پر، اور تمام رسولوں پر.....“ پس یہ وہ اُصول ہیں

جن پر تمام پیغمبروں اور رسولوں کا اتفاق ہے، اور اس پر صحیح معنی میں کوئی ایمان نہیں لایا مگر وہ جو انبیاء و رُسل کے متبعین ہیں۔“

”وفیه ص: ۳۴۹، ۳۵۰: واما الأنبیاء والمرسلون فعلینا الْإیمان بمن سمی الله تعالیٰ فی کتابه من رسله، والْإیمان: بأن الله تعالیٰ أرسل رسلا سواهم وأنبیاء، لَا یعلم أسماءهم وعددهم اِلّا الله تعالیٰ الذی أرسلهم ..... وعلینا الْإیمان بأنهم بلغوا جمیع ما أرسلوا به علیٰ ما أمرهم الله به وانهم بینوه بیانًا لَا یسع أحدًا ممن أرسلوا الیه جهله ولَا یحل خلافه .... الخ۔

..... وأما الْإیمان بالکتب المنزلة علی المرسلین فنؤمن بما سمی الله تعالیٰ منها فی کتابه من التوراة والْإنجیل والزبور، ونؤمن بان الله تعالیٰ سوی ذٰلک کتبًا أنزلها علیٰ أنبیاءه، لَا یعرف أسمائها وعددها الّا الله تعالیٰ۔“

ترجمہ:... ”اور اسی کتاب کے ص:۳۱۱ پر ہے: رہے انبیاء اور رسول! پس ہمارے ذمہ واجب ہے کہ ان میں سے ان تمام نبیوں پر ایمان لائیں جن کا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، (اسی طرح) اس پر بھی ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ دُوسرے انبیاء اور رسول بھی بھیجے کہ جن کے نام اور تعداد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا..... اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اس بات پر ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو جن اَحکام کے پہنچانے کا حکم دیا تھا، ان انبیاء نے وہ تمام اَحکام پہنچادیئے، اور انبیاء نے ان اَحکام کو اتنا کھول کھول کر بیان کردیا کہ اُمت میں سے ناواقف سے ناواقف آدمی کو بھی کوئی اِشکال نہ رہا، اور ان کے خلاف کرنا حلال نہ رہا...... اور رہا ان کتابوں پر ایمان لانا جن کو رسولوں پر نازل کیا گیا، سو ہم ان تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نام لیا ہے، یعنی تورات، اِنجیل اور زَبور، اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی اپنے انبیاء پر نازل فرمائیں، جن کا نام اور ان کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔“

”وفی شرح العقیدة الطحاویة للمیدانی ص:۱۰۴: والْإیمان المطلوب من المکلف هو الْإیمان بالله وملٰئکته وکتبه بانها کلام الله تعالیٰ الأزلی القدیم المنزه عن الحروف والأصوات، وبأنه تعالیٰ أنزلها علیٰ بعض رسله بألفاظ حادثة فی ألواح أو علیٰ لسان ملک وبأن جمیع ما تضمنته حق وصدق، ورسله بأنه أرسلهم الی الخلق لهدایتهم وتکمیل معاشهم معادهم وأیدهم بالمعجزات الدالة علیٰ صدقهم فبلغوا عنه رسالته..... الخ۔“

ترجمہ:... ''اور میدانی کی شرح عقیدۂ طحاویہ ص:۱۰۴ پر ہے: مکلّف (یعنی جن و اِنس) سے جو اِیمان مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ: اللہ پر ایمان لانا، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی تمام کتابوں پر، اس طرح ایمان لانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام، کلامِ ازلی اور قدیم ہے، جو حروف اور آواز سے پاک ہے، اور نیز اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو اپنے بعض رسولوں پر تختیوں میں حادث الفاظ کی صورت میں نازل کیا، یا فرشتہ کی زبان پر اُتارا۔ اور نیز وہ تمام کا تمام کلام جس پر کتاب مشتمل ہے حق اور سچ ہے۔ اور اللہ کے رسول جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف ان کی ہدایت، اور ان کی تکمیل معاش و معاد کے لئے بھیجا، اور ان انبیاء کی ایسے معجزات سے تائید کی جو ان انبیاء کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں۔ ان انبیاء نے اللہ کے پیغام کو پہنچایا۔''

''قال القاضی عیاض فی شرح الشفاء ص:۳۳۵: واعلم ان من استخف بالقرآن أو المصحف أو بشیء منه أو سبه أو جحده أو حرف منه أو آیة أو کذب به أو بشیء مما صرح به فیه من حکم أو خبر أو اثبت ما نفاه أو نفی ما أثبته علٰی علم منه بذٰلک أو شک فی شیء من ذٰلک فھو کافر عند أھل العلم باجماع۔''

ترجمہ:... ''علامہ قاضی عیاضؒ شرح شفاء ص:۳۳۵ میں لکھتے ہیں: جان لیجئے کہ جس نے قرآن یا کسی مصحف، یا قرآن کی کسی چیز کو ہلکا جانا یا قرآن کو گالی دی یا اس کے کسی حصے کا انکار کیا یا کسی حرف کا انکار کیا یا قرآن کو جھٹلایا، یا قرآن کے کسی ایسے حصے کا انکار کیا جس میں کسی حکم یا خبر کی صراحت ہو، یا کسی ایسے حکم یا خبر کو ثابت کیا جس کی قرآن نفی کر رہا ہے، یا کسی ایسی چیز کی جان بوجھ کر نفی کی جس کو قرآن نے ثابت کیا ہے، یا قرآن کی کسی چیز میں شک کیا ہے، تو ایسا آدمی بالاجماع، اہلِ علم کے نزدیک کافر ہے۔''

''وفی شرح العقائد ص:۲۱۵: وأفضل الأنبیاء محمد صلی اللہ علیه وسلم، لقوله تعالٰی: ''کنتم خیر أُمة'' ولَا شک أن خیریة الأُمة بحسب کمالھم فی الدین وذٰلک تابع لکمال نبیھم الذی یتبعونه۔''

ترجمہ:... ''شرح عقائد ص:۲۱۵ میں ہے کہ: انبیاء میں سے سب سے افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ: ''تم بہترین اُمت ہو'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُمت کا بہترین ہونا دِین میں ان کے کمال کے اعتبار سے ہے، اور اُمت کا دِین میں کامل ہونا یہ تابع ہے ان کے اس نبی کے کمال کے، جس کی وہ اتباع کر رہے ہیں۔''

''وفی المشکٰوة: عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ یَّنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔''

(رواہ مسلم)

ترجمہ:... ’’اور مشکوٰۃ شریف میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، میں پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی، اور میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائے گی۔‘‘

’’وفی المرقاۃ ج:۷ ص:۱۰ : فی شرح مسلم للنووی ..... وفی الحدیث دلیل علٰی فضلہ علٰی کل الخلق، لأن مذہب أھل السُّنّۃ: ان الآدمی أفضل من الملٰئکۃ وھو أفضل الآدمیین بھٰذا الحدیث۔‘‘

ترجمہ:... ’’اور مرقاۃ ج:۷ ص:۱۰ میں ہے کہ: یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مخلوق پر فضیلت کی دلیل ہے، کیونکہ اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ آدمی ملائکہ سے افضل ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کی بنا پر تمام آدمیوں سے افضل ہیں (تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل ہوئے)۔‘‘

الغرض یہ شخص ضال و مضل اور مرتد و زِندیق ہے، اسلام اور قرآن کے نام پر مسلمانوں کے دِین و اِیمان پر ڈاکا ڈال رہا ہے، اور سیدھے سادے مسلمانوں کو نبیٔ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے کاٹ کر اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے۔

حکومتِ پاکستان کا فرض ہے کہ فوراً اس فتنے کا سدِ باب کرے، اور اس بے دِین کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور اسے ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ اس کی آئندہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں، اور کوئی بدبخت آئندہ ایسی جرأت نہ کرسکے۔

نیز اس کا بھی کھوج لگایا جائے اور اس کی تحقیق کی جائے کہ کن قوّتوں کے اشارے پر یہ لوگ پاکستان میں اور مسلمانوں میں اِضطراب اور بے چینی کی فضاء پیدا کر رہے ہیں...؟

صحیح بخاری پر عدمِ اعتماد کی تحریک

سوال:... مسئلہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایات و اسناد پر عدمِ اعتماد کی تحریک چل رہی ہے، اس تحریک کے پسِ پردہ جو لوگ ہیں اس کی تفصیل و فہرست خاصی طویل ہے، بہرحال نمونے کے طور پر صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ادارہ فکرِ اسلامی کے جنرل سیکریٹری جناب طاہر المکی صاحب، جناب عمر احمد عثمانی صاحب کی کتاب ’’رجم اصل حد ہے یا تعزیر‘‘ کے تعارفی نوٹس میں لکھتے ہیں:

’’اہلِ حدیث حضرات کے علاوہ دُوسرے اسلامی فکر خصوصاً احناف کا امام بخاری کی تحقیقات کے متعلق جو نقطۂ نظر رہا ہے وہ مولانا عبدالرشید نعمانی مدرّس جامعہ بنوری ٹاؤن، علامہ زاہد الکوثری مصری اور انور شاہ کشمیری کی کتابوں سے ظاہر ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی کی تحقیقات سے صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

’’کیا دوتہائی بخاری غلط ہے‘‘

ترجمہ:...علامہ مقبلی اپنی کتاب الأرواح النوافخ میں لکھتے ہیں:

ایک نہایت دین دار اور باصلاحیت شخص نے مجھ سے عراقی کی ''الفیہ'' (جو اُصولِ حدیث میں ہے) پڑھی اور ہمارے درمیان صحیحین کے مقام و مرتبہ خصوصاً بخاری کی روایات کے متعلق بھی گفتگو ہوئی .....تو ان صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ سے دریافت کیا کہ اس کتاب یعنی خصوصاً بخاری کی کتاب کے متعلق حقیقتِ اَمر کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو تہائی غلط ہے۔

خواب دیکھنے والا کا گمان غالب ہے کہ یہ ارشادِ نبوی بخاری کے راویوں کے متعلق ہے، یعنی ان میں دو تہائی راوی غیر عادل ہیں کیونکہ بیداری میں ہمارا موضوعِ بحث بخاری کے راوی ہی تھے، واللہ اعلم۔''

(دیکھئے: مقبلی کی کتاب الارواح النوافخ ص:۶۸۹، ۶۹۰)

اس اچھوتی اور نادرِ روزگار دلیل پر طاہر المکی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ ہے بخاری کے فنی طور پر سب سے زیادہ صحیح ہونے کی حقیقت، اس کو ایڈٹ کرنے میں مولانا عبدالرشید نعمانی کے ساتھ جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتی ولی حسن بھی شریک رہے ہیں جیسا کہ اپنی حواشی کے آخر میں نعمانی صاحب نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا ہے، عبدالرشید صاحب فرماتے ہیں:

جب بخاری کے دو تہائی راوی غیر عادل ہیں تو ان کی روایات کی کیا حیثیت جو یقیناً بخاری کی دو تہائی روایات سے زیادہ بنتی ہیں، کیونکہ بہت سے راوی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کئی کئی روایتیں بیان کرتے ہیں۔''

(بحوالہ رجم اصل حد ہے یا تعزیر ص:۳۹)

محترمی! اب آپ مجھے بتائیں کہ کیا مذکورہ حوالے سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے، آیا وہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر آپ کے نزدیک صحیح ہے تو کیا میں صحیح بخاری کے نسخے ضائع کردُوں؟ اور کیا مدارس کی انتظامیہ کو بذریعہ اخبار ترغیب دُوں کہ وہ اپنے مدارس کے نصاب سے صحیح بخاری کو خارج کردیں؟ مجھے اُمید ہے کہ میری اس اُلجھن کو دُور فرماکر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

جواب:...درج بالا خط ملنے پر اس ناکارہ نے حضرت نعمانی مدظلہ العالی کی خدمت میں عریضہ لکھا، جو درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''حضرت مخدوم و معظم! مدت فیوضہم وبرکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک صاحب نے طاہر المکی کے حوالے سے آنجناب کی ایک عبارت نقل کرکے تیز و تند سوال کیا ہے۔ یہ اس شخص کا چوتھا خط ہے، میں نے مناسب سمجھا کہ ''توجيه القول بما لَا يرضٰى به قائله'' کے بجائے آنجناب ہی سے اس سلسلے میں مشورہ کرلیا جائے۔ مختصر سا اِشارہ فرمادیا جائے کہ طاہر مکی کی نقل کہاں تک صحیح ہے؟ اور ان صاحب کے اخذ کردہ نتیجے سے کہاں تک اتفاق کیا جاسکتا ہے؟ چونکہ مجھے ہفتہ کے دن سفر پر جانا ہے اس

لئے میں اس خط کا جواب کل ہی نمٹا کر جانا چاہتا ہوں۔ دعواتِ صالحہ کی اِلتجا ہے۔ والسلام

خویدکم محمد یوسف عفا اللہ عنہ۔“

حضرتِ موصوف مدظلہ العالی نے درج ذیل جواب تحریر فرمایا:

”محترمی! **وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ!**

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس وقت درس گاہ میں ”**الأرواح النوافخ**“ موجود نہیں، ”**دراسات اللبیب**“ معین سندھیؒ کی تعلیقات میں عرصہ ہوا جب تلقی صحیحین کی بحث میں آپس کے اختلاف میں لکھا تھا کہ تلقی کا مسئلہ اختلافی ہے، اختلافی احادیث میں اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں، اس پر بحث کرتے ہوئے کہیں اس خواب کا بھی ذکر آگیا تھا۔ ”الارواح“ کے مصنف علامہ مقبلی پہلے زیدی تھے پھر مطالعہ کرکے سنی ہوگئے تھے اور عام **یمنیوں** کی طرح جیسے امیر یمانی، وزیر یمانی، قاضی شوکانی وغیرہ ہیں غیرمقلد ہوگئے تھے، انہوں نے تلقی رواۃ کے سلسلے میں اس خواب کا ذکر کیا تھا، خواب کی جو حیثیت ہے ظاہر ہے، رواۃ کی تعدیل و تجریح میں اختلاف شروع سے چلا آتا ہے، جیسے مذاہبِ اَربعہ میں اختلاف ہے، اس سے نہ کسی چیز کا بطلان لازم آتا ہے، نہ کسی مختلف چیز پر اِجماع۔ یہ ہے اصل حقیقت تلقی اُمت کی بحث کی کہ نہ متون کی ساری اُمت کو تلقی ہے نہ رواۃ پر، جیسے تمام اختلافی مسائل کا حال ہے۔

قرآنِ کریم کا ثبوت قطعی ہے، لیکن اس کی تعبیر و تفسیر میں اختلاف ہے، پھر کیا اس اختلاف کی بنا پر قرآنِ کریم کو ترک کردیا جائے گا؟ یہی حال متونِ صحیحین و رُواۃِ صحیحین کا ہے کہ نہ ان کا متن اُمت کے لئے واجب العمل ہے اور نہ ہر راوی بالاجماع قابلِ قبول ہے۔ اب منکرینِ حدیث اس سلسلے میں جو چاہیں رَوِش اختیار کریں۔ قرآنِ کریم کی تعبیر و تفسیر میں اختلاف تھا، اور رہے گا۔ روایات کے قبول، عدمِ قبول میں مجتہدین کا اختلاف تھا، اور رہے گا، **فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔**

والسلام

محمد عبدالرشید نعمانی

۱۴۱۵/۲/۲۵ھ“

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مکرّم و محترم! زید لطفہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے گرامی نامے کے جواب پر چند اُمور مختصراً لکھتا ہوں، فرصت نہیں، ورنہ اس پر پورا مقالہ لکھتا۔

ا:... آپ کی اس تحریک کی بنیاد طاہر المکی صاحب کی اس تحریر پر ہے جس کا حوالہ آپ نے خط میں نقل کیا ہے، اور آپ نے

اس تحریر پر اس قدر اعتماد کیا کہ اس کی بنیاد پر مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ:

''مذکورہ حوالے سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر آپ کے (یعنی راقم الحروف کے) نزدیک بھی صحیح ہے تو کیا میں صحیح بخاری کے نسخے ضائع کردُوں؟ اور کیا مدارس کی انتظامیہ کو بذریعہ اخبار ترغیب دُوں کہ وہ اپنے مدارس کے نصاب سے صحیح بخاری کو خارج کردیں؟''

طاہرالمکی صاحب کی تحریر پر اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے آپ کو یہ سوچنا چاہئے کہ ان صاحب کا تعلق کہیں منکرینِ حدیث کے طائفے سے تو نہیں؟ اور یہ کہ کیا یہ صاحب اس نتیجے کے اخذ کرنے میں تلبیس و تدلیس سے تو کام نہیں لے رہے؟

طاہرالمکی کا تعلق جس طبقے سے ہے، تلبیس و تدلیس اس طبقے کا شعار ہے، اور سنا گیا ہے کہ طاہرالمکی کے نام میں بھی تلبیس ہے، اس کے والد میانجی عبدالرحیم مرحوم ''مکی مسجد کراچی'' میں مکتب کے بچوں کو پڑھاتے تھے، وہیں ان کی رہائش گاہ تھی، اسی دوران یہ صاحب پیدا ہوئے اور ''مکی مسجد'' کی طرف نسبت سے علامہ طاہرالمکی بن گئے، سننے والے سمجھتے ہوں گے کہ حضرت ''مکہ'' سے تشریف لائے ہیں۔

۲:... مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی کے حوالے سے اس نے قطعاً غلط اور گمراہ کن نتیجہ اخذ کیا ہے، جیسا کہ مولانا مدظلہ العالی کے خط سے ظاہر ہے، اوّل تو مقبلی زیدی اور پھر غیرمقلد تھا، پھر اس کا حوالہ خواب کا ہے، اور سب جانتے ہیں کہ خواب دینی مسائل میں حجت نہیں۔[۱] پھر مولانا نے یہ حوالہ یہ ظاہر کرنے کے لئے نقل کیا ہے کہ رُواۃِ بخاری کے بارے میں بعض لوگوں کی یہ رائے ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی ایک دینی مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں، اگر ان کی وہ رائے ہوتی جو آپ نے طاہرالمکی کی تلبیسانہ عبارت سے سمجھی ہے تو وہ آپ کی تحریک ''عدمِ اعتماد'' کے علم بردار ہوتے، نہ کہ صحیح بخاری پڑھانے والے شیخ الحدیث۔

۳:... طاہرالمکی نے امام العصر حضرت مولانا محمد انورشاہ کشمیریؒ کو بلاوجہ گھسیٹا ہے، حضرتؒ نے بیس برس سے زیادہ صحیح بخاری کا درس دیا، اور تدریسِ بخاری شروع کرنے سے پہلے ۱۳ مرتبہ صحیح بخاری شریف کا بغور و تدبر مطالعہ فرمایا اور اس کی تمام شروح کا بغور و تدبر مطالعہ فرمایا، صحیح بخاری کی دو بڑی شرحیں ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' تو حضرتؒ کو ایسے حفظ تھیں جیسے گویا سامنے کھلی رکھی ہوں۔[۲] (مقدمہ فیض الباری ص:۳۱)

---

(۱) قال العلّامة مُلّا علی القاری رحمه الله: ولذا لم یعتبر أحد من الفقهاء جواز العمل فی الفروع الفقهیة بما یظهر للصوفیة من الأمور الکشفیة أو حالَات المنامیة۔ (مرقاة شرح المشکٰوة ج:۹ ص:۳۵۸، کتاب الفتن۔ أیضًا: قال ابن السمعانی رحمه الله: ویؤخذ من هٰذا ما تقدم التنبیه علیه أن النائم لو رأی النبی صلی الله علیه وسلم یأمره بشیء هل یجب علیه إمتثاله ولَا بد، أو لَا بد أن یعرضه علی الشرع الظاهر فالثانی هو المعتمد کما تقدم۔ (فتح الباری ج:۱۲ ص:۴۸۱ کتاب التعبیر، طبع قدیمی)۔

(۲) المحدث الجلیل إمام العصر محمد أنور الکشمیری الذی شاممت نفحة من ترجمته قد اعتنی بصحیح البخاری درسا وإملاء وخوضًا وإمعانا ما لم یعتن بما عداه، فطالعه قبل الشروع فی تدریسه ثلاث عشرة مرة من أوله إلٰی آخره مطالعة بحث وفحص وتحقیق، وطالع شروحه المطبوعة من الفتح والعمدة والإرشاد وغیرها من المطبوعة والمخطوطة ما تیسر له فی دیار الهند والحجاز وکان العمدة والفتح کأنهما صفحة بین عینیه ثم وفق لتدریسه ما یربو علٰی عشرین مرة دراسة إمعان وتدقیق حتّٰی أجهد نفسه شطر عمره فی العکوف علیه تحقیقًا وبحثًا۔ (مقدمة فیض الباری ص:۳۱، طبع قاهرة)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نہ صرف یہ کہ صحیح بخاری کو ''أصح الکتب بعد کتاب الله'' سمجھتے ہیں بلکہ صحیحین کی احادیث کی قطعیت کے قائل ہیں، چنانچہ ''فیض الباری'' میں فرماتے ہیں:

''صحیح کی احادیث قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، جمہور کا قول ہے کہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں، لیکن حافظ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ شمس الائمہ سرخسیؒ حنفیہ میں سے، حنابلہ میں سے حافظ ابنِ تیمیہؒ اور شیخ ابنِ صلاحؒ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ ان حضرات کی تعداد اگرچہ کم ہے مگر ان کی رائے ہی صحیح رائے ہے، شاعر کا یہ قول ضرب المثل ہے:

میری بیوی مجھے عار دِلاتی ہے ہماری تعداد کم ہے، میں نے اس سے کہا کہ کریم لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔''[۱] (مقدمہ فیض الباری ص:۴۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں لکھتے ہیں:

''محدثین کا اتفاق ہے کہ صحیحین میں جتنی حدیثیں متصل مرفوع ہیں، صحیح ہیں، اور یہ دونوں اپنے مصنّفین تک متواتر ہیں، اور جو شخص ان دونوں کی توہین کرتا ہے وہ متبدع ہے اور مسلمانوں کے راستے سے منحرف ہے۔''[۲]

۴:... کسی حدیث کا صحیح ہونا اور چیز ہے، اور اس کا واجب العمل ہونا دُوسری چیز ہے، اس لئے کسی حدیث کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واجب العمل بھی ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ منسوخ ہو، یا مقید ہو، یا مؤوّل ہو، اس کے لئے ایک عامی کا علم کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے ہم ائمۂ اِجتہاد رحمہم اللہ کی اتباع کے محتاج ہیں۔ قرآنِ کریم کا قطعی ہونا تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، لیکن قرآنِ کریم کی بعض آیات بھی منسوخ ومؤوّل یا مقید بالشرائط ہیں، صرف انہی اجمالی اشارات پر اکتفا کرتا ہوں، تفصیل وتشریح کی گنجائش نہیں، واللہ اعلم!

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

سوال:... آپ کو زحمت دے رہا ہوں، روزنامہ ''نوائے وقت'' اتوار ۱۰ رجون ۱۹۹۰ء میں ''نورِ بصیرت'' کے مستقل عنوان کے ذیل میں میاں عبدالرشید صاحب نے ''باز اور بڑھیا'' کے عنوان سے ایک اقتباس تحریر کیا (تراشہ ارسالِ خدمت ہے)، جس میں

---

(۱) القول الفصل فی أن خبر الصحیحین یفید القطع، اختلفوا فی أن أحادیث الصحیحین هل تفید القطع أم لَا؟ فالجمهور إلٰی أنها لَا تفید القطع وذهب الحافظ رضی الله عنه إلٰی أنها تفید القطع وإلیه جنح شمس الأئمة السرخسی رضی الله عنه من الحنفیة والحافظ ابن تیمیة من الحنابلة والشیخ عمرو بن الصلاح رضی الله عنهُ وهٰؤلَاء وإن کانوا أقل عددًا إلّا أن رأیهم هو الرأی وقد سبق فی المثل السائر: "تعیرنا أنا قلیل عددینافقلت لها إن الکرام قلیل". (مقدمة فیض الباری ص:۴۵، طبع قاهرة).

(۲) أما الصحیحان فقد إتفق المحدثون علٰی أن جمیع ما فیها من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وأنهما متواتران إلٰی مصنفیهما وأنه کل من یهون أمرهما فهو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین. (حجة الله البالغة ج:۱ ص:۱۳۴، باب طبقة کتب الحدیث).

احقر کے علم کے مطابق مصنف نے حدیثِ نبوی کی نفی، جہاد بالسیف اور جہاد باللسان کے بارے میں اپنی آراء اور مسواک (سنتِ رسول) کے بارے میں ہرزہ سرائی سے کام لیا ہے۔ آپ سے استدعا ہے کہ میاں عبدالرشید صاحب کی کوتاہ علمی اور ہرزہ سرائی کا مدلل جواب عنایت فرمائیں تاکہ احقر اسے روزنامہ ہذا میں چھپوا کر بہت سارے مسلمانوں کے شکوک، جو کہ مصنف نے تحریر ہذا کے ذریعے پیدا کئے ہیں، دُور کرسکے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عنایت فرمائیں۔

''نورِ بصیرت'' کے عنوان سے لکھا ہوا میاں عبدالرشید کا متذکرہ بالا مضمون یہ ہے:

''باز اور بڑھیا''

''رومیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے، کسی بڑھیا کے مکان کی چھت پر ایک باز آ کے بیٹھ گیا اور اتفاق سے بڑھیا کے ہاتھ آ گیا، بڑھیا نے اسے پیار کرتے کرتے اس کی چونچ کو دیکھا تو بولی: ہائے افسوس! چونچ اتنی بڑھ گئی ہے اور آگے سے ٹیڑھی بھی ہوگئی ہے۔ پھر اس کے پنجے دیکھے تو اسے اور افسوس ہوا کہ ناخن اتنے بڑھ گئے ہیں۔ بڑھیا نے قینچی لی، پہلے باز کی بڑھی ہوئی چونچ کاٹی، پھر اس کے پنجے ٹھیک کئے، پھر اس کے پَر کاٹ کر دُرست کئے، اس کے بعد خوشی سے بولی: اب یہ کتنا پیارا لگتا ہے!

رومیؒ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ بعض لوگ اچھی بھلی چیزوں کو نکما اور بے کار بنادیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس کی اصلاح کردی ہے۔ یہی کچھ ہمارے اسلام سے کیا جارہا ہے۔ ایک طرف، اس کے اندر سے جہاد اور شوقِ شہادت نکالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ دُوسری طرف، رسوم پر زور دے کر اعمال کو رُوح سے بے گانہ بنایا جارہا ہے، جس سے مسلمانوں میں تنگ نظری، تعصب اور فرقہ پرستی پھیل رہی ہے۔ تیسری طرف، مسلمانوں کو قصے کہانیوں میں اُلجھایا جارہا ہے، جس کے نتیجے میں وہ حقیقت پسندی سے دُور ہو رہے ہیں۔

ایک فوجی افسر نے مجھے بتایا کہ ان کے دفتر کے ساتھ جو مسجد ہے، وہاں نمازِ ظہر کے بعد ایک کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے، ایک دن ابنِ ماجہ کے حوالے سے یہ ''حدیث'' بیان کی گئی کہ دو اشخاص تھے، ان میں سے ایک نے شہادت کی موت پائی، دُوسرا طبعی موت مرا، کسی نے خواب میں دیکھا کہ طبعی موت مرنے والا شہید سے کئی برس پہلے جنت میں داخل ہوا۔ پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ چونکہ طبعی موت مرنے والے نے نمازیں زیادہ پڑھی تھیں، اس لئے اسے شہید پر فوقیت ملی۔ ہے ماننے والی بات؟ کیا یہ بات اسلام کی تعلیم کے سراسر منافی نہیں؟ متفقہ مسئلہ ہے کہ شہادت کی موت افضل ترین موت ہے، شہید بغیر کسی حساب کتاب کے سیدھا جنت میں جاتا ہے، کیا یہ فوجیوں کے اندر سے شہادت کا شوق ختم کرنے کی کوشش تو نہیں؟

سورۃ الصّف کی چوتھی آیت ہے (ترجمہ): ''اللہ تعالیٰ فی الواقع انہیں محبوب رکھتے ہیں جو ان کی راہ میں صف بستہ لڑیں، جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

یہ واضح طور پر لڑائی کے بارے میں ہے۔

لیکن اسی افسر نے مجھے بتایا کہ وہاں اس آیت کو چھوڑ کر آیہ:۱۱ کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے: ''جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد نہیں بلکہ) کوشش کرتے ہیں اپنے اموال سے اپنی جانوں سے۔'' ظاہر ہے کہ کوشش سے مراد تبلیغی دوروں پر جانا ہے۔

ایک اور فوجی افسر نے واقعہ سنایا کہ بہاول پور کی طرف ان کے تین ٹینک بڑی نہر میں گر گئے جوانوں نے تلاش کی، دو مل گئے، تیسرا نہ ملا۔ شام کو کرنل نے جو ماشاء اللہ اسی پرہیزگار جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، جوانوں کا اکٹھا کیا اور کہا: معلوم ہوتا ہے کہ آج تم نے مسواک ٹھیک طرح سے نہیں کی تھی، اس وجہ سے ٹینک نہیں ملا، کل صبح مسواک اچھی طرح سے کر کے آنا۔ دُوسرے دن جوان اچھی طرح سے مسواک کر کے نہر میں اُترے تو تیسرا ٹینک بھی مل گیا۔''

جواب:... میاں صاحب نے پیر رُومیؒ کے حوالے سے ''باز اور بڑھیا'' کی جو تمثیلی حکایت نقل کی ہے وہ بھی بجا، اور اس کو نقل کر کے میاں صاحب کا یہ ارشاد بھی سرآنکھوں پر کہ:

''یہی کچھ ہمارے اسلام کے ساتھ کیا جارہا ہے۔''

چنانچہ میاں صاحب کا زیرِ نظر مضمون بھی اسی کی اچھی مثال ہے، جس میں متعدّد پہلوؤں سے ''روایتی بڑھیا'' کا کردار ادا کیا گیا ہے۔

اوّل:... ایک اُمتی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سنتے ہی اس کا سر جھک جائے، اور اس کے لئے کسی چوں و چرا کی گنجائش نہ رہ جائے، اس لئے کہ ایک اُمتی کے لئے، اگر وہ واقعتاً اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی سمجھتا ہے، سب سے آخری فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و ارشاد کے بعد نہ کسی چوں و چرا کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے خلاف اپیل ہوسکتی ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

''فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔'' (النساء:۶۵)

ترجمہ:... ''پھر قسم ہے آپ کے رَبّ کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کروالیں، پھر آپ کے اس تصفیے سے اپنے دِلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کرلیں۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

لیکن ارشادِ ربانی کے مطابق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سن کر میاں صاحب کا سر اس کے سامنے نہیں جھکتا، بلکہ وہ اس کو: ''جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت نکالنے کی کوشش اور رسوم پر زور دے کر اعمال کو رُوح سے بے گانہ بنانے کی غلطی'' سے تعبیر کرتے

ہیں، وہ اس حدیثِ نبوی اور ارشادِ مصطفوی (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کو ''اسلام کی بڑھتی ہوئی چونچ'' سمجھ کر روایتی بڑھیا کی طرح فوراً اسے مقراضِ قلم سے کاٹ ڈالتے ہیں، اور اسلام کی قطع و برید کا یہ عمل ان کے خیال میں ''نورِ بصیرت'' کہلاتا ہے۔ حالانکہ روایتی بڑھیا کی طرح نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ اس حدیث شریف کا مدعا کیا ہے؟ نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ وہ اس حدیث شریف کو جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کے منافی سمجھتے ہیں، اور انہیں یہ حدیث شریف اسی طرح فالتو نظر آتی ہے، جس طرح بڑھیا کو باز کی چونچ اور بڑھے ہوئے ناخن فالتو نظر آئے تھے۔

دوم:... میاں صاحب ایک فوجی افسر کے حوالے سے ہمیں بتاتے ہیں کہ: ''ان کی مسجد میں ظہر کے بعد ایک کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے، ایک دن وہاں ''ابنِ ماجہ'' کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی گئی۔''

یہ کتاب جو ظہر کے بعد پڑھ کر سنائی جارہی تھی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''فضائلِ نماز'' ہے، اور اس میں یہ ''حدیث'' صرف ابنِ ماجہ کے حوالے سے نہیں ذکر کی گئی، بلکہ اس کے حوالے کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا نام درج ہے:

۱:... مؤطا امام مالکؒ	۲:... مسندِ احمد	۳:... ابوداؤد	۴:... نسائی
۵:... ابنِ ماجہ	۶:... صحیح ابنِ خزیمہ	۷:... صحیح ابنِ حبان	۸:... مستدرک حاکم
۹:... بیہقی	۱۰:... ترغیب و ترہیب منذری	۱۱:... درِ منثور	

لیکن ان کے فوجی افسر نے بتایا کہ ابنِ ماجہ کے حوالے سے یہ ''حدیث'' بیان کی گئی اور میاں صاحب نے بغیر تحقیق اس کو اپنے کالم میں گھسیٹ دیا۔ شاید میاں صاحب نے روایتی بڑھیا کی طرح قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کو بھی... نعوذ باللہ... فالتو سمجھا:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔'' (الحجرات:۶)

ترجمہ:... ''اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے ضرر نہ پہنچادو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

چنانچہ میاں صاحب نے بغیر تحقیق کے اس خبر پر اعتماد کرلیا اور حدیثِ نبوی کو اپنی ناروا تنقید کے نشانے پر رکھ لیا۔

سوم:... یہ ''حدیث'' جو میاں صاحب کے فوجی افسر کے بقول ابنِ ماجہ کے حوالے سے پڑھی جارہی تھی، مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ سے مروی ہے:

۱:... حضرت سعد بن ابی وقاصؓ:

مؤطا امام مالک ص:۱۶۱، مسندِ احمد ج:۱ ص:۱۷۰، صحیح ابنِ خزیمہ ج:۱ ص:۱۶۰، مستدرک حاکم ج:۱ ص:۲۰۰۔ امام حاکمؒ اس کو اپنی سند کے ساتھ نقل کرکے فرماتے ہیں: صحیح الاسناد۔ امام ذہبیؒ تلخیص مستدرک میں فرماتے ہیں: یہ

حدیث صحیح ہے۔ امام نورالدین ہیثمیؒ اس کو مسند امام احمد اور طبرانی کے حوالے سے نقل کر کے فرماتے ہیں: مسندِ احمد کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۲:... حضرت عبید بن خالدؓ:

مسندِ احمد ج:۳ ص:۵۰۰، ج:۴ ص:۲۱۹، ابوداوٗد ج:۱ ص:۳۴۲، نسائی ج:۱ ص:۲۸۱، سننِ کبریٰ بیہقی ج:۳ ص:۳۷۱، مصابح السنۃ ج:۳ ص:۴۴۲، مشکوٰۃ ص:۴۵۱۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۳:... حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ:

مسندِ احمد ج:۱ ص:۱۶۳، ابنِ ماجہ ص:۲۸۱، سننِ کبریٰ بیہقی ج:۳ ص:۳۷۲، مسندِ ابویعلیٰ ج:۲ ص:۹، صحیح ابنِ حبان ج:۵ ص:۲۷۷، مسندِ بزار (کشف الاستار عن زوائد البزار ج:۴ ص:۲۲۷)۔

امام نورالدین ہیثمیؒ اس حدیث کو مسندِ احمد، مسندِ ابویعلیٰ اور مسندِ بزار کے حوالے سے نقل کر کے فرماتے ہیں: ان تمام کے راوی صحیح کے راوی ہیں (مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۲۰۴)۔

۴:... حضرت ابوہریرہؓ:

مسندِ احمد ج:۲ ص:۳۳۳۔

امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں: باسناد حسن (مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۲۰۴)۔ اور یہی بات شیخؒ نے امام منذریؒ سے بھی نقل کی۔

۵:... حضرت عبداللہ بن شدادؓ:

مسندِ احمد ج:۱ ص:۱۶۳، مشکوٰۃ ص:۴۵۱، مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۲۰۴ (حضرت شیخؒ نے بھی ان تمام احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے)۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ حدیث متعدّد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے، ائمہ حدیث نے اس کی تخریج فرمائی ہے اور اس کے راویوں کی توثیق و تعدیل فرمائی ہے۔ لیکن ہمارے میاں صاحب کے نزدیک شاید حضراتِ محدثینؒ کی جرح و تعدیل اور تصحیح و تحسین بھی ایک فالتو چیز ہے اور وہ اسے روایتی بڑھیا کی طرح کاٹ دینا چاہتے ہیں۔

چہارم:... صحابہ کرامؓ کے دور سے آج تک اہلِ علم اس حدیث کو سنتے سناتے اور پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں، لیکن کسی کے گوشۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ اس سے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کی نفی ہوتی ہے، البتہ اس حدیث سے نماز کی فضیلت اور طاعت و عبادت کے ساتھ طویل عمر ملنے کی سعادت پر ضرور استدلال کیا گیا، چنانچہ صاحبِ مصابیح السنۃ اور صاحبِ مشکوٰۃ نے اس حدیث کو ”باب استحباب المال والعمر للطاعة“ کے تحت ذکر کیا ہے، امام نورالدین ہیثمیؒ نے اسے ایک بار ”نماز کی فضیلت“ کے بیان میں اور دُوسری بار ”باب فیمن طال عمره من المسلمین“ کے ذیل میں ذکر کیا ہے، صحیح ابنِ حبان میں یہ حدیث درج ذیل عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہے:

"ذکر البیان بأن من طال عمره وحسن عمله قد یفوق الشھید فی سبیل اللہ تبارک وتعالیٰ۔"

ترجمہ:..."اس اَمر کا بیان کہ جس شخص کی طویل عمر ہو اور عمل اچھا ہو، وہ کبھی شہید فی سبیل اللہ سے بھی فوقیت لے جاتا ہے۔"

الغرض! جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت فی سبیل اللہ کے بے شمار فضائل ہیں، لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے اور نماز فرضِ عین ہے، نماز کے تارک پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، اور نماز ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ دین کا ستون ہے، جس نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا، اور جس نے اس کو گرایا اس نے دین کو ڈھادیا۔ چنانچہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دین کا سب سے بڑا اور سب سے اہم رُکن نماز ہے، نماز کے ان فضائل کو ذکر کرنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کو ختم کیا جارہا ہے؟ اور جو شخص نماز ہی نہیں پڑھتا (جیسا کہ ہمارے معاشرے کی اکثریت کا حال ہے، جن میں فوجی افسر اور جوان بھی شامل ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کیا جہاد کرے گا؟ اور اس کے دِل میں کیا شوقِ شہادت ہوگا؟ لیکن میاں صاحب کے خیال میں شاید جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کے مقابلے میں نماز، روزہ اور دین کے دیگر اعمال و شعائر بھی فالتو چیز ہیں۔ اس لئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی چیز کی فضیلت کو شہادت فی سبیل اللہ سے بڑھ کر فرمائیں تو میاں صاحب اس کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں، اب انصاف فرمایئے کہ اسلام کے ساتھی روایتی بڑھیا کا کردار کون ادا کر رہا ہے...؟

میاں صاحب سورۃ الصّف کی چوتھی آیت کا ذکر کرتے ہوئے اسے فوجی افسر کے حوالے سے ہمیں بتاتے ہیں کہ:

"وہاں اس آیت کو چھوڑ کر آیت نمبر ۱۱ کی تفسیر یوں بیان کی گئی کہ: جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد نہیں بلکہ) کوشش کرتے ہیں اپنے اموال سے، اپنی جانوں سے۔

ظاہر ہے کوشش سے مراد تبلیغی دوروں پر جانا ہے۔"

میں پہلے قرآنی آیت کا حوالہ دے چکا ہوں کہ بغیر تحقیق کے سنی سنائی بات پر اِعتماد کرکے کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہئے، اور میاں صاحب کے فوجی افسر کی روایت کا حال بھی اُوپر معلوم ہوچکا ہے کہ حضرتِ شیخؒ ایک حدیث کے لئے ایک درجن کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان "فوجی افسر" کا حافظہ صرف "ابنِ ماجہ" کے نام کا بوجھ بمشکل اُٹھاسکا، اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بات کیا کہی جارہی ہوگی اور میاں صاحب کے راوی نے اس کو کیا سے کیا سمجھا ہوگا؟

جو بات کہی جارہی ہوگی وہ یہ ہوگی کہ دین کی دعوت و تبلیغ اور مسلمانوں میں اسلامی شعائر قائم کرنے کی جو محنت بھی ہو اس پر "فی سبیل اللہ" کا اطلاق ہوتا ہے، خود جہاد فی سبیل اللہ بھی اسی محنت کی ایک شکل ہے، چنانچہ سب جانتے ہیں کہ جہاد سے پہلے مسلمانوں کے اَمیرِ لشکر کی طرف سے کافروں کو یہ دعوت دی جاتی ہے:

*:...تم اسلام قبول کرلو، تمہارے حقوق بھی وہی ہوں گے جو ہمارے ہیں، اور تمہاری ذمہ داریاں بھی وہی ہوں گی جو ہماری ذمہ داریاں ہیں۔

❊:... اگر تم اسلام لانا نہیں چاہتے تو ہم نے جو اسلام کے قانون کا نظام قائم کر رکھا ہے، اس کے ماتحت رہنے کو قبول کرلو، اور اس کے لئے جزیہ ادا کرو۔

❊:... اگر جزیہ دے کر اسلامی نظام کے ماتحت رہنا بھی قبول نہیں کرتے ہو تو مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ، تلوار ہمارا اور تمہارا فیصلہ کرے گی۔[(۱)]

اسلامی جہاد کی یہ دفعات ہر طالبِ علم کو معلوم ہیں، جس سے واضح ہے کہ جہاد بھی دعوت الی اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہے۔ اس کے بعد دعوت و تبلیغ کے ''فی سبیل اللہ'' ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟ حضراتِ مفسرین نے ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے جس سے معلوم ہوگا کہ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا بھی ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہے، اور حج و عمرہ بھی ''فی سبیل اللہ'' میں شامل ہے۔ اب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ دین کی سربلندی اور احیائے اسلام کے لئے جو کوشش بھی کی جائے وہ ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہے، اور اس پر وہی اَجر و ثواب مرتب ہوگا جو ''فی سبیل اللہ'' کے لئے موعود ہے تو اس کی یہ بات کیا بے جا ہے؟[(۲)]

میں میاں صاحب سے یہ پوچھتا ہوں کہ تبلیغی سفروں پر جانا تو آپ کے خیال میں ''فی سبیل اللہ'' میں داخل نہیں، لیکن ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی وہ تین دفعات جو میں نے ذکر کی ہیں، کیا آپ نے ان کو پورا کرلیا ہے...؟

کیا ہمارے فوجی افسران کافروں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ تم بھی ہمارے دین میں داخل ہوکر ہمارے بھائی بن جاؤ...؟

کیا یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو اسلامی نظام جو ہم نے قائم کر رکھا ہے، جزیہ دے کر اس کی ماتحتی قبول کرلو؟ اور کیا ہمارے ملک میں واقعتاً اسلامی نظام نافذ بھی ہے جس کی ماتحتی کی کسی کافر قوم کو دعوت دے جائے...؟ جب تک آپ اسلامی نظام نہ قائم کرلیں، اس کی دعوت کیسے دیں گے؟ اور جب تک اس کی دعوت نہ دی جائے، اسلامی جہاد کیسے ہوگا؟ اور اس پر اسلامی جہاد کے فضائل کیسے مرتب ہوں گے؟ کیا میاں صاحب اس معمے کو حل فرمائیں گے...؟

اور مسواک کے بارے میں میاں صاحب نے جو گل افشانی فرمائی ہے، اس کا جواب خود ان کی تحریر کے آخر میں موجود ہے کہ:

''دُوسرے دن جوان اچھی طرح مسواک کرکے نہر میں اُترے تو تیسرا ٹینک بھی مل گیا۔''

اگر سنتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) پر عمل کرنے سے مددِ خداوندی شاملِ حال ہو جائے تو اس پر ذرا بھی تعجب نہیں، اور جب تک مجاہدینِ اسلام سنتِ نبوی کے پابند نہ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد نہیں ہوسکتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ

---

(۱) وإذا دخل المسلمون دار الحرب محاصروا مدينةً أو حصنًا دعوهم إلى الإسلام لما روى ابن عباس ان النبى عليه السلام ما قاتل قومًا حتّٰى دعاهم إلى الإسلام، فإن أجابوا كفوا عن قتالهم لحصول المقصد وقد قال صلى الله عليه وسلم: أُمرت أن أُقاتل الناس حتّٰى يقولوا لَا إلٰه إلّا الله الحديث، وان امتنعوا دعوهم إلٰى أداء الجزية .... فإن بذلوها فلهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين ...إلخ۔ (هداية ج:۲ ص:۵۵۹، كتاب السير)۔

(۲) فى الدر المختار: فى سبيل الله وهو منقطع الغزاة وقيل الحاج وقيل طلبة العلم وفسره فى البدائع بجميع القرب۔ (الدر المختار مع الردالمختار ج:۲ ص:۳۴۳، باب المصرف)۔

علیہم اجمعین کے حالات اس کے شاہد ہیں، اور خود میاں صاحب نے جو واقعہ نقل کیا ہے وہ بھی اس کی روشن دلیل ہے، لیکن شاید میاں صاحب کے دِل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے وہ اس صحیح واقعہ کو مذاق میں اُڑانا چاہتے ہیں، اور روایتی بڑھیا کی طرح باز کے پَر کاٹ دینا چاہتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ فہمِ سلیم عطا فرمائیں۔

قرآنِ کریم اور حدیثِ قدسی

سوال:... میں نے خطباتِ بہاول پور مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پڑھنا شروع کئے ہیں، صفحہ ۶۶ پر ایک سوال کا جواب دیا ہے، وہ سوال و جواب یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''سوال ۱۰:... حدیثِ قدسی چونکہ خدائے پاک کے الفاظ ہیں تو حدیثِ قدسی کو قرآنِ پاک میں کیوں نہیں شامل کیا گیا؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہیں سمجھا، یہی اصل جواب ہے، کیونکہ ضرورت نہیں تھی کہ قرآن مجید کو ایک لامحدود کتاب بنایا جائے، بہتر یہی تھا کہ قرآن مجید مختصر ہو، ساری ضرورت کی چیزیں اس کے اندر ہوں اور وقتاً فوقتاً اس پر زور دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چیزیں بیان کریں جو حدیث میں بھی آئی ہیں اور حدیثِ قدسی میں بھی، اس سے ہم استفادہ کرسکتے ہیں لیکن اس کو قرآن میں شامل کرنے کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس نہیں فرمائی، حدیثِ قدسی کی جو کتابیں ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو قرآن پر اضافہ سمجھی جاسکتی ہے، بلکہ قرآن ہی کی بعض باتوں کو دُوسرے الفاظ میں زور دے کر بیان کیا گیا ہے۔''

یہاں آکر میں اٹک گیا ہوں، کیونکہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی رائے میرے بنیادی عقیدے سے متصادم معلوم ہوتی ہے، میرا اِیمان ہے کہ قرآنِ حکیم مکمل طور پر لوحِ محفوظ پر لکھا ہوا ہے اور جبرئیل علیہ السلام حسبِ فرمانِ خداوندی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے تھے، انہیں یاد کراتے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اِملا کراتے تھے اور صحابہ کرام کو یاد کرواتے تھے، یہ بات کہ کیا چیز قرآنِ حکیم میں شامل کی جائے اور کون سی چھوڑ دی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہ تھی۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ قرآنِ حکیم ان آیتوں پر مشتمل ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب خیال فرمائیں تو ہماری کتاب بھی بائبل کی طرح ہوگی آپ سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں میری راہنمائی فرمائیں۔

جواب:... آپ کا یہ موقف صحیح ہے، قرآنِ کریم کے الفاظ اور معنیٰ حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے ہیں،[۱] اور حدیثِ قدسی کا مضمون تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لیکن اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔[۲] قرآن مجید میں

---

(۱) فالقرآن المنزل علی الرسول ...... وھو النظم والمعنیٰ جمیعًا فی قول عامة العلماء وھو الصحیح .... الخ (حسامی ص:۲)۔
(۲) ...... لأن القرآن وحی کله بألفاظه ومعانیه نزل به الروح الأمین علیٰ قلبه، وأما السُّنَّة فألفاظها من عند الرسول صلی الله علیه وسلم وان کانت السُّنَّة کلها ارائة من الله تعالیٰ ....الخ۔ (ما تمس الیه الحاجة علی ابن ماجة ص:۵ للشیخ نعمانی)۔

کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی، اس لئے یہ کہنا کہ احادیثِ قدسیہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں شامل نہیں فرمائیں، غلط بات ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب بیچارے جو کچھ ذہن میں آتا ہے، کہہ دیتے ہیں۔ انہوں نے کسی اُستاذ سے یہ علوم حاصل نہیں کئے، اور ان خطبات بہاولپور میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ (۱)

فکری تنظیم والوں کے خلاف آواز اُٹھانا

سوال:... ہم ایک دینی مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان ہیں، مجلس شوریٰ باقاعدہ رجسٹرڈ ہے، مہتمم صاحب، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے خلیفہ ہیں، قواعد وضوابط میں درج ہے کہ یہ مدرسہ حضرت مولانا نانوتویؒ اور مولانا تھانویؒ کے مسلک ومشرب کے مطابق ہوگا، مہتمم صاحب کے دو صاحبزادے فکری تنظیم سے وابستہ ہیں، اور مجلس شوریٰ کی ناگواری کے باوجود مہتمم صاحب نے انہیں مدرّس تعینات کیا ہوا ہے، باپ کی سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھاکر صاحبزادوں نے زیادہ مدرّسین دُور دُور سے لاکر اپنے ہم ذہن بھرتی کروالئے ہیں، اور اپنے باپ (مہتمم صاحب) کو صدرِ مملکت کی طرح بے اختیار کرکے مدرسہ پر اپنا ہولڈ کیا ہوا ہے، جیسا کہ آپ کے علم میں ہوگا کہ یہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا نام لے کر لوگوں کو اپنی تنظیم کی طرف مائل کرتے ہیں، ان کے اپنے ایک استاد کی رپورٹ کے مطابق یہ لوگ ذاتی ملکیت کے قائل نہیں، خمینی کے مداح، جہادِ افغانستان کے مخالف اور روسی نظام کے حامی ہیں، عورت کی سربراہی کے قائل ہیں، تبلیغی جماعت کو گمراہ کہتے ہیں، اسی بنا پر اپنے خلاف ذہن کے اساتذہ کو پریشان کرکے نکلنے پر مجبور کردیا اور جو طلباء ان کے ہم ذہن نہیں بنے، انہیں بھی مدرسہ سے نکال دیا ہے، پشاور کے اخبار نجات مارچ ۱۹۹۸ء کے مطابق اس تنظیم کے ذہن والے طلباء کا داخلہ صوبہ سرحد کے مدارس میں بند کردیا گیا ہے۔ مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نصرت العلوم والوں نے بھی ایک سوال کے جواب میں انہیں اسلاف کا مخالف لکھا ہے، اور شرِ شیطان اور اس کے دوستوں کے شر سے پناہ مانگی ہے۔ علاوہ ازیں حساب وکتاب میں بھی کچھ گڑبڑ ہونے لگ گئی ہے، مجلس شوریٰ میں مہتمم صاحب اور شیخ الحدیث صاحب جامعہ خیر المدارس ملتان، مدرسہ خیر العلوم خیر پور ٹامیوالی کے مہتمم اور ناظم مدرسہ جامعہ عباسیہ صادقیہ منچن آباد کے علاوہ کچھ مقامی ارکان ہیں، مہتمم صاحب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ میرے بیٹوں کے نظریات درست نہیں، لیکن کہتے ہیں کہ اولاد ہونے کے باعث میں مجبور ہوں، ان کے خلاف کاروائی نہیں کرسکتا، بچوں کی وجہ سے مہتمم صاحب نے شوریٰ کا اجلاس بلانا بھی چھوڑ دیا ہے، قواعد وضوابط کے خلاف، جمع شدہ رقم اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کرواکر اپنی مرضی سے خرچ کرتے ہیں، ارکانِ شوریٰ اگر ان کو پوچھنا چھوڑ دیں تو مزید جری ہوکر اپنے نظریات پھیلانے میں بہت بڑھ جائیں گے، پوچھ گچھ کرتے رہنے سے قدرے محتاط رہتے ہیں، اس عظیم اور مثالی درسگاہ کو صحیح رخ پر لانے کے لئے ان کا نکالنا ضروری ہے، پوچھنا یہ ہے کہ مسئلے کی رُو سے ہم ارکانِ شوریٰ ان کو نکالنے کی کوشش کرتے رہیں یا خاموش ہوجائیں؟ مہتمم صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے آج تک ان کے پیر صاحب سے ان کے غلط عقائد کی وجہ سے ہاتھ نہیں ملائے۔

جواب:... میرا مسلک تو اپنے اکابر کے موافق ہے، مدرسہ کے یہ حضرات اگر اس مدرسہ میں اکابر کے مسلک پر عمل کریں تو

---

(۱) ”خطباتِ بہاولپور کا علمی جائزہ“ مکتبہ لدھیانوی نے شائع کردیا ہے۔

دُنیا و آخرت میں ان کو برکتیں نصیب ہوں گی، ورنہ اندیشہ ہی اندیشہ ہے۔

رہا یہ کہ آپ حضرات کو اس کے خلاف آواز اُٹھانا چاہئے یا خاموش رہنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ اگر آپ کا آواز اُٹھانا مفید ہوسکتا ہے تو ضرور آواز اُٹھانی چاہئے اور اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

تنقید اور حقِ تنقید

سوال:... بخدمت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مولانا صاحب! میں بی ایس سی کا طالب علم ہوں، مذہبی گھرانے سے تعلق ہے، اسکول اور کالج کے زمانے سے اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ ہوں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے بڑی عقیدت ومحبت ہے، میں ان کو اس دور کا عظیم مذہبی اسکالر خیال کرتا ہوں۔ لیکن دُوسرے علمائے کرام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے، اکابرینِ اُمت کی تحریکِ اسلامی پر نقد وتنقید سمجھ سے بالاتر ہے، یہ سوال میرے لئے بڑی پریشانی کا باعث ہے، اس لئے آپ کو عریضہ لکھ رہا ہوں کہ شاید آپ اس کی وضاحت فرمائیں کہ آخر کیوں مولانا مودودی صاحب کی مخالفت کی جاتی ہے؟

جواب:... عزیزم سلّمہٗ، السلام علیکم!

تمہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے والہانہ عقیدت ہے، اور تمہارے لئے یہ سوال حیرت و پریشانی کا موجب ہے کہ اکابرِ اُمت، جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی تحریکِ اسلامی کی مخالفت پر کیوں کمربستہ ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ سرسید احمد خان کی تحریک اصلاحِ اسلام، عبداللہ چکڑالوی کی تحریکِ قرآن، غلام احمد قادیانی کی تحریک تجدیدِ اسلام، غلام احمد پرویز کی تحریک طلوعِ اسلام، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تحریک تجددِ اسلام اور سوشلسٹوں کی تحریک ترقی پسند اسلام کی مخالفت علماء نے کیوں کی؟ اس کے جواب میں تم یہی کہوگے کہ ان لوگوں نے اپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق ''اسلام'' کا ایک مصنوعی خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کرکے اسے تو معیار قرار دیا، اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کی جو چیز اس مصنوعی خاکہ میں فٹ ہوسکی اسے لے لیا اور جو چیز اس کے خلاف نظر آئی، اسے یا تو ہنسی مذاق میں اڑادیا، یا تاویل کے تیشے سے تراش کر اس کے مفہوم ومعنی کو غارت کردیا، گویا ان کا ذہن و فکر، عقل وشعور اور دل ودماغ، اسلام کے تابع نہیں، بلکہ ''اسلام'' کا ردّ وقبول ان کے ذہنی خاکہ کے تابع ہے، اور علماء کا فرض تھا کہ ان کے مصنوعی ''طلسم اسلام'' کو توڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حقیقی اسلام کی، جو چودہ سو سال سے سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آتا ہے، امت کو دعوت دیتے اور ان نئے ''مفکرینِ اسلام'' کے فتنہ سے لوگوں کو آگاہ کرتے۔

تم جانتے ہو کہ علمائے امت نے ہر قیمت پر یہ فریضہ ادا کیا، انہیں گالیاں دی گئیں، ان پر فقرے چست کئے گئے، ان کا مذاق اُڑایا گیا، ان پر طعن وتشنیع کے نشتر چلائے گئے، مگر علمائے اُمت کو تو اپنا فرض ادا کرنا تھا، اور انہوں نے بہرحال اسے ادا کیا، اور جب تک جان میں جان اور منہ میں زبان ہے تب تک علمائے اُمت سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ دن کو دن اور رات کو رات کہنے

کے ''جرم'' کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

اب سنو...! اسی طرح کا ایک مصنوعی خاکہ جناب مودودی صاحب نے اپنی ذہانت وطباعی سے اختراع کیا، اسی کو ''اسلامی تحریک'' کی حیثیت سے پیش کیا، اسی کی بنیاد پر ''اسلامی جماعت'' تشکیل کی، اور آج ان کی ''جماعتِ اسلامی'' کے بڑے چھوٹوں پر اسی مصنوعی خاکے کی چھاپ ہے، خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں کہ جو حکم مذکورہ بالا لوگوں کا ہے، وہی جناب مودودی پر بھی لگا رہا ہوں، نہیں! بلکہ درجات ومراتب کا فرق ہے، ظلمات بعضہا فوق بعض! تشبیہ سے مقصد صرف اتنا ہے کہ ''حقیقی اسلام'' کو سمجھنے سے یہ سب لوگ قاصر رہے اور اپنے ''فہمیدہ اسلام'' کا الگ ناک، نقشہ مرتب کرنے میں سب شریک ہیں۔ یہ الگ امر ہے کہ ان میں سے بعض کا مرتبہ نقشہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے بالکل ہی مختلف ہو، اور بعض کا اس قدر مختلف نہ ہو، مگر اس میں کیا شک ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی عقل وفہم کے زور سے اسلام کا جو خاکہ سمجھا، اسی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، اسی کو مدار ٹھہرایا اور اسی کی قوم کو دعوت دی۔

عربی کی مثل ہے: ''لکل ساقطة لاقطة'' یعنی ہر گری پڑی چیز کو اُٹھانے والا کوئی نہ کوئی مل ہی جاتا ہے۔ ذہنی مطابقت اور قلبی تشابہ کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ افراد مل ہی گئے۔ یہ تمہارے سوال کا مختصر سا جواب ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ اس اجمال سے تمہاری تشفی نہیں ہوگی، اس لئے مجھے اس کی بقدرِ ضرورت تفصیل کرنا ہوگی، آج کی صحبت میں، میں آپ کو صرف ایک نکتہ پر غور وفکر کی دعوت دوں گا، تم نے ''جماعتِ اسلامی'' کے دستور میں جناب مودودی صاحب کے قلم سے یہ فقرہ پڑھا ہوگا:

> ''رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھے، کسی کی ''ذہنی غلامی'' میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں، اس کو اسی درجہ میں رکھے۔''

(مودودی مذہب ص:۵۳، دستور جماعت اسلامی ص:۲۴، طبع سوم ۱۹۶۲ء)

میں تمہارا وقت بچانے کے لئے ''مودودی مذہب'' مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا حوالہ دے رہا ہوں، اس میں درج شدہ حوالوں پر کوئی اعتراض ہو تو مصنف ماشاء اللہ بقیدِ حیات ہیں، ان سے رجوع کرسکتے ہیں، چاہو تو یہ ذمہ داری میں خود بھی قبول کرنے کو تیار ہوں۔

اس دستوری عقیدہ میں جناب مودودی صاحب نے ہر فردِ جماعت کو، خواہ اس کی اپنی حیثیت کچھ ہی ہو، یہ تلقین فرمائی ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو مستثنیٰ کرنے کے بعد کسی انسان کو ''تنقید'' سے بالاتر نہ سمجھا جائے، نہ کسی کی ''ذہنی غلامی'' میں مبتلا ہوا جائے، بلکہ جو کسوٹی مودودی صاحب اور ان کی جماعت کو خدا نے عطا کی ہے، اس پر ہر ایک کو ٹھونک بجا کر پرکھا جائے، اور پھر اس جانچ پرکھ کے نتیجہ میں جس کا جو درجہ متعین ہو اُسے اُسی درجہ میں رکھا جائے۔

اب ذرا ''مودودی مذہب'' کا مطالعہ کرکے دیکھئے کہ ''تنقید'' کی چھلنی میں چھان پھٹک کر مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے اکابر کے کیا کیا درجے متعین فرمائے ہیں؟ سنئے!! مودودی صاحب بتاتے ہیں کہ:

غلط عقائد رکھنے والے فرقے

۱:... ”موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔“

(مودودی مذہب ص:۲۳، رسالہ ترجمان القرآن ج:۲۹ عدد:۴ ص:۵)

۲:... ”پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ داوٴد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی کہ: ”لَا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ۔“ (سورۂ ص رکوع:۲) ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔“ (ص:۲۱)

۳:... ”حضرت داوٴد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متأثر ہوکر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔“ (ص:۲۴، تفہیمات حصہ دوم ص:۴۲، طبع دوم)

۴:... ”حضرت داوٴد کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے ”نامناسب استعمال“ سے بھی کوئی تعلق تھا، اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔“ (ص:۲۵، تفہیم القرآن ج:۴ سورۂ صٓ ص:۳۲۷، طبع اول اکتوبر ۱۹۶۶ء)

۵:... ”حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہوگئے تھے۔“ (ص:۲۶)

۶:... عصمت دراصل انبیاءؑ کے لوازمِ ذات سے نہیں...... اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہوجانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاءؑ کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں۔“ (ص:۳۰)

۷:... ”انبیائے کرامؑ سے قصور بھی ہوجاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔“ (ص:۳۱)

۸:... ”حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں، اور غالباً انہوں نے بے صبر ہوکر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔“

(ص:۳۵، تفہیم القرآن ج:۲ سورۂ یونس، حاشیہ ص:۳۱۲، ۳۱۳ طبع سوم ۱۹۶۴ء)

۹:... ”صحابہ رضی اللہ عنہ پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہوجاتا تھا، اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کرجاتے تھے (پوری عبارت مودودی مذہب ص:۵۶ میں پڑھ لیں، آگے کی عبارت نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے)۔“

۱۰:... ”صحابہ کرامؓ جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کرجاتے تھے۔“ (ص:۵۹)

۱۱:... ”ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ جیسا بے نفس متورع اور سراپا للّٰہیت بھی اسلام کے نازک ترین مطالبہ کو پورا کرنے سے چوک گیا۔“ (ص:۶۰)

۱۲:... ’’(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) شخصی عظمت نے رحلتِ مصطفوی کے وقت اضطراری طور پر حضرت عمرؓ کو تھوڑی دیر کے لئے مغلوب کرلیا تھا۔‘‘ (ص:۶۰)

۱۳:... ’’حضرت عثمانؓ، جن پر اس کارِ عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا، ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروؤں کو عطا ہوئی تھیں، اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔‘‘ (ص:۶۵)

۱۴:... ’’خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے، جو انہوں نے قاضی کی حیثیت سے کئے تھے۔‘‘ (ص:۶۶)

۱۵:... ’’حضرت عثمانؓ نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے، اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ تنقید بن کر رہیں۔‘‘ (ص:۷۱)

۱۶:... ’’مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا۔‘‘ (ص:۷۱)

۱۷:... ’’اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔‘‘ (ص:۷۲)

۱۸:... ’’دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ (حضرت عثمانؓ) کے سیکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔‘‘ (ص:۷۲)

۱۹:... ’’تاریخ بتاتی ہے اور صحیح بتاتی ہے کہ مروان اور یزید امتِ مسلمہ کے نزدیک ناپسندیدہ شخصیتیں سمجھی جاتی ہیں، یہ نرم سے نرم الفاظ ہیں جو مروان اور یزید کے بارے میں کہے جاسکتے ہیں۔‘‘

(ماہنامہ فاران ستمبر ۱۹۷۶ء ص:۴۲)

۲۰:... ’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو (جو فقرہ ۱۷، ۱۸ میں نقل ہوا) بلاشبہ غلط تھا، اور غلط کام بہرحال غلط ہے، خواہ کسی نے کیا ہو، اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا، نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے (اور ’’اللہ! اللہ! فی اصحابی‘‘ کا مطالبہ کیا ہے...؟ـ ناقل)۔‘‘ (ص:۷۳)

۲۱:... ’’ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبّ و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے...... کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا، اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔‘‘ (ص:۷۵)

۲۲:...''زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی، (غالباً اسی سنت کی تقلید میں آنجناب نے بھی فاطمہ جناح کی انتخابی مہم میں ''سیاسی اغراض'' کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ ناقل)۔'' (ص:۶۷، خلافت وملوکیت ص:۱۷۵)

۲۳:...''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا حامی اور مددگار بنانے کے لئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں (زناکاری پر شہادتیں لینا! کیسا عجیب انکشاف ہے...؟۔۔۔ ناقل)۔ اور اس کا ثبوت بہم پہنچا کر کہ زیاد انہی (ابوسفیانؓ) کا ولد الحرام ہے، پھر اسے اسی بنیاد پر اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔'' (ص:۷۷)

۲۴:...''حضرت عمرو بن العاصؓ...... سے دو کام ایسے سرزد ہوگئے ہیں جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔'' (ص:۸۴)

۲۵:...''حضرت علیؓ نے...... مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دے دیئے، درآنحالیکہ قتلِ عثمانؓ میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا، وہ سب کو معلوم ہے، حضرت علیؓ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام (جو ان کے پورے زمانۂ خلافت پر پھیلا ہوا ہے) ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' (ص:۸۵)

۲۶:...''حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کچھ زیادہ جری ہوگئی تھیں اور حضور سے زبان درازی کرنے لگی تھیں۔'' (ص:۸۸، ہفت روزہ ایشیا لاہور مؤرخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۷۶ء)

۲۷:...''تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدِدِ کامل پیدا نہیں ہوا، قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اس منصب پر فائز ہوجاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔'' (ص:۹۱)

۲۸:...''امام غزالیؒ کے تقیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے، اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کئے جاسکتے ہیں، ایک قسم ان نقائص کی ہے جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوئے، دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے، اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے۔'' (ص:۹۲)

۲۹:...''پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وقت سے شاہ (ولی اللہ) صاحب اور ان کے خلفاء کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا، اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔'' (ص:۹۲)

۳۰:... ’’اسی طرح یہ قالب (تصوف) بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہوگیا ہے کہ اس کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکہ لگایا ہے، اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آجاتی ہے جو صدیوں سے ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہے۔‘‘ (ص:۹۲)

۳۱:... ’’مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحبؒ ناواقف تھے، نہ شاہ صاحبؒ، دونوں کے کلام میں اس پر تنقید بھی موجود ہے، مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہوچکی تھی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے مرض سے متأثر ہوتا چلا گیا۔‘‘ (ص:۹۴)

۳۲:... ’’اگرچہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی جو ابن تیمیہؒ نے کی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی تھا، جس کا کچھ اثر شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریروں میں بھی باقی رہا، اور پیری مریدی کا سلسلہ سید صاحبؒ کی تحریک میں چل رہا تھا، اس لئے ’’مرضِ صوفیت‘‘ کے ’’جراثیم‘‘ سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی۔‘‘ (ص:۹۵)

۳۳:... ’’اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت (غالباً مودودی صاحب کی اپنی جماعت ــ ناقل) کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں، خواہ وہ ان پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء، یا خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات، ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں، مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں۔‘‘ (ص:۱۹)

میں نے جناب مودودی صاحب کے بپھرے ہوئے دریائے تنقید سے یہ چند قطرے پیش کئے ہیں، اور یہ سب کچھ انہوں نے بزعم خود، خدا کے بتائے ہوئے معیار پر جانچنے اور پرکھنے کے بعد لکھا ہے، میں ان کے ایک ایک فقرے پر بحث کرنا نہیں چاہتا، تم خود سوچو کہ ان تنقیدات کے بعد اسلام کا کیا نقشہ ذہن میں آتا ہے؟ البتہ جی چاہتا ہے کہ تمہاری سہولت کے لئے چند اصولی باتیں پیش کروں۔

۱:... جناب مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ: ’’رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔‘‘ اس کے آثار ونتائج پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ ’’تنقید‘‘ کسے کہتے ہیں؟ تم جانتے ہو کہ یہ عربی کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو جانچنا، پرکھنا اور کھوٹا کھرا معلوم کرنا۔ اور اردو محاورے میں یہ لفظ نکتہ چینی، خردہ گیری اور اظہارِ نقص کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی جانچنے، پرکھنے کے بعد جب کوئی چیز عیب دار ثابت ہوتی ہے، تو اس کے کمزور پہلوؤں کے اظہار کا نام ’’تنقید‘‘ ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں پر ’’تنقید‘‘ کی تو اس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ اس کے کمزور پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اس پر نکتہ چینی کی اور اس کے عیوب ونقائص بیان کئے۔

۲:...جس چیز یا جس شخصیت کو ''تنقید'' کا محل سمجھا جائے، اس کے بارے میں سب سے پہلا تصور یہ قائم ہوتا ہے کہ ''تنقید'' سے پہلے یہ چیز قابلِ اعتماد نہیں، بلکہ جانچ پرکھ کی محتاج ہے، اور اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوسکے گا کہ یہ لائق اعتماد ہے یا نہیں؟ کیونکہ جو چیز سوفی صد لائق اعتماد ہو اس کے جانچنے پرکھنے کی ضرورت نہیں رہتی، اور نہ دنیا میں کوئی ایسا عقلمند آپ نے دیکھا ہوگا جو سکہ بند اور لائق اعتماد چیزوں کی جانچ پرکھ کرتا پھرے۔ الغرض یہ ایک بدیہی اصول ہے کہ جو چیز لائق اعتماد ہے اس کی ''تنقید'' (یا اردو محاورے کے مطابق اس پر ''تنقید'') کی ضرورت نہیں۔ اور جو چیز محتاجِ ''تنقید'' ہے، وہ ''تنقید'' سے قبل لائق اعتماد نہیں۔ مثلاً: بازار میں مہر شدہ باٹ استعمال ہوتے ہیں، آپ نے کسی کو نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ سودا خریدتے وقت دکاندار سے یہ دریافت کرے کہ میاں! اس کا وزن بھی درست ہے؟ کیونکہ وہ سرکاری مہر کے بعد ''تنقید'' سے بالاتر ہے، اور اس پر سرکاری مہر کا ہونا ہی اس کے قابلِ اعتماد ہونے کی ضمانت ہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس دانشمندی کا مظاہرہ کرے تو تم جانتے ہو کہ اسے کیا کہا جائے گا؟

اب جب مودودی صاحب ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کوئی بھی انسان ''تنقید'' سے بالاتر نہیں، تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی انسان بھی ہمارے لئے لائق اعتماد نہیں، اسی اعتماد کو جناب مودودی صاحب ''ذہنی غلامی'' سے تعبیر کرکے یہ فرماتے ہیں کہ ''نہ (رسولِ خدا کے سوا) کسی (انسان) کی ''ذہنی غلامی'' میں مبتلا ہو۔'' گویا جناب مودودی صاحب کے نزدیک چودہ سو سال کی امت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے کسی قول و فعل پر ہم اعتماد کرسکیں، تاوقتیکہ مودودی صاحب خدا کے بتائے ہوئے معیار پر جانچ کر اس کی درجہ بندی نہ کریں، اور ہمیں یہ نہ بتلادیں کہ فلاں شخص پر تم اس حد تک اعتماد کرسکتے ہو اور اس حد تک نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے خود تراشیدہ تصورِ اسلام میں خلفائے راشدین کے قاضیانہ فیصلوں کو بھی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے امت کو وصیت فرمائی تھی کہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑیں، ''مشکوٰۃ شریف'' میں یہ حدیث تم نے خود پڑھی ہوگی:

''عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا! فَقَالَ: اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِىْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ، فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ رواه احمد وابوداؤد والترمذى وابن ماجة۔''
(مشکوٰۃ ص:۲۹)

ترجمہ:...''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو ہماری جانب رخ کرکے بہت ہی پُراثر وعظ فرمایا، جس سے آنکھیں بہہ پڑیں

اور دل کانپ گئے، وعظ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آج کا وعظ تو ایسا (جامع اور مؤکد) تھا جیسیا رخصت کرنے والے کا وعظ ہوتا ہے (کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں چھوڑتا جس پر تنبیہ کی حاجت ہو) پس (اگر واقعی آپ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے تو) ہمیں کوئی وصیت فرمائیے (جس کو ہم عمر بھر یاد رکھیں)۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ (تم میں سے جو اولوالامر ہو اس کی) سنو اور مانو! خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو؟ کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے (نظریات) اختلافات دیکھے گا، پس تم میری سنت کو اور ان خلفاء کی سنت کو، جو رشد و ہدایت پر فائز ہیں، اختیار کرو، اسے خوب مضبوط پکڑلو اور دانتوں سے تھام لو، اور نئے نئے امور سے اجتناب کرو، کیونکہ ہر نئی بات (جسے دین کا جز سمجھ لیا جائے وہ) بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

۳:... جانتے ہو کوئی شخص جب کسی دوسرے پر ''تنقید'' کرتا ہے تو اس کا منشا کیا ہوتا ہے؟ سنو! اگر کسی کے علم پر ''تنقید'' کی جائے (خواہ وہ صرف کسی ایک مسئلہ یا معاملہ سے متعلق ہو) تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان صاحب کا علم صحیح نہیں، بلکہ ناقد کا علم صحیح ہے، یا ناقد اس مسئلہ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے فہم پر ''تنقید'' کی جائے تو اس کا منشا اپنے فہم کی برتری کا احساس ہے، اور اگر عمل پر ''تنقید'' کی جائے تو اس کا منشا اپنے عملی تفوق کا جذبہ ہے، الغرض جس بات میں آپ دوسرے پر ''تنقید'' کریں گے، اس میں اپنے علم و عمل اور عقل و فہم کے مقابلہ میں دوسرے کے علم و عمل اور عقل و فہم کو فروتر سمجھیں گے۔ پھر کبھی تو ناقد واقعی ان امور میں اس شخص سے جس پر ''تنقید'' کی گئی، فائق ہوتا ہے، اور کبھی واقعتاً فائق نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی خوش فہمی کے جنون میں اپنے کو فائق تر سمجھتا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں اسے ''کبر'' یا ''تکبر'' کہتے ہیں، اور یہی ''کبر'' تھا جس کا شکار سب سے پہلے ابلیس ہوا، اور اسی برخود غلط احساسِ برتری نے اسے ''معلّم ملکوت'' کے بجائے قیامت تک ملعون بنادیا۔

اب اس اصول کو سامنے رکھ کر ذرا مودودی صاحب کی ''تنقید'' اور ''اصولِ تنقید'' پر نظر ڈالئے، وہ ہر شخص کو حق دیتے ہیں کہ وہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا سلفِ صالحین میں سے ہر شخص پر ''تنقید'' کرے، بتائیے! آخر اس کو کیا نام دیا جائے؟ کیا مودودی صاحب کے نزدیک ان کی جماعت کا ہر فرد سلفِ صالحین سے علم و فہم میں فائق ہے؟ اگر نہیں تو اس کا منشا برخود غلط پندار کے سوا اور کیا ہے؟ اور پھر مودودی صاحب یہ کہتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں، اس وقت ان کا دعویٰ گویا یہ ہوتا ہے کہ وہ فریضۂ رسالت کی ذمہ داریوں کو حضرت یونس علیہ السلام سے زیادہ سمجھتے ہیں، بلکہ شاید خدا سے بھی زیادہ، کیونکہ کم از کم مودودی صاحب سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ اپنی جماعت کی کوئی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جس کے بارے میں انہیں علم ہے کہ وہ اسے پوری طرح ادا نہیں کرسکے گا، مگر بقول ان کے خدا نے فریضۂ رسالت کی ذمہ داری حضرت یونس علیہ السلام کے سپرد کرکے یہ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی۔

اسی طرح جب وہ کہتے ہیں کہ: ''نوح علیہ السلام جاہلیت کے جذبہ سے مغلوب ہوگئے تھے'' تو گویا وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جذبات جاہلیت پر ان کی نظر حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ ہے، اور یہ کہ ان جاہلی جذبات پر غالب آنے کی وہ حضرت نوح علیہ

السلام سے زیادہ ہمت رکھتے ہیں، کیونکہ اپنے بارے میں ان کا ارشاد یہ ہے:

”خدا کے فضل سے میں کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہوکر نہیں کیا اور کہا کرتا، ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے، تول تول کر کہا ہے، اور یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے، نہ کہ بندوں کو۔ چنانچہ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی لفظ بھی خلافِ حق نہیں کہا۔“

(مودودی مذہب ص:۲۹)

جب وہ کہتے ہیں کہ: ”حضرت داوٴد علیہ السلام نے اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متأثر ہوکر فلاں کام کیا تھا“ اس وقت وہ نہ صرف اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ جو شخص اپنی سوسائٹی کی ”ذہنی غلامی“ میں مبتلا ہوجائے وہ پیغمبر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ وہ یہ تأثر بھی دیتے ہیں کہ داوٴد علیہ السلام کی جگہ اگر حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہوتے تو اوریا سے اس کی بیوی کی طلاق کا کبھی مطالبہ نہ فرماتے۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے فلاں معاملہ میں انسانی اخلاق تک کو ملحوظ نہیں رکھا، اس وقت وہ اپنے آپ کو انسانی اخلاقیات کا حضرت معاویہؓ سے بڑا عالم سمجھتے ہیں۔ اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے شریعت کے فلاں قاعدے کی صریح خلاف ورزی کی، اس وقت وہ اپنے آپ کو حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر عالمِ شریعت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

جب وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر حضرت سید احمد شہیدؒ تک، مجددین کے تجدیدی کاموں میں یہ، یہ نقائص رہ گئے، اس وقت وہ یہ باور کراتے ہیں کہ وہ تجدید و احیائے دین کو ان تمام اکابر سے زیادہ سمجھتے ہیں، اور جب وہ بڑے فخر سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ:

”میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن اور سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے (اور قرآن اور سنت کا سمجھنا آنجناب کو کس نے سکھایا تھا؟ حال یا ماضی کے اشخاص نے؟ ملأ اعلیٰ کے فرشتوں نے؟ یا مرزا غلام احمد کی طرح سب کچھ شکمِ مادر ہی سے لے کر آئے تھے؟ ناشکری کی حد ہے کہ دو چار اُلٹے سیدھے حرف جن اشخاص کی جوتیوں کی برکت سے حاصل ہوئے ان ہی کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔ ناقل) اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر موٴمن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں؟ بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول نے کیا کہا؟ (بنیادی طور پر ٹھیک یہی نظریہ مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کا ہے۔ ناقل)۔“

(مودودی مذہب ص:۹۸)

اس وقت دراصل وہ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امت کے طویل ترین دور میں کوئی ”بزرگ“ ان سے زیادہ دین کو سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا، خیر! یہ ایک الگ موضوع ہے، اس پر ان شاء اللہ کبھی دوسری فرصت میں کچھ کہوں گا۔ سرِ دست مجھے یہ کہنا ہے کہ ”تنقید“ کا منشا ہمیشہ: ”انا خیر منه!“ کا احساس ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعتاً کسی سے علم و فہم اور عمل و اخلاق میں بڑھ کر ہے تو اسے بلاشبہ اپنے

چھوٹے پر ''تنقید'' کا حق حاصل ہے، اور اگر بر خود غلط احساسِ برتری اس کا منشا ہو تو اس سے ہر مؤمن کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اب اگر جناب مودودی صاحب واقعی ان تمام حضرات سے اپنے علم و فہم اور عمل و تقویٰ میں فائق ہیں، جن پر انہوں نے ''تنقیدیں'' کی ہیں تو بلاشبہ انہیں ''تنقید'' کا حق ہے، اور اگر ان حضرات کے مقابلہ میں علم و فہم اور عمل و تقویٰ میں تہی دامن ہونے کے باوصف وہ تنقید کا شوق رکھتے ہیں تو اس کا منشا بجز غرور و پندار اور تکبر کے کیا ہو سکتا ہے؟

۴:... پھر جناب مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق جب چودہ سو سالہ امت کا کوئی بھی فرد ''تنقید'' سے بالا نہیں، نہ کسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، بلکہ خدا کی بتائی ہوئی کسوٹی پر ہر ایک کو جانچنا اور پرکھنا لازم ہے تو سوال یہ ہے کہ جو دین آج کی امت کو سلفِ صالحین کی نقل و روایت اور علم و عمل کے ذریعہ پہنچا ہے، اس پر اعتماد کیسے کیا جائے؟ تم جانتے ہو کہ ہمارے دین کے دلائل کل چار ہیں:

۱:... کتاب اللہ۔

۲:... سنتِ رسول اللہ (خلفائے راشدینؓ کی سنت اسی کے ضمن میں آجاتی ہے)۔

۳:... اِجماعِ اُمت۔

۴:... اور قیاسِ مجتہدین۔

ائمہ اِجتہاد کے فقہی مسائل تو یوں ختم ہوئے کہ مودودی صاحب ماشاء اللہ! خود مجتہدِ مطلق ہیں۔ انہیں دین فہمی کے لئے ماضی و حال کے کسی بزرگ سے علمی استفادہ کی حاجت نہیں، اور جب پوری امت کو محتاجِ ''تنقید'' اور نالائق اعتماد فرض کرلیا جائے تو ظاہر ہے کہ ان کے اجماع کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، اور کتاب و سنت کا مدار، روایت و درایت پر ہے، جن لوگوں کے علم و عمل پر ہی اعتماد نہیں، ان کی روایت و درایت کا حال بھی معلوم ہوگیا، خصوصاً جبکہ جناب مودودی صاحب کی تحقیق کے مطابق صحابہ کرامؓ ایک دوسرے پر چوٹیں کیا کرتے تھے، اور ایک دوسرے کو (نعوذ باللہ!) جھوٹا بتایا کرتے تھے، اگر صحابہ کرامؓ بھی... نعوذ باللہ!... ایسے ہی تھے جس کی تصویر مودودی صاحب کی ''تنقیدات'' نے مرتب کی ہے تو بعد کی امت تو ظاہر ہے کہ ان سے بدتر ہی ہوگی، نتیجہ یہ کہ قرآن و حدیث سے لے کر اجماع و قیاس تک ہر چیز مشکوک اور ناقابلِ اِعتماد ٹھہری، جب تک کہ خدا کے بتائے ہوئے ''معیار'' پر پرکھ کر مودودی صاحب ہمیں نہ بتائیں کہ فلاں چیز کتنی حد تک قابلِ اِعتماد ہے اور کتنی حد تک نہیں۔

ذرا انصاف سے کہئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور مسٹر غلام احمد پرویز اس کے سوا اور کیا کہتے ہیں؟ اور پھر یہ ''خدائی معیار'' مودودی صاحب کو کہاں سے حاصل ہوگا؟ جس پر جانچ جانچ کر وہ سلفِ صالحین میں سے ایک ایک فرد کی درجہ بندی کریں گے (اور جیسی درجہ بندی انہوں نے کردی ہے، اس کا کچھ نمونہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو) کیا ان پر نئے سرے سے ''وحی'' نازل ہوگی؟ یا چودہ سو سال پیچھے کی طرف زقند لگا کر وہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن و سنت لیں گے...؟

جب وہ ماضی یا حال کے کسی بھی بزرگ کے واسطے کے قائل نہیں، نہ کسی کی ''ذہنی غلامی'' کی ذلت اٹھانے کے لئے وہ تیار ہیں تو آخر ''خدائی معیار'' انہیں کس غار سے دستیاب ہوگا...؟

۵:... تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے آخری دین کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے، دین کی حفاظت جب ہی

ہوسکتی ہے جبکہ نصوصِ دین کے الفاظ بھی بغیر کسی تغیر وتبدل کے محفوظ رہیں، ان کے معانی بھی محفوظ ہوں، پھر ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خود عمل کرکے دکھایا اور صحابہ کرامؓ سے اپنے سامنے عمل کرایا، وہ بھی محفوظ ہو، اور پھر ان اعمال سے جو اسلامی ذوق، احسانی کیفیت اور دین فہمی کا ملکہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی محفوظ رہے۔ غرضیکہ یہ چار چیزیں ہوئیں: الفاظ، معانی، اعمال اور ذوقِ دین۔ ہم ”ذہنی غلامی“ کے مبتلاؤں کا تو خیال ہی نہیں بلکہ عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ چاروں چیزیں بغیر کسی انقطاع کے محفوظ رکھیں اور جن حضرات کے ذریعہ محفوظ رکھیں وہ ہمارے محسن ہیں، مقتدا ہیں، معتمد علیہ ہیں، اور ہم ان کے ذہنی غلام ہیں، ممنونِ احسان ہیں، کیونکہ اگر ان حضرات کو درمیان سے ہٹادیا جائے اور یہ فرض کرلیا جائے کہ فلاں دور میں وہ دین کے الفاظ کو، یا معانی کو، یا عمل کو، یا ذوق کو محفوظ نہیں رکھ سکے تھے؟ یا یہ کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، تو اس سے پورے دین ہی کی نفی ہوجاتی ہے۔ مگر مودودی صاحب کے نظریہ کے مطابق تو ان چاروں چیزوں میں سے ایک چیز بھی لائقِ اعتماد نہیں رہی، کیونکہ ماضی اور حال کے بزرگوں کی ”ذہنی غلامی“ میں مبتلا ہونے کی ذلت ان کے منصبِ عالی کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، جس کے لئے وہ کسی طرح بھی آمادہ نہیں۔ اور اگر ان کی رعایت سے یہ تسلیم بھی کرلیں کہ قرآن وسنت کے الفاظ محفوظ ہیں، تب بھی ان الفاظ کو معنی پہنانے اور ان معانی کو عملی جامہ پہنانے اور پھر ان اعمال ریاضت سے دین کا ذوق نصیب ہونے کے مراحل باقی رہیں گے، اور چونکہ مودودی صاحب کسی بھی انسان کی ”ذہنی غلامی“ قبول کرنے پر آمادہ نہیں، اس لئے یہ سارے مراحل بغیر کسی کی راہنمائی کے طے کرنے ہوں گے، اسی طرح ان کی جماعت کے ایک ایک فرد کے لئے بھی چونکہ سلفِ صالحین کی ”ذہنی غلامی“ شجرِ ممنوعہ ہے، اس لئے انہیں بھی اپنی عقل وفہم کی پرواز سے یہ مرحلے طے کرنے ہوں گے، اس سے ان کے دین کا جو حلیہ بنے گا اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، حاصل یہ کہ جو شخص آج چودہ سو سال پرانے اسلام کے اندر رہنا چاہتا ہے، اس کو تو حاملینِ دین، سلفِ صالحین کی ”ذہنی غلامی“ کے بغیر چارہ نہیں، اور جو شخص اس ذلت کو برداشت نہیں کرتا یا نہیں کرنا چاہتا وہ خواہ کتنا ہی بلند پرواز کیوں نہ ہو اسلام کو... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کو... حاصل نہیں کرسکتا، اگر سلفِ صالحین کے قال وحال پر اعتماد کئے بغیر اور ان کی ”ذہنی غلامی“ میں مبتلا ہوئے بغیر بھی اسلام کو حاصل کرنے کا کوئی سائنٹفک طریقہ جناب مودودی صاحب نے ایجاد فرمایا ہے، تو اس کے معلوم کرنے کا متمنی ہوں، بشرطیکہ وہ مسٹر پرویز اور مرزا قادیانی وغیرہ ملاحدہ کے طریقہ سے ذرا مختلف ہو...!

۶:... جناب مودودی صاحب کی شستہ بیانی اور قلم کی روانی کا میں بھی معترف ہوں، مگر میرا خیال ہے کہ وہ اپنی بلند پروازی میں ایسے الفاظ بھی استعمال فرماجاتے ہیں جو موقع ومحل کے اعتبار سے بالکل ہی بے معنی ہوں، مثلاً: یہی ”تنقید“ سے بالاتر، اور ”ذہنی غلامی“ کے الفاظ کو لیجئے! یہ اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے بالکل مہمل ہیں، غور فرمائیے! اگر دینِ اسلام کی ”ذہنی غلامی“ کوئی عیب نہیں بلکہ لائقِ صد فخر ہے تو حاملینِ اسلام اور سلفِ صالحین کی پیروی اور ”ذہنی غلامی“ کیوں لائقِ فخر نہیں؟ اور اگر دینِ اسلام ہم ایسے جاہلوں کی ”تنقید“ سے بالاتر ہے تو جن حضرات کے واسطے سے ہمیں دین پہنچا، ان کا علم وفہم ”تنقید“ سے بالاتر کیوں نہ ہوگا؟ ارشادِ نبوی: ”لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ“ (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) کا آخر کیا مفہوم ہے؟

ایک طفلِ مکتب کا تصور کیجئے جو پہلے دن مکتب میں گیا، استاذ نے اسے بغدادی قاعدہ شروع کرایا ہو، جب استاذ نے اس کو

الف، بے کہلایا تو اس کے جواب میں وہ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ: حضور! میں چودہویں صدی کا مفکر ہوں، آپ کی ’’ذہنی غلامی‘‘ کیوں قبول کروں؟ تو اس صاحبزادے کی تعلیم جس قدر ’’مکمل‘‘ ہوگی؟ وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہم لوگ صحابہ کرامؓ اور دیگر سلفِ صالحینؒ کے مقابلہ میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو اس ماڈرن صاحبزادے کی استاذ کے مقابلہ میں تھی، ہمیں دین کی ابجد انہی بزرگوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے، ان کی ’’ذہنی غلامی‘‘ سے انحراف کا نتیجہ بھی اس صاحبزادے سے مختلف نہیں ہوگا، خدا مجھے معاف فرمائے، میرا خیال یہ ہے کہ سلفِ صالحین سے کٹ کر اور ان کی ’’ذہنی غلامی‘‘ کا جوا اُتار کر جو لوگ اسلام کا ناک، نقشہ مرتب کر رہے ہیں، وہ سرے سے اسلام کے قائل ہی نہیں، وہ قرآن وسنت کے الفاظ بار بار اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے میں کفر و اِلحاد پھیلانے کے لئے اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جناب مودودی صاحب کو میں ان لوگوں کی صف کا آدمی تو نہیں سمجھتا لیکن افسوس ہے کہ مودودی صاحب نے سلفِ صالحین میں سے ایک ایک فرد کی ’’ذہنی غلامی‘‘ کی نفی کرکے، دورِ حاضر کے ملاحدہ کی ’’ذہنی غلامی‘‘ کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے ’’آزادروی‘‘ کا وہی راستہ اپنایا ہے جس پر آج کا ماڈرن طبقہ بگٹٹ دوڑ رہا ہے۔

۷:... جناب مودودی صاحب، سلفِ صالحینؒ کی اقتدا و اتباع کو ’’ذہنی غلامی‘‘ کا نام دے کر اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں، حالانکہ یہ وہی ’’ذہنی غلامی‘‘ ہے جس کو قرآن ’’سبیل المؤمنین‘‘ قرار دے کر اس کے چھوڑنے والوں کو جہنم رسید کرنے کی دھمکی دیتا ہے، اور پھر یہ وہی ’’ذہنی غلامی‘‘ ہے جس کو قرآن ’’الصراط المستقیم‘‘ قرار دے کر اس کی ہدایت کی دعا تلقین کرتا، اور پھر یہ وہی ’’ذہنی غلامی‘‘ ہے جس کے لئے مسلمان ناک رگڑ رگڑ کر پنج وقتہ دُعائیں کرتے ہیں، کتنی مکروہ اور بھونڈی تعبیر ہے، جس راستہ پر مقدسین کے قافلوں کے قافلے گزرے ہیں، اس کی پیروی کو ’’ذہنی غلامی‘‘ بتایا جائے۔

تم نے اگر اِسلامی دور میں اُبھرنے والے باطل فرقوں کا مطالعہ کیا ہے تو یہ حقیقت تم پر آشکارا ہوگی کہ ان سب کی بنیاد اسی ’’انا ولاغیری!‘‘ پر استوار ہوئی، ان سب نے سلف کی ’’ذہنی غلامی‘‘ سے عار کی اور اپنی عقل وفہم کے بازوؤں پر تخیلات کے جنگل میں پرواز شروع کردی، اور پھر جس کا جدھر منہ اٹھا اسی سمت اڑتا رہا۔

اسلام میں سب سے پہلے فتنہ عبداللہ بن سبا یہودی نے برپا کیا، جس کی بنیاد ہی ’’رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھنے‘‘ پر تھی، پھر اسی سبائیت کے بطن سے ’’فتنہ خوارج‘‘ نے جنم لیا، جو بڑی شوخ چشمی سے کہتے تھے کہ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے دین کو نہیں سمجھا، ہم ان سے بہتر سمجھتے ہیں، پھر انہی بنیادوں پر معتزلہ، مرجئہ، قدریہ وغیرہ فرقے پیدا ہوئے، ان میں سے ہر ایک نے سلف کی پیروی کو ’’ذہنی غلامی‘‘ تصور کیا، ’’فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا!‘‘ دورِ حاضر میں جو نئے نئے فرقے پیدا ہوئے ان میں اُصول ونظریات کے اختلاف کے باوجود تمہیں یہی قدر مشترک نظر آئے گی، سلف صالحینؒ کا مذاق اُڑانا، ان کے کاموں میں کیڑے نکالنا، ان کی حیثیت کو مجروح کرنا، ان پر تنقیدی نشتر چلانا اور ان کی پیروی کو رجعت پسندی، دقیانوسیت، قدامت پرستی، ذہنی غلامی جیسے القاب دینا، دورِ جدید کا فیشن ہے۔ افسوس ہے کہ جناب مودودی صاحب نے بھی اپنی ’’اسلامی تحریک‘‘ کی بنیاد اسی نظریہ پر اُٹھائی ہے۔ ہم جب خارجیوں کے حالات پڑھتے تھے تو ہمیں ان کی جرأت پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ ایک ایسی شخصیت کے مقابلے میں دین فہمی کا دعویٰ کر رہے ہیں جس نے آفتابِ اسلام کو اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتے دیکھا، جو تئیس سالہ دورِ نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق

ومعتمد علیہ رہا، جو نزولِ وحی کے ایک ایک واقعہ کا عینی شاہد تھا، جس نے اپنی زندگی بچپن سے کہولت تک، اسلام پر نثار کردی، ان لوگوں کی عقل کو آخر کیا ہوگیا تھا کہ وہ اس کی دین فہمی پر تنقید کرتے تھے۔ مگر تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے، آج جناب مودودی صاحب کی ''تنقیدوں'' نے (جو انہوں نے حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کبارؓ پر کی ہیں) خارجیوں سے متعلق ہمارا سارا تعجب دُور کردیا۔ مودودی صاحب ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ''اسلامی نظام'' کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے، نہ ان کے بعد کسی کو اس کی توفیق ہوئی، اب جناب مودودی صاحب کی ''تحریکِ اسلامی'' اسلامی نظام برپا کرے گی، ''ان هی إلّا خارجية جديدة!'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خدا کے فرشتے حیا کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

''اَلَا اَسْتَحْيِیُ مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحْيِیُ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ۔ رواه مسلم۔'' (مشکوٰۃ ص:۵۶۱)

ترجمہ:... ''کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''

مگر مودودی صاحب ان سے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے، بلکہ ان پر بے لاگ تنقید کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بے پناہ قربانیوں سے متأثر ہوکر فرماتے ہیں:

''مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ، مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ۔ رواه الترمذی۔'' (مشکوٰۃ ص:۵۶۱)

ترجمہ:... ''عثمان اس کے بعد جو کچھ بھی کریں ان پر الزام نہیں، عثمان آج کے بعد جو کچھ بھی کریں ان پر الزام نہیں۔''

مگر مودودی صاحب ان پر الزامات کی بوچھاڑ کرنے کو سرمایۂ فخر ومباہات سمجھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کو وصیت فرماتے ہیں:

''اَللّٰهَ! اَللّٰهَ! فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ۔'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۲۶)

ترجمہ:... ''میرے ساتھیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنالینا، پس جس نے ان سے محبت کی، پس میری محبت کی بنا پر ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا، تو مجھ سے بغض کی بنا پر ان سے بغض رکھا۔''

لیکن مودودی صاحب ان کو تنقید کی چھلنی میں چھاننا ضروری سمجھتے ہیں، ہر کس و ناکس کو ان پر تنقید کا حق دیتے ہیں، ان کی عیب چینی کرکے امت کو ان سے نفرت اور بغض رکھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ لوگ ان کی ''ذہنی غلامی'' سے دست بردار ہوجائیں، یہ جدید رنگ میں اسی ''خارجیت'' کا احیا ہے، جو صحابہؓ کے دور میں ابھری تھی: ''وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ اَوَّلُهَا۔'' (اور اُمت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے) (حدیث نبوی)۔

اس تحریر کو فقیہ الامت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر ختم کرتا ہوں، تاکہ ان کے ارشاد سے مودودی صاحب کے

فرامین کا ''معیارِ حق''، تمہیں معلوم ہوسکے:

''عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَیَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةُ اَبَرُّهَا قُلُوْبًا وَّاَعْمَقُهَا عِلْمًا وَّاَقَلُّهَا تَكَلُّفًا، إِخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَأَعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ. رواه رزين۔'' (مشکوٰۃ ص:۳۲)

ترجمہ:...''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جس کو کسی کی اقتدا کرنی ہو تو ان حضرات کی اقتدا کرے جو فوت ہوچکے ہیں، کیونکہ زندہ آدمی فتنہ کے اندیشہ سے مأمون نہیں، میری مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ہے۔ یہ حضرات ساری امت سے افضل تھے، سب سے زیادہ پاک دل تھے، علم میں سب سے گہرے اور سب سے کم تکلف تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت، اپنے دین کی اقامت و حمایت کے لئے ان کو منتخب فرمایا، لہٰذا ان کے فضل و کمال کو پہچانو! ان کے نقشِ قدم پر چلو! جہاں تک ممکن ہو ان کی سیرت و اخلاق کو اپناوٴ! کیونکہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔''

حق تعالیٰ شانہ، ہمیں اور پوری اُمت کو اس زرّیں نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھے، آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

محمد یوسف عفا اللہ عنہ

آپ کے مسائل اور اُن کا حل ایک نظر میں

جلد اوّل

مسلمانوں کے بنیادی عقائد
ایمانیات، تقدیر، محاسنِ اسلام
انبیائے کرام علیہم السلام، عقیدۂ
حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اجماع
معراج، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی خواب میں زیارت، صحابہؓ و
صحابیاتؓ، ازواجِ مطہراتؓ
اور صاحبزادیاںؓ، اجتہاد و تقلید
سنت و بدعت
غلط عقائد رکھنے والے فرقے

جلد دوم

کفر، شرک اور ارتداد کی
تعریف و احکام، موجباتِ کفر
غیر مسلم سے تعلقات، قادیانی
فتنہ، عقیدۂ ختم نبوّت و نزولِ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام، علاماتِ
قیامت گناہوں سے توبہ
موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟
آخرت کی جزا و سزا، جنت
تعویذ گنڈے اور جادو
جنات، رُسومات، توہم پرستی

جلد سوم

وضو کے مسائل، پانی کے احکام
غسل کے مسائل، تیمّم، موزوں
پر مسح، حیض و نفاس، پاکی سے
متعلق عورتوں کے مسائل
ناخن پالش، نجاست، اور پاکی
کے مسائل، دُعا و اذکار، نماز کے
مسائل، اذان اور اقامت
مسجد کے مسائل، شرائطِ نماز
معذور کے احکام، قضا نمازیں
نمازِ وتر، سنت نمازوں کی ادائیگی

جلد چہارم

مسافر کی نماز، جمعہ کی نماز، نمازِ
تراویح، سجدۂ سہو، اوراد و وظائف
میّت کے احکام، نمازِ جنازہ
قبروں کی زیارت، ایصالِ ثواب
آنکھوں کا عطیہ اور اعضاء کی
پیوندکاری، قرآنِ کریم کی
عظمت اور اس کی تلاوت
روزہ رکھنے کے مسائل
اعتکاف کے مسائل

جلد پنجم

زکوٰۃ کے مسائل، پیداوار کا عشر
صدقہ فقراء وغیرہ سے متعلق
مدینہ منوّرہ کی حاضری
قربانی کے مسائل، ایامِ قربانی
قربانی کے حصے دار، ذبح کرنے
اور گوشت سے متعلق مسائل
قربانی کی کھالوں کے مصارف
عقیقہ، شکار، حلال اور حرام
جانوروں کے مسائل
قسم کھانے کے مسائل

جلد ششم

شادی بیاہ کے مسائل، جہیز،
حق مہر، طریق نکاح اور رُخصتی
جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں
رضاعت یعنی بچوں کو دُودھ پلانا
زوجیت کے حقوق، طلاق دینے
کا صحیح طریقہ، طلاقِ رجعی
طلاقِ بائن، طلاقِ مغلّظہ
حاملہ کی طلاق، خلع، تنسیخ نکاح
نامرد کی بیوی کا حکم، عدّت
پرورش کا حق، نان و نفقہ، طلاق
کے متفرق مسائل، عائلی قوانین

جلد ہفتم

خرید و فروخت اور محنت مزدوری
کے اُصول اور ضابطے، تجارت
اور مالی معاملات، ذخیرہ اندوزی
بیعانہ، حصص کا کاروبار، مضاربت
یعنی شراکت کے مسائل، مکان
دُکان اور دُوسری چیزیں کرایہ پر
دینا، قسطوں کا کاروبار، امانت
رشوت، قرض کے مسائل، جوا، سود
کمیشن، وراثت کے مسائل
جہاد اور شہید کے احکام
وصیت، سیاست

جلد ہشتم

پردہ، اخلاقیات، سلام و مصافحہ
تعلیم، تبلیغِ دین، تصوف، داڑھی
خواب کی حقیقت اور اس کی تعبیر
ناموں سے متعلق، جسمانی وضع
قطع، لباس، کھانے پینے کے
بارے میں شرعی احکام
کھیل کود، موسیقی اور ڈانس
فلم دیکھنا، تصویر، خاندانی
منصوبہ بندی
والدین اور اولاد کے تعلقات
مرد اور عورت سے متعلق مسائل